جغرافیہ خلافت مشرقی

سلسلۂ نصابیاتِ علمیہ جامعۂ عثمانیہ

جغرافیۂ خلافتِ مشرقی

میسوپوتامیا۔ ایران اور وسطِ ایشیا

از ابتدائے فتوحاتِ اسلامی تا عہدِ امیر تیمور

تصنیف

جی۔ لی اسٹرینج

ترجمۂ

محمد جمیل الرحمن ایم۔ اے، ایم۔ آر۔ اے۔ ایس۔

مددگار پروفیسر تاریخ کلیہ جامعہ عثمانیہ

۱۳۴۹ھ م ۱۳۳۹ف م ۱۹۳۰ء

دارالطبع جامعہ عثمانیہ سرکارِ عالی حیدرآباد دکن

فہرست مضامین جغرافیہ خلافت مشرقی

نمبر	ابواب	مضامین	از صفحہ تا صفحہ

یہ کتاب کیمبرج یونیورسٹی پریس کے ایجنٹس مسرز میکملن اینڈ کمپنی کی اجازت سے
جن کو حق اشاعت حاصل ہے اُردو میں ترجمہ کر کے
طبع و شائع کی گئی ہے

صفحات ذیل میں اس امر کی کوشش کی گئی ہے کہ ایک معقول حجم کی کتاب میں
اُن کل معلومات کو قلمبند کر دیا جائے جو عہد وسطےٰ کی عرب، ایرانی اور ترکی علماء جغرافیہ
کی ایسی تالیفات میں متفرق جگہ ملتی ہیں جو انھوں نے میسو پوٹیمیا اور ایران اور قریب کے
ممالک وسط ایشیا کے حالات میں لکھی تھیں جن اسناد کا حوالہ اس کتاب میں دیا گیا ہے
ان کا سلسلہ ابتدا کے مسلمان مصنفوں سے شروع ہو کر ان ارباب قلم پر ختم ہوتا ہے
جنھوں نے ممالک مذکورہ کی اس جدید تنظیم و ترتیب کے حالات لکھے ہیں جو تیمور کی وفات پر
یا یہ کہئے کہ وسط ایشیا میں ملک گیری کی آخری لڑائیوں کے بعد پیش آئے تھے۔ کیونکہ
پندرہویں صدی عیسوی یعنی نویں صدی ہجری کے بعد (جس میں یہ واقعات پیش آئے تھے)
ایشیا کا عہد وسطےٰ بھی خاتمہ کو پہنچ جاتا ہے

اس کتاب کی نسبت یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ یہ میری تالیف "بغداد بدور خلافت عباسیہ"
(" Baghdad " Under the Abbasid Caliphate) جو سنہ ۱۹۰۰ء میں شائع
ہوئی تھی اس کا یہ تتمہ ہے اور کتاب فلسطین بدور مسلمین (Palestine under the
Moslems) جو سنہ ۱۸۹۰ء میں میں نے شائع کی تھی اس میں جو جغرافیہ بیان کیا تھا اسی جغرافیہ کو

وہ کم اور غیر مبسوط ہے' اس مضمون پر کہ مشرقی ممالک اسلامیہ کی پیداوار زمانہ وسطےٰ میں کیا تھی' اے' فون کریمر (A. Von Kremer) کی کتاب میں جو باب Hande und Gewerb) یعنی صنعت و پیداوار پر لکھا گیا وہ میرے علم میں بہترین ہے۔

اس کتاب میں ایک فہرست بقید سنین ایسے مسلمان جغرافیہ نویسوں کے پُورے ناموں کی' جن کے نام حواشی میں محض ان کے ابتدائی حروف سے لکھے گئے ہیں[1] فہرست مضامین کے بعد درج کردی گئی ہے۔ ان کے علاوہ جن کتابوں کا ذکر حواشی میں آیا ہے ان کا پُورا نام وہاں لکھا ہے جہاں ان کے مصنف کا نام پہلی مرتبہ آیا ہے۔ اس کے بعد اگر کتاب کا نام معلوم کرنے کی ضرورت ہو تو اشاریہ کی مدد سے اس مقام کو نکال کر جہاں کتاب کا نام پہلی بار آیا ہے اس نام کو پھر آسانی معلوم کیا جاسکتا ہے۔

اس کتاب کے پہلے باب میں جو بطور مقدمہ لکھا گیا ہے' عرب جغرافیہ نویسوں کی کتابوں کا مختصر سا حال لکھ دیا گیا ہے۔ لیکن یہ چیزیں میں نے اپنی تالیف "فلسطین بدور مسلمین" میں زیادہ تفصیل سے لکھی ہے۔

تاریخیں سنہ ہجری میں لکھی گئی ہیں اور ان کے مطابق جو سنہ عیسوی نکلتا ہے۔ وہ سنہ ہجری کے آگے خطوط ہلالی میں لکھ دیا ہے۔ مشرقی ناموں کو انگریزی میں لکھنے کا جو طریقہ میں نے اختیار کیا ہے اس کی صراحت کی ضرورت نہیں کیونکہ طریقہ وہی ہے جو اب بالعموم رائج ہے۔ یہ بات خیال میں رہنی چاہئے کہ عربی کا جو حرف انگریزی میں W کے برابر ہے اس کا تلفظ فارسی میں انگریزی کے V کا سا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ عربی حروف ظ' ذ' ض کا تلفظ آج کل کے ایرانی بالکل حرف ز کی طرح اور عربی ث کا تلفظ مثل س کے کرتے ہیں۔

جس کتاب کے ذرائع تالیف تمام تر مشرقی ہوں اس کتاب میں بلاشبہ بہت سی غلطیاں ناظرین کو ملیں گی۔ اس کے علاوہ جس کتاب میں حوالے بکثرت آئے ہوں اس کا غلطیوں سے بچا رہنا بھی ممکن نہیں۔ اگر کوئی صاحب کسی غلطی کی تصحیح فرمادیں' یا کہیں کوئی فروگذاشت معلوم کریں تو اطلاع پانے پر میں اُن کا نہایت ممنون ہوں گا۔

---

[1] ترجمہ کے حاشیوں میں ہر جگہ مصنفوں کے پورے نام درج کئے گئے۔ مترجم

اس کتاب میں آگے بڑھایا ہے۔

اس خیال سے کہ کتاب کی ضخامت اوسط درجے کی رہے عرب کا جغرافیہ اور حرمین شریفین یعنی مکہ اور مدینہ کے حالات چھوڑنے پڑے گو یہ دونوں مقدس شہر عباسیوں کے دور خلافت میں زیادہ تر زمانہ تک ان ہی کے زیر انتظام رہے۔ ممکن ہے کہ کوئی لائق مصنف جو اس مضمون کے متعلق مجھ سے زیادہ علم رکھتا ہو عرب اور اس سے قریب بحیرۂ قلزم کے پار ملک مصر کا جغرافیہ عہد فاطمیین کا لکھے اور مصر سے آگے شمالی افریقیہ کے ملکوں اور ان سے آگے خلافت اندلس کا جغرافیہ لکھ کر جو مدت کے لحاظ سے کم مگر شان و عظمت کے اعتبار سے نہایت ممتاز خلافت تھی اسلامی ممالک کا دائرہ پورا کردے۔

اگر مسلمانوں کی تاریخ کو فی الحقیقت دلچسپ بنانا منظور ہے اور یہ بھی منظور ہے کہ اسلامی تاریخ صحیح طور پر سمجھ میں آئے تو پھر لازم ہے کہ عہد وسطے میں ممالک مشرق قریب کے تاریخی جغرافیہ کو بغور تحقیق کر کے سپرد قلم کیا جائے۔ اس مضمون میں میری کوشش پہلی کوشش ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بات کہ کس قدر کام اور انجام دینا ہے اور اس کتاب سے بہتر طریقہ پر انجام دینا ہے۔ میں پہلا شخص ہوں جو اس کمی کو محسوس کر رہا ہوں۔ بہرکیف آئندہ تعمیر کے لئے زمین صاف اور ہموار ہوگئی ہے۔ ہر بیان کی سند کتاب کے اسی صفحہ کے نیچے حاشیہ پر درج کرتا گیا ہوں۔ پرانے مصنفوں کی بعض غلطیوں کی صحت بھی کی ہے اور اس کام کی ابتدائی ہے کہ عہد وسطے میں جو ملک خلافت عباسیہ کے زیر نگیں تھے ان کے جغرافی حالات کو اعادہ کر لیا جائے۔ لیکن میرا کام محض سرسری ہے جامع نہیں۔ کتاب کی ضخامت کو کم رکھنے کے لئے میں یہاں تک مجبور ہوا کہ مسلمان مصنفوں نے جو سیاحت نامے شائع کیے تھے۔ ان کا پورا ترجمہ نہ کر سکا۔ اس بارے ضرورت شدید ہے کہ سپرنگر (Sprenger) کی کتاب Post und Reise Routen des Orients کو حال کی تصحیح شدہ عربی نسخوں سے مقابلہ کر کے صحت کے ساتھ دوبارہ شائع کیا جائے گو اس میں شبہ نہیں ہے کہ پروفیسر دی خویہ نے ابن خرداذبہ اور قدامہ کی تصانیف کے ساتھ جو سیاحت نامے شائع کئے ہیں وہ اس ضرورت کو بہت کچھ رفع کرتے ہیں۔

ہر صوبہ کی تجارت اور مصنوعات کے متعلق مسلمانوں کی تصانیف میں جس قدر معلومات بہم پہنچ سکی وہ اس کتاب میں لکھتا گیا ہوں لیکن اس خاص مضمون پر جو کچھ لکھا گیا ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ منجانب مترجم

جغرافیہ اِس علم کا نام ہے جس میں کرۂ ارض کی سطح، اس کی شکل و صورت، خصص اور آب و ہوا سے بحث ہوتی ہے۔ اسی ضمن میں ہر وہ چیز شامل ہے، جو سطح ارض کے اوپر ہے۔ یعنی کرۂ زمین کی ہر نوع کی آبادی کے حالات اور کوائف بھی اس علم کا جزو ہیں۔ لاشبہ اس آبادی کا بہترین جزو انسان ہے؛ اور چونکہ انسان ہی ہر چیز پر متصرف ہے، اور اُسے سمجھتا، اور استعمال کرتا ہے، اس لئے غالباً ہر لحاظ سے یہ کہنا درست ہے کہ علم جغرافیہ میں کرۂ ارض پر خصوصیات کے ساتھ اس لحاظ سے بحث ہوتی ہے کہ وہ انسان کا گھر ہے اور یہ کہ وہ اس میں کہاں کہاں اور کیونکر رہتا ہے اور کیا کرتا ہے۔ یہ ہے جغرافیہ کا عام اور عظیم مقصد۔

لیکن اس مقصد کے حصول کے لئے ایک طرف تو ہمیں علم ہیئت و ہندسہ سے مدد لے کر یہ تشخیص کرنا پڑتا ہے کہ اس کرۂ ارض کی ایک سیّارہ کے لحاظ سے کیا حیثیت ہے، باقی نظام شمسی، اور افلاک کا اُس سے کیا علاقہ ہے، اور یہ ان سب کے وجود سے کس طرح متاثر ہوتا ہے؟ دوسری طرف ہمیں علم طبقات الارض کے مطالعہ سے یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ ہماری زمین کے مختلف حصے کس کس زمانہ میں کس کس حالت سے گزر چکے ہیں، تاکہ ان حالات و کیفیات سے یہ معلوم ہو سکے کہ انھوں نے انسان کی زندگی اس کے طرزِ عمل اور اس کے

میری بڑی آرزو یہی ہے کہ تاریخی جغرافیہ کے میدان میں تحقیق و تفتیش کی ترغیب
اور لوگوں کو بھی ہو، اور جس وقت اس پورے مضمون کے احاطہ کرنے میں کوئی دوسری
تصنیف اس کتاب پر سبقت لے گئی تو میں سمجھوں گا کہ اس کتاب نے اپنا فرض ادا کر دیا
اور بہتر چیزوں کے لئے راستہ کھل گیا۔

فلارنس، اٹلی
مئی ۱۹۰۵ء

جی، لی اسٹرینج

بھی یہ خیال رکھا گیا ہے کہ جو حاشیے مترجم کی جانب سے بڑھائے گئے ہوں ان کو نشان ہ سے اور مصنف کے اصلی حواشی کو نشان ہ سے ظاہر کیا جائے تاکہ دونوں میں بآسانی تمیز ہو سکے۔

مجھے فخر ہے کہ میرے کرم فرما جناب مولوی عنایت اللہ صاحب ناظم شعبۂ تالیف و تراجم جامعۂ عثمانیہ سرکارِ عالی نے، جو عالمِ اسلامی کے جغرافیہ کے علم و مہارت میں ہمارے ملک میں اپنی آپ ہی نظیر ہیں، اور جن کی نظر اس علم کی پوری وسعت، گہرائی اور باریک سے باریک تفصیل پر پہنچ چکی ہے، اس کتاب کی نظرِ ثانی فرما کر اس کے وثوق اور اعتبار میں ایک گراں قدر اضافہ کر دیا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کن الفاظ سے مدد لوں کہ ان کی اس تکلیف اور توجہ کے شکریہ سے عہدہ برآ ہو سکوں۔

بہرحال مجھے کامل اطمینان ہے کہ اب یہ ترجمہ حتی المقدور ہر لحاظ سے مکمل اور قابل اعتبار ہے۔ تاہم اب بھی جو خامیاں اس میں رہ گئی ہوں ان کی ذمہ داری مجھ پر عائد ہوتی ہے۔ الا ما شاء اللہ فقط

محمد جمیل الرحمٰن

حیدرآباد دکن
مورخہ ۵ر شہریور ۱۳۲۷ف

سوانح حیات پر کیا اثر کیا! اور کیونکر وہ تمام تغیرات پیدا ہوئے جن کا علم ہم کو تاریخ کے مطالعہ سے حاصل ہوتا ہے؟

یہی وہ مقام ہے جہاں جغرافیہ اور تاریخ ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں، اور اس میں شاید ہی کسی کو شک ہوگا کہ کسی قوم کی تاریخ کا مطالعہ ہرگز مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس حصۂ زمین کے جغرافیہ کا علم بھی پوری طرح حاصل نہ کر لیا جائے جس سے اُس قوم کو تعلق ہو، اور خاص کر اس قوم کی تاریخ جسے زمانۂ ماضی سے واسطہ اور علاقہ ہو۔

مسلم اقوام کی تاریخ بھی اسی ضمن میں آجاتی ہے۔ ان کی تاریخ کے مطالعہ کی تکمیل کا خیال اور ارادہ ہی اس کتاب کے پیش کرنے کا اصلی محرک ہے، اور اس امر کے قبول کرنے میں کسی کو عذر نہ ہوگا کہ اس کی سخت ضرورت ہے کہ تاریخ اسلام کے اس ضروری حصہ کو مکمل کر دیا جائے۔ یقیناً اس حقیقت کو دُہرانے کی ضرورت نہیں کہ اسلامی تاریخ کو دلچسپ بنانے اور اس کو قرار واقعی طور پر سمجھنے کے لئے مشرق اوسط کی جغرافیائی کیفیت کا مکمل طور پر مطالعہ کرنا نہایت ضروری ہے۔ لہذا یہ امید بے محل نہ ہوگی کہ اس مختصر مگر جامع کتاب کی قدر کی جائیگی۔ جس میں لی اسٹرینج کی انگریزی کتاب Lands of the Eastern Caliphate کا اردو ترجمہ "جغرافیہ خلافت مشرقی" کے عنوان سے پیش کیا جاتا ہے۔

اس ضمن میں یہ بتا دینا بھی بے جا نہ ہوگا کہ اس کتاب کے علاوہ اسی انگریز مصنف کی ایک اور کتاب (Palestine under the Moslems) کا ترجمہ جامعۂ عثمانیہ کے شعبۂ تالیف و تراجم میں کیا جا رہا ہے، اور عنقریب شایع ہو جائے گا۔ اس سے قبل اندلس کا جغرافیہ جناب مولوی عنایت اللہ صاحب کے قلم سے "اندلس کا تاریخی جغرافیہ" کے نام سے ۱۳۴۵ھ میں شایع ہو چکا ہے۔ اس طرح اس سلسلہ کی تکمیل کے لئے صرف افریقیہ اور مصر کا جغرافیہ باقی رہ جاتا ہے، جس کے شائع ہو جانے کے بعد قدیم مسلم دنیا کی تاریخی جغرافیہ کے علم کا پورا سامان مہیّا ہو جائے گا۔

ترجمہ کے متعلق اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ شروع سے آخر تک لی اسٹرینج کے بیانات وغیرہ کا عربی مصنفوں کی کتابوں سے مقابلہ کر کے ترجمہ کیا گیا ہے۔ بعض بعض مقامات میں حسب ضرورت چند الفاظ کا اضافہ کیا گیا ہے، اور احتیاط کے خیال سے ایسے الفاظ اور جملوں کو اس شکل کے خطوط وحدانی میں درج کیا گیا ہے: [ ]۔ اسی طرح حاشیوں میں

نقشہ صوبجات خلافت عباسیہ ۔ جس میں بڑی بڑی سڑکیں دکھائی گئی ہیں ۔

باب اول

مقدمہ

میسو پوٹیمیا اور ایران، خلافت عباسیہ کے دوران میں ان کے صوبے۔ شمال مغربی اور شمال مشرقی صوبہ۔ بغداد سے اسلامی سلطنت کی سرحد تک شاہراہیں۔ مسلمان جغرافیہ نویس اور ان کی تصانیف۔ ان کے علاوہ دوسرے اسناد۔ عربی، ایرانی اور ترکی صوبوں کے اسمارِ مقامی۔

ملوک ساسانیہ کی قلمرو میں میسوپوٹیمیا اور ایران دونوں ملک شامل تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جس وقت عرب دنیا کو فتح کرنے کے لئے اٹھے تو انھوں نے ساسانیوں کی سلطنت کو بالکل نیست ونابود کر دیا۔ دوسری بڑی طاقت یعنی بازنطینی سلطنت پر حملہ کرنے میں ان کو صرف اس قدر کامیابی ہوئی کہ مختلف نواح میں اس سلطنت کے زرخیز خطوں کو، بالخصوص ایسے ملکوں کو جو بحیرۂ روم کے جنوبی اور مشرقی ساحلوں سے ملحق تھے، فتح کر لیا۔ لیکن اس سلطنت کے دیگر مقامات پر قیصرانِ قسطنطنیہ نے خلفائے اسلام کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا، اور اس سلسلۂ مقاومت کو کئی صدی تک برابر جاری رکھا۔ چنانچہ یہ سلطنت عباسیوں کی خلافت ختم ہو جانے کے بعد دو سو برس تک زندہ رہی[1]۔

---

[1] بحیرۂ روم کے مشرقی ساحل سے ملحق ملکوں میں شام و فلسطین تھے، اور جنوبی ساحل والے ملکوں میں مصر، مارمریکۂ، سائرینیکا، افریقیہ، نومیدیا، اور مورتینیا کے وسیع علاقے تھے۔ بحیرۂ روم کے جزیروں میں، جو عربوں نے بازنطینی سلطنت سے صدرِ اسلام میں ہی فتح کئے، قبرص،

بھی خلیفہ کا لقب اختیار کیا اور خلافت بغداد سے آزاد ہو گئے۔ شام نے زیادہ تر مصر کا تتبع کیا، اور اب عرب کا ملک عباسیوں اور فاطمیین میں متنازع فیہ رہنے لگا۔ نواح مشرق میں بہت سے ملک عباسیوں کی اطاعت سے باہر ہو کر خود مختار ہو گئے، لیکن یہاں کوئی خلافت قائم نہ ہوئی، اس لئے سمجھنا چاہئے کہ وہ تمام بڑے بڑے علاقے جن سے آل سامان کی قلمرو مراد تھی، اگر حقیقت میں نہیں تو کہنے کو تو ضرور عباسی خلفاء کے تحت میں رہے۔ یہی وسیع قلمرو، جس کی مشرقی سرحد وسط ایشیا کے بیابانوں اور افغانستان کے پہاڑوں سے، اور جس کی مغربی سرحد بازنطینی سلطنت سے ملی ہوئی تھی، بہت سے صوبوں میں منقسم تھی، جن کے حالات اس کتاب کے آیندہ ابواب میں لکھے جائیں گے۔ عربوں کے زمانۂ حکومت میں ان صوبوں کے نام اور ان کے حدود اربعہ (جہاں تک تحقیق ہوا ہے) اکثر وہی ہیں جو شاہان ایران کے زمانے میں تھیں حقیقت یہ ہے کہ مشرق اتنا کم بدلتا ہے کہ اکثر صورتوں میں ان صوبوں کے ناموں اور حدود میں اس وقت تک کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے۔ حالانکہ سیاسی حالات، اور خاص کر معاشی اور مادی کوائفِ ملک، جیسا کہ قیاس ہو سکتا ہے، ان تیرہ سو برس میں بہت کچھ تبدیل ہوتے رہے ہیں۔

قبل اس کے کہ اس مضمون پر آگے کچھ لکھا جائے سہولت اس میں معلوم ہوتی ہے کہ جن مختلف صوبوں کے حالات آیندہ ابواب میں بیان ہوئے ہیں ان کی خلاصہ کیفیت، اسی ترتیب سے جس ترتیب سے ان کا اندراج آگے چل کر ہوا ہے، یہاں بیان کر دی جائے۔

وہ وسیع نشیبی علاقہ، جس کو یونانی میسوپوٹیمیا کہتے تھے، درحقیقت دریائے فرات اور دریائے دجلہ کا عطیہ ہے۔ عباسی خلفاء کے عہد میں دریائے فرات کے آخری حصہ کا گذرگاہ وہ نہ تھا جو فی زمانہ ہے۔ (اس کی پوری کیفیت دوسرے باب میں تحریر کی گئی ہے) نقشہ پر سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہو جائیگا کہ بنجر اور خشک بادیۂ عرب فرات کے مغربی کنارے تک پہونچا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فرات کے داہنی جانب سے کوئی معاون دریا اس میں شامل نہیں ہوتا، لیکن دجلہ کی کیفیت اس سے بالکل مختلف ہے۔ ایران کی بلند زمینیں اور کوہسار اس دریا کے مشرقی کنارے سے بہت فاصلے پر اپنا سلسلہ قائم کرتے ہیں۔ بہت سی ندیاں اور نالے

برعکس اس کے مملکت بنی ساسان کا بالکل قلع قمع کرکے اس کے تمام ملکوں پر عربوں نے تصرف کرلیا، ایران کے آخری تاجدار کا تعاقب کیا اور آخرکار وہ قتل ہوا، اور اب تمام ایران پر اسلامی حکومت قائم ہوگئی۔ مزید برآں خلفاء اسلام کی سلطنت نے قدیم ایرانی سلطنت کے نظم و نسق کو جس حالت میں پایا تھا اختیار کرلیا تھا۔ چنانچہ خود ان کا نظم و نسق اُسی طرز اور نمونے کا ہوگیا جس طرز اور نمونے پر شاہان ایران نے اپنی سلطنت کی افتاد ڈالی تھی۔ حکومت کی یہ شان خاص کر خلفاء عباسیہ کے دور میں پیدا ہوئی۔ جنھوں نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے کچھ اوپر سو برس بعد اپنے حریفوں یعنی بنی امیہ کو مسند خلافت سے معزول کرکے دارالخلافہ کو شام سے میسو پوٹیمیا منتقل کیا، اور ساسانی بادشاہوں کے قدیم مستقر طیسفونؔ کے قریب دِجلہ کے کنارے شہر بغداد کی بنا ڈالی۔

تعمیر ختم ہوتے ہی بغداد مشرق میں خلافت کا مرکز بن گیا۔ لیکن عباسیوں کے پہلے ہی خلیفہ کا زمانہ تھا کہ اسلامی سلطنت ایک تن واحد کی شکل میں حقیقتاً تو کجا برائے نام بھی باقی نہ رہی۔ اندلس نے خود مختار ہوکر علحدگی اختیار کرلی، اور کچھ زیادہ زمانہ نہ گذرا تھا کہ قرطبہ میں خلفاء بنو اُمیّہ اور بغداد میں خلفاء بنی عباس دو مقابل کے حریف بن گئے۔ آگے چل کر عباسیوں کی سلطنت کو سو برس سے کچھ زائد گذرے تھے کہ مصر ان کے قبضے سے نکل گیا، اور جس زمانہ میں قرطبہ کے اموی بادشاہ نے امیرالمومنین کا لقب اختیار کیا ہے تو اسی زمانے میں مصر میں فاطمیین کا دخل ہوگیا۔ انھوں نے

اقریطش، اور رودس، تھے ان تمام ملکوں کے متعلق یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ کل بازنطینی سلطنت میں شام و فلسطین، مصر، افریقہ، نومیدیا، اور موریتینیا، کے علاقے دنیا کے سب سے زیادہ شاداب و سرسبز خطوں میں سے تھے۔ اس کے علاوہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اسلامی فتوحات کے بعد رومی سلطنت کی حالت ایک جسم بے جان کی سی رہ گئی تھی۔ اموی اور عباسی خلافت کے دوران میں جو حملے مسلمانوں نے اس سلطنت پر کیے ان میں سے ایک کا بھی جواب وہ نہ دے سکی اور عباسی خلافت کے آخری حصے میں قسطنطنیہ کو اپنے بچاؤ کے لیے یورپ سے مدد مانگنے کی ضرورت پڑ گئی تھی ۔ اگر یہ مدد صلیبی جنگوں کی صورت میں اسے حاصل نہ ہو جاتی تو یقیناً اُسی زمانے میں سلجوقیوں کے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہو جاتا۔ (مترجم)

شہروں میں شمار ہوتے تھے۔

زرعی اور زرخیز زمینوں کی سرحد سے شمال کی جانب میسوپوٹیمیا کا اعلیٰ (بالائی) حصہ تھا اور کہیں کہیں پتھریلے میدان پھیلے چلے گئے تھے، جہاں قدیم زمانے میں نینوہ کی سلطنت تھی۔ اس بالائی میسوپوٹیمیا کو عرب الجزیرہ کہتے تھے، گو اس کے لئے زیادہ مناسب لفظ "شبہ جزیرہ" یا "جزوی جزیرہ" ہو سکتا تھا، کیوں کہ یہ وسیع علاقہ اگر کلیتہً نہیں تو تقریباً چاروں طرف سے پانی سے گھرا ہوا ہے، اور یہ پانی فرات اور دجلہ کے بالائی حصوں یا ان ندیوں اور نہروں کا ہے جو ان دونوں دریاؤں کو پتھریلے علاقے کی جنوبی سمت میں ملاتی تھیں۔ جزیرہ کا علاقہ شمال میں ان پہاڑوں تک چلا گیا تھا جہاں سے دجلہ اور فرات کے دونوں بڑے دریا نکلے تھے۔ یہ صوبہ تین علاقوں میں منقسم تھا، اور ان علاقوں کے نام ان عرب قبائل کے ناموں پر تھے جو آل ساسان کے عہد میں یہاں آکر آباد ہو گئے تھے۔ اس صوبہ کے خاص شہر موصل، آمد اور رقہ تھے۔ موصل شہر نینوہ کے ویرانوں کے قریب، اور آمد دجلہ کے بالائی حصہ کے کنارے واقع تھے۔ رقہ کا شہر فرات کے کنارے اس مقام پر تھا جہاں اس دریا نے بادیۂ عرب کی سرحد کے قریب ایک بڑا خم کھایا ہے۔ رقہ سے ٹھیک مغرب میں بادیہ کے بالکل سرے پر دمشق کا شہر آباد تھا۔ (۴)

آگے کے ایک باب میں ان کوہستانی علاقوں کا حال درج ہے جہاں سے دریائے فرات کے شمالی سرے والے دو توام دریا نکلتے ہیں (اور جن سے دریائے فرات وجود میں آیا ہے) یہ ملک وہ تھا جس کے لئے خلافت اور بازنطینی سلطنت میں جنگیں برپا رہیں۔ جنگ وپیکار کی موجیں کبھی چڑھیں اور کبھی اتریں، اور ان ہی کے مطابق کبھی مسلمانوں نے عیسائیوں سے اس ملک کے قلعے اور شہر چھین لئے اور کبھی عیسائیوں نے مسلمانوں سے انھیں پھر چھین لیا۔ یہاں عربوں کی حکومت کبھی مستقل طور سے قائم نہیں ہوئی، اور اسی وجہ سے اس ملک کے مفصل حالات ایک بڑی حد تک شروع زمانے کی مستند تصانیف میں نہیں ملتے۔ یہی کیفیت قلت معلومات کی بلکہ اس سے بڑھ کر اس صوبے کے بارے میں ہے جسے مسلمان "روم" (یعنی رومیوں کا ملک)

ایران کے پہاڑوں سے اتر کر دجلہ کے بائیں جانب سے اس کے معاون بن جاتے ہیں میسوپوٹیمیا میں آب پاشی کا پورا نظام، جس سے یہ خطہ دنیائے معلوم میں سب سے زیادہ زرخیز بن گیا تھا، ساسانیوں کا ترکہ تھا جو مسلمانوں کو پہونچا۔ اس نظام آب پاشی کو ہم آیندہ توضیح سے بیان کریں گے۔ فی الحال مختصر طور پر اتنا بتا دینا کافی ہے کہ عربوں نے دِجلہ اور فُرات کے درمیانی طویل قطعۂ ارض کو فُرات کے زائد پانی سے اس طرح سیراب کیا تھا کہ اس قطعے کے عرض میں سے بہت سی نہریں فُرات سے دِجلہ کو نکال دیں۔ جن میں فُرات کا زائد پانی بہ کر ادھر اُدھر کی زمینوں کے لئے آب پاشی کا کام دیتا رہا۔ دِجلہ کی مشرقی سمت میں جو علاقے ایران کے پہاڑی سلسلہ تک پھیلے ہوئے تھے وہ کچھ تو ان ندیوں سے، جو ان پہاڑوں سے اترتی تھیں، اور کچھ ایسی نہروں سے سیراب ہوتے تھے جو دِجلہ کے بائیں جانب سے کسی مقام سے نکال کر پھر کسی دوسرے مقام پر دِجلہ سے ملا دی گئی تھیں، اور مشرق کے پہاڑوں سے نکلے ہوئے متعدد و چھوٹے چھوٹے دریاؤں سے جب وہ طغیانی میں آتے تھے خود دِجلہ کو مدد ملتی تھی۔

عربوں نے میسوپوٹیمیا کو دو حصوں میں تقسیم کیا تھا، ایک اَعلٰی (بالائی) اور دوسرا اَسْفَل (زیرین)۔ ان میں سے اَسْفَل صوبے سے مراد وہ زرخیز زرعی قطعۂ ارض تھا، جو قدیم زمانہ میں بابلونیا کہلاتا تھا۔ میسوپوٹیمیا کے اسی اسفل حصے کو عرب "اَلعِرَاق" کہتے تھے، اور اس کی شمالی سرحد کو (جو مختلف وقتوں میں بدلتی رہی) ایک ایسا خط سمجھنا چاہئے جو فُرات کے ایک مقام سے دِجلہ کے ایک مقام تک شرقاً غرباً کھینچا گیا ہو، اور یہ مقام ہر دو دریا پر وہاں سمجھا جائے جہاں سے پہلی مرتبہ یہ دونوں دریا آپس کے فصل کو کم کرکے میسوپوٹیمیا کی ہموار زمین پر بہنا شروع کرتے ہیں۔ عباسیوں کے زمانے میں عراق کا سب سے زیادہ ممتاز شہر ظاہر ہے کہ بغداد تھا، لیکن اس خاندان کے صاحب خلافت ہونے سے سو برس پہلے صدر اسلام میں ہی مسلمانوں نے میسوپوٹیمیا کے اس حصے کو فتح کرتے ہی تین بڑے شہر یعنی واسِط، کُوفَہ اور بَصرَہ آباد کئے تھے، صدہا برس تک نہایت معمور اور بارونق رہے یہ سب شہر مع اَنْبَار کے جو ساسانیوں کے وقت کا تھا، فُرات کے کنارے بغداد کے علاقے میں تھے، اور عباسیوں کے عہد میں باعتبار آبادی عراق کے بڑے پر رونق

علاقہ ہے جو ان دونوں دریاؤں کے بیچ میں واقع ہے۔ شِمشَاط کا علاقہ دریائے کُر کے شمال میں ہے، اور گرجستان کا علاقہ وہ ہے جس میں اس دریا کا منبع اور شروع کا رہ گذر پڑتا ہے۔ اخیر میں اسلامی ارمینیہ ہے جو دریائے ارس کے منبع اور شروع کے رہ گذر پر حاوی ہے۔ یہ ایک پہاڑی ملک ہے جو جھیل وَان کے گرد واقع ہے +

علاقۂ آذربائیجان کے جنوب مشرق میں مِیدِیا کا علاقہ ہے جسے عربوں نے اَلْجِبَال کا نہایت ہی موزوں نام دیا تھا، کیونکہ یہاں کے پہاڑ زیریں میسوپوٹیمیا کے نشیبی قطعات کے گویا سر پر کھڑے نظر آتے ہیں، اور ان کے سلسلے ایک کے پیچھے ایک، مشرق کی سمت میں وسط ایران کے بادیہ کی سرحد تک چلے گئے ہیں علاقۂ جبال کا مغربی حصہ بعد کے زمانے میں جب کردوں کو شہرت اور قوت حاصل ہوئی، کُردِستان کہلانے لگا، اور ازمنۂ وسطیٰ کے آخری دور میں، نام کی ایک غلطی سے جس کا حال اس کے موقع پر بیان ہوگا، اس علاقہ کو عراق عرب کے مقابلے میں، جس سے مراد میسوپوٹیمیا کا زیریں حصہ تھی، اکثر عراق عجم کہنے لگے تھے۔ صوبہ جبال میں بہت سے بڑے بڑے شہر تھے۔ مغرب میں کرمان، شاہ اور ھَمَدَان کے شہر تھے (ھَمَدَان وہی ہے جو قدیم زمانے میں اکبٹانا کہلاتا تھا) شمال مشرق میں رَے (جس کا پرانا نام رھیگس تھا) اور جنوب مشرق میں اِصْفَہان کا شہر آباد تھا۔ بعد کے زمانے میں ایران کے مغلوں نے اس صوبہ کے شمالی قطعات میں سُلطانیہ کا شہر آباد کیا، جو ایک وقت میں اس لحاظ سے بغداد کا قائم مقام ہوگیا کہ اس نواح میں وہ مغلوں کی اس سلطنت کا جس میں میسوپوٹیمیا اور ایران دونوں شامل تھے، دارالسلطنت قرار پایا۔ صوبۂ جبال کے پہاڑوں سے بہت سے دریا نکلتے تھے۔ ان میں ایک کادوَن ہے جسے عرب دُجَیْل (یعنی چھوٹا دجلہ) کہتے ہیں۔ یہ (۶) دریا ایک طولانی مسافت میں بہت سے پیچ و خم کھاتا ہوا خلیج فارس کے شمالی سرے پر دِجلہ و فُرات کے متحدہ دہانے پر سمندر میں گرجاتا ہے۔

صوبۂ خُوزِسْتَان میدیا کے جنوب اور زیریں میسوپوٹیمیا (عراق) کے مشرق میں واقع ہے + اس علاقے سے مراد وہ سرزمین ہے جس میں دریائے

کہتے تھے۔ یہ ملک پانچویں (گیارھویں) صدی کے آخری حصہ تک بازنطینی سلطنت کا سالم جزو رہا۔ کیونکہ کوہ ٹارس Tauru کا وسیع سلسلہ اس صوبے اور خلافت کے درمیان حد فاصل کے طور پر حائل رہا۔ تقریباً ہر سال اسی سلسلۂ کوہ کے دروں سے مسلمان اناطولیہ کے علاقے پر فوج کشی کیا کرتے تھے۔ کئی بار انھوں نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا، مگر بے سود۔ ایسے وقت بھی آئے کہ مسلمانوں نے ایشیائے کوچک کے مرتفع علاقوں کے شہر، جن میں قلعے بھی تھے، فتح کر کے ان میں اپنی فوجیں متعین کر دیں۔ لیکن بجز ان وقتی اور عارضی فتوحات اور چند روزہ قبضے کے عباسیوں کو اس ملک کے فتح کرنے میں کامیابی نہ ہوئی۔ ایشیائے کوچک میں انھوں نے متعدد بار فوج کشی کی، لیکن ملک پر قبضہ نہ ہو سکا۔ اور اسلامی حکومت وہاں اس وقت تک قائم نہ ہوئی جب تک خلافت عباسیہ کے زمانۂ انحطاط میں سلجوقی ان کوہستانی علاقوں کو بازنطینی سلطنت سے چھین کر وہاں آباد نہ ہو گئے۔ اس وقت ایشیائے کوچک یا رُوم اسلامی ممالک میں شمار ہونے لگا، اور یہ کیفیت اب تک چلی آتی ہے۔

الجزیرہ یا بالائی میسوپوٹیمیا کے مشرق میں آذربائیجان کا علاقہ تھا، جس کا قدیم نام اتروپاتینی تھا۔ اس کی شمالی سرحد دریائے آرس اور جنوبی سرحد سَفید رُود سے قائم ہوتی تھی۔ یہ دونوں دریا بحیرۂ خزر میں گرتے ہیں۔ اس علاقے کے قدرتی مناظر میں آب شور کی ایک جھیل ہے جسے اُرمیۃ کہتے ہیں۔ اسی کے قریب تَبْرِیز اور مَراغہ کے شہر اپنے اپنے علاقوں کے صدر مقام تھے۔ ایک دوسرا شہر اَرْدَبِیل مشرق کی جانب بحیرۂ خزر کے کنارے کے قریب واقع تھا۔

اس کے آگے کتاب کا جو باب آتا ہے اس میں شمال مغربی سرحد کے چند چھوٹے چھوٹے علاقوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ پہلے گِیلان یا جِیلان کا ذکر ہے، جو بحیرۂ خزر کے کنارے اس مقام پر ہے جہاں کوہ اَلبُرز کے سلسلے ہیں جو ایران کے کوہستانی علاقوں کی سرحد ہے۔ سَفید رُود یکلخت باہر آ کر زرعی زمینوں میں، جو خود اسی کی ساختہ ہیں، بہتا ہوا اپنے داہنے ہاتھ کو ایک چھوٹے سے ڈیلٹا کی شکل دے کر بحیرۂ خزر میں گر جاتا ہے۔ اس کے بعد مُوغان کا صوبہ ہے جو ارس اور کُر کے دو ملے ہوئے دریاؤں کے دہانے پر ہے۔ پھر اَرّان کا

اس کی مثال ایک ایسی نشیبی زمین کی سمجھنی چاہئیے جو سروں پر کسی قدر ندور اور بیچ میں مستطیل ہو۔ اس کا نیچے والا سرا یعنی جہاں یہ سرا ختم ہوتا ہے، مَکران کی پہاڑیوں تک پہونچتا ہے۔ مَکران کا علاقہ بحر ہند کے ساحل سے ملحق ہے۔ اس بادیہ میں چھوٹے چھوٹے سرسبز و شاداب نخلستان، جیسے کہ خشک ریگستانوں میں ہوا کرتے ہیں، بہت کم ہیں۔ اس کے اکثر بنجر حصے سفید شورے ڈھکے ہوئے ہیں۔ موسم سرما میں اس بادیہ سے گذرنا دشوار نہیں ہوتا۔ طول میں اس کے دونوں کناروں کے قریب جو شہر آمنے سامنے آباد ہیں، ان کے درمیان جو راستے بادیہ میں سے ہوکر نکلے ہیں وہ بخوبی واضح اور نمایاں ہیں۔ برخلاف اس کے صوبجات کِرمان و فارِس، جو اس کے جنوب مغرب میں ہیں، اور مشرقی صوبے، جو مشرق کی سمت میں اس کی حدود سے باہر ہیں (یعنی خراسان، اور خراسان سے جنوب مشرق میں سیستان) ان کے مابین کسی مسلسل آمدورفت کے لئے یہ صحرا ایک سخت رکاوٹ ہے؛ اور یہ رکاوٹ ایران کی تاریخ میں از اول تا آخر اپنا اثر دکھاتی رہی ہے۔ مسلمان جغرافیہ نویسوں نے اس بڑے ریگستان کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کو بیان کرنے کے بعد کتاب کے اسی باب میں صوبۂ مَکران کے حالات درج کئے گئے ہیں۔ یہ صوبہ مشرق کی طرف ہندوستان سے جا ملتا ہے، اور ان پہاڑوں تک پہنچتا ہے جو دریائے سندھ کی گھاٹی پر چھائے ہوئے ہیں۔ اس پہاڑی علاقے کے ایک حصہ کا نام بلوچستان ہے۔ ان علاقوں کی نسبت پوری پوری معلومات ان تصانیف میں نہیں ملتیں جو ہماری کتاب کا ماخذ ہیں۔

صوبۂ مَکران کے شمال اور صوبۂ کِرمان کے سامنے والے تنگ حصہ صحرا کے اس پار سجستان یا سِیستان کا وسیع صوبہ۔ ایک بہت بڑی مگر کم گہری جھیل کے مشرق میں واقع ہے۔ اس جھیل کا نام زَرَہ ہے۔ دریائے ہَلمَند اور اور بہت سے دریا افغانستان کے بلند پہاڑوں سے جو کابُل اور غزنہ کے شمال میں ہیں، جنوب مغربی سمت میں بہتے ہوئے اس جھیل میں گرتے ہیں۔ یہیں قَندَھار کا شہر دریائے ہَلمَند کے دو معاون دریاؤں کی درمیانی ہموار زمین پر واقع ہے۔ جہاں دریائے ہَلمَند جھیل زَرَہ میں گرتا ہے وہیں سِیستان کا صدر مقام زَرَنج واقع ہے؛ اس جھیل کے شمال مغرب میں بادیہ کے بالکل کنارے

(۷)

کارُون یا دُجیل کا آخری حصہ مع اس کے متعدد معاون دریاؤں کے گذرتا ہے
یہ علاقہ بہت زرخیز تھا، اور تُستَر اور اَھواز اس کے بڑے شہر تھے۔ اس کی
زمینیں، جن میں آب پاشی بکثرت ہوتی تھی، بڑی سیر حاصل تھیں۔ خُوزِستان
کے مشرق میں خلیج فارس کے ساحل سے ملا ہوا فارس کا بڑا صوبہ یعنی (پرسیس)
ایرانی شہنشاہیت کا گہوارہ واقع تھا۔ عباسیوں کے عہد میں بھی اس کی تقسیم ان ہی
پانچ کُوَرون یا اضلاع میں برقرار رہی جو بنی ساسان کے بادشاہوں کے زمانے میں
قائم ہو چکی تھی۔ فارس چھوٹے بڑے شہروں سے پٹا پڑا ہے۔ ان میں شِیراز جو مستقر
حکومت تھا، اِصطَخر (پرس پولس)، یَزد، اَرَّجان اور دَارابجِرد بڑے
شہر تھے۔ خلیج فارس کے جزائر علاقہ فارس میں شمار ہوتے تھے، اور جزیرۂ
قیس، ھُرمُز کی ترقی سے پہلے تجارت کا بڑا مقام تھا۔ اس علاقے کے قدرتی مناظر
میں بَختیگان کی جھیل بڑی چیز ہے، اس کا پانی کھاری ہے۔ یہ جھیل اور دریائی کے چھوٹے
چھوٹے قطعات پہاڑوں کی وسیع و عریض وادیوں میں واقع ہیں۔ یہ پہاڑ صوبہ جبال
کے کوہستانی سلسلوں کی جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، شاخیں ہیں۔ فارس میں دارابجرد
کا ضلع مغلوں کے زمانے میں ایک علیحدہ صوبہ شمار ہونے لگا اور اس کا نام ساتویں
(تیرھویں) صدی میں شَبانکارہ ہو گیا۔ یَزد کا علاقہ بھی زمانۂ وسطیٰ کے آخری
دور میں صوبۂ جبال میں شامل کر لیا گیا۔

فارس کے مشرق میں کِرمَان کا صوبہ کم زرخیز اور دریاؤں سے تقریباً
محروم ایران کے بادیہ کے کنارے واقع تھا۔ عباسیوں کے عہد میں اس صوبہ کے
دو دار الحکومت سیرجان اور کِرمان کے شہر تھے۔ ان کے علاوہ
دو اور بڑے شہر ایک ھُرمُز سمندر کے کنارے اور دوسرا جِیرُفت اندرونی
ملک میں واقع تھے۔ یہ اخیر کا شہر اس زمانے میں بہت بڑی تجارت گاہ تھا۔ ایران
کی سطحات مرتفع میں وسط ملک کا صحرائے اعظم مناظر قدرت میں سب سے
نمایاں چیز ہے۔ یہ شور یلا اور بنجر قطعۂ زمین جنوب مشرقی سمت میں پھیلتا ہوا ملک میں
وتر واقع ہے۔ رَے کے پہاڑوں کے نیچے سے، جن کی پشت پر بجانب شمال بحیرۂ
خزَر ہے، ایک چوڑی پٹی کی شکل میں یہ صحراء بڑھنا شروع ہوتا ہے، بلکہ یہ بہیئت مجموعی

تک، اور شمال میں دریائے سَیحُوْن اور دشت خوارزم تک تھی۔ مسلمان جغرافیہ نویس خُرَاسَان کو چار حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ہر ایک حصہ اپنے صدر مقام کے نام مشہور تھا۔ یہ چار حصے نَیْشَاپُوْرْ، مَرْو، ھِرَات اور بلخ تھے۔ طبعی لحاظ سے خُرَاسَان کے بڑے مناظر اُس کے دو دریا، ھِرَات رُوْدْ اور مَرْو رُوْدْ تھے جو اس ملک کے پہاڑوں سے جسے اب اَفْغَانِسْتَان کہتے ہیں نکل کر اور شمالی سمت اختیار کرکے چلتے چلتے خوارزم کے ریگستان میں غائب ہو جاتے ہیں، اور کسی سمندر یا جھیل میں نہیں گرتے۔

اس سے آگے کے باب میں دریائے جَیحُوْن کے بالائی گذرگاہ اور چند چھوٹے چھوٹے صوبوں کا حال آتا ہے جو بَدَخْشَان سے مغرب میں پھیلے ہوئے دریائے جَیحُوْن کے شمال میں اس کے داہنے کنارے والے معاون دریاؤں پر واقع ہیں۔ اس کے بعد دریائے جَیحُوْن کے ڈلٹا کا حال آتا ہے جو بحیرۂ آرَال کے جنوب میں ہے۔ اس ڈلٹا کے قطعات سے مراد صوبۂ خوارزم ہے۔ اس صوبہ کا پرانا صدر مقام اُرْگَنْج تھا۔ کتاب کے اسی باب میں چند صفحات اس بحث کی نذر ہوئے ہیں کہ دریائے جَیحُوْن کا قدیم گذرگاہ کدھر تھا۔ جَیحُوْن اور اس دریا اور سَیحُوْن کی درمیانی زمین میں سُغْدْ کا صوبہ تھا جس کا قدیم نام سگدیانیا تھا۔ اسی صوبۂ سُغْد میں دریائے سُغْد پر سَمَرْقَنْد اور بُخَارَا کے دو بڑے شہر آباد تھے۔ یہ حالات کتاب کے سب سے آخری باب میں دریائے سَیحُوْن کے کنارے والے چھوٹے چھوٹے صوبوں کی یعنی فَرْغَانَہ کے صوبے سے شروع کرکے شَاش اور اِسْبِیْجَاب کے صوبوں تک بیان ہوئے ہیں۔ فَرْغَانَہ کا صوبہ چین کے ریگستان کی سرحد کے قریب ہے اور اس کا صدر مقام اَخْسِیْکَث تھا۔ شاش کا نام آجکل تَاشْقَنْد ہے اور اِسْبِیْجَاب اس کے شمال میں واقع ہے۔ اِسْبِیْجَاب سے دریائے جَیحُوْن بہت ہی خشک اور بنجر ریگستانوں سے بہتا ہوا بحیرۂ آرَال کے شمالی حصہ میں گر جاتا ہے۔ مشرق بعید کے ان شمالی ملکوں کا حال جو وسط ایشیا سے بھی باہر نکلے ہوئے ہیں، ابتدائی زمانے کے عرب جغرافیہ نویس لکھتے ہیں، لیکن بہت مجمل اور مختصر۔ یہ ممالک دراصل ترکی ممالک تھے، جب مغلوں نے ان پر یورشیں کیں تو وہ نظروں میں ابھرنے لگے۔ افسوس ہے کہ اس زمانے کے حالات صحیح دریافت نہیں ہوتے۔ عرب جغرافیہ نویس یہاں ہم کو اکثر مایوس کرتے

(۹)

ایک پہاڑی علاقہ ہے جس کو اسم بامسمیٰ قُوھِستان، کہتے تھے۔ اس کے بڑے شہر تُون اور قاین تھے، جن کا ذکر مشہور سیاح مارکو پولو نے تونوکین کے نام سے کیا ہے؛ اس طرح پر سِجستان اور قُوھِستان سے ایران کے مشرقی صوبہ یعنی خُراسان کی، جو اس ملک کا وسیع ترین صوبہ تھا، سرحد قائم ہوتی تھی۔

لیکن اس صوبے کا ذکر کرنے سے پہلے بہتر یہ معلوم ہوگا کہ قُومِس، طَبرِستان، اور جُرجَان کے تین چھوٹے چھوٹے صوبوں کے حالات جو آگے کے باب کا موضوع ہیں، بیان کر دئیے جائیں۔ قُومِس کا صوبہ جس کا صدر مقام دامغان تھا، رَے کے مشرق میں ایران کے بادیہ کی شمالی سرحد سے ملا ہوا طولاً واقع تھا۔ اور کوہ اَلبُرز کے سلسلے کی جنوبی پہاڑیاں اس میں شامل تھیں۔ یہ سلسلۂ کوہ ایران کی سطح مرتفع کو بحیرۂ خَزَر سے جدا کرتا ہے۔ ان پہاڑوں اور زیادہ تر ان کے شمالی حصے سے جو بحیرہ خزر کی طرف ڈھلوان پر واقع ہے، طَبَرِستان کا صوبہ مراد تھا، جس کا دوسرا نام مازَندَران تھا۔ صوبۂ طَبرِستان مغرب میں گِیلان اور سَفِید رُود کے ڈلتا سے شروع ہو کر بحیرۂ خَزَر کے جنوب مشرقی کنارے تک پہنچتا تھا۔ یہاں طَبرِستان کی سرحد جُرجان یا گُرگان سے مل جاتی تھی، جسے قدیم زمانے میں ھِرکانیا کہتے تھے۔ صوبۂ جُرجَان میں وہ دو وادیاں شامل تھیں جو دریائے اَترَک اور دریائے جُرجَان سے سیراب ہوتی تھیں۔ اور اسی دریائے جُرجَان کے کنارے صوبہ کا صدر مقام جُرجَان واقع تھا، صوبہ جرجان سمت مشرق میں بحیرۂ خَزَر سے شروع ہو کر اس صحرا تک پہنچتا تھا، جو خراسان کو دریائے سیحون کے ڈلٹا والے مزروعہ قطعات سے الگ کرتا تھا سیحون کے ڈلٹا والی مزروعہ زمینوں سے مراد خوارِزم کا صوبہ ہے۔

خُراسان کے موجودہ صوبے کو اس وسیع قطعۂ زمین کا محض نصف سمجھنا چاہئے جو عباسیوں کے عہد میں بلکہ اس کے بعد بھی صوبہ خُراسان کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ کیونکہ اس عہد میں اس صوبے میں وہ ملک شامل تھا جو اب اَفغانِستان کا شمال مغربی علاقہ سمجھا جاتا ہے۔ زمانۂ وسطےٰ کے خراسان کی سرحد مشرق میں بَدَخشَان

آتی تھی۔ سمرقند سے مشرق میں کچھ فاصلہ پر زامین کے مقام پر اس سڑک کی دو شاخیں ہو جاتی تھیں۔ بائیں طرف والی شاخ شاش (یا تاشکند) کو جاتی تھی، اور وہاں سے دریائے جیحون کے حصۂ زیرین پر اُترار کے گھاٹ پر جہاں دریا پایاب تھا، پہنچتی تھی۔ دوسری سڑک زامین سے چل کر دائیں ہاتھ کو مڑ کر فرغانہ اور بالائی سیحون کی طرف جاتی تھی۔ اور فرغانہ کے صدر مقام اخسیکث تک آنے کے بعد اوزکند پہنچتی تھی جو چین کے ریگستان کے کنارے واقع تھا۔

(۱۰) غرض خراسان کی عظیم الشان سڑک اپنے پورے بعد و مسافت میں یہ تھی جو اوپر بیان ہوئی۔ اور اب تک ڈاک کی سڑکیں جو ایران سے گذرتی ہیں، اور جن کا مرکز اب قدیم رے کے قریب طہران شہر ہے، اسی طول وطویل راستے کی پابند ہیں جن کو شروع زمانے کے عرب جغرافیہ نویسوں نے بیان کیا ہے + عباسی خلافت کے خاتمے کے بعد تاتاریوں نے سلطانیہ کا شہر آباد کر کے اسے اپنا دارالسلطنت قرار دیا تو سڑکوں کے نظام میں بھی کسی قدر تبدیلی کر لی۔ لیکن یہ تبدیلی اس سے زیادہ نہ تھی کہ ھمذان سے ایک سیدھی سڑک سلطانیہ کو نکال دی، اور سلطانیہ کچھ مدت کے لئے ان اطراف میں سڑکوں کا مرکز ہونے کے سبب سے رے کا قائم مقام ہو گیا۔

عباسی خلافت کے ابتدائی عہد میں خراسان کی سڑک پر جتنے بڑے بڑے شہر تھے وہاں سے دائیں بائیں ایران کے مختلف حصوں کو سڑکیں جاتی تھیں مثلاً کرمان کے قریب ایک مقام سے ایک سڑک شمال کی طرف تبریز کو اور جھیل ارمیہ کے کنارے دوسرے شہروں کو جاتی تھی، اور اسی سڑک کو آگے بڑھا کر آذربیل اور آذربیل کے دریائے ارس کے کنارے کے شہروں تک پہنچا یا گیا تھا۔ ھمذان کے جنوب مشرق میں ایک سڑک اصفہان کو جاتی تھی، اور رے سے شمال مغرب کی طرف زنجان تک جو مقامات راستے میں پڑتے تھے۔ ان کے فاصلے بیان کئے گئے ہیں۔ صوبۂ خراسان کا شہر نیشاپور بہت سی سڑکوں کا مرکز تھا۔ وہاں سے جنوب کی طرف ایک سڑک طبس کو جاتی تھی، جو قوہستان کے صوبے میں ایران کے ریگستان اعظم کے بالکل کنارے واقع ہے۔ نیشاپور سے ایک سڑک قاین کو نکلی تھی۔ اور نیشاپور ہی سے ایک اور سڑک جنوب مشرق میں ہرات کو جاتی تھی۔ اور ہرات سے یہ سڑک صوبۂ سیستان کے شہر زرنج

ہیں۔ ایرانی اور ترکی مصنفوں کی طرف اگر رجوع کیجئے تو وہ عربوں کی قائم مقامی کا پورا حق ادا نہیں کرتے۔

مسلمانوں میں ہر صاحب نصاب کا مذہبی فرض ہے کہ وہ اپنی عمر میں ایک مرتبہ ضرور حج کرے۔ عباسیوں کے عہد میں، جب اسلامی سلطنت اپنی انتہائی وسعت کو پہنچ گئی تو سڑکوں کا ایک مکمل سلسلہ قائم کرکے حج میں بہت سہولتیں پیدا کی گئیں۔ یہ سب سڑکیں بغداد پر ختم ہوتی تھیں، اور یہیں مشرق بعید کے حاجی حجاز جانے کے لئے دِجلہ کو عبور کیا کرتے تھے۔ سڑکوں کے اس سلسلے کو، جو عربوں کو ساسانیوں سے ملا تھا، جغرافیہ نویسوں نے اپنے اپنے زمانے کی کیفیت کے مطابق تفصیل سے بیان کیا ہے، اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان بڑی بڑی سڑکوں کا، جو متذکرہ صدر صوبوں میں سے گذرتی تھیں، یہاں مختصراً ذکر کر دیا جائے۔

سڑکوں میں سب سے زیادہ مشہور سڑک خُراسان کی تھی، جو مشرق کی طرف گئی تھی۔ اور بغداد کو دریائے سَیحُون کے سرحدی شہروں سے، جو چین کی سرحد پر واقع تھے، ملا دیتی تھی۔ اور یہی سڑک وہ ہے جس کا حال دوسری سڑکوں کے مقابلے میں غالباً سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ یہ سڑک مشرقی بغداد سے چل کر ایک وسیع زمین پر سے گذرتی تھی، اور بے شمار ندیوں کو عبور کرتی ہوئی جن پر نہایت عمدہ پل بندھے ہوتے تھے، حُلوان تک پہنچتی تھی، جو اُس درّہ کوہ کے نیچے واقع تھا جہاں سے اِیران کی سطحات مرتفع کو راستہ جاتا تھا۔ حُلوان سے یہ سڑک صوبہ جِبال میں داخل ہوتی تھی اور بڑی چڑھائی کے بعد کُردِستان کے صدر مقام کِرمان شاہ تک آتی تھی۔ شمال مشرق میں صوبہ جِبال کو وتراً طے کرنے کے بعد ھَمَدان سے ہوتی ہوئی وہ رَے پہنچتی تھی، رَے سے آگے بڑھ کر یہ سڑک قریب قریب مشرقی رُخ اختیار کرتی ہوئی قومِس کے صوبے میں سے اس طرح گذرتی تھی کہ طَبَرِستان کے پہاڑ اُس کے بائیں جانب، اور اِیران کا صَحرائے اعظم اس کے جنوب میں رہتا تھا، اس کے بعد یہ سڑک بِسطام کے قریب ہو کر خُراسان کے صوبے میں داخل ہو جاتی تھی۔ آگے چل کر وہ نِیشاپور اور نِیشاپور سے طُوس، اور طُوس سے مَرو میں آتی تھی، اور مَرو سے آگے ریگستان کو طے کرکے دریائے جَیحُون کے کنارے اُمُل کے مقام پر پہنچتی تھی، اور اُمُل سے صوبہ سُغد میں پہلے بُخارا اور پھر سَمَرقَند

سڑک کے متوازی جاتی تھی؛ پھر یہ کیفیت نہ رہتی تھی؛ لیکن دونوں سڑکیں مَکّۂ مُعَظَّمہ سے شمال میں جہاں مَکّۂ مُعَظَّمہ صرف دو منزل رہ جاتا تھا مل جاتی تھیں۔ بَغداد سے شمال مغرب میں ایک سڑک دریائے فُرات کے کنارے شہر اَنبار کو جاتی تھی، اور پھر اسی دریا کے چڑھاؤ کے رُخ دریا کے کنارے رَقَّہ پہنچی تھی۔ رَقَّہ سڑکوں کے لئے ایک مرکزی مقام تھا۔ یہاں سے کئی سڑکیں شام کے ریگستان کو طے کرتی ہوئی دِمَشق کو گئی تھیں ÷ بہت سی اور سڑکیں تھیں جو شمال میں رومی سرحد کے شہروں کو جاتی تھیں آخیر میں بَغداد سے شمال کی طرف دِجلہ کے چڑھاؤں کے رُخ دریا کے دونوں طرف کنارے کنارے مُوصَل کو سڑکیں گئی تھیں۔ ان میں ایک آمِد پہنچتی تھی اور دوسری جنوب مغرب میں دریائے فُرات کے کنارے کے شہر قَرقِیسیا جاتی تھی۔ آمِد سے بہت سی سڑکیں رومی علاقہ کے سرحدی قلعوں اور شہروں کو گئی تھیں۔

عباسیوں کے عہد کی سڑکوں کا سلسلہ مختصراً یہی تھا جو اوپر بیان ہوا۔ بَغداد اس سلسلہ کا مرکز تھا۔ اور برید کے ذریعے دارالخلافہ کو سلطنت کے دور دراز حصوں سے ملائے رکھتا تھا۔ اس سلسلہ کا ذکر عرب کے جغرافیہ نویسوں نے بالتفصیل کیا ہے۔ بہتر ہوگا کہ حوالے اور سند کی غرض سے یہاں ان جغرافیہ نویسوں کا مختصر حال بہ ترتیب وقت لکھ دیا جائے جن کی تصانیف کو مستند سمجھ کر ہم نے ان سے اس کتاب کے آیندہ ابواب میں استفادہ کیا ہے[۱]۔

ہمارے قدیم تر مصنفوں کا زمانہ تیسری (نویں) صدی ہے اور عربوں کی کتب جغرافیہ، جو انھوں نے ابتداء میں لکھیں کتب مسالک کی صورت رکھتی تھیں یعنی ان میں مختلف سیر و سفر کے دوران میں جو جو مقامات آئے ہیں وہ مقامات، ان کے راستے، اور باہمی فاصلے نہایت تفصیل سے درج ہوئے ہیں۔ اور کہیں کہیں مختصر حالات ان شہروں کے

---

[۱] مزید تفصیل کے لئے دیکھو مصنف کی کتاب Palestine under the Muslims (لنڈن سنہ ۱۸۹۰ء) مقدمہ کتاب؛ اور ابوالفداء کی جغرافیہ کے فرانسیسی ترجمہ (مترجمہ ایم رینو Reinaud کا مقدمہ۔ (پیرس سنہ ۱۸۴۸ء) +

کو پہنچتی تھی۔ مَرْو سے ایک سڑک دریائے مَرْو کے کنارے کنارے مَرْوُالرُّوذ تک آتی تھی۔ یہاں وہ اُس سڑک سے مل جاتی تھی جو ہرات سے آکر آگے بَلْخ اور دریائے سَیحُون پار والے مشرقی سرحد کے مقامات تک گئی تھی۔ آخیر میں بُخارا سے شمال مغرب کی جانب خوارزم کے صوبے میں شہر اُرگَنج کو، اور جنوب مغرب کی جانب دریائے سیحون کے شہر تِرمِذ کو جو بلخ کے سامنے تھا، سیدھی سڑکیں گئی تھیں۔

خُراسان کی سڑک کا پورا سلسلہ یہاں ختم ہو جاتا تھا۔ اب ہم کو پھر سڑکوں کے مرکز کی طرف عود کرکے، یعنی بَغداد واپس آکر، بڑی سڑکوں کا حال جو یہاں سے مختلف اطراف میں گئی تھیں، لکھنا ضروری ہے۔ بَغداد سے دِجلہ کے کنارے کنارے اس کے بہاؤ کے رُخ ایک بڑا راستہ واسِط سے گذرتا ہوا بَصرہ کو گیا تھا۔ بَصرہ خلیج فارِس کی تجارت کا بڑا بندرگاہ تھا۔ بیچ میں جس قدر بڑی منزلیں اور مرحلے آتے تھے ان کے فاصلے خشکی اور تری دونوں راہوں کے اعتبار سے عربی جغرافیہ نویسوں نے بیان کئے ہیں۔ وَاسِط اور بَصرہ دونوں شہروں سے خُوزِستان کے شہر اَہواز کو جدا جدا راستے سے پہنچ سکتے تھے۔ اَہواز سے بڑی سڑک مشرق کی سمت میں سیدھی صوبۂ فارِس کے شہر شِیراز کو گئی تھی۔ شِیراز خود بہت سی سڑکوں کا مرکز تھا، یہاں سے شمال میں اَصفہان اور اس کے آگے رَے کو سڑک جاتی تھی؛ ایک سڑک شمال مشرق میں یَزد ہوتی ہوئی صحرا کو طے کرکے طَبَس سے نِیشاپور کو راستہ تھا؛ مشرق میں کئی راستوں سے سِیرجان اور کِرمان کو پہنچ سکتے تھے؛ اور پھر کِرمان سے مشرق ہی کی طرف، صحرا سے گذرتا ہوا سِیستان (سِجِستان) کے شہر زَرَنج کو راستہ جاتا تھا، جنوب مشرق اور جنوب میں شِیراز سے ایک ایک راستہ خلیج فارِس کے دو بندرگاہوں کو گیا تھا، ان میں سے ایک دارابجِرد ہوتا ہوا ہُرمُز کے قریب سُورُو تک گیا تھا، اور دوسرا سِیراف پہنچتا تھا، جو ایک زمانے میں فارِس کا خاص بندرگاہ تھا،

اب اگر ہم ایک مرتبہ پھر بَغداد پہنچتے ہیں، جو راستوں کا مرکز ہے، تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مَکّۂ مُعظّمہ اور مَدِینۂ مُنوّرہ والی حاجیوں کی سڑک بَغداد کے مغرب سے چل کر جنوب کی سمت میں ریگستان عرب کے کنارے کنارے کُوفہ پہنچتی تھی، اور عرب کے ریگستان کو تقریباً بخط مستقیم طے کرتی ہوئی حِجاز پہنچ جاتی تھی۔ حاجیوں کی ایک دوسری سڑک پہلی

جنوب کی طرف کوفہ اور بصرہ جانی والی سڑکوں، اور بصرہ سے مشرق میں شیراز کی سڑک کا حال ملتا ہے۔ اس نے ان تمام سڑکوں کے متعلق نہ صرف فاصلوں اور منزلوں کا حال لکھا ہے، بلکہ زمین کی صحیح صحیح کیفیت بھی جس پر سے یہ سڑکیں گذرتی تھیں، بیان کی ہے، اور بتلایا ہے کہ زمین اگر پہاڑی ہے تو راستہ میں اتار ہے یا چڑھائی یا سڑک ایسی زمین پر سے گذرتی ہے جو ہموار ہے۔ ابن رستہ کے بیانات اس وجہ سے اور بھی زیادہ قابل قدر ہیں کہ ان سے پرانے راستوں کی ٹھیک ٹھیک شناخت ہو سکتی ہے، اور بہت سے معدوم شہروں کا اصلی موقع محل بھی تحقیق ہو سکتا ہے۔ ایک دوسرا مستند مصنف ابن فقیہ ہے جو ابن رستہ کا ہم عصر تھا، اس نے فن جغرافیہ پر ایک عجیب مخلوط قسم کی کتاب لکھی ہے۔ افسوس ہے کہ اس کتاب کا محض ایک ملخص ہم تک پہنچا ہے۔ اس ملخص میں بعض حالات ایسے ملتے ہیں کہ ان سے پرانے مصنفوں کے بیانات میں اگر کمی پڑ گئی ہو تو وہ پوری ہو سکتی ہے۔ اور اگر غلطیاں ہوئی ہوں تو ان کی صحت ہو سکتی ہے۔ [۱]

(۱۳) جغرافیہ کو باقاعدہ لکھنے والے مصنف چوتھی (دسویں) صدی سے شروع ہوتے ہیں یہ لوگ اسلامی سلطنت کے ہر ایک صوبے کا حال یکے بعد دیگرے تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ لیکن بڑی شاہ راہوں کا حال مختصر لکھتے ہیں اور وہ بھی صرف ان ٹکڑوں کا جو کسی صوبے میں سے گذرتی تھیں۔ ان مصنفوں کی کتابیں بہرصورت گذشتہ کتب مسالک سے بہت کچھ آگے قدم بڑھائے ہوئے ہیں، اور ان ہی کی بدولت ہم وہ تمام تفصیلی حالات لکھنے پر قادر ہوئے ہیں

---

[۱] ابن خرداذبہ، قدامہ، یعقوبی، ابن رستہ اور ابن فقیہ کی تصنیفات پروفیسر ڈی خویہ نے اپنے سلسلہ (Bibliotheca Geographorium Arabicorum) کی جلد ۵، ۶، اور ۷ میں بعد تصحیح چھپوائی اور شائع کی ہیں۔ جلد ششم میں اس نے فرانسیسی ترجمہ اور مقدم الذکر دو مصنفوں کے متعلق نہایت مفید حواشی کا اضافہ کیا ہے۔ ابن سراپیون کا متن جس میں میسوپوٹیمیا کا حال ہے ۱۸۹۵ء (صفحہ ۹) کے جے۔ آر۔ اے۔ ایس۔ میں شائع ہو چکا ہے۔ موجودہ کتاب میں جس قلمی نسخے کا ذکر ہے وہ برٹش میوزیم میں موجود ہے (ADD. 23,379) ۔ یعقوبی جغرافیہ کے علاوہ ایک تاریخ کا مصنف بھی ہے جس کا متن پروفیسر ایم۔ ٹی۔ ہاؤتسما نے ۱۸۸۳ء میں شائع کیا تھا اس میں بھی اکثر نہایت مفید جغرافی معلومات ملتے ہیں + ۱۲

بھی بیان کئے گئے ہیں، جہاں سے زمانہ سفر میں گذر ہوا ہے۔ ہر صوبے کی آمدنی اور پیداوار بھی اپنی اپنی جگہ بیان ہوئی ہے۔ ان کتب مسالک میں سے اس وقت ہمارے پاس چار موجود ہیں۔ یہ سب نہایت ضروری اور قابل قدر ہیں۔ اگر ایک میں کچھ کمی محسوس ہوتی ہے تو دوسری اُسے پورا کردیتی ہے۔ کیونکہ ان کتابوں کے اکثر مقامات اور عبارتیں ہم تک ناقص صورت میں پہنچی ہیں۔ ان تیسری (نویں) صدی کی کتب مسالک کے مصنف ابن خُرداذبہ، قُدامہ، یعقوبی اور ابنِ رُستہ ہیں۔

ان میں پہلے دو مصنفوں کی کتابیں مضمون کے لحاظ سے تقریباً ایک ہی ہیں۔ ابن خرداذبہ صوبہ جبال کا حاکم برید اور قدامہ دیوان الخراج کا ایک اہل کار تھا۔ ان دونوں کی کتابوں میں خُراسان کی بڑی سڑک اور دوسری بڑی سڑکوں پر جن کی ابتدا بغداد سے ہوئی تھی جو جو مقامات دوران سفر آئے ہیں، ان کے فاصلے منزل بہ منزل درج کئے گئے ہیں۔ اس کیفیت کا خلاصہ ہم اوپر کے پیراگرافوں میں تحریر کرچکے ہیں۔ وقت یہ ہے کہ یعقوبی کی تصنیف ہم تک مکمل حالت میں نہیں پہنچی۔ بہر حال بغداد کے مفصل حالات کے لئے ہم اسی مصنف کے ممنون ہیں۔ جب ان حالات کو اور جو حالات ابن سراپیون نے بغداد کے لکھے ہیں ملا کر پڑھا تب ممکن ہوا کہ عباسیوں کے دارالخلافہ کی مقامی کیفیت کی پوری پوری تحقیق ہو سکے۔ اس کے علاوہ یعقوبی نے اور بہت سے شہروں کی نسبت قابل قدر معلومات پیش کی ہیں۔ صوبہ عراق میں سے جو بڑی سڑکیں گذری ہیں، ان کے حالات صرف اسی مصنف کی کتاب میں تفصیل سے ملتے ہیں۔ اس کے ہم عصر ابن سراپیون کی کتاب کا محض ایک حصہ ہم کو ملا ہے، لیکن اس حصے کا مضمون مع بغداد کے حالات کے، جو اس نے تحریر کئے ہیں میسوپوٹیمیا کے دریاؤں اور نہری سلسلوں کو سمجھنے کے لئے نہایت ضروری ہے۔ پھر اس کے علاوہ اس نے دوسرے صوبے کے دریاؤں کو بھی مختصراً بیان کیا ہے۔ ابنِ رُستہ نے بھی یعقوبی کے انداز پر اپنی کتاب لکھی ہے، اور بہت شہروں کے مزید حالات لکھے ہیں لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس نے مشہد کے قریب طوس تک خراسانی شاہراہ کا نہایت ہی تفصیل سے تذکرہ کیا ہے، اور اس کی بعض شاخوں کا بھی خصوصاً ان کا جو اصفہان اور ہرات جاتی تھیں، ذکر کیا ہے۔ ابن رُستہ ہی کتاب میں بغداد کے

ایک شہر تھا جس کے کھنڈر اب تک شناخت نہیں ہو سکے۔ مگر اس طریقے کے مطابق جو اوپر بیان ہوا، ہم اس کے موقع کی نسبت اتنا بتا سکتے ہیں کہ فلاں قلیل حدود کے رقبہ کے اندر اندر وہ ضرور کسی جگہ واقع ہوگا۔ ایک اور مصنف مسعودی ہے، جو چوتھی (دسویں) صدی میں گذرا ہے۔ اس کی دو تصانیف ہم تک پہنچی ہیں۔ پہلی تصنیف مروج الذہب ایک بڑی حد تک تاریخی کتاب ہے، اور دوسری کتاب التنبیہ والاشراف ہے جس کو ایک یادداشت یا بیاض کہنا مناسب ہوگا۔ اس میں عجیب عجیب مضامین کہیں صراحت اور کہیں وضاحت سے بیان ہوئے ہیں[1]۔

جب ہم پانچویں اور چھٹی (گیارھویں اور بارھویں) صدی میں پہنچتے ہیں تو دو سیاحوں کے سفرنامے، جنھوں نے سفر حج بھی کیا تھا، دستیاب ہوتے ہیں۔ ان سیاحوں کے بیانات ایسے مقامات کے متعلق جہاں سے ان کا گزر ہوا تھا، نہایت ہی قابل قدر ہیں۔ ناصر خسرو پانچویں (گیارھویں) صدی کے درمیانی حصے میں خراسان سے مکۂ معظمہ گیا اور وہاں سے وطن کو واپس آیا۔ جاتے وقت وہ مصر و شام میں سے گذرا، اور واپسی میں عرب کے ملک کو طے کیا۔ اس نے اپنا روزنامچہ سفرنامہ کی شکل میں فارسی زبان میں لکھا تھا۔ یہ کتاب فارسی کی قدیم ترین تصنیف ہے جو ہم تک پہنچی ہے۔ اس کے ایک صدی بعد اندلسی عرب ابن جُبَیر حج کے لئے غرناطہ سے چلا۔ میسوپوٹیمیا اور اس میں خصوصاً بغداد کا جو حال اس نے لکھا ہے وہ اس قسم کی تحریروں میں سب سے زیادہ دلچسپ ہے۔ چھٹی (بارھویں) صدی کے شروع کی ایک اور فارسی تصنیف فارس نامہ ہے۔ اس میں میسوپوٹیمیا کے صوبے کو نہایت تفصیل اور

[1] اصطخری، ابن حوقل اور مقدسی کی کتابیں پروفیسر ڈی خویہ کے مذکورہ بالا سلسلہ کی پہلی، دوسری، اور تیسری جلدوں میں شائع ہوئی ہیں (لیڈن ۱۸۷۰ء-۱۸۷۷ء)۔ مسعودی کی کتاب التنبیہ والاشراف کا متن بھی اسی سلسلہ کی آٹھویں جلد میں (لیڈن ۱۸۹۴ء) اس کتاب کا فرانسیسی ترجمہ Baron Carra de Vaux نے ۱۸۹۶ء میں پیرس میں شائع کیا تھا۔ مروج الذہب کا عربی متن مع فرانسیسی ترجمہ کے بربیر ڈے سی مینارڈ (Berbier de Meynard) اور پیوٹ ڈی کورٹیل (Pavet de Courteille) نے پیرس سے ۱۸۶۱ء میں شائع کیا تھا ✦

جو آیندہ ابواب میں نظر آئیں گے۔ ان میں سب سے پرانے مصنف اصطخری، ابن حوقل اور مقدسی ہیں یہی وہ مصنف ہیں جن کے ہم اس کتاب کے لکھنے میں سب سے زیادہ احسانمند ہیں۔ ابن حوقل کی کتاب گویا اصطخری کی کتاب کا جدید نسخہ ہے۔ جس میں کہیں کہیں ترمیم و اضافہ پایا جاتا ہے۔ اصطخری نے جو پرسی پولس (اصطخر) کا رہنے والا تھا، اپنے وطن کی سرزمین، یعنی صوبۂ فارس کا حال بہ نسبت ابن حوقل کے زیادہ تفصیل سے لکھا ہے، برخلاف اس کے ابن حوقل نے فارس کے لئے اپنی کتاب کا اسی قدر حصہ وقف کیا ہے جو کتاب کے حجم کے لحاظ سے وہ دوسرے صوبوں کے حالات کے مقابلے میں کرسکتا تھا۔ ان دونوں مصنفوں کے معاصر مقدسی نے اپنی کتاب خاص اپنے ہی ڈھنگ پر لکھی ہے۔ عربی جغرافیہ نویسوں نے جس قدر کتابیں لکھی ہیں ان میں مقدسی کی تصنیف کا اعلیٰ ترین تقریباً درست اور طبع زاد ہونا یقینی ہے۔ مقامات کی کیفیت، باشندوں کی معاشرت، ان کے رسم و رواج، زمین کی پیداوار، مقامی مصنوعات، اور پھر ہر صوبے کی خصوصیات کا احتیاط کے ساتھ خلاصہ لکھنا حقیقت میں ایسی تحریریں ہیں جن کو عہد وسطے کی عربی ادبیات میں بہترین سمجھنا چاہئے۔

یہاں اتنی بات اور یاد رکھنی چاہئے کہ اس کتاب کے نقشوں میں جو اسمائے اماکن درج ہیں ان میں اکثر ایسے ہیں جن کے صحیح موقع و محل کو نقشہ پر تعین کرنے میں بھی ہم ان ہی تینوں باقاعدہ جغرافیہ نویسوں کے مرہون احسان ہیں۔ یہ مصنف اپنی کتاب کی ہر فصل کے اخیر میں ایک فہرست فاصلوں یا منزلوں کی، یا یوں سمجھئے کہ بڑی سڑکوں کے حصوں کی، درج کرتے ہیں، جن کا ذکر وہ کرچکے ہیں اور جو صوبۂ زیر بحث میں گذری ہیں۔ ان بڑی سڑکوں کے علاوہ وہ اس فہرست میں ان متعدد چھوٹی چھوٹی سڑکوں کے فاصلے بھی بیان کردیتے ہیں۔ جو ان بڑی سڑکوں سے پھٹ کر قریب کے شہروں کو گئی ہیں۔ اب جب ہم ان فاصلوں کو خطوط سے اور ان منزلوں کو نقطوں سے تعبیر کرکے ان کا ایک نقشہ بنالیتے ہیں، اور ایسے نقطوں سے جن کے موقعے صحیح معلوم ہیں مساحت بالمثلث کے قاعدے کے مطابق مثلث بنانے شروع کرتے ہیں تو ان ہی فاصلوں کی بدولت جو عرب کے جغرافیہ نویسوں نے لکھے ہیں، ہم بعض ایسے شہروں کے موقعے بھی قریب قریب صحت کے ساتھ دریافت کرلیتے ہیں، جن کو برباد ہوئے ایک زمانہ دراز گذرچکا ہے، اور جن کے نشانات تک بھی باقی نہیں ہیں مثلاً فارس میں توّج نام

شائع کی تھی۔ یہ درست ہے کہ یہ کتاب بجائے ایک مستقل تصنیف ہونے کے محض ایک تالیف ہے، کیونکہ یاقوت نے اسے پرانے جغرافیہ نویسوں کی کتابوں کی مدد سے لکھا تھا۔ لیکن بہرکیف اس میں خود مصنف کی طول و طویل سیاحتوں کے متعلق معلومات کا سرمایہ ایسا موجود ہے کہ اگر ضروری احتیاط اور تنقید کے بعد اس کو کام میں لایا جائے تو پھر یہ تالیف حقیقت میں نہایت بیش بہا، اور لاجواب ثابت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ یاقوت نے تقریباً تمام سابق عربی جغرافیہ نویسوں کی تصانیف سے عبارتیں بکثرت نقل کی ہیں۔ ان میں سے بعض تصانیف ایسی ہیں، مثلاً ابن مہلہل مشہور سیاح کی کتاب جو اس نے سنہ ۳۳۲ھ (سنہ ۹۴۳ء) میں لکھی تھی جن کا علم ہم کو صرف ان خلاصوں یا انتخابوں کو دیکھ کر ہوا، جو یاقوت نے اپنی کتاب میں نقل کئے ہیں۔ فن جغرافیہ کے اس بڑے قاموس کا ملخص اصل کتاب کے شائع ہونے کے (۷۵) برس بعد تیار کیا گیا۔ اس ملخص کا نام المَرَاصِد (رصد خانے) ہے۔ اس ملخص میں اس کے مصنف نے، جو مَیْسُوپُوٹیمَیا کا رہنے والا تھا، بَغْدَاذ کے گرد و نواح کے اکثر مقامات کی تصحیح مستند ذرائع سے کی ہے، یہ تصحیح قابل قدر ہے۔ تقریباً اسی زمانہ میں قَزْوِینی گذرا ہے، اس نے علم کائنات پر دو جلدوں میں ایک کتاب لکھی ہے، جس میں مختلف شہروں اور صوبوں کی پیداوار اور تجارت کے متعلق نہایت دلچسپ حالات ملتے ہیں۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے ابتدائی زمانہ میں شامی شہزادہ ابو الفداء کا باقاعدہ جغرافیہ لکھا گیا۔ ابو الفداء نے گو اپنے سابقین کی کتابوں سے استفادہ کر کے یہ تالیف تیار کی ہے، لیکن اس میں ایسے واقعات اور حالات بھی درج ہیں جو خود مؤلف نے ملکوں کا سفر کر کے بذات خود مشاہدہ کئے تھے[1]۔ (۱۶)

[1] یاقوت حموی کی معجم البلدان کا عربی متن وسٹنفلڈ نے بعد تصحیح شائع کیا ہے (لائپزگ سنہ ۱۸۶۶-۱۸۷۳ء)۔ ایران کے شہروں کے حالات کا فرانسیسی ترجمہ مع متون اور دیگر اسناد کے اضافوں کے مینارڈ نے (Dictionaere de la Perse) میں شائع کیا ہے (پیرس سنہ ۱۸۶۱ء)۔ مَرَاصِدُ الاطلاع یعنی معجم البلدان کے ملخص کو جونی بال نے شائع کیا (لیڈن سنہ ۱۸۵۲ء)۔ قزوینی کی کتاب بھی وسٹنفلڈ کی ہی تصحیح کے بعد شائع ہوئی ہے (گاٹنگن سنہ ۱۸۴۸ء) ابو الفداء کی جغرافیہ رینالڈ اور ڈی سلین نے پیرس سے سنہ ۱۸۴۰ء میں شائع کی تھی۔ اور رینالڈ نے سنہ ۱۸۴۸ء میں اس کا فرانسیسی ترجمہ کیا، جس کے مقدمے میں اس نے عرب جغرافیہ نویسوں کے مفصل حالات لکھے۔ اس ترجمے

صراحت سے بیان کیا گیا ہے اور جہاں تک اس صوبے کا تعلق ہے یہ کتاب نہایت کارآمد اور گراں بہا ہے۔ اسی چھٹی (بارھویں) صدی کے درمیانی حصے کی تصنیف ادریسی کا باقاعدہ جغرافیہ ہے ادریسی صقلیہ (سسلی) کے نارمن بادشاہ راجر دوم کے دربار میں معزز سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے اپنی کتاب عربی میں لکھی ہے۔ لیکن خرابی یہ ہے کہ اس نے تمام دنیائے معلومہ کو اقلیموں میں یعنی مناطق العرض کے مطابق تقسیم کرکے ہر ایک اقلیم کا حال الگ الگ لکھا ہے۔ اس طریقے سے ملکوں کی تقسیم بڑے بے ڈھنگے طور پر ہوئی ہے۔ مثلاً میسوپوٹیمیا کے کچھ حصے کو اقلیم ثالث میں اور کچھ حصہ کو اقلیم رابع میں شمار کیا ہے۔ ایک دوسری خرابی یہ ہے کہ ادریسی کو ایران یا بحیرۂ روم کے جانب مشرق جو ملک واقع ہیں ان کا ذاتی علم نہ تھا۔ لیکن ایشیائے کوچک میں اس نے سیاحت کی تھی اور یہ علاقہ اس وقت بازنطینی سلطنت کا ایک صوبہ تھا۔ دنیا کے اس حصے کا حال ادریسی نے جو کچھ لکھا ہے وہ ضرور گراں بہا ہوتا۔ لیکن اس میں بڑی کمی یہ ہے کہ مقامات کے نام (کتابت کی غلطیوں کی وجہ سے) اکثر موقعوں پر ایسے آئے ہیں جو صاف صاف پڑھے نہیں جاتے یا ان کی شکل ایسی بگڑ گئی ہے کہ ان کا پہچاننا قطعی ناممکن ہو جاتا ہے۔[1]

ساتویں (تیرھویں) صدی کا زمانہ تاتاریوں کی یورش اور عباسی خلافت کے خاتمہ کا زمانہ ہے۔ اسی صدی کے دوران میں یاقوت حموی نے اپنی ضخیم جغرافیہ معجم البلدان

---

[1] ناصر خسرو کا سیاحت نامہ پہلے شیفر نے پیرس ۱۸۸۱ء میں بعد تصحیح شائع کیا تھا۔ ابن جبیر کا سفرنامہ سب سے پہلے پروفیسر ڈبلیو رائٹ نے لیڈن سے ۱۸۵۲ء میں شائع کیا۔ فارس نامہ اب تک نہیں چھپا۔ چنانچہ اس کتاب کا ہم نے قلمی نسخہ جو برٹش میوزیم میں موجود ہے استعمال کیا ہے (Or. 59835) شریف ادریسی کی کتاب کا عربی متن مع فرانسیسی ترجمہ کے اے۔ جوبرٹ (A. Jaubert) کے شائع کیا تھا (پیرس ۱۸۳۶ء)۔ ہم نے اس کتاب کے استعمال کرنے میں یہ احتیاط کی ہے کہ ہر موقع پر مطبوعہ نسخے کا قلمی نسخے سے مقابلہ کیا ہے۔ ادریسی کا قلمی نسخہ جو ہمارے پیش نظر رہا وہ پیرس کی (Bibliothebue Nationale) میں محفوظ ہے۔ دیکھو عربی قلمی نسخوں کی فہرست نمبر (۲۲۲۱) اور (۲۲۲۲)۔

بہت سے موضوعات کی تفصیل کو روشن کرنے کے لئے متعدد عرب مورخوں کی تصانیف سخت ضروری ہیں۔ شروع زمانے کے مورخ تاریخ اور جغرافیہ کو ایک ہی کتاب میں شامل لکھتے تھے۔ اس کی ایک مثال امام بلاذری کی کتاب فتوح البلدان ہے، جو تیسری (نویں) صدی کے درمیان لکھی گئی تھی۔ اس کتاب میں مصنف نے یکے بعد دیگرے مشرق اور پھر مغرب کی تمام اسلامی فتوحات کا ذکر کیا ہے۔ یہ کتاب اس بات کا اندازہ کرنے کے لئے کہ جب پہلی مرتبہ مسلمان دیگر اقوام و مذاہب پر غالب آئے تو ملک کی کیا حالت ہوتی نہایت کارآمد ہے۔ تاریخوں میں یعقوبی کی تاریخ کے علاوہ، جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، ابن مسکویہ کی تاریخ ہے، جس کا زمانہ تیسری (نویں) صدی سے شروع ہوتا ہے۔ اس کتاب کا اب تک صرف چھٹا حصہ ہی شائع ہوا ہے[1]۔ حمزۂ اصفہانی کی تاریخ میں جو چوتھی (دسویں) صدی کے نصف میں لکھی گئی تھی، بہت مفید اطلاعات موجود ہیں۔ یہ کتاب گو عربی میں لکھی گئی تھی لیکن اس کی بنیاد یقیناً بہت سی فارسی کتابوں پر رکھی گئی ہے جو اب مفقود ہیں۔ اکثر واقعات اس میں ایسے ہیں کہ اگر وہ بیان نہ کئے جاتے تو ان کو معلوم کرنے کا کوئی دوسرا ذریعہ نہ تھا، اور ہم ان سے لاعلم رہ جاتے +

عربی تاریخوں میں بہرکیف سب سے زیادہ مکمل تاریخ امام طبری کی ہے، اس میں چوتھی (دسویں) صدی کے آغاز تک کے حالات درج ہیں اور یہی زمانہ مصنف کی زندگی کا ہے۔ جغرافیہ میں بھی یہ کتاب بہت مستند ہے۔ عباسی عہد کے آخری حصہ کے لئے ابن اثیر

(Histoire de Timour Bec) ہے، یہ ترجمہ پیرس سے ۱۷۲۲ء میں شائع ہوا +

حافظ ابرو کی کتاب اب تک شائع نہیں ہوئی؛ ہم نے اپنی کتاب میں برٹش میوزیم کے قلمی نسخے (ADD. 15, ۱۰) سے لے دئے ہیں۔ جہاں نما کا ترکی متن ابراہیم آفندی نے قسطنطنیہ سے ۱۱۴۵ھ (۱۷۳۲ء) میں اور ایک حصے کا لاطینی ترجمہ نار برگ (Norberg) نے ۱۸۱۸ء میں شائع کیا تھا۔ ابوالغازی کی تاریخ (Baron Desmaison) نے سینٹ پیٹرس برگ سے ۱۸۷۱ء میں شائع کی تھی +

[1] ابن مسکویہ کی کتاب تجارب الامم مارگولیتھ اور آمدروز کی تصحیح کے بعد ۱۹۱۴ء میں شائع ہو چکی ہے (مترجم)

ابن بطوطہ بربری کے حالات سفر بھی اسی زمانہ یعنی آٹھویں (چودھویں) صدی کے نصف اول کے ہیں۔ درازی سفر کے اعتبار سے ابن بطوطہ مشہور سیاح مارکو پولو باشندہ وینس کا ہم سر تھا۔ اس نے اپنا سفرنامہ (رحلت) عربی زبان میں لکھا تھا۔ اس کے ہم عصر مستوفی نے فارسی میں مغلوں کی سلطنت ایران (میسوپوٹیمیا مع ایران) کا حال لکھا ہے، جس سے مغلوں کے آباد ہونے پر ایل خانیوں کی حکومت میں ملک کی حالت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مستوفی نے تاریخ میں ایک اور کتاب بھی لکھی ہے، جس کا نام تاریخ گزیدہ ہے۔ مغلوں کے عہد کی حکومت کے بارے میں یہ کتاب بہت قابل قدر ہے۔ علاوہ ازیں اس میں بہت اعلیٰ درجے کا جغرافی مواد بھی موجود ہے[1]

تیموری عہد کے حالات کے لئے سب سے پہلے علی یزدی کی تاریخ ہے، اور اس کے بعد حافظ ابرو کا مصنفہ جغرافیہ ہے؛ یہ دونوں کتابیں فارسی میں ہیں اور ان کی تصنیف کا زمانہ نویں (پندرھویں) صدی کا نصف اول ہے۔ تیموری فتوحات کے بعد ملک کی جو حالت ہوئی اس کے معلوم کرنے کے لئے دو ترکی کتابوں کا ذکر کر دینا ضروری ہے، جن میں سے ایک تو شرقی ترکی میں، اور دوسری عثمانی ترکی میں لکھی گئی تھی۔ ان دونوں کی تصنیف کا زمانہ گیارھویں (سترھویں) صدی کا نصف اول ہے۔ ان میں سے پہلی (یعنی "تاریخ ترک و مغل) کا مصنف خوارزم کا شہزادہ ابوالغازی ہے اور دوسری کتاب جہان نما ہے، "جو کشف الظنون" کے مصنف حاجی خلیفہ (خلیفہ) کی تصنیف ہے[2]

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ؛ ترجمے کی تکمیل ایس گیورڈ (S. Guyard) نے کی +

[1] ابن بطوطہ کا سفرنامہ مع فرانسیسی ترجمے کے ڈفرمری اور سنگینوٹی (Defer mery and Sanguinetti) نے شائع کیا ہے (پیرس ۱۸۵۳-۱۸۵۹ء)۔ مستوفی کی فارسی جغرافیہ نزہۃ القلوب ۱۳۱۱ھ (۱۸۹۴ء) میں بمبئی میں چھپی تھی۔ "تاریخ گزیدہ" کا حوالہ برٹش میوزیم کے قلمی نسخے سے دیا گیا ہے۔ اور حسب ذیل نسخوں کو بغرض مقابلہ پیش نظر رکھا گیا ہے (ADD. 7630 + ADD. 22,693) اور ایجرٹن کا نسخہ ۶۹۰+) [نزہۃ القلوب اور تاریخ گزیدہ دونوں گب میموریل میں شائع ہو چکی ہیں۔ (مترجم)]

[2] علی یزدی کی تصنیف "ظفر نامہ" کلکتہ سے ۱۸۸۸ء میں سلسلہ ببلیوتھیکا انڈیکا میں شائع ہوئی تھی۔ اس کا فرانسیسی ترجمہ Petis de la croix نے کیا ہے اور اس کا نام

کل مضمون کتاب پر جو سرسری نظر یہاں ڈالی گئی ہے اس کو مکمل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس ابتدائی باب کے آخری چند صفحات اس کام کے لئے مخصوص کئے جائیں کہ جن مقامات کے نام کتاب کے آیندہ ابواب یا اس کے نقشوں میں آئیں گے ان کے بارے میں جو باتیں بالعموم پائی گئی ہیں ان کا ذکر کر دیا جائے۔ میسوپوٹیمیا کے دو صوبوں میں اکثر و بیشتر اسماء اماکن یا تو عربی ہیں یا ارامی۔ یہ آخری زبان یا ارامی اسلامی فتوحات سے پہلے یہاں عوام میں رائج تھی۔ شہروں کے عربی ناموں کے اکثر کچھ نہ کچھ معنے ہوتے ہیں، یا ہوتے تھے، مثلاً کوفہ، بَصْرَہ، وَاسِط، یہ سب بامعنی الفاظ ہیں۔ ارامی نام اپنی خاص شکل و صورت کی وجہ سے بالعموم آسانی سے تمیز کئے جا سکتے ہیں، کیونکہ ان کے آخر میں "ا" ہوا کرتا ہے، مثلاً جَبُلْتَا، اور ان کے معنے معلوم کرنے میں بھی دقت نہیں ہوتی؛ مثلاً عَبَرْتَا کے معنی جا ءِعبور کے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہاں کشتیوں کا پل ہے۔ اور با جِسْرَا جو عربی میں بَیْتُ الْجِسْر (یعنی پل والے گھر) کا مترادف ہے۔ (۱۹) قدیم ایرانی نام، جیسے بَغْدَاد (خدا کی دی ہوئی جگہ)، شاذ و نادر دیکھنے میں آتے ہیں کہیں کہیں یونانی ناموں کا بھی پتہ چلتا ہے، مثلاً اَلْاُبُلَّہ، جس کا یونانی نام اپولوگس (Apologos) ہے۔

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے، اِیْشِیَاءِ کُوْچَک کا بَازَنْطِیْنِی صوبہ سلجوقی فتوحات کے بعد یعنی پانچویں (گیارھویں) صدی کے نصف آخر میں، اسلامی صوبہ قرار پایا تھا، اور اس لئے اس علاقے کے اکثر یونانی نام دو دو شکلیں رکھتے ہیں۔ پرانے نام کی شکل عربی ہوتی ہے اور نئے کی ترکی۔ مثلاً یونانی نام سلوکیا کی پہلی شکل سَلُوْقِیَہ ہے، اور بعد کی سَلَفْکَہ؛ یونانی نام ھِرَاکلِیَا پہلے ھِرَقْلَہ تھا، اور بعد میں اراکلیہ ہو گیا۔ سلجوقی سلطنت اور پھر عثمانی تسلط کے زمانہ میں پرانے یونانی ناموں کے بجائے قدرتی طور پر ترکی نام لئے جانے لگے؛ لیکن علم الہجا کے معاملے میں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ عربی حروف تہجی ترکی حروف سے بھی ایسے ہی مغائر ہیں جیسے کہ یونانی حروف سے اس لئے ترکی الفاظ کا املا (جیسا ترکی لغت کی کتابت سے ظاہر ہوتا ہے) دو دو طرح لکھا جاتا ہے؛ مثلاً قرا حصار بھی لکھتے ہیں اور قرہ حِصار بھی؛ قرہ سی بھی لکھتے ہیں اور قَرَاسِی بھی لکھتے ہیں قَرَمان بھی لکھتے ہیں۔ اور قَرَامَان بھی، ایسی اور بہت سی مثالیں بھی دی جا سکتی ہیں۔

ایرانی صوبوں پر اگر نگاہ ڈالی جائے تو تعجب ہوتا ہے کہ عربی نام اس قدر کم کیوں

کی کتاب ہے؛ اسی زمانے کے لئے ایک مختصر مگر دلچسپ کتاب ہے جسے بالعموم "الفخری" کہتے ہیں۔ ابن اثیر کے مختصر بیانات کو مکمل کرنے کے لئے ابن خلدون کی تاریخ یعنی کتاب العبر" کا مطالعہ بھی اکثر بکار آمد ثابت ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات بیان کو مفصل کرنے کے لئے ابن خلکان کی کتاب "وفیات الاعیان" سے جس میں مشہور مسلمانوں کی زندگی کے حالات ایک لغت کی کتاب کی طرح لکھے گئے ہیں، مدد ملتی ہے۔ یہ تمام کتابیں عربی میں ہیں؛ فارسی تاریخوں میں میر خوند کی روضۃ الصفا' اور اس کے پوتے خواند میر کی حبیب السیر' قابل ذکر ہیں۔ کیونکہ ایرانی صوبوں سے متعلق یہ کتابیں بالخصوص بہت ضروری معلومات مہیا کرتی ہیں۔ دو اور فارسی تاریخیں جو ایشیائے کوچک اور کرمان کے آل سلجوق کے حالات میں ہیں، قابل قدر سمجھنی چاہئیں؛ اور آیندہ صفحات میں ہم نے کئی موقعوں پر ان کی عبارتیں نقل کی ہیں۔ ان کے مصنفوں کے نام ابن بی بی اور ابن ابراھیم ہیں[1]۔

---

[1] امام بلاذری کی کتاب فتوح البلدان۔ ڈی خویہ کی تصحیح کے بعد لیڈن (۱۸۶۶ء) میں چھپ چکی ہے۔ پروفیسر ڈی خویہ نے ہی ابن مسکویہ کی کتاب تجارب الامم کا ایک حصہ (Fragmenta Historicorum Arabicorum) میں شائع کیا ہے۔ حمزہ اصفہانی کی تاریخ (مع لاطینی ترجمے کے) آئی' ایم' ای' گاٹ ولٹ (Gottwaldt) نے طبع کرائی ہے۔ (لائپزگ ۱۸۴۴ء) + امام طبری کی مشہور و معروف تاریخ ڈی خویہ کی تصحیح کے بعد طبع ہوئی ہے (لیڈن ۱۸۷۹-۱۹۰۱ء) ابن اثیر کی الکامل، ٹورن برگ نے چھپوائی (لیڈن ۱۸۶۷-۱۸۷۶ء) + الفخری کو اھلوارٹ (Ahlwald) نے گوتھا سے ۱۸۶۰ء میں شائع کیا۔ ابن خلدون کی تاریخ بولاق میں ۱۲۸۴ھ (۱۸۶۷ء) میں شائع ہوئی۔ ابن خلکان کا عربی متن وستنفلڈ نے اور انگریزی ترجمہ ڈی سلین نے شائع کیا۔ روضۃ الصفا ۱۲۶۶ھ (۱۸۵۰ء) میں، اور حبیب السیر ۱۲۷۳ھ (۱۸۵۷ء) میں بمبئی میں طبع ہوئیں۔ ان ہی کا حوالہ اس کتاب میں دیا گیا آل سلجوق کے متعلق دو کتابیں ہوتسما نے اپنی (Recueil de Taxtes relatifs a la) Histoire de Seljoucides کی جلد اول و چہارم میں طبع کرائی تھی (لیڈن ۱۸۸۶-۱۹۰۲ء) ان میں سے پہلی کتاب ابن ابراھیم کی ہے جو ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ء) میں گذرا ہے اور دوسری ابن بی بی جس نے اپنی کتاب ۶۸۰ھ (۱۲۸۱ء) میں لکھی تھی+

کے جغرافیہ نویسوں کے بیانات سے جو نقشے تیار ہو سکتے ہیں جب ان کا آج کل کے نقشوں سے مقابلہ کرتے ہیں تو اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ ایک معدوم شہر کا نام اس شہر کے موجودہ علاقے کو دے دیا گیا ہے۔ مثلاً معدوم شہر سیرجان کا نام آج کل ایک علاقہ سیرجان میں موجود ہے اور یہی حال مرو دسیدز اور جیرُفت کا ہے۔ پہلے یہ دو نام دو بڑے شہروں کے تھے۔ مگر اب یہ صرف دو علاقوں کے نام ہیں۔ خلاصہ یہ کہ صوبے اور اس کے دارالحکومت کو چونکہ ایسا امکان ہے کہ ہمیشہ ایک ہی نام سے پکارتے تھے اس صورت میں بالکل ممکن تھا کہ ایک زمانہ گزرنے سے وہ صوبہ صوبہ نہ رہے یا وہ دارالحکومت فنا ہو کر کوئی شہر نہ رہے۔ چنانچہ اسی اعتبار سے اوپر کی مثالوں کے برعکس ایک مثال یہ ہے کہ پرانے علاقہ آذَرْدُوْن کا نام ایک چھوٹے سے شہر کو دے کر اسے آذَرْدُوْن کہنے لگے" درآں حالیکہ اس کا پرانا نام (رَے والا) خُوَار موجود تھا۔

طبعی جغرافیہ کے متعلق بھی عربوں کے پاس ناموں کی کمی تھی۔ الگ الگ مشہور بلند پہاڑیوں کے اسماءِ علَم (مثلاً دَماوَند، اَلْوَنْد) موجود تھے لیکن کسی پہاڑی سلسلہ کا تمام نام مطلق نہ تھا۔ کوہ ٹارس کے سلسلے کو جو بازنطینی سلطنت کی پناہ کے لئے مثل ایک دیوار کے کھڑا تھا، اکثر غلطی سے، لُکّام کہہ دیتے تھے لیکن جبل لُکّام درحقیقت اِنْتِی ٹارس کے سلسلے میں پہاڑوں کا ایک مجموعہ ہے۔ یہی حال کوہ البرز کے مشہور سلسلے کا تھا، جو ایران کی سطح مرتفع کو بحیرہ خزر کی ملحقہ زمینوں سے جدا کرتا ہے۔ اس طول وطویل سلسلۂ کوہ کا بھی کوئی نام عربی جغرافیہ نویسوں نے نہیں لکھا۔ بڑی بڑی جھیلوں میں بالعموم ہر جھیل کا ایک خاص نام ہوتا تھا (مثلاً جھیل لُوزِرَہ، چَیچَست)، لیکن کم درجے کی جھیلوں کا نام عموماً کسی ایسے شہر کے نام پر ہوتا تھا جو ان کے کنارے پر آباد ہو، مثلاً جھیل اُرْمِیَہ، اور جھیل وان جو اَرجیش بھی کہلاتی تھی۔ سمندروں کے ناموں میں اور بھی زیادہ التباس تھا۔ ان کے نام طرح طرح سے کبھی صوبوں کے ناموں پر اور کبھی ان شہروں کے ناموں پر جو ان سے ملحق یا ان کے ساحل پر واقع تھے، لکھتے تھے مثلاً بحیرۂ خزر کو بحیرۂ طَبَرِستان، یا بحیرۂ گیلان، یا بحیرۂ جُرجان یا بحیرۂ باکُو کہتے تھے۔ آخری زمانہ میں اس کو بحیرۂ خزر اس وجہ سے کہنے لگے کہ قوم خزر کی سلطنت زمانہ وسطے کے شروع میں اسی بحیرہ کے شمالی ساحل پر تھی۔ اسی طرح بحیرۂ آرال کو بحیرۂ خوارزم

کی پابندی کبھی نہیں کی گئی۔ مثلاً میسوپوٹیمیا میں جہاں اکثر وبیشتر شہروں کے نام سامی زبان کے ہیں، دِجْلَہ کو بغیر اَل کے لکھا جاتا ہے۔ اور فرات کو اَلفُرات لکھتے ہیں حالانکہ جیسا کہ دِجلَہ غیر زبان کا لفظ ہے ویسا ہی فُرات بھی ہے[1]۔ ایرانی صوبوں میں جوں جوں زمانہ گذرتا گیا عام رجحان اس طرف ہوتا گیا کہ عربی اَل کو محذوف کر دیا جائے؛ مثلاً اَلسِیرجَان فارسی میں سِیرجَان ہوگیا۔ بہرحال جیسے کہ اوپر بیان ہوا اَل لکھنا یا نہ لکھنا لکھنے والے کی مرضی پر موقوف تھا۔ کیونکہ کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ عرب مَرْو کو ہمیشہ اَلمَرْو نے لکھیں اور جَیّ کو جو اصفہان کے شہر کے ایک حصہ کا نام تھا، ہمیشہ بغیر اَل کے لکھیں[2]۔

جغرافیہ کے ناموں اور اصطلاحی الفاظ میں عرب کسی قدر افلاس زدہ نظر آتے ہیں۔ الفاظ کی اس قلت سے ان کی جغرافی تحریروں میں بڑا خلط بحث پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً کسی صوبے کے ایسے شہر کو جو خود اس کا دارالحکومت ہو وہ اسی صوبے کے نام سے پکارتے تھے، درآنحالیکہ اس شہر کا دوسرا نام موجود ہوتا تھا۔ مثلاً دِمَشق کو اَلشّام (شام کا دارالحکومت) کہتے تھے۔ زَرَنج کو جو سِجِستَان کا صدر مقام تھا، بجائے مدینہ سجستان کہنے کے محض سِجِستَان کہتے تھے۔ اس طرز بیان سے بہت پیچیدگی وہاں ہو جاتی تھی جہاں ایک ہی صوبے کے دو دارالحکومت رہے ہوں۔ چنانچہ صوبہ کِرمَان کی یہی کیفیت ہے۔ ابتدائی کتابوں میں کِرمَان (یعنی شہر) سے مراد شہر سِیرجَان سابق دارالحکومت سے تھی اور بعد کو موجودہ شہر کِرمَان سے مراد لینے لگے، حالانکہ یہ شہر ایک بالکل جدا شہر تھا اور اس وقت دارالحکومت ہوا تھا جب کہ سِیرجَان برباد ہو چکا تھا۔ نیز عہد وسطےٰ

---

[1] مثلاً اصلی یونانی نام اُبُلّہ ہے مگر عربی میں ہم اسے اَل کے ساتھ اَلاُبُلّہ لکھا ہوا پاتے ہیں۔ ایسی اور بھی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ مقامات کے خالص عربی ناموں پر بعض اوقات اَل لگایا جاتا ہے۔ مثلاً الکوفہ (یعنی نرسلوں کی جھونپڑیوں کا شہر) پر اَل آتا ہے، اور وَاسِط (یعنی درمیان کا شہر) بغیر اَل کے لکھا جاتا ہے۔ حالانکہ اگر اس نام کے ساتھ بھی اَل لگا دیا جاتا تو مناسب تھا۔

[2] اس قاعدے پر کس قدر کم عمل ہوتا ہے۔ اس کا اندازہ جُدَّۃ کی مثال سے ہوگا۔ بعد کے زمانے کے مصنف اسے جُدّۃ اور الجُدّۃ دونوں طرح لکھتے ہیں۔

بَقِیَّۂ حَاشِیَۂ صَفحَۂ گُزشتَہ: بسطام سے چار فرسخ کے فاصلے پر تھا؛ (۲) یاقوتؒ نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ خُرقان اس سڑک پر تھا جو اَستر آباد جاتی ہے؛ (۳) اور مستوفی سے یہ پتہ چلتا ہے کہ خُرقان، ایک بڑا گاؤں تھا، اس میں ایک ولی اللہ کا مزار تھا اور پانی کی کثرت تھی، جس سے معلوم ہوا کہ یہ محض ایک پڑاؤ نہ تھا۔ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اس بہت ہی معمولی سی بات کے لئے تین مصنفوں کی تصانیف کا مطالعہ کرنا پڑا، اور ان کے حوالے حواشی میں درج کرنے پڑے۔

اور خلیج فارس کو بحیرۂ فارس کہتے تھے۔

آخر میں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ جن مستند مصنفوں سے ہم نے مدد لی ہے ان کی تصانیف سے مضامین انتخاب کرکے اس کتاب کے آیندہ ابواب میں درج کئے ہیں۔ مختلف صوبوں کے شہروں اور قریوں کی جس تعداد کو ان مصنفوں نے لکھا ہے وہ بہت زیادہ ہے۔ یہ سمجھنا چاہئے کہ جس قدر شہر اور قریے ہم نے اس کتاب کے اشاریہ میں درج کئے ہیں اُن سے ان مصنفوں کے بیان کی تعداد دو چند سے بھی زیادہ ہے۔ جہاں کہیں کسی شہر کے موقع و محل کا تعین دور یا پاس کچھ بھی نہیں ہو سکا ہے اس کو چھوڑ دیا ہے، اور ایسے نام بکثرت ہیں۔ نقشوں کے بارے میں یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ محض خاکے ہیں جو متن کو سمجھانے کے لئے درج کئے گئے ہیں۔ ان سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ ملک کی شکل و صورت کسی خاص زمانے میں فی الحقیقت کیا تھی اسی طرح شہر جو یکے بعد دیگرے وجود میں آئے اس طرح دکھائے گئے ہیں کہ گویا وہ سب ایک ہی وقت میں موجود تھے۔ اس کا حال کہ ایسا تھا یا نہ تھا متن کو پڑھنے سے معلوم ہوگا۔[1]

---

[1] بعض ناظرین کو شاید یہ بات ناگوار ہو کہ کتاب کے صفحات حواشی سے بے انتہا رنگین کر دئے گئے ہیں لیکن ایسے طالب علم کے لئے جو کسی واقعہ کی سند چاہتا ہو یہ حواشی ازبس ضروری ہیں۔ مصنف کے لئے صرف دو باتیں ممکن تھیں، یا تو حواشی بالکل اڑا دئے جاتے، اور یا ان کو بکثرت نقل کیا جاتا۔ یاد رہے کہ مسلمان مصنف اکثر و بیشتر اپنے پیشرووں کی کتابوں استفادہ کرتے ہیں، لیکن اس کا اظہار اپنی کتاب میں نہیں کرتے۔ اس کے برعکس ہر ایک جغرافیہ نویس اپنے پیشرو کی کتاب سے عبارت نقل کرنے کے بعد اپنی طرف سے کچھ نہ کچھ اضافہ ضرور کرتا ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مختلف اسناد کے بیانات کو جمع کرنے کے بعد کسی واقعہ کے متعلق رائے قائم کی جاسکتی ہے، یا کسی شہر کا محل وقوع صحیح طور سے متعین کیا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر صوبۂ قومس کے ایک معمولی سے شہر خرّقان کو پیش کیا جاتا ہے۔ اس شہر کا حال بہت زیادہ معلوم نہیں، لیکن خُرّقان نام ایک شہر صوبۂ جبال میں موجود تھا، اور اس لئے ضروری تھا کہ دونوں میں فرق کرنے کے لئے خرّقان کا محل وقوع بتادیا جاتا ہے۔ قومس میں خُرقان کی جائے وقوع معلوم ہے لیکن اس کو مستقل طور پر ذکر کرنے کے لئے حسب ذیل کتابوں کا حوالہ دینا پڑا۔ (۱) قزوینی جس نے لکھا ہے کہ یہ شہر

باب دوم

عِراق

میسوپوتامیا کی تقسیم، شمالی اور جنوبی عراق یا بابل۔ دریائے دِجلہ و فُرات کے بہاؤ میں تبدیلیاں۔ آب پاشی کی نہریں بغداد تا مُلاتُن اور فمِ الصِّلح تک دریائے دِجلہ پر دوسرے شہر

میسوپوتامیا[1] کا وسیع اور مسطح ملک جس میں دریائے دِجلہ و فُرات ہیں قدرتی طور پر دو حصوں میں منقسم ہے، نصف شمالی یعنی وہ حصہ جس میں قدیم زمانے میں اسیریا کی سلطنت واقع تھی؛ اسکا بڑا حصہ پتھریلی چراگاہوں پر مشتمل ہے اور نصف جنوبی یعنی قدیم زمانے کا بابل؛ یہ ایک زبردست قابل زراعت میدان ہے۔ کھجور بکثرت پائی جاتی ہے۔ آب پاشی کی نہریں بھی اس سرزمین کو سیراب کرتی ہیں؛ اور اسی شادابی اور زرخیزی کی وجہ سے یہ حصہ ایشیا کی چار بہشتوں میں سے ایک بہشت شمار ہوتا تھا۔ میسوپوتامیا کے شمالی حصہ کو عرب الجزیرہ اور جنوبی حصے کو عِرَاق (یعنی "ساحل سمندر" یا "دامن کوہ") کہتے ہیں لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس لفظ کا اطلاق خاص طور سے اس علاقے پر کیوں کیا گیا۔ ممکن ہے کہ یہ لفظ کسی پرانے نام سے جو اب معدوم ہوچکا ہے معرب کیا گیا ہو یا اس لفظ کے معنی شروع میں کچھ اور لئے جاتے ہوں؛

(۱) میسوپوتامیا دو یونانی الفاظ سے مرکب ہے جس کے معنی "درمیان" اور "دریا" کے ہیں؛ پورے لفظ کے معنی ایسے علاقے کے ہیں جو دو دریاؤں کے درمیان واقع ہو۔ یہ نام غالباً اسکندر اعظم کے زمانہ میں اس علاقہ کا ہوا تھا اس سے زیادہ قدیم عبرانی نام ارم نہرایم (یعنی دو نہروں یا دریاؤں کا علاقہ) تھا۔ اسی اعتبار سے اہل عرب اسے الجزیرہ کہتے ہیں۔ لیکن جغرافیہ کے لحاظ سے اب جس ملک کو میسوپوتامیا کہتے ہیں وہ الجزیرہ سے پوری مطابقت نہیں رکھتا؛ جیسا کہ مصنف نے آگے چل کر خود لکھا ہے۔ (مترجم)

ملک کا وہ زراعتی حصہ جو دو دریاؤں سے سیراب ہوتا ہے، عربوں کے ہاں سَوَادؔ[1] کہلاتا ہے، اور اکثر اس نام کا اطلاق تمام عِرَاق پر بھی ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں سَواد سے بابل کا تمام علاقہ مراد لیا جاتا ہے

عِرَاق اور جَزِیرَہ کی سرحدیں مختلف حالات میں بدلتی رہی ہیں۔ عربوں کے پرانے جغرافیہ نویسوں کے مطابق عام طور سے عِرَاق اور جَزِیرَہ کی سرحد شمال میں اَنْبَار سے شروع ہو کر جو دریائے فُرَات پر واقع تھا، دریائے دِجْلَہ کے کنارے کے شہر تِکْرِیت تک پہنچتی تھی، اور یہ دونوں شہر عِرَاق میں شامل سمجھے جاتے تھے۔ مگر بعد کے جغرافیہ نویسوں کے مطابق یہ سرحد تِکْرِیت کے تقریباً مغرب سے گزرتی تھی، اور اس طرح انبار کے شمال میں دریائے دِجْلَہ کے کنارے کے چند شہر بھی عِرَاق میں شامل ہو جاتے تھے۔ اگر طبعی لحاظ سے دیکھا جائے تو موخر الذکر تقسیم زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔ یہ سرحد شہر عَانَہ کے جنوب میں دریائے فُرَات پر اس مقام سے گزرتی تھی

(۲۵)

جہاں یہ دریا یک بارگی بہت کچھ جنوب کی طرف پھر جاتا ہے۔ دِجْلَہ کا لفظ توریت کے بعض یونانی ترجموں میں دِگْلَث کی صورت میں اور کتاب پیدائش میں ہِدَّاکِل کی صورت میں ملتا ہے۔ جب مسلمانوں نے پہلی (ساتویں) صدی میں عِرَاق کو فتح کیا تو اس وقت مَدَائِن جو دریائے

[1] سَوَاد کے ایک دوسرے معنی شہر کے گرد و نواح کی آبادی یا بستیاں ہیں اسی وجہ سے اکثر سواد بغداد سواد کُوفَہ اور سواد بَصْرَہ کا ذکر آتا ہے۔ اور اس وقت اس لفظ سے ان شہروں کے گرد و نواح بستیاں مراد لی جاتی ہیں (مصنف)

وزیر ابو الحسن ابن الفرات نے سَوَاد کی وجہ تسمیہ حسب ذیل بیان کی ہے:۔ ایک مرتبہ وزیر کی مجلس میں ذکر ہوا کہ سواد کو آخر یہ نام کیوں دیا گیا:۔ حاضرین مجلس میں سے ہر ایک نے اپنا اپنا خیال ظاہر کیا، مگر وزیر نے کہا کہ نہیں:۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں عرب یہاں پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ نخل و شجر کی کثرت، اور پانی اور زراعت کی نباتات کے باعث دن کو بھی یہاں اندھیرا رہتا ہے۔ اسی لئے انھوں نے کہا "مَا هٰذَا السَّوَادُ" اسی وقت سے اس علاقے کا نام سَوَاد پڑ گیا؛ والعرب تقول سَوَادُ الارضِ وَبَيَاضُهَا؛ فَالسَّوَادُ العَامِرُ وَالبَيَاضُ الغَامِرُ" (کتاب الوزراء لهلال الصابی مصحح آمدروز۔ مطبوعہ لیڈن ۱۹۰۴ء صفحہ ۶۸) (مترجم)

[2] آئندہ کتاب میں ہر موقع پر جو تاریخ خطوط وحدانی میں ہو وہ عیسوی سمجھی جائے ورنہ ہجری، سوائے ان موقعوں کے جب کہ اس کلیہ کے خلاف صراحت کر دی جائے۔ (مترجم)

اور قُوْنَۃ میں بخط مستقیم تقریباً (۱۵۰) میل کا فصل ہے۔ قُوْنَۃ سے دِجْلَۃ اور فُرات مل کر ایک ہو جاتے ہیں، اوراب یہ دریا شَطُّ العَرب (یعنی دریائے عرب) کے نام سے مشہور ہو کر ایک بڑی عریض آب نائے یا کھاڑی کی شکل میں جس پر مدوجزر کا اثر ہوتا ہے بہتا ہوا خلیج فارس میں جا گرتا ہے۔ اس عریض آب نائے کا طول اگر بالکل سیدھی پیمائش کی جائے، تو تقریباً (۱۰۰) میل ہوگا۔ آج کل کے نقشوں میں یہی صورت ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن صدر اسلام میں اور جیسا کہ آگے بیان ہوگا غالباً دسویں (سولھویں) صدی کے پورے زمانہ میں دِجْلَۃ نے بَغْدَاد سے تقریباً سو میل نیچے آکر ایسا رُخ اختیار کیا تھا، جو اس کے موجودہ راستہ کے مقابلہ میں بہت زیادہ جنوبی تھا اور اسی اندازے وہ وَاسِط پہنچتا تھا۔ دِجْلَۃ کا یہ ٹکڑا وہ تھا جسے آج کل شَطُّ الحَیّ (یعنی سانپ والا دریا) کہتے ہیں۔ وَاسِطْ، دِجْلَۃ کے دونوں کناروں پر آباد تھا۔ وَاسِط سے تقریباً (۶۰) میل جنوب میں دریائے دِجْلَۃ اپنا پانی نہروں میں بکثرت تقسیم کرکے آخرکار ایک وسیع مرداب میں پھیل کر بے نشان ہو جاتا تھا۔

یہ وسیع مرداب اپنے زیادہ سے زیادہ عرض میں (۵۰) میل اور طول میں (۲۰۰) میل تھا۔ اور ازمۂ وسطے کے کل دوریں وہ بَصْرَۃ کے بالکل قریب تک پہنچتا تھا۔ اس مرداب کے شمال مغربی گوشہ پر کُوفَۃ سے چند میل جنوب میں دریائے فُرات اپنا پانی پہنچاتا تھا، کیونکہ اس زمانے میں اس دریا کی مخصوص گذرگاہ وہی تھی جواب کوفہ والی شاخ فُرات کی ہے۔ اور فُرات کا وہ راستہ جو حِلّہ سے گذرتا ہوا گیا ہے، اور جو آج کل اس کی مخصوص گذرگاہ ہے پہلے محض آبرسانی کی ایک نہر سے زیادہ نہ تھی جسے نہر سُوْرَا کہتے تھے۔ اس وسیع مرداب کے جنوبی حصہ کے شمالی کنارہ پر ایک قطار جھیلوں کی تھی جن کو بڑی آبناؤں نے ملا رکھا تھا اور ان جھیلوں کی وجہ سے کشتی رانی ممکن ہو گئی تھی۔ چنانچہ کشتیاں اس مقام سے گذر کر جہاں دِجْلَۃ اَلْقَطْر کے قریب مرداب میں داخل ہوتا تھا ایک ایسے مقام تک پہنچتی تھیں جو موجودہ قُوْنَۃ سے قریب تھا اور جہاں مرداب میں دِجْلَہ اور فُرَات کا پانی بکثرت جمع ہو کر نہر ابوالاسود کے ذریعہ اس مقام پر گرتا تھا جس کے قریب سے شط العرب شروع ہوا تھا۔ اسی آبی راستہ سے کشتیاں بغیر کسی دشواری کے بَغْدَاد سے بَصْرَۃ تک پہنچا کرتی تھیں۔ بَصْرَۃ جو بَغْدَاد کا بندرگاہ تھا، اس نہر کے اختتام پر آباد تھا، جو شط العرب کی کھاڑی سے مغرب کی سمت

دجلہ پر واقع تھا، اس صوبہ کا صدر مقام اور ساسانیوں کا سرمائی دار السلطنت تھا۔ لیکن عربوں کو اول تو اپنے آدمیوں کو آباد کرنے کے لئے شہروں کی ضرورت تھی اور اس کے علاوہ ایسے مقامات کی بھی تلاش تھی جو فوجی چھاؤنیوں کا کام دے سکیں۔ چنانچہ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے بہت جلد تین چھاؤنیاں یعنی کُوفہ، بَصرہ، اور واسِط قائم کر دی گئیں۔ انھوں نے جلد ترقی کی یہاں تک کہ تھوڑے عرصہ میں یہی تینوں مقام اس اسلامی صوبے کے اہم ترین مقامات بن گئے۔ خصوصاً بصرۃ اور کوفہ دونوں بنی اُمیّہ کے عہد میں برابر عراق کے صدر مقامات رہے لہ

بنی اُمیّہ کی بربادی اور بنی عباس کی خلافت سے جو سیاسی انقلاب پیدا ہوا اس سے لامحالہ ایک نئے دار الخلافہ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اور آخر کار عباسیوں کے دوسرے خلیفہ منصور نے مَدائِن سے چند میل شمال میں بَغداد کا نیا شہر آباد کیا۔ اس شہر نے اس سرعت سے ترقی کی کہ چند ہی روز میں لوگ دِمشق کی شان و شوکت کو بھول گئے۔ بَغداد بنی عباس کا دار الخلافہ اور قدرتی طور پر عراق کا صدر مقام بن گیا۔ اور یہی عراق کا صوبہ اب مشرقی خلافت کا مرکزی صوبہ بنا +

ازمنۂ وسطیٰ میں ملک عراق کی طبعی کیفیت آج کل کی حالت سے بالکل مختلف تھی کیونکہ اس زمانے سے اب تک دجلہ اور فرات کے بہاؤ میں بہت سی تبدیلیاں ہو چکی ہیں۔ انھیں تبدیلیوں نے ان متعدد نہروں کو بالکل خراب و خستہ کر دیا جو خلفائے سلف کے دور میں آب رسانی کی غرض سے بنائی گئی تھیں اور جنھوں نے فی الواقع ملک عراق کو بہشت عدن بنا رکھا تھا۔ دریائے دِجلہ آج کل اپنے خمدار بہاؤ میں جس کا رخ بالعموم جنوب مشرق کی طرف رہتا ہے۔ بَغداد کے جنوب میں دریائے فُرات سے اس مقام پر مل جاتا ہے جسے قُرنہ کہتے ہیں۔ بَغداد

لہ صدر مقام ہونے کی حیثیت سے کُوفہ اور بصرہ "اَلعِراقان" یا "اَلعِراقَین" یعنی "عراق کے دو صدر مقام" کے نام سے مشہور رہے۔ بعد کے زمانہ میں جب کوفہ اور بصرہ کی فوقیت ختم ہو گئی تو عراقین کے لفظ کا اطلاق غلطی سے عراق کے دو صوبوں یعنی عراق عرب اور عراق عجم پر ہونے لگا۔ عراق عجم میں جبال کا صوبہ بھی شامل تھا۔ مزید تفصیل بارھویں باب میں آئے گی +

عہ ازمنۂ وسطیٰ سے بالعموم پانچویں صدی عیسوی سے پندرھویں عیسوی تک کا زمانہ مراد لیا جاتا ہے (مترجم)

برابر طول و عرض میں بڑھتا چلا گیا۔

مذکورۂ بالا بیان سے اس مرداب اعظم کے معرض وجود میں آنے کا سبب صاف طور سے معلوم ہوجاتا ہے۔ ابن رستہ کے خیال کے مطابق بھی ساسانیوں کے آخری عہد ہی میں دریائے دِجلہ نے سب سے پہلی مرتبہ مادرایا سے آگے اپنا مشرقی راستہ چھوڑ کر (شط الحی والا) مغربی راستہ اختیار کیا تھا جو اس زمین سے ہو کر گذرتا تھا جہاں مسلمانوں نے بعد کے زمانہ میں وَاسِطْ کا شہر بسایا۔ ابن رستہ کے قول کے مطابق اس تبدیلی سے وہ تمام علاقہ جو دریا کے قدیم مشرقی راستہ کے دونوں جانب واقع تھا بالکل بیابان ہوگیا اور تیسری (نویں) صدی میں جب کہ وہ اپنی کتاب لکھ رہے تھے اس علاقہ کی یہی کیفیت تھی۔ پھر وہ اس پانی کا ذکر کرتے ہیں جو رَو کے رکنے سے پلٹ کر قُوثہ کے شمال میں ایک چھ فرسخ طولانی دریا کی شکل میں عَبْدَسِی اور مَذَار تک پہنچتا تھا۔ اور اس کے اخیر میں ایک پشتہ باندھ کر اسے آگے بڑھنے سے روک دیا تھا۔ پانی کا یہ طولانی ٹکڑا دِجلہ کی سابقہ اور موجودہ مشرقی گذرگاہ کا آخری حصہ مشترک تھا۔ ابن رستہ کا بیان ہے کہ وہ بند جو ان کے زمانے میں کشتیوں کو شمال کی جانب بڑھنے سے روک دیتا تھا ساسانیوں کے زمانے میں موجود نہیں تھا۔ اس وقت یہ آبی راستہ عَبْدَسِی اور مَذَار کے شمال میں کشتیوں کی آمد و رفت کے لیے اس مقام تک بالکل صاف تھا جہاں وہ دِجلہ کی اس گذرگاہ سے جا ملتا تھا جو (ابن رستہ کے زمانے میں) وَاسِطْ سے علاقہ فم الصلح (مادرایا تک) آیا ہوا تھا۔ اور یہاں سے مدائن تک دریائی راستے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ ابن رستہ لکھتے ہیں کہ پرانے زمانہ میں بحری جہاز جو ہندوستان سے چلتے تھے دِجلۃ العوراء تک (یعنی شط العرب کی کھاڑی میں آخر زمانے کے بصرہ تک) آتے تھے اور یہاں سے مدائن (طیسفون) تک پہنچ کر وہ (موجودہ) فم الصلح کے شمال میں دِجلۂ بغداد میں جاتے تھے۔ [illegible] وہاں پہنچ جاتے تھے جہاں زمانۂ مابعد میں بغداد کا شہر آباد ہوا (۰)

اس لحاظ سے دریائے دِجلہ آج کل اپنے زیریں حصہ میں وہی راستہ اختیار کرتا ہے جو ساسانیوں کے عہد میں تھا۔ لیکن عباسی خلافت کے دور میں صدیوں تک یہ دریا وَاسِطْ سے گذر کر مغربی راستہ سے بہتا ہوا اس مرداب اعظم میں ختم ہوجاتا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ پھر دوبارہ کس زمانہ میں دریائے اپنا راستہ بدلا اور موجودہ راستہ اختیار

(۲۸)

میں نکالی گئی تھی۔ شَطُّ العَرَب کے اس حصہ کو اس زمانہ میں دِجْلَۃُ الْاَعْوَر کہتے تھے +

اس کے برخلاف موجودہ نقشوں کے مطابق آج کل دِجْلَہ شطالحی سے مشرق ہی کی سمت بہتا ہے۔ اور موجودہ قُوطُ العَمارَہ کے گاؤں پر سے جہاں ازمنۂ وسطیٰ میں عاذَرا یا واقع تھا اپنا راستہ بدل دیتا ہے۔ بظاہر قُرْنَہ تک یہی راستہ ساسانیوں کے عہد میں بھی اس دریا کا تھا، جب کہ وہ وسیع مرداب جس کا ذکر جغرافیہ دانوں نے کیا ہے ابھی معرض وجود میں نہ آیا تھا۔ امام بلاذری اس وسیع مرداب کے آغاز کا زمانہ ساسانی کسریٰ قباذ اول کا وقت بتاتے ہیں، جو پانچویں صدی عیسوی کے آخر میں گذرا ہے۔ اس بادشاہ کے عہد میں ان بندوں کی طرف سے، جو اس وقت کے دریائے دِجْلَہ کے دونوں جانب بندھے ہوئے، چند سال تک غفلت برتی گئی، نتیجہ یہ ہوا کہ یک لخت پانی نے زور کیا اور پشتوں کو اکثر جگہ سے توڑ کر جنوب مغرب کی تمام نشیبی زمین پر پھیل گیا۔ قباذ اول کے بیٹے انوشیروان عادل کے عہد میں ایک حد تک ان بندوں کی مرمت کر دی گئی۔ اور زمین کو پھر قابل زراعت بنا یا گیا۔ لیکن خسرو پرویز کے زمانے میں، جو آں حضرت صلے اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا زمانہ مبارک تھا، تقریباً ۷ھ یا ۸ھ (۶۲۹ء) میں دریائے فرات و دِجلَہ میں ایسی طغیانی آئی جس کی نظیر پہلے نہیں ملتی، چنانچہ اس سے دونوں دریاؤں کے بند اکثر جگہ سے ٹوٹ گئے؛ اور تمام گرد نواح کا علاقہ تہ آب ہو گیا۔ امام بلاذری کا قول ہے کہ اس موقع پر جب کہ حقیقت میں معاملہ ہاتھ سے نکل چکا تھا خسرو پرویز نے بذات خود ان بندوں کی مرمت کرائی، اور دولت و محنت صرف کرنے میں دریغ نہ کیا۔ یہاں تک کہ ان کے قول کے مطابق "اس نے بند کے صرف ایک شگاف کو روکنے کے لئے ایک دن میں چالیس آدمیوں کو جن کے متعلق بند کی نگاہ داشت تھی مصلوب کرایا اور پھر بھی سیلاب نہ رکا۔ اس مرتبہ، جب پانی دریا کی گذرگاہ میں سمٹ کر واپس نہ جا سکا تو ایک وسیع مرداب مستقل طور پر پیدا ہو گیا۔ بعد کے زمانے میں کچھ تو شگی فتنہ کی وجہ سے اور کچھ اس سبب سے کہ اسلامی فتوحات نے ساسانی خاندان کا فوراً ہی خاتمہ کر دیا تھا ان بندوں کی طرف اور بھی توجہ نہ کی جا سکی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر ایک بند میں شگاف بڑھتے گئے؛ کیونکہ کوئی ان کی مرمت کی طرف توجہ نہ کرتا تھا۔ اور دہقان خود ان کی مرمت کا مقدور نہ رکھتے تھے۔ اس طرح یہ مرداب

ایک وسیع مرداب کا اس طرح وجود میں آنا اور اس کی وجہ سے بعد کو دِجلہ و فُرات کے راستوں میں تبدیلی پیدا ہونا سب سے بڑی چیز ہے جو عہد خلافت کے دوران میں جنوبی میسوپوتامیا کے طبعی حالات میں پیش آئی۔ اور تقریباً اتنا ہی قابل غور نہروں کا وہ سلسلہ تھا جو اسلامی فتوحات کے بعد مسلمانوں کو ایرانیوں سے بطور ورثہ ملا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے، اس زمانہ میں اس مرداب کے شمال میں تمام عراق اور اس علاقے میں، جو ان دو دریاؤں کے درمیان واقع تھا، نہروں کا ایک جال بچھا ہوا تھا۔ یہ نہریں مشرق کی طرف بہ کر دریائے دِجلہ میں اپنا پانی گرا دیتی تھیں دِجلہ کے مشرق میں ایک (۲۰۰) میل لمبی نہر، جو نہروان کہلاتی تھی، اور جو تکریت سے کسی قدر جنوب میں دِجلہ سے نکل کر شہر واسط سے پچاس میل شمال میں پھر دِجلہ میں مل جاتی تھی، ان زمینوں کو سیراب کرتی تھی جو دِجلہ کے پار ایران کی سمت کو واقع تھیں۔ آب رسانی کے ان زبردست ذرائع کی پوری تفصیل اپنے موقع پر آئے گی۔ اس باب کے ساتھ ایک نقشہ ملحق ہے، جو اس زمانے کے مصنفوں کے بیانات کے مطابق تیار کیا گیا ہے۔ اس نقشے پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ کس طرح عباسیوں کے عہد میں عراق کی زرخیزی اور سرسبزی پانی کو

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ؛ (فولیو ۱۶۲۶ - ۱۶۲۵) ج ۵ ص ۱۲، ۱۱، ۱۴ - اور Six Voyages en Turquie de J.B. Travernier (یوٹرکٹ ۱۷۱۲ء ۶)

ج ۱- ص ۲۰۴ ۔ ان کے علاوہ دوسرے سیاح کچھ تفصیل نہیں بتاتے۔ غالباً سب سے پہلا شخص جس نے دریائے دِجلہ کی مغربی شاخ کو قابل کشتی رانی تبلایا ہے وہ گمنام پرتگیزی سیاح ہے، جس کے سفرنامہ کا قلمی نسخہ اس وقت میجر ایم ہیوم کے پاس ہے (دیکھو انیتھیم ۲۳ مارچ ۱۹۰۱ء ص ۳۷۴) یہ سیاح بیان کرتا ہے کہ قُرنَہ کا قلعہ بصرہ کے شمال میں چند فرسخ کے فاصلے پر وہاں واقع تھا جہاں دِجلہ اور فُرات کا اتصال ہوتا ہے۔ صحیح طور پر معلوم نہیں کہ اس کا زمانہ سیاحت کونسا ہے، لیکن سفرنامہ میں جو اندرونی شہادت موجود ہے اس کی بنا پر اس کی سیاحت کی تاریخ ۱۵۵۵ء قرار دی جاسکتی ہے۔ اس تحقیق سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کے بعد نو صدیوں تک دِجلہ کی مغربی رَو مرداب اعظم تک آتی تھی۔ اس کے بعد سولھویں صدی عیسوی میں اس نے اپنا راستہ بدل کر مشرقی رَو اختیار کی جو اشاعت اسلام سے قبل ساسانی زمانہ میں اس کا اصلی راستہ تھا، اور یہی راستہ دریا آج کل بھی اختیار کرتا ہے۔

گیا؟ اس کا جواب صرف یہ ہو سکتا ہے کہ غالباً یہ تبدیلی بہ تدریج واقع ہوئی ہوگی، اور اس کا سبب یہ تھا کہ مغربی راستہ مٹی اور ریت کی وجہ سے بند ہو گیا تھا۔ بہرکیف تیمور کے عہد اور نویں (پندرھویں) صدی تک تمام مسلمان جغرافیہ نویس یہی بیان کرتے ہیں کہ دِجْلَہ کا زیریں حصہ وَاسِط سے ہو کر گذرتا تھا۔ اس کی توثیق حافظ اَبْرُو کے قول سے بھی ہوتی ہے، جس نے اپنی کتاب ۸۲۰ھ (۱۴۱۷ء) میں لکھی تھی۔ سیاحوں میں سب سے پہلے جس نے مشرقی راستہ کو قابل جہازرانی بنایا ہے وہ جان نیوبری تھا، جو ۱۵۸۱ء میں بَغْدَاد جانے کے بعد وہاں سے چھ دن میں کشتی کے ذریعہ سے بَصْرَہ پہنچا تھا؛ اور پانچویں دن قُرْنَہ پر سے گذرا تھا، جو ایک قلعہ ہے جہاں فُرات اور دِجْلَہ ملتے ہیں۔ سترھویں صدی عیسوی میں فرانسیسی سیاح ٹریورنیر نے بھی دِجْلَہ پر یہی راستہ اختیار کیا تھا۔ وہ فروری ۱۶۵۲ء میں بَغْدَاد سے روانہ ہوا؛ اس کا بیان ہے کہ شہر سے کچھ فاصلے پر ہی دریائے دِجْلَہ دو شاخوں میں منقسم ہو جاتا ہے۔ مغربی رَوْ جو وَاسِط کے پاس سے گذرتی تھی، اس کی سیاحت کے زمانہ میں قابل کشتی رانی باقی نہ رہی تھی۔ لیکن جیسا کہ اس نے لکھا ہے وہ میسوپوتامیا کے آخر تک پہنچتی تھی۔ فرانسیسی سیاح نے سفر کے لئے مشرقی رَو کو اختیار کیا تھا، جو قُوطُ العَمَارَہ سے آگے بڑھ کے قدیم کالدیا میں سے گذرتی تھی۔ بَصْرَہ پہنچنے سے پہلے وہ قُرْنَہ سے گذرا تھا، جہاں، اس کا بیان ہے کہ دِجْلَہ اور فُرات دونوں مل جاتے ہیں[1]۔

---

[1] امام بلاذری کی فتوح البلدان ص ۲۹۲ + ابن رستہ ص ۹۴ + یاقوت ج ۱ ص ۶۷۹ + ۱۵۸۳ء میں جان ایلڈرڈ بغداد سے بصرہ گیا۔ اس نے بیان کیا ہے کہ بصرہ سے آگے ایک دن کی مسافت پر کس طرح دجلہ اور فرات کا اتصال ہوتا ہے، اور اس مقام پر قرنہ نام ایک قلعہ ہے۔ دیکھو اس کا سیاحت نامہ۔ ہکلیوٹ Hekluyt میں پرنسپل نیوی گیشنز ج ۶۔ ص ۶ + اور ج ۵ ص ۳۷۱ + کیونکہ ۱۵۶۲ء میں سیزر فریڈرک نے بھی یہی سفر کیا تھا اس نے بھی قرنہ کے قلعہ کا ان ہی الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ نیوبری کی سیاحت کے لئے دیکھو: Purchas : His Pilgrimes (باقی آیندہ صفحہ پر دیکھو)

مساوی فاصلے پر تھے۔ اور ہر ایک دروازے سے ایک ایک شاہ راہ نکلتی تھی۔ آیندہ زمانے میں انہیں چاروں سڑکوں پر شہر کی بیرونی آبادی قائم ہوتی چلی گئی۔ اور یہ تمام آبادی بھی اس عظیم الشان دارالخلافہ کے وسیع حلقہ میں آگئی۔ ان چاروں دروازوں کے نام حسب ذیل تھے :۔ (۱) جنوب مشرق میں بَابِ بَصْرَہ کہ یہ اس آبادی میں واقع تھا جو دریائے دِجْلَہ کے کنارے اس جگہ پر تھی جہاں سے نَہرِ عِیْسیٰ نکلتی تھی؛ (۲) جنوب مغرب میں بَابِ کُوْفَہ یہاں سے جنوب کی سمت ایک سڑک نکلتی تھی، اور یہی سڑک مَکَّۂ مُعَظَّمَہ کو جاتی تھی؛ (۳) شمال مغرب میں بَابُ الشَّام جہاں سے ایک شاہ راہ بائیں طرف فُرات کے کنارے شہر اَنبار کو اور دائیں طرف دِجلہ کے مغربی کنارے کے شہروں کو جاتی تھی، جو بَغْدَاد سے شمال میں واقع تھے؛ (۴) بابِ خُراسانؔ یہاں سے ہوکر کشتیوں کے بڑے پل کو ایک راستہ دریا اترنے کے لئے جاتا تھا۔ اس پل سے مسافر مشرقی بَغْدَاد میں آتا تھا؛ جو پہلے منصور عباس کے بیٹے اور جانشین مہدی کے نام پر مَدِیْنَۃُ الْمَھْدِی مشہور تھا، مہدی نے اپنا محل یہیں بنوایا تھا، اور مشرقی بَغْدَاد کی عالیشان جامع مسجد تعمیر کرائی تھی۔ یہ مشرقی شہر تین حصوں میں منقسم تھا:۔ پل کے سرے کے قریب کا حصہ رُصَافَہ کہلاتا تھا؛ دوسرا حصہ شَمَّاسِیَہ تھا، جو رُصَافَہ سے شمال میں دریا کے کنارے تھا؛ تیسرا حصہ مُخَرِّم رُصَافَہ کی جنوب کی طرف تھا۔ مشرقی بَغْدَاد کے ان تینوں محلوں کے گرد نصف دائرے کی شکل کی ایک فصیل تھی، جو دریا کے کنارے شَمَّاسِیَہ کے شمال سے شروع ہوکر مُخَرِّم کے جنوب میں دریا کے کنارے ختم ہوجاتی تھی۔ اسی مشرقی بَغْدَاد کے وسطی اور تنگ حصہ سے خُراسان والی بڑی سڑک کا ابتدائی حصہ گذرتا تھا۔ یہ سڑک شہر مُدَوَّرَہ کے باب خراسان سے شروع ہوکر دریا اترتی ہوئی مشرقی بَغْدَاد کے باب خراسان سے (جو اس نام کا دوسرا دروازہ تھا) گذرتی تھی؛ اور یہاں سے جیسا کہ اس کتاب کے پہلے باب میں بیان ہوا ہے یہ بڑی سڑک مشرق میں اسلامی سلطنت کے انتہائی حدود تک پہنچتی تھی۔

شہر مُدَوَّر کے باب کوفہ سے جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کُوْفَہ یا حاجیوں کی سڑک نکلتی تھی جس کا رُخ جنوب کی سمت تھا۔ اس دروازے کے باہر کی آبادی جس کا پھیلاؤ کم وبیش ایک فرسخ تھا کَرخ کہلاتی تھی۔ بَابِ مُحَوَّل کے باہر کی آبادی دارالخلافہ کے مغرب کی طرف واقع تھی؛ اور بَابِ کُوْفَہ اور بَابُ الشَّام دونوں سے ہوکر اس کو راستہ جاتا تھا

(۳۱)

کفایت شعاری سے برتنے پر مبنی تھی، اور کس طرح دریائے دِجْلَہ وفُرات کا درمیانی علاقہ اس پانی سے سیراب ہوتا تھا جو دریائے فُرات سے مشرق کی طرف نہریں نکال کر پہنچایا گیا تھا، اور ان زمینوں کو جو دِجْلَہ کے بائیں کنارے[ع] واقع تھیں، اور کوہستان ایران کی نیچی پہاڑیوں تک چلی گئی تھیں، نھروان سے نکالی ہوئی نہریں سیراب کرتی تھیں ان نہروں کے ذریعہ سے دِجْلَہ کا زائد پانی مشرق کی سمت میں باحتیاط تقسیم ہوجاتا تھا؛ اور ان ہی میں ان متعدد ندی نالوں کا پانی شامل ہوجاتا تھا جو کُردستان کی پہاڑیوں سے اترتے تھے۔

بَغْدَاد کے بلدی حالات پر ایک مستقل کتاب لکھی جاچکی ہے[۱]۔ یہاں صرف یہ مناسب ہوگا کہ اس کی مخصوص کیفیتیں مختصر طور سے بیان کردی جائیں، تاکہ عباسیوں کے دارالخلافہ کی بزرگی عِرَاق کے دوسرے شہروں پر ظاہر ہوسکے، اور ان تمام سڑکوں کا سلسلہ بھی سمجھ میں آسکے جن کا مرکز بَغْدَاد تھا۔ سب سے پہلی بڑی نہر جو فُرات سے نکل کر دِجْلَہ میں ملتی تھی، نہر عیسیٰ[۲] تھی، اور عین اس مقام سے ذرا اوپر جہاں یہ نہر دِجْلَہ میں گرتی تھی خلیفہ منصور عباسی نے ۱۴۵ھ (۷۶۲ء) میں اپنے شہر مُدَوَّر کی بنیاد ڈالی جو آخر میں بَغْدَاد بن گیا۔ اس ابتدائی شہر کے چار دروازے ایک ایک عربی میل کے

ع جب کسی دریا کے منبع سے اس کے دہانے کی طرف چلیں تو جو کنارہ بائیں ہاتھ کو پڑتا ہے اُسے دریا کا بایاں کنارہ کہتے ہیں۔ (مترجم)

۱ بَغْدَاد ڈیورنگ دی عباسڈ کیلیفیٹ ' (آکسفورڈ ۱۹۰۰ء)۔ واضح ہو کہ عراق کے ان تمام ضلعوں شہروں، اور قریوں کا ذکر کرنے کے لئے جن کے نام جغرافیہ والوں نے گنوائے ہیں ایک دفتر کی ضرورت ہے، تب کہیں جاکر عباسیوں کے اس مرکزی صوبے کے حالات مکمل ہونگے۔ ابن سراپیون پر مضمون لکھتے وقت جو نقشہ تیار کیا گیا تھا اس میں ان تمام شہروں کا نشان ہے جو دریاؤں یا نہروں پر واقع تھے (جے۔آر۔اے۔ایس ۱۸۹۵ء ص ۳۲) لیکن یہ فہرست مکمل نہیں۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو پروفیسر سٹرک کی کتاب Die alte Landeschaft Babylonien.

۲ عربی میں لفظ "نَهْر" کا اطلاق اردو الفاظ "نہر" اور "دریا" دونوں پر ہوتا ہے۔ "عیسیٰ" وہ عباسی شہزادہ تھا جس نے یہ نہر کھدوائی تھی۔

کے شہر کو پہنچتی تھی، جو دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے پر واقع تھا۔ یہاں سے آگے بڑھ کر دریا کے بائیں کنارے سے یہ شاہراہ سامرا اور شمالی میسوپوٹیمیا کے دوسرے شہروں کو جاتی تھی۔

عباسی خلافت کے پنج صد سالہ دور میں بغداد کا شہر بڑھتا بھی گیا اور اس کے بعض حصے غیر آباد ہو کر ویران بھی ہوتے گئے؛ اس لئے شہر اور اس کی بیرونی آبادیوں کا نقشہ اس زمانے میں بہت کچھ بدلتا رہا۔ اوپر جس بغداد کا ذکر ہوا ہے وہ ہارون الرشید کے عہد کا بغداد ہے۔ اس خلیفہ کی وفات کے بعد جو خانہ جنگی ہوئی، وہ شہر مدور کی بربادی کا باعث بنی۔ ۲۲۱ھ (۸۳۶ء) میں مستقر خلافت سامرا کو منتقل ہوا اور اس کے بعد سات خلفاء کے عہد میں بغداد کی حیثیت ایک معمولی سے شہر کی رہ گئی۔ آخر کار جب ۲۷۹ھ (۸۹۲ء) میں سامرا کو ترک کر کے خلیفہ نے پھر پرانے دار الخلافہ میں سکونت اختیار کی، تو اس مرتبہ مشرقی بغداد کو دار الخلافہ بننے کا فخر حاصل ہوا۔ اب یہاں بہت سے نئے نئے محلات تیار ہو گئے؛ شہر مدور رفتہ رفتہ ویران ہوتا گیا اور اس کی گزشتہ شان و شوکت کا وارث مشرقی بغداد بنا۔ اس کے بعد پورے چار سو برس، یعنی تاتاریوں کی یورش تک، خلفائے آب دجلہ کے مشرقی کنارے پر مستقل سکونت رکھی۔

ان بعد کے خلفاء کے محلات مخرم کی جنوبی زمینوں پر تعمیر ہوئی تھی۔ اور مخرم ان تینوں بستیوں میں سے جو ہارون الرشید کے عہد میں مشرقی بغداد کی فصیل کے اندر واقع تھیں، سب سے زیادہ نشیب میں تھا۔ جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں یہ تینوں بستیاں اجڑ چکی تھیں، لیکن اب نئے محلات کے گرد نئے آبادیاں قائم ہوئیں اور پھر ان سب بستیوں کے گرد بہت جلد نصف دائرہ کی شکل کی ایک فصیل کھینچ دی گئی تھی۔ مشرقی بغداد کی یہ نئی فصیل جس کے اندر پرانے مخرم کا ایک حصہ آگیا تھا، محلوں کے شمال میں دریا کے کنارے سے شروع ہو کر جنوب میں دریا کے کنارے پر (کلواذا کے قریب) ختم ہوئی تھی، اور خلیفہ مستظہر کے حکم سے ۴۸۸ھ (۱۰۹۵ء) میں تعمیر ہوئی تھی۔ اگرچہ اس فصیل کی متعدد مرتبہ مرمت بھی ہو چکی تھی، لیکن ۶۵۶ھ (۱۲۵۸ء) کے تاتاری طوفان کو نہ روک سکی، اور عباسی خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔ اس وقت بھی

(۴۳)

ان دروازوں کی دونوں سڑکیں مل کر وہ بڑی مغربی شاہ راہ پیدا ہو جاتی تھی جو مُحَوَّل کی بستی سے گذرتی ہوئی اَنبار کو جاتی تھی۔ بابُ الشّام کے شمال میں حَربِیّہ کی آبادی تھی جو جنوب میں کَرخ کی آبادی سے ہم پلہ تھی۔ حَربِیّہ کے پار مغربی بَغدَاد کے شمالی قبرستان تھے؛ جو دریا کے ایک خم کی وجہ سے دو طرف پانی سے گھرے ہوئے تھے یہی قبرستان بعد میں کاظمین کے نام سے مشہور ہوئے، کیونکہ یہاں شیعوں کے دو اماموں کے مزار ہیں۔

بَغدَاد کا شہر چار بستیوں کے مرکز میں واقع تھا؛ ان چار بستیوں میں سے دو بستیاں دِجلَہ کے ایک کنارے پر اور دو دوسرے کنارے پر تھیں۔ مغربی کنارے قَطرَبُّل کی بستی نہرِ عیسیٰ کے شمال میں اور بادُورَیا اسی نہر کے جنوب میں واقع تھی، مشرقی کنارے پر نہر بُوق کی آبادی خُراسان کی شاہ راہ کے شمالی جانب واقع تھی اور کَلوَاذَا کی بستی جنوب میں تھی۔ کَلوَاذَا کی بڑی بستی دریا کے کنارے پر مشرقی بَغدَاد کے انتہائی جنوبی دروازے سے ذرا فاصلے پر تھی۔ بَغدَاد ہی اسلامی سلطنت کی سڑکوں کا مرکز تھا، دو سڑکیں نکلتی تھیں ایک جنوب میں اور دوسری مغرب کی سمت جاتی تھی، اور انھوں نے یہ مختلف رُخ شہرِ مُدَوَّر کے بابِ کُوفَہ کے سامنے اختیار کیے تھے؛ اور دونوں سڑکیں شمال اور مشرق کو جاتے ہوئے مشرقی بَغدَاد سے گذرتی تھیں اور یہ کشتیوں کے پل کے آخری حصے سے شروع ہوتی تھیں۔ جنوبی سڑک جو کوفہ اور (مَکّۂ مُعَظَّمَہ) کو جاتی تھی کَرخ سے تھوڑی دور آگے بڑھ کر نہرِ صَرصَر کے کنارے کے شہرِ صَرصَر پہنچتی تھی؛ نہرِ صَرصَر دوسری بڑی نہر تھی جو فُرات کو دِجلَہ سے ملاتی تھی؛ اور جنوب میں نہرِ عیسیٰ کے بالکل متوازی بہتی تھی۔ مغرب یا اَنبار کی سڑک بابِ کُوفَہ سے رُخ بدلتے اور بَرَاثَا کی آبادی میں سے گذرنے کے بعد کم و بیش ایک فرسخ (تین میل) آگے بڑھ کر مُحَوَّل کے شہر تک پہنچتی تھی، جو نہرِ عیسیٰ پر واقع تھا، جیسا کہ ذکر ہوا مشرقی یعنی خراسانی سڑک مشرقی بَغدَاد کے بابِ خُراسان یعنی مُخَرِّم کے شمال سے شروع ہوتی تھی۔ اس سڑک پر سب سے پہلا شہر نَہرَوان کا پل تھا، جو اسی نام کی نہر کے سِرے پر آباد تھا، باقی رہی شمالی شاہ راہ یہ شَمّاسِیّہ کی آبادی میں سے ہو کر مشرقی بَغدَاد کے بابِ بَرَدَان سے گذرتی ہوئی تھوڑی ہی سی مسافت کے بعد بَرَدَان

تو یہ بستی موجود تھی، اور اس وقت بھی رُومیہ (یعنی اہل روما و یونان کی بستی) کہلاتی تھی۔ بعض مصنفوں نے لکھا ہے کہ یہ بستی شہر انطاکیہ کے نقشے پر آباد کی گئی تھی۔

مسلمان مصنف لکھتے ہیں کہ مدائن سات شہروں کا مجموعہ تھا، ان ساتوں شہروں کے نام بھی، باختلاف املا نقل کیے گئے ہیں؛ لیکن جب یعقوبی نے تیسری (نویں) صدی میں اپنی کتاب لکھی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت صرف پانچ شہر موجود اور آباد تھے۔ یہ شہر حسب ذیل تھے:- (۱) مشرقی کنارے پر "المدینۃ العتیقۃ" (پرانا شہر) جو طیسفون سے مطابق ہوتا تھا؛ (۲) اور اس سے ایک میل جنوب میں اسبانبر، جس کے پاس ہی (۳) رومیہ واقع تھا؛ (۴) دجلہ کے دوسرے کنارے پر بہرسیر تھا، جو بہ اردشیر کی بگڑی ہوئی شکل تھی، جس سے مراد تھی "اردشیر کا اچھا شہر"؛ (۵) اس سے ایک فرسخ جنوب میں ساباط تھا جس کو یاقوت کے قول کے مطابق ایرانی بلاساباد کہتے تھے۔

ساسانیوں کا عالیشان محل، جس کے کھنڈر اب تک باقی ہیں، دجلہ کے مشرقی کنارے پر واقع تھا۔ اس کو عرب ایوان کسریٰ کہتے تھے۔ یہ ایوان، بقول یعقوبی، اسبانبر میں واقع تھا۔ ایک اور بڑی عمارت، قصر الابیض، شمال کی طرف ایک میل کے فاصلے پر قدیم شہر (مدینۃ العتیقہ) میں تھی لیکن یہ قصر الابیض بہرکیف چوتھی (دسویں) صدی میں ضرور مٹ چکا تھا، کیونکہ اس زمانہ کے بعد کے مصنف قصر الابیض اور ایوان کسریٰ ان دونوں میں سے جس نام کو چاہتے ہیں اس بڑی محراب والی عمارت سے منسوب کر دیتے ہیں، جو واقعی شاہان ساسانیہ کے آثار میں سے ایک واحد نشانی آج تک موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر قصر الابیض ان متاخرین کے زمانہ میں موجود ہوتا تو اس قسم کی غلطی نہ کرتے۔ یہ ساسانی قصر دوسری (آٹھویں) صدی کے وسط میں، جس وقت کہ منصور عباسی بغداد تعمیر کرا رہا تھا مسمار ہونے سے بال بال بچ گیا۔ صورت واقعہ یہ تھی کہ خلیفہ نے اس قصر کو مسمار کر کے اپنے نئے شہر میں اس کا مال مصالح لگانے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ ایرانی وزیر خالد بن برمک نے خلیفہ کو اس ارادہ سے باز رکھنے کی عبث کوشش کی۔ لیکن آخرالامر خالد جو چاہتا تھا وہی ہوا، کیوں کہ جس وقت خلیفہ کے حکم کی تعمیل شروع ہوئی تو معلوم ہوا کہ قصر کو

یہ فصیل شکستہ صورت میں موجود ہے اور اس کے وسیع حلقے میں دار الخلفاء کے چند آثار جو زمانہ کی دست برد سے بچ گئے ہیں، اب تک باقی ہیں۔ اب بھی یہ شہر پناہ موجودہ بَغْدَاد کی، جو عراق کا صدر مقام ہے، حفاظت کر رہی ہے۔

بَغْدَاد سے سات فرسخ جنوب میں دِجْلَہ کے دونوں کناروں پر اَلْمَدَائِن آباد تھا؛ اس لفظ کے لغوی معنی "شہروں" کے ہیں؛ اور عربوں نے یہ نام طَیْسَفُون (Ctesiphon) اور سَلُوقِیَا (Seleucia) کے دو پرانے دار السلطنتوں کے ویرانوں کو دیا تھا، جو ولادت مسیح سے تین سو برس قبل آباد ہوئے تھے۔ دِجْلَہ کے مغربی کنارے پر سَلُوقِیَا تھا۔ اس شہر کا نام سلوقس یونانی بادشاہ کے نام پر رکھا گیا تھا۔ دوسرے شہر کے نام کی اصلیت، جسے عرب مختصر کر کے طَیْسَفُون کہتے ہیں، یقین کے ساتھ دریافت نہیں ہو سکی۔ ظاہری صورت میں یہ لفظ یونانی معلوم ہوتا ہے، لیکن قیاس غالب یہ ہے کہ وہ کسی قدیم پارسی نام کی ایک بگڑی ہوئی شکل ہے۔ یہ امر تحقیق نہیں ہو سکا کہ ساسانی اپنے اس پایۂ تخت کو کیا کہا کرتے تھے۔[۱]

سنہ ۵۴۰ء میں انوشیروان عادل نے ملک شام کے شہر انطاکیہ اور نہر العاصی (The Orontes) کے کنارے کے شہر سَلُوقِیَا کو فتح کیا اور ایرانی بادشاہوں کے دستور کے مطابق سلوقیا کے باشندوں کو اپنے پایۂ تخت طَیْسَفُون کو منتقل کر دیا؛ یہاں اس نے [illegible] ان لوگوں کو اپنے دار السلطنت سے باہر ایک نئی آبادی میں جو دجلہ کے مشرقی کنارے اور میسوپوٹامیا والے سَلُوقِیَا کے بالکل مقابل میں تھی بسا دیا۔ جب مسلمانوں نے ساتویں صدی عیسوی میں یہ ملک فتح کیا

---

[۱] بعض مصنفوں کی یہ رائے ہے کہ کْتیسِیفُون (Ctesiphon) وہی شہر ہے جس کا نام کتاب عذرا (باب ۸ ورس ۱۷) میں کَسِیفِیَا (Casiphia) بیان ہوا ہے۔ یہ شہر بابل اور یروشلم کے درمیان واقع تھا۔ عہد نامۂ عتیق کے یونانی نسخہ میں اس شہر کو "چاندی کا شہر" لکھا ہے [illegible] عربی میں [illegible] ہے اور کَسِیفِیَا غالباً خسروانِ ایران کے پایۂ تخت کی کلدانی شکل ہے۔

الوُمقان لکھا ہے اس کے جنوب میں ذیر تیران تھا جو حاجیوں کی سڑک پر مسافروں کے ٹھیرنے کی منزل تھا۔ اور مغرب میں نہر صرصر کے کنارے شہر صرصر آباد تھا، جس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے۔ یہ نہر صرصر مدائن سے کسی قدر شمال میں دریائے دجلہ میں گرتی تھی۔ مدائن کے گرد و نواح کا علاقہ، جو دریائے دجلہ سے شروع ہو کر مشرق میں نہروان کی نہر تک پہنچتا تھا سا اذان کہلاتا تھا۔ یاقوت[1] نے اس کے بہت سے قریوں کا ذکر کیا ہے، اور مستوفی نے یہاں کی فصلوں کی تعریف کی ہے۔

دیر العاقول[2] (یعنی دریا کے گھاؤ والا دیر) اب بھی نقشے پر ظاہر کیا جاتا ہے۔ وہ دریا کے مشرقی کنارے پر مدائن سے دس فرسخ جنوب میں واقع ہے۔ اور اسی لفظ ہی سے اس مقام پر دجلہ کے راستہ کا پورا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ یہ کسی زمانے میں عیسائیوں کی خانقاہ تھی، اس کے گرد ایک بڑا شہر آباد تھا، اور یہی شہر وسطی علاقہ نہروان کا سب سے بڑا شہر شمار ہوتا تھا۔ اس میں ایک جامع مسجد[3] بازار سے کچھ فاصلے پر واقع تھی۔ تیسری (چوتھی) صدی کے ختم کے قریب ابن رستہ نے الماصرا کا ذکر کیا ہے (۳۲)

---

[1] یعقوبی ص ۳۲۰، ۳۲۱ + ابن سرابیون ص ۹ + ابن حوقل ص ۱۶۰۔ مقدسی ص ۱۲۲ + یاقوت ج ۱- ص ۳۲۵، ۳۲۶، ۶۹۸، ۸۰۹، ج ۲- ص ۶۲۹، ۹۲۹؛ ج ۳، ص ۳۔ مستوفی ص ۱۴۰

[2] العاقول۔ مُعطف الوادی والنھر (اقرب) مترجم

[3] ہم نے جن الفاظ کا ترجمہ یہاں جامع مسجد کیا ہے ان کو مصنف نے انگریزی میں "فرائڈے ماسک" لکھا ہے، اور حسب ذیل حاشیہ کا اضافہ کیا ہے (مترجم)

عربی الفاظ "مسجد جامع" کا ترجمہ انگریزی میں " فرائڈے ماسک" کر دینا آسان ضرور ہے لیکن صحیح نہیں۔ ان الفاظ کا ایک اور انگریزی ترجمہ گریٹ ماسک، بھی کیا جاتا ہے لیکن یہ بھی درست نہیں۔ مسلمانوں کے ہاں دو قسم کے مساجد ہوتی ہیں۔ ایک قسم چھوٹی مساجد کی ہے جن میں ہر ایک آدمی جب چاہے جا کر نماز ادا کر سکتا ہے۔ وسعت کے اعتبار سے یہ اکثر "مقام" یا "مشہد" کے برابر ہوتے ہیں۔ اور مقام یا مشہد سے ایسی جگہ یا مکان مراد ہوتی ہے جو کسی بزرگ کی شہادت کی یادگار میں متبرک سمجھا جاتا ہو۔ مصلے (یعنی نماز کی جگہ) وہ مقام ہوتا ہے جہاں بڑے بڑے

مسمار کرانے کا صرف اس مال مصالح کی لاگت سے کہیں زائد ہے جو نئے شہروں کی عمارتوں کے لئے درکار ہے اس طرح یہ عمارت جسے یعقوبی نے "طاق کسریٰ" لکھا ہے، بدستور قائم رہ گئی۔ اس زمانہ کے بعد اس کا بہت سا سنگین کام اکھاڑ کر مشرقی بغداد میں قصر التاج کے کنگروں کی تعمیر میں لگایا گیا اس قصر کی تعمیر خلیفہ مستکفی نے ۲۹۰ھ (۹۰۳ء) میں ختم کی تھی۔

چوتھی (دسویں) صدی میں مدائن، جو آج کل بالکل برباد ہو چکا ہے، ایک چھوٹا سا بارونق شہر تھا اور اس میں اسلامی فتح کے وقت کی ایک خوبصورت جامع (جمعہ) مسجد بھی تھی جس کے قریب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت سلمان فارسیؓ کی قبر تھی۔ مدائن کے بازار پختہ اینٹ کے بنے ہوئے تھے اور ان میں سامان تجارت کی بہتات تھی۔ اس کے قریب رومیّہ میں خلیفہ منصور عباسی نے چند روز قیام کیا تھا، اور دریا کے دوسرے کنارے پر ساباط میں خلیفہ مامون کا قیام رہا تھا۔ ساسانیوں کے قدیم محل کی شان و شوکت کا ذکر عربی جغرافیہ دانوں نے بہت تفصیل سے کیا ہے۔ یعقوبی کا بیان ہے کہ بڑی محراب اسّی ذرع[1] بلند ہے یاقوت حموی نے اس محل کی بڑی بڑی پکی ہوئی اینٹوں کی تعریف کی ہے۔ ہر ایک اینٹ لمبان میں تقریباً ایک ذرع اور چوڑان میں ایک بالشت سے کچھ کم تھی۔ مستوفی جس نے مدائن اور اس کے قصر کی حکایات ماضیہ کا ذکر کیا ہے کہتا ہے کہ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مدائن اور رومیہ بالکل غیر آباد اور شکستہ ہو چکے تھے، اگو ان کے بالمقابل دریا کے مغربی کنارے پر بہت سے گاؤں اس وقت تک آباد تھے۔ وہ لکھتا ہے کہ ان میں سب سے بڑا قصبہ بہرسیر تھا جس کا ذکر اوپر بھی آچکا ہے۔ اسی کا نام یاقوت نے، جو وہاں جا چکا تھا،

---

[1] عربی پیمانوں کے فاصلے حسب ذیل ہیں۔ ا برید = ۴ فرسخ + ا فرسخ = ۳ میل + ا میل = ۱۰۰۰ باع + ا باع = ۴ ذرع + ا ذرع = ۲۴ انگشت + ا انگشت = ۶ دانۂ جو + اس لحاظ سے ایک ذرع آدھ گز انگریزی کے برابر ہوا + مصنف نے ہر جگہ ذرع کا ترجمہ ایل (Ell) کیا ہے۔ یہ ایک غیر متعین پیمانہ ہے۔ انگریزی ایل (۴۵) انچ کا فلیمش ایل (۲۷) انچ کا اور اسکاٹ لینڈ کا ایل (۳۷-۲/۱) انچ کا ہوتا ہے۔ مترجم)

الرُّوْمَقَان لکھا ہے اس کے جنوب میں زُدِیْرَان تھا، جو حاجیوں کی سڑک پر مسافروں
کے ٹھیرنے کی منزل تھا۔ اور مغرب میں نہر صَرْصَرْ کے کنارے شہر صَرْصَرْ آباد
تھا، جس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے۔ یہ نہر صَرْصَرْ مدائن سے کسی قدر شمال
میں دریائے دجلہ میں گرتی تھی۔ مدائن کے گرد و نواح کا علاقہ، جو دریائے
دجلہ سے شروع ہو کر مشرق میں نَہرُوان کی نہر تک پہنچتا تھا، راذان کہلاتا
تھا۔ یاقوت نے اس کے بہت سے قریوں کا ذکر کیا ہے، اور مستوفی نے یہاں کی فصلوں
کی تعریف کی ہے[1]۔

دَیْرُالعاقُول[2] (یعنی دریا کے گھاؤ والا دیر) اب بھی نقشے پر ظاہر کیا جاتا ہے
وہ دریا کے مشرقی کنارے پر مدائن سے دس فرسخ جنوب میں واقع ہے۔ اور اس
لفظ ہی سے اس مقام پر دجلہ کے راستہ کا پورا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ یہ کسی زمانے
میں عیسائیوں کی خانقاہ تھی، اس کے گرد ایک بڑا شہر آباد تھا؛ اور یہی شہر وسطی
علاقہ نہروان کا سب سے بڑا شہر شمار ہوتا تھا۔ اس میں ایک جامع مسجد[3] بازار سے کچھ فاصلے پر واقع
تھی۔ تیسری (دسویں) صدی کے ختم کے قریب ابن رستہ نے السَّامَصا کا ذکر کیا ہے (۳۲)

[1] یعقوبی ص ۳۲۰، ۳۲۱ + ابن سرابیون ص ۹ + ابن حوقل ص ۱۶۷ + مقدسی ص ۱۲۲ +
یاقوت ج ۱ ص ۴۲۵، ۴۲۴، ۶۹۸، ۸۰۹؛ ج ۲ ص ۷۲۹، ۹۲۹؛ ج ۳ ص ۳ + مستوفی ص ۱۴۰
[2] العاقول۔ مُنعطف الوادی والنہر (اقرب) مترجم
[3] ہم نے جن الفاظ کا ترجمہ یہاں جامع مسجد کیا ہے ان کو مصنف نے انگریزی میں "فرائڈے ماسک" لکھا ہے، اور ذیل حاشیہ کا اضافہ کیا ہے (مترجم)
عربی الفاظ "مسجد جامع" کا ترجمہ انگریزی میں "فرائڈے ماسک" کر دینا آسان
ضرور ہے لیکن صحیح نہیں۔ ان الفاظ کا ایک اور انگریزی ترجمہ "گریٹ ماسک" بھی کیا جاتا ہے لیکن
یہ بھی درست نہیں۔ مسلمانوں کے ہاں دو قسم کے مساجد ہوتی ہیں۔ ایک قسم چھوٹی مساجد کی ہے جن
میں ہر ایک آدمی جب چاہے جا کر نماز ادا کر سکتا ہے۔ وسعت کے اعتبار سے یہ اکثر "مقام" یا "مشہد"
کے برابر ہوتے ہیں، اور مقام و مشہد سے ایسی جگہ یا مکان مراد ہوتی ہے جو کسی بزرگ کی شہادت
کی یادگار میں متبرک سمجھا جاتا ہو۔ مصلے (یعنی نماز کی جگہ) وہ مقام ہوتا ہے جہاں بڑے بڑے

مسمار کرانے کا صرف اُس مال مصالح کی لاگت سے کہیں زائد ہے جو نئے شہروں کی عمارتوں کے لئے درکار ہے اس طرح یہ عمارت جسے یعقوبی نے "طاق کسریٰ" لکھا ہے، بدستور قائم رہ گئی۔ اس زمانہ کے بعد اس کا بہت سا سنگین کام اکھاڑ کر شرقی بغداد میں قصر التاج کے کنگروں کی تعمیر میں لگایا گیا اس قصر کی تعمیر خلیفہ مستکفی نے ۲۹۰ھ (۹۰۳ء) میں ختم کی تھی۔

چوتھی (دسویں) صدی میں مدائن، جو آج کل بالکل برباد ہو چکا ہے، ایک چھوٹا سا بارونق شہر تھا اور اس میں اسلامی فتح کے وقت کی ایک خوبصورت جامع (جمعہ) مسجد بھی تھی جس کے قریب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت سلمان فارسیؓ کی قبر تھی۔ مدائن کے بازار پختہ اینٹ کے بنے ہوئے تھے اور ان میں سامان تجارت کی بہتات تھی۔ اس کے قریب رُومیہ میں خلیفہ منصور عباسی نے چند روز قیام کیا تھا اور دریا کے دوسرے کنارے پر ساباط میں خلیفہ مامون کا قیام رہا تھا۔ ساسانیوں کے قدیم محل کی شان و شوکت کا ذکر عربی جغرافیہ دانوں نے بہت تفصیل سے کیا ہے۔ یعقوبی کا بیان ہے کہ بڑی محراب اسّی ذرع[1] بلند ہے یاقوت حموی نے اس محل کی بڑی بڑی پکی ہوئی اینٹوں کی تعریف کی ہے۔ ہر ایک اینٹ لمبان میں تقریباً ایک ذرع اور چوڑان میں ایک بالشت سے کچھ کم تھی۔ مستوفی جس نے مدائن اور اس کے قصر کی حکایات ماضیہ کا ذکر کیا ہے کہتا ہے کہ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مدائن اور رُومیہ بالکل غیر آباد اور شکستہ ہو چکے تھے، گو ان کے بالمقابل دریا کے مغربی کنارے پر بہت سے گاؤں اس وقت تک آباد تھے۔ وہ لکھتا ہے کہ ان میں سب سے بڑا قصبہ بُھرسیر تھا جس کا ذکر اوپر بھی آچکا ہے۔ اسی کا نام یاقوت نے، جو وہاں جا چکا تھا

---

[1] عرب پیمائش کے فاصلے حسب ذیل ہیں۔ ا برید = ۴ فرسخ + ا فرسخ = ۳ میل + ا میل = ۴۰۰۰ باع + ا باع = ۴ ذرع + ا ذرع = ۲۴ انگشت + ا انگشت = ۶ دانۂ جو + اس لحاظ سے ایک ذرع آدھ گز انگریزی کے برابر ہوا + مصنف نے ہر جگہ ذرع کا ترجمہ ایل (Ell) کیا ہے۔ یہ ایک غیر متعین پیمانہ ہے۔ انگریزی ایل (۴۵) انچ کا فلیمش ایل (۲۷) انچ کا اور اسکاٹ لینڈ کا ایل (۲/۱-۳۷) انچ کا ہوتا ہے۔ مترجم

زیتون کے باغوں کے لئے مشہور تھا؛ اور یہیں وہ مشہور و معروف لڑائی ہوئی
تھی، جس میں ۲۶۲ھ (۸۷۶ء) میں خلیفہ معتمد کی فوجوں نے یعقوب بن
لیث الصفار کو شکست دی۔ دیر العاقول سے ذرا جنوب میں مرماری کی
خانقاہ تھی (مرماری کا لقب تلمیذ Disciple تھا) یہ خانقاہ دیر قنّا
(یا دیر قُنّی) کے نام سے مشہور تھی، اور دِجلہ سے مشرق میں ایک میل پر اور
بغداد سے (۱۶) فرسخ کے فاصلہ پر واقع تھی۔ مورخ شابُشتی نے چوتھی (دسویں)
صدی میں لکھا ہے (اور اس کی عبارت یاقوت نے نقل کی ہے) کہ؛ یہ خانقاہ بہت
بڑی تھی، اور اس کی چار دیواری اس قدر مضبوط تھی کہ اس پر ایک ناممکن التسخیر (۳۷
قلعہ کا گمان ہوتا تھا۔ خانقاہ کی چار دیواری کے اندر راہبوں کے رہنے کے لئے سو حجرے تھے
اور ہر ایک حجرے کا حق سکونت (۲۰۰) سے (۱۰۰۰) دینار (یعنی پندرہ سو سے ساڑھے
سات ہزار روپئے) تک خریدا جاتا تھا۔ ہر ایک حجرہ اپنے خانہ باغ کے بیچ میں واقع تھا
اور ہر ایک باغ میں پانی دینے کے لئے ایک نہر تھی اور متعدد میوہ دار درخت ہوتے تھے
جن کی فصل سے (۵۰) سے (۲۰۰) دینار (یعنی (۳۷۵) سے (۱۵۰۰) روپئے تک کی
سالانہ آمدنی ہوتی تھی۔

دیر قُنّہ کے سامنے جنوب میں لیکن دجلہ کے کنارے الصافیہ کا چھوٹا سا قصبہ
تھا، جس کی نسبت یاقوت لکھتا ہے کہ وہ اوس کے زمانے میں بالکل برباد ہو چکا تھا؛ اور
اوس کے مقابل دریا کے مغربی کنارے پر ہُمانیہ (یا ہُمَینیہ) کا شہر تھا، جو اب تک
دیر العاقول کے جنوب مشرق میں دو فرسخ کے فاصلے پر نقشے میں ملتا ہے۔ تیری (تیرھویں)
صدی کے شروع میں یاقوت نے ہُمانیہ کو ایک بڑا قصبہ لکھا ہے، جو کھیتوں اور مزروعہ قطعات سے
گھرا ہوا تھا۔[1]

جَرجَرایا یا جَرجَرائے، جو اب تک موجود ہے دیر العاقول سے جنوب شرق میں
چار فرسخ کے فاصلہ پر تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے بیان کیا ہے کہ یہ ایک

---

[1] ابن رستہ ص ۱۸۵، ۱۸۶ + قدامہ ص ۱۹۳ + یعقوبی ص ۳۲۱ + مقدسی ص ۱۲۲ + مسعودی (تنبیہ) ص ۱۴۹ + یاقوت ج ۲ ص ۶۷۹، ۶۸۷، ۶۸۰ - ج ۳ ص ۳۲۲ - ج ۴ ص ۹۹۰ + مستوفی ص ۱۳۹ + ابن اثیر (کامل) ج ۴ ص ۲۰۸۔

جو دریائے دِجلہ کے چنگی گھر تھے۔ ہر ماصر پر دریا کا راستہ بند رکھنے کے لئے ایک چنگی کا افسر مامور تھا۔ ابن رُستہ کا بیان ہے کہ الماصر دریائے دجلہ پر ان مقامات کا نام تھا جہاں دریا کے اس پار اور اس پار والے کنارے پر آمنے سامنے دو دو کشتیاں کنارے پر سے قائم کرکے ان میں رسوں کے سرے باندھ کر رسوں کو دریا کے عرض پر تان دیتے تھے اور اس طریقے سے رات کے وقت کشتیاں ان مقامات سے بغیر چنگی ادا کئے نہ گزر سکتی تھیں۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے دَیر العاقُول کی نسبت لکھا ہے کہ وہ دریا کے اس نواح کے بہترین شہروں میں سے ہے۔ لیکن اس زمانے کے بعد دریائے دِجلہ کا رُخ بدل گیا؛ اور ساتویں (تیرھویں) صدی میں یاقوت کا بیان ہے کہ عیسائیوں کی یہ بڑی خانقاہ اس وقت دِجلہ سے ایک میل کے فاصلہ پر تھی، اور سِوا ان میں اس کے سوا آبادی کا نام و نشان نہ تھا۔ لیکن اس کے بعد کی صدی میں مستوفی نے دیر العاقول کو پھر ایک بڑا شہر شمار کیا ہے؛ اور لکھا ہے کہ نخلستان کی کثرت کی وجہ سے یہاں کی آب وہوا مرطوب ہے۔

مشرقی کنارے پر ہی لیکن دَیر العاقول کے اوپر تین فرسخ کے فاصلہ پر السِّیب کا چھوٹا سا شہر تھا جس کو ممیز کرنے کے لئے سِیبِ بَنی کُوما کہتے تھے یہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۷ موقعوں پر نماز پڑھی جاتی ہے۔ دوسری قسم بڑی مسجدوں کی ہے، یہاں ہفتہ میں ہر جمعہ کو نماز جمعہ ہوتی ہے اور خطبہ پڑھا جاتا ہے؛ ایسی ہی مسجدوں کو مسجد الجامع کہتے ہیں جس کو انگریزی میں "کیتھیڈرل ماسک" یا "کون گرے گیشنل ماسک" کہہ دیا جاتا ہے۔ کسی شہر یا قصبہ میں جامع مسجد یا منبر کا موجود ہونا اس شہر یا قصبے کی بزرگی کا معیار ہے۔ شہروں اور قصبوں کے حالات لکھتے وقت عربی جغرافیہ دان اکثر لکھتے ہیں کہ اس میں جامع مسجد یا منبر تھا یا نہیں۔ مثلاً اصطخری نے ایک بڑی فہرست فارس کے ایسے مقامات کی دی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہاں منبر موجود تھا یا نہیں۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے کہ عیسائی مورخ عیسائی ممالک کے متعلق بیان کرے کہ فلاں گاؤں میں پیرش چرچ تھا یا نہیں آخری زمانہ میں مسجد الجامع بدل کر مسجد الجمعہ ہوگئی تھی۔ لیکن یہ الفاظ مستند نہیں سمجھے جا سکتے (مصنف)+

دِجلہ کے مغربی کنارے خوسابس کے مقابل واقع تھا۔ سابُس کی نہر کے دہانے پر خوسابُس کا شہر آباد تھا جس کا ذکر آئندہ کیا جائے گا۔ یہی شہر زاب کے جنوبی علاقہ کا صدر مقام تھا؛ اور اس کا فاصلہ جبَّل سے پانچ فرسخ سمجھا جاتا تھا۔ دریا کے دوسرے کنارے پر پانچ فرسخ جنوب میں صِلحؔ کی نہر تھی، اور اس کے مبدا، پر فمُ الصِّلح کا شہر تھا۔ یہ شہر دجلہ کے کنارے واسط سے شمال میں سات فرسخ کے فاصلے پر تھا۔ ابن رُستہ کا بیان ہے کہ اس کے بازار نہایت عمدہ تھے اور اس میں جامع مسجد بھی تھی؛ اسلامی تاریخ میں یہ شہر اس وجہ کر اور بھی مشہور رہے کہ یہاں مامون کے وزیر حسن بن سہل نے اپنا وہ عالیشان محل بنوایا تھا جس میں اوس نے اپنی بیٹی بُوران کی شادی خلیفہ مامون سے کی تھی اور اس موقع پر دعوتوں اور تحفوں میں بے شمار دولت خرچ کی تھی؛ اس واقعے کی مکمل تفصیل مسعودی (مروج الذہب) میں ملیگی۔ فمُ الصِّلح بعد میں بالکل تباہ ہوگیا اور ساتویں (تیرھویں) صدی میں جب یاقوت یہاں آیا ہے تو اس نے اس شہر کو اور نیز نہر کے کنارے گرد و نواح کے قریوں کو اکثر غیر آباد پایا[۱]۔ فمُ الصِّلح کے شہر سے جس وقت افق جنوب کی طرف نگاہ ڈالتے تھے تو واسط کی جامع مسجد کی عمارتیں نظر آتی تھیں۔

[۱] یعقوبی ص ۳۲۱ + قدامہ ص ۱۹۴ + ابن رُستہ ص ۱۸۷ + یاقوت ج ۲ ص ۹۰۳۔ ج ۳ ص ۹۱۷۔ ج ۴ ص ۳۸۱ + مسعودی (مروج) ج ۷ ص ۶۵ +

بڑا شہر ہے، اس کی جامع مسجد دریائے دجلہ کے بالکل قریب ہے، اور دریا شہر کو دو طرف سے گھیرے ہوئے ہے + اس سے ایک صدی قبل یعقوبی نے لکھا ہے کہ اس میں زیادہ تر ایرانی دہقان آباد تھے، اور وہ جنوبی علاقۂ نہروان کا صدر مقام تھا۔ ساتویں (تیرہویں) صدی میں یاقوت کا بیان ہے کہ یہ بھی، نہروان کے دوسرے شہروں کی طرح، بالکل تباہ ہو چکا تھا۔ دِجلہ کے مغربی کنارے پر جرجرایا سے چار فرسخ جنوب میں اُسی مقام پر جہاں آجکل تل نعمان کے کھنڈر ہیں اَلنعمانیہ کا شہر تھا، یہ مقام بقول یاقوت، بغداد سے واسط کی راہ میں بیچ کی منزل تھا۔ النعمانیہ علاقۂ زاب بالا کا صدر مقام تھا، اس کی جامع مسجد بازار میں تھی، اور یعقوبی لکھتا ہے کہ اس کے قریب ہی دیرِ ہزقیل نام ایک عیسائی خانقاہ تھی، جہاں راہب پاگلوں کی نگاہداشت کرتے تھے۔ ابن رُستہ کے بیان کے مطابق نعمانیہ پارچہ بافی کے کارخانوں کے لئے مشہور تھا، یہاں قالین حیرہ کے قالینوں کے مثل تیار ہوتے تھے۔ مستوفی نے آٹھویں (چودھویں) صدی میں نعمانیہ کا ذکر کرتے ہوئے اس وقت بھی اوسے ایک بارونق شہر اور نخلستانوں سے گھرا ہوا لکھا ہے۔ جَبُّل کا چھوٹا سا شہر دریا کے مشرقی کنارے پر جرجرایا سے نو فرسخ جنوب میں واقع تھا، اور ابن رُستہ نے تیسری (نویں) صدی میں لکھا ہے کہ وہاں سرکاری مخابزہ (روٹی پکانے کے تنور) بنے ہوئے تھے۔ اس وقت وہ ایک بڑا قصبہ تھا، اس کے بازار میں جامع مسجد تھی۔ مقدسی نے اسے دیر العاقول کے برابر بتایا ہے، لیکن جب یاقوت نے اپنی کتاب لکھی ہے تو اس وقت جبّل کی حیثیت محض ایک بڑے گاؤں کی سی رہ گئی تھی [1]۔

ماذرایا کا شہر وہیں واقع تھا جہاں آجکل قوط العمارہ ہے یعنی وہ مقام جہاں سے شط الحی دِجلہ کی شرقی، یعنے موجودہ گذرگاہ سے علیحدہ ہوتا ہے۔ دجلہ اس مقام سے آج کل جنوب میں مشرقی سمت میں قُرنہ تک بہتا ہوا چلا جاتا ہے + ماذرایا دریا کے مشرقی کنارے پر تھا، اور تیسری (نویں) صدی میں وہاں ایرانی دہقان آباد تھے۔ یہیں نہروان کی بڑی نہر دِجلہ سے آملتی تھی۔ ماذرایا کے بعد ہی جنوب میں المبارک کا شہر

---

[1] قدامہ ص ۱۹۳ + یعقوبی ص ۳۲۱ + ابن رُستہ ۱۸۶، ۱۸۷ + مقدسی ص ۱۲۲ + یاقوت ج ۱ ص ۲۳، ۵۴ - ج ۲ ص ۷۹۶ + ابو الفداء ص ۳۰۵ + مستوفی ص ۱۴۱۔

پل کے ہر دو جانب دو چھوٹے چھوٹے بندرگاہ قائم تھے، جہاں مال بھرنے اور اُتارنے کے لئے کشتیاں موجود رہتی تھیں +

خلافت کے تمام عہد میں واسط برابر عراق کا بہت بڑا شہر شمار ہوتا رہا۔ اور بظاہر واسط کا جو حصہ پہلے برباد ہوا وہ مشرقی تھا۔ کیونکہ قزوینی جو ساتویں (تیرہویں) صدی کے نصف آخر میں واسط کا قاضی تھا، لکھتا ہے کہ شہر دجلہ کے صرف مغربی کنارے پر واقع ہے۔ ابن بطوطہ نے جو آٹھویں (چودھویں) صدی کے ابتدائی حصے میں یہاں آیا تھا، یہاں کی خوبصورت عمارتوں کی بہت تعریف کی ہے، خصوصاً ایک بڑے مدرسہ کی جس میں طلبہ کے لئے تین سو حجرے تھے۔ ابن بطوطہ کے ہمعصر مستوفی نے ان گنجان نخلستانوں کا ذکر کیا ہے جو شہر کے گرد تھے، اور جن کی وجہ سے یہاں کی آب و ہوا مرطوب ہوگئی تھی۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے آخر میں تیمور کی فوجی مہموں کے دوران میں واسط کا ذکر آتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اُس عہد میں اُسے کافی شہرت حاصل تھی۔ چنانچہ تیمور نے اپنی فوج کا ایک حصہ یہاں ٹھیرایا تھا۔ لیکن اس واقعہ کے تقریباً ایک صدی بعد جیسا کہ گذشتہ باب کے ابتدائی حصے میں بیان ہوچکا ہے، دجلہ کا واسط کے قریب سے گذرنا موقوف ہوگیا، اور اب یہ دریا مشرقی راستے سے قرنہ کے پاس سے گذرنے لگا۔ چنانچہ اس کے بعد واسط بالکل برباد ہوگیا۔ حاجی خلیفہ گیارہویں (سترھویں) صدی کے اوائل میں لکھتا ہے کہ واسط بالکل ریگستان میں واقع تھا، لیکن اس وقت بھی وہاں کی نہر اُن نرسلوں کے لئے مشہور تھی جن سے (واسطی) قلم بنائے جاتے تھے۔[1]

---

[1] یعقوبی ص ۳۲۲ + ابن رستہ ص ۱۸۷ + اصطخری ص ۸۲ + ابن حوقل ص ۱۶۲ + مقدسی ص ۱۱۸ + قزوینی ج ۲۔ ص ۳۲۰ + ابن بطوطہ ج ۲۔ ص ۲ + مستوفی ص ۱۴۱ + علی یزدی ج ۱ ص ۶۴۰، ۶۵۷؛ ج ۲۔ ص ۵۱۷ + جہاں نما (مصنفہ حاجی خلیفہ) ص ۴۶۳ + بظاہر کسی موجودہ محقق نے واسط کے کھنڈروں کا معائنہ نہیں کیا۔ عربی جغرافیہ نویسوں کے بیانات کے اس شہر کے موقع کا تقریباً صحیح نشان شط الحی پر لگ سکتا ہے۔ جزنی (Report of the Exphrates and Tigres Expedition) ج ۱۔ ص ۷۰ + نے بیان کیا ہے کہ ۱۸۳۱-۳۲ء میں آمزبی اور الیٹ وہاں گئے تھے لیکن اس نے بھی موقع کا نشان نہیں بتایا۔

باب سوم

عراق (جاری)

واسط۔ مرواب۔ مَذار اور قُرنہ۔ دِجلۃ الاعور۔ بصرہ اور اوس کی نہریں۔ اُبُلّہ اور عبّادان۔ دجلہ بغداد کے شمال میں۔ بَرزان۔ دُجَیل کا علاقہ۔ عُکبرا حربا اور قادِسیہ۔

واسط کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ کوفہ، بصرہ اور اھواز سے بالکل مساوی فاصلے (تقریباً (۵۰) فرسخ) پر تھا۔ یہ کَسکَر کے علاقے کا صدر مقام تھا، اور جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے بغداد کی تعمیر سے پہلے وہ عراق کے تین بڑے شہروں میں شمار ہوتا تھا۔

واسط کی بنا ۸۴ھ (۷۰۳ء) میں خلیفہ عبدالملک بن مروان کے مشہور و معروف والیٔ عراق حجاج بن یوسف نے ڈالی تھی۔ شہر دریا کے دونوں کناروں پر آباد تھا اور اوس کے دونوں حصوں کو ملانے کے لئے کشتیوں کا ایک پل بنایا گیا تھا۔ شہر کے ہر حصے کے لئے ایک ایک جامع مسجد علیحدہ تھی۔ یعقوبی کا بیان ہے کہ حجاج کے زمانے سے قبل بھی شرقی واسط کا شہر موجود تھا، اور تیسری (نویں) صدی میں اس حصے کی آبادی زیادہ تر ایرانیوں پر مشتمل تھی۔ مغربی حصے میں حجاج کا تعمیر کردہ محل القبۃ الخضراء تھا؛ اس محل کا عالیشان گنبد جس پر کھڑے ہو کر سات فرسخ پرے شمال کی طرف فَمُ الصِّلح کا شہر دکھائی دیتا تھا، دُور دُور مشہور تھا۔ واسط کی گرد کی زمینیں نہایت زرخیز تھیں، اور قحط سالی کے موقعوں پر یہاں کی پیداوار سے بغداد کو مدد پہنچتی تھی۔ بقول ابن حوقل جو ۳۵۸ھ (۹۶۹ء) میں واسط آیا تھا، ان زمینوں سے خلافت کو دس لاکھ درہم (۶۰۰۰۰ روپیہ) بطور لگان وصول ہوتے تھے۔ مقدسی کا بیان ہے کہ واسط کے شرقی حصے کی مسجد بھی حجاج ہی کی بنائی ہوئی تھی۔ شہر کی بازار نہایت پرشکوہ تھے، سامان تجارت کی بہتات تھی اور کشتیوں کے

یہ مرداب جس کی تاریخ اوپر بیان ہو چکی ہے (دیکھو صفحہ حاشیہ ۲) البطائح (جمع البطیحہ بمعنے جھیل) کہلاتا تھا؛ بطائح کے تمام علاقے میں بہت سے شہر اور گاؤں ہر ایک اپنی اپنی نہر کے کنارے آباد تھے؛ کیونکہ اگرچہ یہاں کی آب وہوا انجار آور تھی، لیکن زمین جب پانی سے پاک کر لی جائے تو نہایت زرخیز تھی۔ تیسری (نویں) صدی کے آخر میں ابن رستہ نے لکھا ہے کہ ان بطائح میں نرسلوں کے جنگل کھڑے تھے، اور ان کے بیچ بیچ میں سے متعدد نہریں بہتی تھیں جن میں سے بے شمار مچھلیاں پکڑی جاتی تھیں اور نمک لگا کر خشک کرنے کے بعد پاس کے صوبوں میں بیچنے کے لئے دساور کے طور پر بھیجی جاتی تھیں۔ دجلہ کے متعلق یہ معلوم ہوتا ہے کہ القطر کے جانب مشرق اور غالباً قریب قریب اسی راستہ سے جو دریائے فرات آج کل اختیار رہے، دجلہ کا پانی متعدد کھلی ہوئی جھیلوں میں سے یکے بعد دیگرے گذرتا ہوا ابوالاسد کی نہر میں پہنچتا تھا، جہاں سے بطائح کا پانی بصرہ کی شاخ دجلہ میں چلا جاتا تھا۔ کھلے پانی کی ان جھیلوں کو جو نرسلوں سے بالکل پاک تھیں، عرب ھَور یا ھَول کہتے تھے، اور یہ جھیلیں ایسی ندیوں کے ذریعہ ایک دوسرے سے ملائی گئی تھیں جن میں چھوٹی چھوٹی کشتیاں چلائی جا سکتی تھیں، لیکن ابن رستہ کے بیان کے مطابق دریا کی بڑی کشتیاں القطر سے آگے نہ بڑھ سکتی تھیں بلکہ یہیں پر ان کے بار ہلکی پن سوی ڈونگیوں میں منتقل کر دئے جاتے تھے؛ اور ان ڈونگیوں (۴۲) کے پیندے پانی میں اسقدر کم ڈوبتے تھے کہ وہ بآسانی ان ندیوں میں سے گذر جاتی تھیں جو ایک جھیل کو دوسری جھیل سے ملاتی تھیں۔ ان ندیوں کے ساتھ ساتھ تمام راستے میں اونچے اونچے چبوتروں پر چھپّر اُڈ بنے ہوئے تھے، اور ان پر سے سرکنڈوں کی جھونپڑیوں میں، جو بلندی کی وجہ سے مچھروں سے بالکل محفوظ تھیں، محافظ رہا کرتے تھے کہ ندیوں کے راستے صاف رکھیں اور مسافروں کے جان و مال کی حفاظت کریں؛ کیونکہ ان بطائح کے دور افتادہ گوشوں میں ڈاکو اور چور بالکل عافیت سے اپنا مامن بنالئے تھے، اور آنے جانے والوں کے لئے وبال جان بن جاتے تھے۔

ابن سراپیون نے ان میں سے چار بڑی جھیلوں (ھَور یا ھَول) کے نام گنوائے ہیں، جن میں سے ہو کر دجلہ بصرہ پہنچتا تھا۔ ایک کا نام بَحَصَّا تھا، دوسری کا بَکمِصیٰ، تیسری کا بصَریاثا اور چوتھی کا ھَورُ المحمّدیہ تھا۔ یہی ان

یاقوت کے بیان کے مطابق واسط کے جنوب میں دریائے دجلہ پانچ نہروں کے ذریعہ سے جن میں کشتی چل سکتی تھی مرداب اعظم میں گرجاتا تھا۔ ان پانچوں نہروں کے نام بھی اُس نے گنوائے ہیں، اور اس کے قول کی تصدیق دوسرے پُرانے مصنفین کے بیانات سے بھی ہوتی ہے۔ ابن سراپیون نے ان متعدد شہروں کا ذکر کیا ہے جو واسط کے جنوب اور القطر کے شمال میں دریا کے بڑے دھارے کے کنارے آباد تھے۔ القطر وہ مقام تھا جہاں سے چوتھی (دسویں) صدی میں مرداب شروع ہو جاتا تھا۔ ابن سراپیون نے جو شہر یہاں بیان کئے ہیں ان میں سے پہلا شہر رصافہ دریائے دجلہ کے بائیں کنارے واسط سے دس فرسخ کے فاصلہ پر تھا، اور اسی کے قریب مشرقی جانب سے نھربان مرداب میں آکر ملتی تھی؛ یہاں نھربان ہی کے نام کا ایک شہر آباد تھا۔ اس کے جنوب میں الفاروث اور دیرالعمال (والیوں کی خانقاہ) تھا۔ یہ سب مشرقی کنارے پر تھے۔ ان کے بالکل مقابل میں تین نہریں مغرب سے مرداب میں آکر گرتی تھیں:۔ اول نھر قریش جس پر اسی نام کا ایک بڑا گاؤں تھا، دوسرے نھرالسیب جس پر الجوامد (خشک زمین) اور العقر کے شہر تھے؛ اور تیسری نہر بردودا جس پر الشیلیلیہ کا شہر آباد تھا۔ یہ سب مرداب کے بڑے شہر تھے، اور الجامد کے گرد، جو (بصیغہ جمع) الجوامد کے نام سے بھی مشہور تھا، واقع تھے۔ مقدسی نے اسی علاقے کے ایک اور بڑے شہر الصلیق کا ذکر کیا ہے؛ یہ ایک ایسی کھلی جھیل پر واقع تھا، جس کے گرد چھوٹی چھوٹی بستیاں اور مزروعہ قطعات تھے۔ ان مقامات کے بالکل مقابل میں دجلہ کے بڑے دھارے کے مشرقی کنارے پر الحوانیت (جمع حانوت بمعنی مےکدہ) تھا؛ یہاں بھی چنگی وصول کرنے کے لئے اُسی قسم کا ناامر تھا جیسا کہ پہلے دیرالعاقول کے مقام پر بیان کیا جا چکا ہے (دیکھو صفحہ حاشیہ ۳۶)۔ یہ القطر کے قریب اور رصافہ سے بارہ فرسخ جنوب میں تھا۔ جہاں ابن رستہ کے بیان کے مطابق تیسری (نویں) صدی میں دجلہ تین حصوں میں تقسیم ہو کر آخر مرداب میں گرجاتا تھا[۲]۔

---

[۱] یعنی ایسی سڑک جو دلدلی زمین پر گذرنے کیلئے زمین کی سطح سے ذرا اونچی بنائی گئی ہو۔ مترجم

[۲] ابن سراپیون ص ۹، ۲۰+ قدامہ ص ۱۹۴+ ابن رستہ ص ۹۴، ۱۸۵+ مقدسی ص ۱۱۹+ یاقوت ج ۲ ص ۱۰۱، ۵۵۳۔ ج ۳ ص ۲۰۹، ۱۵۴، ۸۴۰۔ ج ۴۔ ص ۱۰۷، ۲۱۰+۸۵۰

یاقوت کے مطابق اس کے قریب کا شہر عبدسی حقیقت میں ایرانیوں کا آباد کردہ تھا، اور اس کا ایرانی نام آفلِ اشہی تھا جسے بگاڑ کر عربوں نے عبدسی کرلیا تھا۔ اسلامی فتوحات سے پہلے یہ مقام کسکر کا ایک گاؤں تھا، اور کسکر اور میسان مرداب اعظم کے مشرقی حصے کے دو علاقے تھے۔ بقول قزوینی کسکر میں بہت اچھا چاول پیدا ہوتا تھا، اور وہاں سے برآمد کیا جاتا تھا۔ اس کی چراگاہوں میں بھینس، بیل اور بکریاں پلتی تھیں، اور اس کے نرسلوں کے جنگلوں میں بطیں اور مرغابیاں بکثرت پائی جاتی تھیں۔ چنانچہ ان کو پکڑ کر گرد و نواح کے شہروں کے بازاروں میں فروخت کے لئے بھیجا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ اس کی نہروں میں ایک قسم کی مچھلی جو شبوت کہلاتی تھی، بکثرت پکڑی جاتی تھی، اور اسے بھی نمک لگا کر سکھانے کے بعد دوسرے علاقوں میں بھیجا جاتا تھا۔ میسان میں حضرت عُزیرؑ نبی کی قبر بھی تھی۔ بقول قزوینی یہاں صرف یہودی آباد تھے اور اس مزار کی نگاہداشت کرتے تھے۔ اس مزار کے متعلق اس نواح کی تمام بستیوں میں مشہور تھا کہ یہاں جو مراد مانگی جائے، پوری ہوتی ہے، چنانچہ منتوں کے پورے ہونے سے یہ مزار خزینۂ دولت بن گیا تھا۔[1]

وہ وسیع و عریض کھاڑی، جو فرات و دجلہ دونوں کے مل جانے سے بنی تھی، تقریباً ایک سو میل لانبی تھی۔ اس کی ابتداء نہر ابوالاسد کے دہانے سے اور انجام عبادان پر ہوتا تھا، جہاں دجلہ اور فرات کی مشترکہ رَو خلیج فارس میں گر جاتی تھی۔ یہ کھاڑی دجلۃ العوراء یا فیض (کھاڑی) بصرہ کہلاتی تھی، مگر ایرانی اسے بھمن شیر کہتے تھے، اور آج کل یہ شط العرب (یعنے عربوں کا دریا) کہلاتی ہے۔ خلیج فارس کے جوار بھاٹے کا اثر کھاڑی تک اور شمال میں مذار اور عبدسی کی نہروں کے سروں تک پہنچتا تھا، اور بصرہ

---

[1] ابن رستہ ص ۹۴، ۱۸۵ + ابن سراپیون ص ۲۰ + قل اعماص ۔۲۴ + بلاذری ص ۲۹۳، ۲۹۴ + قزوینی ج ۲ ص ۲۹۷، ۳۱۰ + یاقوت ج ۱ ص ۶۶۹۔ ج ۳ ص ۶۰۳، ج ۴ ص ۲۶۸، ۷۰۴۔ ۸۴۳ + جہان نما ص ۴۵۵ +

چاروں میں سب سے بڑی تھی؛ اور اسی کے کنارے مشہور منارۂ حسّان تھا۔ اس کا نام حسّان نبطی کے نام پر رکھا گیا تھا؛ جسے حجاج بن یوسف نے اس کام کے لئے مقرر کیا تھا کہ وہ ان بطائح کا پانی نکال کر وہاں کی زمین کو قابل زراعت بنائے۔ اسی آخری جھیل سے آگے وہ ندی تھی جو الحالہ اور الکوانین کے قریوں کے پاس سے گزر کر نہرا بوالاسد میں جا ملتی تھی؛ اور جس کے ذریعے سے بطائح کا پانی دجلہ کی کھاڑی میں گرتا تھا۔ یہ ابوالاسد جس کی نہر قرنہؔ کے شمال میں دریائے فرات کے موجودہ دھارے کے آخری حصہ سے تقریباً مطابق ہوتی ہے، منصور عباسی کا ایک مولے تھا؛ جس زمانے میں بصرہ میں یہ امیر عسا کر تھا اسی زمانے میں یہ نہر یا تو خود اس نے کھدوائی تھی یا کسی پرانی نہر کو اوس نے وسیع کرایا تھا۔ کیونکہ جیسا یاقوت نے لکھا ہے یہ نہر غالباً ساسانیوں کے زمانے میں موجود تھی۔ لیکن قرنہ کے متعلق جو دریا فرات و دجلہ کے مقام اتصال پر واقع ہے، تمام جغرافیہ نویس بالکل خاموش ہیں سب سے پہلے گیارھویں (سترھویں) صدی کے اوائل میں ترکی جغرافیہ جہاں نما میں قصر قرنہ کا ذکر ملتا ہے +

دِجلہ کے مشرقی دھارے کا آخری حصہ ساسانیوں کے زمانے کا اور نیز موجودہ زمانہ کا (جیسا کہ اوپر بیان ہوا) بالکل ایک ہی ہے۔ زمانۂ وسطے میں یہ حصہ ایک رُکے ہوئے پانی کے طور پر تھا؛ اور اس پانی کو اوس کے شمالی حصے پر ایک بند نے روک رکھا تھا۔ دریا کا یہ آخری حصہ جو نہر المذار کہلاتا تھا، چھ فرسخ لانبا تھا؛ اور اِسی میں ہو کر عبدَسی (یا عبدَاسی) اور المذار کے شہروں میں پہنچتے تھے؛ ان شہروں کی صحیح جائے وقوع کا علم نہیں۔ گرد و نواح کا علاقہ جو اس زمانے کے دجلہ کے خشک شدہ مشرقی دھارے کے کنارے واقع تھا، جوخا کہلاتا تھا اور شمال مغرب میں واسط کے علاقے کے شہر کسکر تک پھیلا ہوا تھا؛ اسلامی فتوحات کے وقت مذار بہت بڑا شہر سمجھا جاتا تھا۔ اور اوس زمانے میں وہ علاقہ میسان کا دست میسان بھی کہلاتا تھا؛ صدر مقام تھا۔ مذار بصرہ سے چار دن کی مسافت پر تھا؛ یہاں کی خوبصورت جامع مسجد مشہور تھی؛ اور اس شہر کی شہرت کی ایک اور وجہ یہ بھی تھی کہ یہاں حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ کا مزار تھا؛

اور دوسری نہر الاُبُلّہ اس کے ذریعہ سے مال تجارت اور مسافر بصرہ سے جنوب مشرق میں عَبّادان کے مقام پر خلیج فارس میں پہنچتے تھے۔ ان دونوں نہروں اور کھاڑی کے پانی کے درمیان ایک جزیرہ بن جاتا تھا، جسے "جزیرۂ اعظم" کہتے تھے اور شہر اُبُلّہ اسی جزیرہ کے جنوب مشرق زاویہ پر اس جگہ واقع تھا جہاں نہر اُبُلّہ اس کھاڑی میں ملتی تھی۔

بَصْرَہ کی سب سے زیادہ لمبائی اس نہر کے کنارے کنارے چلی گئی تھی جو نہر مَعقِل اور نہر اُبُلّہ کو ملاتی تھی۔ اور مغرب کی طرف اس کے مکانات نصف دائرہ کی شکل میں ریگستان کی سرحد تک پہنچتے تھے، اور یہاں شہر سے باہر نکلنے کے لئے فصیل میں صرف ایک دروازہ بابُ البادیہ (ریگستان والا دروازہ) تھا۔ نہر کے کنارے سے اس دروازہ تک شہر کا عرض چوتھی (دسویں) صدی میں تین میل تھا لیکن لمبان اس سے بہت زیادہ تھا۔ شہر کے اکثر مکانات پکی اینٹوں کے بنے ہوئے تھے، اور فصیل شہر کے باہر نہایت عمدہ چراگاہیں تھیں۔ جو بے شمار چھوٹی چھوٹی نہروں سے سیراب ہوتی تھیں، اور اس کے بعد نہایت وسیع نخلستان تھے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ بَصْرَہ میں تین جامع مسجدیں تھیں۔ ایک ریگستان کے قریب مغربی دروازہ پر اور یہی سب سے قدیم بھی تھی؛ دوسری اور بہترین جامع مسجد جس میں نہایت خوبصورت ستون تھے بڑے بازار میں تھی "اور عراق کی مسجدوں میں لاثانی سمجھی جاتی تھی"؛ تیسری جامع مسجد وہاں تھی جہاں لوگوں کے سکونی مکانات تھے۔ اسی طرح شہر میں تجارت کے بازار بھی تین تھے جو سامان تجارت، رونق اور وسعت میں بغداد کے بازاروں کا مقابلہ کرتے تھے۔ مغربی دروازے پر المِربَد [المحبس الابل یعنی اونٹوں کے قیام کرنے کی جگہ] تھا۔ یہ ایک مشہور محلہ تھا جہاں ریگستان کے قافلے آکر ٹھیرا کرتے تھے اور یہ محلہ شہر کے سب سے زیادہ بارونق محلوں میں شمار ہوتا تھا۔ اسی کے قریب حضرات طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کے مزارات تھے؛ لیکن جب مقدسی نے اپنی کتاب لکھی ہے اس وقت شہر کے بہت سے حصے برباد ہو چکے تھے[1]۔ شہر کی دیگر ادارات میں مقدسی نے ایک

(۴۵)

[1] حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے مقبرے کے نشانات زمانۂ وسطے کے بصرہ کے ایک مقام پر چند کھنڈروں

کی نہروں اور ندیوں میں بھی جو اس کھاڑی کی مغربی اور مشرقی زمینوں کو سیراب کرتی تھی، پانی کی کمی بیشی ہو جاتی تھی۔ عراق کا عظیم الشان تجارتی بندرگاہ بصرہ ریگستان کی بالکل سرحد پر کھاڑی سے ذرا مغرب میں واقع تھا اور دو نہریں اس شہر کو کھاڑی سے ملاتی تھیں۔ بَصْرہ کے شمال اور جنوب دونوں طرف بہت سی ندیاں مرداب اعظم کے جنوبی حصے کے پانی کو دجلۃ الاعور میں لاتی تھیں۔ اور کھاڑی کے مشرقی جانب بھی چند ندیاں آتی تھیں۔ اور ایک وسیع و عریض نہر جو نہربان کہلاتی تھی، عَبّادان سے تقریباً تین میل شمال میں دجلہ کی کھاڑی کو دریائے دُجیل (کارُون) کی کھاڑی سے ملاتی تھی۔ یہ دریا خُوزِستان کے صوبہ میں سے ہوتا ہوا سلیمانان کے مقام پر خلیج فارس میں گر جاتا تھا[1]

بَصرہ (لغوی معنی: نرم سفیدی مائل پتھر[2]) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ۱۷ھ (۶۳۸ء) میں آباد کیا گیا تھا، اور اس کی زمینیں ان عرب قبائل میں تقسیم کر دی گئیں تھیں جو ساسانی سلطنت کی فتح کے وقت بطور فوج کے یہاں مقرر کئے گئے تھے۔ اس شہر نے بڑی تیزی سے ترقی کی اور بہت جلد کوفہ کے دوش بدوش عراق کا ایک صدر مقام بن گیا۔ یہیں ۳۶ھ (۶۵۶ء) میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جنگ جمل میں فتح حاصل ہوئی، جس میں حضرات طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما شہید ہوئے۔ بَصرہ دجلہ کی کھاڑی سے بخط مستقیم پورے بارہ میل کے فاصلے پر واقع تھا، اور دو بڑی نہروں کے ذریعے سے اُس کھاڑی سے ملا ہوا تھا۔ ان میں سے ایک نہر مَعْقِل شمال مشرق میں تھی۔ جس میں سے ہو کر جہاز بغداد سے بَصرہ آتے تھے۔

[1] ابن رستہ ص ۹۴۔ عوراء کے معنی یک چشم کے ہیں۔ اور اس لفظ کا اطلاق ایسے دریاؤں پر ہوتا ہے جو مٹی اور ریت کی وجہ سے بند ہو چکے ہوں یا ایسی سڑکوں پر جن پر کوئی شاہراہ نہ ہو۔ پہلے پہل دجلۃ الاعور کا نام عَبْدَسی کی ندی کو دیا گیا تھا، اور بعد میں اس کا اطلاق زیرین کھاڑی پر ہونے لگا۔ مسعودی (تنبیہ) ص ۵۲۔ یاقوت ج ۱ ص ۷۷۰۔ جہاں نما ص ۴۵۴۔ آخر الذکر کتاب میں اس کھاڑی کو شط العرب لکھا ہے۔

[2] حجارۃ رخوۃ فیھا بیاض۔ مترجم۔

کھلتی تھی۔ شہر کے آباد محلوں سے وہ دو میل کے فاصلہ پر تھی اور ہر طرف شکستہ آثار سے گھری ہوئی تھی۔ شہر کی قدیم فصیل کا جو اس مسجد سے دو میل پرے تھی اس وقت بھی نشان موجود تھا اور اسی دیوار کے قریب حضرات طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کے مزارات تھے لیکن اصلی شہر کے اس وقت صرف تین محلے باقی رہ گئے تھے۔ مستوفی نے بھی جس نے اپنی کتاب اسی صدی میں لکھی ہے، بصرہ کا ذکر نہایت تفصیل سے کیا ہے۔ اس کے بیان کے مطابق بصرہ کی مسجد جس کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دوبارہ تعمیر کرایا تھا، اسلامی سلطنت کی سب سے بڑی مسجد تھی، اور اس سے بڑی مسجد کا نقشہ بنا کر تعمیر کرانا امکان سے باہر تھا۔ اس مسجد کا قبلہ بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بہ نفس نفیس درست فرمایا تھا۔ اسی مسجد کے ایک منارہ کی خصوصیت یہ تھی کہ اگر اس کے سامنے سچی قسم کھائی جائے تو قائم رہتا تھا، اور اگر جھوٹی قسم کھائی جائے تو لرزنے لگتا تھا۔ یہ امر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے کرامات میں شمار کیا جاتا تھا۔ کیونکہ انہوں نے ہی یہ منارہ تعمیر کرایا تھا۔ مستوفی بصرہ کے مزارات کے متعلق کچھ اور مفصل حال لکھنے کے بعد وہاں کے خوبصورت باغوں اور نخلستانوں کی بے انتہا تعریف کرتا ہے۔ ان میں درخت اسقدر گنجان تھے کہ سو قدم آگے کی چیز دکھائی نہیں دیتی تھی، اور یہاں کی کھجوریں اسقدر عمدہ ہوتی تھیں کہ انہیں ہندوستان اور چین بھیج کر بہت نفع اٹھایا جاتا تھا۔

ہر ایک زمانہ میں بصرہ کی شہرت اس کی نہروں کی وجہ سے رہی ہے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل کا بیان ہے کہ ان کی تعداد (۱۰۰،۰۰۰) تھی، اور ان میں سے (۲۰۰۰۰) میں کشتیاں چل سکتی تھیں۔ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ نہر معقل بغداد کی سمت سے خاص دریائی راستہ تھا۔ اس نہر کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں ایک صحابی حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے کھدوایا تھا۔ یہ نہر اور نہر اُبُلّہ جو بصرہ سے جنوب مشرق کو جاتی تھی، ان دونوں کا طول چار چار فرسخ کا تھا۔ نہر اُبُلّہ کے باغات جو جزیرۂ اعظم کے جنوبی پہلو پر واقع تھے، روئے زمین کی چار جنتوں میں سے ایک جنت شمار ہوتے تھے [۱]۔

---

[۱] ان جنتوں کے ناموں میں اختلاف ہے۔ لیکن جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے وہ

کتب خانۂ عامہ کا بھی ذکر کیا ہے؛ جو چوتھی (دسویں) صدی میں بصرہ میں موجود تھا۔ اس کے بانی کا نام ابن سوّار تھا؛ اور اُسی کے وقف سے اس کا کام چلتا تھا۔ اسی ابن سوّار نے خوزستان کے شہر رامہرمز میں بھی ایک اسی طرح کا کتب خانہ قائم کیا تھا۔ دونوں جگہ ایک خاص رقم سے طلبہ کے گذارے اور کتابوں کے نقل کرانے کے لئے انتظام تھا۔ بصرہ کے کتب خانہ میں کتابوں کی تعداد بہت تھی۔

عباسی عہد کی متعدد بغاوتوں اور جنگوں کی وجہ سے بصرہ کو بہت کچھ نقصان اوٹھانا پڑا تھا۔ ۲۵۷ھ (۸۷۱ء) میں جب صاحب الزنج کی بغاوت بہت زور پر تھی تو اوس نے حملہ کر کے بصرہ کو فتح کر لیا۔ بڑی مسجد سمیت شہر کے ایک حصے کو جلا دیا؛ اور تین دن تک اس کی فوجوں نے شہر کو خوب لوٹا۔ پھر ۳۱۱ھ (۹۲۳ء) میں بصرہ قرامطہ کے ہاتھوں سترہ دن تک خوب لٹتا رہا۔ لیکن تھوڑی مدت میں یہ شہر ایک حد تک اپنی پرانی حالت پر آ گیا چنانچہ ۴۴۳ھ (۱۰۵۱ء) جب مشہور ایرانی سیاح، ناصر خسرو یہاں آیا ہے تو اس نے شہر کو نہایت آباد و بارونق پایا؛ اور فصیل شہر اچھی حالت میں دیکھی، اگرچہ شہر کے بعض حصے اس وقت بھی برباد و غیر آباد پڑے تھے۔ بڑی مسجد کے قریب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قصر خلافت اس وقت تک موجود تھا؛ اور اس کے علاوہ تیرہ مزارات؛ جن کو دیکھ کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانۂ سکونت بصرہ کے مختلف واقعات کی یاد تازہ ہوتی تھی۔ ناصر خسرو نے شہر کے گرد کے بیس علاقوں کے نام نہایت احتیاط سے لکھے ہیں۔

۵۱۷ھ (۱۱۲۳ء) میں قاضی عبد السلام نے بصرہ کی فصیل نصف فرسخ تک پرانی فصیل کے اندر دوبارہ بنوائی، آٹھویں (چودھویں) صدی میں تاتاریوں کی یورش کے بعد جب ابن بطوطہ وہاں آیا تو اس نے بھی شہر کو خوب معمور و آباد پایا۔ چنانچہ اس نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مسجد کا ذکر کیا ہے کہ وہ ایک نہایت بلند اور سات مینار والی خوبصورت عمارت تھی لیکن یہ مسجد صرف جمعہ کے دن

(بقیہ حاشیہ ص ۵۹) سے اب تک ظاہر ہوتے ہیں۔ بصرہ کا موجودہ شہر دجلہ کی کھاڑی پر اس مقام پر ہے جہاں کسی زمانہ میں اُبلّہ تھا۔

پرانے بصرہ کی جگہ آباد ہوا۔

نہر اُبُلّہ جس مقام پر دجلہ کی کھاڑی میں گرتی تھی وہاں ایک خطرناک گرداب پیدا ہوتا تھا، اور پرانے زمانے میں وہاں اکثر جہاز ٹوٹ جایا کرتے تھے۔ ابن حوقل کہتا ہے کہ عبّاسی خاندان کی ایک شہزادی نے (بعض نے لکھا ہے کہ زبیدہ نے) اس خطرے کا سدباب اس طرح کر دیا کہ کئی جہاز پتھروں سے بھر کر جہاں گرداب پیدا ہوتا تھا وہاں ڈبوا دیئے، اور غار کے بھر جانے سے بھنور بند ہو گیا۔

(۴۰) ابن سراپیون نے بہت تحقیق سے نو نہروں کے نام لکھے ہیں جو مغربی جانب سے دجلہ کی کھاڑی میں گرتی تھیں۔ یعنے تین نہر مَعقِل سے اوپر اور چار نہر اُبُلّہ اور کھاڑی کے دہانے کے درمیان بصرہ کی جنوبی سمت سے + ان میں سے صرف ایک نہر ابوالخَصِیب قابل ذکر ہے۔ اس کا نام خلیفہ منصور عباسی کے ایک مولےٰ کے نام پر رکھا گیا تھا؛ اسی کے کنارے مشہور باغی صاحب الزنج نے تیسری (نویں) صدی کے درمیانی زمانے میں ایک بڑا قلعہ اور شہر بنایا تھا۔ اس شہر کا نام مختارہ تھا یہ شہر اس استحکام سے قلعہ بند کیا گیا تھا کہ وہ خلفائے عباسیہ کی بھیجی ہوئی فوجوں کا مدت دراز تک مقابلہ کرتا رہا۔ اور پندرہ برس کی مسلسل لڑائی کے بعد کہیں جا کر صاحب الزنج کی بغاوت کو فرو کیا جا سکا۔[1]

ابن سراپیون کے بیان کے مطابق دِجلہ کی کھاڑی کے مشرقی جانب بڑی بڑی نہریں حسب ذیل تھیں:۔

نہر بیان جس کے کنارے پر یا اس کے قریب المُفتَح اور المَذَار (ارض سطح) کے دو شہر آباد تھے: ان دونوں کی اصلی جائے وقوع صحیح طور پر معلوم نہیں؛ اگرچہ المفتح کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اکثر دجلہ کی کھاڑی کو دِجلۃ المفتح کہا جاتا تھا، اس کے جنوب میں نہر بیان تھی جس کے دہانے پر

[1] اصطخری ص ۸۱ + بلاذری ص ۳۶۲ + ابن حوقل ص ۱۶۰، ۱۶۱ + مقدسی ص ۱۱۸، ۱۳۵ + ابن سراپیون ص ۲۹، ۳۰ + ناصر خسرو ص ۸۹ + قزوینی ج ۲۔ ص ۱۹۰ + یاقوت ج ۲۔ ص ۶۷۵ + ابن بطوطہ ج ۲۔ ص ۱۷ + طبری ج ۳۔ ص ۱۹۸۲ +

شہر الاُبُلّہ جو اصل میں یونانی اپولوگس (Apologus) کی معرب شکل ہے
ساسانیوں کے عہد یا اون سے بھی پہلے کا شہر تھا؛ لیکن یہ بالکل کھاڑی پر واقع
تھا اور اس کی آب وہوا ناگوار تھی۔ چنانچہ جب مسلمانوں نے اپنا نیا شہر بصرہ
آباد کیا تو پانی سے کچھ دور ہٹ کر صحراء کے کنارے اس کی بنیاد رکھی۔ جیسا کہ اوپر
بیان ہو چکا ہے شہر اُبُلّہ نہر اُبُلّہ کے دہانے پر بجانب شمال جزیرۂ اعظم پر واقع تھا۔
اس کے مقابل نہر کی جنوبی جانب شق عُثمان کا شہر تھا؛ یہ عثمان جن کے نام پر
اس شہر کا نام رکھا گیا تھا، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پوتے تھے۔ نہر
کے دہانے کے سامنے، لیکن کھاڑی کی مشرقی جانب، وہ مقام تھا جہاں سے مسافر
دجلہ عبور کرنے کے بعد خُوزِستَان کا راستہ اختیار کرتے تھے۔ یہ مقام عسکر
ابو جعفر (یعنی خلیفہ منصور عباسی کا کیمپ) کہلاتا تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں اُبُلّہ
ایک بڑا شہر تھا اور اس میں ایک جامع مسجد بھی تھی؛ یہی کیفیت شق عثمان کی تھی اور
مقدسی کے بیان کے مطابق دونوں شہروں کی مسجدیں بہت خوبصورت تھیں۔
ناصر خسرو نے جو مقدسی سے نصف صدی بعد یہاں آیا تھا، ان دونوں شہروں کے
محلوں بازاروں اور مسجدوں کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ وہ نہایت اچھی حالت
میں تھیں۔ لیکن اس کے دو صدی بعد تاتاریوں کی یورش کا اثر اس علاقے پر
بھی ہوا۔ چنانچہ ساتویں (تیرہویں) صدی میں قزوینی کا بیان ہے کہ یہ مقامات
برباد ہو چکے تھے؛ اگرچہ اس وقت بھی شق عثمان کے سیلد (نیلوفر) کے درخت
مشہور تھے۔ اس کے ایک صدی بعد ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ اُبُلّہ محض ایک چھوٹا
سا قریہ تھا۔ اس حالت سے ابلہ نے موجودہ ترقی اس وقت کی جب کہ نیا بصرہ

حسب ذیل ہیں: (۱) غوطہ، دمشق؛ (۲) فارس میں شعب بوان، جس کا ذکر باب ۱۸ میں آئے گا (۳) وادی
الصُغد یا وادی صُغدَ ائنیہ، جو سمرقند اور بخارا کے درمیان ہے اور جس کا ذکر باب ۳۴
میں آئے گا + اصطخری ص ۸۰ + ابن حوقل ص ۱۵۹، ۱۶۰ نوٹ) + مقدسی ص ۱۱۷، ۱۳۰، ۱۳۴
ناصر خسرو ص ۸۵ - ۸۹ + یاقوت ج ۱ - ص ۶۳۶، ج ۴ ص ۸۴۵ + ابن بطوطہ ج ۲ - ص ۸، ۱۴، ۱۴
مستوفی ص ۱۳۷ +

بنے ہوئے تھے + ناصر خسرو جو ۴۴۳ھ (۱۰۵۱ء) میں یہاں آیا تھا، لکھتا ہے کہ اس کے زمانے میں جب سمندر میں جزر ہوتا تھا تو عبادان اور سمندر کے درمیان کی زمین دو فرسخ تک خشک ہو جاتی تھی۔ جہاز چلانے والوں کو خبردار رکھنے کے لئے کہ آگے خشکی پڑتی ہے یہاں کے لوگوں نے ساگوان کے بڑے بڑے شہتیر کھڑے کر کے ایک منارہ جس کے نیچے کا دور زیادہ بنا کر اوپر کا دور کم کرتے گئے تھے، چالیس گز بلند بنا دیا تھا اس کو خشاب (کٹ گھر) کہتے تھے۔ یہ منارہ سمندر کے روشنی کے گھر (لائٹ ہاؤس) کا کام دیتا تھا۔ اس کی چوٹی پر چوکیدار کی کوٹھری تھی، چونکہ یہاں محرابوں پر ایک چبوترا سا پتھر کی سلیں بچھا کر بنا دیا تھا، اس لئے رات کے وقت وہ بطور آتش دان کے استعمال ہو سکتا تھا، اور جہازیوں کو متنبہ کرنے کے لئے اس پر آگ روشن کر دی جاتی تھی۔ ساتویں (تیرہویں) صدی میں عبّادان بارونق اور آباد شہر تھا، چنانچہ اُس وقت اس میں متعدد مسجدیں اور رباط[1] موجود تھے + لیکن آئندہ صدی میں جب ابن بطوطہ وہاں سے گذرا ہے تو اس کی حیثیت محض ایک چھوٹے سے گاؤں کی سی رہ گئی تھی، اور سمندر کے کنارے سے وہ تین میل دور ہو گیا تھا، لیکن ابن بطوطہ کا ہم عصر مستوفی کہتا ہے کہ عبّادان خاصا بڑا بندرگاہ تھا، اور اس کا بیان ہے کہ اُس کے محاصل کی مقدار اُس زمانے کے سکے کے مطابق (۴۴۱۰۰) دینار تھی اور یہ محاصل بصرہ کے خزانے میں ادا کئے جاتے تھے۔ عبّادان سے چند فرسخ مشرق میں سُلیمانان کا بندرگاہ اکثر خُوزِستان کے اعمال میں شمار کیا جاتا تھا + اس بندرگاہ کے متعلق صرف اتنا دریافت ہوا ہے کہ کسی شخص سلیمان ابن جبیر نے جو زاہد کے نام سے مشہور ہے اسے آباد کیا تھا[2]۔

---

[1] رباط کے معنے ایسے مقام کے ہیں جہاں راستے یا سرحد کی حفاظت کے لئے تھوڑی سی فوج رہتی تھی۔ اس کے علاوہ ان جگہوں سے یہ کام بھی لیا جاتا کہ مسافر وہاں آرام کرتے تھے۔ مترجم

[2] بلاذری ص ۳۶۲ + اصطخری ص ۹۰ + ابن حوقل ص ۱۷۳ + مقدسی ص ۱۱۸ + قزوینی ج ۲۔ ص ۲۸۰ + ناصر خسرو ص ۸۹، ۹۰ + یاقوت ج ۳۔ ص ۶۰۸ + ابن بطوطہ ج ۲۔ ص ۱۸ + مسعودی (مروج) ج ۱۔ ص ۲۳۰ + یاقوت (ج ۱۔ ص ۶۲۵) نے لکھا ہے کہ ابل بصرہ کی ملکیت

اُبُلّہ سے پانچ فرسخ کے فاصلے پر کھاڑی کے دوسرے جانب بیان کا شہر تھا آج کل بندرگاہ محمّرہ روز حفار پر اسی جگہ واقع ہے جہاں کسی زمانے میں بیان آباد تھا۔ یہ رُود حفار، دجلہ کی کھاڑی کے شمالی حصے کو دُجیل (دریائے کارون) سے ملا دیتی ہے۔ ابن سراپیون کے پچھتر برس بعد مقدسی لکھتا ہے کہ اس رود کو جو چار فرسخ لانبی تھی، بُویہ کے بادشاہ عضد الدولہ نے کھدوایا اور وسیع کروایا تھا۔ اس سے ایک صدی قبل قدامہ نے اسے نہر الجدید (نئی نہر) لکھا ہے۔ بار برداری کی کشتیاں جو بصرہ سے اھواز جاتی تھیں اسمیں سے گذر سکتی تھیں، حالانکہ بقول مقدسی عضدی نہر کے وسیع ہونے سے پہلے ان کو دُجیل کی کھاڑی میں ہوکر سمندر میں آنا پڑتا تھا اور پھر وہاں سے دجلہ کی کھاڑی میں سے گذر کر اور بیان کے پاس سے ہوکر وہ اُبُلّہ پہنچتی تھیں [۱]۔

دُجیل اور دجلہ والی دونوں کھاڑیوں کے درمیان جو جزیرہ بن جاتا تھا اس کو یاقوت نے فارسی میں میان رُودان (دو دریاؤں کے درمیان کی زمین) لکھا ہے۔ مقدسی نے اسے سبخہ (زمین شور) لکھا ہے۔ اس جزیرے کے ایک گوشہ پر سمندر کے کنارے عَبّادان کا شہر اور دوسرے گوشہ پر دُجیل کی کھاڑی کے کنارے سُلیمانان کا شہر آباد تھا۔ عبّادان اس وقت بھی موجود ہے۔ لیکن اب وہ دجلہ کی کھاڑی کے شمالی حصے میں خلیج فارس کے موجودہ ساحل سے بیس میل دور واقع ہے۔ کیونکہ دجلہ کے ڈیلٹا نے سمندر کو اس قدر سمت جنوب میں ہٹا دیا ہے۔ حالانکہ چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے لکھا ہے کہ عبادان کے سامنے بالکل سمندر تھا۔ اس شہر میں بوریا باف آباد تھے، جو جزیرہ کی گھاس حلفا سے بورئے بناتے تھے۔ شہر کے گرد کھاڑی کے دہانے کی حفاظت کے لئے سپاہ محافظ کے رہنے کے واسطے بڑے بڑے مکانات

---

[۱] ابن سراپیون ص ۳۲ + ابن خرداذبہ ص ۱۳ + قدامہ ص ۱۹۴ + اصطخری ص ۹۵ + ابن حوقل ص ۱۷۱ + مقدسی ص ۱۱۹، ۱۲۱ + مسعودی (تنبیہ) ص ۵۲ + یاقوت جلد ۴ ص ۶۸۵۔

منجملہ بڑی تبدیلیوں کے ایک تبدیلی یقیناً خلیفہ مستنصر کے عہد میں یعنی ۶۲۳ھ ۔ ۶۴۰ھ (۱۲۲۶ء ۔ ۱۲۴۲ء) کے درمیان واقع ہوئی ہوگی کیونکہ تاریخ میں بیان ہوا ہے کہ خلیفہ مستنصر نے ان زمینوں میں آب پاشی کی غرض سے جو دریا کے بڑے دھارے کے ہٹ جانے سے خشک رہ گئی تھیں متعدد نہریں کھدوائی تھیں۔ اس سے بھی پہلے چوتھی (دسویں) صدی میں مسعودی کا بیان ہے کہ دجلہ کے بہاؤ میں تبدیلی کی وجہ سے بغداد کے شمال میں مشرقی اور مغربی کنارے کے زمینداروں میں خوب مقدمات چلے تھے، اس زمانے میں جو شہر دجلہ کے شرقی کنارے پر واقع تھے (جن کے کھنڈر آج کل دریا کے موجودہ گذر سے کچھ فاصلے پر مغرب کی جانب دریا کے پرانی خشک گذرگاہ میں ملتے ہیں) ان میں سب سے زیادہ مشہور شہر عُکبرا تھا جس کے قریب ہی اوانا اور اوانا کے جنوب میں بصری واقع تھا۔ یہ تینوں شہر بغداد سے تقریباً دس دس فرسخ کا فاصلہ رکھتے تھے۔ ان کے گرد باغات تھے، اور بغداد کے امراء اور رئیس لوگ اکثر وہاں پہنچا کرتے تھے، مقدسی نے عُکبرا کے انگوروں کی خصوصاً تعریف کی ہے۔ اس کا بیان ہے کہ یہ شہر پر رونق اور آباد تھا۔ وہاں سے ذرا شمال میں تھوڑی دور پر العلث یا علث تھا جو اب بھی ہمارے نقشوں میں دکھایا جاتا ہے، لیکن دریا کے مغربی کنارے پر مقدسی اس کو بھی ایک بڑا اور آباد شہر بتاتا ہے، اور لکھتا ہے کہ دجلہ سے نکلی ہوئی نہر کی ایک شاخ کے کنارے یہ شہر واقع تھا۔ علث کے شمال مغرب میں اس مقام پر جہاں سے آجکل دریا سمت مشرق میں اپنا بڑا چکر کاٹنے کو رخ بدلتا ہے، دجلہ والا قادسیہ آباد ہے۔ اس شہر کو اوس قادسیہ سے خلط ملط نہ کرنا چاہیے جو دریائے فرات کی سمت واقع ہے۔ دجلہ والا قادسیہ شیشے کے کارخانوں کے لیے مشہور تھا، اور اس کے مقابل نہر جیل؟ دجلہ سے نکل کر جنوب کی طرف جاتی تھی [لہ]۔

(۵۱۱)

لہ۔ قدامہ ص ۲۱۴؛ مقدسی ص ۱۲۲، ۱۲۳؛ مسعودی (مروج) ج ۱ ص ۲۲۳؛ یاقوت ج ۱ ص ۳۹۵، ۵۵۲، ۶۰۲، ۶۵۴؛ ج ۲ ص ۷۰۳؛ ج ۴ ص ۹، ۵۲۰؛ مراصد ج ۲ ص ۲۷۰، ۴۲۹۔

اب نواح بغداد کی طرف دوبارہ توجہ کرکے اُن شہروں کا تذکرہ کرنا چاہیے جو دجلہ کے کنارے دار الخلافہ کے شمال میں عراق کی سرحد تک واقع تھے انہیں کے ساتھ ان شہروں کا ذکر بھی آجائے گا جو تھوڑا اُن کے کنارے واقع تھے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ بغداد سے موصل اور دوسرے شمالی شہروں کو جانے والی شاہ راہ دجلہ کے بائیں یا شرقی کنارے کے متوازی چلی گئی تھی۔ یہ سڑک مشرقی بغداد سے محلہ شمّاسیّہ کے (باب بردان) سے شروع ہوتی تھی اور تقریباً چار فرسخ آگے بڑھ کر بَرَدان کے چھوٹے سے شہر کو پہنچتی تھی جو اب تک موجود ہے گو نام کے تھوڑے سے فرق سے اب اُسے بَدَان کہنے لگے ہیں۔ بَرَدان کے قریب ہی بَزُوغا اور مَزْرَفہ کے دو بڑے گاؤں تھے ان میں سے مَزْرَفہ بغداد سے تین فرسخ شمال کی طرف تھا۔ بَرَدان کے قریب الراشدیّہ کے مقام پر نہر خالص دجلہ سے ملتی تھی۔ جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ اور یہیں بہت شمال میں آج کل دجلہ کا وہ بڑا گھاؤ جو مشرق کی جانب ہے ختم ہو جاتا ہے۔ دریا کا چکر بغداد سے (۶۰) میل شمال میں قادسیہ کے مقام سے شروع ہوتا ہے۔ بہرکیف زمانہ وسطےٰ میں دجلہ کا گذر قادسیہ سے بَرَدان تک تقریباً بخط مستقیم تھا، اور اس وقت بھی اس خشک گذرگاہ کے مشرقی جانب پرانی بستیوں کے آثار پائے جاتے ہیں، چنانچہ جن شہروں کا ذکر ابن سراپیون اور شروع زمانے کے دوسرے مصنفوں نے کیا ہے ان کو نقشے میں ظاہر کر دیا گیا ہے۔

معلوم یہ ہوتا ہے کہ دجلہ نے یہاں اپنا راستہ درحقیقت کئی مرتبہ بدلا ہے۔ موجودہ (مشرقی) دھارے کو "مر اصل" کا مصنف جس نے اپنی کتاب تقریباً ۷۰۰ھ (۱۳۰۰ء) میں لکھی تھی، شُطَیطہ (یعنی شطِ صغیر دریا) کہتا ہے

(بقیہ حاشیہ ص ۶۵) تھی کہ وہ اسما، اشخاص کو صرف "آن" رکھ کر اسماء اماکن بنا لیتے تھے مثلاً طلحتان (یعنی نہر طلحہ) اس سے سلیمانان اور عبادان کی وجہ تسمیہ سمجھ میں آجاتی ہے۔ عباد کوئی شخص تھا جس کے نام پر عبادان شہر کا نام ہو گیا تھا۔ دجلہ کی کھاڑی کا دہانہ (۷۲) فیٹ فی سال یعنی (۱/۲ ۱) میل فی صدی آگے بڑھ رہا ہے۔ اسی وجہ سے عبادان اب اندرون ملک میں چلا گیا ہے۔

(۵۲) اس علاقے کے اور بھی بہت سے شہر تھے۔ قادسیہ سے تقریباً دس میل شمال میں سامرّا ہے، جس کا تفصیلی حال آئندہ باب میں بیان کیا جائے گا، اور ان دونوں شہروں کے بیچ میں مَطِیرہ تھا۔ ٹھیک اس مقام کے شمال میں جہاں سے تین چھوٹی چھوٹی نہریں دجلہ کے بائیں (مشرقی) کنارے سے نکلتی تھیں مطیرہ اور قادسیہ کے درمیان ان شہروں کے منبع سے جنوب میں بَرکُوارا یا بَلکُوارا یابَزکُوارا تھا۔ یاقوت کے قول کے مطابق مَطِیرہ کا نام ایک مشہور خارجی مطر شیبانی کے نام پر رکھا گیا تھا۔ شروع میں اس مقام کا نام المَطَرِیَّہ تھا، لیکن بعد میں بگڑ کر المطیرہ ہو گیا[1]۔ سامرّا سے دس میل شمال میں کَرخ فیروز (جو کرخ سامرا بھی کہلاتا تھا) واقع تھا۔ یہ شہر کرخ فیروز یا کرخ سامرّ اس لئے کہلاتا تھا تاکہ اُسے مغربی بغداد کی جنوبی بستی "کرخ" سے ممیز کیا جاسکے۔ سامرا کے شمال میں دس میل کے فاصلے پر دُور کا مقام تھا جہاں سے نہر نہروان دجلہ کے بائیں کنارے سے نکلتی تھی۔ اسی مقام پر مگر دجلہ کے دائیں یعنے مغربی کنارے سے نہر اسحاقی کا آغاز ہوتا تھا جو تھوڑا سا چکر کاٹ کر مطیرہ کے مقام پر دجلہ سے آملتی تھی۔ ان مقامات کے موقع کا تعین صرف ان نہروں کے ذریعے سے ہو سکتا ہے، ان میں سے بعض شکستہ حالت میں اب بھی موجود ہیں، لیکن ناموں کے سوا اور کچھ ان کی نسبت معلوم نہیں +

---

[1] یعقوبی ص ۲۶۵ + ابن سراپیون ص ۱۴ + ابن جبیر ص ۲۳۳ + یاقوت ج ۱ ص ۸۰۷، ۶۰۵، ج ۲ ص ۲۳۵، ۲۹۲، ۵۵۵، ج ۴ ص ۵۲۹، ۵۶۰ + مستوفی ص ۲۰۸ + الفخری ص ۳۸۰ + کمانڈر جے ایف جونز نے Records of the Bombay Government (سلسلہ نمبر ۴۳ ۱۸۵۷ء، ص ۲۵۲) میں حسر باکے پل کا نقشہ دیا ہے۔ بزکوارا کا نام اس نے بزکوارا لکھا ہے (ص ۴۷) +

نہر دُجَیل (جس کو دریائے دُجَیل یعنے دریائے کاہ‌دن سے خلط ملط نہ کرنا چاہیئے) جیسا کہ آگے بیان کیا جائے گا۔ شروع میں دریائے فرات کی ایک ندی تھی جو دجلہ میں گرتی تھی، لیکن چوتھی (دسویں) صدی کے آغاز ہی میں اس کا مغربی حصہ ریت اور مٹی سے بالکل بند ہو چکا تھا، اور اس کا مشرقی اور زیریں حصہ اس زمانے میں ایک نئی نہر کے ذریعہ سے صاف رکھا جاتا تھا، جو قادسیہ کے جنوب میں شہر کے قریب ہی دجلہ سے نکالی گئی تھی۔ نہر دُجَیل (یعنے دجلۂ صغیر) مَسکِن کے تمام زرخیز علاقہ کو جو قطربل سے آگے مغربی بغداد کے شمال میں واقع تھا، سیراب کرتی تھی۔ پس سمجھنا چاہیئے کہ بعد کے زمانے کی نہر دجیل ایک ایسی نہر تھی جو دجلہ سے ہی شروع ہوتی تھی، اور بہت سی شاخیں پیچھے چھوڑتی ہوئی شہر عکبرا کے سامنے دجلہ ہی میں گر جاتی تھی۔ ان شاخوں میں سے بعض سمت جنوب اس قدر دور تک گئی تھیں کہ مغربی بغداد کے شمالی محلے حَربِیہ تک اپنا پانی پہنچاتی تھیں (دیکھو صفحہ ۱۳۱) دُجَیل کے علاقے میں جو مَسکِن بھی کہلاتا تھا، بہت سے شہر اور قریئے تھے، جو عکبرا اور دجلہ کے مغرب میں واقع تھے۔ ان میں سب سے زیادہ بڑا حَربا تھا جہاں ۵۸۰ھ (۱۱۸۴ء) میں ابن جُبَیر اندلسی آیا تھا۔ یہ مقام اب تک موجود ہے، اور یہاں آج کل ایک بڑے سنگین پل کے شکستہ آثار پائے جاتے ہیں جو نہر پر تعمیر کیا گیا تھا۔ الفخری کا بیان ہے اور اس پل کے کتبوں سے اس کے قول کی تصدیق ہوتی ہے کہ ۶۲۹ھ (۱۲۳۲ء) میں خلیفہ مستنصر نے یہ پل تعمیر کرایا تھا۔ حربا کے قریب ہی الحظیرہ تھا (یعنے ایسا مقام جس کے گرد احاطہ کھینچ دیا گیا ہو، اور مویشی کو سردی اور ہوا سے بچانے کے لئے وہاں بند کیا جاتا ہو) اس شہر میں کرباس نام ایک مستم کا سوتی کپڑا تیار ہوتا تھا، اور فروخت کے لئے باہر بھیجا جاتا تھا۔ ان شہروں کے علاوہ یاقوت نے اس علاقے کے متعدد مواضع کا جن کی تعداد سو سے اوپر ہے، ذکر کیا ہے، ان میں سے اکثر، مثلاً البلد (شہر) جو الحظیرہ کے قریب تھا، اب بھی نقشے میں موجود ہیں۔ آٹھویں (چودہویں) صدی تک مستوفی نے دُجَیل کے علاقے کا جس کا صدر مقام حربا تھا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ علاقہ بہت زرخیز ہے، اور یہاں کے انار بغداد کے بازاروں میں بہترین سمجھے جاتے ہیں۔

مشرقی کنارے پر واقع تھا، اور اپنے تمام محلوں وغیرہ کو ملا کر دریا کے کنارے سات فرسخ تک چلا گیا تھا۔ مغربی کنارے پر بھی اکثر محل تعمیر ہوئے تھے، کیونکہ ہر ایک خلیفہ نے اپنی زندگی میں ان محلوں اور تفریح گاہوں کی تیاری میں بے شمار دولت صرف کی تھی۔ جس زمین پر خلیفہ معتصم باللہ نے جو ہارون الرشید کا چھوٹا بیٹا تھا ۲۲۱ھ (۸۳۶ء) میں سامرا منتقل ہونے کے بعد اپنا پہلا محل بنوایا تھا، وہ درحقیقت ایک عیسائی خانقاہ (دیر) کی ملکیت تھی، جو الطیرہان کہلاتی تھی۔ خلیفہ نے اسے (۵۰۰) (۵۴) دینار (یعنی پندرہ ہزار روپیہ) دیکر خریدا تھا۔ اس نے اپنے ترکی سپاہیوں کو کرخ اور دریا کے ذرا شمال میں دُور کے مقام پر جاگیریں عطا کیں۔ ان میں سے بعض جاگیریں سامرا کے جنوب میں مطیرہ کی طرف تھیں۔ اس کے بعد خلیفہ نے شہر کی سب سے پہلی جامع مسجد تعمیر کرائی اور اپنے محل کی بنیاد رکھی۔ خلافت کے ہر ایک حصے سے کاریگر جمع کئے گئے، اور ساگوان (ساج) لکڑی کی ایک بڑی تعداد سامرا لائی گئی۔ بصرہ سے کھجور کی لکڑی کی کڑیاں، اور انطاکیہ اور لاذقیہ (Loadicia) سے سنگ مرمر منگایا گیا۔ ایک شاہراہ جس کا الشارع الاعظم کا نام دیا گیا تھا، دریائے دجلہ کے کنارے بنائی گئی۔ اس کے دو طرفہ محلات اور افسروں کی جاگیریں تھیں۔ یہ سڑک مطیرہ سے سیدھی کرخ تک آتی تھی، اور اس سے دوسری سڑکیں نکلتی تھیں، اور متعدد بازاروں کو راستہ جاتا تھا۔ یہیں پر بیت المال کی عمارت اور دوسرے سرکاری دیوان تعمیر کرائے گئے، ان ہی میں ایک دیوان عام) تھا، جہاں خلیفہ ہر پیر اور جمعرات کو دربار منعقد کیا کرتا تھا۔

سامرا میں اپنے محل کی تعمیر کے علاوہ معتصم نے نئے دارالخلافہ کے بالکل مقابل سیر و تفریح کے لئے دریائے دجلہ کے مغربی کنارے پر ایک باغ تیار کرایا تھا۔ اس باغ اور دارالخلافہ کو کشتیوں کے پل کے ذریعہ سے ملا دیا گیا۔ کھجور کے درخت یہاں بصرہ سے لاکر لگائے گئے تھے، اور دوسرے پودے جو اس نواح میں نایاب تھے خراسان اور شام کے دور دراز صوبوں سے منگائے گئے۔ دریا کے مغربی کنارے کی تمام زمینیں نہر اسحاقی کی شاخوں سے سیراب ہوتی تھیں۔ اس نہر کا ذکر اس سے قبل ہو چکا ہے۔ اس کا نکالنے والا معتصم کا صاحب الشرطہ اسحاق بن ابراہیم تھا، جو خیال

باب چہارم

عراق (جاری)

سامرا تکریت۔ نہر نہروان۔ بعقوبا اور دوسرے شہر۔ نہروان کا شہر اور خراسان کی شاہ راہ۔ جلولا اور خانقین۔ بندنیجان اور بیات۔ حدیثہ سے لے کر انبار تک دریائے فرات کے شہر۔ نہر عیسیٰ۔ محوّل، صرصر، نہر الملک، نہر کوثا۔

سامرا نصف صدی سے زیادہ زمانہ کے لئے یعنے ۲۲۱-۲۷۹ھ (۸۳۶-۸۹۲ء) تک سات عباسی خلفاء کا دارالخلافہ رہا۔ عربوں کی فتوحات سے پہلے بھی۔ یہ ایک شہر کی صورت میں موجود تھا۔ اور دارالخلافہ ہونے کی حیثیت سے جو وقتی فوقیت اس کو حاصل ہوگئی تھی اس کے اُٹھ جانے کے بعد بھی ایک مدت تک اس کی اہمیت برقرار رہی اس کا نام ادامی زبانیں سامرا لکھا جاتا ہے۔ لیکن جب خلیفہ معتصم نے اس کو اپنا دارالخلافہ بنایا تو فال نیک کے طور پر اسے عربی میں سُرَّ مَن رَّائی (جس نے دیکھا خوش ہوا) کر دیا۔ چنانچہ اسی شکل میں عباسیوں کے سکوں پر وہ دارالضرب کی حیثیت سے مضروب پایا جاتا ہے۔ لیکن اس نام کے مختلف تلفظ تھے؛ چنانچہ ابن خلکان نے چھ تلفظ گنوائے ہیں۔ بہر حال سب سے زیادہ زبان زد سامرا تھا، اور یاقوت نے اسی لفظ کے تحت اس شہر کے حالات لکھے ہیں +

یعقوبی نے اپنی کتاب میں، جو تیسری (نویں) صدی کے اختتام کے قریب لکھی گئی تھی، سامرا اور اس کے محلوں کے حالات بہت تفصیل سے بیان کئے ہیں عباسیوں کے وہ سات خلفاء جو یہاں مقیم رہے ان کی بیشتر حالت ایسی تھی کہ گویا وہ اپنے ترکی فوج کی نظر بندی میں ہیں، اس لئے یہ خلفاء اس نظر بندی اور بیکاری کے زمانہ میں بڑے بڑے محل اور باغات بنا کر اپنا دل بہلاتے تھے + سامرا کا اصلی شہر دریائے دجلہ کے

میں بغداد منتقل ہو گیا۔ جن محلات کا ذکر اوپر ہوا ان کے علاوہ دوسرے محلوں کے نام بھی مستوفی نے گنوائے ہیں۔ مثلاً ابن سراپیون نے قصر الجص کا ذکر کیا ہے جو معتصم نے نہر اسحاقی پر بنوایا تھا، یاقوت نے بھی متعدد محلوں کا نام لیا ہے، اور اوس بے شمار دولت کا بھی تذکرہ کیا ہے، جو ان محلوں کے بانیوں نے ان پر خرچ کی تھی۔ اس کی مجموعی مقدار اس نے (۲۰۴۰۰۰۰۰) درہم یعنی کم و بیش (۱۲۰۰۰۰۰۰۰) روپیہ بتائے ہیں +

دارالخلافہ کے دوبارہ بغداد میں منتقل ہونے سے قدرتی طور پر سامرّا کی رونق میں کمی آگئی، اور اوس کے اکثر محل بہت جلد ویران اور کھنڈر ہو گئے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے یہاں کے خوبصورت باغوں کی، خصوصاً ان کی جو دجلہ کے مغربی کنارے پر واقع تھے، بہت تعریف کی ہے، لیکن مقدسی لکھتا ہے کہ اس کے زمانہ میں شمال میں کرخ شہر کا سب سے زیادہ آباد اور معمور حصہ تھا۔ سامرّا کی عظیم الشان جامع مسجد اب بھی موجود ہے، اور مقدسی کا قول ہے کہ وہ خوبصورتی اور شان و شوکت میں دمشق کی جامع مسجد کا مقابلہ کرتی تھی۔ اس کی دیواروں پر چینی (مینا) کا کام تھا اس کا فرش سنگ مرمر کا تھا، اور اس کے ستون بھی سنگ مرمر کے تھے، اس کے مینار کی بلندی مشہور تھی۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ یہ اس پہلی مسجد کا مینار تھا جو معتصم نے بنوائی تھی، خلیفہ کی خواہش یہ تھی کہ اذان کی آواز تمام شہر میں سنائی دے۔ چنانچہ یہ مینار اتنا اونچا تھا کہ چاروں طرف سے ایک فرسخ کے فاصلے سے دکھائی دیتا تھا۔ غالباً یہی وہ قدیم مینار ہے جو موجودہ سامرّا کے شمال میں آدھے میل کے فاصلے پر واقع ہے اور منارۂ ملویہ کہلاتا ہے۔ اس کے گرد باہر کی طرف ایک چکردار زینہ ہے۔ کم از کم مستوفی کا یہی خیال ہے کیونکہ اُس نے آٹھویں (چودھویں) کی ابتدا میں لکھا ہے کہ جامع مسجد کے مینار کا طول (۱۷۰) ذرع ہے، اور اس کا زینہ باہر کی طرف ہے، جس کی نظیر اور کہیں نہیں ملتی۔ اسی کا بیان ہے کہ یہ مسجد خلیفہ معتصم باللہ نے تعمیر کرائی تھی۔ (۵۶)

بعد کے زمانے کے مصنف سامرّا کے متعلق ہمارے علم میں کچھ اضافہ نہیں کرتے لیکن اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد کے بعد اس شہر میں شیعوں کی آبادی بہت بڑھ گئی تھی، کیونکہ یہاں شیعوں کے دسویں اور گیارہویں امام یعنی حضرت امام علی الہادی، اور ان کے صاحبزادے حضرت امام حسن عسکری کے مزارات تھے۔ اور اس سے بھی بڑھ کر بات

یہی علاقہ خاص طور سے طیرھان کہلاتا تھا، اور یعقوبی نے اسی کو میدان سامرّا لکھا ہے۔ جب ۲۲۷ھ (۸۴۲ء) میں معتصم باللہ کا انتقال ہوا تو سامرّا اپنے محلوں اور دوسری عمارتوں کی خوبصورتی کے لحاظ سے ہر طرح بغداد کا ہمسر بن گیا تھا۔ اُس کے دو بیٹوں، واثق اور متوکل نے جو اس کی وفات پر یکے بعد دیگرے خلیفہ ہوئے، اپنے باپ کے کام کی تکمیل کی۔ چنانچہ دجلہ کے کنارے پر ہارون الواثق نے وہ محل تیار کرایا جو اوس کے نام پر قصر الہارونی کہلاتا تھا، اور جس کے دونوں جانب مشرق اور مغرب میں ایک بہت بڑا چبوترا تھا۔ واثق نے ہی دریا کے کنارے کی زمین کھدواکر ایک بندرگاہ تیار کرایا، تاکہ بغداد سے آنے والی باربرداری کی کشتیاں بآسانی وہاں اپنا سامان اتار سکیں۔ ۲۳۲ھ (۸۴۷ء) میں واثق کے انتقال کے بعد اس کا بھائی جعفر المتوکل خلیفہ ہوا، وہ پہلے تو اپنے بھائی کے بنائے ہوئے قصر ہارونی میں رہا لیکن ۲۴۵ھ (۸۵۹ء) میں اُس نے اپنے لئے ایک نیا محل کرخ سے تین فرسخ شمال میں بنوانا شروع کیا، اور نئی شاہراہ الشارع الاعظم کو بھی اوس نے اس محل تک آگے بڑھادیا۔ اس کے بعد اس قصر کے گردونواح میں جو بستی قائم ہوئی وہ المتوکلیہ یا قصر جعفری کہلانے لگی۔ قصر جعفری کے آثار اب بھی اُس زاویہ میں ملتے ہیں جو نہر نہروان اور اس کی ایک شاخ سے بنتا ہے۔ الماحوزہ کا قدیم شہر اسی بستی میں شامل ہوگیا تھا۔

معتصم نے اپنے عہد میں جو جامع مسجد بنوائی تھی وہ اب نئے دارالخلافہ کی بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے ناکافی تھی، کیونکہ اب شہر کے مکانات، محلات اور باغات قطیرہ سے دُور تک مسلسل پھیلے ہوئے تھے۔ اس لئے متوکل نے ایک زیادہ وسیع اور خوبصورت جامع مسجد تعمیر کرائی۔ اسی متوکلیہ یا قصر جعفری میں متوکل ۲۴۷ھ (۸۶۱ء) میں اپنے بیٹے منتصر کے اشارے سے قتل ہوا۔ اس کے بعد کے پرآشوب زمانہ میں چار خلفاء نے یکے بعد دیگرے معتصم کے تعمیر کردہ قصر الجوسق میں جو دجلہ کے مغربی کنارے پر سامرّا کے سامنے تھا سکونت رکھی، آخری خلیفہ جو سامرا میں رہا وہ متوکل کا بیٹا معتمد تھا، شروع میں وہ قصر الجوسق میں رہتا تھا، لیکن بعد میں اس نے قصر المعشوق نام ایک نیا محل تیار کرایا، اور یہیں سے وہ اپنی موت سے چند روز پہلے ۲۷۹ھ (۸۹۲ء)

بیان ہے کہ شہر کی فصیل کا دور (۶۰۰۰ قدم تھا، اور اس کے برج اچھی حالت میں تھے، یہ اس وقت کا حال ہے جب وہ ۵۸۰ھ (۱۱۸۴ع) میں تکویت سے گذرا تھا۔ ابن بطوطہ نے بھی یہاں کے بازاروں اور بکثرت مسجدوں کی بہت تعریف کی ہے[1]

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ نہروان کی بڑی نہر تامرّا[2] دُور سے ذرا جنوب میں دریائے دجلہ سے نکلتی تھی۔ اور اپنے بالائی حصہ میں القاطول الکسروی (کسراؤں کی کاٹی ہوئی نہر) کہلاتی تھی، کیونکہ یہ نہر ساسانیوں کے زمانہ میں تیار ہوئی تھی۔ اس نہر سے وہ تمام علاقہ سیراب ہوتا تھا جو دجلہ کے مشرقی کنارے پر سامرا کے جنوب میں سومیل تک واقع تھا۔ ابن سیرابیون نے اس کے کنارے کے بہت سے شہروں کا تذکرہ کیا ہے جن میں پل اور پشتے[3] بندھے ہوئے تھے، لیکن ان میں سے اکثر شہروں کا اب پتہ نہیں ہے، گو نہر کا گذر اب بھی نقشے پر ظاہر کیا جاتا ہے، یہ نہر دُور نامی شہر سے چل کر (جس کو اسی نام کے دوسرے شہروں سے ممیز کرنے کے لئے دُور العربایا دُور الحارث کہا جاتا تھا) جب محلہ متوکلیہ کی پشت اور دوسرے محلوں سے جو سامرا کے شمال میں سے گذرتی تھی تو ایک سنگین پل آتا تھا جو اس پر واقع تھا، پھر یہ نہر ایتاخیہ آتی تھی جو ایتاخ نام ایک ترک کی جاگیر کا گاؤں تھا، اور یہ کسی زمانہ میں خلیفہ معتصم کا سپہ سالار تھا۔ اس جگہ کسی زمانہ میں ایک خانقاہ تھی اور دیرا بوالصفرۃ کہلاتی تھی یہیں مشہور پل قنطرۂ کِسرادِیَہ (کسرے کا پل) تھا۔ خانقاہ کا نام مشہور خارجی ابوصفرہ پر رکھا گیا تھا اس کے بعد نہر نہروان المحمّدیہ سے گذرتی تھی۔ یہ ایک چھوٹا سا شہر تھا، اور یہاں نہر کو عبور کرنے کے لئے چھوٹی کشتیوں کا پل (جسر زوارق) بنا ہوا تھا[4]۔ یاقوت کے مطابق

[1] اصطخری ص ۷۷، ابن حوقل ص ۱۵۶، مقدسی ص ۱۲۳، ابن جبیر ص ۲۳۲، مستوفی ص ۱۴۰، ابن بطوطہ ج ۲ ص ۱۳۳۔

[2] قطل = قطع۔ مترجم

[3] عربی: شاذروان، انگریزی Weir مترجم

[4] واضح ہو کہ جسر سے مراد ہمیشہ کشتیوں کا پل ہوتی ہے، اور قنطرہ سے پکا پل، شاذروان جس کا ترجمہ پشتہ کیا گیا ہے اصل میں اس سے دریا یا نہر کے گذر گاہ کا وہ حصہ مراد لیا جاتا تھا جہاں پتھر کا فرش بنا کر پانی کے روکنے کو

یہیں کہیں وہ مسجد تھی جسکے تہ خانہ میں، شیعوں کی روائت کے مطابق ۲۶۴ھ (۸۷۸ء) میں ان کے بارھویں امام غائب ہوگئے تھے۔ جن کے متعلق خیال تھا کہ وہی مہدی بن کر واپس آئیں گے، اور دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے، اسی وجہ سے ان کو امام منتظر کہا جاتا ہے۔ ان اماموں کے مزار شہر کے جس حصے میں تھے وہ عسکر معتصم (معتصم کی فوجی چھاؤنی) کہلاتا تھا، اور اسی وجہ سے حضرت امام حسن[ؑ] (گیارھویں امام) کے نام کیساتھ عسکری کے لفظ کا اضافہ ہوگیا تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے ابتدا میں مستوفی نے جو شیعہ تھا، خاص طور پر ان مزاروں کا ذکر کیا ہے۔ اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان مزاروں کے قریب جو جامع مسجد تھی اس میں اس مینار کے علاوہ جس کا ذکر ہو چکا ہے، پیالہ کی شکل کا ایک سنگین حوض تھا، جسے طاس فرعون کہتے تھے۔ اس کا دور (۲۳) قدم بلندی سات ذرع اور ضخامت نصف ذرع تھی۔ یہ طاس صحن مسجد کے وسط میں وضو کے لئے حوض کا کام دیتا تھا، اور اوسے خلیفہ معتصم نے تیار کرایا تھا۔ لیکن مستوفی نے لکھا ہے کہ اس کے زمانہ میں سامرا کا بہت سا حصہ برباد ہو چکا تھا، اور کچھ حصہ آباد تھا۔ اس کے بیان کی تصدیق ابن بطوطہ سے ہوتی ہے۔ جو مستوفی کا ہم عصر تھا، اور یہاں ۷۳۰ھ (۱۳۳۰ء) میں آیا تھا[۱]۔

تکریت، جو سامرا سے تیس میل شمال میں دجلہ کے مغربی کنارے پر واقع تھا عام طور پر عراق کا آخری شہر سمجھا جاتا تھا، اور اپنے قلعے کی وجہ سے شہرت رکھتا تھا، جو دریا کے کنارے بلندی پر واقع تھا۔ ابن حوقل چوتھی (دسویں) صدی میں لکھتا ہے کہ اس شہر میں عیسائیوں کی آبادی کثرت سے تھی۔ اور وہاں ان کی ایک بڑی خانقاہ بھی تھی۔ مقدسی کہتا ہے کہ یہاں کے اون کے کام کرنے والے مشہور تھے، اور اوس کے قرب و جوار میں تل کی کاشت بکثرت ہوتی تھی۔ مستوفی نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ باوجود سرد آب و ہوا کے یہاں تربوز کی سال میں تین فصلیں ہوتی تھیں۔ ابن جُبیر اندلسی کا

---

[۱] بلاذری ص ۲۹۷، ۲۹۰ + یعقوبی ص ۲۵۵-۲۶۸ + ابن خرداذبہ ص ۹۴ + ابن سراپیون ص ۱۸ + اصطخری ص ۸۵ + ابن حوقل ص ۱۶۶ + مقدسی ص ۱۲۲، ۱۲۳ + ابوالفدا ص ۲۸۹ + یاقوت ج ۳۔ ص ۱۴-۲۲، ۱۷۵ + ج ۵۔ ص ۱۱۰ + ابن خلکان ۳۰ ص ۱۵ + مستوفی ص ۱۳۹ + ابن بطوطہ ج ۲۔ ص ۱۳۲ +

جہاں وحشی جانور رہا کرتے تھے۔ یہ شہر بعقوبا اور دقوقا کے درمیان واقع تھا۔ یاقوت بغداد سے اِربل جاتے ہوئے۔ طقطقی سے گذرا تھا' اس کا بیان ہے کہ یہاں کہیں آبادی کا نام نہ تھا' رات کے وقت یہ نوبت ہوئی کہ قافلے کے رہنما کو قطب ستارے کی مدد سے یہ معلوم کرنا پڑا کہ کس سمت کو جانا ہے' اور صبح کے ہوتے ہوتے قافلے نے ویران میدان کو طے کر لیا۔

(۵۹) جس مقام پر ان تینوں نہروں میں سے آخری نہر یعنے ابوالجند نہروان سے ملتی تھی اُس سے چار فرسخ جنوب میں صُولا یا صَلوا کا شہر تھا جو باب صَلوا یا باصلوا بھی کہلاتا تھا۔ اس کے جنوب میں بغداد سے تقریباً دس فرسخ شمال کی طرف نہروان کے بالائی علاقہ کا صدر مقام بعقوبا واقع تھا۔ بعقوبا کے مقام پر قاطول کی بڑی نہر کا نام بدل کر تامرّا ہو جاتا تھا۔ اسی نام سے یہ نہر باجسرا کے مقام سے گذرتی ہوئی جسر نہروان نامی شہر پر سے گذرتی تھی' اور اس کے بعد یہ نہر خاص طور پر نہر نہروان کہلاتی تھی۔ باجسرا جو بیت الجسرا کی آرامی شکل ہے' ایک مزرعہ میدان میں واقع' اور کھجور کے درختوں سے گھرا ہوا تھا۔ اس کے قریب تامرّا کے دائیں کنارے سے ایک نہر جو نہر خالص کہلاتی تھی نکلتی تھی' اور بغداد کے شمال میں بردان کے مقام پر دریائے دجلہ میں جا ملتی تھی' یہی نہر خالص تھی جس کا پانی مشرقی بغداد کے اکثر نہروں میں پہنچتا تھا۔

جسر نہروان' یعنی پل والے شہر کا ذکر ابھی کیا جائے گا۔ اس شہر میں سے خراسان کی شاہ راہ جو بغداد سے آتی تھی گذرتی تھی' اور یہیں سے ایک نہر یعنی نہر نہروان کی دائیں کنارے سے نکلتی تھی' اور کلواذا کے مقام پر دریائے دجلہ میں گر جاتی تھی اس نہر سے مشرقی بغداد کے جنوبی محلوں کی نہروں کو پانی پہنچتا تھا۔ جسر نہروان کی ایک میل جنوب میں نہر دیالا نہر نہروان سے جنوب کی طرف چلتی تھی اور مشرقی بغداد کے باغوں کو سیراب کرتی ہوئی دارالخلافہ سے تین میل جنوب میں دریائے دجلہ سے مل جاتی تھی۔

جسر نہروان کے جنوب سے اس زبردست نہر کا قطعی طور پر نہروان نام ہو جاتا تھا۔ اور شمالی شاذروان سے گذر کر وہ جسر بوستان آتی تھی۔ اس پل کا نام

ایتاخیہ کا نام ہی متوکل نے اپنے بیٹے محمد المنتصر کے نام پر بدل کر محمدیہ رکھ دیا تھا۔ ان مقامات سے ذرا ہی جنوب میں تین اور چھوٹی نہریں (قاطول) یعنے نہر یہودی نہر ماموئی اور نہر ابو الجند نہروان کی نہر میں ملتی ہیں۔ یہ تینوں نہریں مطیرہ کے قریب سامرا کے جنوب میں دریائے دجلہ کے بائیں کنارے سے نکلتی تھیں اور اس شہر کے جنوبی علاقے کی زرخیز زمینوں کو سیراب کرتی تھیں۔ ان کے مقام اتصال سے ذرا شمال میں نہروان کی نہر کے بہت سے پشتوں (شاذروان) میں سے پہلا پشتہ آتا تھا اور جہاں پہلی نہر یعنے نہر یہودی آکر نہروان سے ملتی تھی وہیں ماموئیہ کا بڑا قریہ آباد تھا۔ مطیرہ اور ماموئیہ کے درمیان نہر یہودی کو عبور کرنے کے لئے ایک پختہ پل قنطرہ وصیف موجود تھا۔ وصیف خلیفہ معتصم کی ترکی فوج کا ایک افسر تھا جسے بعد کے عہد میں بہت رسوخ اور اثر حاصل ہوگیا تھا۔ دوسری نہر ماموئی ایک گاؤں کے پاس جس کا نام القناطیر (جمع قنطرہ=پل) تھا نہر نہروان میں گرتی تھی تیسری نہر ابو الجند کو۔ یہ نام اس لئے دیا گیا تھا کہ اس علاقے کی پیداوار جسے یہ نہر سیراب کرتی تھی فوج (جند) کے سپاہیوں کے آذوقہ کے لئے مخصوص تھی۔ یہی نہر تینوں نہروں میں سب سے بڑی تھی۔ اسے ہارون الرشید نے کھدوایا تھا اور کام کی نگرانی کے وقت وہاں اپنے لئے ایک محل بھی تعمیر کرایا تھا۔ اس کے کنارے پر طفر کا شہر آباد تھا اور نہر کو عبور کرنے کے لئے یہاں کشتیوں کا پل تھا۔ یاقوت ساتویں (تیرھویں) میں بذات خود یہاں آیا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں طفر ایک بے آب و گیاہ میدان میں واقع تھا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۵) پشتے بنا دیتے تھے۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ بعض مرتبہ جسر سے مراد بلا شک وشبہ پکے پل سے ہوتی تھی۔ مثلاً مشہور جسر الولید یہ دو محراب دار پل تھا جو دریائے سیحان (Sarus) پر اذنہ (Adana) اور ماپسوستا (Mopsuestia) کے درمیان قیصر جسٹینین نے تعمیر کرایا تھا۔ لفظ قنطرہ کا اطلاق بعض مرتبہ ہر ایک محراب دار عمارت پر ہوتا تھا مثلاً پل اگر محرابدار ہو یا پانی کے گذرنے کا راستہ جو محرابوں پر قایم کیا گیا ہو ان سب کو قنطرہ کہتے ہیں۔ اصل میں قنطرہ لاطینی لفظ (Centrum) سے معرب کیا گیا ہے اور سنٹرم کے معنے کسی پل کے درمیانی محراب کے ہیں لیکن رفتہ رفتہ اس لفظ کا اطلاق تمام پل پر ہونے لگا۔

اس طرح سے نہر نھروان کے یہ تینوں ٹکڑے (یعنی قاطول تامرّا اور نھروان خاص) مع اپنی تینوں معاون نہروں (یعنی نہر خالص، نہر بین اور نھر دیالا) کے مشرقی بغداد کو سیراب کرنے کے بعد پھر دجلہ میں آملتے تھے۔ بہرحال ابن سراپیون نے نہروں کے اس الجھے سوت کو اسی طرح سلجھایا ہے۔ اس کے بعد کے زمانہ میں یہ نام اس طرح عائد نہیں ہوتے تھے، جس طرح اُس نے عائد کئے ہیں۔ اگر موجودہ نقشے پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ نہر نھروان، جو دو سو میل لمبی تھی، یقیناً ایران کی سطحات مرتفع سے آنے والی تمام ندیوں کا پانی سمیٹ لیتی ہوگی۔ اور اگر یہ نہ ہوتی تو سیلاب کے وقت ان ندیوں کا پانی دریائے دجلہ میں اُس کے بائیں کنارے کی طرف سے آکر شامل ہو جاتا۔ تامرّا والا ٹکڑا ان ہی ندیوں کے قبیل سے تھا۔ چنانچہ یاقوت نے ذکر کیا ہے کہ اس کی گذرگاہ کو سات فرسخ تک پختہ بنا دیا گیا تھا، تاکہ ریت اس کا پانی جذب نہ کر سکے کیونکہ اسی پانی سے مشرقی بغداد کے بہت سے حصے سیراب کئے جاتے تھے۔ اس کے بیان کے مطابق نہر خالص اور نہر دیالا دونوں تامرّا کی شاخیں تھیں۔ (بہرکیف جس نہر خالص کا ذکر عرب جغرافیہ نویس کرتے ہیں، وہ موجودہ زمانہ کا دریائے خالص نہیں ہو سکتا، کیونکہ اب یہ بعقوبا سے کچھ دور اس کی شمالی مغربی سمت کو بہتا ہے)۔ یاقوت کے زمانے میں خالص اس علاقے کا نام تھا جو خراسان کی سڑک کے شمال میں واقع تھا، اور جو ایک سمت میں مشرقی بغداد کی دیواروں تک پہنچتا تھا + تیسری (نویں) (۶۹) صدی میں ابن رستہ اور ابن خرداذبہ اُس پہاڑی ندی کو نہر کہتے ہیں، جو صلوا کے مقام پر قاطول اعظم سے آکر ملتی تھی۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی لکھتا ہے کہ نھروان دریائے دیالا کا نام ہے، جو کردستان کے پہاڑوں سے نکلتا ہے، اور دو دریاؤں سے مل کر بنتا تھا۔ یہ دو دریا شیروان اور حلوان تھے۔ شیروان کا نام آخر میں تیمرّا ہو گیا تھا، اور دریائے حلوان قصر شیرین اور خانقین کے پاس سے ہو کر گذرتا تھا، اور یہ دونوں دریا بعقوبا کے شمال میں ملتے تھے، اور یہیں پہ وہ نہر نھروان میں شامل ہو جاتے تھے۔

نھروان کا شہر جو جسر نھروان (نھروان کا پل) بھی کہلاتا تھا، بغداد سے چل کر خراسان کی شاہراہ پہ پہلا پڑاؤ تھا، اور اگرچہ آج کل اس شہر کا نشان محض ایک مقام

خلیفۂ مامون عباسی کی مشہور و معروف ملکہ بوران کے نام پر رکھا گیا تھا۔ اس کے جنوب میں بَرزاطیہ (یا غالباً بَرزاطیہ) تھا اور پھر عبرتا کا شہر تھا[1] جس کے متعلق یاقوت نے لکھا ہے کہ وہ ایرانی شہر تھا اور اس میں بڑے بڑے بازار تھے۔ عبرتا کے اور جنوب میں جنوبی شاذُرْوان اور اس کے بعد بنی جُنید کا شہر اِسکاف یا اُسکاف [اِسکاف بنی جُنید] تھا۔ یہ شہر نہر کے دونوں کناروں پر آباد تھا۔ بنی جُنید کے متعلق یاقوت راوی ہے کہ وہ اس علاقہ کے رؤسا، اور شیوخ، اور مہمان نوازی میں مشہور تھے۔ یاقوت نے یہ بھی لکھا ہے کہ ساتویں (تیرھویں) صدی میں جب اوس نے اپنی کتاب لکھی ہے تو اِسکاف کے گرد و نواح کی تمام زمینیں بالکل غیر مزروعہ ہو چکی تھیں۔ کیونکہ گذشتہ دو صدیوں کے دوران میں نہروان کی نہر مٹی اور ریت سے اٹ گئی تھی، اور سلاطین سلجوق، اپنی خانہ جنگیوں میں اس قدر مصروف تھے کہ وہ اسے صاف کرانے اور بندوں کی مرمت کی طرف توجہ نہ کر سکے۔ وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ "ان کی فوجوں نے اس نہر کو سڑک بنا لیا ہے، جس کی وجہ سے یہ نہر اور اس کا علاقہ دونوں برباد ہو گئے ہیں"۔

اُسکاف کے بعد تقریباً ساٹھ میل تک نہر نہروان مسلسل قریوں اور دیہات سے گذرتی ہوئی آخر ماذرایا پہنچتی تھی، جہاں وہ دجلہ میں مل جاتی تھی۔ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ ماذرایا جبل کے جنوب اور المبارک کے شمال میں تھا اور المبارک کا شہر نہر سابُس کے شہر کے سامنے آباد تھا۔ جب یاقوت نے اپنی کتاب لکھی ہے تو یہ بالکل اجڑا ہوا شہر تھا، اور اس کا نام بھی اب نقشوں میں درج نہیں کیا جاتا۔ لیکن وہ یقیناً اسی مقام پر ہوگا جہاں آج کل کوط العمارہ آباد ہے، یعنی وہ مقام جہاں سے آج کل دریائے دجلہ دریائے شط الحی کے راستے سے الگ ہوتا ہے[2]۔

---

[1]۔ نقشے میں پہلے عبرتا اور پھر برزاطیہ آتا ہے۔ مترجم)

[2]۔ برزاطیہ غالباً وہی مقام ہے جو آج کل برزطیہ کہلاتا ہے، اور عبرتا کے شمال میں واقع ہے+ یعقوبی ص ۳۲۱ + ابن سراپیون ص ۱۹، ۲۰ + بلاذری ص ۲۹۷ + ابن رستہ ص ۹۰ + ابن خردادبہ ص ۱۷۵ + مسعودی (تنبیہ) ص ۵۲ + یاقوت ج ۱ ص ۲۵۲، ۲۵۴ + ج ۳ ص ۵۲۹، ۶۰۴ + ج ۴ ص ۱۲، ۱۸، ۲۳۰ +

معلوم ہوتا ہے، جہاں خسرو پرویز ساسانی کا وہ عالیشان محل تھا جسے قسطنطنیہ کے قیصر ہرقل نے ۶۲۳ء میں لوٹ کر جلا دیا تھا، اس محل کو جس کے کھنڈر بظاہر چوتھی (دسویں) صدی تک دسکرۃ کیسردیہ کے نام سے مشہور تھے، ایک سیاح ابن مہلہل نے دیکھا تھا (جس کی عبارت کو یاقوت نے نقل کیا ہے) ابن مہلہل کا بیان ہے کہ اس وقت ان کھنڈروں میں ایک عجیب وغریب عمارت نظر آتی تھی، جس میں بہت سے اطاق اور کمرے اس خوبی سے بنائے گئے تھے کہ ان کی دیواریں ایک سالم پتھر سے تراش کر نکالی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ یہ تو ایرانی شہر کا حال تھا۔ عربی شہر کے متعلق ابن حوقل چوتھی (دسویں) صدی میں لکھتا ہے کہ دسکرہ میں غالباً عربوں کا تعمیر کردہ ایک مضبوط قلعہ تھا، اور مقدسی کہتا ہے کہ یہاں ایک چھوٹی سی منڈی اور ایک جامع مسجد تھی، جس کی چھت گنبد نما تھی۔ دسکرہ سے تھوڑی ہی دور پر شہرابان کا قصبہ تھا، جس کا ذکر یاقوت اور مستوفی دونوں نے کیا ہے۔ مستوفی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اسی گاؤں اس شہر سے متعلق تھے، اور اس کی بنیاد خسروان ساسانی میں سے کسی کی بیٹی گلبن نے ڈالی تھی۔

شاہراہ خراسان پر اس کے بعد کی منزل جلولا کا شہر تھا، جس کے گرد درخت بکثرت تھے، مگر شہر کے گرد فصیل اور مورچے نہ تھے۔ قریب ہی ھاروننیہ گاؤں کے پاس کسی ساسانی خسرو کا بنایا ہوا پتھر کا پل تھا، جس کی چنائی میں پتھروں کو سیسے سے جوڑا گیا تھا۔ یاقوت راوی ہے کہ یہ پل اس دریا پر تھا، جس میں سے کشتیاں بعقوبا اور باجسرا کو جاتی تھیں۔ تاریخ میں جلولا کی شہرت اس وجہ سے ہے کہ یہاں ۱۶ھ (۶۳۷ء) میں مسلمانوں نے ایرانیوں کو شکست دی تھی، اور بادشاہ یزدجرد کو بالکل تباہ ہو کر بھاگنا پڑا تھا۔ بعد کے زمانے میں مستوفی نے اس مقام کو رباط جلولا لکھا ہے کیونکہ یہاں ملک شاہ سلجوق نے ایک رباط تعمیر کرایا تھا۔ آج کل جلولا کے مقام پر قزل رباط (سرخ رباط) آباد ہے۔ جلولا کے مشرق میں خانقین کا شہر تھا، مقدسی کا بیان ہے کہ یہ شہر حلوان کی سڑک پر تھا۔ ابن رستہ لکھتا ہے کہ یہاں دریا پر پڑاؤ سے کی پکی ہوئی مضبوط اینٹوں کا بنا ہوا کئی محرابوں کا ایک پل تھا۔ خانقین کے قریب روغن نفط کا ایک چشمہ تھا جس سے بہت محصول وصول ہوتا تھا۔ یاقوت نے مذکورہ بالا پل کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس زمانہ یعنی ساتویں (تیرھویں) صدی میں اس کی چوبیس محرابیں تھیں اور

چھوٹے سے گاؤں سِفوَہ میں رہ گیا ہے، لیکن قدیم زمانہ میں یہ شہر بہت بڑا سمجھا جاتا تھا۔ تیسری (نویں) صدی میں ابن رستہ نے لکھا ہے کہ نہروان کا شہر نہر کے دونوں کناروں پر آباد تھا، شہر کے مغربی حصے میں بڑے بڑے بازار، ایک جامع مسجد اور آب پاشی کے لئے بہت سے رہٹ (دُولاب) تھے؛ شرقی حصے میں بھی ایک دوسری جامع مسجد اور بازار تھے اور جامع مسجد کے گرد بہت سی سرائیں تھیں، جہاں حاجی اور دوسرے مسافر ٹھیرا کرتے تھے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے اس شہر کے گرد و نواح کی زرخیز زمینوں کا ذکر کیا ہے، اور مقدسی لکھتا ہے کہ اس کے زمانہ میں شہر کا شرقی حصہ سب سے زیادہ آباد تھا اور اسی حصے کی جامع مسجد عام طور پر استعمال ہوتی تھی۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں جب مستوفی نے اپنی کتاب لکھی ہے تو اس وقت نہروان کا شہر برباد ہو چکا تھا، کیونکہ خراسان کی شاہراہ اس شہر میں سے گذرنے کے بجائے اب شمال کی سمت میں یعقوبا کے پاس سے گذرتی تھی۔ گرد و نواح کا زرخیز علاقہ اس وقت بھی طریق خراسان کہلاتا تھا۔ مستوفی کا بیان ہے کہ اس علاقے کا صدر مقام یعقوبا کا شہر تھا، اور اس شہر میں باغوں اور نخلستانوں کا ایک سلسلہ تھا، ان میں کھجوروں اور نارنگیوں کی فصلیں بڑی اعلیٰ درجہ کی اُٹھتی تھیں[1]۔

بَرَازالرُّوز (یعنے چانولوں کے کھیت) کا شہر جو اب بلادالرُّوز کے نام سے مشہور ہے، نھروان کے شہر کے شمال مشرق میں واقع تھا، اور یاقوت نے اس شہر کا ذکر کیا ہے۔ خلیفہ معتضد باللہ عباسی نے یہاں ایک محل تعمیر کرایا تھا؛ یہ شہر رَاذان کے علاقہ میں شمار ہوتا تھا، اور خراسان کی شاہراہ سے مشرق کی طرف واقع تھا۔ اس شہر کا ذکر مستوفی نے بھی کیا ہے۔ شہر نھروان سے آگے بڑھ کر خراسان کی شاہراہ پر دوسری منزل دَسکرۃ المَلِک کا مقام تھا، ابن رستہ اسے ایک بڑا شہر بتاتا ہے، جہاں ساسانی عہد کی تعمیر شدہ فصیل سے گھرا ہوا ایک قلعہ تھا، جس میں داخل ہونے کے لئے مغرب کی سمت میں صرف ایک دروازہ تھا۔ جائے وقوع کے لحاظ سے یہ "شاہی دسکرہ" مشہور و معروف دَستگرد

---

[1] ابن رستہ ص ۹۰، ۱۶۳ + ابن خرداذبہ ص ۱۷۵ + اصطخری ص ۸۶ + ابن حوقل ص ۱۶۷ + مقدسی ص ۱۲۱ + یاقوت ج ۱ ص ۱۲، ۵۸۱ + ج ۲ ص ۳۹۰، ۸۳۸ + مستوفی ص ۱۳۹، ۱۴۱، ۲۱۶ +

صدر مقام بَنْدَنیجان تھا، جو فارسی میں وَنْدْ نیگان کہلاتا تھا۔ اور مستوفی کہتا ہے کہ اس کے زمانہ میں اُسے بَنْدَ نیگان کہتے تھے۔ یہ لحف (دامن کوہ) کے علاقہ میں ہتا۔ جہاں کُردستان کے سلسلۂ کوہ کی نیچی پہاڑیاں پھیلی ہوئی تھی، دریا جو اس علاقے میں بہتا تھا وہ اَرْوَجان سے آتا تھا۔ ابن خرداذبہ کے مطابق بند نیجان اور بَرْلَزُالرّوذ دونوں ایک ہی شہر سمجھے جاتے تھے۔ بیَاتْ کا ذکر جس کے کھنڈر اب بھی پائے جاتے ہیں مستوفی نے کیا ہے، اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس کا دریا جس کا نکاس کردستان کے پہاڑوں سے تھا، دِجلہ تک پہنچنے سے پہلے ہی ہموار زمین میں آکر غائب ہوجاتا تھا، اور گو اس کا پانی کھاری تھا، لیکن بہت سی زمینیں اس کے پانی سے سیراب ہوتی تھیں۔ بیَات بظاہر شہر اَلطِّیب معلوم ہوتا ہے جس کا ذکر ابن حوقل نے کیا ہے، اور جہاں نہایت عمدہ پٹیاں اور منی پٹیوں کے مشابہ تیار ہوتی تھیں۔ عباسیوں کے زمانہ میں یہ شہر کسی قدر مشہور مقام تھا۔ اس کے کھنڈر بیاتْ کے قریب ہی ملتے ہیں، یاقوت کہتا ہے کہ اُس کے زمانہ میں طِیبْ کے باشندے نبطی تھے، اس وقت تک اپنی آرمی بیان بولتے تھے، اور اپنے آپ کو حضرت شیث کی اولاد بتلاتے تھے[1]۔ (۶۴)

اب عراق کے اُن شہروں کا ذکر کیا جاتا ہے جو دریائے فُرات کے کنارے اور فرات اور دجلہ کی درمیانی نہروں کے کناروں پر آباد تھے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے اگر ایک سیدھا خط تکریت کے مقام پر دجلہ کے دریا سے مغرب کی طرف فرات تک کھینچا جائے تو یہ خط دریائے فرات کو عانہ سے کچھ جنوب میں اس مقام پر قطع کرے گا جہاں سے فرات یک دم مڑکر جنوب کے رخ سے بہنے لگتا ہے؛ اور یہی خط بقول مستوفی جزیرہ اور عراق کے مابین ایک حد فاصل تصور کیا جاسکتا تھا۔ اسی خط کے جنوب سے بابل کی زرعی زمین یعنے سَوَاد شروع ہوتا ہے، اور شمال میں شمالی میسوپوٹیمیا کا زیادہ کوہستانی علاقہ شروع ہوتا ہے۔ اس علاقۂ سَوَاد میں عانہ سے (۳۵) میل جنوب میں اَلحَدِیثہ

[1] ابن خرداذبہ ص ۶ + اصطخری ص ۹۴ + ابن حوقل ص ۱۷۶ + یاقوت ج ۱ ص ۲۳۰، ۷۵۹، ۸۴۵، ۸۷۷، ج ۳ ص ۵۶۶ + ج ۴ ص ۳۵۳ + مستوفی ص ۱۳۷، ۱۳۸، ۲۲۰ + بندنیجان کے علاقہ بادرایا اور مغربی بغداد کا جنوبی علاقہ بادوریا دونوں الگ الگ اضلاع ہیں، ان کو غلطی سے ایک نہ سمجھ لینا چاہیے۔

اُسی پر سے خراسان کی شاہراہ گذرتی تھی۔ آٹھویں صدی میں جب مستوفی نے اپنی کتاب لکھی ہے تو خانِقین کا شہر بالکل برباد ہو چکا تھا، اور اس وقت صرف ایک چھوٹے سے گاؤں کی صورت میں باقی تھا، لیکن اس کا علاقہ اس وقت بھی نہایت زرخیز تھا۔

خانِقین سے چھ فرسخ آگے قصرِ شیرین واقع تھا۔ یہ اس راستہ کے بالکل وسط میں تھا جو حُلوان کو جاتا تھا، اور اس راستہ پر حُلوان پہلا شہر تھا جو صوبۂ جبال میں مسافر کو ملتا تھا۔ قصرِ شیرین کا نام خسرو پرویز کی مشہور و معروف ملکہ کے نام پر رکھا گیا تھا۔ یہاں پر فصیل سے گھرا ہوا ایک بڑا قصبہ اور ایک ساسانی محل کے کھنڈر تھے، اس کے متعلق تیسری (نویں) صدی میں ابن رُستہ نے لکھا ہے کہ اس میں پکی اینٹوں کا محراب دار ایک وسیع دالان تھا اور اوس کے گرد اور متعدد کمرے تھے، جن کی دیواریں نہایت مضبوط تھیں۔ اس بڑی محراب والے وسیع کمرے کے سامنے ایک بڑا چبوترا تھا، جس پر سنگ مرمر کی سلوں کا فرش تھا۔ یاقوت اور مستوفی نے قصرِ شیرین کا جس کے کھنڈر اب بھی ملتے ہیں نہایت تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ یہاں یہ بھی ذکر کر دینا ضروری ہے کہ اس کے گرد و نواح کے علاقے میں بہت سے نام ایسے پائے جاتے ہیں جن سے شیریں کے عاشق فرہاد کوہکن (بلباد مغنی) اور خسرو پرویز کے مشہور گھوڑے شبدیز کی حکایتوں کی یاد تازہ ہوتی ہے۔[1] قصرِ شیرین کے قریب بلند پہاڑوں کی وہ دیوار ہے جہاں سے ایران کی سطح مرتفع شروع ہو جاتی ہے۔

حُلوان جو خراسان کی شاہراہ پر دوسرا پڑاؤ ہے، اور جو پہاڑوں کے درے میں داخل ہوتے ہی آتا ہے، اکثر عراق کا شہر سمجھا جاتا ہے۔ اس شہر کے حالات ہم کو آگے ملیں گے۔

شاہراہِ خراسان کے جنوب میں خوزِستان کی سرحد پر بَنْدَنِیجان اور بیات کے دو بڑے شہر تھے۔ بَنْدَنِیجان اب نقشوں پر نہیں ملتا۔ یہ مقام بادرایا اور باکسایا کے علاقوں کا سب سے بڑا شہر تھا۔ باکسایا کا گاؤں اب بھی موجود ہے، اور ضرور ہے کہ اُسی کے قریب بَنْدَنِیجان واقع ہوگا۔ یہ دونوں علاقے نہر نہروان کے پار شمال مشرق میں تھے، اور اُن میں بہت سے زرخیز گاؤں شامل تھے۔ یاقوت کے بیان کے مطابق اُن کا

---

[1] ابن رُستہ ص ۱۶۴ + اصطخری ص ۸۷، ۱۰۰ + مقدسی ص ۱۲۱ + قزوینی ج ۲ ص ۲۹۵ + یاقوت ج ۱ ص ۵۳۴ + ج ۲ ص ۱۰۷، ۲۹۴، ۵۸۳، ۸۱۳ + ج ۴ ص ۱۱۲ + مستوفی ص ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۹۳ +

نیچے جاتے تھے۔ خاص کر گنبے قریب کے ایک شہر شفاثا سے بہت نیچے جاتے تھے۔ لیکن عین التمر اور شفاثا دونوں شہروں کے صحیح جائے وقوع حال معلوم نہیں ہے[1]

ہیت سے بارہ فرسخ جنوب میں الوبّ کا گاؤں تھا۔ یہ مقام وہ تھا جہاں سے چوتھی (دسویں) صدی سے بھی قبل دُجیل کی (پرانی) نہر دریائے فرات سے نکلتی تھی۔ یہ نہر شرق کی طرف چلکر مَسکِن اور قطربُل کے علاقوں کو سیراب کرنے کے بعد مغربی بغداد کی شمالی بستیوں میں پہنچتی تھی۔ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ (پرانی) دجیل کا یہ مغربی حصہ جلد مٹی سے اٹ گیا۔ چنانچہ جب ۳۴۰ھ (۹۵۱ء) میں اصطخری نے اپنی کتاب لکھی ہے تو دُجیل کی ندی دِجلہ سے اس مقام سے پانی لیتی تھی جو قادِسیہ کے سامنے تھا اس کا ذکر ہم علاقہ مِسکن کے بیان میں کر چکے ہیں۔ الانبار (غلے کا گنج) فرات کے مغربی کنارے پر تھا اور عباسی عہد میں عراق کے بڑے شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ یہ اسلامی فتوحات سے پہلے کا شہر تھا، اور ایرانی اسے فیروز سابوذ (یا فیروزسابور۔ یونانی پری سابور) کہتے تھے، کیونکہ اس کا بانی شاپور تھا[2] عربوں کے زمانہ میں فیروز سابور کے نام کا اطلاق گرد و نواح کے علاقے پر ہونے لگا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس کا نام الانبار (غلے کا گنج) اس وجہ سے پڑ گیا تھا کہ قدیم ایرانی بادشاہوں نے یہاں اپنی فوج کے لئے گیہوں، جوار اور بھوسے کا ذخیرہ جمع کیا تھا۔ عباسیوں کے پہلے خلیفہ سفاح نے انبار کو کچھ مدت کے لئے اپنا دارالخلافہ بنایا تھا، اور اوس نے یہیں اپنے تعمیر کردہ محل میں وفات پائی تھی۔ اس کا بھائی منصور بھی چند روز یہیں رہا تھا؛ اور اس کے بعد جب عباسیوں کا نیا دارالخلافہ بغداد تعمیر ہونے لگا تو وہ وہاں جا رہا۔ مستوفی نے یہ روایت بیان کی ہے کہ جب یہودیوں کو نبوکدنزر بیت المقدس سے قید کر کے بابل لایا تھا، تو انہیں انبار ہی میں نظر بند کیا گیا تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں اس کے بیان کے مطابق شہر کی فصیل کا دور (۵۰۰۰) قدم تھا۔

(۶۶)

[1] ابن سراپیون ص ۱۰، ۱۳ + ابن رستہ ص ۱۰۷ + قدامہ ص ۲۱۷ + بلاذری ص ۱۰۹ + اصطخری ص ۷۷ + ابن حوقل ص ۱۵۰ مقدسی ص ۱۷۱، ۱۲۴، ۱۳۵ + یاقوت ج ۱ ص ۳۵۲ + ج ۱ ص ۲۲۴۔ ج ۳ ص ۵۹، ج ۴ ص ۲۱، ۷۶ + مستوفی ص ۱۴۱، ۱۴۳ +

[2] سابور فارسی شاہ پور کا معرب ہے۔ یونانی اسے ساپور (Sapor) کہتے تھے۔

سب سے زیادہ شمالی شہر ہے۔ اس لفظ کے معنی "نئے شہر" کے ہیں۔ اور دریائے دجلہ کے حدیثہ سے ممیز کرنے کے لئے اسے الحدیثۃ النُورہ (کھریا مٹی والا نیا شہر) کہتے تھے۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ اس شہر میں ایک مضبوط قلعہ تھا، جو دریائے فرات سے گھرا ہوا تھا، اور یہ شہر اسلامی فتوحات کو زیادہ مدت نہیں ہوئی تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں تعمیر کیا گیا تھا، مستوفی نے لکھا ہے کہ یہ شہر جائے وقوع اور آب و ہوا کے لحاظ سے بالکل تکریت کا مقابل اور ضد تھا۔ حدیثہ اور ہیت کے درمیان دریا کے بہاؤ کی جانب اَلُوسہ اور اَلنُّوسہ کے دو شہر ایک دوسرے سے سات فرسخ کے فاصلے پر واقع تھے ان میں سے اَلُوسہ جسے یاقوت نے چھوٹا سا شہر بتایا ہے، اب بھی باقی ہے۔ اسلامی فتوحات کی تاریخ میں ان دونوں شہروں کا اکثر ذکر آیا ہے؛ اس کے علاوہ اَلنُّوسہ ہیت کا ایک گاؤں شمار ہوتا تھا، اور ہیت کے گرد شہر پناہ تھی اور ایک مضبوط قلعہ بھی اس میں تھا، اس شہر کے نخلستان دور دور نزدیک مشہور تھے، اور وہ فرات کے مغربی کنارے پر آباد تھا۔ ابن حوقل نے ہیت کو بہت آباد بتایا ہے، اور مستوفی نے آٹھویں (چودھویں) صدی میں بیس قریوں کا، جن میں جبّہ بھی شامل تھا، ذکر کیا ہے کہ وہ اس سے متعلق تھے۔ گرم و سرد (جروم و صرود) دونوں قسم کے ملکوں کے پھل یہاں بکثرت ہوتے تھے۔ اخروٹ، کھجور، نارنگیاں، اور شفتالو بہت پیدا ہوتے تھے۔ لیکن نفط کے چشموں کی قرب کی وجہ سے بدبو اسقدر تھی کہ اس شہر میں رہنا مشکل تھا۔

اسلامی فتح کے وقت مشہور خندق سابور (ثانی) موجود تھی۔ یہ خندق چوتھی صدی عیسوی میں شاہپور ثانی نے، جسے عرب سابور ذوالاکتاف کہتے تھے، کھدوائی تھی۔ یہ ہیت سے شروع ہو کر اُبلّہ (یعنی بعد کے شہر کا بصرہ) تک پہنچتی تھی اور خلیج فارس سے جا ملتی تھی۔ شروع میں اس میں پانی بھرا رہتا تھا کیونکہ اس کا مقصد یہ تھا کہ جنوبی میسوپوٹیمیا کی زرخیز زمینوں کو ریگستان کے قبائل سے محفوظ رکھا جائے، اس وقت بھی ایک حد تک اس خندق کے خشک گذرگاہ کی نشان دہی کی جا سکتی ہے۔ عین التمر (کھجوروں والا چشمہ) ریگستان میں ہیت کی جنوب کی طرف واقع تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ یہ ایک چھوٹا سا قلعہ تھا، اور ایک ندی یہاں سے نکل کر ہیت کے جنوب میں بہتی ہوئی دریائے فرات میں مل جاتی تھی؛ اس علاقے سے کھجوریں اور گنے فروخت کے لئے باہر

آٹھویں (چودھویں) صدی تک اس میں چند عالی شان عمارتیں موجود تھیں، جن میں مستوفی نے خلیفہ معتصم کے بنائے ہوئے ایک محل کو بھی شمار کیا ہے۔ یہ محل ایک ٹیلے کی چوٹی پر واقع تھا، اور ایک زبردست سحری عمل کے ذریعے اسے مچھروں سے بالکل محفوظ کر دیا گیا تھا۔ آج کل محوّل کی اصلی جائے وقوع کا پتہ نہیں چلتا، لیکن وہ یقیناً اس قدیم بابل والے ٹیلے (تل بابل) کے شمال مشرق میں واقع ہوگا، جسے عرب عقرقوف کہتے ہیں، اور جس کا ذکر عربی جغرافیوں میں بھی آتا ہے۔ مستوفی نے اس ٹیلے کو نمرود کی حکایات سے متعلق کر دیا ہے۔ نمرود وہ ظالم بادشاہ تھا جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈلوا دیا تھا۔[۱]

دِمَمَا کے گاؤں سے تین فرسخ جنوب میں اُن نہروں میں سے جو دجلہ و فُرات کو ملاتی تھیں دوسری نہر صرصر تھی جو فرات سے نکل کر مدائن سے چار فرسخ شمال میں دِجلہ میں جا ملتی تھی۔ یہ نہر اپنے جنوبی راستے میں بادُوریا کے علاقے سے گذرتی تھی، جو مغربی بغداد کے جنوب میں واقع تھا۔ ابن سراپیون نے ذکر کیا ہے کہ اس کے کنارے کنارے بے شمار رہٹ (دالیہ) اور ڈھینکلیاں (شَلْدُوف) کھیتوں کو سینچنے کے لئے لگی ہوئی تھیں۔ یہاں سے ذرا شمال میں زَرِیران کے قریب یہ نہر دِجلہ میں گرتی تھی، اور ساسانیوں کے قصر ابیض کے قریب ہی صَرصَر کا آباد و معمور شہر تھا۔ یہاں کشتیوں کا ایک پل تھا، جس پر سے کوفہ کی سڑک گذرتی تھی۔ شہر صَرصَر مغربی بغداد کی بیرونی جنوبی بستی کرخ سے صرف دو فرسخ کے فاصلے پر تھا۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ نہر صَرصَر میں سے کشتیاں گذر سکتی تھیں، اور شہر صَرصَر کھجور کے

---

[۱] ابن سراپیون ص ۱۰، ۱۴ + ابن خرداذبہ ص ۷، ۷۲، ۱۴۷ + قدامہ ص ۲۰۷ + اصطخری ص ۷۷ + ابن حوقل ص ۱۵۵، ۱۶۶ + مقدسی ص ۱۲۳، ۱۳۴ + یاقوت ج ۱ ص ۳۶۴ + ج ۲ ص ۶۰۰ + ج ۳ ص ۶۹۷ + ج ۴ ص ۴۳۲ + مستوفی ص ۱۳۶، ۱۴۳، ۱۴۰، ۱۴۱ + نہر عیسےٰ اور نہر صَرَات کے زیرین گذرگاہ کا تعلق بغداد کے بلدی حالات سے ہے، اور اس شہر کے متعلق ایک مستقل کتاب شائع کی جا چکی ہے۔ انبار کا جائے وقوع بظاہر وہی معلوم ہوتا ہے جہاں آج کل سُفیرہ کے کھنڈر ہیں، یا غالباً وہ کھنڈر جو اس گاؤں کے قریب ہیں، اور جن کا نقشہ مسٹر جے پی پیٹرس (J. P. Peters) نے نیپور (Nippur) جلد اول صفحہ ۱۷۷ پر دیا ہے۔

شہر انبار کی اہمیت اس میں مضمر تھی کہ فرات سے دجلہ کی طرف جو نہریں نکلتی تھیں ان میں سب سے پہلی اور سب سے بڑی نہر کے کنارے وہ واقع تھا اور اس نہر میں کشتیاں اور جہاز چل سکتے تھے۔ یہ نہر مغربی بغداد کے شہر محلہ ورد کے جنوب میں بندرگاہ (الفرضہ) میں داخل ہوتی تھی اس نہر کا نام نہر عیسےٰ تھا۔ عیسےٰ جس کے نام پر یہ نہر موسوم ہوئی، دویا تو خلیفہ منصور عباسی کا بھتیجا عیسےٰ بن موسےٰ تھا۔ اور یا اس خلیفہ کا چچا عیسےٰ بن علی یہ آخری نام زیادہ قابل وثوق سمجھا جاتا ہے۔ بہرکیف خاندان خلفاء کے کسی رکن عیسےٰ نامی نے اس نہر کو اپنا نام بھی دیا تھا اور اس کو دوبارہ کھدوا کر اتنا وسیع کر دیا تھا کہ کشتیاں اور جہاز اس کے ذریعہ فرات سے بغداد جا سکیں۔ انبار سے ذرا ہی جنوب میں جب یہ نہر فرات سے نکل کر انبار سے کچھ آگے بڑھتی تھی تو وہاں ایک عالی شان پل اس پر بنا ہوا تھا جسے قنطرہ دممّا کہتے تھے، کیونکہ اس کے قریب الفلوجہ کے گاؤں کے پاس دریائے فرات کے کنارے پر دممّا کا قریہ تھا۔ نہر عیسےٰ فیروز سابور کے بہت سے قریوں اور کھیتوں میں سے ہوتی ہوئی آخر کار شہر محوّل تک پہنچتی تھی، جو مغربی بغداد کی بیرونی شہر آبادیوں سے ایک فرسخ کے فاصلے سے واقع تھا۔ اس شہر تک پہنچنے سے کچھ پہلے نہر عیسےٰ کے بائیں جانب سے نہر صراۃ نکلتی تھی، اور یہ نہر مغربی بغداد کے شمال میں قطربل اور جنوب بادوریا کے علاقوں میں حد فاصل تھی۔ نہر صراۃ جس کا ضمار گذرگاہ نہر عیسےٰ کے گذرگاہ سے تقریباً متوازی تھا، شہر بغداد کے باب بصرہ سے ذرا جنوب میں دریائے دجلہ سے مل جاتی تھی، چنانچہ انہی دو نہروں سے، باستثناء ایسی چند نہروں کے جو نہر دجیل سے متعلق تھیں مغربی بغداد کی تمام نہریں اپنا پانی حاصل کرتی تھیں۔

المحوّل کے لغوی معنے اس مقام کے ہیں جہاں اسباب اتار اجائے۔ اس شہر کو یہ نام اس لئے دیا گیا تھا کہ یہاں دریائے فرات کے شہروں سے بغداد جانے والی کشتیاں اپنا اسباب اتار کر دوسری چھوٹی کشتیوں پر منتقل کرتی تھیں۔ یہ کشتیاں بہت چھوٹی ہوتی تھیں تاکہ ان بے شمار پلوں کے نیچے سے گذر سکیں جو محوّل کے جنوب میں نہر عیسےٰ کے اس حصے پر بنے ہوئے تھے جو بیرون شہر بغداد کرخ کی بستی میں سے گذرتا تھا، محوّل بہت اچھا شہر تھا، وہاں کے بازار اور باغ مشہور تھے

جو کوثا کی ایک شاخ تھی متعلق سمجھا جاتا تھا، کوثا ربا کا ایک شہر جہاں کشتیوں کا ایک پل بھی تھا' نہر کوثا کے کنارے واقع تھا' اور اوسے توریت کا شہر کوثہ سمجھا جاتا ہے' جس کا ذکر دوسری کتاب سلاطین کے باب (۱۷) ورس (۲۴) میں ہوا ہے' اور بابل کے نواح میں بڑا شہر سمجھا گیا ہے۔ اسلامی روایات کے مطابق کوثا وہ مقام تھا جہاں نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا تھا' اور ان ہی روایات کے مطابق اس شہر کا نام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دادا کے نام کوثا پر رکھا گیا تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے بیان کیا ہے کہ کوثا دو بستیوں پر مشتمل تھا' ایک کوثا الطریق (راستہ والا کوثا) اور دوسرا کوثا ربا۔ ان میں سے کوثا ربا' ابن حوقل کے مطابق بابل سے بڑا تھا۔ ابن حوقل ہی کا بیان ہے کہ اس کے قریب راکھ کے بڑے بڑے ٹیلے تھے' جن کو نمرود کے آتشدان کا مقام سمجھا جاتا تھا۔ مقدسی لکھتا ہے کہ شاہراہ کے قریب ایک قدیم منارہ دکھائی دیتا ہے' جس کے متعلق طرح طرح کے حکایات مشہور تھیں' جغرافیہ نویسوں کے بیانات کے مطابق کوثا کا شہر جس کی جا وقوع آج کل غالباً تل ابراہیم (ابراہیم کا ٹیلا) کے نام سے نقشوں پر ظاہر کی جاتی ہے شہر نہر الملک سے چار میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ (۹۹)

نہر کوثا سے چند میل شمال کی طرف الفراشہ کا بڑا گاؤں تھا' یہ مقام اس شاہراہ پر بغداد اور حلّہ کے وسط میں ایک منزل تھا' جہاں چھٹی (بارھویں) صدی میں کوفہ کو جانے والے قیام کرتے تھے۔ ابن جبیر جو ۵۸۰ھ (۱۱۸۴ء) میں یہاں آیا تھا' بیان کرتا ہے کہ یہ گاؤں بڑا سرسبز و شاداب تھا' مسافروں کے لئے ایک بڑی سرائے یہاں موجود تھی' اور اوس کی حفاظت کے لئے ایک فصیل مع برجوں کے تعمیر کی گئی تھی۔ مستوفی نے فراشہ کا ذکر کیا ہے اور اوسے شہر صرصر سے سات فرسخ جنوب میں بتایا ہے [۱]۔

---

[۱] ابن سرابیون ص ۱۵، ابن رستہ ص ۱۸۲، اصطخری ص ۸۵، ۸۶، ابن حوقل ص ۱۶۶، ۱۶۷، مقدسی ص ۱۲۱، ابن جبیر ص ۲۱۷، یاقوت ج ۱ ص ۸۶۴، ج ۴ ص ۳۱۷، ۴۸۷، مراصد ج ۲ ص ۳۴۶، مستوفی ص ۱۴۱، ۱۹۳۔ نہر عیسے کا کم و بیش بظاہر وہی گذرگاہ معلوم ہوتی ہے جو موجودہ نہر سقلاویہ کی ہے' اور نہر صرصر کی گذرگاہ بظاہر وہی ہے جو خفرا ابو غریب کی گذرگاہ ہے' نہر الملک بظاہر نہر رضوانیہ ہے' اور نہر کوثا وہی ہے جسے موجودہ نقشے میں حبل ابراہیم (ابراہیم کی رسی) کہا جاتا ہے۔ مگر یہ تمام قیاسات ہیں کیونکہ صدیق طور پر عہد عباسیہ کے بعد نو سو سال کے اندر سواد کی نہروں و زمین کی شکل و صورت بالکل بدل چکی ہے۔

درختوں کے ایک گھنے جنگل میں واقع تھا۔ مقدسی نے عمارات کی طرز کے لحاظ سے اسے فلسطین کے شہروں سے تشبیہ دی ہے۔ صرصر آٹھویں (چودھویں) صدی تک، جب کہ تیمور نے بغداد فتح کرکے گرد و نواح کے علاقے میں اپنی فوج ٹھیرائی ہے، ایک بڑا شہر سمجھا جاتا تھا۔

دجلہ اور فُرات کو ملانے والی تیسری نہر نهر الملك تھی، جو نہر صرصر کے سرے سے پانچ فرسخ جنوب میں الفلوجة[1] کے گاؤں سے شروع ہوتی تھی، اور مدائن سے تین فرسخ جنوب میں دجلہ سے آملتی تھی۔ یہ "شاہی نہر" بہت قدیم تھی، اور یونانی اسے نہر ملکا (Malcha) کہتے تھے۔ یاقوت نے بیان کیا ہے کہ عام روایت یہ تھی کہ اسے یا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے کھدوایا تھا اور یا سکندر اعظم نے۔ اس کے کنارے پر نهر الملك کا شہر تھا؛ یہاں کشتیوں کا پل تھا، جس پر سے کوفہ کی سڑک گذرتی تھی۔ یہ پل شہر صرصر سے سات میل جنوب میں تھا۔ ابن حوقل راوی ہے کہ شہر الملك وسعت کے لحاظ سے شہر صرصر سے ڈیوڑھا تھا، اور اوس کے مزروعات اور نخلستان مشہور تھے۔ مستوفی نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ (۳۰۰) سے کچھ زیادہ قریے اس علاقہ میں شامل تھے۔

دجلہ اور فرات کو ملانے والی نہروں میں ایک چوتھی نہر کوثا تھی۔ یہ بھی دریائے فرات سے نکلتی تھی؛ اس کا منبع نهر الملك کے منبع سے تین فرسخ جنوب میں اور دجلہ سے اس کا مقام اتصال مدائن سے دس فرسخ جنوب میں تھا۔ نہر کوثا اسی نام کے علاقے کو سیراب کرتی تھی، علاقہ کوثا کا ایک دوسرا نام سب سے پہلے ساسانی کسریٰ کے نام پر علاقہ "اردشیر بابکان" بھی تھا، اگرچہ اس علاقے کا ایک حصہ نهر جوبر سے

[1] یہ وہی گاؤں ہے جسے سیزر فریڈرک اور ملکہ ایلزبتھ کے عہد کے دوسرے سوداگر فلوچیا (Feluchia) یا فلوجیا (Felugia) (Feluge) لکھتے ہیں۔ جہاں سے یہ لوگ براہ فرات آتے ہوئے خشکی کے راستے بغداد جاتے تھے۔ اس کا ذکر حسب ذیل کتاب میں ملے گا۔

Hakluyt, Principal Navigation

(گلاسگو ۱۹۰۴ء) ج ۵۔ ص ۳۶۷، ۴۵۵؛ ج ۶۔ ص ۴۔

قصر ابن ہُبَیرہ کا نام جسے مختصراً القصر کہتے ہیں، اُس کے بانی ابن ہُبَیرہ کے نام پر رکھا گیا تھا۔ یہ شخص بنی امیہ کے آخری خلیفہ مروان کے عہد میں عراق کا حاکم تھا۔ ابن ہُبَیرہ کی زندگی میں اس قصر کی تعمیر پوری نہیں ہوسکی۔ بنی امیہ کی بربادی کے بعد عباسیوں کے پہلے خلیفہ ابو العباس سفاح نے یہاں سکونت اختیار کی، اور اس عمارت کی تکمیل کرکے اپنے جد اعلیٰ ہاشم کے نام پر اس کا نام ہاشمیہ رکھا تھا۔ لیکن پھر بھی جو شہر بہت جلد اس قصر کے گرد آباد ہوا وہ اموی عہد کے حاکم عراق ابن ہُبَیرہ ہی کے نام سے مشہور رہا۔ اور اگرچہ بغداد کی تعمیر سے قبل خلیفہ منصور عباسی نے کچھ مدت کے لئے اسی شہر میں قیام کیا، لیکن بہرکیف یہ مقام عام طور پر قصر ابن ہُبَیرہ ہی کہلاتا رہا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں قصر ابن ہُبَیرہ بغداد اور کوفہ کے درمیان سب سے بڑا شہر تھا، اور وہ نہر سُورا سے نکلی ہوئی ایک چھوٹی سی نہر پر جو پھر نہر سُورا سے مل جاتی تھی، اور نہر ابو رحا (چکی کی نہر) کہلاتی تھی، واقع تھا۔ یہ شہر بے انتہا آباد تھا اور اس میں بڑے خوبصورت بازار تھے۔ مقدسی لکھتا ہے کہ یہاں یہودی بھی بہت سے رہتے تھے، اور جامع مسجد بازار میں واقع تھی، لیکن چھٹی (بارھویں) صدی کے آغاز تک اس کا تنزل شروع ہوگیا تھا، نئے شہر حِلّہ کی روز افزوں ترقی اس کے زوال کا باعث ہوئی تھی، آج کل تو کوئی اتنا بھی نہیں جانتا کہ قصر ابن ہُبَیرہ کہاں واقع تھا، گو اس میں شبہ نہیں کہ قدیم بابل والے بڑے ٹیلوں سے چند میل شمال میں جو کھنڈر پھیلے ہوئے ہیں، ان میں سے ایک کھنڈر قصر ابن ہُبَیرہ کے نشانات بتاتا ہے۔

حِلّہ کا قدیم شہر بابل کے آثار سے ذرا جنوب میں دریائے فرات کی اس شاخ پر واقع تھا جسے چوتھی (دسویں) صدی میں نہر سُورا کہتے تھے۔ حِلّہ کا نام اس زمانہ میں الجامِعین (یعنے دو جامع مسجدیں) تھا، اور شہر کا بڑا حصہ دریا کے مشرقی کنارے پر واقع تھا۔ یہاں کی آبادی بہت زیادہ تھی، اور زمینیں سبز حاصل اور زرخیز تھیں۔ اس کے بعد تقریباً ۴۹۵ھ (۱۱۰۲ء) بنی مزید کے سردار سیف الدولہ نے جامعین کے بالمقابل داہنے کنارے پر الحِلّہ (لغوی معنے بستی) آباد کیا۔ یہ شہر بہت جلدی ترقی کرتا چلا گیا۔ چنانچہ اس کی کشتیوں کے پل پر سے حاجیوں کی وہ سڑک جو بغداد سے کوفہ کو جاتی تھی فرات کو عبور کرنے لگی، اور وہ پہلی سڑک جو قصر ابن ہُبَیرہ کے پاس سے اوپر

باب پنجم

عراق (جاری)

دریائے فرات کی دو شاخوں میں تقسیم۔ نہر سورا۔ قصر ابن ہبیرہ۔ نیل اور اس کی نہر۔ نہر نرس۔ نہر بدات اور پو مرہ پلیتا۔ رود کوفہ۔ شہر کوفہ۔ قادسیہ مشہد علیؑ اور کربلا۔ عراق کے بارہ استان۔ عراق کی بڑی سڑکیں۔

چوتھی (دسویں) صدی میں دریائے فرات اس مقام سے جہاں نہر کوثا اس میں سے نکلتی ہے۔ چھ فرسخ کے فاصلے پر دو شاخوں میں تقسیم ہو جاتا تھا، داہنے ہاتھ والی مغربی شاخ، جو اس وقت دریائے فرات کا اصلی دھارا سمجھی جاتی ہے کوفہ کے پاس سے گذرتی تھی، اور وہاں سے آگے چل کر مرداب تک آتی تھی۔ بائیں ہاتھ والی مشرقی شاخ وہ ہے جو آج کل دریا کا خاص دھارا ہی اسی شاخ کو ابن سراپیون اور دوسرے عرب جغرافیہ نویس نہر سورا یا السوران لکھتے ہیں۔ یہ شاخ بہت سے نالوں اور ندیوں کے رستے اپنا پانی مرداب اعظم میں شامل کر دیتی ہے۔ نہر سورا (یعنے موجودہ دریائے فرات) کے متعلق اسی زمانہ میں ابن سراپیون نے لکھا ہے کہ وہ کوفہ والی شاخ سے بڑی اور زیادہ چوڑی ہے۔ نہر سورا کا شمالی حصہ اس مقام سے جہاں سے فرات کی دو شاخیں ہوتی تھیں، سورا، بربیسما، اور بار وسما کے تین چھوٹے علاقوں کو سیراب کرتا تھا۔ اور یہ تینوں علاقے بہ قباذ کے علاقے کے وسطی حصے تھے۔ پھر جنوب کی جانب فرات کا راستہ قصر ابن ھبیرہ کے شہر کے مغرب میں دو میل کے فاصلے سے گذرتا تھا؛ اور یہاں اس پر جسر سورا یا سوران نام کا کشتیوں کا ایک پل تھا۔ اس پل سے ہوتی ہوئی حاجیوں کی سڑک قصر ابن ھبیرہ سے کوفہ جاتی تھی۔

چوٹی پر اُس کنویں کا حال بھی لکھا ہے جس میں روایت کے مطابق دو فرشتے ہاروت و ماروت قیامت تک کے لیے قید ہیں۔

بابل کے شمال میں فرات سے دجلۃ کو جانے والی نہر نہر سُوَرا سے نکلتی تھی۔ یہ نہر آج کل شط النیل (نیل کی نہر) کہلاتی تھی۔ لیکن ابن سراپیون نے اس نہر کے اُن حصے کو جو فرات اور شہر نیل کے درمیان پڑتا ہے صراۃ اعظم لکھا ہے یہ صراۃ کا نام وہی ہے جس سے مغربی بغداد کی ایک اس سے بھی زیادہ مشہور نہر موسوم تھی (دیکھو صفحہ ۶۶) اپنے منبع سے مشرق کی طرف چل کر صراۃ اعظم بہت سے زرخیز قریوں کے پاس سے گذرتی تھی، اور راستے میں اپنے بیشمار شاخیں ادھر اودھر چھوڑتی جاتی تھی، نیل کے شہر تک پہنچنے سے پہلے اُس سے ایک نہر جس کا نام صراۃ جاماسپ ہے، بائیں جانب سے نکل کر نیل کے مشرق میں پھر اصلی نہر سے آملتی تھی۔ اس شاخ کو خلافت اموی کے مشہور حاکم عراق حجّاج بن یوسُف نے دوبارہ کھدوایا تھا؛ لیکن اس کا نام زردشتیوں کے مشہور موبد جاماسپ کے نام پر تھا، جس نے ایران میں شاہ گشتاسپ کو زردشتی مذہب پھیلانے میں بہت مدد دی تھی۔ نیل کا شہر بھی حجاج کا بسایا ہوا تھا، یہ شہر بہت جلد اس علاقے کا صدر مقام ہوگیا، اور اُس کے کھنڈر اب بھی نیلیہ کے نام سے نقشے پر ظاہر کئے جاتے ہیں نہر نیل کا نام مصر کے دریائے نیل پر رکھا گیا تھا، کیونکہ اس نہر کو دیکھ کر مصر کا دریا یاد آتا تھا۔ شہر نیل کے بالمقابل اصل نہر پر ایک پختہ پل تھا، جو قنطرۃ الماسی کہلاتا تھا۔ ابو الفداء کے زمانہ میں نہر کا وہ حصہ بھی جو شہر کے مغرب میں واقع تھا جسے ابن سراپیون نے صراۃ اعظم لکھا ہے، نہر النیل کہلاتا تھا۔ لیکن ابن سراپیون نے یہ نام نہر کے صرف اوس حصے کو دیا ہے جو شہر نیل کے مشرق میں تھا۔ (۷۳)

بہر حال یہ حصہ آگے بڑھ کر کرد و نوزح کے علاقوں کو سیراب کرتا ہوا دجلہ کے قریب نعمانیۃ کے بالمقابل (دیکھو صفحہ ۷۴)، الصُّول (جھیل) ایک مقام پر پہنچ جاتا تھا اور یہاں اوس کی ایک شاخ جو بالائی زاب کی نہر کہلاتی تھی، براہ راست دریائے دجلہ سے جا ملتی تھی۔ نہر نیل کا اصلی رہگذر یہاں سے جنوب کی طرف پھر کر کچھ فاصلے تک دریائے دجلہ کے متوازی گیا تھا، حتے کہ نھرسابس کے شہر سے ایک فرسخ جنوب میں وہ ایک مقام پر پہنچتا تھا، جو واسط سے شمال کی طرف ایک دن کی مسافت پر واقع تھا۔ یہاں

جسّس سُورَا پر سے گزرتی تھی شاہراہ نہ رہی + چھٹی (بارھویں) میں ہی فرات کی سُورَا والی شاخ فرات کا اصلی دھارا سمجھی جانے لگی، اور آج کل بھی سمجھی جاتی ہے۔ پھر نہرِ سُورا کا نام بھی بالکل متروک ہو گیا۔ ۵۸۰ھ (۱۱۸۴ء) میں ابن جُبَیر اندلسی نے حِلّۃ کے مقام پر کشتیوں کے ایک بڑے پل کے ذریعے سے جو دونوں طرف آہنی زنجیروں سے بندھا ہوا تھا دریائے فرات کو عبور کیا تھا۔ حِلّۃ اُس زمانہ میں دریائے فرات کے مغربی کنارے پر پھیلا چلا گیا تھا۔ ابن جُبَیر کے بعد آٹھویں (چودھویں) صدی میں ابن بطوطہ نے حِلّۃ کا سفر کیا، اوس نے وہاں کے کشتیوں کے پل کا حال بہت تفصیل سے لکھا ہے۔ اوس پل کے دونوں طرف کی آہنی زنجیریں دریا کے دونوں کناروں پر بڑے بڑے بھاری کھمبوں میں بندھی ہوئی تھیں۔ ابن بطوطہ نے اس شہر کے بازاروں کی بھی تعریف کی ہے، اور اس کے بیانات کی تصدیق اُس کے ہم عصر مستوفی سے بھی ہوتی ہے۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ اس زمانہ میں حِلّۃ کی آبادی فرات کی مشرقی اور مغربی دونوں کناروں پر پھیلنی شروع ہو گئی تھی، شہر کے چاروں طرف نخلستان تھے، ان کی وجہ سے یہاں کی آب و ہوا مرطوب تھی۔ مستوفی یہ بھی لکھا ہے کہ حِلّۃ کی تمام آبادی غالی شیعوں کی تھی، چنانچہ یہاں اُن کا ایک مقام (زیارت گاہ) بھی تھا، اور اس کے متعلق اُن کا خیال تھا کہ امام منتظر جو ۲۶۴ھ (۸۷۸ء) میں سامرّا میں غائب ہوئے تھے وہ ایک وقت میں مہدی بن کر یہیں سے ظاہر ہوں گے اور تمام دنیا کو اپنے عقائد کی دعوت دیں گے[1] (دیکھو صفحہ ۵۶)۔

چوتھی (دسویں) صدی میں ابن سراپیون نے جو حالات نہرِ سُورا کے لکھے ہیں اب پھر ہم ان کی طرف عود کرتے ہیں۔ یہ نہر جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، بابل کے عظیم الشان ویرانوں کے مغرب سے گذرتی تھی۔ مقدسی لکھتا ہے کہ اس کے زمانے میں ان کھنڈروں میں کشتیوں کے پل کے قریب ایک گاؤں آباد تھا۔ مستوفی نے اُن بڑے بڑے جادوگروں کا حال نہایت تفصیل سے لکھا ہے جو بابل میں گذرے تھے، اور اوس نے پہاڑ کی

---

[1] ابن سراپیون ص ۱۰، ۱۴؛ یعقوبی ص ۳۰۹ + اصطخری ص ۸۵، ۸۶ + ابن حوقل ص ۱۶۶، ۱۶۸ + مقدسی ص ۱۲۱ یاقوت ج ۲ ص ۳۲۲ + ج ۳ ص ۸۶، + ج ۴ ص ۱۲۳ + ابن جبیر ص ۲۱۲ + ابن بطوطہ ج ۲ ص ۹۷ + مستوفی ص ۱۴۰ +

یہ شہر یا تو غالباً وہی مقام تھا جو عبرانی میں پمبدیتا (فم البدأة) کہلاتا تھا، اور یا ممکن ہے کہ اس کے قریب ہو۔ پمبدیتا وہی مقام ہے جس کا ذکر چھٹی (بارھویں) صدی میں تطیلہ (Tudela) کے بنجمن نے کیا ہے، اور لکھا ہے کہ وہ بابل کے علاقے میں یہودیوں کے علم ادب کا بڑا مرکز تھا۔ نہر بداة پچاس میل چلنے اور اپنی بائیں جانب نہر سورا اور نہر نرس کے زیریں حصوں کے پانی کو لینے کے بعد آخر کار نفّر کے شہر کے قریب بطائح (مرداب اعظم) میں گر جاتی تھی[1]۔

وہ علاقہ جو زیریں فرات کی دو شاخوں کے درمیان واقع تھا، اور جن کے شرق میں نہر سورا اور مغرب میں دریا کا اصلی دھارا تھا بالائی اور زیریں فلوجہ کے علاقے کہلاتے تھے[2]۔ ان کے جنوب میں فرات کا اصلی دھارا القنطرة کے شہر کے پاس سے گزرتا تھا، اور یہیں سے نہر بداة کوفہ کے شہر کو جاتی تھی۔ کوفہ دریائے فرات کے مغربی کنارے پر کشتیوں کے پل کے بالمقابل آباد تھا، اور اسی کے جنوب میں دریائے فرات کا پانی متفرق ندیوں میں تقسیم ہوتا ہوا آخر کار بطائح (مرداب اعظم) میں گرتا تھا، قدامہ اور مسعودی نے دریا کی اس قدیم تر شاخ کو نہر علقمی لکھا ہے، اور بظاہر یہ نہر وہی معلوم ہوتی ہے جو آج کل نہر ہندیہ کہلاتی ہے۔ یہ نہر مسیّب کے جنوب میں موجودہ فرات سے نکلتی ہے اور کوفہ کے کھنڈروں کے پاس سے ہوتی ہوئی ان دلدلوں میں سے چکر لگا کر جو عہد عباسیہ کے مرداب اعظم کا ایک حصہ تھیں، پھر فرات کے موجودہ اصلی دھارے سے آملتی ہے۔

(۷۵) کوفہ کا شہر میسوپوٹیمیا کی اسلامی فتح کے بعد بصرہ کے ساتھ ساتھ ۱۷ھ (۶۳۸ء) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں بسایا گیا تھا۔ اس شہر کو بسانے کا مقصد یہ تھا کہ

---

[1] ابن سراپیون ص ۱۶+ بلاذری ص ۲۵۴، ۲۹۰+ ابن رستہ ص ۱۸۲+ ابن حوقل ص ۱۶۷+ مقدسی ص ۱۲۱+ ابو الفدا، ص ۵۳+ یاقوت ج ۱ ص ۷۷۰+ ج ۲ ص ۱۳۱، ۹۰۳+ ج ۳ ص ۴۸، ۳۷۹۔ ج ۴ ص ۳۰۳، ۷۹۸، ۸۴۰، ۸۶۱+ مستوفی ص ۱۳۶+ ٹریولز آف بنجمن آف ٹولیڈو (ایشر) ج ۱ ص ۱۱۲+ ڈی خویہ زیڈ ڈی ایم جی ص ۱۸۸۵ء

[2] دریا یا نہر کا حصہ زیریں وہ حصہ ہوتا ہے جو دریا کے دہانہ سے قریب ہو اور بالائی حصہ وہ ہوتا ہے جو منبع کے قریب مثلاً گنگا کو اپنے منبع سے الہ آباد تک بالائی حصہ گنگا اور الہ آباد سے آگے جب تک اس کا ملاپ خلیج بنگالہ سے ہو زیریں حصہ گنگا کہتے ہیں۔ مترجم۔

نہر کا پانی غالباً ایک حد تک زیرین زاب کی نہر کے ذریعے سے دریائے دجلہ میں گرجاتا تھا۔ یہ بھی بیان کر دینا ضروری ہے کہ الحوّل (جھیل) کے جنوب میں نھر نیل کا آخری حصہ نھر سابس کہلاتا تھا، اور اسی نام کا ایک شہر دریائے دجلہ کے دائیں کنارے آباد تھا جس کا ذکر اس سے قبل بھی ہو چکا ہے (دیکھو صفحہ ۳۴)۔ ان نہروں کے نام مختلف عہدوں میں بدلتے رہتے تھے۔ ساتویں (تیرھویں) صدی میں یاقوت کہتا ہے کہ شہر نیل سے لیکر نعمانیہ تک کی تمام نہر بالائی زاب کی نہر کہلاتی تھی اور جس زیرین زاب کی نہر کا ذکر اس نے کیا ہے وہ بظاہر وہی معلوم ہوتی ہے جسے ابن سراپیون نے نھر سابس لکھا ہے۔ بہرحال یہ دونوں نہریں ساتویں (تیرھویں) صدی میں بہت کچھ شکستہ ہو چکی تھیں، گو اس پر بھی اُن کے دونوں جانب زرخیز زمینیں موجود تھیں۔

دریائے فرات کے کنارے قدیم شہر بابل کے کھنڈر تھے؛ ان کے ذرا جنوب میں نہر سورا کو عبور کرنے کے لئے ایک پختہ پل بنا ہوا تھا جسے قنطرۃ القامغان کہتے تھے، اور ابن سراپیون کا بیان ہے کہ "اس پل کے نیچے سے نہر کا پانی بڑے زور و شور سے بہتا تھا"۔ اس پل سے چھ فرسخ جنوب میں جامعان کے قریب، جو بعد میں حِلّہ کہلانے لگا تھا، نہر سُورا کی دو شاخیں ہو جاتی تھیں؛ داہنے ہاتھ والی شاخ جامعان کے پاس سے جنوب کی طرف جاتی تھی، اور بائیں جانب کی شاخ، جو نھر النرس کہلاتی تھی، جنوب مشرق کی طرف مڑ کر حمام عمر اور دوسرے قریوں کو سیراب کرتی ہوئی آخر کار رِنقاء کے شہر تک پہنچتی تھی۔ اس نہر کا نام ایک قدیم ایرانی بادشاہ نرس (یا نرسیس) کے نام پر تھا۔ نرس ۲۹۲ء میں تخت پر بیٹھا تھا، اور اوسی نے یہ نہر کھدوائی تھی۔ جنوب کی طرف کچھ اور فاصلہ طے کرنے کے بعد نھر نرس اور نھر سُورا دونوں اپنا پانی نھر بدات میں گرا دیتی تھیں اور یہ نہر بطائح (مرداب اعظم) کے شمالی سرحد سے ملی ہوئی تھی۔ نہر بدات (یا بدّاۃ) شہر کوفہ سے سمت شمال میں ایک مقام سے جو کوفہ سے ایک دن کی مسافت پر تھا، اور جو غالباً شہر قنطرۃ الکوفہ سے قریب تھا پانی کے نکاس کے لئے دریائے فرات سے نکالی گئی تھی۔ یہ شہر القناطر (پلوں والا شہر) بھی کہلاتا تھا، اور بلاشبہ یہیں سے بڑی شاہ راہ بدّاۃ کو عبور کرتی ہوگی۔ قناطر نھر سُورا کے کشتیوں والے بڑے پل سے ستائیس میل جنوب میں، اور کوفہ سے اٹھائیس میل شمال میں واقع تھا۔

جب اس علاقے کو فتح کیا تو اس محل اور اس کے بلند ایوانوں کو دیکھ کر بہت متحیر ہوئے تھے۔ بعد کے زمانہ میں خلفاء بھی اکثر سیر و شکار کے زمانہ میں یہیں قیام کیا کرتے تھے۔ اب خورنق کا کوئی حصہ باقی نہیں رہا، لیکن جب ابن بطوطہ آٹھویں (چودھویں) صدی کی ابتدا میں وہاں آیا ہے تو اس کی چند دیواروں اور گنبدوں کے شکستہ حصے باقی تھے۔

بادیہ کی اصلی سرحد پر کوفے سے پانچ فرسخ مغرب میں اور مکہ کی سڑک کی پہلی منزل میں نخلستانوں سے گھرا ہوا القادسیہ کا بہت بڑا قصبہ یا شہر تھا، جس کے قریب ۱۴ھ (۶۳۵ء) میں مسلمانوں نے ایرانیوں کے خلاف سب سے پہلی بڑی لڑائی لڑ کر فتح حاصل کی تھی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان بہت جلد تمام مسوپوٹیمیا پر قابض ہو گئے۔ یہ مقام دریائے دجلہ کے کنارے والے قادسیہ سے ممیز کرنے کے لئے قادسیۃ الکوفہ کہلاتا تھا (دیکھو صفحہ حاشیہ ۵) مقدسی نے بیان کیا ہے کہ قادسیہ میں حج کے موسم میں خوب چہل پہل رہتی ہے۔ یہاں شہر کی حفاظت کے لئے ایک چھوٹا سا قلعہ بھی تھا، اور شہر کے دو دروازے تھے۔ اس کی زمینیں دریائے فرات کی ایک نہر سے سیراب ہوتی تھیں، جو شہر کے باب بغداد سے شہر کے اندر آتی تھی۔ باب البادیہ (ریگستان والا دروازہ) کے پاس جامع مسجد تھی، جہاں حج کے موسم میں بڑا بازار لگتا تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں جب ابن بطوطہ قادسیہ میں سے گذرا ہے تو وہ محض ایک چھوٹا سا گاؤں رہ گیا تھا، اور مستوفی کا بیان ہے کہ وہ تقریباً برباد ہو چکا تھا[۱]۔

نجف اشرف، جہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مشہد[۲] مبارک ہے، اور جسے شیعہ نہایت ہی مقدس اور متبرک سمجھتے ہیں، کوفے کے کھنڈروں سے مغرب کی طرف چار میل کے فاصلے پر

---

[۱] ابن سراپیون ص ۱۰، ۱۶ + قدامہ ص ۲۳۳ + مسعودی (تنبیہ) ص ۵۲ + اصطخری ص ۸۲ + ابن حوقل ص ۱۶۲، ۱۶۳ + مقدسی ص ۱۱۶، ۱۱۷ + یاقوت ج ۲ ص ۴۹۲ + ج ۳ ص ۵۹ + ج ۴ ص ۲۲۲ + ابن جبیر ص ۲۱۳ + ابن بطوطہ ج ۱ ص ۴۱۴ + ج ۲ ص ۹۴ + مستوفی ص ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۰ + وہ عریض و کم گہری جھیل جو بحر نجف کے نام سے مشہور ہے اور جو آج کل کوفے کے کھنڈروں اور نجف اشرف تک پھیلی ہوئی ہے، زمانہ وسطے میں موجود نہ تھی، اور کوفہ سے مکہ جانے والی حاجیوں کی سڑک اس زمین پر سے گزرتی تھی جس میں آج کل یہ جھیل ہے۔

[۲] مشہد کے معنے مقام شہادت کے ہیں۔ اسے زیارت گاہ بھی سمجھا جاتا ہے۔ زیارت گاہ یا مشہد کے لئے مقام کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے۔

وہ فرات کے عربی یا ریگستانی کنارے پر ایک مستقل معسکر کا کام دے۔ کوفہ قدیم ایرانی شہر حِیرَہ کے بالکل قریب دریا کے کنارے پر ایک وسیع میدان میں واقع تھا۔ بہت جلد اس کی آبادی بڑھتی گئی، یہاں تک کہ جب ۳۶ھ (۶۵۶ء) میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس شہر کو اپنا دارالخلافہ بنایا تو اُن کے چار برس کے زمانۂ قیام میں یہ شہر کم از کم نصف سلطنت اسلام کا مستقر بن گیا۔ اس کی مسجد میں آپ ۴۰ھ (۶۶۱ء) میں شہید ہوئے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں اصطخری نے کوفہ کو باعتبار وسعت بصرہ کے برابر لکھا ہے لیکن کوفہ کی آب و ہوا بصرہ سے بہتر اور وہاں کی عمارتیں بصرہ کی عمارتوں سے زیادہ وسیع تھیں۔ اس کے بازار بھی بہت اچھے۔ لیکن اس اعتبار سے وہ بصرہ سے دوسرے درجے پر تھا۔ جامع مسجد جس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ شہید ہوئے تھے، شہر کے مشرقی حصے میں تھی۔ اس میں جو اونچے ستون لگے ہوئے تھے وہ کوفہ کے قریب حِیرَہ کے شہر سے لائے گئے تھے۔ کوفہ کو جوں جوں ترقی ہوتی گئی حِیرَہ کا شہر برباد ہوتا گیا۔ کوفہ کے بڑے بڑے محلوں میں سے ایک کُنَاسَہ (کوڑے کرکٹ کی جگہ) تھا۔ یہ محلہ شہر کے ریگستانی سمت میں واقع تھا، اور اوس کے گرد نخلستان تھے جن میں بہت اچھی کھجوریں پیدا ہوتی تھی۔ ۵۸۰ھ (۱۱۸۴ء) میں جب ابن جبیر اندلسی کوفہ میں سے گذرا ہے تو شہر کے گرد فصیل نہ تھی، اور شہر کا اکثر حصہ برباد ہو چکا تھا۔ جامع مسجد البتہ اس وقت تک باقی تھی۔ آٹھویں (چودھویں) میں ابن بطوطہ نے بیان کیا ہے کہ اس مسجد کے ستون بڑے بڑے پتھروں کو سیسے سے جوڑ کر بنائے گئے تھے۔ مسجد میں ایک محراب تھی جہاں بتایا جاتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ زخمی ہوئے تھے۔ مستوفی جس نے کوفہ کے تفصیلی حالات بیان کئے ہیں، لکھتا ہے کہ کوفہ کی شہر پناہ جس کا دور (۱۸۰۰۰) قدم تھا، خلیفہ منصور عباسی نے تعمیر کرائی تھی۔ عراق میں سب سے بہتر گنا یہاں پیدا ہوتا تھا، اور روئی کی فصل بھی اچھی ہوتی تھی۔ مسجد میں ایک ستون پر حضرت علی کے ہاتھ نشان تھا، اور یہیں پر وہ تنور بھی محفوظ تھا جس کے منہ سے طوفان نوحؑ کے وقت پانی نکلنا شروع ہوا تھا۔

کوفہ سے ایک فرسخ جنوب میں حِیرَہ کے کھنڈر تھے، جو ساسانیوں کے عہد میں ایک بڑا شہر تھا، قریب ہی سَدِیر اور اَلخَوَرْنَق کے قدیم محل تھے۔ ان میں سے خورنق کو حیرہ کے بادشاہ نعمان نے بادشاہ بہرام گور کے لئے تعمیر کرایا تھا جو مشہور شکاری تھا۔ مسلمانوں کے

ایک گوشہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مدفن بتایا جاتا تھا۔ اکثر بڑے لوگوں نے بھی یہی کہ ان کا مدفن یقین کیا ہے اور دیگر قابل وثوق مصنفوں نے بھی اسے تسلیم کیا ہے۔ مستوفی یہ بھی لکھتا ہے کہ ۳۶۶ھ (۹۷۷ء) میں بنی بویہ کے مشہور عضد الدولہ نے یہاں ایک مقبرہ تعمیر کرایا تھا جو مستوفی کے زمانہ تک موجود تھا۔ اس وقت یہ مقام خاصا بڑا شہر بن گیا تھا اور اس کا دور (۲۵۰۰) قدم تھا۔ ابن اثیر نے کامل میں لکھا ہے کہ عضد الدولہ کی وصیت کی مطابق وہ خود اور اس کے بعد اس کے بیٹے شرف الدولہ اور بہاء الدولہ وہیں دفن کئے گئے اور بعد کے زمانوں میں بہت سے مشہور و معروف لوگ بھی وہیں مدفون ہوئے۔ ۴۴۳ھ (۱۰۵۱ء) میں بغداد کے لوگوں نے جو اس وقت شیعوں کو تنگ کرنے پر تلے ہوئے تھے، اس زیارت گاہ کو جلا کر خاک کر دیا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کو بہت جلد از سر نو درست کر دیا گیا تھا۔ کیونکہ ملک شاہ سلجوقی اور اس کا وزیر نظام الملک دونوں ۴۷۹ھ (۱۰۸۶ء) میں زیارت کے لئے وہاں حاضر ہوئے تھے۔

آٹھویں (چودھویں) صدی میں ابتداء میں مستوفی لکھتا ہے کہ اس کے زمانہ (۷۸) میں ایل خانی بادشاہ غازان نے مشہد علیؓ کے قریب سادات کے لئے ایک مکان جو دار السیادۃ کہلاتا تھا، اور درویشوں کے لئے ایک خانقاہ تعمیر کرائی تھی۔ اس سے قبل کی صدی میں یاقوت نے اس بند کا تو ذکر کیا ہے جو فرات کے پانی سے نجف کو محفوظ رکھنے کے لئے بنایا گیا تھا، مگر مشہد علی کا نام تک نہیں لیا۔ ابن بطوطہ ۷۲۶ھ (۱۳۲۶ء) میں یہاں آیا تھا، اس کا بیان ہے کہ مشہد علی ایک عمدہ شہر تھا اور وہ خود اس شہر میں باب الحضرۃ داخل ہوا تھا، جس سے زیارت گاہ کو سیدھا راستہ جاتا تھا۔ اس نے یہاں کے عالیشان بازاروں اور مدرسوں کا ذکر کیا ہے، اور اس مسجد کا نام بھی لیا ہے۔ جہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مزار بتایا جاتا تھا، اور جس کی دیواروں پر کاشانی ساخت کی چینی کی اینٹیں لگی ہوئی تھیں۔ اس نے بیان کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مزار پر اپاہجوں کو صحت حاصل ہوتی تھی، اور اس کے علاوہ اس نے بہت تفصیل سے وہاں کے سونے چاندی کے چراغدانوں کا ذکر کیا ہے جو لوگوں نے بطور نیاز وہاں چڑھاتے تھے۔ اس نے وہاں کے خوبصورت اور بیش قیمت قالینوں کی بھی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ قبر کے گرد سونے کی چادروں کا ایک نقشین کٹہرا لگا ہوا تھا اور اسے چاندی کی میخوں سے

واقع ہے اور اس وقت تک نہایت معمور و آباد شہر ہے۔ اس شہر کے متعلق مستوفی نے حسب ذیل روایت بیان کی ہے۔ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کوفہ کی جامع مسجد میں زخمی ہوئے اور آپ کو زندگی کی امید نہ رہی تو آپ نے وصیت فرمائی کہ وفات کے بعد آپ کا جنازہ ایک اونٹ پر رکھ کر اونٹ کو آزاد چھوڑ دیا جائے اور جہاں کہیں اونٹ بیٹھے وہیں جنازہ دفن کر دیا جائے۔ اس وصیت پر عمل کیا گیا لیکن چونکہ بنی امیہ کی طرف سے ہمیشہ خطرہ رہتا تھا اس لئے ان کے عہد خلافت میں مشہد مبارک پر کوئی عمارت نہیں بنائی گئی۔ گر ۱۷۵ھ (۷۹۱ء) میں ہارون الرشید نے اس مشہد کا پتہ لگایا اور وہ اس طرح کہ ایک دن جب کہ وہ کوفہ کے قریب شکار کھیل رہا تھا اس نے ایک جانور کا ایک جھاڑی تک تعقب کیا لیکن آگے بڑھنے کا ارادہ کیا تو گھوڑے نے باوجود ہر طرح کی کوشش کے ایک قدم بھی آگے نہ اوٹھایا۔ یہ واقعہ دیکھ کر ہارون الرشید نے اس نواح کے کاشتکاروں سے سبب دریافت کیا۔ اون سے معلوم ہوا کہ یہ مقام حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مدفن سمجھا جاتا ہے اور اس لئے حرم ہے کہ جہاں وحشی جانوروں کو اماں نصیب ہوتا ہے۔ یہ سن کر ہارون الرشید نے اس جگہ کو کھودنے کا حکم دیا۔ چونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی میت وہاں پائی گئی۔ اس لئے بقول مستوفی وہاں ایک مشہد یا مقبرے کی عمارت بنا دی گئی اور بہت جلد یہ مقام زیارت گاہ خاص و عام ہو گیا۔ بہرکیف اس زیارت گاہ کی ابتدائی تاریخ صاف طور سے معلوم نہیں ہے۔ اوپر جس روائت کا ذکر ہوا وہ شیعوں میں عام طور سے مشہور ہے۔ یہ درست ہے کہ ہارون الرشید اپنے عہد خلافت میں کچھ دنوں تک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد کا طرفدار رہا تھا مگر کسی عربی مورخ نے بیان نہیں کیا کہ اس نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مدفن دریافت کیا تھا یا اس پر عمارت بنوائی تھی۔

مشہد علی کرم اللہ وجہہ کا سب سے پہلا مفصل حال ابن حوقل نے چوتھی (دسویں) صدی میں لکھا ہے کہ اس نے بیان کیا ہے کہ حمدانی شہزادہ ابوالہیجا نے جو ۲۹۲ھ (۹۰۴ء) میں موصل کا حاکم تھا اور ۳۱۷ھ (۹۲۹ء) میں فوت ہوا مشہد علی پر ایک گنبد چار ستونوں پر تعمیر کرایا تھا۔ اس زیارت گاہ کو قیمتی قالینوں اور دیوار پوشوں سے مزین کیا تھا اور اس شہر کے گرد جو اس مقام کے قریب واقع تھا فصیل تعمیر کرائی تھی۔ مگر اصطخری اور ابن حوقل کا بیان ہے کہ ان کے زمانہ میں کوفہ کی جامع مسجد کے

اس کو الحائر (باغ کا حوض) کہا جاتا ہے۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے لکھا ہے کہ اس چھوٹے سے شہر کا دور جو اس زیارت گاہ کے گرد آباد ہو گیا تھا (۲۴۰۰) قدم تھا مستوفی کے ہم عصر ابن بطوطہ نے یہاں کے عمدہ مدرسہ کا ذکر کیا ہے، جو اس نے خود دیکھا تھا اس کا بیان ہے کہ مزار کی دہلیز جسے زائر بوسہ دے کر اندر جاتے تھے، ٹھوس چاندی کی تھی زیارت گاہ میں رات کو چاندی اور سونے کے چراغوں میں روشنی کی جاتی تھی، اور دروازوں پر ریشمی پردے پڑے ہوئے تھے۔ ابن بطوطہ نے یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ یہ چھوٹا سا شہر باشندوں کے مختلف فرقوں کی مسلسل جنگ وجدل کی وجہ سے اکثر و بیشتر برباد ہو چکا تھا، لیکن اس کے گرد بہت سے نخلستان تھے، جو دریائے فرات کی نہروں سے خوب شاداب رہتے تھے [1]۔

تیسری نویں صدی میں عراق کا حال بیان کرتے وقت ابن خرداذبہ اور قدامہ نے لکھا ہے کہ تمام صوبہ بارہ علاقوں میں منقسم تھا، جو استان کہلاتے تھے، اور ہر استان میں متعدد اضلاع تھے جنہیں طسوج کہا جاتا تھا؛ ان طسوج کی مجموعی تعداد ساٹھ تھی۔ یہ تقسیم غالباً ابتداء میں مالی مقاصد کے لئے کی گئی تھی، اور اس کا اعادہ ایک حد تک آئندہ صدی میں مقدسی نے بھی کیا ہے۔ اس لحاظ سے ان بارہ استان اور ان کے سب سے زیادہ مشہور طسوج کا یہاں ذکر کر دینا بے محل نہ ہوگا۔

پہلا مجموعہ چار استان کا تھا، جو دجلہ کے مشرقی جانب واقع تھے، اور دریائے دجلہ اور دریائے "تامرا" سے سیراب ہوتے تھے۔ یہ چار استان حسب ذیل تھے:-

(۸۰) استان شاد فیروز یا حلوان (جو شاد فیروز بھی کہلاتا تھا) اس میں تامرا خانقین اور ان کے علاوہ تین اور طسوج شامل تھے۔ یعنے طساسیج کی کل تعداد پانچ تھی + (۲) استان شاد ہرمز، بغداد کے گرد تھا؛ اس میں نہر بوق، کلواذا، اور نہربین، المدینۃ العتیقہ (یعنے مدائن)، بالائی راذان اور زیرین راذان اور ان کے علاقوں کے علاوہ دو اور طسوج بھی شامل تھے، یعنی ان کی کل تعداد سات تھی + (۳) استان شاد قباذ اس میں جلولا، بندنیجان، براز الروز اور دسکرہ کے علاوہ چار اور طسوج شامل تھے

[1] اصطخری ص ۸۵ + ابن حوقل ص ۱۰۳ + یاقوت ج ۲ ص ۱۸۹ + مستوفی ص ۱۳۴، ۱۳۹ + ابن بطوطہ ج ۲ ص ۹۹ ابن اثیر ج ۷ ص ۲۶، ۷ + ج ۸ ص ۵۱۸ + ج ۹ ص ۲۰۹ + ج ۱۰ ص ۱۰۳ +

جڑا گیا تھا۔ زیارت گاہ میں داخل ہونے کے لئے چار دروازے تھے، ہر ایک پر پردہ پڑا رہتا تھا اور دہلیز چاندی کی تھی، دیواریں بھی ریشمی زردوزی کے کپڑوں سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ آخر میں ابن بطوطہ اُن کرامات کا ذکر کرتا ہے جو ہر سچے مسلمان کو یہاں نظر آیا کرتے تھے[۱]

کربلا یا مشہد حسین، کوفہ سے شمال مغرب میں آٹھ فرسخ کے فاصلے پر واقع ہے، یہ وہی میدان ہے جہاں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ۶۱ھ (۶۸۰ء) میں تقریباً اپنے کل اہل خاندان کے ساتھ شہید ہوئے تھے۔ موجودہ زمانہ کے شیعوں کے لئے مشہد حسین کا رتبہ مشہد علیؑ سے بھی زیادہ ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ اس زیارت گاہ کو پہلے کس نے تعمیر کرایا تھا لیکن تیسری (نویں) صدی میں وہاں کوئی عمارت ضرور موجود تھی، چونکہ ۲۳۶ھ (۸۵۰ء) میں خلیفہ متوکل عباسی نے یہ حکم دے کر تمام شیعوں کو اپنا دشمن بنا لیا تھا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے مزار کو برباد کر کے اُس کی زمین میں پانی بھر دیا جائے۔ اس کے علاوہ اس نے زیارت کی بھی ممانعت کر دی تھی، اور زائروں کو جرمانہ کی سزا دینے کا حکم دیا تھا۔ سامرا کے محلوں کا ذکر کرتے ہوئے مستوفی نے لکھا ہے کہ متوکل کو اُس کی بدبختی کی سزا خدا نے یہ دی کہ جتنے محل اس نے سامرا میں بنوانے شروع کئے تھے ان میں سے ایک بھی اختتام کو نہ پہنچ سکا، بلکہ جس قدر تعمیر ختم ہوئی تھی وہ بھی اسی طرح برباد ہوئی جس طرح اس خلیفہ نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے مزار کو برباد کرایا تھا + یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ مزار کب تک بے چراغ رہا۔ بہرکیف ۳۶۹ھ (۹۷۹ء) میں جب بنی بویہ کے سلطان عضد الدولہ نے یہاں ایک نہایت شاندار مشہد تعمیر کرایا جو غالباً اس تعمیر کی توسیع تھی جس کا حال ضمناً اصطخری اور ابن حوقل نے اپنی تصانیف میں جو اس زمانہ سے قبل لکھی گئی تھیں بیان کیا تھا۔

۴۰۷ھ (۱۰۱۶ء) میں مشہد حسین کا گنبد جل گیا، لیکن بہت جلد وہاں نیا گنبد تیار کرا دیا گیا۔ کیونکہ ۴۷۹ھ (۱۰۸۶ء) میں ملک شاہ سلجوقی جب سیر و شکار کے لئے اس علاقے میں آیا ہے تو وہ اس مزار کی زیارت سے بھی مشرف ہوا تھا، خرابی یہ ہے کہ یاقوت نے کربلا کی زیارت گاہوں کا حال نہیں لکھا" بلکہ صرف ضمناً یہ لکھا ہے کہ حضرت امام حسین کے مزار کے گرد جو احاطہ ہے

---

[۱] اصطخری ص ۸۲ + ابن حوقل ص ۱۶۳ مقدسی ص ۱۳۰ + ابن الاثیر ج ۹ ص ۱۳، ۴۲، ۱۶۹، ۳۹۴، ج ۱۰ ص ۱۰۳ + مستوفی ص ۱۳۴ + یاقوت ج ۴ ص ۲۶۰ + ابن بطوطہ ج ۱ ص ۴۱۲، ۴۱۴ +

جو فرات سے کچھ فاصلے پر مغرب میں واقع تھا۔ (۱۱) اوسط بہ قباذ کے استان میں چار طسوج تھے:- تھوبلات، سوداسع، بربیسما، بارو سما، اور نھر الملک۔ (۱۲) اسفل بہ قباذ میں پانچ طسوج تھے، اور یہ سب کے سب دریائے فرات کے زیریں حصے سے جہاں یہ دریا مرداب میں گرتا تھا، بظاہر ملحق تھے۔ مذکورہ بالا فہرست کے ناموں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تقسیم ساسانیوں کے عہد کی تھی، اور اسلامی فتوحات کے بعد عربوں نے اسے اختیار کر لیا تھا۔ مثلاً اردشیر بابکان ساسانی خاندان کا بانی تھا؛ اور فارسی میں شاد فیروز یا شاذ فیروز کے معنے "خوش بختی" کے ہیں۔ اسی طرح بہ قباذ کے معنے کسرے قباذ کے بیلی یا اچھی زمین کے ہیں، اور شاذ فارسی میں "شان و شوکت" کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ ھرمز، قباذ، شاپور، اور بہمن کے ساتھ استعمال ہوا ہے، اور یہ چاروں ایران کے مشہور ترین بادشاہوں میں سے تھے[1]۔

عراق میں زیادہ تر مال تجارت ایسا تھا جو باہر سے یہاں آتا تھا، نہ کہ وہ جو یہاں سے باہر جاتا تھا۔ چونکہ یہ خلافت کا مرکزی صوبہ تھا اس لئے سلطنت کے تمام صوبوں کی اشیاء اس میں صرف ہوتی تھیں۔ مقدسی نے ان اشیاء اور مصنوعات کی ایک فہرست دی ہے جن کے لئے مختلف شہر مشہور تھے؛ یہ فہرست اگرچہ بہت زیادہ مفصل نہیں لیکن دلچسپ ضرور ہے۔

بغداد کے بازار ہر قسم کی عجیب و غریب اشیاء کے لئے جو بیرونی ممالک سے یہاں لائی جاتی تھیں، مشہور تھے۔ لیکن شہر بغداد کی خاص صنعت رنگین ریشمی کپڑے تھے خصوصاً عتابی (یا تبی) ریشمین کپڑے۔ یہ نام بغداد کے ایک محلہ پر رکھا گیا تھا۔ یہ کپڑا بہت مضبوط ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ وہاں پر دوئے، نقاب، عماموں کے لئے ریشم کا کپڑا، ہر قسم کے رومال، اور نرسلوں کے بوریئے بھی تیار کئے جاتے تھے۔ بصرہ میں بھی مختلف قسم کے کپڑے بغیر صاف کئے ہوئے ریشم کے بنے جاتے تھے؛ اس شہر کے بازار میں خاص کر جوہریوں کی دکانیں بہت مشہور تھیں۔ جہاں ہر طرح کے نوادر فروخت ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ وہ معدنی اشیاء، کچی دھاتوں، سرمہ، نہ نگار (زنجار) سیندور اور مردہ سنگ (مرداسنج)

[1] ابن خردابہ ص ۵-۸، قدامہ ص ۲۳۵، ۲۳۶، مقدسی ص ۱۳۳۔

اور ان کی مجموعی تعداد آٹھ ہوتی تھی۔ ان اخیر دو استان یعنے شاذ هرمز اور شاذ قباذ کے نام ابن خرداذبہ نے اسی طرح لکھے ہیں، لیکن قدامہ نے ان ناموں کو رد و بدل کے ساتھ لکھا ہے، اس طرح کہ شاذ قباذ کو بغداد کا استان بتایا ہے، اور جلولا طسوج اور اس کے سات علاقوں [طساسیج] کو استان خسرو شاذ هرمز کا نام دیا ہے۔ (۴) دریائے دجلہ کے شرق میں آخری استان بازیجان خسرو تھا جو استان نهروان بھی کہلاتا تھا۔ اسی کا نام قدامہ نے ارندابین کرد لکھا ہے۔ اس استان میں پانچ طسوج شامل تھے، یعنی بالائی نهروان اور درمیانی نهروان زیرین نهروان (مع اسکاف بنی جنید اور جسر جرایا کے)؛ اس کے بعد بادرایا طسوج اور سب سے آخرین باکسایا تھا۔

استان کا دوسرا مجموعہ وہ تھا جن کی زمینیں کچھ تو دجلہ سے سیراب ہوتی تھیں اور کچھ فرات سے۔ ان میں سے پہلا (۵) کسکر تھا جو شاذ سابور بھی کہلاتا تھا، اس میں واسط کے گرد کے چار طسوج شامل تھے۔ (۶) زیریں دجلہ کا استان شاذ بہمن یا کورہ دجلہ، اس میں چار طسوج تھے، جن میں سے دو میسان اور دستمیسان تھے؛ دستمیسان اُبلّہ کے گرد واقع تھا۔

باقی چھ استان سب دریائے دجلہ کے مغرب میں تھے؛ ان کی زمینیں نہر دجیل سے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اور ان بڑی نہروں سے سیراب ہوتی تھیں جو فرات سے دجلہ کی طرف شرقی سمت میں بہتی تھیں۔ ان میں پہلا (۷) استان العالی (یعنے بالائی استان) تھا، اس میں چار طسوج تھے اور یہ سب کے سب نہر عیسےٰ کے کنارے واقع تھے، یعنی فیروز سابور یا الانبار، مسکن، قطربل اور بادوریا۔ اس کے جنوب میں (۸) استان اردشیر بابگان جو نہر کوثا اور نہر نیل کے کنارے تھا، اور اسی میں مدائن کے بالمقابل طسوج بہرسیر اور رومقان اور طسوج کوثا اور نہر جوبر اور نہر درقیط کے طسوج بھی شامل تھے۔ اس استان کے شرق میں زاب کی نہروں کا استان یعنے استان بہ ذیماسقان تھا، جس میں اعلےٰ اوسط اور اسفل نہر زاب کے طسوج شامل تھے۔

سب سے آخری تین استان یکے بعد دیگرے بالائی درمیانی اور زیریں بہ قباذ کے تھے۔ ان میں سے پہلے (۱۰) یعنی اعلےٰ بہ قباذ میں چھ طسوج تھے؛ یعنے بابل (بابلیون کے گرد کے کھنڈر) بالائی اور زیریں الفلوجہ، مع دو اور طسوج کے، اور طسوج عین التمر

نے بیان کر دیا ہے؛ اس کے علاوہ آٹھویں (چودھویں) صدی میں ابن بطوطہ نے بھی
یہی راستہ اختیار کیا تھا۔ ابن رُستہ اور قدامہ نے اس سڑک کا حال بھی دیا ہے جو واسط
سے بسمت مشرق خوزستان کے صدر مقام اھواز کو جاتی تھی۔ اسی سڑک پر واسط سے
مشرق میں ایک مرحلہ کے فاصلے پر بازبین ایک منزل تھی؛ یہاں سے اس سڑک کی ایک
شاخ شمال مشرق کی سمت طِیب گئی تھی؛ طِیب سے خوزستان کے شہر سُوس کو جایا
کرتے تھے[1]۔

حاجیوں کی سڑک جو بغداد سے جنوب میں کوفہ جاتی تھی، شہر مدور کے باب کوفہ
سے شروع ہو کر کرخ میں سے ہوتی ہوئی صرصر آتی تھی؛ اور وہاں سے قصر ابن ھُبیرہ
پہنچتی تھی۔ قصر ابن ھبیرہ سے آگے چل کر یہ سڑک فرات کی مشرقی شاخ (یعنی موجودہ اصلی
دھارے) کو جو چوتھی (دسویں) صدی میں نہر سُورا کہلاتی تھی؛ شہر سُورا والے کشتیوں
کے پل سے عبور کرتی تھی؛ اور پھر وہاں سے کوفہ کی طرف آتی تھی کوفہ کے شہر کے سامنے وہ
فرات کی مغربی شاخ پر سے گذرتی ہوئی کوفہ کے مشرقی حصے میں داخل ہوتی تھی۔ کوفہ سے
آگے یہ سڑک جنوب مغرب کو چل کر قادسیہ پہنچتی تھی؛ اور اسی مقام سے عرب کا ریگستان
شروع ہو جاتا تھا۔ اس راستے کا ذکر سب پرانے جغرافیہ نویسوں نے کیا ہے۔ خصوصاً
ابن رُستہ نے اسے بہت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اُس نے کوفہ جانے والے راستہ کے
بعض حصوں کی جگہ دوسرے راستے بھی بیان کئے ہیں؛ اور فاصلے فرسخ اور میل
دونوں کے حساب سے لکھے ہیں۔ چھٹی (بارھویں) صدی کی ابتدا کے بعد کوفہ اور بغداد
کی درمیانی منزل یعنی قصر ابن ھُبیرہ برباد ہو گیا؛ حِلّہ نے اس کی جگہ لے لی (دیکھو صفحہ حاشیہ ۱) اور
اب حاجیوں کی سڑک صرصر سے چل کر فراشہ ہوتی ہوئی حِلّہ پہنچتی تھی حِلّہ کے مقام پر فرات کے شرقی دھارے
کو عبور کرنے کے لئے ویسا ہی ایک بڑا کشتیوں کا پل بنا ہوا تھا جیسا کسی زمانہ میں سُورا پر تھا یہی راستہ ابن جبیر
اندلسی اور بعد کے تمام سیاحوں نے اختیار کیا ہے کوفہ سے بصرہ کا فاصلہ اگر اس سڑک سے چلیں جو مرداب اعظم
(بطائح) کی جنوبی سرحد کے کنارے گئی تھی تو اسی یا پچاسی فرسخ ہوتا تھا۔ اور اس سڑک کا حال جو قادسیہ
کے جنوب میں ریگستان کی دوسری منزل سے بائیں ہاتھ کو مڑ جاتی تھی۔ ابن رستہ

[1] ابن رستہ ص ۱۸۴، ۱۸۶-۱۸۸ + یعقوبی ص ۳۲۰ + قدامہ ص ۱۹۳، ۲۲۵، ۲۲۶ + ابو الفداء ص ۳۰۵ +
ابن بطوطہ ج ۲ ص ۸ + مستوفی ص ۱۹۵ +

کی بڑی تجارت گاہ تھا۔ اس شہر سے کھجوریں، مہندی، کپڑا، ریشم، گلاب کا عرق، اور عطر نافرمان فروخت ہونے کے لئے باہر جاتے تھے۔ کوفہ کھجوروں، عطر بنفشہ اور ریشم [خز] کے کپڑے کی وجہ سے مشہور تھا، جس سے عمامے تیار ہوتے تھے۔ اُبلہ میں سوتی کپڑا نہایت عمدہ بُنا جاتا تھا واسط سے باقلۂ مصری، اور ایک قسم کی سوکھی مچھلی جسے ششم کہتے تھے دساور کی جاتی تھی نُعمانیہ میں کپڑا بکثرت تیار ہوتا تھا، اور یہ شہر ہر قسم کے اونی کپڑے کے لئے بہت مشہور تھا۔[1]

پہلے باب میں ذکر ہو چکا ہے کہ عباسیوں کے دور میں تمام بڑی شاہراہوں کا مرکز قدرتی طور پر بغداد تھا، یہیں سے بصرہ، کوفہ، انبار، تکریت اور حُلوان جانے والی شاہ راہیں شروع ہوتی تھیں، اور بالآخر سلطنت کے انتہائی حصہ تک پہنچتی تھیں۔

بصرہ سے بغداد جانے کے لئے بہترین اور آسان ترین راستہ قدرتاً دجلہ تھا۔ ابن رستہ اور یعقوبی نے اسی راستہ کو مع ان تمام شہروں کے جو دریا کے دونوں جانب واقع تھے بہت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ دریا کے بہاؤ کے رخ القطر تک آنے میں دریائے دجلہ کے بڑے دھارے کا راستہ اختیار کیا جاتا تھا، اس کے بعد مرداب اعظم (بطائح) کا علاقہ شروع ہوتا تھا، جس میں کشتیاں جھیلوں (دیکھو صفحہ حاشیہ ۴۴) میں سے ہو کر گذرتی تھیں۔ نہر ابو الاسد مسافروں کو دجلہ کی کھاڑی کے آغاز تک پہنچا دیتی تھی، اور یہاں سے نہر معقل کے ذریعے بصرہ پہنچتے تھے۔ بصرہ سے نہر اُبلہ پھر کھاڑی کی طرف آتی تھی، اور اس میں وہ مسافر سفر کرتے تھے جو عبادان یا خلیج فارس کا قصد رکھتے ہوں۔ ابن رستہ نے بغداد سے واسط کا وہ خشکی کا راستہ بھی بیان کیا ہے جو دجلہ کے شرقی جانب سے مدائن سے ہو کر گذرتا تھا، اور اس راستہ کی وجہ سے ہم دریا کے کنارے کے تمام شہروں کا محل وقوع بآسانی مرتسم کر سکتے ہیں، کیونکہ شہروں کے فاصلے فرسخوں میں بیان کر دئے گئے ہیں۔ قدامہ نے بھی اس راستے کو مفصل بیان کیا ہے، اور دو ایک موقعوں پر جہاں ذرا کمی رہ گئی ہے، اُسے ابو الفداء کی کتاب سے رفع کیا جا سکتا ہے۔ واسط سے بصرہ کا خشکی کا راستہ بھی، جو بطائح کے شمالی کنارے کے متوازی جاتا تھا، قدا

---

[1] مقدسی ص ۱۲۸

بغداد کے شہر مدور کے باب کوفہ سے ایک اور شاہراہ مغرب کی طرف جاتی تھی۔ یہ پہلے محول پہنچتی تھی، پھر وہاں سے نہر عیسیٰ کے کنارے کنارے دریائے فرات کے شہر انبار تک آتی تھی۔ اور یہاں سے فرات کے چڑھاؤ کے رخ دریا کے بالکل متوازی عراق کے سب سے آخری شہر حدیثہ تک پہنچتی تھی۔ اور وہاں سے جزیرہ کے شہر عانہ کو جاتی تھی۔ یہ دریائے فرات کی ان سڑکوں میں سے جو بغداد سے شام کو فرات کے کنارے کنارے جاتی تھیں ایک سڑک

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۶) ص ۴۳ ، قدامہ ص ۱۹۰ + ابن رستہ ص ۱۸۰ ، ۱۸۲ + مقدسی ص ۱۰۶ ، ۲۵۱ + یہ بات قابل لحاظ ہے کہ عرب جغرافیہ نویس نجد کے پرانے صدر مقام کو (حجر) سے لکھتے ہیں۔ حاجی خلیفہ پہلے مصنف ہیں (جہاں نما ص ۵۲۰) جنہوں نے موجودہ زمانہ کا املا درعیہ لکھا ہے اگرچہ جہاں نما میں ایک مقام پر (جہاں نما ص ۵۲۸ ، ۵۳۲) انہوں نے بھی حجر یا خاص ضریہ لکھا ہے حجاز اور عرب کے اس علاقے کی جغرافیہ کو جو دھنہ (ریگستان اعظم) کے شمال میں واقع ہے۔ پروفیسر ایف وسٹنفیلڈ نے اپنے بعض مضامین میں جنہیں عربی اسناد کی بنا پر لکھا گیا ہے، بالکل صاف کر دیا ہے۔ یہ مضامین Abhundlungen der Koniglichen Gesilschaft der Wissenschaft zu Gottengin میں چھپے ہیں، ان کو واضح کرنے کے لئے Kiepert نے نقشے بھی لگائے ہیں، اور تمام مضامین کا اشاریہ بھی شایع ہوا ہے۔ ان میں حسب ذیل مضامین شامل ہیں۔ میں ان کی مفصل فہرست اس لئے نقل کرتا ہوں کہ انگریز جغرافیہ نویسوں کو ان میں سے اکثر کا علم نہیں ہے۔ Die von Medina auslaufenden Hauptstrassen (Vol. XI, 1862); Die Wohnsitze und Wanderungen de Arabischen Stamme (Vol. XIV 1869); Die Strasse von Basra nach Mecca mit der Landschaft Dharija (Vol. XVIII, 1873) اس مضمون میں کوفے سے مکہ جانیوالے حاجیوں کی سڑک کا حال ہے۔ Bahrein und Jemama (Vol. XIX 1874), Geschte de Stadt Medina (Vol. IX 1860) Chroniken der Stadt Mecca (Leipzig 1861) کی جلد چہارم اس کتاب کے مصنف نے جرمانی زبان میں مکہ کی مختصر تاریخ مع جغرافیائی حالات کے بیان کی ہیں

اور ابن خرداذبہ نے لکھا ہے[۵۱]:

جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے میسوپوٹیمیا سے حجاز کو جانے کے لئے حاجیوں کی دو سڑکیں عرب کے ریگستان میں سے گذرتی تھیں۔ ایک کوفہ سے چلتی تھی اور دوسری بصرہ سے، اور ذات عرق کے مقام پر، جو کہ مکۂ معظمہ سے شمال مشرق کی سمت میں دو دن کی راہ تھا، یہ دونوں سڑکیں مل جاتی تھیں۔ تیسری (نویں) صدی کی لکھی ہوئی کتب مسالک اور مقدسی کی کتاب میں ان دونوں مشہور سڑکوں اور ان کی منزلوں اور نصف منزلوں کا حال، جہاں حاجی کھانا کھانے کے لئے (المتعشّا) قیام کیا کرتے تھے، اور ہر منزل سے دوسری منزل کا درمیانی فاصلہ بہت احتیاط سے بیان کیا گیا ہے۔ کوفی سڑک فید میں سے گذرتی تھی جو جبل شمّر کے موجودہ صدر مقام حائل سے ذرا جنوب کی طرف تھوڑے سے فاصلے پر واقع تھا۔ بصرہ کی سڑک ضریّہ سے گذرتی تھی۔ یہ شہر اس ریاست کا صدر مقام تھا جو بعد کے زمانے میں وہابیوں کی ریاست ہو گئی، اور اس شہر کے کھنڈر اب بھی نجد کے موجودہ صدر مقام الریاض سے چند میل مغرب میں پائے جاتے ہیں۔ حاجیوں کی کوفہ اور بصرہ والی دونوں سڑکوں سے داہنے جانب کو وہ سڑکیں نکلتی تھیں جو سیدھی مدینۂ منورہ کو جاتی تھیں[۵۲]۔

---

[۵۱]۔ ابن رستہ ص ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۸۰، ۱۸۲ + یعقوبی ص ۳۰۰ + ابن خرداذبہ ص ۱۲۵، ۱۴۵ + قدامہ ص ۱۸۵ + ابوالفدا ص ۳۰۳ + ابن جبیر ص ۲۱۴ - ۲۱۹ + مستوفی ۱۹۳ + مقدسی (ص ۲۵۲) نے اندازہ کیا ہے کہ ریگستان کے کنارے کے ساتھ ساتھ کوفہ سے بصرہ کا فاصلہ دس لمبے مرحلے اور کم از کم (۲۵۰) میل سے کچھ زیادہ تھا۔ تاریخ میں یہ فاصلہ اس لئے مشہور ہے کہ بلال ابن بردہ نامی ایک شخص نے اسے چوبیس گھنٹوں میں تیز رفتار اونٹنیوں کے ذریعے سے طے کیا تھا، کیونکہ اسے حاکم عراق خالد بن عبد اللہ القسری کے پاس کوفہ میں نہایت ضروری کام تھا۔ یہ واقعہ خلیفہ ہشام بن عبد الملک کے عہد میں سنہ ۱۲۰ھ (۷۳۸ء) میں پیش آیا تھا + طبری ج ۲۔ ص ۱۶۲۷ + (اس ضمن میں یہ یاد ہوگا کہ ڈک ٹرپن (Dick Turpin) نے لنڈن سے یارک کا فاصلہ (۱۸) گھنٹوں میں طے کیا تھا۔ یہ فاصلہ کم و بیش (۲۰۰) میل تھا۔ اور اس لئے ان دونوں شخصوں کی رفتار تقریباً ایک ہی سی تھی۔

[۵۲]۔ مکۂ معظمہ اور مدینۂ منورہ کی کوفہ والی سڑک کے لئے دیکھو:۔ ابن خرداذبہ ص ۱۲۵ + قدامہ ص ۱۸۵ + ابن رستہ ص ۱۷۵ + یعقوبی ص ۳۱۱ + مقدسی ص ۱۰۷، ۲۵۱ - بصرہ والی سڑک کے لئے دیکھو:۔ ابن خرداذبہ

باب ششم

جزیرہ

جزیرہ کے تین علاقے۔ دیار ربیعہ۔ موصل، نینوہ اور قرب و جوار کے شہر۔ زاب اعظم حدیثہ اور اربل۔ زاب اونے سن اور دقوق۔ خابور، خرہ حسنیہ اور عمادیہ۔ جزیرہ ابن عمر اور جبل جودی، تصیبین اور راس العین۔ ماردین اور دُنیسر۔ ہرماس اور خابور عربان اور دریائے ثرثار۔ سنجار اور حضر۔ بلد اور اذرعہ۔

اس کی شرح ہم پہلے کر چکے ہیں کہ عرب شمالی میسو پوٹیمیا کو الجزیرہ (یعنی ٹاپو یا جزیرہ نما) کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ تمام ملک دجلہ اور فرات کے بالائی حصوں سے گھرا ہوا تھا۔ اس صوبے کو بالعموم تین حصوں یعنی دیار ربیعہ، دیار مضر اور دیار بکر میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ یہ نام عرب کے قبائل ربیعہ، مضر اور بکر کے نام سے مشہور ہوئے تھے کیونکہ یہ تینوں قبیلے ان علاقوں میں ظہور اسلام سے پہلے ہی ساسانیوں کی حکومت میں بس گئے تھے ان میں سے ہر قبیلے کو ایک مخصوص زمین بطور گھر (دیر جمع دیار) کے ملی تھی۔ جسے اس نے بعد کو اپنے نام سے مشہور کر دیا۔ دیار ربیعہ کا صدر مقام دریائے دجلہ کے کنارے کا شہر موصل اور دیار مضر کا فرات کے کنارے کا شہر رقہ تھا، اور آمد کا شہر جو دجلہ کے بالائی گزرگاہ کے کنارے واقع تھا، دیار بکر کا صدر مقام تھا۔ دیار بکر ان تینوں حصوں میں سب سے زیادہ شمال کی طرف واقع تھا۔ لیکن مقدسی نے جزیرہ کے حالات اس صوبے کو اقلیم اقور کے نام سے موسوم کر کے لکھے ہیں۔ اس نام یعنی اقور کی اصلیت صاف طور پر تحقیق نہیں۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ شمالی میسو پوٹیمیا کی ہموار زمین کا نام کسی زمانے میں اقور تھا۔

اگر نقشہ پر ایک نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ بالائی میسو پوٹیمیا کے علاقے میں دجلہ

کا پہلا حصہ ہے، اور اس کا ذکر ابن خرداد بہ اور قدامہ نے کیا ہے۔ بغداد سے شام کو جانے والی دوسری سڑک شمال کی جانب دجلہ کے متوازی موصل پر سے گزرتی تھی، اور بغداد سے تکریت تک وہ عراق کی حدود میں رہتی تھی۔ یہ سڑک جس پر ڈاک جاتی تھی شرقی بغداد کے باب بردان سے شروع ہوتی تھی۔ اور دریا کے بائیں کنارے کے متوازی عکبرا اور سامرا سے ہوتی ہوئی تکریت پہنچتی تھی۔ تکریت سے یہ سڑک اس کاروانی سڑک سے مل جاتی تھی جو مغربی بغداد کے محلہ حربیہ سے شروع ہو کر نہر دجیل کے کنارے کنارے گزرتی ہوئی حربا پہنچتی تھی، اور حربا سے سامرا کے شاہی محلوں اور باغوں کے متوازی چل کر تکریت پہنچ جاتی تھی۔ اس کاروانی سڑک پر ابن جبیر اور ابن بطوطہ نے سفر کیا تھا [1]۔

مشرقی بغداد کے باب خراسان سے خراسان کی بڑی شاہ راہ شروع ہوتی تھی۔ یہ سڑک جیسا کہ بیان ہو چکا ہے ایران میں سے گزرتی ہوئی ماوراء النہر میں داخل ہوتی تھی اور وہاں سے آخر کار چین کی سرحد تک پہنچ جاتی تھی۔ ابن رستہ نے اس شاہراہ کا ذکر منزل بمنزل نہایت تفصیل سے کیا ہے اور تقریباً تمام جغرافیہ نویس بھی اس شاہراہ کے مختلف حصوں کے باہمی فاصلوں کو بیان کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے بڑی سڑکوں میں یہی سڑک ہے جس کے حالات ہم کو سب سے زیادہ معلوم ہیں [2]۔

---

[1] ابن خرداد بہ ص ۹۳، ۷۲۔ قدامہ ص ۲۱۴، ۲۱۶، ۲۱۷ + مقدسی ص ۱۳۴ + ابن جبیر ص ۲۳۲ + ابن بطوطہ ج ۲ ص ۱۳۲ + مستوفی ص ۱۹۵ +

[2] ابن رستہ ص ۱۶۳ + یعقوبی ص ۲۶۹ + ابن خرداد بہ ص ۱۸ + قدامہ ص ۱۹۷ + مقدسی ص ۱۳۵ + مستوفی ۱۹۳ +

اور فرات کے تمام معاون تقریباً بلا استثنا، شمال مشرق یا شمال سے بہتے ہوئے ان دونوں دریاؤں میں ان کے بائیں کنارے کی طرف سے ملتے تھے۔ صرف ایک مستثنیٰ مثال اس قاعدہ کلیہ کی زمانہ وسطے میں دریائے ھرماس کے بہاؤ میں ملتی ہے۔ ھرماس جس کا منبع نصیبین کے قریب ہے، دریائے خابور اعظم کا معاون ہے اور جس مقام پر ان کا اتصال دریائے خابور سے ہوتا ہے ٹھیک اس کے شمال میں کچھ دور سکیر العباس کے مقام پر دریائے ھرماس کو بند باندھ کر اس طرح روکا گیا تھا کہ اس کا آدھا پانی تو بہہ کر دریائے خابور میں چلا جاتا جو آگے بڑھ کر قرقیسیا کے مقام پر دریائے فرات سے جا ملتا تھا؛ اور باقی ھرماس کا اصلی دھارا نھر الثرثار کے رہگذر پر بہتا ہوا تکریت کے مقام دجلہ کے بائیں کنارے کی جانب سے دجلہ میں مل جاتا۔ اس کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوگا کہ جزیرہ کے ان تینوں حصوں کے حدود کا اندازہ بھی دریاؤں کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ چنانچہ دیار بکر کی سرزمین وہ تھی جو دریائے دجلہ کے بالائی رہگذر سے یعنی اس کے منبع سے لے کر اس زمین تک جہاں تل فافان کے جنوب میں اس دریا نے ایک خم کھایا ہے سیراب ہوتی تھی اور اس سرزمین میں جانب شمال کے وہ قطعات بھی شامل تھے جن میں دجلہ کے بہت سے معاون دریا بہتے تھے۔ یہ دریا تل فافان کے مغرب میں تھے اور دجلہ کے بائیں کنارے سے دریائے دجلہ میں آکر ملتے تھے۔ دیار بکر کے جنوب میں دیار مضر تھا۔ اس میں وہ تمام زمینیں شامل تھیں جو دریائے فرات کے کنارے سمیساط سے لے کر جہاں یہ دریا پہاڑی دروں سے نکل کر باہر آتا ہے، جنوب میں عانہ کے مقام تک واقع ہیں؛ اور اس میں وہ ہموار قطعات بھی شامل تھے جو دریائے فرات کے معاون دریائے بلیخ سے کہ حران سے بہتا ہوا آیا تھا۔ سیراب ہوتے تھے۔ جزیرہ کا تیسرا حصہ یعنی دیار ربیعہ وہ علاقہ تھا جو دیار مضر کے مشرق میں واقع تھا؛ یعنی یہ علاقہ راس العین سے آنے والے دریائے خابور اعظم اور دریائے ھرماس کا تھا، جس کی نسبت بیان ہو چکا ہے کہ وہ نھر الثرثار کے رہگذر پہ بہتا ہوا دجلہ میں گرتا تھا۔ اسی دیار ربیعہ میں وہ زمینیں بھی شامل تھیں جو تل فافان سے جنوب میں تکریت تک نصیبین سے مغرب میں دریائے دجلہ کے دونوں کناروں سے ملحق واقع تھیں اور وہ زمینیں بھی شامل تھیں جو نصیبین سے مشرق میں تھیں؛ اور جن میں وہ ہموار قطعات شامل تھے جو دریائے زاب اعلیٰ اور زاب اسفل اور دریائے خابور حسنیہ سے سیراب ہوتی

مَوصِل (یا المَوصِل) دیار ربیعہ کا صدر مقام، دجلہ کے مغربی کنارے پر اس جگہ واقع ہے جہاں دریا کی بہت سی منجدار شاخیں مل کر ایک بڑا پاٹ بناتی ہیں اور دریا ان سب کو ضم کر کے آگے چلتا ہے۔ انہی متعدد شاخوں کے اتصال سے اس شہر کا نام موصل (سنگم) ہو گیا۔ ساسانیوں کے عہد میں جو شہر یہاں آباد تھا اُسے بُوذ اَرْ دشِیرُ کہتے تھے[1]۔ خلفاء بنی امیہ کے عہد میں موصل کو ترقی ہوئی، اور مغربی سمت میں شہر کو نینوہ کے آثار قدیمہ سے ملانے کے لئے، جو دریا کے مشرقی کنارے واقع تھے، کشتیوں کا ایک پل بھی بنایا گیا۔ آخری اموی خلیفہ مروان بن محمد کے عہد میں موصل جزیرہ کا صدر مقام قرار پایا، اور یہاں خلیفہ نے وہ مسجد تعمیر کرائی جو بعد میں مسجد کہنہ کے نام سے مشہور ہوئی۔

ابن حوقل جو ۳۵۸ھ (۹۶۹ء) میں موصل آیا تھا، لکھتا ہے کہ موصل ایک خوبصورت شہر ہے جس میں بارونق بازار ہیں، اور اوس کے چاروں طرف سیر حاصل زمینیں ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ زرخیز علاقہ مشہور نینوی (نونوے) کے گرد واقع ہے۔ نینوہ میں حضرت یونس علیہ السلام کا مدفن ہے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں یہاں زیادہ تر کردوں کی آبادی تھی۔ ابن حوقل نے موصل کے گرد و نواح کے تمام اضلاع کو جن کے مجموعے سے مراد دیار ربیعہ کی کل سرزمین ہے بہت احتیاط سے شمار کرایا ہے۔ مقدسی نے موصل کی متعدد کاروان سراؤں (فنادق) کی تعریف کی ہے، اور شہر کی نسبت لکھا ہے کہ وہ غیر معمولی طور پر عمدہ بنا ہوا ہے۔ نصف دائرہ کی شکل میں وہ آباد تھا، اور بصرہ کے مقابلے میں اس کی وسعت تقریباً ایک ثلث کے قریب تھی۔ اس کا قلعہ المُربَّعہ کہلاتا تھا اور وہ ایک معاون دریا کے کنارے جسے نہر زُبَیدَہ کہتے تھے واقع تھا۔ اس قلعہ کے اندر سوق الاربعاء یعنی چہارشنبہ کا بازار ہوا کرتا تھا، اور بعض اوقات قلعہ کو بھی سوق الاربعاء کہتے تھے۔ جامع مسجد، جو خلیفہ مروان بن محمد اموی نے بنوائی تھی، دجلہ سے ایک تیر کے ٹیلے (رمیۃ السہم) پر ایک بلند مقام پر واقع تھی، جس پر چڑھنے کے لئے سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ اس عمارت

---

[1] مقدسی ص ۱۳۶-۱۳۸، ابن خرداذبہ ص ۱۷، یاقوت ج ۴ ص ۶۸۲-۶۸۴، مراصد ج ۱ ص ۴۴۔ یاقوت نے موصل کا ساسانی نام نَوَرْ دَشِیر یا نَوزَرْدَشِیر لکھا ہے۔ لیکن یقیناً نوَرْ دَشِیر کتابت کی غلطی ہے۔

دیرون (یعنی مسیحی خانقاہوں) کی بھی ایک فہرست دی ہے، جو موصل کے قرب و جوار میں
واقع تھے۔ اس نے موصل کے قلعہ کی گہری خندق اور اونچی دیوار کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔
شہر کے گرد باغات بکثرت تھے۔ اور قزوینی لکھتا ہے کہ ان میں رہٹ کے ذریعے پانی دیا جاتا
تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ نینوہ کے ٹیلے مقدسی کے زمانہ میں تل التوبہ (توبہ کے ٹیلے) کے
نام سے مشہور تھے، جہاں حضرت یونس علیہ السلام نینوہ کے باشندوں کو گمراہی سے سچے
دین پر لائے تھے۔ اس کا نشان قائم رکھنے کے لئے یہاں ایک مسجد بنا دی گئی تھی؛ اور
اس کے گرد مقدسی لکھتا ہے کہ ناصر الدولہ حمدانی نے زائرین کے لئے مکانات تعمیر کرائے
تھے؛[1] اس سے نیم فرسخ کے فاصلے پر ایک صحت بخش چشمہ تھا جسے حضرت یونس علیہ السلام کی
نام پر عین یونس کہتے تھے، اور اس کے قریب ہی ایک مسجد تھی۔ یہیں پر وہ شجرۃ الیقطین
(کدو کا درخت) تھا، جسے حضرت یونس علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے لگایا تھا۔ یاقوت نے
لکھا ہے کہ موصل کے اکثر مکانات سنگ مرمر یا چونے کے پتھر کے بنے ہوئے تھے؛ اور چھتیں ڈاٹ
کی تھیں؛ شہر میں جرجیس نبی (سینٹ جارج) کی قبر بھی تھی۔ آٹھویں (چودھویں) صدی
میں ابن بطوطہ موصل سے گذرا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ شہر کی حفاظت کے لئے دہلی کی طرح
یہاں بھی دوہری فصیلیں تھیں، اور ان میں جابجا اونچے اونچے برج بنے ہوئے تھے۔ شہر کا
قلعہ اس زمانہ میں الحدبا (کبڑا) کہلاتا تھا۔ اور نورالدین زنگی کی جامع مسجد میں سنگ
مرمر کا ایک ہشت پہلو حوض تھا، جس میں ایک فوارہ لگا ہوا تھا، جس سے پانی کی ایک دھار
قدآدم اونچی نکلتی تھی۔ ایک تیسری جامع مسجد دجلہ کے کنارے نئی تیار ہوئی تھی اور غالباً
یہی مسجد ہے جس کی مستوفی نے تعریف کی ہے، اور لکھا ہے کہ اس کی محراب میں سنگ تراشی
کا کام ایسا نازک اور باریک تھا کہ اس پر لکڑی کے نفیس کام کا گمان ہوتا تھا۔ اس زمانہ
میں موصل کا دور ایک ہزار قدم تھا۔ مستوفی نے بھی حضرت یونس علیہ السلام کے مزار

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۲) بیان کرنے میں اکثر یہی نام پیش کیا جاتا ہے۔

[1] مقدسی نے لکھا ہے کہ مکانات ناصر الدولہ حمدانی کی بیٹی جمیلہ نے تعمیر کرائے تھے۔ چنانچہ مقدسی کی عبارت
حسب ذیل ہے:۔ بنتہ جمیلة ابنة ناصر الدولة وم وقفت علیہ اوقافاً جلیلة (ص ۱۴۶) مترجم

کی چھت سنگ بستہ واٹ کی تھی۔ مسجد کے دالانوں سے صحن میں جانے کے لئے دروازوں میں کواڑ نہ تھے۔ موصل کے بازار بھی اکثر و بیشتر پٹے ہوئے تھے۔ مقدسی نے شہر کی آٹھ بڑی سڑکوں کے نام گنوائے ہیں؛ شہر کے مکانات دجلہ کے کنارے کنارے دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ مقدسی نے یہ بھی لکھا ہے کہ موصل کا قدیم نام خَولان تھا اور قصر الخلیفہ (خلیفہ کا محل) دریا کی دوسرے کنارے شہر سے نیم فرسخ کے فاصلے پر واقع تھا؛ یہاں سے نینوہ سامنے نظر آتا تھا۔ قدیم زمانے میں اس قصر کے گرد ایک مستحکم فصیل تھی، جسے ہوا کے طوفان نے بعد میں گرا دیا۔ مقدسی نے جس زمانے میں یہ حالات لکھے ہیں اس قصر کے کھنڈروں میں جہاں سے نھر الخوصَر بہتی ہوئی نکلتی تھی کھیتی باڑی ہوتی تھی۔

۵۸۰ھ (۱۱۸۴ء) میں ابن جبیر اندلسی موصل آیا، اور اُس نے اس شہر کے حالات لکھے ہیں۔ اُس زمانہ سے کچھ ہی پہلے مشہور و معروف سلطان نورالدین زنگی نے جس کے زیر سایہ صلاح الدین ایوبی نے تربیت پائی تھی، ایک نئی جامع مسجد موصل کے بازار میں تعمیر کرائی تھی۔ لیکن خلیفہ مروان بن محمد اموی کی تعمیر کردہ مسجد ابھی تک دریا کے کنارے قائم تھی، اور اس کی خوشنما نقش و نگار والی محراب اور کھڑکیوں کی آہنی جالیاں اب بھی اس کی پرانی شان و شوکت کا پتہ دے رہی تھیں۔ شہر کے بالائی حصہ میں بڑا قلعہ تھا؛ اور شہر کی فصیل جس پر جا بجا برج تھے، دریا تک آکر اُس کے کنارے کنارے چلی جاتی تھی۔ شہر کے بالائی اور زیریں حصوں کو ملانے کے لئے ایک چوڑی سڑک تھی فصیل شہر کے باہر بہت ہی بڑی بڑی آبادیاں تھیں، جن میں بہت سی چھوٹی چھوٹی مسجدیں، کارواں سرائے (فنادق) اور حمام موجود تھے۔ موصل کا مارستان (شفاخانہ) اور قیصریہ[1] نام ایک بازار کی عالیشان عمارتیں مشہور تھیں۔ ان کے علاوہ یہاں متعدد مدرسے بھی تھے۔ قزوینی نے

[1] عرب بالخصوص مغربی سمت کے رہنے والے عرب بازار کی بڑی بڑی عمارتوں کو جو اکثر کاروان سرائے کے طور پر برتی جاتی تھیں، قیصریہ یا قیساریہ کہتے تھے۔ ضرور ہے کہ یہ لفظ انہوں نے یونانیوں سے لیا ہو، گو یونانی لفظ کیساریہ یا کیساریون، جس سے مراد شہر کے شاہی بازار سے ہوتی تھی، بازنطینی مؤرخوں کی تحریروں میں کہیں نہیں پایا جاتا۔ ہر حالت میں قیاس اس کا مقتضی نہیں ہے کہ مسلمانوں نے اس لفظ کو کیساریوں سے ماخوذ کیا تھا۔ کیساریوں اسکندریہ کے ایک مشہور محلے کا نام تھا۔ گو قیصریہ کی وجہ تسمیہ

کی طرف سے دجلہ میں گرتے ہیں، زاب زیرین کے اتصال سے تقریباً سو میل شمال کی جانب زاب بالا کا اتصال دجلہ سے ہوتا تھا۔ ابن حوقل نے ان دونوں دریاؤں کے بیچ کی وسیع زمینوں کی زرخیزی اور سرسبزی کی تعریف کی ہے۔ بالائی یا بڑا دریائے زاب ان پہاڑوں ہی سے نکلتا ہے جو ارمینیہ اور آذربائجان کے درمیان واقع ہیں۔ یہ دریا حدیثہ کے مقام پر دجلہ سے ملتا تھا۔ زیرین یا چھوٹا زاب، جو اپنی تیزروی اور تند رفتاری کی وجہ سے مجنون (دیوانہ) کہلاتا تھا، شہرزور کے نواح سے نکل کر سنّ کے مقام پر دجلہ سے ملتا تھا۔ یاقوت کا بیان ہے کہ وہ سرزمین، جس میں سے ہو کر بڑا دریائے زاب گزرتا تھا مشتکهر اور بابغیش کہلاتی تھی؛ اس دریا کا پانی منبع کے قریب سرخ ہوتا تھا، لیکن آخر میں سفید ہو جاتا تھا۔ الحدیثہ (نیا شہر) بڑے دریائے زاب اور دجلہ کے سنگم سے ایک فرسخ شمال میں واقع تھا؛ اس کو دریائے فرات کے کنارے والے الحدیثہ سے، جس کا ذکر اس سے قبل ہو چکا ہے، ممیز کرنے کے لئے حدیثۃ الموصل کہتے تھے۔ اسے آخری اموی خلیفہ مروان بن محمد نے ایک بلند مقام پر دوبارہ تعمیر کیا تھا۔ اس بلندی کے نیچے مرداب کی زمین پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے گرد مشہور شکارگاہ اور بہت سے باغات تھے، شہر کی شکل نصف دائرے کی تھی؛ شہر چونکہ بلندی پر واقع تھا اس لئے دریا کے کنارے سے شہر میں آنے کے لئے سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں، اور اس کی جامع مسجد، جو سنگ بستہ عمارت تھی، دریا کے کنارے پر واقع تھی؛ ساسانیوں کے زمانہ میں یہ شہر نودکرد (نیا شہر) کہلاتا تھا، اور موصل کی ترقی سے قبل یہی شہر صوبے کا صدر مقام تھا۔[1]

السّن (یعنے دانت) کا شہر مسعودی کے مطابق چھوٹے دریائے زاب اور دجلہ کے مقام اتصال سے ایک میل جنوب میں تھا۔ لیکن مقدسی لکھتا ہے کہ بقدر اسی فاصلے کے وہ شمال میں واقع تھا، اور چھوٹا دریائے زاب اس کے مشرق میں بہتا تھا۔ زمانۂ وسطے میں یہاں زیادہ تر عیسائی آباد تھے، اور یاقوت نے لکھا ہے کہ یہاں متعدد

[1] اصطخری ص ۷۵، ابن حوقل ص ۱۴۷، ۱۵۵؛ مقدسی ص ۱۳۹، ۱۴۲؛ یاقوت ج ۱ ص ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۷؛ ج ۲ ص ۱۹۰، ۲۲۲، ۵۵۲، ۹۰۲؛ ج ۳ ص ۲۶۷؛ مستوفی ص ۱۶۲، ۲۱۴۔

(مشہد یونس) کا ذکر کیا ہے، جو دجلہ کے دوسرے کنارے پر نینوہ کے کھنڈروں میں واقع تھا[1]۔

موصل سے چند میل مشرق میں برطلا اور کرمالیس کے دو چھوٹے چھوٹے شہر ہیں، اور ان سے ذرا شمال میں باعشیقا کی بستی ہے۔ یہ تینوں موصل کے اعمال میں سمجھے جاتے ہیں۔ مقدسی کا بیان ہے کہ باعشیقا کی ایک قسم کی گھاس مشہور تھی جس سے خنازیر اور بواسیر کے مریض شفایاب ہوتے تھے۔ یاقوت کہتا ہے کہ یہ ایک چھوٹا سا شہر تھا، اور اس میں ایک نہر تھی جس سے متعدد پن چکیاں چلتی تھیں، اور شہر کے باغات سیراب ہوتے تھے۔ ان باغوں میں زیتون، کھجوریں، اور نارنگیاں بکثرت پیدا ہوتی تھیں یہاں ایک بڑا بازار "قیصریہ" تھا، جس میں نہایت عمدہ حمام تھے۔ جامع مسجد میں ایک خوبصورت مینار تھا۔ ساتویں (تیرھویں) صدی میں شہر کی آبادی زیادہ تر عیسائیوں پر مشتمل تھی۔ باعشیقا سے چند میل جنوب میں برطلا کا شہر بھی نینوہ کے اعمال میں سمجھا جاتا تھا۔ یاقوت کہتا ہے کہ وہ ایک بڑا تجارتی مقام تھا، آبادی زیادہ تر عیسائیوں کی تھی۔ مگر یہاں بھی ایک خوبصورت جامع مسجد موجود تھی، اور بہت سے مسلمان وہاں رہتے تھے۔ برطلا کا کاہو اور سبز ترکاریاں عمدگی میں ضرب المثل تھیں، اور مستوفی نے روئی کی فصل کی بھی تعریف کی ہے۔ اس شہر سے چند میل جنوب کی طرف کرمالیس کا شہر تھا۔ یاقوت کے بیان کے مطابق یہاں بہت بڑا بازار تھا، شہر کی آبادی ایک گاؤں سے بہت زیادہ اور ایک بڑے شہر سے ذرا کم تھی، اور تجار کی یہاں اکثر آمد و رفت رہتی تھی۔ مارجہینہ یا مرج (چراگاہ) جہینہ انہیں مقامات کے قریب دجلہ کے کنارے پر مغرب کی طرف موصل سے بغداد جانے والی سڑک پر پہلا مرحلہ تھا۔ مقدسی نے بیان کیا ہے کہ یہاں کبوتروں کے رہنے کے لئے بہت سے مینار بنے ہوئے تھے۔ اس کا قلعہ گچ کا مستحکم بنا ہوا تھا، اور جامع مسجد عین آبادی میں تھی۔

موصل اور تکریت کے درمیان زاب نام کے دونوں دریا دجلہ کے مشرقی کنارے

---

[1] ابن حوقل ص ۱۴۳-۱۴۵؛ مقدسی ص ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۶؛ ابن جبیر ص ۲۳۶-۲۳۸؛ یاقوت ج ۴ ص ۶۸۴؛ ابن بطوطہ ج ۲ ص ۱۳۵؛ قزوینی ج ۲ ص ۲۴۷، ۳۰۹؛ مستوفی ص ۱۶۵، ۱۶۷۔

وہ ریگ رواں میں دھنس کر غائب ہو جاتا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ سیلاب کے زمانہ میں دریائے دَقوق دجلہ تک پہنچتا تھا؛ اور اُس کا جنوبی گذرگاہ وہی ہے جو آج کل خوالاعظم کہلاتا ہے۔ لیکن قدیم زمانہ میں جب کہ نہر خوذَان پوری سلامت ہوگی تو یقیناً دقوق کے سیلاب ربیع کا پانی اسی نہر میں گرتا ہوگا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ دَقوق کا شہر درمیانی درجہ کا سمجھا جاتا تھا' لیکن اُس کی آب و ہوا بغداد سے بہتر اور زیادہ صحت آور تھی' اور شہر کے قریب روغن نفت کے چشمے تھے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ شروع زمانہ کے عرب جغرافیہ نویسوں نے اس شہر کا ذکر نہیں کیا[1]۔

اِربِل جس کا نام قدیم زمانہ میں اِربا ئیلا تھا' بڑے اور چھوٹے زاب کے دو دریاؤں کے درمیانی میدان میں واقع تھا: اور یاقوت نے لکھا ہے کہ یہاں تاجروں کی آمد و رفت بہت تھی۔ شہر کا قلعہ ایک پہاڑی کی چوٹی پر تھا' قلعہ کے گرد ایک گہری خندق تھی اور اس کا ایک حصہ شہر کی فصیل سے گھرا ہوا تھا۔ یہاں پر بہت بڑا بازار لگا کرتا تھا' اور یہاں کی مسجد' جو مسجد الکف (ہاتھ کی مسجد) کہلاتی تھی' اس لئے مشہور تھی کہ اس کے ایک پتھر پر انسان کی ہتھیلی کا نشان بنا ہوا تھا۔ ساتویں (تیرھویں) صدی میں بازار کی عمارتوں کو پھر درست کر لیا گیا تھا' اور شہر کی بیرونی آبادی[2] اس فصیل کے باہر دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ مستوفی نے یہاں کی عمدہ فصلوں کی بہت تعریف کی ہے' خاص کر

---

[1] اصطخری ص ۷۵ + ابن حوقل ص ۱۵۳' مسعودی (تنبیہ) ص ۵۲ + قدامہ ص ۹۴ + مقدسی ص ۱۲۳ + یاقوت ج ۱- ص ۹۴ ' ۱۷۵ + ج ۲- ص ۵۸۱ + ج ۳- ص ۱۹۹ + مستوفی ص ۱۳۹ ' ۱۶۵ ' ۲۲۰ + علی یزدی ج ۱ ص ۶۶۰ + کرکوک کے متعلق' جس کا ذکر یاقوت یا دوسرے شروع زمانہ کے جغرافیہ نویسوں نے نہیں کیا' علی یزدی لکھتا ہے (ج ۱- ص ۶۶۱) کہ وہ تاؤق کے قریب تھا۔ دجلہ کے کنارے تکریت کے بالکل بالمقابل جبلتا کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس نام کو اکثر غلطی سے حبلتا پڑھ لیا گیا ہے' (مثلاً مقدسی ص ۱۳۵) کیونکہ عربی میں ح اور ج میں صرف ایک نقطے کا فرق ہے۔ لیکن یہاں بجائے حبلتا کے یقیناً جبلتا پڑھنا چاہئے' کیونکہ شامی زبان میں یہ نام اکثر آتا ہے اور ہر جگہ اسکو گبلتا لکھا گیا ہے' اور شامی زبان میں گ اور ح کے لکھنے میں کبھی التباس نہیں ہو سکتا۔

[2] ربض ایسی آبادی کو کہتے ہیں' جو قلعہ کے نیچے شہر کے باہر ہو۔ مترجم

گرجا بھی تھے۔ یہ شہر دوسرے ہم نام شہروں سے ممیز کرنے کے لئے سِنّ بَارِمّا کہلاتا تھا۔ بارِمّا ایک سلسلۂ کوہ تھا جسے اسی سِنّ کے قریب دریائے دجلہ نے کاٹ کر اپنا راستہ نکالا تھا۔ سِنّ کے بازار میں ایک سنگ بستہ جامع مسجد تھی، اور شہر کے گرد فصیل تھی۔ اس کے مشرق کی جانب شمال میں چار فرسخ کے فاصلے پر چھوٹے دریائے زاب کے کنارے بوازیج کا شہر تھا جسے ابن حوقل نے مدینۃ البوازیج لکھا ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے جغرافیہ کے نقشوں پر اپنا کوئی نشان نہیں چھوڑا اور یہی حال سِنّ اور حَدیثہ کے شہروں کا ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ چوتھی (دسویں) صدی کے بعد زاب نام کے دونوں دریاؤں نے اپنا راستہ بدل دیا تھا۔ یاقوت نے اسی شہر کو بوازیج الملک (بادشاہ کا بوازیج) لکھا ہے۔ آٹھویں (چودھویں) صدی تک یہ شہر باقی تھا، کیونکہ مستوفی نے لکھا ہے کہ اس کے محاصل جن کی مقدار (۱۴۰۰) دینار تھی، ایل خانیوں کے خزانہ میں ادا کئے جاتے تھے۔

سِنّ کے جنوب میں سامرّا اور بغداد کو جانے والی برید کی سڑک دجلہ کے بائیں کنارے بارِمّا سے گزرتی ہوئی گئی تھی۔ یہ بارِمّا اسی بارِمّا نام کی پہاڑیوں میں جو جبل حَمرین بھی کہلاتی تھیں، ایک چھوٹا سا قریہ تھا، اس سے آگے بڑھ کر برید کی سڑک السّودقانیہ سے گزر کر آخر جَبلتا (یا جُبلتا) پہنچتی تھی معلوم ہوتا ہے کہ ۱۳۳۴ھ (۱۹۱۶ء) میں یہ شہر دارالضرب تھا، اور تکریت سے ذرا شمال میں دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے واقع تھا۔ ان چھوٹے چھوٹے شہروں میں سے ایک بھی اب باقی نہیں، لیکن سیاحت ناموں میں ان کی جائے وقوع نہایت صحت سے درج ہے۔

سِنّ سے مشرق کی طرف سو میل سے کچھ زیادہ فاصلے پر دَقوقا یا دَقوق کا شہر تھا، علی یزدی نے اس شہر کا نام تاؤق یا تاووق لکھا ہے۔ جیسا کہ آج کل بھی لکھا جاتا ہے۔ اس شہر کا ذکر یاقوت اور زمانہ مابعد کے جغرافیہ نویسوں نے اکثر کیا ہے۔ مستوفی نے دریائے دَقوقا (اس نے یہی ہجے لکھے ہیں) کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ دربند خلیفہ یعنی خلیفہ کا درہ) کے قریب کردستان کے پہاڑوں سے نکل کر شہر دَقوق کے جنوب میں ریگستانی میدان سے گذرتا تھا۔ یہاں بقول مستوفی بہت سے خطرناک قطعے ریگ رواں کے تھے۔ جو شخص اس ریگزار کو عبور کرنے کی کوشش کرتا تھا

(دسویں) صدی میں ابن حوقل نے بیان کیا ہے کہ جزیرہ کے گرد فصیل تھی۔ وہاں آرمینیہ کی پیداوار اور مال لاکر فروخت کیا جاتا تھا' اور خاص شہر جزیرہ کا پنیر اور شہد مشہور تھا۔ اس کے مکانات پتھر کے بنے ہوئے تھے' اور مقدسی نے لکھا ہے کہ سردی کے موسم میں یہاں کیچڑ کی کوئی انتہا نہ رہتی تھی + ابن بطوطہ جب آٹھویں (چودھویں) صدی میں یہاں آیا ہے تو یہ شہر بہت کچھ برباد ہوچکا تھا۔ لیکن پرانی مسجد اس وقت بھی بازار میں موجود تھی۔ اور پتھر کی بنی ہوئی فصیل بھی باقی تھی۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ سو سے زیادہ گاؤں اور قریئے اس کے اعمال میں شامل تھے جزیرۃ ابن عمر کے بالمقابل دریائے دجلہ کے مغربی کنارے پر علاقہ باقِردا کا شہر بانَہ بال تھا۔ یہ پرانا رومی قلعہ بیزابدا تھا۔ جغرافیہ نویس اس مقام کا کچھ حال بیان نہیں کرتے۔ (۹۴)

جزیرۃ ابن عمر سے مشرق کی طرف جبل جُودی دکھائی دیتا تھا جس کی چوٹی پر مسجد نوحؑ اور جس کے دامن میں قریۃ الثمانین (اسی آدمیوں کا گاؤں) تھا۔ قرآن شریف (سورۂ ھود آئت ۴۴) میں آیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی طوفان کے بعد الجُودی پر آکر ٹھیری تھی [وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِیِّ] اور اسلامی روایات کے مطابق جودی سے مراد یہی جبل جودی ہے۔ اسی کے علاوہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے اسی ہمراہیوں نے یہ گاؤں تعمیر کیا تھا' جو اُن کے نام پر ثمانینُ کہلاتا تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے لکھا ہے کہ ثمانین خاصا بڑا شہر تھا اور الحَسَنیہ کے شمال میں ایک منزل پر واقع تھا۔ مستوفی اسے سُوق ثمانین (اسی آدمیوں کا بازار) لکھا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس کے زمانہ میں یہ مقام برباد ہوچکا تھا۔ جزیرۃ ابن عمر کے قریب دجلہ کے کئی معاون دریا دجلہ کے بائیں کنارے سے اس میں ملتے تھے۔ یاقوت نے ان معاون دریاؤں کے نام بُوتا (یا بُوتی) اور باعَیناثا (اسے ابن سراپیون نے باسانْفا لکھا ہے) لکھے ہیں۔ باعَیناثا کے کنارے اسی نام کا ایک بڑا گاؤں جزیرۃ ابن عمر کے شمال میں آباد تھا۔ جزیرۃ ابن عمر کے جنوب اور خابور الحَسَنیہ کے شمال میں دریائے بُوَیارا اور دُوشابۃ تھے' جو الزَّوزَن کے علاقے سے بہتے ہوئے آتے تھے [1] +

---

[1] اصطخری ص ۷۶ + ابن حوقل ص ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۶۰ + مقدسی ص ۱۳۹ + ابن سراپیون ص ۱۵ +

روئی کی جو یہاں پیدا ہوتی تھی۔ موصل کے شمال میں عمادیہ کا شہر دریائے زاب بالا کے منبع کے قریب آباد تھا؛ مستوفی کے مطابق اس کا نام دیلمی شہزادہ عماد الدولہ کے نام پر جس نے ۳۳۸ھ (۹۴۹ء) میں وفات پائی رکھا گیا تھا۔ لیکن دوسرے مصنف عمادیہ کے شہر یا کم از کم اس کی دوبارہ تعمیر کو ۵۳۷ھ (۱۱۴۲ء) میں عماد الدین زنگی سے منسوب کرتے ہیں۔ یہ زنگی میسوپوٹیمیا کے مشہور و معروف بادشاہ نور الدین زنگی کا، جس کے زیر تربیت سلطان صلاح الدین ایوبی رہ چکا تھا باپ تھا۔ یاقوت کا بیان ہے کہ قدیم زمانہ میں یہاں ایک قلعہ تھا، جس پر کرد قابض تھے؛ اور اوس کا نام آشب تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے لکھا ہے کہ عمادیہ ایک بڑا شہر تھا۔

قرب وجوار کے پہاڑوں میں دریائے خابور الحسنیہ کا منبع تھا۔ یہ دریا موصل سے شمال کی جانب تقریباً ویڑھ سو میل کے فاصلے پر اور شہر فیشابور سے بالکل شمال میں دریائے دجلہ سے مل جاتا تھا۔ اس دریا کو راس العین والے دریائے خابور سے خلط ملط نہ کرنا چاہیئے۔ یاقوت اس دریا کی نسبت لکھتا ہے کہ وہ الزوزان کے علاقے سے نکلتا تھا اور الحسنیہ کے شہر میں اس پر پتھر کا ایک عالیشان پل بندھا ہوا تھا، جس کے شکستہ آثار حسن آغا کے قریہ کے قریب، جو غالباً قدیم شہر کا قائم مقام ہے اب تک ملتے ہیں۔ حسنیہ کو جس میں ایک جامع مسجد بھی تھی؛ مقدسی نے خاصا بڑا شہر بتلایا ہے۔ اس سے ایک منزل جنوب میں، موصل کی سڑک پر معلثایا کا ایک چھوٹا سا شہر تھا؛ یہاں بھی پہاڑی پر ایک جامع مسجد تھی؛ اور شہر کے چاروں طرف پورے دور میں باغ ہی باغ تھے۔[1]

فیشابور کے شمال میں ایک بڑا شہر جزیرہ نامی تھا؛ اس کا بانی کوئی شخص حسن بن عمر تغلبی تھا۔ اسی وجہ سے شہر کو جزیرۃ ابن عمر کہتے تھے۔ یاقوت لکھتا ہے کہ دجلہ آدھے شہر کے گرد نصف دائرہ کی شکل میں آیا ہوا تھا۔ اور خشکی کی طرف ایک خندق تھی جو پانی سے بھری رہتی تھی۔ اس لئے یہ شہر بالکل ٹاپو ہو گیا تھا، چونکہ

---

[1] مقدسی ص ۱۳۹ + قزوینی ج ۲ ص ۱۹۲ + یاقوت ج ۱ ص ۱۸۶، ج ۲ ص ۳۸۴، ج ۳ ص ۷۱۷، ۹۳۱ + مستوفی ص ۱۶۵، ۱۶۶ +

دور (۶۵۰۰) قدم تھا؛ اس نے یہاں کے انگوروں اور دوسرے میووں اور شراب کی تعریف کی ہے۔ لیکن وہ کہتا ہے کہ مرطوب ہونے کی وجہ سے یہ مقام صحت کے لئے بہت خراب تھا۔ اس نے بھی نصیبین کے گلاب کے پھولوں کی تعریف کی ہے اور بچھوؤں کی مصیبت کا بھی ذکر کیا ہے۔ بچھوؤں کی طرح مچھروں کی کثرت بھی عذاب جان تھی۔[۵۱]

راس العین (چشمہ کا منبع) دریائے خابور کے قریب واقع تھا۔ رومی اس کو رسینا (Resaina) اور دریائے خابور کو خابوراس Chaboras کہتے تھے۔ راس العین کا شہر اپنے کثیر التعداد چشموں کے لئے جن کی مجموعی تعداد (۳۶۰) بیان کی جاتی ہے مشہور تھا؛ اور ان کے پانی نے گرد و نواح کے علاقے کو ایک بہت بڑا باغ بنا دیا تھا۔ ان چشموں میں سے عین الزاہریہ کے متعلق سمجھا جاتا تھا کہ اس کی تھاہ نہیں ہے۔ اس چشمے سے ایک ندی نکل کر دریائے خابور میں گرتی تھی؛ اور اس میں سیر کرنے کے لیے کشتیاں پڑی ہوئی تھیں اور کشتیاں باغوں باغوں راس العین سے قرقیسیا جایا کرتی تھیں، جو دریائے فرات کے کنارے واقع تھا۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ راس العین کے گرد فصیل تھی؛ اور فصیل کے باہر شہر کے گرد بہت سے باغ اور پن چکیاں تھیں آبادی کے باہر بیس فرسخ تک مسلسل مزروعہ زمینیں پھیلی ہوئی تھیں مقدسی نے بڑے چشمے کے قریب ایک جھیل کا ذکر کیا ہے، جو دہ قد آدم گہری تھی لیکن اس کا پانی اس قدر صاف شفاف تھا کہ اگر ایک درہم اس میں ڈالا جائے تو تہ میں صاف نظر آتا تھا۔ راس العین کی عمارتیں پتھر کی تھیں؛ جن پر چونے کی استرکاری کی تھی۔ ابن جبیر اندلسی نے جو ۵۸۰ھ (۱۱۸۴ء) میں وہاں سے گزرا ہے، شہر کی دو جامع مسجدوں عمدہ مدرسوں اور حماموں کا ذکر کیا ہے۔ یہ تمام عمارتیں دریائے خابور کے کناروں پر تھیں۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابن جبیر کے زمانۂ سیاحت میں شہر کی فصیل نہ تھی۔ لیکن آٹھویں (چودھویں) صدی میں اس کو ضرور دوبارہ تعمیر کرا دیا گیا ہوگا، کیونکہ مستوفی نے لکھا ہے کہ اس کی فصیل کا دور (۵۰۰۰) قدم تھا۔ اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہاں روئی، غلّہ

۵۱- ابن حوقل ص ۱۴۰، ۱۴۲، ۱۴۳؛ ابن سرابیون ص ۱۲؛ مقدسی ص ۱۴۰؛ ابن جبیر ص ۲۴۰؛ یاقوت ج ۳ ص ۵۵۹، ج ۴ ص ۷۰۷؛ ابن بطوطہ ج ۲ ص ۱۴۰؛ مستوفی ص ۱۶۷؛

جزیرۃ ابن عمر کے عرض بلد میں، لیکن دجلہ کے مغربی جانب طور عبدین (بندگان خدا کا پہاڑ) کا کوہستانی علاقہ تھا جس میں یعقوبی فرقے کے عیسائی رہتے تھے۔ اسی علاقہ سے دریائے ہرماس و نصیبین والا دریائے خابور نکلا ہے۔

نصیبین یعنے رومی نسیبس (Nisibis) دریائے ہرماس کے بالائی حصے پر واقع تھا، ہرماس کو یونانی جغرافیہ نویسوں نے سوکورس یا مگ ڈونیوس The Soacoras or Mygdonius لکھا ہے۔ یاقوت کا قول ہے کہ نصیبین کا شہر سفید گلاب کے پھولوں اور چالیس ہزار باغوں کی وجہ سے مشہور تھا۔ اس وقت بھی یہ شہر شمالی میسوپوٹیمیا کے بہت بڑے شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ ابن حوقل نے جو ۳۵۸ھ (۹۶۹ء) میں یہاں آیا تھا بیان کیا ہے کہ نصیبین جزیرہ کے صوبے کا بہترین شہر تھا، اور اس کے قرب و جوار میں جوار، گیہوں بہت اچھی قسم کے پیدا ہوتے تھے + قریب کی پہاڑی جہاں سے اس شہر کے لئے پانی آتا تھا، جبل بالوسا کہلاتی تھی۔ شہر سکونت کے لئے بہت خوشگوار مقام تھا، لیکن بچھوؤں کا خوف ہر وقت دامن گیر رہتا تھا۔ نصیبین موصل سے بڑا تھا۔ اور مقدسی نے یہاں کے لوگوں کے رہنے کے مکانات کی بہت تعریف کی ہے۔ بازار شہر کے ایک دروازے سے دوسرے دروازے تک چلا گیا تھا، اور جامع مسجد شہر کے وسط میں واقع تھی۔ شہر کی حفاظت کے لئے ایک سنگ بستہ قلعہ تھا۔ ۵۸۰ھ (۱۱۸۴ء) میں ابن جبیر اندلسی نصیبین آیا تھا؛ اُس نے بھی یہاں کے باغوں کی تعریف کی ہے۔ یہاں کی جامع مسجد میں دو حوض تھے؛ اور دریائے ہرماس پر جہاں وہ شہر کے پاس سے گزرتا تھا، ایک پل بندھا ہوا تھا۔ بڑی عمارتوں میں ایک مارستان (شفاخانہ) اور چند مدرسے تھے۔ ابن بطوطہ آٹھویں (چودھویں) صدی میں یہاں آیا تھا۔ اس نے لکھا ہے کہ اُس وقت شہر کا اکثر حصہ برباد ہو چکا تھا، لیکن جامع مسجد مع اپنے حوضوں کے اب تک باقی تھی، اور شہر کے باغوں سے اب بھی وہ عرق گلاب تیار ہوتا تھا جس کے لئے یہ شہر کسی زمانے میں مشہور تھا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ نصیبین کی فصیل کا

(بقیہ حاشیہ ص ۱۲۰) ابو الفدا ص ۵۵، ۲۸۵ + یاقوت ج ۱ ص ۶۶، ۴۰۲ + ج ۲ ص ۷۹، ۱۴۴، ۵۵۲، ۹۵۷ + ج ۴ ص ۱۰۱۷ + ابن بطوطہ ج ۲ ص ۱۳۹ + مستوفی ص ۱۶۵، ۱۶۶ +

نہر کی شاخوں کے ذریعہ سے اس شہر کے مکانوں میں کیوں کر پانی پہنچتا تھا اور آخر میں
سب شاخیں جامع مسجد کے حوض میں کیوں کر اپنا پانی گراتی تھیں۔ اس نے لکھا ہے کہ
شہر کے تمام مکانات سیاہ پتھر کے بنے ہوئے تھے، اور انہیں گچ اچھا لگایا گیا تھا۔ دارا
دامن کوہ میں واقع تھا اور یاقوت نے لکھا ہے کہ یہاں کا محلب[1] مشہور تھا اور باغوں میں
میوہ بکثرت ہوتا تھا۔ لیکن آٹھویں (چودھویں) صدی میں جب ابن بطوطہ دارا میں
سے گزرا ہے تو اس کا قلعہ ایک غیر آباد ویرانہ ہو چکا تھا۔ ماردین کے جنوب مغرب میں (۹۹)
کفرتوثا اسی نام کے دریا پر آباد تھا۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی میں وہ
بہت بڑا شہر بن گیا تھا اور اس مقام پر واقع تھا جہاں سے آمل سے آنے والی شاہراہ
دارا سے کفرتوثا والی سڑک سے ملتی تھی۔ کفرتوثا اس زمانہ میں دارا سے بڑا تھا
لیکن ساتویں (تیرھویں) صدی میں یاقوت نے اسے محض ایک بڑا گاؤں لکھا ہے[2]

رأس العین سے آتے ہوئے بڑے دریائے خابور میں اس کے بائیں کنارے کی
جانب سے دریائے ہرماس اپنا پانی شامل کر دیتا تھا اور اس مقام سے جنوب میں نصیبین
سے آنے والا دریائے ہرماس بڑے دریائے خابور میں ملتا جاتا تھا۔ لیکن جیسا کہ
اوپر بیان ہوا ہے۔ ہرماس کا بہت سا پانی سُکیر العباس کے بند سے جو ہرماس اور
خابور کے مقام اتصال کے قریب تھا، نہر الثرثار میں ڈال دیا گیا تھا۔ اس طرح اب
خابورین بڑے دریاؤں کا اور ان کے علاوہ بقول مقدسی تین سو نالے ندیوں کا پانی لئے
ہوئے جنوب کی سمت میں قرقیسیا پہنچتا تھا۔ قرقیسیا دیار مضر کے علاقے کا صدر مقام
تھا جس کا ہم ابھی ہم ذکر کریں گے لیکن خابور قرقیسیا پہنچنے سے پہلے عرابان اور

---

[1] شجرة لها حب يجعل في الطيب والعطر (قرب الموارد) ترجمہ: ایک درخت ہوتا ہے جس کے بیج طیب (خوشبو) اور عطر میں پڑتے ہیں۔ مترجم)

[2] بلاذری ص ۱۷۶ + اصطخری ص ۷۳، ۷۴ + ابن حوقل ص ۱۴۳، ۱۴۹، ۱۵۰ + مقدسی ص ۱۴۰ + ابن جبیر ص ۲۴۲، ۲۴۴ + قزوینی ج ۲ ص ۱۸۲ + یاقوت ج ۲ ص ۵۱۶، ۶۱۲، ۷۲۳، ۹۱۱ + ج ۳ ص ۴۳۵ + ج ۴ ص ۲۸۷، ۴۹۰ + مستوفی ص ۱۳۶، ۲۰۵، ۲۱۵ + ابن بطوطہ ج ۲ ص ۱۴۲ + علی یزدی ج ۱ ص ۶۷۷ +

اور انگور بکثرت پیدا ہوتے تھے۔

راس العین اور نصیبین کے تقریباً بیچ میں ہیں لیکن دونوں سے شمال کی طرف مارِدین کا مشہور اور عالیشان پہاڑی قلعہ تھا اور اس کے نیچے ہی میدان میں دُنیسِر کا شہر تین فرسخ جنوب میں واقع تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مارِدین کا قلعہ باز کہلاتا تھا؛ اور حمدانی خاندان کے قبضۂ اقتدار میں تھا۔ قلعہ پہاڑی کی چوٹی پر واقع تھا اور اس کی جنوبی سمت میں قلعے سے باہر ایک بستی (ربض) بسائی گئی تھی؛ جو چھٹی (بارھویں) صدی میں ایک بڑا آباد شہر بن گئی۔ یہاں بہت سے بازار اور کاروان سرائے اور چند مدرسے بھی تھے۔ لیکن تمام عمارتیں ایک سے ایک اوپر اس طرح تھیں کہ جیسے زینہ کی سیڑھیاں ہوتی ہیں؛ اور سڑکیں بھی سیڑھیوں ہی کی تھیں۔ ہر ایک مکان میں بارش کا پانی ذخیرہ کرنے کے لئے الگ الگ حوض تھے۔ ابن بطوطہ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مارِدین آیا تھا؛ اس نے شہر کو بہت خوبصورت بتلایا ہے اور لکھا ہے کہ یہاں اونی کپڑا بہت بُنا جاتا تھا۔ اس کے زمانہ میں یہاں کے عالیشان قلعے کو قلعۃ الشُہبا (بھورا قلعہ) یا قلعۂ کوہ کہتے تھے۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ مارِدین کی زمین دریائے صور کے پانی سے سیراب ہوتی تھی۔ جو عشبدین کے پہاڑی صور نامی سے نکل آخرکار دریائے خابور میں مل جاتا تھا۔ اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ قرب وجوار میں مکئی اور روئی اور میوہ بکثرت پیدا ہوتا تھا۔

دُنیسِر اس سے چند فرسخ کے فاصلے پر تھا؛ اس فاصلے کو ۲ سے ۴ فرسخ تک بیان کیا گیا ہے۔ لیکن اب اس کی اصلی جائے وقوع معلوم نہیں۔ یہ مقام ساتویں (تیرھویں) صدی میں تجارت کی ایک بڑی منڈی تھا۔ یہ کوچ حصار کے نام سے بھی مشہور تھا۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ جب وہ لڑکا تھا (یعنی چھٹی (بارھویں) صدی کی ابتدا میں) تو دُنیسِر محض ایک بڑا سا گاؤں تھا؛ لیکن ۶۲۳ھ (۱۲۲۵ء) میں وہ بہت بڑا شہر بن گیا جس میں بڑے بڑے وسیع بازار نظر آنے لگے۔ ابن جبیر نے جو ۵۸۰ھ (۱۱۸۴ء) میں دُنیسِر پہنچا تھا؛ لکھا ہے کہ اس کے گرد فصیل نہ تھی۔ لیکن اس زمانہ میں یہاں قافلے آکر ٹھیرا کرتے تھے اور تھوڑا زمانہ ہوا کہ وہاں ایک مدرسہ اور بہت سے حمام بھی تعمیر کئے گئے تھے۔

دُنیسِر سے چند میل شرق کی طرف دارا رومیوں کے زمانہ کا ایک بہت بڑا قلعہ تھا۔ جسے ابن حوقل نے ایک چھوٹا سا شہر لکھا ہے اور مقدسی نے بیان کیا ہے کہ ایک زمین دوز

جگہ جگہ دیہات کا سلسلہ چلا گیا تھا۔ مگر جس زمانہ میں یاقوت نے اپنی کتاب لکھی ہے تو اس دریا سے ہر طرف ریگستان ہی نظر آتا تھا۔

سنجار کے میدان میں دریائے ثرثار نے پہاڑیوں کے ایک سلسلہ کو، جنھیں جبل خمین یا جبل بارما کہتے تھے، کاٹ کر اپنا راستہ نکالا تھا، اور ایک ندی شہر سنجار سے بہتی ہوئی شمال کی طرف سے اس میں ملتی تھی۔ چودھویں (دسویں) صدی میں شہر سنجار کے گرد فصیل تھی؛ اور اس کے گرد نہایت ہی زرخیز زمینیں تھیں۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ اس شہر کے بڑھئی بڑے کاریگر مشہور تھے؛ میووں میں نارنگیاں، لیموں اور کھجوریں بکثرت پیدا ہوتی تھیں؛ اور شہر کے بیچ میں ایک بڑی جامع مسجد بھی تھی۔ اسلامی روایات کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی طوفان کے زمانہ میں اسی سنجار کی شمال میں ایک پہاڑی پر سب سے پہلے لگی تھی لیکن پھر آگے بڑھ کر آخر دریاء دجلہ کے مغربی جانب جبل جودی پر ٹھہر گئی تھی۔ اس کے علاوہ یاقوت نے لکھا ہے کہ سنجار کی شہرت اس وجہ سے بھی تھی کہ وہ سلاطین سلجوق میں سے سب سے آخری بڑی سلطان سنجار (یا سنجر) بن ملک شاہ کا مولد تھا۔ قزوینی لکھتا ہے کہ ساتویں (تیرھویں) صدی میں سنجار کی حمام مشہور تھے جن کے پختہ فرش خوبصورت پچکاری کے کام تھے؛ اور ابن بطوطہ نے جو آٹھویں (چودھویں) صدی میں وہاں سے گزرا تھا اس کی خوشنما مسجد کا ذکر کیا ہے۔ فصیل شہر جس کا دور (۳۲۰۰) قدم تھا مقدسی کے بیان کے مطابق چونے اور پتھر کی بنی ہوئی تھی۔ شہر کے اکثر مکانات پہاڑ کی چڑھائی پر بنے ہوئے تھے اور ایک کے اوپر ایک اس طرح نظر آتا تھا جیسے زینے کی سیڑھیاں۔ باغوں میں انگور، زیتون اور سماق[1] بکثرت پیدا ہوتا تھا۔ الحضر جسے رومی ہترا کہتے تھے اس کی نسبت ابن سراپیون لکھتا ہے کہ شہر جنوب میں دریائے ثرثار پر سنجار اور اس موقع کے تقریباً درمیان تھا جہاں یہ دریا تکریت کے قریب دجلہ میں ملتا تھا۔ الحضر میں اب تک پہلوی زمانہ کے بنے ہوئے عالی شان محل کے آثار پائے جاتے ہیں۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ اس کا بانی الساطرون نامی کوئی شخص تھا۔ اس محل کی چنائی مربع پتھروں سے کی گئی ہے اور اس نے

[1] سماق بضم و تشدید میم نام دوائے ہست و آں میوہ باشد ترش (غیاث اللغات) مترجم

ماکسین کے شہروں کے پاس سے ہو کر نکلتا تھا جن کی زمینیں خابور کے پانی سے سیراب ہوتی تھیں، اور دیار ربیعہ میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ عرابان یا عربان کے شکستہ آثار اب بھی پائے جاتے ہیں؛ چوتھی (دسویں) صدی میں اس کے گرد شہر پناہ تھی۔ یہاں سوتی کپڑا بکثرت تیار ہوتا تھا، کیونکہ خابور کی زمینوں میں روئی کی کاشت ہوتی تھی۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ عرابان ایک پہاڑی پر ہے اور اس کے گرد باغات ہیں۔ اس کے جنوب میں جہاں سے قرقیسیا آدھی دور رہ جاتا ہے، ماکسین یا مکسین کا شہر تھا؛ یہاں مسافر کشتیوں کے پل کے ذریعہ سے خابور کو عبور کرتے تھے۔ روئی بکثرت یہاں بھی پیدا ہوتی تھی؛ اور شہر کے قریب بالکل نیلگوں پانی کی ایک چھوٹی سی جھیل تھی جس کا نام منخرک تھا۔ اس کا رقبہ ایک ایکڑ کے تہائی کے قریب تھا، اور کہا جاتا ہے کہ اس کی تھاہ نہیں ملتی تھی۔

دریائے ہرماس کا منبع نصیبین سے چھ فرسخ شمال میں ایک چشمہ بیان کیا جاتا ہے یہاں دریا کے پانی کو ایک پختہ دیوار کے ذریعہ سے روک دیا گیا تھا؛ اس دیوار کے پتھروں کو لوہے کی کانیوں سے جوڑ کر ریخوں میں سیسہ پلا دیا گیا تھا۔ مشہور یہ تھا کہ یونانیوں نے یہ دیوار اس غرض سے بنائی تھی کہ نصیبین کو ہرماس کے سیلاب سے مستقلاً محفوظ کر دیا جائے۔ خلیفہ متوکل عباسی نے اس دیوار کو مسمار کر دینے کا حکم دیا۔ دیوار تھوڑی سی توڑی گئی تھی کہ پانی شہر میں آنا شروع ہو گیا؛ یہ دیکھتے ہی دیوار کو پھر درست کرا دیا گیا۔ نصیبین سے کم و بیش سو میل جنوب کی طرف سکیر العباس کا بند تھا۔ جہاں چوتھی (دسویں) صدی میں ایک بڑا شہر آباد تھا جس میں ایک جامع مسجد اور بہت سے بازار تھے۔ یہ شہر نہر ثرثار کے شروع کے سرے پر واقع تھا، اور پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ دریا دجلہ میں گرتا تھا آج کل دریائے ثرثار کا پانی اس قدر کم ہو گیا ہے کہ اب وہ ایک بہتا ہوا دریا نہیں کہا جا سکتا۔ یہ کمی اس وقت شروع ہو گئی تھی جب کہ یاقوت ساتویں (تیرھویں) صدی میں اپنی کتاب لکھ رہا تھا؛ کیونکہ اس نے بیان کیا ہے کہ گو کثرت سے بارش ہونے پر پانی اس دریا میں بہنے لگتا تھا، لیکن گرمی کے موسم میں صرف کہیں کہیں پانی یا سوتوں سے کھاری پانی نکلتا دکھائی دیتا تھا۔ یاقوت نے خود اس دریا کے کنارے سفر کیا تھا اور وہ لکھتا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ کسی زمانہ میں خابور سے چلی ہوئی کشتیاں اسی دریا سے گزرتی ہوئی دجلہ پہنچ جایا کرتی تھیں۔ دریائے ثرثار کے دونوں کناروں

مقدسی ہی یہ بھی لکھتا ہے کہ میسو پوٹیمیا میں یہ مقام سب سے زیادہ زرخیز، دولت مند اور خوش گوار تھا۔ اس باعَینَاثَا کو اسی نام کے ایک دوسرے مقام سے خلط ملط نہ کرنا چاہئے، جس کی بابت کہا گیا ہے کہ وہ ایک بڑا گاؤں تھا، جو شہر معلوم ہوتا تھا۔ اور اس دریا کے کنارے تھا جو جزیرۂ ابن عمر کے شمال میں دجلہ میں گرتا تھا باعینا ثا سے آگے نَصَیبین کی سڑک پر بَرقَعِید تھا، جہاں کے باشندے چوری چکاری میں ضرب المثل تھے اور مسافروں اور اُن کے قافلوں میں چوریاں کیا کرتے تھے۔ تیسری (نویں) صدی میں بَرقَعِید بڑا شہر تھا، اس میں تین دروازے، دو سو سے زیادہ دکانیں اور عمدہ پانی کے بہت سے چشمے تھے ساتویں (تیرھویں) صدی تک اُدھر سے قافلوں کی آمد و رفت کسی قدر تھی لیکن یہاں کے لوگ اس قدر بدنام تھے کہ اس کی وجہ سے ذی حیثیت مسافروں نے یہ راستہ بالکل چھوڑ دیا، اور اس وجہ سے بَرقَعِید محض ایک مختصر سا گاؤں رہ گیا۔

(۱۰۰)

اَذرَمَہ بَرقَعِید اور نصیبین کے درمیان نصف فاصلے سے کچھ کم پر واقع تھا اور اس کا علاقہ بَینُ النَّہرَین (دو دریاؤں کے درمیان میں) کہلاتا تھا۔ تیسری (نویں) صدی میں کہا جاتا ہے کہ یہاں ایک خوبصورت محل تھا، اور یہاں کی ندی پر ایک محرابدار سنگین پل بنا ہوا تھا۔ اس چھوٹے سے شہر کے گرد دوہری فصیل تھی اور بیرونی فصیل کے گرد ایک گہری خندق تھی۔ بہرکیف یہ بیان خلیفہ معتضد عباسی کے مصاحب کا ہے، جو خود خلیفہ کے ہم رکاب اس طرف سے گذرا تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے بیان کیا ہے کہ اَذرَمَہ ایک چھوٹا سا مقام ریگستان میں واقع تھا، اور قریب ہی چند کنوئیں تھے اور ان کے گرد چند محرابدار عمارتیں تھیں [1]

---

[1] قدامہ ص ۲۱۴ + اصطخری ص ۷۳ + ابن حوقل ص ۱۴۰، ۱۴۹ + مقدسی ۱۳۹، ۱۴۰ + یاقوت ج ۱ ص ۱۷۲، ۴۷۲، ۵۷۱، ۱۵ص ۱۸۷، ۸۶۳ + ج ۵ ص ۳۲۸ + قزوینی ج ۲ ص ۲۰۴ +

بہت سے کمرے ایسے تھے، کہ جن کی چھتیں اور دروازے بھی پتھر کے چوکوں کے تھے۔ یاقوت کا بیان ہے کہ اصل میں یہاں ساٹھ بڑے بڑے برج یا بلند مینار تھے، اور ایک مینار سے دوسرے مینار کے درمیان نو چھوٹے مینار تھے، اور چار دیواری کے باہر ہر ایک برج یا مینار کے مقابلے میں ایک ایک محل تھا۔

موصل سے نصیبین جانے والی سڑک دجلہ کے دائیں کنارے دریا کے چڑھاؤ کے رخ سات فرسخ جا کر بَلَد پہنچتی تھی؛ بَلَد اس مقام سے مطابق ہوتا ہے جسے آج کل اَسْکی موصل (یعنے پرانا موصل) کہتے ہیں۔ بَلَد پہنچ کر اس سڑک کی دو شاخیں ہو جاتی تھیں، جن میں سے بائیں جانب والی شاخ تَلّ اَعْفَرْ سے ہوتی ہوئی سنجار جاتی تھی۔ یاقوت کہتا ہے کہ بلد جہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد میں سے کسی بزرگ کا مزار بھی تھا، قدیم ایرانی شہر شھرآباذ کے موقع پر آباد تھا، اور یہ کہ بلد کا نام اکثر بَلَط بھی لکھا جاتا تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے بَلَد کو بڑا شہر بتلایا ہے اور مقدسی نے وہاں کے سنگین مکانات کا، جن میں چونے سے بہت کام لیا گیا تھا، اور وہاں کے عمدہ بازاروں کا، اور جامع مسجد کا جو شہر کے وسط میں تھی، ذکر کیا ہے۔ گرد و نواح کی زمینوں میں گنا پیدا ہوتا تھا، اور وہ بہت زرخیز تھیں۔ اس سے ایک منزل مغرب میں تَلّ اَعْفَر کی اونچی پہاڑی پر جس کے سوا وہاں کوئی اور پہاڑی نہ تھی، ایک قلعہ تھا یہاں سے شہر کے بیرونی مقامات جن میں سے ہو کر ایک ندی بہتی ہوئی نکلتی تھی، خوب نظر آتے تھے۔ بقول یاقوت یہ قلعہ نہایت محفوظ اور مضبوط بنا ہوا تھا، اور اردگرد کے اضلاع میں کھجور کے درخت بکثرت تھے۔ ان کی کھجوریں اَلْمُحَلَّبِیّہ کہلاتی تھیں۔ یہ نام ان کو محلب کی خوشبو یا عطر کی وجہ سے دیا گیا تھا جو یہاں بہت بنایا جاتا تھا۔

بَلَد سے آگے بڑھ کر سڑک کی دو شاخیں ہو جاتی تھیں۔ ان میں دائیں ہاتھ کی شاخ بارِعِیْنَا[1] تا جاتی تھی، جو بقول مقدسی پچیس زرخیز علاقوں کے درمیان واقع تہا۔

---

[1] شہر کا نام سنجار اور سلجوقی سلطان کا نام عام طور پر سنجر لکھا جاتا ہے + ابن سراپیون ص ۲۳، ۲۴ + ابن حوقل ص ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۵۰ + مقدسی ص ۱۴۰، ۱۴۱ + یاقوت ج ۱ ص ۷۶۴، ۹۲۱ + ج ۲ ص ۲۸۱ + ج ۳ ص ۱۰۹، ۱۵۸ + ج ۴ ص ۹۶۲ + مستوفی ص ۱۶۶، ۲۱۹ + ابن بطوطہ ج ۲ ص ۱۴۲ + قزوینی ج ۲ ص ۲۶۳

عباسی نے رَقہ سے (۳۰۰) ذرع کے فاصلے پر رَافقہ (دوست) کا شہر بساکر وہاں خراسانی فوجیں مقیم کیں، جو اس نئے خاندان خلافت کی نہایت خیرخواہ تھیں کہتے ہیں کہ رافقہ کو بغداد کے نقشے پر تعمیر کیا گیا تھا، اور بغداد کی طرح یہ بھی ایک مُدَوَّر شہر تھا۔ ہارون رشید نے اس شہر میں اضافہ کیا، اور اپنے لیے وہاں ایک محل قصرُ السّلام تیار کرایا، کیونکہ جب بغداد میں گرمی بہت پڑنے لگتی تھی تو یہ خلیفہ اکثر رَقّہ یا رافقہ میں آکر رہا کرتا تھا۔ رَقّہ کا پرانا شہر جلد برباد ہوگیا، اور مرطوب زمین کے گرد جو ایک پایاب جھیل بن گئی تھی، رَقّہ اور رافقہ کی درمیانی زمین میں نئی نئی عمارتیں تعمیر ہوگئیں اور اسی عرصہ میں رفتہ رفتہ رافقہ ہی کو رَقّہ کہا جانے لگا اور رافقہ کا نام بھی رفتہ رفتہ سب بھول گئے، حالانکہ پہلے رافقہ درحقیقت رَقّہ کی محض ایک بیرونی آبادی (ربض) تھا، لیکن چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل رقہ اور رافقہ دونوں توام شہروں کا ذکر کیا ہے۔ ان دونوں میں ایک ایک جامع مسجد تھی ابن حوقل نے ان اونچے اونچے عالیشان درختوں کا حال خصوصیت کے ساتھ لکھا ہے، جو ان دونوں شہروں کے گرد نظر آتے تھے۔ مقدسی نے صرف رقہ کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ وہ بہت مستحکم اور متحصن تھا اور اس میں دو دروازے تھے، اس کے بازارات بھی بہت عمدہ اور قرب و جوار کے دیہات کی پیداوار سے خوب معمور رہتے تھے، اس کے علاوہ یہاں مال اور لوگوں کی آمد و رفت بکثرت تھی، اور زیتون کے تیل سے جو قرب و جوار کے دیہات میں تیار کیا جاتا تھا، صابن بنتا تھا۔ مقدسی کہتا ہے کہ یہاں کی جامع مسجد جو بہت ہی خوبصورت عمارت تھی، بزازوں کے بازار میں واقع تھی، اور رَقّہ کے بڑے مکانات میں ہر ایک مکان دو منزلہ تھا۔ اس شہر میں بہت اچھے حمام بھی تھے۔ قریب ہی پرانے شہر کے کھنڈر تھے، جو اس زمانہ میں الرقۃ المحترقہ (جلا ہوا رقہ) کہلاتے تھے اس کے برعکس مستوفی نے رافقہ کو رقہ کی ایک بیرونی بستی ہی بتایا ہے، اور لکھا ہے کہ اس کی جامع مسجد سناروں کے بازار میں تھی۔ اس بستی کے گرد شہتوت اور عناب کے درخت تھے، اور ان کے قریب ہی دریائے فرات کے عین کنارے پر ایک مسجد تھی۔

دریائے فرات کے داہنے کنارے پر رقہ کے سامنے بلندی پر صفّین کا مشہور و معروف میدان تھا جہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

باب ہفتم

جزیرہ (جاری)

دیارِ مُضر۔ رَقّہ اور رافِقہ۔ دریائے بَلیخ اور حَرّان، رُہا اور حصن مَسلمہ۔ قرقیسیا۔ نہر سعید، رَحبہ اور دالیہ۔ شام کا رُصافہ۔ عانہ۔ بالس، جسر منبج اور سُمیساط۔ سَروج۔ دیار بکر۔ آمد اور دریائے دجلہ کا منبع۔ میافارقین اور ارزن۔ حصن کیفا اور تل فافان۔ سَاعِرت۔

گذشتہ باب میں لکھا جا چکا ہے کہ دیار مضر دریائے فرات کے دونوں کناروں کا علاقہ تھا، اور اس کا صدر مقام رَقّہ اس مقام سے ٹھیک کچھ شمال میں واقع تھا۔ جہاں دریائے بَلیخ شمال سے آکر فرات سے ملتا ہے۔ اس شہر کا موقع وہی ہے جہاں کسی زمانہ میں یونانی شہر کے لی نی کوس Callinicus یا نے سی فوریم Nicephorium آباد تھا۔ عربی نام رَقّہ اس زمین کی کیفیت بیان کرتا ہے جس میں یہ شہر واقع تھا، کیونکہ رَقّہ کے معنے ایسی مرطوب زمین کے ہیں جو کسی ایسے دریا کے کنارے ہو جس کا پانی خاص خاص موسموں میں اس زمین کو غرق آب کر دے[1]۔ اور انہی معنوں میں الرَّقہ (دلدل) اور جگہ بھی بطور ایک مقامی نام کے آیا ہے، اس لئے اس شہر کو دوسرے مقامات سے ممیز کرنے کے لئے اس کو الرَّقۃ السوداء (سیاہ رقہ) کہتے ہیں۔

دوسری (آٹھویں) صدی میں جب بنی عباس خلیفہ ہوئے تو رَقّہ شمالی میسوپوٹیمیا کے بڑے شہروں میں شمار ہوتا تھا، اور شام کی سرحد اس سے قریب تھی۔ اسی وجہ سے اُسے مستحکم کرنا ضروری تھا۔ اس غرض سے ۱۵۵ھ (۷۷۲ء) میں خلیفہ منصور

[1] رقّہ: کل ارض الی جنب واد ینبسط الماء علیھا ایام المدّ ثم ینضب + مترجم

تعمیر یا د آتی تھی۔ قلعہ میں ایک جامع مسجد بھی تھی۔ ابن جبیر نے جو ۵۸۰ھ (۱۱۸۴ء) میں وہاں سے گزرا تھا، لکھا ہے کہ خود شہر کے گرد ایک سنگ بستہ شہر پناہ تھی، اور مسجد کا صحن بہت بڑا تھا، جس کے انیس دروازے تھے اور گنبد سنگ مرمر کے ستونوں پر قائم تھا۔ بازار مسقف تھے، ان پر لکڑی کے شہتیروں کی چھتیں پاٹی گئی تھیں۔ شہر میں ایک مدرسہ اور ایک شفاخانہ بھی تھا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ قلعہ کی فصیل کا دور (۱۳۵۰) قدم تھا۔ اس سے تین فرسخ جنوب میں مشہد ابراہیم (علیہ السلام) تھا اور قرب وجوار کے علاقے کو سیراب کرنے کے لئے بے شمار چھوٹی چھوٹی نہریں موجود تھیں۔

اڈیسہ (Edessa) جسے عرب رُہا کہتے تھے، (یہ نام یونانی نام کالرہوئی (Callirrhoe) کی بگڑی ہوئی شکل ہے) دریائے بلیخ کے ایک معاون دریا کے سرے پر واقع تھا۔ چونکہ یہاں زیادہ تر عیسائیوں کی آبادی تھی، اس لئے مسلمان جغرافیہ نویسوں نے اس شہر کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی۔ بہرحال یہ شہر خاص کر اپنے متعدد گرجاؤں کی وجہ سے شہرت رکھتا تھا، جن کی تعداد کا اندازہ ابن حوقل نے (۳۰۰) سے زیادہ کیا ہے۔ یہاں شروع سے وہ تبرک محفوظ تھا جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مندیل کہتے تھے، اور جسے وہاں کے مسلمان حکام نے رُہا کو رومیوں کے حملے اور لوٹ سے بچانے کے لئے ۳۳۲ھ (۹۴۳ء) میں بازنطینی حکومت کے حوالے کر دیا تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی کے آخر میں مقدسی نے رُہا کی جامع مسجد کا حال بیان کرنے کے بعد وہاں کے عالیشان بڑے گرجا کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ یہ عمارت اس زمانہ کے چار عجائبات میں شمار ہوتی تھی۔ اس کی چھتوں پر اندر کے رخ پچی کاری (فسافساء) کا کام تھا (۴)۔ مقدسی کا بیان ہے کہ بیت المقدس کی مسجد اقصیٰ اسی عمارت کے نمونے پر تیار کی گئی تھی۔ مقدسی نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ شہر خوب مستحکم اور متحصن (محصّنة) تھا۔ لیکن پہلی صلیبی جنگ کے موقع پر باوجود عربی فوج کی موجودگی کے اس شہر کو ۴۹۲ھ (۱۰۹۸ء) میں بالڈون (Baldwin) نے فتح کر لیا اور اس کے بعد نصف صدی تک وہ لاطینی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۰) ص ۱۲ + ابن رستہ ص ۹۰ + ابن خرداذبہ ص ۱۷۵ + یاقوت ج ۱ ص ۴۳۲ + ج ۲ ص ۶۲۱، ۴۴۳ + ج ۴ ص ۱۱۲، ۱۲۴ + مستوفی ص ۱۶۶، ۲۰۹ + ابن الاثیر ج ۱۰ ص ۲۳۰ +

کی طرف داروں میں لڑائی ہوئی تھی۔ اُن بزرگوں کے مزارات جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے تھے، یہیں پر تھے اور ابن حوقل جس کے بیان کو مستوفی نے بڑھا کر لکھا ہے، لکھتا ہے کہ یہاں یہ عجیب کرامات تھی کہ دور سے دیکھو تو معلوم ہوتا تھا کہ ہر ایک شہید اپنی قبر میں کفن اوڑھے لیٹا ہے، لیکن جب قبر کے قریب جاؤ تو کچھ بھی نظر نہ آتا تھا۔ صفین کے میدان جنگ کے سامنے دریائے فرات کے شمالی (بائیں) کنارے پر ایک قلعہ تھا جس کو بنی نمیر کے ایک عرب کے نام پر جو شروع میں اس کا مالک تھا، قلعہ جَعبَر کہتے تھے۔ ابتداء میں یہ قلعہ دَوسر کہلاتا تھا۔ زمانۂ مابعد کی تاریخ خلافت میں اس قلعہ کا ذکر اکثر آتا ہے۔ ۴۹۵ھ (۱۱۰۱ء) میں پہلی صلیبی جنگ کے دوران میں اس پر اُڈیسہ (رُہا) کے فرنگیوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ رقہ کے جنوب میں دریائے بَلیخ فرات کے بائیں کنارے پر فرات میں ملتا تھا۔ بلیخ کو یونانی بلیکا (Bileeha) کہتے تھے۔ اس کا منبع عین الذَّہبانیَہ نام کا ایک چشمہ حران کے شمال میں تھا۔ اس چشمے کا نام مختلف مصنفوں نے مختلف طور سے لکھا ہے، مثلاً الذہبانہ، یا الذَّہبانیَہ، اور مستوفی نے (فارسی میں) اسے چشمہ ذَہبانہ لکھا ہے[1]۔

دریائے بَلیخ جنوب کی طرف بہتا ہوا (رقہ کے جنوب میں دریائے فرات سے ملتا تھا۔ اس راستے میں وہ اکثر بڑے بڑے شہروں کے پاس سے گزرتا تھا جو خود اس کے پاس کے معاون دریاؤں کے پانی سے سیراب ہوتے تھے۔ اس کے منبع کے قریب حرّان یعنی قدیم کرہی (Carrhe) کا شہر تھا جو صابئین کا وطن ہونے کی وجہ سے شہرت رکھتا تھا۔ یہ لوگ اپنے آپ کو دین ابراہیمی کا پیرو بتاتے تھے۔ اور روایت یہ تھی کہ حرّان پہلا شہر تھا جو طوفان نوح کے بعد بنایا گیا۔ یہ صابئین سبئین (Sabaens) نہ تھے، جیسا کہ ان دونوں کو اکثر خلط ملط کر دیا جاتا ہے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ حرّان ایک خوشنما اور خوشگوار شہر تھا۔ اور اس کی حفاظت کے لئے ایک سنگ بستہ قلعہ تھا جس کے پتھروں کی خوبصورت چنائی دیکھ کر بیت المقدس کی دیواروں کی سنگ بستہ

[1] بلاذری ص ۱۷۹، ۲۹۷؛ اصطخری ص ۷۵، ۷۶؛ ابن حوقل ۱۵۳، ۱۵۴؛ مقدسی ص ۱۴۱؛ ابن سراپیان

حَرَّان کے جنوب میں اور دریائے بَلِیخ سے مشرق کی طرف کچھ فاصلے پر بَاجَدّا[۱] کا چھوٹا سا شہر راس العین کو جانے والی سڑک پر واقع تھا۔ اس کے باغات مشہور تھے اور یہ حِصن مَسْلَمَہ کے اعمال میں شمار ہوتا تھا، جو دریائے بلیخ سے بہ نسبت بَاجَدّا کے نزدیک تر تھا۔ حصن مَسْلَمَہ کے عالی شان قلعہ کا نام خلیفہ عبدالملک بن مروان کے بیٹے مسلمہ کے نام پر رکھا گیا تھا۔ یہ حَرَّان کے جنوب میں نو فرسخ کے فاصلے پر دریا کے اصلی کنارے سے ڈیڑھ میل ہٹا ہوا واقع تھا۔ یہاں ایک نہر نکالی گئی تھی، جو قلعہ کے اندر پانی پہنچا کر ایک حوض کو بھر دیتی تھی۔ یہ حوض خود مَسْلَمَہ نے تیار کرایا تھا۔ اس کا رقبہ (۲۰۰) ذرع مربع، اور عمق (۲۰) ذرع تھا۔ اس میں ہر جگہ پتھر لگایا گیا تھا سال میں صرف ایک مرتبہ اُسے بھرنے کی ضرورت پڑتی تھی۔ باقی زمانہ میں اس کے پانی سے وہ زمینیں سیراب کی جاتی تھیں جو حِصن مَسْلَمَہ کے اردگرد تھیں جس رقبہ پر قلعہ کی عمارتیں تھیں وہ ایک جریب (یعنی ایک تہائی ایکڑ) تھا، اور قلعہ کی دیواریں بلندی میں پچاس ذرع تھیں۔ حِصن مَسْلَمَہ کے جنوب میں رَقَّہ کی سڑک پر بَاجَرْوَان کا شہر رَقَّہ سے تین فرسخ کے فاصلے پر تھا۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ یہ عمدہ شہر تھا، اگرچہ چوتھی (دسویں) صدی میں برباد ہو چکا تھا۔ یاقوت، جس سے متذکرہ حالات حِصن مَسْلَمَہ کے نقل کیئے گئے ہیں، لکھتا ہے کہ بَاجَرْوَان دیار مضر کے علاقہ کا محض ایک گاؤں تھا۔

رَقَّہ سے تقریباً دو سو میل جنوب میں قَرقیسیا یعنی قدیم کرکیسیوم (Circeium) دریائے دجلہ کے بائیں کنارے اسی جگہ تھا جہاں دریائے خابور کا (نصف پانی نہر ثرثار میں گرنے کے بعد) دوسرا نصف حصہ دجلہ میں گرتا تھا، جس کا پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے۔ ابن حوقل نے اسے ایک خوبصورت باغوں سے گھرا ہوا شہر بتایا ہے، لیکن یاقوت اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۲) روایت کورینی کے موسیٰ (Moses of Chorene) نے بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ یہ تبرک حضرت مسیح علیہ السلام کی ایک شبیہ تھی، جسے بڑی صنعت سے کپڑے پر کاڑھا گیا تھا، اور جسے حضرت مسیح علیہ السلام نے اڈیسہ کے بادشاہ ابگاروس (Abgarus) کے پاس بھیجا تھا۔ مسعودی (مروج) ج ۲ ص ۳۳۱ + ابن الاثیر ج ۸ ص ۳۰۲ +

[۱] ابن حوقل ص ۱۵۶ + قدامہ ص ۲۱۵ + یاقوت ج ۱ ص ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۴۳ + ج ۲ ص ۲۷۸ +

ریاست میں شامل رہا۔ ۵۴۰ھ (۱۱۴۵ء) میں زنگی نے اُسے دوبارہ جوسلین دوم (Joceline II) سے فتح کیا اور اس کے بعد رُہا مسلمانوں کے قبضے میں رہا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی تک اس کی بہت ہی خوشنما عمارتوں کے کھنڈر دکھائی دیتے تھے۔ چنانچہ مستوفی نے ایک بڑے سنگین گنبد کا ذکر کیا ہے، جس پر سنگ تراشی کا بہت عمدہ کام تھا، اور اس کے سامنے سو مربع گز پیمائش کا ایک صحن تھا۔ علی یزدی نے جہاں تیمور کی لڑائیوں کا حال لکھا ہے، وہاں رُہا کا ذکر ایک سے زیادہ مرتبہ کیا ہے۔ نویں (پندرھویں) صدی تک رُہا کا نام رُہا رہا لیکن جب یہ شہر عثمانی ترکوں کے قبضے میں آیا تو وہ اُسے اُرفہ کہنے لگے، جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ عربی الرُّہا کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ آج کل اس شہر کا نام اُرفہ ہی ہے۔[1]

---

[1] اصطخری ص ۷۶ + ابن حوقل ص ۱۵۲ + مقدسی ۱۴۱، ۱۴۷ + ابن جبیر ص ۲۴۶ + یاقوت ج ۲ ص ۱۴۳، ۹۱۰ - علی یزدی ج ۱ ص ۶۶۲ + مستوفی ص ۱۶۶ + جہاں نما ص ۴۴۳ + حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رومال (مندیل) جو اُڈیسہ (رُہا) میں محفوظ تھا من جملہ اور تبرکات کے ایک مشہور تبرک ہے۔ لیکن مستند مصنفوں میں اس امر پر اختلاف ہے کہ جو مندیل آج کل روما میں محفوظ ہے وہ اُڈیسہ والا ہے، یا جینوا والا۔ ان کے علاوہ اور بھی حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے کئی مندیل ہیں۔ اس بارے میں سب سے پہلی اسلامی سند مسعودی کی تحریر ہے جس نے اپنی کتاب اُسی سنہ میں لکھی تھی جب کہ مسلمانوں نے یہ مشہور تبرک قیصر قسطنطنیہ کے حوالہ کیا ہے۔ مسعودی نے اسے "یسوع ناصری کا مندیل" لکھا ہے، اور بتایا ہے کہ یہ وہی کپڑا تھا جس سے آپ نے اصطباغ کے بعد اپنا بدن خشک کیا تھا۔ اور مسعودی نے یہ بھی لکھا ہے کہ ۳۳۲ھ (۹۴۳ء) میں یہ تبرک بازنطینیوں کے حوالے کر دیا گیا، اور اس کے ملنے پر وہاں بڑے جشن ہوئے۔ اسی صدی میں ابن حوقل نے اسے صرف "مندیل عیسےٰ ابن مریم علیہ السلام" لکھا ہے + ابن الاثیر نے اپنی تاریخ میں ۳۳۲ھ (۹۴۳ء) کے واقعات نقل کرتے وقت لکھا ہے کہ یہ وہ رومال (مندیل) تھا جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اُس سے اپنا منہ پونچھا تھا، اور اس پر آپ کے چہرۂ مبارک کی شبیہ اتر آئی تھی۔ اس کے بعد بیان کیا ہے کہ خلیفہ متقی عباسی کو کس طرح اس بات پر آمادہ کیا گیا کہ مسلمان قیدیوں کی رہائی اور رُہا کو عیسائیوں کے حملے اور لوٹ سے محفوظ رکھنے کے عوض میں یہ تبرک یونانی قیصر کو دے دیا جائے۔ اُڈیسہ والے مندیل کی نسبت عیسائیوں کی جو

جس کی چھت سنگ مرمر کے ستونوں پر قائم تھی۔ پانچویں صدی تک یہاں کی آبادی کا کثیر حصہ عیسائی مذہب ہی میں داخل تھا۔ یہ لوگ رہزنی اور صحرا سے حلب تک قافلوں کی رہبری کے پیشوں کو ساتھ ساتھ اختیار کر کے خوب نفع اٹھاتے تھے۔ فرات کے مشرقی جانب رَقّہ اور قَرقِیسیا کے درمیان قرقیسیا سے دو دن کی مسافت پر اَلخانُوقہ کا شہر تھا۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ وہ خاصا بڑا شہر تھا؛ یاقوت نے اس پر اضافہ کیا ہے کہ اس کے قرب و جوار میں المَضِیق کا علاقہ تھا۔

قَرقِیسیا کے جنوب میں جزیرہ کی حدود کے اندر صرف ایک شہر یعنی عانہ قابل ذکر ہے، یہی وہ شہر ہے جسے قدیم زمانہ میں اناتھو (Anatho) کہتے تھے؛ اس کا نشان اب بھی نقشے پر ملتا ہے۔ ابن سرابیون نے لکھا ہے کہ عانہ ایک ٹاپو پر واقع ہے جس کے گرد دریائے فرات بہتا ہے۔ لیکن ابن حوقل نے لکھا ہے کہ دریائے فرات سے پانی کی ایک شاخ نکلی ہے جس نے یہ ٹاپو بنا دیا ہے۔ یاقوت لکھتا ہے کہ عانہ میں دریا کے کنارے ایک مضبوط اور مستحکم قلعہ تھا؛ اور یہیں خلیفہ القائم عباسی نے ۴۵۰ھ (۱۰۵۸ء) میں اس وقت پناہ لی تھی جب بُساسیری دیلمی نے بغداد پر قبضہ کر کے وہاں مصر کے فاطمی خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھوایا تھا۔ مستوفی لکھتا ہے کہ آٹھویں (چودھویں) صدی میں بھی عانہ خوبصورت شہر تھا؛ اور یہاں کے نخلستان مشہور تھے۔ الفُرضَہ کا بندرگاہ جو دوسروں سے ممیز کرنے کے لئے فُرضہ نُعُم کہلاتا تھا؛ دریائے فرات پر عانہ سے مغرب کی طرف اور عانہ اور قرقیسیا سے مساوی فاصلے پر تھا؛ اور غالباً اسی بندرگاہ پر دریائے فرات نے مشرق کی طرف جو خم کھایا ہے وہ ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن اب نقشے پر فُرضہ نُعُم کا کہیں پتہ نہیں ہے۔ بہرحال کسی زمانہ میں یہ ایک قابل ذکر مقام تھا؛ کیونکہ یہیں شاہ راہ کی دو شاخیں ہو جاتی تھیں بائیں جانب کی شاخ براہِ راست صحرا میں سے گزرتی ہوئی رُصافہ سے ہو کر رَقّہ جاتی تھی؛ اور دائیں جانب والی شاخ دریا کے کنارے کنارے چلی جاتی تھی[1]۔

رَقّہ سے آگے دریائے فرات کے تین شہر بالِس، جسرِ مَنبِج اور سُمَیساط

[1] اصطخری ص ۷۷، ۷۸ + ابن حوقل ص ۱۵۵، ۱۵۶ + مقدسی ص ۱۴۲ + بلاذری ص ۱۷۹، ۱۸۰، ۳۳۲

مستوفی دونوں آسے قریب کے شہر رحبہ سے چھوٹا بتاتے ہیں۔ رحبہ قرقیسیا سے تین فرسخ کے فاصلے پر فرات کے مغربی کنارے سے ہٹا ہوا واقع تھا۔ رحبہ کے لغوی معنے میدان یا صحن کی ہیں اس مقام کو ممیز کرنے کے لئے اسے عام طور پر رَحبۃ الشّام یا اس کے بانی کے نام پر رحبہ مَلِك بن طوق کہتے تھے۔ ملک بن طوق خلیفہ مامون عباسی کے عہد میں گذرا تھا۔ اس کے قریب دَالیہ (رہبٹ) کا چھوٹا سا شہر تھا، اور یہ دونوں مقامات نہر سعید کے کنارے کے قریب واقع تھے۔ نہر سعید قرقیسیا سے ذرا شمال میں دریائے فرات کے دائیں کنارے سے نکالی گئی تھی؛ اور اس کو ایک بڑا خم دے کر دالیہ کے شمال میں پھر فرات سے ملا دیا گیا تھا۔ دالیہ بھی رحبہ کی طرح دالیہ مَلِك بن طوق کہلاتا تھا۔ نہر سعید کو اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے بیٹے سعید نے کھدوایا تھا۔ یہ شہزادہ نہایت عابد و زاہد تھا، اور اسی وجہ سے سعید الخیر کے نام سے مشہور رہے۔ سعید تھوڑی مدت کے لئے موصل کا والی بھی رہ چکا تھا۔ مقدسی لکھتا ہے کہ رحبہ شمالی میسوپوٹیمیا میں دریائے فرات کے کنارے کے سب سے بڑے شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ اس کی آبادی نصف دائرہ کی شکل میں صحرا کی سرحد تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے گرد مستحکم شہر پناہ تھی؛ اور باہر ایک بستی (ربض) بھی تھی۔ دالیہ رحبہ سے بہت چھوٹا لیکن بڑی جگہ تھا۔ یہ ایک بلندی پر واقع تھا، جہاں سے دریائے فرات کا کنارا سامنے پڑتا تھا۔

صحرا میں رحبہ اور رقہ کے درمیان رُصافہ تھا جسے رُصافۃ الشام یا بانی شہر کے نام رُصافۃ ہشام کہتے تھے؛ اس کے شکستہ آثارات تک رقہ سے چار فرسخ جنوب میں پائے جاتے ہیں۔ عبدالملک کے بہت سے بیٹوں میں سے خلیفہ ہشام نے یہ قصر اس غرض سے بنوایا تھا کہ جس وقت شام میں ہر جگہ طاعون پھیلا ہوا تھا تو اس سے محفوظ رہنے کے لئے وہ چند روز کے لئے یہاں سکونت اختیار کر لے۔ اسی مقام پر اشاعت و تبلیغ اسلام سے قبل غسانی بادشاہ بھی رہا کرتے تھے۔ یہاں چند پرانے کنوئیں موجود تھے؛ جن کی نسبت یاقوت لکھتا ہے کہ (۱۲۰) ذرع گہرے تھے۔ ابن بطلان مشہور طبیب جس نے اپنی کتاب ۱۰۵۱ء (۴۴۳ھ) میں لکھی ہے رصافہ کے حالات میں لکھتا ہے کہ یہاں ایک گرجا تھا جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ قیصر قسطنطین نے اسے تعمیر کرایا تھا۔ اس کے در و دیوار پر سونے کا کام تھا اور اس کے فرش کے نیچے اسی وسعت کا ایک تہ خانہ تھا۔

کرتی تھی، جو صلیبی مجاہدوں کے قبضے میں تھے۔ ساتویں (تیرھویں) صدی کے نصف آخر میں قزوینی نے یہاں کے چال باز جواریوں کی مفصل کیفیت بیان کی ہے کہ کس طرح جو مالدار مسافر ادھر سے گذرتے تھے، ان کا حال معلوم کرکے اون سے جوا کھیلتے تھے اور اس کھیل میں اپنے شرکا کی مدد سے ایسے مسافروں کا کل مال و اسباب جھپٹ لیتے تھے۔ قزوینی لکھتا ہے کہ یہ جوا اس بلا کا ہوتا تھا کہ مسافر کے پاس جو کچھ ہوتا تھا، اس میں سے اور بدن کے کپڑوں میں سے، سوائے پاجامے کے، اور کچھ نہ رہتا تھا۔ بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ یہ بدمعاش بازی لگا کر خود مسافر کو بھی جیت لیتے تھے، اور جب تک اس کا کوئی دوست اس کو خرید کر ان کو روپیہ نہ دیتا اُسے نہ چھوڑتے تھے۔

سُمَیْسَاط جسے رومی ساموساٹا (Samosata) کہتے تھے رَقّہ سے اور بھی شمال کی طرف دریائے فرات کے داہنے یعنے شمالی کنارے پر واقع تھا، اور یہاں دریا مغرب کی سمت بہتا تھا۔ یہ ایک نہایت ہی مضبوط قلعہ تھا۔ مسعودی نے لکھا ہے کہ سمیساط کو قلعۃ الطین (مٹی کا قلعہ) بھی کہتے تھے، اور یاقوت کا بیان ہے کہ ساتویں (تیرھویں) صدی میں سُمَیسَاط کے ایک حصہ میں صرف ارمنی بستے تھے۔ اب دیار مضر کے شہروں کی فہرست مکمل کرنے کے لئے سَرُوج کا ذکر کرنا باقی رہ جاتا ہے۔ یہ شہر رَقّہ اور سُمَیسَاط کے بیچوں بیچ اُس سڑک پر واقع تھا، جو رَقّہ سے شمال کی طرف ریگستان سے گذرتی ہوئی سُمَیسَاط جاتی تھی، اور یہ سڑک اس نصف دائرہ کے دونوں سروں کو ملاتی تھی، جو یہاں دریائے فرات کے رہگذر نے پیدا کیا تھا۔ اس کے علاوہ سَرُوج اس سڑک پر بھی تھا، جس سے قافلے حرّان اور اُڈیسہ (رُہا) سے جسر منبج کو جایا کرتے تھے۔ ابن حوقل نے اسے ایک خوبصورت شہر بتایا ہے، جس کے گرد زرخیز علاقے تھے، یاقوت نے ابن حوقل کے قول کی تصدیق کی ہے اور اس کے سوا اس شہر کے متعلق ہماری علم میں کوئی اضافہ نہیں کیا[1]۔

---

[1] اصطخری ص ۷۲، ۷۶، ۷۷ + ابن حوقل ص ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۵۳، ۱۵۶ + مقدسی ص ۱۴۰ + مستوفی ج ا ص ۲۱۵ + ابن جُبیر ص ۲۵۰ + یاقوت ج ا ص ۴۷۷ + ج ۳ ص ۸۳، ۱۵۱ + ج ۴ ص ۶۵ + ابو الفدا ص ۲۳۱، ۲۶۹ + قزوینی ج ۲ ص ۱۹۰ +

ملک شام میں زیادہ تر اس وجہ سے شامل سمجھے جاتے تھے کہ وہ دریا کے دائیں، یا مغربی کنارے پر تھے۔ لیکن اکثر جغرافیہ نویس ان کو جزیرہ ہی میں شامل سمجھتے ہیں بالِس رَقّہ کے عین مغرب میں میدان صِفّین کے خاتمے پر اُس جگہ واقع تھا جہاں دریائے فرات جنوب کی سمت میں بہتے بہتے مشرق کی طرف مڑ جاتا ہے۔ یہ بالس رومیوں کا اربالیسوس (Barbalissus) ہے جو دریائے فرات کے کنارے ملک شام کا بڑا دریائی بندرگاہ تھا، اور اسی وجہ سے بہت سی سڑکوں کا جن پر قافلے چلتے تھے مرکزی مقام تھا۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ بالس کے گرد مضبوط فصیل تھی، اور اس فصیل اور فرات کے درمیان باغات تھے۔ گیہوں اور جوار کی فصلیں اس کی زمینوں کی خاص فصلیں تھیں، اور باوجود کسی قدر ویران ہو جانے کے مقدسی لکھتا ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی میں بالِس ابھی تک آباد معمور شہر تھا۔ یاقوت کا بیان کہ ساتویں (تیرھویں) صدی میں راستے کی تبدیلی کی وجہ سے دریائے فرات شہر سے چار میل سے کسی قدر زیادہ فاصلے تک ہٹ گیا تھا۔ اور ابو الفداء نے اس شہر کا ذکر اس طور سے کیا ہے کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے عروج کے دن مدت ہوئی ختم ہو چکے تھے۔

حصن مَنبِج جہاں کشتیوں کے ایک پل سے فرات کو عبور کرتے تھے، اور وہاں سے سڑک مغرب کی سمت میں صوبہ حَلَب کے مقام منبج (Hierapolis) کو جاتی تھی۔ زمانۂ وسطیٰ میں بڑا قابل لحاظ مقام تھا۔ پل کی حفاظت کے لئے یہاں ایک بڑا قلعہ تھا، اور اس کے نیچے فرات کے کنارے پر چھوٹا سا شہر تھا۔ قلعہ پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہونے کی وجہ کر قلعۃ النجم (یعنے ستارے کے قلعہ) کے نام سے مشہور تھا، اور حصن منبج بھی کہلاتا تھا جب ۵۸۰ھ (۱۱۸۴ء) میں ابن جُبیر اندلسی حرّان سے آتا ہوا قلعۃ النجم کے پاس سے گذرا ہے تو اس نے اس بازار کا ذکر کیا ہے جو اس قلعہ کی دیواروں کے نیچے ہوا کرتا تھا۔ ابو الفداء کہتا ہے کہ اس قلعہ کو زنگی کے بیٹے سلطان نور الدین نے دوبارہ تعمیر کرایا تھا، اور اس کی مستقل فوج، بلا کسی خدشے کے قرب و جوار کے ان شہروں میں ترک تازیاں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۵) ابن سراپیون ۱۰، ۱۴؛ یاقوت ج ۲ ص ۴۹۲، ۵۳۰، ۷۶۴، ۸۰۷، ۹۵۵؛ ج ۳ ص ۵۹۵، ۸۷۶؛ ج ۴ ص ۶۵، ۸۴۰؛ مستوفی ص ۱۳۹، ۱۶۲۔

ین ٹن) تھا؛ اور دیوار کے ساتھ ساتھ سو سو گز کے فاصلے پر ایک ایک برج نصف دائرے
کی شکل کا تھا۔ دیوار کی پیشانی اور اُس کے کنگرے بھی اسی قسم کے سیاہ پتھر کے تھے جس کا ذکر
اوپر ہو چکا ہے؛ فصیل میں اندر کے رخ جا بجا سلامی دار راستے تھے جن پر چڑھ کر فصیل کے
اوپر پہنچتے تھے۔ شہر کے چار دروازے تھے۔ یہ دروازے شمال، جنوب، مشرق، مغرب رویہ
تھے ان کے کواڑ آہنی تھے۔ مشرقی دروازے کو باب دِجلہ، غربی کو باب الرُّوم
شمالی کو باب الارمن (ارمنی لوگوں کا دروازہ) اور جنوبی کو باب التّل (پہاڑی
والا دروازہ) کہتے تھے۔ اس شہر پناہ کے باہر اسی سیاہ پتھر کی بنی ہوئی ایک دوسری فصیل
دس گز اونچی تھی؛ اور ان دونوں کے بیچ میں (۱۵) گز عریض جگہ جو شہر کے گرد چھوٹی ہوئی
تھی اُس میں شہر کے باہر کی بستی آباد تھی۔ اور اس تمام فصیل کے اوپر جگہ اتنی کشادہ تھی کہ فوج
وہاں آراستہ ہو کر شہر کو دشمن سے بچا سکتی تھی۔ اس بیرونی فصیل میں بھی اندرونی شہر پناہ
کے دروازوں کی طرح دروازے اور لوہے کے پھاٹک تھے۔ ناصر خسرو لکھتا ہے کہ مستحکم
مستحکم شہر جو اُس کے نظر سے گذرا ہے ان میں سے ایک آمِد[منہ] تھا۔

(منہ آمد کے متعلق ناصر خسرو کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔ ان کا مقابلہ بالائی ترجمہ کے الفاظ سے کرنے
سے دونوں کا فرق ظاہر ہو جائے گا۔ (سفرنامہ مطبوعہ مطبع کاویانی، برلین، ۱۳۴۰ھ صفحہ ۱۱-۱۲)
بنیاد شہر (آمد) بر سنگے یک لخت نہادہ۔ و طول شہر بمساحت دو ہزار گام باشد و عرض ہم چندیں گرد
او سورے کشیدہ است از سنگ سیاہ کہ خشت ہائے بریدہ است از صد منی تا یک ہزار منی و بیشتر ایں سنگہا
چناں بیک دگر پیوستہ است کہ ہیچ گل و گچ درمیان آں نیست، بالائے دیوار بست ارش ارتفاع
دارد و پہنائے دیوار دہ ارش۔ بہر صد گز برجے ساختہ کہ نیمہ دائرۂ آں ہشتاد گز باشد و کنگرہ
او ہم ازیں سنگ و از اندرون شہر بسیار جائے نردبانہائے سنگین بستہ است کہ بر سر بارو توانند شد
و بر سر ہر برجے جنگ گاہے ساختہ و چہار دروازہ بریں شہرستان است ہمہ آہن بے چوب ہر یک روے
بجہتے از جہات عالم: شرقی را باب الدجلہ گویند غربی را باب الروم شمالی را باب الارمن و جنوبی
را باب التل۔ و بیرون ایں سورہا سورے دیگر است ہم ازیں سنگ بالائے آں دہ گز و ہمہ سرہائے
دیوار کنگرہ و از اندرون کنگرہ ممرے ساختہ چنانچہ با سلاح تمام مرد بگذرد و بایستد و جنگ کند بآسانی
و ایں سور بیرونی را نیز دروازہائے آہنیں بر نشاندہ اند مخالف دروازہائے اندرونی چنانچہ چوں

دیار بکر اُن تینوں حصوں میں سے جن میں جزیرہ تقسیم کیا گیا تھا سب سے چھوٹا حصہ تھا۔ اس حصے کے تمام شہر یا تو دریائے دجلہ کے بالائی رہ گزر کے کنارے یا اس رہگزر کے شمال میں واقع تھے۔ اس حصہ کا صدر مقام آمِدْ تھا' جسے بعض اوقات حامِدْ بھی کہتے تھے۔ اصل میں یہ رومی نام امیدا (Amida) تھا۔ زمانۂ مابعد میں یہ شہر جس علاقہ میں تھا اُس علاقے کے نام پر اسے دیار بکر کہنے لگے تھے اور اس وقت بھی اسی نام سے یا قارَا آمِدْ (یعنی کالا آمد) کے نام سے مشہور ہے۔ قارَا آمِدْ کا نام اس وجہ سے ہوا کہ یہاں کی عمارتوں میں جو پتھر لگایا گیا ہے وہ سیاہ ہے۔

آمِدْ کا شہر دریائے دجلہ کے داہنے یا مغربی کنارے پر واقع تھا' اور ایک پہاڑی جس کی بلندی سو قدِ آدم (اقامۃ) تھی اُس کے قریب واقع تھی۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ اس کی فصیل چکیوں والے سیاہ پتھر (حجارۃ الارحیہ) کی بنی ہوئی تھی۔ مقدسی نے یہاں کی مضبوط فصیل کو انطاکیہ کی شہر پناہ کے مشابہ تبلایا ہے۔ باہر والی فصیل مورچہ بند تھی' اور اس میں دروازے بھی تھے۔ اس میں اور اندرونی فصیل میں جگہ صاف چھوٹی ہوئی تھی۔ اس میں بعد کو شہر کے باہر والے محلے آباد ہو گئے۔ شہر کے اندر پانی کے چشمے تھے' اور مقدسی نے اس سیاہ پتھر کا بھی ذکر کیا ہے جس پر یہ شہر قائم تھا اور جس سے اس کی عمارتیں بنائی گئی تھیں۔ آمد میں ایک خوبصورت جامع مسجد تھی' جس کے پانچ دروازے تھے یعنی باب الماء' باب الجبل' باب الرُّوم' باب التَّل اور باب السِّر جو صرف جنگ کے زمانہ میں کام آتا تھا۔ قریب کی پہاڑی کو بھی شہر کی مورچہ دار فصیل نے اپنے اندر لے لیا تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی لکھتا ہے کہ رومی سلطنت سے مقابلہ کرنے کے لئے مسلمانوں کے پاس اپنی سرحد پر آمِدْ سے بہتر اور زیادہ مستحکم کوئی قلعہ نہ تھا۔

ایرانی سیاح ناصر خسرو ۴۳۸ھ (۱۰۴۶ء) میں آمِدْ سے گذرا تھا' اور اس نے یہاں کے چشم دید حالات بہت احتیاط سے لکھے ہیں۔ شہر (۲۰۰۰) قدم (گام) مربع تھا اور فصیل شہر نے جو سیاہ پتھر کی بنی ہوئی تھی' مغرب کی پہاڑی کو بھی اپنے اندر لے لیا تھا۔ یہ فصیل بیس گز (ارش) اونچی اور دس گز (ارش) چوڑی تھی۔ اس کے بیشتر پتھر چونے سے نہیں جوڑے گئے تھے' بلکہ نہایت وزنی پتھر بغیر ریختے کے چن دئے گئے تھے۔ ناصر خسرو نے اندازہ کیا ہے کہ اس کے ایک ایک پتھر کا وزن ایک ایک ہزار من (تقریباً

اسی جامع مسجد کے قریب ہی سیاہ پتھر کا بنا ہوا ایک بڑا گرجا تھا، مگر فرش اس کا سنگ مرمر کا تھا اور دیواروں پر سنگ تراشی کا عمدہ کام تھا۔ اسی گرجا میں عبادت گاہ میں جانے کے لئے مشبک آہنی دروازہ تھا کہ اس کی مثل ناصر خسرو نے اور کہیں نہیں دیکھا تھا۔

آمد کی مذکورہ بالا شان و شوکت کی تصدیق اس گمنام مشرح کی تحریر سے بھی ہوتی ہے، جس نے ابن حوقل کے پیرس والے نسخے کی شرح لکھی ہے اور جو خود ۵۳۷ھ (۱۱۴۲ء) میں آمد آیا تھا۔ اس نے لکھا ہے کہ اس شہر کے بازار اچھے بنے ہوئے تھے اور تجارت کا سامان ان میں بھرا رہتا تھا۔ ساتویں (تیرھویں) صدی میں یاقوت اور قزوینی نے بھی مذکورہ بالا بیانات کا ایک بڑے حد تک اعادہ کیا ہے۔ قزوینی نے لکھا ہے کہ آمد اس زمانہ میں ایک بڑے رقبہ میں واقع تھا، جس کی شکل نصف دائرے کی تھی۔ دجلہ نے اس کے قریب سے مشرق کی طرف بہنا شروع کیا تھا، اور دوسرے جانب اس کے گرد نہایت عالیشان باغ تھے۔ اس کے بعد کی صدی میں مستوفی نے آمد کو ایک متوسط درجے کا شہر لکھا ہے، جہاں سے ایل خانی بادشاہوں کو (۳۰۰۰) دینار بطور محاصل وصول ہوتے تھے۔ آٹھویں (چودھویں) کے آخر میں تیمور نے آمد کو فتح کر لیا[۱]۔

آمد کے شمال میں، اور بالائی دجلہ کی مشرقی شاخوں میں سے ایک شاخ پر حانی کا شہر تھا، یاقوت لکھتا ہے کہ اس کے قریب لوہے کی ایک کان تھی، جس کی وجہ سے اس کو بہت شہرت حاصل تھی۔ اور اس کان سے باہر بھیجنے کے لئے بہت سا لوہا نکالا جاتا تھا۔ حانی کا تذکرہ مستوفی نے بھی کیا ہے۔ اس شہر سے ذرا مغرب کی طرف دریائے دجلہ کا بڑا منبع واقع تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ یہ دریا ایک تاریک غار (کہف) سے نکلتا تھا، اور اس وقت اس کا پانی سبز رنگ کا ہوتا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ شروع میں یہ دریا بہت ہی کم عریض ہے اور پانی کا حجم صرف اتنا ہے کہ ایک پن چکی اس سے چل سکتی ہے، لیکن آگے چل کر جلد اس میں بہت سے دریا مل جاتے ہیں، جس سے اس کا پاٹ بڑھتا

---

[۱] اصطخری ص ۷۵+ ابن حوقل ص ۱۵۰، ۱۵۱+ مقدسی ص ۱۴۰+ ناصر خسرو (مطبوعہ کاویانی برلن) ص ۱۱، ۱۲+ یاقوت ج ۱ ص ۶۶+ قزوینی ج ۲ ص ۳۳۴+ مستوفی ص ۱۶۵+ علی یزدی ج ۱ ص ۶۸۲+

شہر کے وسط میں پانی کا ایک بڑا چشمہ تھا جس سے پانچ پن چکیاں چلتی تھیں اس کا پانی بہت اچھا تھا؛ اور شہر سے باہر نکل کر قرب و جوار کے باغوں کو سیراب کرتا تھا یہاں کی جامع مسجد بھی شہر کے مکانات کی طرح سیاہ پتھر کی تھی اور وہ ایک خوبصورت عمارت تھی (ایسی کہ اُس سے زیادہ خوبصورت اور مضبوط تعمیر نہیں ہو سکتی ع۱)۔ اس کی چھت دو پاکھی سلامی دار تھی؛ مسجد میں دو سو ستون تھے، اور ہر ستون سالم پتھر (یک پارہ سنگ) کا تھا۔ ہر جگہ دو ستونوں پر ایک ایک سنگیں محراب تھی؛ اور ان محرابوں پر چھت کے گردنے سے نیچے چھوٹے چھوٹے ستونوں کی ایک صف چلی گئی تھی مسجد کی چھت پر تکلف خاتم بندی کی تھی اور نقش و نگار رنگین تھے، اور ان پر روغن پھرا ہوا تھا۔ مسجد کے وسط میں ایک گول سنگین حوض تھا جس کے بیچ میں پیتل کے فوارے سے شفاف پانی کی دھاریں اونچی اُٹھ کر پھر اسی حوض میں گرتی تھیں، اور حوض کا پانی جتنا تھا اتنا ہی رہتا تھا ع۲ +

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۹) از دروازہ ہائے سور اول در روند مبلغے در فصیل بباید رفت تا بدروازۂ سور دوم رسند و فراخی فصیل پانزدہ گز باشد ....

من فراواں شہرہا وقلعہا دیدم در اطراف عالم در بلاد عرب و عجم و ہند و ترک مثل شہر آمد ہیچ جا ندیدم کہ بر روئے زمین چناں باشد و نیز از کسے شنیدم کہ گفت کہ چناں جائے دیگر دیدہ ام" (مترجم)

(ع۱ سفرنامۂ ناصر خسرو (صفحہ ۱۲؛ مترجم)

(ع۲ ناصر خسرو (سفرنامہ صفحہ ۱۲) آمد کی مسجد کے متعلق لکھتا ہے :- "و مسجد جامع ہم ازیں سنگ سیاہ است چنانچہ از اں راست تر و محکم تر نتواند بود۔ و در میان جامع دویست و اند ستون سنگین بر داشتہ است ہر ستون یک پارہ سنگ و بر ستونہا طاقہا زدہ است ہمہ از سنگ، و بر سر طاقہا باز ستونہا زدہ است کوتاہ تر از آں۔ و صفے دیگر طاق زدہ بر سر آں طاق ہائے بزرگ؛ و ہمہ بامہائے ایں مسجد بخر پشتہ پوشیدہ ہمہ نجارت و نقارت و منقوش و مدہون کردہ + و اندر صحن مسجد سنگے بزرگ نہادہ است و حوضے سنگین مدور عظیم بزرگ بر سر آں سنگ نہادہ، و ارتفاعش قامت مردے و دور دائرۂ آں دو گز و ناثیرہ اے برنجین از میان حوض بر آمدہ کہ آبے صافی بفوارہ از آں بیروں میاید چنانکہ مدخل و مخرج آں آب پیدا نیست" + یہاں ناصر خسرو کی عبارت اور لی اسٹرینج کے بیان میں فرق معلوم ہوتا ہے۔ (مترجم)

عربی مَیّافارِقِین ارامی نام میفرگَت یا ارمنی نام مُوفرگین کی بگڑی ہوئی شکل ہے یونانی اسی شہر کو مارٹروپولس (Martyropolis) کہتے تھے۔ مقدسی نے چوتھی (دسویں) صدی میں اسے عمدہ شہر لکھا ہے جس کے گرد کنگروں والی ایک تنگ بستہ فصیل اور خندق تھی اور اس فصیل کے باہر بڑی وسیع بستیاں تھیں۔ اس کی جامع مسجد بھی خوبصورت عمارت تھی۔ لیکن مقدسی لکھتا ہے کہ یہاں باغات کم تھے۔ ۴۳۸ھ (۱۰۴۶ء) میں ناصر خسرو میّافارقین آیا تھا وہ لکھتا ہے کہ شہر کے گرد بڑے بڑے سفید پتھروں کی بنی ہوئی ایک فصیل تھی اور اس کے ہر ایک پتھر کا وزن (۵۰۰) من (تقریباً ڈیڑھ ٹن) کا تھا جس طرح آمد کا شہر جیسا کہ اوپر ذکر ہوا تمام تر سیاہ پتھر کا تھا اسی طرح میّافارقین بالکل سفید پتھر کا تھا۔ شہر پناہ اس وقت نئی نئی بنی تھی اس کے استحکامات اچھے تھے اور ہر پچاس گز پر سفید پتھر کا ایک برج تھا۔ شہر کا صرف ایک دروازہ تھا اور یہ غرب رویہ۔ اس کا پھاٹک بالکل لوہے کا تھا لکڑی اس میں مطلق نہیں لگائی گئی تھی۔ ناصر خسرو لکھتا ہے کہ شہر میں صرف ایک خوبصورت جامع مسجد تھی؛ اور ایک دوسری جامع مسجد شہر کے باہر کی آبادی (ربض) میں تھی۔ یہ جامع مسجد بازار کے بیچ میں تھی اور اس کے آگے بہت سے باغات تھے۔ ناصر خسرو یہ بھی لکھتا ہے کہ میافارقین سے تھوڑے فاصلے پر شمال میں ایک دوسرا شہر محدثہ (نیا شہر) تھا؛ اس میں بھی بازار حمام (گرمابہ) اور جامع مسجد موجود تھی۔ میافارقین سے چار فرسخ آگے نصریہ کا شہر تھا۔ جسے تھوڑا زمانہ ہوا تھا کہ امیر نصر مروانی المخاطب بہ شبل الدولہ نے تعمیر کرایا تھا۔

یاقوت اور قزوینی نے ان مختلف گرجاؤں، تین برجوں اور شہر کے آٹھ دروازوں کا مفصل حال لکھا ہے جو میّافارقین میں پرانے وقتوں کے آثار تھے۔ یاقوت لکھتا ہے کہ میافارقین کا یونانی نام مدورصالا (شہداء کا شہر) تھا۔ پرانی عمارتیں قیصر تھیوڈوسیس کے وقت کی تھیں، اور ان میں سے بعض خصوصاً ایک قدیم گرجا کے آثار جس کی بابت کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت مسیح کے زمانہ میں بنا تھا ساتویں (تیرھویں) صدی تک نظر آتے تھے۔ مخصوص چیزوں میں شہر پناہ کے جنوب مغربی برج کی چوٹی پر ایک

(۱۴۳)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۲) ج ۳ ص ۷۱۳، ۱۴ + ج ۴ ص ۳۰۰، ۹۷۹ + مستوفی ص ۱۶۵۔

جاتا ہے۔ ان دریاؤں میں سے جو سب سے پہلے اس میں شامل ہوتا ہے وہ نھرالذئب (بھیڑیئے والا دریا) ہے؛ غالباً یہ دریا وہی ہے جسے نھرا لکلاب (کتوں والا دریا) کہتے ہیں، اور جس کا ذکر یاقوت نے کیا ہے۔ یہ دریا چند پہاڑیوں سے نکلا ہے، جو شہر حانی کے شمال میں شِمشاط کے قریب واقع ہیں۔ یاقوت کے بیان کے مطابق دریائے دجلہ کا منبع آمد سے ڈھائی دن کی مسافت پر ھَلوُرس کے مقام پر تھا۔ جہاں علی ارمنی نے شہادت پائی تھی"۔ یاقوت نے بھی اس تاریک غار کا ذکر کیا ہے جہاں سے یہ دریا ابل کر بہتا ہے۔ دجلے کے اور بہت سے معاونوں کا ذکر مقدسی اور یاقوت نے کیا ہے۔ لیکن ان کے بیانات میں تطابق پیدا کرنا مشکل ہے؛ غالباً ان دریاؤں کے ناموں میں چوتھی اور ساتویں (دسویں اور تیرھویں) صدی کے درمیان بہت کچھ تغیر و تبدل ہوتا رہا۔

آمد سے کچھ دور جنوب میں دریائے دجلہ یک بارگی زاویہ قائمہ بناتا ہوا مشرق کی طرف مڑ جاتا ہے، اور پھر شمال سے ایک ندی نھرالرَّھس یا نھرالصَّلب اس میں ملتی ہے؛ لیکن اس سے بھی زیادہ قابل ذکر معاون دریا وہ ہے جو شہر میافارقین کے شمال سے آتا ہے، اور جس کی ایک شاخ اس شہر کے پاس گذرتی ہے۔ اس دریا کا نام ساتیدَما یا ساتیدَماذ ہے اس کی ایک شاخ القلق کے علاقے سے آتی تھی، اور اس کا نام وادی الزُّرد تھا؛ اور خود دریائے ساتیدَما کا نکاس دَرب الکلاب (کتوں والے درہ) سے ہوا تھا۔ یاقوت لکھتا ہے کہ یہ نام ایک مشہور قتل علم کی بناء پر شہرت پا گیا تھا، جس میں ایک موقع پر ایرانی فوج نے یونانیوں کی پوری جمعیت کو کتوں کی طرح مار ڈالا تھا"۔ یہ واقعہ انوشیروان عادل کے عہد کا ہے، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے چند سال قبل کا۔ جس دریائے ساتیدَما کا ذکر ابن سراپیون نے کیا ہے، اس کو مقدسی نے نھرالمسُولیات لکھا ہے، جسے آج کل بَتمَن صُو کہتے ہیں۔ اس کی ایک معاون شاخ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا میافارقین کے پاس سے گزرتی تھی[1]۔

---

[1] ابن سراپیون ص ۱۷، ۱۸؛ مقدسی ص ۱۴۴؛ یاقوت ج ۲ ص ۱۸۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۶۳، ۵۶۹

لیکن آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی کے بیان سے جو اس شہر کو عام طور سے اسرزنہ لکھتا ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر اس وقت رونق پر تھا۔

ایک دریا مَتیا فارقین اور دوسرا اسرزن سے گذرتا ہوا اور دونوں شمال سے بہتے ہوئے دریائے فرات میں ملے تھے۔ جن مقامات پر یہ فرات سے ملتے تھے ان کے وسط میں فرات کے جنوبی کنارے پر حِصن کَیفَا یا کِیفَا واقع ہے جس کو یونانی کیفاس (Kiphas) یا کیفے (Cephe) کہتے تھے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ حِصن کَیفا نہایت مضبوط اور مستحکم قلعہ تھا اور اس کے گرد جو بستیاں تھیں ان کے بازار سامان تجارت سے بھرے ہوئے رہتے تھے۔ وہ لکھتا ہے کہ یہاں بہت سے گرجا بھی تھے۔ اور ابن حوقل کے پیرس والے نسخے کے شارح نے جس کا حوالہ پہلے بھی دیا جا چکا ہے چھٹی (بارھویں) صدی میں لکھا ہے کہ یہاں دریائے دجلہ پر ایک سنگین پل تھا جس کی مرمت ۵۱۰ھ (۱۱۱۶ء) میں امیر فخرالدین قارا ارسلان نے کرائی تھی۔ اس زمانہ میں قلعے کے نیچے ایک بڑی آباد بستی تھی جس میں متعدد بازار اور کاروان سرائے تھیں اور مکانات پتھر اور چونے کے عمدہ بنے ہوئے تھے گرد و نواح کا علاقہ زرخیز تھا لیکن آب و ہوا ناقص تھی اور موسم گرما میں اکثر طاعون پھیلا کرتا تھا۔ یاقوت جو خود حِصن کَیفا دیکھ چکا تھا کہتا ہے کہ یہاں پہلے دریائے دجلہ کے دونوں کناروں پر بیرونی بستیاں (ربض) تھیں اور اوس کا خیال ہے کہ یہاں کا سنگ بستہ پل بہترین عمارات میں سے تھا۔ اس میں صرف ایک بڑی محراب تھی جو دو چھوٹی محرابوں پر قائم کی گئی تھی اور ان دو چھوٹی محرابوں کا بیچ کا پیل پایہ غالباً دجلہ کے رہگذر کی تنصیف کر دیتا تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے لکھا ہے کہ حِصن کَیفا ایک بڑا شہر تھا گو اس کا ایک حصہ ویران ہو چکا تھا لیکن پھر بھی اس کی آبادی بہت تھی۔

تَلّ فافان نام کی پہاڑی حِصن کَیفا سے تقریباً پچاس میل مشرق کی طرف دریائے دجلہ کے شمال یا بائیں کنارے پر اس جگہ واقع تھی جہاں یہ دریا جنوب کی جانب گھوم جاتا ہے۔ اس پہاڑی کے نیچے تَلّ فَافَان کا شہر تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے لکھا ہے کہ اس کے گرد باغات تھے اور اس کے بازاروں میں سامان تجارت کی بہتات تھی، مکانات اکثر کچے تھے لیکن بازار اچھے ہوتے تھے۔ دریا جو تَلّ فَافَان پر دجلہ میں

بڑی صلیب نصب تھی جس کا رخ بیت المقدس کی طرف تھا، اور مشہور تھا کہ یہ صلیب بھی
اُسی کاریگر کے ہاتھ کی تھی جس نے بیت المقدس والی بڑی صلیب بنائی تھی، اور جو
کنیسۃ القیامۃ کے گنبد پر نصب کی گئی تھی۔ یہ دونوں صلیبیں ایک سی تھیں، اور ان
کو دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ میا فارقین میں یہودیوں کے محلے میں ان کے صومعہ کے
قریب سنگ اسود کا ایک پیالا تھا۔ اس پیالے میں شیشے کی ایک پیٹی رکھی رہتی تھی
جس میں یوشع بن نون کا خون تھا۔ یہ خون رومیۃ الکبریٰ سے لایا گیا تھا۔ اس پیٹی کو
محض مس کرنے سے ہر قسم کا مریض شفایاب ہو جایا کرتا تھا[1]۔ آٹھویں (چودھویں)
صدی میں، جب مغلوں کا دور دورہ تھا، میا فارقین بڑا مقام تھا، چنانچہ مستوفی نے وہاں
کی آب و ہوا اور میووں کی کثرت کو تعریف کے ساتھ لکھا ہے۔[2]

اَرْزَن: مَیّا فارقین سے مشرق کی طرف تھوڑے فاصلے سے نہر یا وادی
سَرْبَط نام ایک دریا کے مغربی کنارے پر واقع تھا۔ یہاں ایک بہت مستحکم قلعہ تھا۔
ناصر خسرو ۴۳۸ھ (۱۰۴۶ء) میں یہاں پہنچا تھا۔ اس نے لکھا ہے کہ یہ شہر خوب معمور
تھا، بازار بارونق تھے، اور اوس کے گرد زرخیز اور شاداب باغات تھے۔ یاقوت
لکھتا ہے کہ اَرْزَن (اس کو اَرْزَن الروم یا ارض روم سے خلط ملط نہ کرنا
چاہئے، جس کا ذکر آئندہ باب میں کیا جائے گا) اُس کے زمانہ میں برباد ہو چلا تھا۔

([1] اس پیٹی میں غالباً کوئی تبرک دان ایسا ہوگا جس میں خون رہ سکے۔ مصنف نے خیال ظاہر کیا
ہے کہ غالباً یہ یہودیوں کا تعویذ تھا جسے فائی لیکٹری (Phylactery) کہتے ہیں۔ عہد نامۂ جدید
کی رو سے یہ لفظ اُس تعویذ کے لئے استعمال ہوا ہے جو جھلی یا گائے کے سیاہ چمڑے کی چھوٹی سی
چوکور ڈبیا کی شکل کا ہوتا ہے، اور اوس کے اندر عہد عتیق کی چند آیات جھلی پر لکھی ہوئی ہوتی ہیں۔
یہ تعویذ روز صبح نماز کے وقت بجز یوم السبت کے ہر ایک یہودی جس کی عمر تیرہ برس سے زیادہ ہو سر یا بائیں بازو
پر باندھ لیتا ہے۔ روس و پولینڈ کے بعض یہودی اس تعویذ کو ہر وقت پہنے رہتے ہیں۔ ان تعویذوں کے لکھنے
کا کام مذہبی پیشواؤں کے ایک خاص طبقے کے سپرد ہے، اور ان کے لکھنے کے لئے متعدد اور نہایت سخت شرائط
عائد کی گئی ہیں۔ مترجم)۔ [2] ابن حوقل ص ۱۵۱، مقدسی ص ۱۴۰، ناصر خسرو ص ۷، یاقوت
ج ۴ ص ۷۰۲۔ ۷۰۷، قزوینی ج ۲ ص ۳۷۹، مستوفی ص ۱۶۷۔

۱۵۱

باب ہشتم

دریائے فرات کا بالائی علاقہ

مشرقی فرات یا اَرَسناس۔ مِلاشگرد اور مُوش۔ شِمشاط اور حِصن زیاد یا خَرتْ بِرت۔ مغربی فرات۔ اَرزَن الرُّوم یا قالیقلا۔ اَرزَنجان اور کمخ۔ قلعہ اَبرِیق یا تفریک (Tephrike) مَلَطیہ اور طُرندہ۔ زِبطرہ اور حَدَث۔ حِصن مَنصُور۔ بَہَسنا اور قنطرۂ سَنجہ۔ بالائی میسوپوٹیمیا کی پیداوار۔ شاہراہیں۔

مشرقی اور مغربی بالائی فرات کے کناروں پر (اور یہ دونوں رود بار دریائے فرات کے سرچشمے تھے) جس قدر شہر اور علاقے واقع ہیں وہ بالعموم میسوپوٹیمیا کے اعمال میں شمار ہوتے تھے، اور اکثر جزیرہ کے صوبے میں شامل سمجھے جاتے تھے۔ فرات کی ان دو شاخوں میں سے جنوبی شاخ (اور بعض جغرافیہ نویسوں کے نزدیک یہی شاخ اصلی دریائے فرات ہے) وہی رودبار ہے جسے لاطینی مورخ پلینی اور پلینی نے ارسانیاس فلومین (Arasanias Flumen) لکھا ہے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن سراپیون نے بھی اُسے بطور اَرَسناس لکھا ہے اور یاقوت نے بھی لکھا ہے کہ اس دریا کا یہی نام ساتویں (تیرھویں) صدی میں مروج تھا۔ یاقوت لکھتا ہے کہ اس کا پانی بہت سرد تھا۔ آج کل ترکوں میں یہ دریا عام طور سے مُراد صُو کہلاتا ہے۔ یہ نام اُسے سلطان مراد چہارم کے نام پر دیا گیا جس نے ۱۰۴۸ھ (۱۶۳۸ء) میں بغداد فتح کیا تھا۔

دریائے اَرَسناس تُوران کے ملک سے نکلتا تھا۔ تُوران کو اہل آرمینیہ ڈرون (Daron) اور اہل یونان ٹُورونائیٹس (Toronites) کہتے ہیں، اور

گرتا تھا جھیل وان کے جنوب مغرب میں آرمینیہ کے پہاڑوں سے نکل کر بدلیس (Bitlis) سے گزرتا ہوا یہاں پہنچتا تھا۔ اس دریا کا ایک معاون دریا جھیل وان کے جنوب سے نکل کر اس میں گرتا تھا اور مقدسی اور یاقوت دونوں نے اس معاون دریا کا نام وادی الزَرَم لکھا ہے؛ یہ دونوں دریا مل کر جب دجلہ میں شامل ہوجاتے تھے تو دجلہ اس قابل ہو جاتا تھا کہ اس میں کشتیاں چل سکیں۔ وادی الزرم کے کنارے تل فافان کے شمال میں اس مقام سے کچھ اوپر جہاں دریائے بدلیس وادی الزرم میں گرتا ہے، سَاعِرت کا شہر ہے، جسے سِیعِرت اور اِسعِرت بھی کہتے ہیں، اور جو اکثر آرمینیہ کے اعمال میں گنا جاتا تھا۔ یاقوت نے کئی بار اس کا نام لیا ہے، مگر وہ اس کا کچھ حال نہیں لکھتا۔ مستوفی نے سَاعِرد کو ایک بڑا شہر بتایا ہے اور لکھا ہے کہ یہاں کے ٹھٹیروں کے بنائے ہوئے تانبے کے برتن مشہور تھے۔ پانی پینے کے کٹورے یہاں سے دور دور بطور سوغات بھیجے جاتے تھے۔ قزوینی کے مطابق اِسعِرت کے قریب حیزان کا چھوٹا سا شہر تھا۔ یہ شہر اس لئے مشہور تھا کہ تمام میسوپوٹیمیا میں یہی ایک مقام تھا جہاں شاہ بلوط کے درخت بکثرت تھے۔ اور تمام میسوپوٹیمیا میں سوائے یہاں کے شاہ بلوط کا درخت کہیں نہیں ہوتا۔[۱]

---

[۱] اصطخری ص ۷۶، ابن حوقل ص ۱۵۲، مقدسی ص ۱۴۱، ۱۴۵، ناصر خسرو ص ۷، یاقوت ج ا ص ۲۰۵، ج ۲ ص ۲۷۷، ۵۵۲، ۷۷۶، ج ۳ ص ۶۸، ۴۸۸، مستوفی ص ۱۶۵، ۱۶۶، قلمی مسودوں میں دریائے زرم کا نام مختلف طور سے زرم، زرب یا زراب لکھا ہے، لیکن اس کے صحیح ہجے معلوم نہیں۔

دریائے فرات کے کنارے کے شہر سُمَیْساط سے جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے (دیکھو صفحہ حاشیہ ۱۰۸) خلط ملط کر دیا جاتا ہے۔ ابن سراپیون نے لکھا ہے کہ ان دو معاون دریاؤں میں پہلا دریا نھوالذئب (بھیڑیئے والا دریا) تھا جو قالیقلا کے علاقے سے نکل کر شمشاط سے ابھی کچھ فاصلہ رہ جاتا تھا کہ اَرَسْنَاس میں گرتا تھا، اور دوسرا معاون دریا سَلْقَت تھا جو جبل مَرُوس (یا مَرْوَزِیر) سے نکل کر شمشاط سے گزر کر ایک میل کے فاصلے پر آرسناس میں گرتا تھا۔ نقشہ دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ یہ وہی دریا ہیں جنہیں آج کل گُنگ صُو اور پیری چے کہتے ہیں؛ اور قالیقلا وہ علاقہ ہے، جو دریائے اَرَسْنَاس اور مغربی فرات کے درمیان ملک تُوران سے مغرب میں واقع ہے۔

اَرَسْنَاس کے کنارے شَمْشاط (یا شِمْشاط) ایک بڑا مقام تھا کیونکہ خود اس دریا کو (منجملہ دیگر جغرافیہ نویسوں کے) ابن سراپیون نے بھی دریائے شمشاط لکھا ہے؛ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دریائے اَرْسَنَاس کے جنوبی یعنے بائیں کنارے پر یہ شہر کبھی آباد تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ شمشاط وہی مقام ہے جسے یونانی ارساموسٹا (Arsamosata) کہتے تھے؛ اور یاقوت جس نے خاص طور پر بتایا ہے کہ شمشاط کو سُمَیْساط سے خلط ملط نہ کرنا چاہیئے، کہتا ہے کہ پالُویہ (موجودہ پالُو) اور حصن زیاد (موجودہ خَرپُوت) کے بیچ میں شمشاط واقع تھا۔ ساتویں (تیرھویں) صدی میں جب یاقوت نے اپنی کتاب لکھی ہے، یہ شہر ویران ہو چکا تھا۔ لیکن ابن سراپیون اور اور یاقوت کے بیانات سے جو اوپر درج ہوئے ہم ایک قلیل رقبہ کے اندر اندر شمشاط کے موقع کا تعین کر سکتے ہیں۔ حِصْن زِیاد جس کے متعلق ابن خرداذبہ نے لکھا ہے کہ وہ شمشاط سے زیادہ دور نہ تھا، یاقوت کے بیان کے مطابق اس مقام کا عربی نام تھا جسے ارمنی زبان میں خَرتَبِرت کہتے تھے۔ اور جسے آج کل خَرپُوت کہا جاتا ہے۔ استوفی نے اسے خَربَرْت لکھا ہے؛ لیکن اور زیادہ تفصیل نہیں دی، بلکہ صرف اتنا لکھا ہے کہ وہ ایک بڑا شہر ہے جس کی آب و ہوا اچھی ہے۔ بلاذری اور شروع زمانہ کے دوسرے مصنف جِسْرِ یَغرا کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ پل ایک ندی پر تھا، جو غالباً اَرَسْنَاس کی معاون تھی شمشاط سے یہ پل دس میل کے فاصلے پر تھا؛ لیکن اس کا اصلی موقع معلوم نہیں اسے

اس میں وہ پہاڑ بھی شامل تھے جو جبل وان کے شمال میں ہیں۔ دریائے آرسناس کے کنارے پر پہلا بڑا شہر مَلازکرد تھا جسے اس علاقے کی بہت سی مقامی زبانوں میں مَنازجرد مَنزکرت اور ملاسگرد بھی کہتے ہیں۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے ملاذکرد کو ایک مستحکم قلعہ بتایا ہے، جس کے بازاروں میں جامع مسجد تھی، اور اوس کے گرد متعدد باغات تھے۔ ۴۶۳ھ (۱۰۷۱ء) میں مَنزکرت کے مقام پر (جیسا کہ یونانی اس کا نام لیتے تھے) بازنطینوں اور مسلمانوں میں ایک فیصلہ کن جنگ واقع ہوئی تھی، جس میں سلجوقیوں نے قیصر رومنوس چہارم (دیوجانس) کو شکست دے کر گرفتار کر لیا، اور اس جنگ کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایشیائے کوچک میں سلجوقیوں کے قدم جم گئے اور وہ اس ملک کو فتح کرکے اس میں آباد ہو گئے۔ یاقوت نے متعدد مرتبہ مَنازجِرد یا مَنازکرد کا تذکرہ کیا ہے، اور مستوفی نے جو اس شہر کو مَلازجرد لکھتا ہے، یہاں کے مضبوط قلعہ، خوشگوار آب و ہوا اور زرخیز زمین کی تعریف کی ہے۔ دریائے آرسناس کے جنوب میں اور اوس وسیع ہموار قطعۂ زمین پر جو جبل وان کے مغرب میں ہے شہر مُوش واقع ہے۔ اور یہ شہر اکثر ارمینیہ میں شامل سمجھا جاتا ہے۔ اس کا تذکرہ یاقوت نے کیا ہے اور مستوفی نے لکھا ہے کہ یہاں عمدہ چراگاہ تھے، اور یہ ان ندیوں سے سیراب ہوتے تھے جن میں سے کچھ شمال کی طرف بہ کر مشرقی فرات میں اور کچھ جنوب کی سمت میں بہ کر دجلہ میں گرتی تھیں۔ مستوفی کے زمانے میں یہ شہر ویران تھا۔[1]

دو معاون دریا نواحِ شمال اور قالیقلا سے آکر آرسناس کے دائیں کنارے سے اس میں گرتے تھے۔ یہ دونوں دریا اس وجہ سے قابل ذکر ہیں کہ ان سے ہم شہر شِمشاط کی جاء وقوع کا تقریباً اندازہ کرکے اس کا تعین کر سکتے ہیں۔ شِمشاط کا شہر کسی قدر مشہور مقام تھا، لیکن نقشے پر اس کا نشان نہیں ملتا۔ اس شہر کو اکثر

---

[1] ابن سراپیون ص ۱۱ + قدامہ ص ۲۴۶، ۲۵۱ + مقدسی ص ۳۷۶ + یاقوت ج ۱ ص ۲۰۷ + ج ۴ ص ۶۴۲، ۶۶۲ + مستوفی ص ۱۶۵، ۱۶۷ + حاجی خلیفہ (جہان نما ص ۴۲۶) غالباً سب سے پہلا مصنف ہے جس نے مشرقی فرات کو مُراد صُو لکھا ہے، اور چونکہ اس کی کتاب جہان نما ظاہر ہے کہ سلطان مراد چہارم کے عہد سے پہلے لکھی گئی تھی، اس لئے یہ خیال بالکل غلط ہے کہ اس دریا کا نام سلطان کے نام پر رکھا گیا تھا۔

ایک پہاڑی کی چوٹی پر دریائے اَرکَینِیس کے ایک سرچشمہ کے قریب اَونِک کا بڑا قلعہ تھا مستوفی نے لکھا ہے کہ اس پہاڑ کے دامن میں جو شہر آباد تھا وسے اَبنَبجُور یا اَبنَبجُورْ کہتے تھے اور یہ اَرزن الروم کے اعمال میں شامل تھا۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ اس علاقے کو باسِین کہتے تھے۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے آخر میں تیمور نے ایک طول و طویل محاصرے کے بعد اَونِک فتح کیا اور اس مقام کا نام اُس کی فوجی مہموں کی تاریخ میں اکثر آتا ہے۔

اَرزَن الرُّوم سے تقریباً دو سو میل مغرب میں اور دریائے فُرات کے دائیں یعنے شمالی کنارے پر اَرزَنجان کا شہر آباد ہے۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ اسے اکثر اَرزَنگَان کہتے تھے۔ اس کا بیان ہے کہ یہ ایک خوبصورت شہر تھا جس میں سامانِ تجارت کی بہتات تھی۔ اس کے زمانہ میں یہاں زیادہ تر ارمنی آباد تھے جو علانیہ شراب پی کر اپنے مسلمان ہمسایوں کو اپنی حرکتوں سے بیزار کرتے تھے۔ مستوفی نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ اس شہر کی فصیل ساتویں (تیرھویں) صدی کے اواخر میں سلطان علاء الدین کیقباد سلجوقی نے دوبارہ تعمیر کرائی تھی اور وہ عمدہ تراشے ہوئے پتھروں کی مضبوط بنی ہوئی تھی۔ اَرزَنجان کی آب و ہوا بھی بہت اچھی تھی اور اُس کی زمینوں میں اناج، روئی اور انگور بکثرت پیدا ہوتے تھے ابن بطوطہ ۷۳۳ھ (۱۳۳۳ء) میں یہاں پہنچا تھا۔ اس وقت یہاں زیادہ تر ترکی بولنے والے ارمنیوں کی آبادی تھی اور یہ لوگ مسلمان تھے۔ شہر کے قریب تانبے کی کانیں تھیں، اور یہاں کے کاریگروں کے بنائے ہوئے پیتل کے برتن مشہور تھے۔ بازار خوب بارونق تھے اور شہر میں کپڑا بہت بُنا جاتا تھا۔ اَرزَنجَان کے شمال میں بَابَرْت کے متعلق یاقوت لکھتا ہے کہ وہ ایک بڑا شہر تھا جس میں زیادہ تر ارمنی آباد تھے۔ لیکن مستوفی نے لکھا ہے کہ اس کے زمانہ میں بَابَرت کی رونق میں کمی آگئی تھی۔ کَمَخ (یا کَمَخ) کا قلعہ اَرزَنجَان کے جنوب مغرب میں ایک دن کی مسافت پر مغربی فرات کے بائیں یعنے جنوبی کنارے پر تھا۔ ابن سراپیون اور ابتدائی عرب جغرافیہ نویس اس مقام کا ذکر اکثر کرتے ہیں۔ یہ یونانیوں کا شہر کماخا (Kamacha) تھا۔ مستوفی نے بیان کیا ہے کہ کَمَخ بہت بڑا قلعہ تھا اس کے نیچے دریا کے کنارے

آگے شمشاط سے مغرب میں سو میل کے فاصلے پر ارسناس یعنی مشرقی فرات آخر کار مغربی فرات سے مل جاتا تھا۔[1]

مغربی فرات کو عام طور پر بڑے دریائے فرات کا اصلی دھارا سمجھا جاتا ہے۔ ترکوں میں آج کل مغربی فرات کو قارا صو (کالا دریا) کہتے ہیں؛ اور ابن سراپیون نے اسے نہر الفرات لکھا ہے۔ اسی مصنف کا بیان ہے کہ یہ دریا اُن پہاڑیوں سے نکلا ہے جنھیں جبل اقرُدخس کہتے تھے، (مسعودی نے اسے بظاہر اقرُدخس لکھا ہے اور دوسرے مصنفوں نے یہی نام اور طرح بھی تحریر کیا ہے)۔ یہ پہاڑ قالیقلا کے علاقے میں ارض روم کے شمال میں واقع تھے۔ یہ ارض رُوم وہ بڑا شہر ہے جسے عرب ارزن الروم یا ارض الرّوم (رومیوں کا ملک) اور ارمنی کارن (Karin) اور یونانی تھیوڈوسیوپولیس (Theodosiopolis) کہتے تھے۔ یہی مسلمانوں کا شہر قالیقلا بھی ہے جو اسی نام کے علاقہ کا صدر مقام ہے۔ قالیقلا کا نام شروع کے عرب جغرافیہ نویسوں کی تحریروں میں بار بار آتا ہے، لیکن اس کی وجہ تسمیہ معلوم نہیں، بہر حال اس امر میں سب متفق ہیں کہ یہی وہ علاقہ تھا، جہاں سے مغربی فرات، دریائے ارکسیش (Araxes) اور دریائے آرسناس کے معاون دریا نکلتے ہیں۔ شہر ارض الروم کے متعلق ابتدائی عرب جغرافیہ نویس، سوائے اس کے کہ وہ ایک بڑا شہر تھا اور کچھ نہیں لکھتے۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ یہاں بہت سے خوبصورت گرجا تھے، خصوصاً ایک گرجا جس کے گنبد کا قطر پچاس ذرع تھا۔ اس گرجا کے سامنے ایک مسجد تھی جو بیت اللہ کے نمونے پر تعمیر کی گئی تھی۔ ابن بطوطہ ۷۳۳ھ (۱۳۳۳ء) میں ارزن روم (اس کا املا ابن بطوطہ نے یہی لکھا ہے۔) پہنچا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ یہ ایک بڑا شہر تھا، جس کا ایک بڑا حصہ برباد ہو چکا تھا، اور اس وقت اس کا مالک عراق کا سلطان تھا؛ لیکن باوجود ویران ہونے کے، اس کے باغات مشہور تھے، اور اس کی بیرونی بستیوں میں سے تین دریا گزرتے تھے۔ ارزن الروم سے مشرق کی طرف آٹھ فرسخ کے فاصلے پر

---

[1] ابن سراپیون ص ۱۰، ۱۳، ۴۳۔ ابن خرداذبہ ص ۱۲۳ + بلاذری ص ۱۳۹ + یاقوت ج ۲ ص ۲۷۶، ۲۱۰ + ج ۳ ص ۳۱۹ + مستوفی ص ۲۶۲ +

دریائے فُرات میں گرتا ہے، اور اس پر عرب گیر کا قلعہ واقع ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس قلعہ کا ذکر شروع زمانہ کے کسی عرب جغرافیہ نویس نے نہیں کیا۔ لیکن ابن بی بی نے سلجوقیوں کی تاریخ میں آٹھویں (چودھویں) صدی کے حالات میں ایک مرتبہ سے زیادہ اس قلعہ کا نام لیا ہے، اور بازنطینی تاریخوں میں اس کا نام ارابیسز (Arabaces) کی شکل میں پایا جاتا ہے۔ بہرکیف عَرَب گیر سے اَبْرِیق یا تَفْرِیک مراد نہیں، جیسا کہ بعض اوقات غلطی سے سمجھ لیا جاتا ہے۔ بظاہر اسلامی مصنفوں میں سے سب سے پہلے جس کی کتاب میں عَرَب گیر یا عرب گیر کا نام آیا ہے وہ حاجی خلیفہ (جہاں نما) ہے۔ اس مصنف کا زمانہ گیارھویں (سترھویں) صدی کی ابتداء ہے۔ اس نے شہر دِیوریکی کا بھی ذکر کیا ہے، جو آج کل اسی نام سے مشہور ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ بیلقانیوں کے پرانے قلعے کے مفصل حالات نہیں ملتے۔ (۲۰)

مَلَطِیَہ جسے یونانی ملی تینی (Melitene) کہتے تھے، اس زمانہ میں بازنطینی حکومت کے مقابلے کے لئے اسلامی سرحد پر نہایت مضبوط اور اہم قلعوں میں شمار ہوتا تھا۔ امام بلاذری نے لکھا ہے کہ جو فوج اس قلعہ میں متعین تھی وہ اس پل کی بھی نگہبانی کرتی تھی جو اس قلعہ سے تین میل دور دریائے قُبَاقِب پر واقع تھا، اور جس پر سے بڑی سڑک گذرتی تھی۔ یہ پل اس مقام سے قریب تھا جہاں قُبَاقِب کا دریا فرات میں گرتا تھا۔ اس دریا کو یونانی میلاس (Melas) کہتے تھے، اور آج کل ترک اُسے تخمانصُو کہتے ہیں۔ یہ دریا مَلَطِیَہ سے بہت مغرب میں اُن پہاڑوں میں سے نکلتا ہے جن میں سے دریائے جَیْحَان (یعنے قدیم زمانہ کا دریائے پائرامُوس (Pyramus) جنوب مغرب کی طرف بہتا ہوا آخر کار بحیرۂ روم کی خلیج اسکندرون (Alexandretta) میں گرتا ہے۔ اس کا ذکر آئندہ باب میں آئے گا۔ دریائے آرسَناس سے قطع نظر کرکے دریائے قُبَاقِب ہی بالائی فرات کے متعدد معاونوں میں سب سے بڑا ہے۔ دریا قُبَاقِب کے بھی بہت سے معاون ہیں، جن کے نام ابن سراپیون نے گنوائے ہیں۔ (۲۱) سنہ ۱۳۹ھ (۷۵۶ء) میں مَلَطِیَہ کا شہر خلیفہ منصور عباسی کے حکم سے دوبارہ تعمیر ہوا تھا۔ خلیفہ نے اس میں ایک خوبصورت مسجد بنوائی اور (۴۰۰۰) فوج وہاں مقرر کر دی۔ چوتھی (دسویں) صدی میں اصطخری نے اسے ایک خوبصورت بڑا شہر لکھا ہے جس کے گرد

شہر آباد تھا' اور بہت سے زرخیز گاؤں اُس کے اعمال میں شامل تھے[1]۔

مَلَطْیہ سے کم و بیش ساٹھ میل مغرب میں دریائے فرات' جو ارض الروم سے مغرب کی سمت میں بہتا ہوا آیا ہے' ایک بڑا خم کھا کر جنوب کی طرف بہنے لگتا ہے۔ اور یہاں اس کے بائیں کنارے سے نہر اَبْرِیق اس میں ملتا ہے۔ دریا کا یہ نام ابن سراپیون نے قلعۂ اَبْرِیق کے نام پر لکھا ہے' جو اس دریائے بالائی گذرگاہ کے قریب واقع ہے۔ یہی وہ دریا ہے جسے آج کل چِلْتَہ اِرْمَق کہتے ہیں اور جو دِیوْرِیک یا دِیوْرِیگی سے آتا ہے۔ مستوفی اور ابن بی بی نے اسے دِفْرِیگی لکھا ہے' اور بازنطینی مصنف اسے تفریکے (Tephrike) لکھتے ہیں۔ (افریکے (Aphrike) بھی بعض یونانی قلمی نسخوں ملتا ہے) ابتدائی عرب جغرافیہ نویسوں نے اسی کو مخفف کر کے اَبْرِیق کر لیا ہے۔ تیسری (نویں) صدی میں یہ قلعہ عیسائی فرقۂ پالیکیان کا ایک مستحکم مقام ہونے کی وجہ سے مشہور تھا۔ شرقی عیسائیوں کا یہ ایک عجیب فرقہ تھا' اور مانوی عقائد رکھتا تھا۔ اسی وجہ سے وہ صحیح الاعتقاد قیاصرہ قسطنطنیہ کی بے رحمی اور عقوبت کا نشانہ بنا رہا۔ پالی کیانی فرقے کے لوگوں نے جنھیں عرب مصنف اَلبَیلَقَانی لکھتے ہیں' تفریک پر قبضہ کر کے اس کو مستحکم کر لیا تھا' اور خلفاء عباسیہ کی مدد یا اشتعال سے ایک مدت تک یہ لوگ قسطنطنیہ کی فوجوں کو بے حقیقت سمجھتے رہے۔ قدامہ اور مسعودی نے' جو تقریباً ہم عصر تھے اَبْرِیق کو بَیلقانیوں کا پایہ تخت لکھا ہے۔ علی نے (جسے یاقوت نے نقل کیا ہے) ساتویں (تیرھویں) صدی میں اَلاَبْرُوْق (علی نے یہی املا لکھا ہے) کے قریب ایک بڑے مینار اور گرجا کے عجیب و غریب حالات لکھے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ یہاں بعض شہیدوں کے جسد محفوظ تھے اور اس کا خیال ہے کہ یہ شہید درحقیقت اصحاب کہف تھے[2]۔

چِلْتَہ اِرْمَق اور دِیوْرِیک سے آگے تھوڑی دور پر صارِیچِیچک صو

---

[1] ابن سراپیون ص ۱۰+ ابن رستہ ص ۸۹+ مسعودی (مروج) ج ۱ ص ۲۱۴+ مسعودی (تنبیہ) ص ۵۲+ یاقوت ج ۱ ص ۱۰۵' ۲۰۴' ۴۰۲' ۴۴۴' ج ۳ ص ۶۰۸+ ج ۴ ص ۱۹۸' ۳۰۲+ قزوینی ج ۲ ص ۳۷۰+ مستوفی ص ۱۶۳' ۱۶۴+ علی یزدی ج ۱ ص ۱۹۱+ ج ۲ ص ۲۵۲' ۴۰۳+ ابن بطوطہ ج ۲ ص ۲۹۳' ۲۹۴+

[2] یاقوت (مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۸۱) نے اس مصنف کا نام ابوبکر الھَرَوی لکھا ہے۔ مترجم) +

آثار غالباً وہی ہیں جو ویران شہر کے کھنڈر ہیں۔ ویران شہر ملطیہ کے جنوب میں سلطان صو دریا کے کنارے واقع ہے۔ سلطان صو ہی قرا قیس کا موجودہ نام ہے۔ امام بلاذری اور اصطخری دونوں نے زبطرہ کو یونانی سرحد پر ایک بڑا قلعہ بتایا ہے جس کو بازنطیوں نے کئی مرتبہ مسمار کیا اور ایک مرتبہ خلیفہ منصور عباسی نے اور اس کے بعد دوسری مرتبہ ہارون الرشید عباسی نے اسے ازسرنو تعمیر کرایا۔ یاقوت[1] اور بعض دوسرے مصنف زبطرہ اور حدث کے قلعوں کا ذکر ساتھ ساتھ کرتے ہیں۔ ان میں سے حدث کے حالات ہم آئندہ بیان کریں گے۔ عربی اور بازنطی تاریخوں میں زبطرہ یا سوزوپٹرا اس وجہ سے مشہور ہے کہ قیصر تھیوفلس (Theophilus) نے اسے مسلمانوں سے فتح کر لیا تھا۔ اس کے بعد جب خلیفہ معتصم عباسی عموریہ پر فوج کشی کرنے اٹھا جس کا ذکر آئندہ باب میں آئے گا، اس نے اس قلعہ کو عیسائیوں سے پھر چھین لیا۔ زبطرہ مدت دراز تک بڑا اہم مقام مانا گیا تھا، لیکن جب ابو الفداء ۷۱۵ھ (۱۳۱۵ء) میں وہاں آیا ہے تو یہ قلعہ بالکل برباد ہو چکا تھا۔ پرانی فصیل کے نشانات کا بمشکل پتہ لگتا تھا، اور اس کی مزروعہ زمینیں بے طور پڑی تھیں چنانچہ ابو الفداء کو ان اراضی کے قریب جن میں زراعت خوب ہوا کرتی تھی شاہ بلوط کے جنگل میں کثرت شکار ملا، وہ لکھتا ہے کہ یہاں خرگوش اتنے بڑے تھے کہ کہیں اور دیکھنے میں نہیں آئے۔ ابو الفداء کا بیان ہے کہ یہ مقام ملطیہ کے جنوب میں دو منزل کی مسافت پر اور اتنی ہی دور حصن منصور سے، جس کا ذکر آگے آئے گا واقع تھا[1]۔

الحدث کا قلعہ، جسے یونانی اڈاٹا (Adata) کہتے تھے مسلمانوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں فتح کیا تھا، اور اس کا ذکر تاریخوں میں اکثر آتا ہے عربی میں حدث کے معنی خبر اور بالخصوص بری خبر کے لئے جاتے ہیں۔ امام بلاذری

---

[1] ابن سراپیون ص ۱۳+ بلاذری ص ۱۹۱+ اصطخری ص ۶۲+ یاقوت ج ۲ ص ۹۰۴+ ابو الفداء ص ۲۳۴+ زبطرہ اور حدث کے جائے وقوع پر مسٹر جے جی سی اینڈرسن نے کلاسکل ریویو (اپریل ۱۸۹۶ء) میں بحث کی ہے۔ ان کے مضمون کا عنوان حسب ذیل ہے:-

The Campaign of Basil I Against Paulicians in 872 A. D.

پہاڑیاں تھیں جن پر انگور، بادام، اور اخروٹ کے درخت تھے، کیونکہ مَلَطِیَہ کی زمینوں میں گرم و سرد دونوں قسم کے ملکوں کی فصلیں پیدا ہوتی تھیں۔ ایک بار سے زیادہ کبھی اس شہر پر بازنطینیوں کا قبضہ ہو گیا اور کبھی مسلمانوں نے بازنطینیوں سے اسے چھین لیا، لیکن ساتویں (تیرھویں) صدی میں یاقوت نے اسے یونانی حکومت ہی میں شمار کیا ہے۔ اس کے بعد کی صدی میں مستوفی مَلَطِیَہ کی بنسبت لکھتا ہے کہ وہ بڑا شہر ہے اور اس میں ایک مضبوط قلعہ ہے۔ اس کی چراگاہ مشہور تھے، اور گرد و نواح کے علاقے میں غلہ، روئی اور کثرت سے میوے پیدا ہوتے تھے۔ مَلَطِیَہ کے قریب ایک پہاڑی کی چوٹی پر ایک خانقاہ دیر برصوما تھی۔ قزوینی لکھتا ہے کہ عیسائی اس کا بہت احترام کرتے تھے اور بہت سے راہب اس میں آباد تھے۔

طَرَنْدَہ، موجودہ دَرَنْدَہ (حاجی خلیفہ نے جہان نما میں یہ نام اسی طرح لکھا ہے) کا مشہور قلعہ مَلَطِیَہ سے تین منزل شمال میں دریائے قَبَاقِب کے بالائی رہگذر پر واقع تھا۔ صدر اسلام یعنی ۸۳ھ (۷۰۲ء) میں ہی اس قلعہ میں درہ کی حفاظت کے لئے اسلامی فوج متعین کر دی گئی تھی، لیکن ۱۰۰ھ (۷۱۹ء) میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے حکم سے اس قلعہ کو ترک کر دیا گیا تھا۔ بازنطینی تاریخوں میں ٹارانٹا (Tranta) کے نام سے اس قلعہ کا اکثر تذکرہ آتا ہے، تیسری (نویں) صدی میں یہ مسیحی فرقہ بیلقان کے نہایت مستحکم قلعوں میں شمار ہوتا تھا[۱]۔

دریائے قُبَاقِب کا ایک معاون نہر قَرَاقِیس تھا، جو جنوب سے آکر اس میں گرتا تھا، اور نہر قراقیس کے بالائی رہگذر پر زِبَطرہ کا عالی شان قلعہ تھا جسے بازنطینی سوزوپٹرا (Sozopetra) یا زاپٹرا (Zapetra) کہتے تھے۔ اس کے شکستہ

---

[۱] ابن سراپیون ص ۱۱، ۱۲، ۱۳ + بلاذری ص ۱۸۵، ۱۸۶ + اصطخری ص ۶۲ + ابن حوقل ص ۱۲۰ + یاقوت ج ۴ ص ۲۶، ۳۳۴، ۶۳۳ + مستوفی ص ۱۶۳ + قزوینی ج ۲ ص ۳۵۶ + جہاں نما ص ۶۲۴ + مَلَطِیَہ کا موجودہ شہر زمانہ وسطیٰ کے قلعہ طَرَنْدَہ سے جنوب کی طرف تین فرسخ کے فاصلے پر واقع ہے۔ پرانے شہر مَلَطِیَہ کے شکستہ آثار اس پل سے جو قرق گوز کہلاتا ہے ایک فرسخ کی مسافت پر اسکی شہر کے مقام پر ہیں۔ یہ پل وہی ہے جو دریائے تُخْمَہ صُو پر واقع ہے اور یہاں سے وہ مقام قریب ہے جہاں تُخْمَہ صُو دریائے فرات میں گرتا ہے۔

نہیں لگتا؛ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اس قلعہ سے مرعش (جرمانیقہ Germanica) سے اَلْبُسْتَان اَرَبِیسوس (Arabissus) جانے والے درے کی حفاظت کی جاتی ہے اور یہ کہ وہ آج کل کے آق صُو (دریا) کے کنارے پر ابلستین کے قریب واقع ہے۔ آق صو حقیقت میں دریائے جیحان کی بالائی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے[۱]۔

حِصْن منصور اور بَهَسْنَا کے قلعے (جو اب تک موجود ہیں) ان میں سے ہر ایک اپنے ہی نام کے دریا کے کنارے واقع ہے۔ اور یہ دونوں دریائے فرات کے داہنے کنارے والے معاون دریاؤں میں سے ہیں؛ اور سُمَیْسَاط کے جنوب میں پہلے دریائے حصن منصور اور اس کے آگے دریائے بَهَسْنَا فُرات میں گرتا ہے۔ حصن منصور کو آج کل عام طور سے اَدِیَمَان کہتے ہیں لیکن اس کا بازنطینی نام پیرہے (Perrhe) ہے۔ حصن منصور کا نام اُس کے بانی منصور قیسی پر رکھا گیا تھا جو آخری اموی خلیفہ مروان بن محمد کے عہد میں اس سرحد کا حاکم تھا اور ۱۱۱ھ (۷۵۰ء) میں شہید ہوا تھا۔ ہارون الرشید نے اپنے باپ مَهْدِی کے عہد خلافت میں حصن منصور کو دوبارہ تعمیر کرایا؛ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ وہ ایک چھوٹا سا شہر تھا جس میں جامع مسجد بھی تھی۔ اس کی اراضی میں آب پاشی اچھی تھی لیکن ابن حوقل کہتا ہے کہ دوسرے سرحدی مقامات کی طرح یہ شہر بھی کبھی بازنطینی اور کبھی اسلامی فوجوں کے ہاتھوں برباد ہوتا اور لٹتا رہتا تھا۔ یاقوت نے اس پر یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ شہر کی فصیل تھی اور اس میں تین دروازے تھے فصیل کے باہر ایک خندق تھی اور شہر پناہ کے بیچوں بیچ ایک قلعہ تھا۔ اس قلعہ کو دوہری فصیل سے مستحکم کیا گیا تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں جب ابو الفداء نے اپنی کتاب لکھی ہے، تو حصن منصور بالکل برباد ہو چکا تھا، لیکن اس کے گرد جو مزروعہ اراضی تھیں ان میں اب تک کاشت ہوتی تھی۔

نَهْرُ الْاَزْرَق (نیلا دریا) حصن منصور کے شمال مغرب سے بہتا ہوا گزرتا تھا۔ حصن منصور ان مرتفع قطعات پر واقع تھا جن کی جنوبی سرحد سے ملا ہوا دریائے فرات بہتا تھا۔

[۱] بلاذری ص ص ۱۸۹-۱۹۱ + ابن سراپیون ص ۱۴ + اصطخری ص ۶۲ + ابن حوقل ص ۱۲۰ + یاقوت ج ۲ ص ۲۱۸ + ج ۴ ص ۸۳۸ + ابو الفداء ص ۲۶۳ +

بیان کرتے ہیں کہ اسلامی فتح کے بعد اس قلعہ کو جانے والی سڑک کا نام درب الحدث (بڑی خبر والی سڑک) سے بدل کر درب السلامہ (سلامتی کی سڑک) کر دیا گیا تھا۔ لیکن جیسا کہ آئندہ باب میں بیان ہوگا عام طور پر درب السلامہ اس سڑک کا نام تھا جو علاقۂ کیلیشیا کے پہاڑی دروں (Cilician Gates) میں سے گذرتی ہوئی قسطنطنیہ گئی تھی۔ حدث میں ایک مسجد تھی خلیفہ مہدی عباسی نے ۱۶۲ھ (۷۷۹ء) میں یہ شہر دوبارہ تعمیر کرایا اور ہارون الرشید نے اپنے عہد میں اُسے پھر درست کر کے (۲۰۰۰) آدمیوں کی فوج وہاں مقیم کی۔ اصطخری نے یہاں کی زرخیز زمینوں کا، اور متعدد بار کبھی مسلمانوں اور کبھی عیسائیوں کے ہاتھ اس شہر کے فتح ہونے کا ذکر کیا ہے۔ یاقوت اور دوسرے مصنفوں کے مطابق الحدث کو الحمراء (سرخ) کہتے تھے کیونکہ یہاں کی زمین کا رنگ سرخ تھا؛ اور یہاں کا قلعہ الاُحَیدَب (تصغیر الحَدَبَہ کبڑا) کہلاتا تھا۔ بہت سی تبدیلیوں اور انقلابات کے بعد آخر کار ۳۴۳ھ (۹۵۴ء) میں سیف الدولہ حمدانی نے اسے یونانیوں سے فتح کر لیا اور اُس کو دوبارہ تعمیر کیا ۵۴۵ھ (۱۱۵۰ء) میں وہ سلجوقی بادشاہ مسعود بن قلج ارسلان کے قبضہ میں آگیا۔

جس دریا کے قریب حَدَث آباد تھا اُسے جُورِیث یا حُورِیث کہتے تھے۔ ابن سراپیون نے غلطی سے اسے دریائے قُباقِبْ (یعنی ملطیہ کے دریا) کا معاون بتایا ہے۔ یاقوت جس نے اسے حُورِیث لکھا ہے، بالکل صحیح طور سے اسے نہر جیحان (Pyramus) کا معاون لکھتا ہے۔ ابن سراپیون بیان کرتا ہے کہ حدث کے دریا کا منبع ایک چشمہ تھا جسے عین زَنیشَا کہتے تھے، اور حَدَث پہنچنے سے پہلے وہ چھوٹی چھوٹی جھیلوں کے ایک سلسلہ میں سے گذرتا تھا۔ آگے چل کر یاقوت بیان کرتا ہے کہ دریائے حُورِیث میں (ابن سراپیون نے اسے ج سے لکھا ہے) دریائے عَرجان گرتا تھا، عَرجَان کا منبع جبل الرَّیش میں تھا حَدَث کے شہر کو عَرجَان کی نہروں سے پانی پہنچتا تھا، اور یہ نہریں پھر عَرجَان میں جا گرتی تھیں۔ اس بیان کے تتمہ کے طور پر ابو الفداء کا بیان سمجھنا چاہیے؛ وہ لکھتا ہے کہ حَدَث اُس مقام سے جو دریائے جیحَان کے اصلی دھارے کے کنارے تھا، اور جہاں اس دریا کو الملّٰی کے گھاٹ سے عبور کرتے تھے بارہ میل کی مسافت پر تھا۔ حَدَث کی اصلی جائے وقوع کا

تجارت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو جزیرہ کے صوبے یعنی میسوپوٹیمیا کے شمالی حصہ میں پیداوار بہت کم تھی۔ مقدسی نے تجارتی اشیا کی ایک فہرست دی ہے لیکن ان میں سے اکثر اشیاء زمین کی پیداوار ہیں۔ صوبہ کے صدر مقام موصلؔ اناج، شہد، لکڑی کا کوئلہ، پنیر، مسکہ، سماق، انار دانہ (حب رمان) منّ، نمک لگا کر سکھایا ہوا گوشت (نمکسود)، طرّیخ (ایک قسم کی مچھلی)، لوہا اور کاریگروں کے اوزار یعنے چاقو، تیر، زنجیریں اور پیالے بطور رسد باہر بھیجے جاتے تھے، سنجار کے علاقہ میں بادام، انار دانہ (حب رمان)، سماق، گنا اور نصیبین میں اخروٹ پیدا ہوتے تھے۔ رقّہ میں زیتون کا تیل اور صابن بنایا جاتا تھا، اور قلموں والے نرسل پیدا ہوتے تھے۔ رحبہ کے امرود (سفرجل)، حرّان کا شہد اور ایک قسم کا مربہ قبیط اور جزیرہ ابن عمر کے جوز، بادام اور مسکہ اور ان کے علاوہ وہ گھوڑے مشہور تھے جو اس کی چراگاہوں میں پرورش پاتے تھے جا بورِ صغیر کے کنارے (جو دجلہ میں اس کے مشرقی کنارے سے ملتا تھا) بکے حسینیہ شہر کے تیتر اور اور قسم کے پرندے مشہور تھے۔ یہاں پنیر اور پھلوں کے مربے خوب بنائے جاتے تھے اور قریب ہی کے شہر معلثایا میں لکڑی کا کوئلہ، انگور اور دوسرے قسم کے تازے پھل، نمک دیا ہوا گوشت (نمکسود)، شاہدانق سن کا بیج (قنّب) اور سن کا اور سامان دستیاب ہوتا تھا، اور دیار بکر کے صدر مقام آمِد کے سوتی اور اونی کپڑے مشہور تھے۔[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۸) (مقدسی ص ۱۳۹، ۱۴۰)۔ جو دریا آج کل بلم صو کہلاتا ہے اور جو کاختہ کے پانی کو اپنے میں شامل کر کے سُمیساط سے ذرا شمال میں فرات میں گرتا ہے بظاہر عرب جغرافیہ نویسوں کا دریائے سَنجہ اور وہ پل جو عجائبات عالم میں شمار ہوتا تھا اب تک موجود ہے۔ اسے قیصر وسپاسیان (Vespassian) نے تعمیر کرایا تھا۔ یہ پل صرف ایک محراب کا ہے جس کا دھن ایک سو بارہ فٹ کا ہے بلم صو اور کاختہ چے کے مقام اتصال پر یہ پل بنا ہوا ہے۔ اس کی نسبت بیان ہوا ہے کہ وہ رومی عہد کی ان عظیم الشان یادگاروں میں ہے جو اب تک موجود ہیں۔ اس پل کی تصویر جیاگرفیکل جرنل (اکتوبر ۱۸۹۶ء ص ۴۱۲) میں چھپی تھی۔ اس کے علاوہ مزید تفصیل اور تصویر کے لئے دیکھو ہمان اور پچسٹین (Puchstieu) کی کتاب Reisen in Kleinasien ریلیف ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴)۔

[1] مقدسی ص ۱۴۵، ۱۴۶۔

بہسنا کا قلعہ جسے صلیبی لڑائیوں کی تاریخ میں بہسدین (Behesdin) لکھا گیا ہے۔ حصن منصور کے مغرب میں ہے۔ جس علاقے میں یہ قلعہ واقع تھا اُسے کیسوم کہتے تھے۔ بہسنا پہاڑی کی چوٹی پر واقع تھا اور شہر جو اس پہاڑ کے نیچے تھا اس میں ایک جامع مسجد تھی اور عمدہ بازار تھے؛ گرد و نواح کی زمینیں بہت زرخیز تھیں۔ یاقوت نے اس قلعہ کو ناممکن التسخیر لکھا ہے۔ اس کے قریب دریائے سنجہ کے کنارے پر جو غالباً وہی دریا ہے جسے یونانی سنگاس (Singas) کہتے تھے ایک چھوٹا سا شہر سنجہ آباد تھا، اور اس شہر کے قریب دریا کو ایک مشہور و معروف پل سے عبور کرتے تھے؛ جو صاف جلا کئے ہوئے پتھروں کا بنا ہوا تھا۔ اس کی محراب مضبوط تھی اور اس پر خوشنما کام بنا ہوا تھا۔ ابن حوقل نے اس پل یعنے قنطرۃ سنجہ کو دنیا کے عجائبات میں شمار کیا ہے۔ یاقوت، جس نے دریائے سنجہ اور دریائے کیسوم دونوں کو فرات کا معاون بتایا ہے، لکھتا ہے کہ قنطرۃ سنجہ صرف ایک محراب کا تھا، جو دریا کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک تھی؛ اس کا دھن (۲۰۰) قدم [خطوۃ] عریض تھا۔ بڑے بڑے جلا کئے ہوئے پتھروں سے، جن میں سے ہر ایک کی لمبائی دس ذرع اور موٹائی پانچ ذرع تھی یہ پل تعمیر کیا گیا تھا، یاقوت نے ان پتھروں کی چوڑائی نہیں بتلائی۔ وہ لکھتا ہے کہ یہ پل ایک طلسم کی مدد سے تیار ہوا تھا[1]۔

---

[1] بلاذری ص ۱۹۲؛ اصطخری ص ۶۲؛ ابن حوقل ص ۱۲۰؛ یاقوت ج ۱ ص ۷۷۰، ج ۲ ص ۲۷۴؛ ج ۳ ص ۱۶۲، ۲۰۶؛ ابو الفدا، ص ۲۶۵، ۲۶۹؛ قنطرہ سنجہ کی نسبت بیان ہوا ہے کہ وہ دنیا کے چار عجائبات میں سے ہے۔ باقی تین عجائبات حسب ذیل ہیں:- (۱) اُڈیسہ (رُھا) کا گرجا جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے (۲) اسکندریہ کا فاروس (Pharos) (یعنی روشنی کا مینار جسے بطلیموس اول نے تیسری صدی ق م میں تعمیر کرایا تھا۔ مترجم) (۳) دمشق کی جامع مسجد (یاقوت ج ۲ ص ۵۹۱)؛ یہ تعجب کی بات ہے کہ مقدسی نے دو موقعوں پر سنجہ کے پل کو الحسنیہ کے پل سے جو شہرت میں کچھ کم نہ تھا، خلط ملط کر دیا ہے۔ درآں حالیکہ سنجہ کی نسبت تمام بیانات سے ظاہر ہے کہ وہ فرات کے دائیں کنارے والے معاون دریاؤں میں سے تھا اور سُمیساط کے قریب فرات میں گرتا تھا۔ اور الحسنیہ والا پل دریائے خابور صغیر پر تھا جو دجلہ کا معاون دریا ہے۔

بدستور فرات کے اسی جانب آگے بڑھ کر رَقّہ پہنچتی تھی؛ دوسری یعنی بائیں ہاتھ والی شاخ بھی سیدھی ریگستان کو عبور کرنے کے بعد رُصافہ سے گزرتی ہوئی رَقّہ آتی تھی، اور اس طرح وہ دریائے فُرات کے پیچوں اور خموں سے بچ گئی تھی۔ رُصافہ ایک بڑا مقام تھا، کیونکہ یہاں سے دو سڑکیں مغرب کی سمت میں بادیہ شام سے گذرتی ہوئی ایک دِمشق[۱] اور دوسرے حمص کو آتی تھی۔ یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ قرقیسیا اور رَقّہ میں بڑی سڑکوں کی ایک ایک شاخ آتی ہوئی تھی۔ ان میں ایک موصل سے سنجار کے راستے قرقیسیا آتی تھی اور دوسری نصیبین سے راس العین اور بجروان کے راستہ رَقّہ پہنچتی تھی، اور رقہ سے بجُروان کی راہ ایک سڑک حَرّان اور الرُّہا (اڈیسہ) ہوتی ہوئی آمِد کو آتی تھی۔

ایک سیدھی سڑک دریائے فُرات کے بڑے گھاؤ سے بچتی ہوئی رَقّہ سے براہ سَرُوج سُمَیساط جاتی تھی۔ اسی مقام سے حصن منصور مَلَطیّہ کمخ[۲] اور دوسرے قلعوں کے فاصلے اندازے سے بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ یہ تمام فاصلے اتنی صحت کے ساتھ بیان نہیں ہوئے ہیں کہ حدث اور زِبَطرَہ کے ٹھیک موقعوں کے تعین میں بکار آمد ہوں، جن کے متعلق ابھی تک کچھ بحث باقی ہے، گو مقدسی نے ان دونوں سرحدی قلعوں کی نسبت بعض مفید اشارات دیئے ہیں۔[۳]

[۱] ابن خرداذبہ ص ۹۶، ۹۸ + قدامہ ص ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷ + مقدسی ص ۱۴۹، ۱۵۰

شمالی میسوپوٹیمیا کی بڑی سڑکیں عراق کی بڑی سڑکوں کے سلسلے ہی کا ایک جزو ہیں۔ بغداد سے موصل جانے والی برید کی سڑک دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے کے ساتھ ساتھ چل کر تکریت کے مقام پر سوبہ جزیرہ میں داخل ہوتی تھی۔ آگے چل کر دریا کے بائیں کنارے کے متوازی جبلتا تک جاتی ہے؛ اور پھر سن اور حدیثہ سے ہوتی ہوئی موصل پہنچتی تھی۔ اس بڑی سڑک کا تذکرہ شروع زمانہ کے عربی جغرافیہ نویسوں نے کیا ہے اور مستوفی نے بھی اس کا حال لکھا ہے۔[۱]

موصل سے برید کی سڑک دجلہ کے بائیں کنارے سے داہنے یعنی مغربی کنارے کی طرف جاتی تھی اور بَلَد تک آنے کے بعد اس کی دو شاخیں ہو جاتی تھیں؛ بائیں ہاتھ کی شاخ سِنجار ہوتی ہوئی دریائے فرات کے کنارے کے شہر قرقیسیا کو جاتی تھی؛ اور داہنے ہاتھ والی شاخ نصیبین میں سے گذرتی ہوئی کفرتوثا پہنچتی تھی اور یہاں اس کی دو شاخیں ہو جاتی تھیں؛ داہنے ہاتھ والی سڑک آمد کو اور بائیں ہاتھ والی راس العین سے ہوتی ہوئی دریائے فرات کے کنارے کے شہر رقہ آتی تھی۔ موصل سے آمد والی بڑی سڑک کا تذکرہ ابن خرداذبہ اور قدامہ نے کیا ہے؛ اور مقدسی نے بھی منزل بمنزل اس کا حال لکھا ہے۔ ان ہی تینوں جغرافیہ نویسوں نے ان سڑکوں کا ذکر کیا ہے جو اس بڑی سڑک کو کاٹتی ہوئی فرات تک پہنچتی تھیں۔ موصل سے حسنیہ ہوتی ہوئی جو سڑک جزیرہ ابن عمر کو گئی تھی اس کی منزلوں کا حال مقدسی نے لکھا ہے اور اس سڑک کا تذکرہ بھی کیا ہے جو آمد سے براہ ارزن جھیل وان کے قریب بدلیس کے مقام کو جاتی تھی۔[۲]

دریائے فرات کے چڑھاؤ کے رخ جانے والی برید کی سڑک اس کے بائیں یا مغربی کنارے کے متوازی گئی تھی؛ اور آلوسہ سے عانہ ہوتی ہوئی فرات کے مشہور دریائی لنگرگاہ الفرضہ کو جاتی تھی یہاں اس کی دو شاخیں ہو جاتی تھیں؛ ایک شاخ دریائے فرات کے متوازی قرقیسیا کے بالمقابل شہر فاش کو جاتی تھی، اور

---

[۱] ابن خرداذبہ ص ۹۳ + قدامہ ص ۲۱۴ + مقدسی ص ۱۳۵، ۱۴۸، ۱۴۹ + مستوفی ص ۱۹۵ +

[۲] ابن خرداذبہ ص ۹۵، ۹۶ + قدامہ ص ۲۱۴، ۲۱۵ + مقدسی ص ۱۴۹، ۱۵۰ +

باب نہم

رُوم یا ایشیائے کوچک

بلاد الروم یا یونانی سلطنت۔ ملطیہ سے طرسوس تک قلعوں کا سلسلہ۔ کوہ ثاؤرس کے پار جانے کے لئے دو درّے۔ قسطنطنیہ کی شاہراہ براہِ کلیشین گیٹس طرندہ۔ قسطنطنیہ کے تین محاصرے۔ ایشیائے کوچک پر مسلمانوں کی فوج کشیاں۔ خلیفہ معتصم باللہ عباسی نے عموریہ کو تاراج کیا۔ سلجوقیوں کے ایشیائے کوچک پر حملے۔ ازمنۂ قرونِ وسطیٰ کی سلطنت قطعی تباہ ہو گئی۔ سلجوقیوں کی رومی سلطنت کے بڑے بڑے شہر۔

مسلمانوں میں بازنطینی سلطنت کے صوبہ جات مجموعی طور پر بلاد الرّوم (یونانیوں کی سرزمین) کہلائے جاتے تھے۔ روم سے مراد "روما اوائی" (Romaioi) یعنی رومن لوگ تھے۔ رومن کا لفظ شروع زمانہ اسلام میں عیسائی کا مترادف تھا خواہ وہ عیسائی یونانی ہو یا لاطینی۔ بحر متوسط کو بھی بالعموم بحیرۂ روم (یعنی رومیوں کا سمندر) کہتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ زمانہ میں بلاد الرّوم صرف روم کی شکل میں مختصر ہو کر ان ملکوں کا خصوصیت کے ساتھ نام ہو گیا جو مسلمانوں کی سرحد سے قریب ترین تھے۔ اس طریقے سے ایشیائے کوچک کے صوبے کا عربی نام "رُوم" ہو گیا اور آخر کار پانچویں (گیارھویں) صدی میں جب اس وسیع صوبے کو سلجوقیوں نے فتح کر لیا تو اسلامی حکومت کے زیرنگیں ہو گیا۔

افسوس ہے کہ عہد وسطیٰ کی مستند تصانیف موجود نہ ہونے کی وجہ سے ہم ایشیائے کوچک کے مفصل تاریخی حالات اور وہاں کی تاریخی جغرافیہ کی پوری کیفیت کے متعلق جو اس زمانہ میں اس ملک کی تھی خواہ اس وقت وہاں عیسائیوں کی حکومت ہو خواہ مسلمانوں کی بہت کم واقفیت رکھتے ہیں[1]۔ شروع کے عرب جغرافیہ نویسوں کے لئے یہ ایک قدرتی

[1] پروفیسر ڈبلیو ایم ریمزے کی کتاب The Historical Geography of Asia Minor میں

امر تھا کہ وہ اس ملک کے حالات سے، جو ان کے زمانہ میں رومانی سلطنت کا ایک صوبہ تھا بہت کم واقفیت رکھتے ہوں۔ اور جب سلجوقی اس پر مستولی ہو گئے تب بھی ہمارے مسلمان مصنف اس دور افتادہ صوبے کو تقریباً نظر انداز ہی کرتے رہے۔ بنا بریں، دوسرے صوبوں کے تفصیلی اور مسلسل حالات کی طرح اس صوبے کے حالات ہم تک نہیں پہنچے۔ سب سے پہلے مصنف جنہوں نے اسلامی ایشیائے کوچک کے مکمل حالات لکھے ہیں وہ حاجی خلیفہ ہیں، لیکن یہ حالات گیارھویں (سترھویں) صدی میں شروع ہوتے ہیں جب کہ یہ صوبہ تقریباً دو صدی تک سلطنت عثمانی کے زیر فرمان چلا آتا تھا۔[1]

خلفاء بنی امیہ کے زمانہ میں اور اسی طرح خلفاء عباسیہ کے دور میں، اس وقت سے کچھ اوپر ڈیڑھ صدی پہلے تک کہ عباسیوں کا خاندان مغلوں کی یورش کی وجہ سے بالکل تباہ ہو جائے مسلمانوں اور بازنطینیوں میں کوہ ٹارس اور اینٹی ٹارس سلسلے حد فاصل بنے رہے۔ یہاں قلعوں کا ایک طولانی سلسلہ جنہیں عرب الثغور کہتے تھے دریائے فرات بالا کے کنارے کے شہر مَلَطِیَہ سے لے کر ساحل بحیرۂ روم کے قریب کے شہر طرسوس تک سرحد کی نشان دہی اور حفاظت کرتا تھا۔ یہ قلعے بار بار جیسا کہ لڑائی کا انجام ہوتا کبھی مسلمانوں اور کبھی بازنطینیوں کے قبضے میں آئے اور کبھی قبضے سے نکل گئے۔ قلعوں کے اس سلسلہ کو عام طور پر دو مجموعوں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ ایک مجموعے کے قلعے وہ تھے جو شمال میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۲) اس مضمون کے متعلق جو کچھ اس وقت تک معلوم ہوا ہے اس کا خلاصہ بہت خوبی سے درج ہوا ہے۔ ہر شخص کے لئے جو اس مشکل اور پیچیدہ مضمون کو اچھی طرح سمجھنا چاہتا ہو اس تصنیف کا پڑھنا ضروریات سے ہے۔ باب ہذا میں جس قدر مواد اس تصنیف سے لی گئی ہے اُس کا پورا اندازہ ان حوالوں سے نہیں ہو سکتا جو حواشی میں درج کئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ پروفیسر ریمسے کے دو مختصر مضامین کا حوالہ دینا بھی ضروری ہے، جو 'Geographical Journal' (ستمبر ۱۹۰۲ء ص ۲۵۷؛ اکتوبر ۱۹۰۳ء ص ۳۵۰) میں شائع ہوئے ہیں۔

[1] بحیرۂ روم کے مشرقی حصہ میں جزائر قبرس (Cyprus) اور روڈس (Rhodes) سے عرب بخوبی واقف تھے۔ کیونکہ ان میں سے قبرس پر مسلمانوں نے شروع ہی میں یعنی سنہ ۲۸ھ (۶۴۹ء) میں بسرکردگی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فوج کشی کی تھی؛ لیکن وہاں کے جغرافی حالات کچھ بیان نہیں کئے گئے۔ بلاذری ص ۱۵۲، ۲۳۶؛ یاقوت ج ۲ ص ۲۳۸، ج ۴ ص ۲۹۔

یعنی پانچویں (گیارھویں) صدی کے آخری حصہ میں صلیبی مجاہدوں نے اس پر قبضہ کرکے اسے بالکل مسمار کر دیا۔ اس کے بعد وہ ارمینیہ خرد کی سلطنت کا حصہ شمار ہونے لگا۔ ابوالفدا نے لکھا ہے کہ یہ شہر ایک پہاڑی کے نیچے تھا جس کی چوٹی پر ایک مضبوط قلعہ تھا اور عین کے جنوب میں ایک دن کی مسافت پر واقع تھا۔ ابو الفدا لکھتا ہے کہ مَرعَش کے جنوب میں دریائے جیحان بہتا تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے جنوب میں عین زربہ کا نام بگڑ کر نا وَرْزا ہو گیا۔

الحارُونیہ اور الکنیسہ کا صحیح موقع کہ کہاں آباد تھے معلوم نہیں، لیکن یہ دونوں مَرعَش اور عین زَربہ کے درمیان کہیں کوہستانی علاقے میں واقع تھے۔ الحارُونیہ مَرعَش سے ایک منزل مغرب میں واقع تھا اور وہ مَرعَش ہی سے متعلق ایک قلعہ سمجھا جاتا تھا۔ اسے ۱۸۳ھ (۷۹۹ء) میں خلیفہ ہارون الرشید نے بنوایا تھا، اور اسی وجہ سے اس کا نام ھارُونیہ ہوا۔ یہ قلعہ کوہستان لکامُ کے مغرب کی جانب ایک وادی میں واقع تھا۔ لکامُ کے پہاڑوں سے مسلمان جغرافیہ نویس انٹی ٹارس کے سلسلے سے کم و بیش مراد لیتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابن حوقل ھارُونیہ گیا تھا کیونکہ وہ لکھتا ہے کہ بستی بہت آباد تھی، اور قلعہ مضبوط بنا ہوا تھا۔ لیکن بازنطینیوں نے اُسے مسمار کر دیا۔ یہ واقعہ ۳۴۸ھ (۹۵۹ء) کا ہے۔ یاقوت لکھتا ہے کہ اس معرکے میں عیسائیوں نے ایک ہزار پانچ سو مسلمان مرد و عورت اور بچے گرفتار کر لئے۔ اس کے بعد سیف الدولہ حمدانی نے اسے دوبارہ درست کرایا، لیکن عیسائیوں نے پھر اس پر قبضہ کر لیا، اور وہ ارمینیہ خرد کی سلطنت کا حصہ بن گیا۔ کنیسہ کا پورا نام کنیسۃ السوداء (کالا گرجا) تھا۔ امام بلاذری اس کی نسبت لکھتے ہیں کہ یہ ایک بہت بڑا قلعہ تھا، جو سیاہ پتھروں سے تعمیر ہوا تھا، اور یونانیوں کا بنایا ہوا تھا۔ خلیفہ ہارون الرشید نے اسے دوبارہ بڑے استحکام کے ساتھ بنوا کر اس میں بہت سی فوج مقیم کر دی تھی۔ یہاں ایک جامع مسجد تھی جو غالباً دریائے جیحان کے جنوب میں تھی، کیونکہ اصطخری نے لکھا ہے کہ "وہ ساحل سے کچھ فاصلے پر واقع ہے"۔ ابو الفدا کا بیان ہے کہ کنیسہ ھارُونیہ سے صرف بارہ میل تھا اور اس کے زمانہ میں ھارُونیہ کی طرح کنیسہ بھی ارمینیہ خرد کا ایک حصہ سمجھا جاتا تھا۔

اسی نواح میں ایک اور قلعہ وہ تھا، جسے عرب اَلمُثَقَّبْ (چھدا ہوا) کہتے تھے۔

(۳۰

میسوپوٹیمیا کی حفاظت کرتے تھے؛ ان قلعوں کو ثغور الجزیرہ کہتے تھے۔ دوسرے مجموعے کے قلعے یعنی ثغور الشام، جنوب مغرب میں شام کی حفاظت کرتے تھے۔ ثغور الجزیرہ میں زبطرہ، حصن منصور، بہسنا اور الحدث کے قلعوں کے علاوہ، جن کا ذکر گذشتہ باب میں ہو چکا ہے، مرعش، ہارونیہ، الکنیسہ اور عین زربہ کے قلعے شامل تھے۔ دوسرے مجموعے یعنی ثغور الشام کے قلعے، خلیج اسکندریہ (Alexanderetta) کے شمالی ساحل کے قریب واقع تھے، اور شام کی حفاظت کرتے تھے؛ یہ المصیصہ، اذنہ اور طرسوس تھے۔

مرعش کو جسے بازنطینی مراسیون (Marasion) کہتے تھے، اور جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ جرمانکیا (Germanicia) کے موقع پر تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ نے پہلی مرتبہ ساتویں (تیرھویں) صدی میں از سر نو تعمیر کرایا تھا۔ بعد میں اموی خلفاء نے اسے خوب مستحکم و مستحصن کر دیا، اور یہاں مسلمان کثرت سے آباد ہو گئے۔ ان کی سہولت کے لئے وہاں ایک جامع مسجد تعمیر کرا دی گئی۔ خلیفہ ہارون الرشید نے اسے پھر درست کرایا، اور اس کے گرد دوہری فصیل اور خندق بنوائی۔ شہر کے اندر جو محل تھا، اسے یاقوت کے بیان کے مطابق بنی امیہ کے آخری خلیفہ مروان بن محمد کے نام پر مروانی کہتے تھے۔ ۴۹۰ھ (۱۰۹۷ء) میں مرعش کو صلیبی مجاہدوں نے بسر کردگی گاڈفری بولون فتح کیا، اس کے بعد وہ ارمینیہ خرد کے بڑے شہروں میں شمار ہوتا رہا، جن کا ذکر آگے آئے گا، اور ارمینیہ خرد کی سلطنت کے خاتمے تک زیادہ تر عیسائیوں ہی کے قبضے میں رہا۔ عین زربہ کا قلعہ جسے صلیبی مجاہدین انازاربوس (Anazarbus) کہتے تھے اب تک موجود ہے۔ ہارون الرشید نے ۱۸۰ھ (۷۹۶ء) میں اس کو دوبارہ تعمیر کرا کے زیادہ مضبوط کر دیا۔ اصطخری کا بیان ہے کہ یہ قلعہ ایسے میدان میں واقع تھا جس میں کھجوروں کے درخت پیدا ہوتے تھے، اور گرد و نواح کی اراضی خوب زرخیز تھیں۔ شہر کی فصیل مضبوط بنی ہوئی تھی، اور چوتھی (دسویں) صدی میں وہ بہت خوش حال شہر تھا۔ کہتے ہیں کہ اسی صدی کے وسط کے قریب سیف الدولہ حمدانی نے اس کی فصیلوں اور برجوں پر تین لاکھ درہم (یعنے تقریباً ۸۰۰۰۰ روپیہ) خرچ کئے تھے۔ لیکن اسے ایک بار سے زیادہ یونانیوں نے مسلمانوں سے فتح کر لیا۔ پھر آئندہ صدی

جیحان کے مشرق میں آخری اموی خلیفہ مروان بن محمد نے تعمیر کرائی اور خصوص
اس کا نام رکھا۔ اس کے گرد اس نے ایک فصیل اور خندق بنوائی اور فصیل کے دروازے
لکڑی کے کواڑوں سے بند ہوتے تھے۔ عباسی عہد میں خلیفہ منصور نے ایک قدیم بت خانہ
کو جامع مسجد میں تبدیل کرایا اور مسجد کو حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ والی مسجد
سے تگنا بنوایا۔ ہارون الرشید نے کفر بیّا کو دوبارہ تعمیر کرایا اور مامون نے اس
کی مسجد کو زیادہ وسیع کر دیا۔ کفر بیّا اور مصیصہ کی دونوں بستیوں میں آمد و رفت
کے لئے دریائے جیحان پر ایک پختہ پل تھا اور مصیصہ کا شہر عام طور سے المعمورۃ
(آباد یا مضبوط بنا ہوا) کہلاتا تھا۔ یہ نام خلیفہ منصور عباسی نے اسے اس وقت دیا تھا
جب کہ ۱۳۹ھ (۷۵۶ء) کے زلزلے کے بعد اس نے اس شہر کو دوبارہ تعمیر کرایا۔ بعد میں
قرب و جوار کے اور شہروں کی طرح مصیصہ بھی ارمینیہ کی سلطنت کا جزو بن گیا تھا۔

مصیصہ سے قریب کا شہر اذنہ نہر سیحان (The Sarus) کے
کنارے واقع تھا اور مصیصہ سے آنے والے راستے پر وہ پل پڑتا تھا جسے قیصر
جس ٹی نیان (Justinian) نے تعمیر کرایا تھا۔ ۱۲۵ھ (۷۴۳ء) میں اس پل کی مرمت
کرائی گئی اور خلیفہ ولید بن عبد الملک کے نام پر اس کا نام جسر الولید ہوا۔
۲۲۵ھ (۸۴۰ء) میں خلیفہ معتصم عباسی نے اس پل کی پھر مرمت کرائی۔ آذنہ کو
منصور عباسی نے ۱۴۱ھ (۷۵۸ء) میں ایک حد تک دوبارہ تعمیر کرایا تھا۔ اصطخری نے
اسے بہت خوشگوار شہر بتایا ہے جو دریائے سیحان کے مغرب میں واقع تھا۔ بہت
آباد اور مستحکم شہر تھا۔ اس شہر کا قلعہ دریا کے کنارے تھا اور یاقوت لکھتا ہے کہ قلعہ
کو شہر سے ملانے کے لئے دریا پر ایک پل بنایا گیا تھا جو صرف ایک محراب کا تھا۔ اور خود
آذنہ کی حفاظت کے لئے ایک شہر پناہ تھی جس میں آٹھ دروازے تھے اور اس کے
باہر ایک گہری خندق تھی۔

دریائے سارُوس (Sarus) اور دریائے پیراموس (Pyramus)
کو مسلمان بالترتیب سیحان اور جیحان کہتے تھے۔ ابتدائی عہد میں یہ دونوں دریا
اسلامی ملکوں کی سرحد پر یونانی سلطنت کی سمت میں تھے اور اسی اعتبار سے وسط ایشیا
کے دو مشہور دریاؤں اوکسس (Oxus) اور جکزارٹیس (Jaxartes) کو (جیحون

یاقوت نے اس نام کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ یہ قلعہ ایسے پہاڑوں کے درمیان واقع ہے جو بڑے بڑے روزنوں اور شگافوں سے چھدے ہوئے نظر آتے تھے [لانہ فی جبال کلہا مثقبۃ یاقوت مطبوعہ مصر ج ۷ ص ۳۸۳] معلوم ہوتا ہے کہ اس قلعے کی اصلی جاء وقوع کا صحیح علم کسی کو نہیں لیکن وہ قلعہ کنیسۃ سے بہت دور نہ تھا بلکہ لکام کے پہاڑوں کی تلیٹی میں ساحل بحر کے قریب مَصِّیصَہ کے قرب وجوار میں واقع تھا۔ یہ قلعہ خلیفہ ہشام بن عبد الملک اور بقول بعض حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے تعمیر کرایا تھا اور ابن حوقل نے لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ جو خلفاء بنی امیہ میں سب سے زیادہ متقی اور صالح خلیفہ ہوئے ہیں، خاص اُن کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک قرآن شریف یہاں رکھا ہے۔ اس کے علاوہ امام بلاذری نے بیان کیا ہے کہ جب مہندس حصن مُثَقَّب کی خندق پہلی بار کھودنے لگے تو انھیں آدمی کی ایک ٹانگ ملی جو اس قدر لمبی چوڑی تھی کہ لوگ اُسے فال بد سمجھنے لگے اور اُسے ایک عجیب چیز جان کر خلیفہ ہشام کے پاس بھیج دیا[1]۔

مَصِّیصَہ (موپسوایسٹیا: Mopsuetia) اَذَنہ (Adana) اور طرسوس (Tarsus) کے شہر جو یونانیوں نے آباد کئے تھے۔ اب تک موجود ہیں۔ مَصِّیصَہ نہر جیحان (Pyramus) کے کنارے واقع ہے۔ اِسے خلیفہ عبد الملک کے بیٹے عبد اللہ نے پہلی (ساتویں) صدی میں فتح کیا تھا۔ خلیفہ نے اس کی دیواروں اور موریچوں کو درست کرا کے وہاں فوج مقیم کر دی، پہاڑی کی چوٹی پر ایک مسجد تعمیر کی گئی اور قلعہ کے اندر جو گرجا تھا وہ غلہ رکھنے کے کام میں لایا گیا۔ بہت جلد شہر سے باہر ایک آبادی یا دوسرا شہر دریائے جَیحَان کے دوسرے کنارے پر بس گیا۔ یہ آبادی کَفَرْ بَیّا کہلاتی تھی اور خلیفہ عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے یہاں ایک دوسری جامع مسجد تعمیر کرائی اور ایک بڑا حوض تیار کرایا۔ ایک تیسری بستی دریائے

---

[1] اصطخری ص ۵۵، ۶۳ + ابن حوقل ص ۱۰۸، ۱۲۱ + بلاذری ص ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۸۸ + مسعودی (مروج) ج ۱ ص ۲۶ + ج ۸ ص ۲۹۵ + یاقوت ج ۱ ص ۷، ۲۹ + ج ۳ ص ۶۷۱ + ج ۴ ص ۱۴۳، ۸۴۸، ۹۴۵ + ابو الفداء ص ۲۳۵، ۲۵۱ +

شہر اور یونانی سلطنت کے درمیان ایک بلند سلسلہ پہاڑوں کا ہے جسے جبل لگام کی شاخ سمجھنا چاہیئے، اور یہ سلسلہ دنیائے اسلام اور دنیائے نصاریٰ کے درمیان حد فاصل ہے۔ اُس نے یہ بھی لکھا ہے کہ ۳۳۵ھ (۹۴۶ء) میں جو بڑی فوج اُس نے طرسوس میں دیکھی تھی وہ زیادہ تر ایسے رضا کاروں [متطوعہ] پر مشتمل تھی جو بازنطینیوں سے لڑنے کے لئے تمام اسلامی ممالک سے یہاں آکر جمع ہو گئے تھے۔ اُس نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ "ایران، میسوپوٹیمیا، عرب، شام، مصر اور مراکش کی تمام حدود کے اندر کوئی بڑا شہر ایسا نہیں کہ جس کے باشندوں کے لئے ایک مخصوص کاروان سرائے (دار) طرسوس میں موجود نہ ہو جہاں ہر شہر کے مسلمان غازی الگ الگ رہ سکیں۔ اور یہ رضا کار [متطوعہ] جب ایک مرتبہ طرسوس پہنچ جاتے ہیں تو وہاں کی مقیم فوج میں داخل ہو کر وہ وہیں بس جاتے ہیں۔ یہ لوگ نماز روزے اور وظائف کے نہایت درجہ پابند ہوتے ہیں۔ ہر طرف سے ان کی مدد کے لئے چندے چلے آتے ہیں، اور اس کے علاوہ ان کو معتد بہ رقوم زکوٰۃ اور چندے کی ملتی ہیں۔ مشکل سے ہی کوئی سلطان ایسا ہوگا جو کمک کے لئے تھوڑی بہت فوج وہاں نہ بھیج دیتا ہو۔"

شروع زمانہ کے خلفاء عباسیہ کے دور میں، یعنی مہدی اور ہارون الرشید کے عہد میں طرسوس کی فصیلوں اور برجوں کو دوبارہ نہایت استحکام سے تعمیر کرا کے اس میں فوج رکھی گئی۔ پہلے اس فوج کی تعداد (۸۰۰۰) سواروں کی تھی۔ شہر کے مشہور دروازے باب الجہاد (جہاد کے دروازہ) سے فوجی مہمیں ہر سال عیسائیوں سے لڑنے کے لئے روانہ کی جاتی تھیں۔ خلیفہ مامون جس نے یہاں سے قریب ہی بذندون (Podandos) کے مقام پر وفات پائی تھی طرسوس ہی کی عظیم الشان جامع مسجد کے بائیں حصہ میں دفن کیا گیا تھا۔ شہر کے بیچ میں نہر بردان (River Cydnus) گذرتی تھی، فصیل شہر میں چھ دروازے اور باہر ایک خندق تھی، یاقوت نے ان تمام حالات پر یہ اضافہ کیا ہے کہ طرسوس ۳۵۴ھ (۹۶۵ء) تک اسلامی سلطنت کا سرحدی قلعہ رہا، لیکن اس سال قیصر نقفور (نے سی فورس فوکس) نے سرحد کے متعدد قلعے فتح کرنے کے بعد طرسوس کا محاصرہ کیا، مسلمانوں نے شہر عیسائیوں کے حوالے کر دیا، جو مسلمان شہر کو چھوڑ کر جا سکتے تھے وہ چلے گئے، باقی کو جزیہ دینا پڑا۔ تمام مساجد

عرب جغرافیہ نویس جیحون و سیحون کہتے تھے (جس کی توجیہ ہم آئندہ کریں گے) مثال قرار دے کر یا ان ناموں کی نقل اُتار کر دریائے پیرامُوس اور سارُوس کا نام جَیحَان و سَیحَان رکھ دیا۔ ان دونوں دریاؤں کے منبعے ان کوہستانوں میں تھے، جو ارمینیہ خورد کے شمال میں تھے؛ اور دریائے جَیحَان (جس کا ابو الفداء نے فرات سے مقابلہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ اُس کے زمانہ میں اس نام کا تلفظ جَیہان کیا جاتا تھا) مَصِّیصَہ سے گذرتا ہوا بحیرۂ روم والی خلیج اَیاس میں اُس مقام پر گرتا تھا جو اَلملَّون (Mallus بعد کو Malo) کی بندرگاہ سے شمال میں تھا۔ دریائے سَیحَان چھوٹا تھا۔ اور اُس کے کنارے صرف اَذَنَہ ایک بڑا شہر تھا۔ لیکن دریائے کی شہرت اُس پل کی وجہ سے تھی جس کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے۔ مسعودی لکھتا ہے کہ سیحان و جَیحَان دونوں جنت کے دریاؤں میں مانے جاتے تھے[1]۔

بہرکیف سرحدی علاقوں میں قلعہ طرسُوس سب سے زیادہ زبردست قلعہ تھا۔ شروع زمانے میں یہاں سوار اور پیدل کی ایک بڑی فوج رہا کرتی تھی؛ کیونکہ یہ قلعہ مشہور معروف سلیشن گیٹس (Cilician Gates) یعنے کوہستان ٹارس کے دروں میں سے جنوبی درے پر حاوی تھا۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ طرسُوس کے گرد دوہری سنگ بستہ فصیل تھی اور وہاں (۱۰۰۰۰) سواروں کی فوج رہتی تھی۔ وہ لکھتا ہے کہ اُس

[1] بلاذری ص ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۸ + اصطخری ص ۶۳، ۶۴ + ابن حوقل ص ۱۲۲ + مسعودی (مروج) ج ۲۔ ص ۳۵۶ + ج ۸۔ ص ۲۹۵ + یاقوت ج ۱۔ ص ۱۷۹ + ج ۲۔ ص ۲ + ج ۴۔ ص ۵۵۸، ۵۷۹ + ابو الفداء ص ۵۰ + ان دونوں دریاؤں کے نام بعض اوقات؛ لیکن غلطی سے وسط ایشیا کے دریاؤں کے ناموں پر جیحون و سیحون لکھے جاتے ہیں۔ قدیم دریائے سارُوس کے دہانے کے متعلق یہ بات قابل لحاظ ہے کہ ابن سراپیون (قلمی نسخہ فولیو ۴۸ھ) لکھتا ہے کہ اُس زمانہ یعنے چوتھی (دسویں) صدی کے شروع میں دریائے سَیحَان (سارُوس) مَصِّیصَہ سے پانچ فرسخ شمال میں دریائے جَیحَان (پیرامُوس) سے ملتا تھا، اور سمندر میں گرتے وقت سَیحَان و جَیحَان کا ایک ہی دہانہ تھا۔ لیکن موجودہ زمانہ میں سَیحَان کا دہانہ بالکل علیحدہ جَیحَان کے دہانہ سے مغرب کی طرف بَرسِنہ کے قریب ہے۔ سَیحَان کے قدیم رہگذر کا پتہ اب بھی لگایا جا سکتا ہے دیکھو Geographical Journal بابتہ ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۰۳ء ص ۴۱۲

تھی سلیشن گیٹس (Cilician Gates) والا درہ تھا، جو طرسوس سے شمال کو جاتا تھا اور اسی درے میں سے قسطنطنیہ جانے والی سڑک گزرتی تھی؛ ڈاک بھی اسی پر چلتی تھی؛ اور سفارتیں جو ہر سال خلیفہ اور قیصر کے پاس آتی جاتی تھیں وہ اسی راہ سے گزرتی تھیں؛ لوٹ مار کی بیشمار یورشوں کے لئے خواہ وہ مسلمانوں کی طرف سے ہوں خواہ عیسائیوں کی طرف سے یہی سڑک اختیار کی جاتی تھی۔ ان تمام امور کے ساتھ ابن خرداذبہ نے، جس کی تصنیف کا زمانہ ۲۵۰ھ (۸۶۴ء) ہے، اس سڑک کے حالات بہت شرح و بسط سے لکھے ہیں؛ اور یہی حالات زمانہ مابعد کے مصنفوں نے اپنی کتابوں میں نقل کر دئیے ہیں۔ اس سڑک کا جنوبی حصہ دَرب السلامہ (سلامتی کا دروازہ) کہلاتا تھا؛ اور وہ درہ پیلی سلیکی (Pylae-Ciliciae) یعنے مشہور و معروف سلیشن گیٹس میں سے گزرتا تھا۔

ابن خرداذبہ کا بیان حسب ذیل ہے:۔ اس میں اکثر مقامات ایسے آئے ہیں جن کی صحت کے ساتھ تطبیق نہیں ہو سکتی لیکن جہاں کہیں ممکن ہوا ہے خطوط وحدانی میں مطابقت کے لئے بازنطینی نام لکھ دیئے گئے ہیں۔ ابن خرداذبہ لکھتا ہے: طرسوس سے عُلَیق کا فاصلہ چھ میل اور عُلیق سے الرَّهْوَه (سیراب میدان۔ یہ مقام غالباً قدیم موپسوکرینی (Mopsuskerene) ہے) اور جوزات کا فاصلہ بارہ میل؛ پھر یہاں سے سات میل آگے جَوْ دَ قُوب ہے؛ اور اس سے سات میل آگے بَذَ نْدُ وْن یعنے (موجودہ بُزَنتی) (Podandos) ہے۔ یہیں عین رَاقه ہے جس کے قریب خلیفہ مامون الرشید کا انتقال ہوا تھا۔ پھر بذندون سے دس میل آگے درہ سلیشن گیٹس کے شمالی سرے پر لُؤلُؤ (Loulon) والا معسکر الملک گرم پانی کے چشموں کے قریب واقع ہے۔ یہیں پر الصَّفْصَاف (بید مجنون) (فاسٹینوپولس (Faustinopolis) کے قریب) اور حصن صقالبہ (یعنے صقلبیوں کا قلعہ) کے مقامات ہیں معسکر الملک سے جہاں درہ سلیشن گیٹس ختم ہو جاتا ہے وادی الطرفا (الیوں والی وادی) کا فاصلہ بارہ میل ہے۔ یہاں سے رِمنا (۲۰) بیس میل اور رمنا سے هِرَقْلَه کے دریا کا فاصلہ (۱۲) میل ہے۔ هِرقله کو بعد میں اراکلیہ کہنے لگے تھے؛ اور اس کا یونانی نام هیراکلیا (Heraklia) تھا۔ هرقله کو ہارون الرشید نے حملہ کر کے فتح کیا تھا۔ هِرَقْلَه سے اَلْلَبِنْ کا شہر (۲۰) میل؛ اور اَللبِن سے رَاسُ الغابہ (جنگل کا سرا)

مسمار کرادی گئیں۔ نقفور نے تمام قرآن شریف جلادیئے اور سلح خانے سے تمام ہتیار نکال لے گیا۔ اس زمانہ سے لے کر آج تک (یعنی ۶۲۳ھ ۱۲۲۶ء تک) طرسوس مع قرب و جوار کے علاقے کے برابر عیسائیوں کے قبضے میں چلا آتا ہے[۱]

لِلَّمِس کا قدیم دریا جیسا کہ اوپر ذکر ہوا نہر بَردان یا بَودَا کہلاتا تھا اور ابن فقیہ نے لکھا ہے کہ اُسے دریائے غَضبان بھی کہتے تھے۔ یہ طرسوس کے شمال میں کوہستانی علاقے کی ایک پہاڑی سے جسے اَلاَقرَع (گنجی) کہتے تھے نکل کر دریائے سَیحان کے اُس دہانے کے قریب جو بعد کو قائم ہوا بحیرۂ روم میں گرجاتا تھا۔ مغرب کی طرف طرسوس سے ایک منزل پر دریائے لاموس (Lamos) پرانے زمانہ میں اسلامی سلطنت کی سرحد قائم کرتا تھا۔ اسے عرب نہر لِمس کہتے تھے[۱] اور یہاں مقررہ اوقات پر عیسائی اور مسلمان قیدیوں کا فدیہ ادا کرکے ان کو قید سے رہائی دلائی جاتی تھی۔ دریائے لِمس سے آگے جنوب میں یونانی شہر سلوقیہ (Seleucia of Cilicia) تھا جسے بعد میں ترک سَلفکَہ کہنے لگے تھے[۱]

ٹارس کے پہاڑی سلسلہ میں متعدد درے تھے جن سے اس سلسلہ کو عبور کیا جاتا تھا لیکن ان میں سے دو درے خصوصاً ایسے تھے جن سے ہو کر مسلمان بازنطینی سلطنت پر ہر سال فوج کشی کیا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک درہ شمال مشرق میں دَرب الحدَث تھا۔ یہ مَرعش سے شمال میں اَبلُستان کو پہنچتا تھا۔ اَبلستان کا شہر بعد کو اَلبُستان کہلانے لگا تھا۔ بازنطینی اسے ابلاستھا (Ablastha) اور یا تالی اَرَبیسُوس (Arabissus) کہتے تھے۔ اس درے کی حفاظت کے لیے حَدَث کا بڑا قلعہ تھا جس کا ذکر گذشتہ باب میں ہو چکا ہے۔ دوسرا درہ جس سے ابتدائی زمانہ میں اکثر فوج کشی کی گئی

---

[۱] شہر طرسوس کو عیسائیوں کے فتح کرنے کے حالات اور اس فتح کے بعد وہاں کے مسلمانوں کی جو دردناک حالت ہوئی اس کے متعلق مزید معلومات کے لئے دیکھو یاقوت (مطبوعہ مصر) ج ۶ ص ۳۹، ۴۰ + مترجم) +

[۱] ابن حوقل ص ۱۲۲ + ابن فقیہ ص ۱۱۶ + بلاذری ص ۱۶۹ + مسعودی (مروج) ج ۱ ص ۲۶۴ + ج ۷ ص ۷۲ + یاقوت ج ۱ ص ۵۳، ۵۵ + ج ۳ ص ۵۲۹ + طبری ج ۳ ص ۱۲۲۸ + ابن الاثیر (ج ۷ ص ۳۴۰) میں نہر لِمس کا نام غلطی سے نہر الیس چھپ گیا ہے +

قسطنطنیہ کی بڑی سڑک کو چھوڑکر ایشیائے کوچک کا باقی ملک ایسا تھا جس کے متعلق شروع زمانہ کے عرب جغرافیہ نویسوں کا علم بہت ناقص تھا۔ اس کا ثبوت اس مثال سے ملتا ہے کہ آلِسْ (Halys) اور صَاغِرہ[1] (Sangarius) دو دریاؤں کو جو بالکل جدا جدا ہیں ابن حوقل نے خلط ملط کر دیا ہے۔ اوائل عہد کی عربی تاریخوں میں متعدد یونانی شہروں کے نام معرب شکل میں ظاہر ہوتے ہیں، یہی نام اکثر بعد کی تاریخوں میں بھی آتے ہیں۔ لیکن ترکوں کی فتوحات کے بعد ان کی شکل کسی قدر بدلی ہوئی نظر آتی ہے۔ شہروں کے معرب ناموں کی یونانی ناموں سے مطابقت کرنے میں شبہ کی گنجائش نہیں۔ یہاں چند معرب نام معہ ان کے یونانی ناموں کے درج کئے جاتے ہیں:—

طُوَانہ (تیانہ = Tyana) دَبَاسَہ (تھیاسا Thebasa) مَلَقُوبِیَّہ (مالاکوپیا = Malacopia) ھِرَقْلَہ (ہیرکلیا Heraclia) لَاذِق (لاڈیکیا = Loadicea) قَیْصَرِیَّہ (کیساریا مازاکا = Ceasarea Mazaka) اَنْطَاکِیہ (انٹیوک = Antioch) قُوطِیَہ (کوتیوم = Cotyaeum) انقرہ (انگورہ = Angora) اَفْسُوس (افی سوس (Ephesus) اَبِلُدُس (ابیدوس (Abydos) اور نِقُمُودِیہ (نیکومیڈیا Nicomedia) اور ایسے ہی چند نام اور ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۲) چند مختلف صورتیں بیان کی ہیں اور ادریسی (جوبرٹ، ج ۲ ص ۳۰۸، ۳۰۹) نے ان کے فاصلے نقل کئے ہیں خصوصیت کے ساتھ پروفیسر ریمسے کی کتاب Historical Geography of Asia Minor ص ۲۳۶، ۴۴۵ کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ پروفیسر ریمسے نے (جیاگرفیکل جرنل اکتوبر سنہ ۱۹ء ص ۳۸۲) صقالبہ کے قلعہ (حِصْنُ الصقالبہ) کی تطبیق اس بازنطینی قلعے کے شکستہ آثار سے کی ہے جو سنگ سیاہ کا بنا ہوا تھا اور جسے آج کل آنش قلعہسی کہتے ہیں۔ یہ قلعہ اس پہاڑ کی بلندی پر واقع تھا جہاں سے مغرب کی سمت میں بُزَنتی (بذندون (Podandos) کی گھاٹی نیچے نظر آتی تھی۔ لولون (Lounon) کا بازنطینی قلعہ جس کو عرب لولو (موتی) کہتے تھے اس کی تطبیق بھی پروفیسر ریمسے نے کی ہے (دیکھو رسالہ متذکرہ بالا ص ۴۰۰، ۴۰۴۔ اس میں قلعے کی تصویریں بھی ملے گی)۔ یہ قلعہ شمال کی جانب صَفْصَاف کے اوپر واقع ہے اور نیچے وادی میں ایک بستی کا ہونا بھی اس سے پایا جاتا ہے اور یہ مقام وہی ہے جہاں یونانیوں کا شہر فاسٹینو پولس (Faustinopolis) آباد تھا۔

[1] اس سے قبل مصنف کتاب دریائے سنگیوس کا نام، ابن خرداذبہ کو نقل کرتے ہوئے سناغری لکھ

(۱۵) میل رأس الغابہ سے المسکنین (۱۶) میل المسکنین سے عین برغوث (کھٹملوں کا چشمہ) (۱۲) میل؛ یہاں سے نہر الاحسا (زیر زمین دریا) (۱۸) میل اور نہر الاحساء سے قونیہ (Inconium) کی بیرونی آبادی کا فاصلہ (۱۸) میل تھا۔ قونیہ سے العلمین (دو جھنڈے) (۱۵) میل اور وہاں سے ابرمسانہ (۲۰) میل اس مقام سے وادی الجوز (اخروٹ کا دریا) (۱۲) میل اور وہاں سے عموریہ (Amorion) (۱۲) میل تھا لیکن متذکرۂ بالا العلمین سے عموریہ جانے کے لئے ایک اور راستہ بھی تھا۔ یعنے العلمین سے قصر اقرلطی کے قریوں تک (۱۵) میل اور وہاں سے الباسلیون (چودہ شہیدوں کی جھیل) کے سرے تک دس میل اور یہاں سے الیسل کا فاصلہ (۱۰) میل اور الیسل سے حصن سنادہ (۱۸) میل اور سنادہ سے مغل کا فاصلہ (۲۵) میل تھا۔ اور وہاں سے (۲۰) میل آگے عموریہ کا جنگل شروع ہوتا تھا۔

عموریہ سے حواب کے قریوں کا فاصلہ (۱۵) میل ہے، اور اس کے آگے عموریہ کا دریا ساغری (The Sangarius) دو میل ہے۔ یہاں سے العلج (وحشی آدمی) (۱۲) میل العلج سے فلامی الغابہ (جنگل کا فلامی) (۱۵) میل؛ اور وہاں سے حصن الیہود (یہودیوں کا قلعہ) (۱۲) میل؛ اور اس قلعے سے سندابری (Santabris) (۱۸) میل تھا؛ اور سندابری سے (۳۰) میل کے فاصلے درولیہ کا ایک مقام تھا جس کا نام "بادشاہ کے گدھوں والا میدان" تھا۔ درولیہ کا یونانی نام ڈرولیان (Dorylean) ہے۔ درولیہ سے عرو بلی کے قلعہ کا فاصلے (۱۵) میل ہے اور اس سے تین میل آگے کنائس الملک تھا جس سے مراد اناکومنیا کا گرجا تھا۔ کنائس الملک سے (۲۵) میل آگے التلول (پہاڑیاں) اور اس سے (۱۵) میل آگے الاکوار واقع تھا؛ جہاں سے ملجینا (Malagina) کا فاصلہ (۱۵) میل تھا۔ ملجینا سے (۵) میل آگے اصطبل الملک تھا؛ اس سے (۳۰) میل آگے بڑھ کر حصن الغبراء (یعنے گرد آلود قلعہ) کبوٹس (Kibotos) کے مقام سے مراد ہے؛ جہاں سے کشتیاں ایگیالوس (Aigialos) کو جاتی تھیں حصن الغبراء سے (۱۴) میل کے فاصلے پر الخلیج (یعنے قسطنطنیہ والی آبنائے باسفورس) واقع تھی۔ اور حصن الغبراء کے بالمقابل جنوب میں نقیہ (Nicaea) کا مقام تھا یہاں قسطنطنیہ کی سڑک کے متعلق ابن خرداذبہ کا بیان ختم ہو جاتا ہے[1]

[1] خرداذبہ ص ۱۰۰-۱۰۲، ۱۱۱، ۱۱۳+اس کے علاوہ ابن خرداذبہ برلنے ص ۱۰۲-۱۰۳ پر اسی راستے کی

کیئے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو اس ملک کے بہت سے حصے سے بخوبی واقفیت ہو چکی ہو گی۔ کیونکہ بنی امیہ اور شروع زمانہ کے خلفائے عباسیہ کے دور میں تقریباً ہر سال بلکہ اکثر سال میں دو مرتبہ یعنی ربیع اور خریف میں ٹارس کے دروں سے گذر کر مسلمان یونانی سلطنت پر حملے کیا کرتے تھے جن کا مقصد دراصل یہ تھا کہ قسطنطنیہ فتح کر لیا جائے۔ اموی عہد خلافت میں تین مرتبہ اسلامی فوجوں نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا لیکن نتیجہ ہر مرتبہ حملہ آوروں کے حق میں مضر ہوا۔ اس پر تنقید کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ باسفورس کا فاصلہ اگر ایشیائے کوچک کی کوہستانی مرتفع علاقوں کو بیچ میں لیتے ہوئے طرسوس کے شہر تک جہاں سے عربی فوجیں حملہ کے لئے روانہ کی جاتی تھیں خط مستقیم ناپا جائے تو (۵۰۴) میل سے زائد ہوتا تھا۔

یہ تین محاصرے یہ ہیں۔ پہلا محاصرہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں ۳۲ھ (۶۵۲ء) میں ہوا۔ امیر معاویہ نے جو بعد میں خلیفہ ہوئے ایشیائے کوچک میں سے گذر کر پہلے حملہ اور پھر محاصرہ کر کے قسطنطنیہ پر قبضہ کرنا چاہا۔ یہ محاصرہ اس وقت اٹھایا گیا جب ان کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ملی۔ اس کے بعد جو واقعات پیش آئے ان کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی امیہ کو ترقی ملی اور ۴۱ھ (۶۶۱ء) میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ ہو گئے۔ انہوں نے ۴۹ھ (۶۶۹ء) میں اپنے بیٹے یزید کو جو بعد میں ان کا جانشین ہوا قیصر قسطنطنیہ کے خلاف لڑنے کے لئے روانہ کیا۔ مگر فوج کے افسر لائق نہ تھے۔ اسلامی فوج کو سخت شکست اٹھانی پڑی اور یزید واپس چلا آیا۔ قسطنطنیہ کا تیسرا اور سب سے زیادہ شدید محاصرہ جو ایک سال تک جاری رہا خلیفہ سلیمان بن عبد الملک کے عہد میں ہوا۔ خلیفہ سلیمان نے اپنے بھائی مسلمہ کو ۹۷ھ (۷۱۵ء) میں قیصر لیو اسوری (Leo the Isaurian) کے خلاف لڑنے کے لئے بھیجا۔ یہ حملہ گذشتہ حملوں کی طرح ناکامیاب ثابت ہوا۔ لیکن عرب اور بازنطینی مورخوں نے اس حملے کا حال مفصل لکھا ہے۔ اس مہم کے دوران میں اسلامی فوج کے سپہ سالار عبد اللہ البطال (بہادر) نے بڑا نام پیدا کیا۔ چنانچہ بعد میں ترک اس بہادر کو اپنا قومی ہیرو اور اسلام کا ایک ناممکن التسخیر مجاہد سمجھنے لگے۔

باوجود ان نقصانوں اور شکستوں کے مسلمانوں کے حملے بجز اس قلیل زمانہ کے

ٹری بی زند جسے طَرَابْزَنْدَہ یا اَطْرَابُزَنْدَہ لکھا جاتا ہے' ابن حوقل نے اس کی نسبت بیان کیا ہے کہ یہ خاص بندرگاہ تھا' جس کے ذریعے خلافت عباسیہ کے ابتدائی دور میں قسطنطنیہ سے مالِ تجارت مسلمانوں میں فروخت ہونے کے لئے آیا کرتا تھا' یہیں سے عرب سوداگر یا اُن کے گماشتے' مال لے کر پہاڑوں سے ہوتے ہوئے مَلَطِیَّہ اور بالائی فرات کے دوسرے شہروں میں آتے تھے۔ ابن حوقل راوی ہے کہ تجارت کا مال لانے لے جانے کا جس قدر کاروبار تھا اُس کا بڑا حصہ ارمنی سوداگروں کے ہاتھ میں تھا' لیکن پھر بھی بہت سے مسلمان سوداگر طَرَابْزَنْدَہ میں مستقل سکونت رکھتے تھے۔ تجارت کے مال میں خاص کر یونان کے سوتی کپڑے' اور رومی زربفت کا بیان ہوا ہے اور یہ تمام چیزیں سمندر کے رستے خَلِیج (یعنے آبنائے' باسفورس) سے لائی جاتی تھیں طَرَابْزَنْدَہ کی شہرت اور وقعت کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے کہ ایک زمانہ میں بحیرۂ اَسْوَد عرف عام میں بحر طَرَابْزَنْدَہ کہلاتا تھا۔ لیکن اس سمندر کا سرکاری نام بحر بُنْطُس یا بُنْطُش تھا' جو یونانی لفظ پون ٹوس (Pontos) کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ لیکن پرانے زمانہ سے یہ نام کتابت کی غلطی سے (یعنے عربی حروف میں نقطے غلط جگہ لگا دینے سے) نِیْطُس یا نِیْطُش پڑھا اور لکھا جانے لگا' چنانچہ ایرانی اور ترکی مصنف اکثر اسی نام سے اس سمندر کا ذکر کرتے ہیں' اور اب یہ غلطی اس قدر عام ہو گئی ہے کہ اس کا ازالہ محال ہے۔[1]

گو سلجوقی فتوحات سے قبل' جن کا زمانہ پانچویں (گیارھویں) صدی کا نصف آخر ہے' عربی مصنفوں نے ایشیائے کوچک کے شہروں کے جغرافی حالات بہت کم تحریر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۳) آئے ہیں۔ اور یہاں اسی دریا کا نام صَاغرہ لکھتے ہیں۔ ابن حوقل (ص ۱۲۹) نے صافرہ ہی لکھا ہے۔ بہرحال ساغری اور صاغرہ دونوں ایک ہی دریا کے نام ہیں۔ مترجم۔

[1] ابن حوقل ص ۱۲۹' ۱۳۲' ۲۴۵' ۲۴۶ + ابن خرداذبہ ص ۱۰۳ + بلاذری ص ۱۶۱ + طبری ج ۳ ص ۷۰۹' ۷۱۰ + ابو الفدا ص ۳۴ + یاقوت ج ۱ ص ۴۰۱' ۹۹۴ + مسعودی (مروج) ج ۱ ص ۲۶۰۔ بحیرۂ اَسْوَد کو بعض مرتبہ بحر خزر بھی کہا جاتا ہے' لیکن بحر خزر کا اطلاق بالعموم صرف بحیرۂ کیسپین پر ہوتا ہے + ابن خرداذبہ ص ۱۰۳ +

بازنطینی قیاصرہ کے عہد میں مختلف صوبوں (Themes) میں ایشیائے کوچک کے تقسیم ہونے کا حال ابن خرداد بہ نے بہت احتیاط سے بیان کیا ہے، چنانچہ ہم اس عربی مصنف کے بیان سے اُن مبہم حالات کی تصحیح کر سکتے ہیں جو کونسٹنٹین پورفیرجینی ٹس (Constantine Porphyrogenitus) نے اپنی کتاب میں بیان کئے ہیں یہاں اس موضوع پر بحث کرنا بے کار ہوگا کیونکہ اس کا تعلق درحقیقت بازنطینی سلطنت کی جغرافیہ ہے۔ ان شہروں کے علاوہ جن کا ذکر اوپر ہوا عرب مصنف اپنی تصانیف میں جہاں ایشیائے کوچک میں سرحد کے پار اسلامی مہمات کا حال لکھتے ہیں وہاں اور بہت سے مقامات کا بھی ذکر کرتے ہیں لیکن یا تو ان کے بیانات کے غیر واضح ہونے سے یا ناموں میں ابہام کی وجہ سے ان مقامات کا اب پتہ لگانا ممکن نہیں۔ مثلاً مَرَجُ الاُسقُفُ (یعنے بشپ کے میدان) کا ذکر اکثر آتا ہے اور ابن خرداد بہ نے جن راستوں کا ذکر کیا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقام غالباً بَذَنْدُوْن سے مغرب میں کسی قدر فاصلے پر واقع تھا اَلمطمُورَہ یا اس کی جمع (اَلمطامیر) کا ذکر بھی اکثر آتا ہے۔ (المطامیر کے معنے کوٹھڑیوں یا گوشوں کے ہیں) یہ مقام غالباً مَلَقُوبِیَہ (مالاکوپیا Malacopia) کے قریب تھا۔ ذُو القِلاع مضبوط قلعہ) یا ذو القلاع (چٹانوں کا قلعہ) ایک مشہور و معروف قلعہ تھا۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ اسے یونانی "ستاروں کا قلعہ" کہتے تھے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقام کپاڈوشیا کے شہر سیدوروپولس (Sideropolis) سے مطابق ہوتا ہے۔

بازنطینی شہر لولون کا نام عربوں نے با معنے اگر بنے کے لئے لُؤلُؤ رکھا تھا یہ مقام جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے سلی شین درے کے شمالی سرے پر واقع تھا۔ اس سے بھی شمال میں طُوَانَہ یا طوانہ (تیانہ Tyana)) تھا جہاں ہارون الرشید نے بہت سی فوج متعین کر دی تھی اور ایک مسجد بھی یہاں تعمیر ہوئی تھی۔ ایک شہر یا قلعہ جسے صَفصَافُ (بید مجنون) کہتے تھے، قسطنطنیہ کی سڑک پر لُؤلُؤ کے قریب تھا۔ یہ شہر یا قلعہ جیسے کہ پہلے بھی تحریر ہوا فاسٹینو پولس کے جائے وقوع پر تھا۔ اور اس کے بعد ہی بَذَنْدُوْن (Podandos) کے جنوب میں صقالبہ کا قلعہ (حصن الصقالبہ) تھا جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔ امام

سلہ Mazmorra (اسپینی) بمعنی قیدخانہ Massamora (انگلش) (دیکھو ڈی خویہ کی کتاب نوٹ)

جس میں بنی عباس خلافت حاصل کرنے کی فکر میں تھے، ہر سال جاری رہے۔ اور جب عباسی بنی امیہ کی جگہ خلیفہ ہوگئے تو اس کے بعد بھی کچھ اوپر ایک صدی تک ان حملوں کا سلسلہ بند نہ ہوا۔ گو قسطنطنیہ کا محاصرہ کرنا اب ان کی طاقت سے باہر تھا، لیکن ایشیائے کوچک کے تمام ملک میں ان کے حملے اور تاخت تاراج کے معرکے بار بار ہوتے رہے۔ ان معرکوں میں سب سے مشہور خلیفہ ہارون الرشید کے بیٹے خلیفہ معتصم کی فوج کشی ہے، جو ۲۲۳ھ (۸۳۸ء) میں عمّوریہ پر کی گئی۔ اُس وقت عمّوریہ مشرق کا سب سے زیادہ شاندار شہر اور "بلاد روم" کا سب سے زیادہ مضبوط قلعہ اور عیسائیوں کی آنکھ سمجھا جاتا تھا۔ باوجود اس کے خلیفہ معتصم نے اس شہر کو لوٹا اور جلا کر خاک کر دیا، اور بے شمار دولت لے کر بلا مزاحمت واپس ہوا[1]+

[1] ایشیائے کوچک میں عربی فوجی مہموں کی طول و طویل فہرست کو عربی ماخذوں سے ای۔ ڈبلیو بروکس (E. W. Brooks) نے اپنے مضامین میں مع حواشی کے تفصیل سے لکھا ہے۔ یہ مضامین حسب ذیل ہیں:۔ دی عربس ان ایشیا مائنر ۶۴۱ء تا ۷۵۰ء (۱۱۷ھ)" (جرنل ہیلنک سٹڈیز ج ۱۸۔ ۱۸۹۸ء) اور بازنطائن اینڈ دی عربس ان دی ٹائم آف دی ارلی اباسڈس ۷۵۰ء تا ۸۱۳ء (حصہ اول انگلش ہسٹاریکل ریویو۔ اکتوبر ۱۹۰۰ء۔ حصہ دوم جنوری ۱۹۰۱ء)+ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کے عہد کے محاصرۂ قسطنطنیہ کا تذکرہ اُس نے ایک الگ مضمون میں کیا ہے، جو جرنل ہیلنک سٹڈیز (ج ۱۹، ۱۸۹۹ء) میں "دی کیمپین آف ۷۱۶ء تا ۷۱۸ء فرام عربک سورسز" کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ بازنطینی ماخذوں کی بنا پر اس حملہ کا حال پروفیسر جے بی بیوری نے "ہسٹری آف دی لیٹر رومن ایمپائر" (ج ۲ ص ۴۰۱) میں پوری تفصیل سے لکھا ہے۔ مسلمان عام طور پر کونسٹینٹی نوپل کو قسطنطنیہ کہتے تھے۔ لیکن یہ امر قابل غور ہے کہ اس شہر کا بازنطینی نام جس سے موجودہ ترکی نام استنبول ماخوذ بتایا جاتا ہے، اس کے بارے میں مسعودی نے چوتھی (دسویں) صدی کے اوائل میں لکھا ہے کہ اس کے زمانہ میں یونانی اپنے دارالسلطنت کو بُولِن کہتے تھے۔ (تنبیہ ص ۱۳۸) + (اس بُولِن سے مراد پولن ہے جو یونانی لفظ پولس کی جگہ استعمال ہوا ہے جس کے معنے شہر کے ہیں)+ بُولِن کے علاوہ اس کو استن بولن (Eistna Polie) بھی کہتے تھے۔ مسعودی نے یہ بھی لکھا ہے کہ یونانی عام طور پر اس شہر کو القسطنطنیہ کا نام عربوں کی طرح نہیں دیتے+

اس صوبے کے مرکز میں واقع تھیں مستقل طور پر آباد ہو گئے" اور سلطنت روم اسلامی ممالک میں شمار ہونے لگی۔ فتح کے پہلے ہی سیلاب میں سلجوقی مغرب میں نقیہ تک بڑھ گئے" اور اس پر کچھ مدت قبضہ رکھ کر اُسے اپنا پایۂ تخت بنایا مگر پہلی صلیبی جنگ میں وہ یہاں سے ہٹا دیے گئے۔ یہاں سے ہٹ کر وہ وسط ملک کی سطحات مرتفع میں قونیہ (Inconium) میں چلے آئے جسے انہوں نے ۴۷۷ھ (۱۰۸۴ء) میں فتح کیا اور یہ مقام آخری وقت تک ان کی حکومت کا مرکز رہا[1]۔

سلجوقی سلاطین قونیہ کا خاندان دو صدی سے زیادہ عرصہ تک یعنی ۴۷۰ھ سے ۷۰۰ھ (۱۰۷۷ء-۱۳۰۰ء) تک قائم رہا لیکن حقیقت میں ان کی اصلی طاقت کا خاتمہ اس وقت ہو گیا جب مغلوں نے سقوط بغداد سے ایک سال پہلے ۶۵۵ھ (۱۲۵۷ء) میں قونیہ کو فتح کر لیا۔ ایشیائے کوچک کی سطح مرتفع میں سلجوقی سلطنت کی ابتداء اور طارس کے کوہستانی

---

[1] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۲۵، ۴۴ + ج ۱۲ ص ۲۵، ۱۲۵؛ جہاں نما ص ۶۲۱ + جنگ ملازکرد کے متعلق دیکھو History of War Craft مصنف C. Oman ص ۲۱۶-۲۲۱ + روم کے سلجوقیوں اور ان کے جانشین دس ترکمانی امیروں کا تاریخی دور اسلامی تاریخ کا سب سے زیادہ تاریک حصہ ہے۔ مستوفی نے تاریخ گزیدہ میں جو مختصر حالات روم کے سلجوقیوں کے لکھے ہیں ان پر ایرانی مورخ میر خواند اور خواندمیر نے کچھ بھی اضافہ نہیں کیا۔ اس خاندان کی سب سے زیادہ مفصل تاریخ غالباً ابن خلدون نے اپنی تاریخ میں لکھی ہے (ج ۵ ص ۱۶۲-۱۷۵) + لیکن یہ تفصیل بھی درحقیقت ناموں اور سنین کی ایک فہرست سے زیادہ نہیں ہے۔ ابن بی بی کی تاریخ، جسے حال ہی میں پروفیسر ہوتسما نے شائع کیا ہے، قلج ارسلان ثانی کے عہد یعنی ۵۵۱ھ (۱۱۵۶ء) سے شروع ہوتی ہے؛ اور اس سے سلجوقی عہد کے ان ابتدائی ستر برس کا حال بالکل معلوم نہیں ہوتا جس میں وہ ایشیائے کوچک کو فتح کرتے اور اس ملک میں آباد ہوتے جاتے تھے۔ جنگ ملازکرد صرف ایسی بڑی فتح تھی جس کا ذکر کیا گیا ہے، باقی جنگ و پیکار کا حال جس نے بازنطینیوں کو ایشیائے کوچک سے بے دخل کر دیا چھوڑ دیا ہے اور نہ کسی عہد نامہ کا ذکر ہے جو ملازکرد کی لڑائی کے بعد لازمی طور پر سلجوقیوں اور بازنطینیوں میں ہوا ہوگا۔ سلاطین روم کے جانشین ترکمانی امیروں کے متعلق جو کچھ حالات ملتے ہیں ان کے خلاصہ کے لئے دیکھو۔ پروفیسر لین پول کا مضمون The Successors of the Saljuks in Asia Minor (۱۸۸۲ء ص ۷۷۳)+

بلاذری لکھتے ہیں کہ یہاں چند صقلبیوں کو جو بازنطینی فوج کے مفرور تھے، بنی امیہ کے آخری خلیفہ مروان بن محمد نے درے کی حفاظت کے لئے آباد کر دیا تھا[1]۔

۲۲۳ھ (۸۳۸ء) کے بعد جو عموریہ پر خلیفہ معتصم کی مشہور فوج کشی کی تاریخ ہے یونانیوں کے ملک پر مسلمانوں کی یورشیں کم ہو گئیں کیونکہ بغداد میں فتنہ و فساد کے بار بار برپا ہوتے سے عباسی خلفاء کو اس کی مہلت کم ملتی تھی کہ وہ بازنطینی سلطنت پر فوج کشی کا خیال کریں لیکن باوجود اس کے تیسری (نویں) صدی کے وسط سے پانچویں (گیارھویں) صدی تک خلفاء کے نیم خود مختار والیان ماتحت دروں کے پار فوجیں بھیجتے رہے اور مختلف اوقات میں ان معرکہ آرائیوں کی وجہ سے اسلامی اور یونانی سرحد میں تبدیلیاں پیش آتی رہیں، اگرچہ عام طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ کوہستان طارس کے پار کوئی قطعہ ارض ایسا نہ تھا جو مستقل طور پر مسلمانوں کے قبضے میں رہا ہو۔

لیکن پانچویں (گیارھویں) صدی میں جو زمانہ صلیبی جنگوں کے بعد آیا سلجوقیوں کے عروج نے ایشیائے کوچک میں معاملات کی صورت بالکل بدل دی۔ ۴۶۳ھ (۱۰۷۱ء) کے موسم بہار میں الپ ارسلان سلجوقی نے ملاسجرد کی لڑائی جیت لی، بازنطینی افواج کو شکست فاش دی اور قیصر رومنس دیوجانس (Romanus Deogenes) کو گرفتار کر لیا۔ علاوہ بریں اسی واقعہ سے پہلے ۴۵۶ھ (۱۰۶۴ء) میں الپ ارسلان آرمینیہ کی عیسائی سلطنت کے پایہ تخت آنی کو فتح کر چکا تھا جس کی وجہ سے آرمینیہ میں بغری خاندان اور اس کی سلطنت کا بالکل خاتمہ ہو گیا۔ اور بعد میں اسی خاندان کے شخص روبن نے کوہستان طارس میں آرمینیہ خرد کی سلطنت قائم کی۔ جنگ ملازکرد (ملاسجرد) کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان الپ ارسلان نے اپنے چچازاد بھائی سلیمان بن قُتلمش کو ایشیائے کوچک بھیج دیا اور پھر سلجوقی اپنے خانہ بدوش طرز معاشرت کے ساتھ اُن سطحات مرتفع میں، جو

---

[1] ایشیائے کوچک کی صوبہ داری تقسیم کے لئے دیکھو۔ Arabic Lists of Byzantine Themes (جرنل ہیلنک سٹڈیز ج ۲۱ سنہ ۱۹۰۱ء) مصنفہ ای ڈبلیو بروکس + ابن خرداذبہ ص ۱۰۲، ۱۰۵ + بلاذری ص ۱۵۰، ۱۶۷ + طبری ج ۳ ص ۱۲۳۰، ۱۲۳۰ + ابن الاثیر ج ۹ ص ۳۴۱ + پروفیسر ریمسے کی جغرافیہ ایشیائے کوچک ص ۷۸، ۹۴، ۳۵۳، ۳۵۶ +

تیسری صلیبی جنگ میں قیصر فریڈرک باربروسا کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اُس نے ۵۸۶ھ (۱۱۹۰ء)
میں سلجوقیوں کے دارالسلطنت قونیہ کو سلطان مسعود کے بیٹے قلیج ارسلان ثانی سے فتح کر لیا
تھا لیکن آگے بڑھ کر فریڈرک سلوقیہ (Seleucia of Cilieia) کے قریب نہر کلیس
میں اتفاقاً ڈوب کر مر گیا۔ یہ وہی مقام تھا جہاں شروع کے خلفاء عباسیہ کے زمانہ میں مسلمان
اور عیسائی قیدیوں کا تبادلہ ہوتا تھا یا فدیہ وصول ہونے پر آزاد کر دئیے جاتے تھے۔

(۲۲) سلجوق سلاطین روم جس ملک پر حکومت کرتے تھے اُس کی وسعت کا کبھی کم اور کبھی
زیادہ ہونا تین باتوں پر منحصر تھا۔ ایک یہ کہ آیا بازنطینی سلطنت کو انحطاط ہوا یا اُس نے اپنی
کھوئی ہوئی طاقت کو پھر حاصل کر لیا دوسرے ارمینیہ خورد کی عیسائی سلطنت کا نمو اور تیسرے
اُس کے قرب وجوار کی اپنی اسلامی سلطنتوں کی حالت جن کو صلیبی مجاہدوں نے جزاً مغلوب
کر لیا تھا اور جہاں فرنگی شہزادے مسلمان رعایا پر حکومت کرتے تھے۔ روم میں سلجوقی
سلطنت کی جو حیثیت کہ وہ ۵۸۷ھ (۱۱۹۱ء) میں رکھتی تھی اور اس کے بڑے شہروں کے
نام اُس ملکی تقسیم سے دریافت ہو جاتے ہیں جو اسی سنہ میں سلطان قلیج ارسلان ثانی سے اپنے
گیارہ بیٹوں کے لئے عمل میں آئی تھی۔ قونیہ (Iconium) جیسا کہ بیان ہو چکا ہے
دارالسلطنت تھا۔ دوسرے درجہ کا شہر قیصریہ تھا (Caesarea Mazaka) تھا ملطیہ
(Melitene) دریائے فرات کی سرحد پر مشرقی صوبے کا صدر مقام تھا شمال میں سیواس
(Sebastia) نکسار (یا نیکسار یعنی قدیم Neo-Caesarea) توقات اور اماسیہ
(Amasia) کے شہر ایک ایک شہزادے کے حصے میں آئے تھے شمال مغرب میں انگوریہ
(Angora) اور مغربی سرحد پر بُرغلو جو غالباً آج کل کے شہر الو برلو سے مطابق
ہوتا ہے اور جو جھیل اگردر کے مشرق میں واقع ہے ایک ایک شہزادے کو ملا جنوبی
سرحد پر قونیہ سے مغرب کی طرف بڑے بڑے شہر حسب ذیل تھے۔ ارکلیہ (Heraclia)
نکیدہ یا نگدہ اور ابلستان جو بعد کو البستان ہو گیا (اور دراصل یونانی میں Arabissus
تھا)۔

قلیج ارسلان دوم کا پوتا سلطان علاء الدین ۶۱۶ھ (۱۲۱۹ء) میں تخت پر بیٹھا۔
اس نے اپنی سلطنت کو شمالاً و جنوباً بحیرۂ اسود کے ساحل سے لے کر بحیرۂ روم تک وسیع کیا۔ بحیرۂ اسود
کے ساحل پر اس نے سینوب (Sinope) کو فتح کیا اور جنوبی ساحل پر علائیا کا ایک بندرگاہ

(۱۳۱) علاقے میں آرمینیہ خورد کی عیسائی سلطنت کا قائم ہونا' یہ دونوں واقعے ہم زمانہ ہیں' اس کے تھوڑے ہی مدت بعد سیس جس کو سِیسِیَّۃ بھی لکھا جاتا ہے' روبن کا' جو نئے شاہی خاندان کا بانی ہوا' پایہ تخت ہو گیا' ایک صدی بعد یعنی ۵۹۳ھ (۱۱۹۶ء) میں لیو نے بادشاہ کا لقب اختیار کیا۔ آرمینیہ خورد کے بادشاہ مغلوں کے طوفان کو جھیلنے کے بعد آخر کار ۷۴۳ھ (۱۳۴۲ء) میں خاتمے کو پہنچ گئے۔ سیس سے شروع کر کے اس سلطنت نے اس قدر ترقی کی کہ وہ تمام کوہستانی ملک جسے دریائے سیحان و جیحان سیراب کرتے تھے بحیرۂ روم تک مع مَصِیصَۃ اَذَنَہ اور طرسوس کے شہروں کا اور طرسوس کے مغرب میں دور تک ساحل سمندر کے سب شہر بھی میں شامل ہو گئے سیس یا سِیسِیَّۃ یعنی پرانا شہر فلاویو پولس (Flaviopolis) عباسیوں کے ابتدائی زمانہ میں عین زَربَہ کے علاقے کا ایک بیرونی قلعہ سمجھا جاتا تھا' اور اس کی فصیل خلیفہ ہارون الرشید کے پوتے خلیفہ متوکل نے دوبارہ تعمیر کرائی تھی بعد میں سیس کو بازنطینیوں نے فتح کر لیا' اور ابو الفداء جس نے اپنی کتاب ۷۲۱ھ (۱۳۲۱ء) میں لکھی تھی بیان کرتا ہے کہ اس کی فصیل ارمینیہ خورد کے بادشاہ لیو ثانی (ابن لاوُون) المقلب بہ اعظم نے حال ہی میں دوبارہ تعمیر کرائی ہے۔ اس کا محل جس کے گرد تہری دیواریں تھیں پہاڑی کی چوٹی پر واقع تھا' اور اس کے باغات درجہ بدرجہ نیچے ہو کر دریا کے کنارے تک پہنچتے تھے۔ یہ دریا جیحان کا معاون تھا۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ اس کے زمانہ میں یہ شہر عام طور سے سیس کہلاتا تھا۔

سلطنت ارمینیہ خورد کے مغرب اور شمال کی طرف سلجوقی سلاطین کی عملداری تھی۔ ایشیائے کوچک کی سطحات مرتفع پر ان سلجوقی سلاطین کی حکومت کے ابتدائی سو سال کے اندر تین مرتبہ صلیبی مجاہدوں کی فوجیں ان قطعات پر سے گزریں پہلی صلیبی جنگ کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۴۹۰ھ (۱۰۹۷ء) میں قلیج ارسلان اول کو جو اس سلطنت کے بانی سلطان سلیمان کا بیٹا تھا نِقیَہ چھوڑنا پڑا' اور صلیبی مجاہدوں کا جم غفیر قونیہ کے پاس سے گزرتا ہوا طرسوس پہنچ کر سمندر کے کنارے آ گیا' اور یہاں سے جہازوں میں سوار ہو کر فلسطین چلا گیا۔ دوسرے صلیبی جنگ میں قلیج ارسلان کے بیٹے سلطان مسعود کو دریائے میانڈر کے کنارے لوئی ہفتم شاہ فرانس نے ۵۴۲ھ (۱۱۴۷ء) میں شکست دی' اس کے بعد فرنگ قوم کی فوجوں کو اَفطالیہ کے بندرگاہ تک پہنچنے میں کوہستانی زمین پر شدید نقصان اٹھانے پڑے۔

باب سوم

روم (جاری)

دس ترکمانی امارتیں۔ ابن بطوطہ اور مستوفی۔ قیساریہ اور سیواس۔ میسوپوٹیمیا کا سلطان۔ امیر قرمان، قونیہ۔ امیر تکہ، علایا اور انطالیہ۔ امیر حمید، اگردور۔ امیر گرمیان، کتاھیہ اور سیوری حصار۔ امیر منتیشا، میلاس۔ امیر آیدین۔ افسس اور ازمیر۔ امیر صاروخان، مغنیسیا۔ امیر قراسی، پرگموس۔ عثمانی ترکوں کا علاقہ، بروصہ۔ امیر قزل احمدلی: سنوب۔

آٹھویں (چودھویں) صدی میں ترکمانی امرا کی دس ریاستوں کے حدود ذیل کے قدیم یونانی صوبوں کی حدود سے جن میں ایشیائے کوچک کسی زمانے میں تقسیم ہوا تھا تقریباً مطابق ہوتی ہیں:- (۱) قرامان یا قرمان کی ریاست، جو وسعت میں سب سے زیادہ تھی، پرانے یونانی صوبے لیکونیا (Lyconia) کے مطابق ہوتی تھی (۲) بحیرۂ روم کے ساحل پر تکہ کی ریاست میں یونانیوں کے صوبہ جات لیکیا (Lycia) اور پمفیلیا (Pamphylia) شامل تھے؛ (۳) اندرون ملک کی ریاست حمید کے حدود پیسیدیا یا (Pisidia) اور ایسوریا (Isauria) کے پرانے یونانی صوبوں سے مطابق ہوتے تھے؛ (۴) گرمیان یا کرمیان پرانا صوبہ فریگیا (Phrygia) تھا (۵) بحیرۂ اسود کے کنارے قزل احمدلی جسے کبھی اسفندیار بھی کہتے تھے، پرانا یونانی صوبہ پفلگونیا (Paphlagonia) تھا (۶) بحیرۂ ایجین کے کنارے منتیشا قدیم صوبۂ کاریا (Caria) سے مطابق ہوتا ہے۔ (۷-۸) آیدین اور

اپنے نام پر قائم کیا۔ یہاں جہاز بنانے کے سامان اور اسی قسم کی دیگر مصنوعات کے نشانات جن کا تعلق سلجوقیوں کی عظیم الشان بحری قوت سے تھا اب تک نظر آتے ہیں۔ سلطان علاء الدین نے شمال مغرب میں اپنی سلطنت کو صابرِ ی بولی کے شہر تک بڑھایا۔ اسی سلطان کے دورِ حکومت کو حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف سے شہرت ہوئی۔ قونیہ میں اُن کی زندگی بسر ہوئی اور اسی شہر میں ان کا انتقال ہوا۔ سلطان علاء الدین نے ۶۳۴ھ (۱۲۳۷ء) میں وفات پائی، اور اس کے بیس برس بعد مغلوں کی فوجوں نے سلجوقیوں کی قوت توڑ دی۔ سلاطین سلجوق کے سلسلہ کے آخری چار آدمی بادشاہ نہ تھے، بلکہ ایران کے ایل خانیوں کے ماتحت صوبہ داروں کی حیثیت رکھتے تھے۔ آخرکار ۷۰۰ھ (۱۳۰۰ء) میں روم کا صوبہ دس ترکمان امیروں میں، جو کسی زمانہ میں سلجوقیوں کے باجگذار تھے تقسیم ہو گیا[1]۔

---

[1] بلاذری ص ۱۷۰ + یاقوت ج ۲ ص ۲۱۷ + ابوالفدا ص ۲۵۷ + ابن بی بی ص ۵ + جہان نما ص ۶۲۱، ۶۲۲ + ادریسی نے اپنی کتاب ۵۴۸ھ (۱۱۵۳ء) میں لکھی ہے اور خود اسی کا بیان ہے کہ وہ عموریہ آیا تھا (جوبرٹ ج ۲ ص ۳۰۰) اور سات سونے والوں (اصحاب کہف) کا غار اس نے دیکھا تھا۔ صرف ادریسی ایک ایسا مسلمان جغرافیہ نویس ہے کہ جس نے ایشیائے کوچک کا حال سلجوقیوں کے عہد کا لکھا ہے۔ مگر دقت یہ ہے کہ اس کی کتاب ہم تک بہت غلطیوں کے ساتھ پہنچی ہے۔ اس نے بہت سے راستے بیان کئے ہیں جو ایشیائے کوچک میں مختلف سمتوں کو گئے تھے؛ لیکن ان کا نقشہ بنانا نہایت مشکل ہے۔ یہ راستے جن مقامات سے شروع ہوئے ہیں، اور جہاں جہاں ختم ہوئے ہیں ان مقامات کے ناموں میں کسی طرح کا کلام نہیں ہے لیکن بیچ کے مقامات اکثر ایسے ہیں جو بالکل نہیں پہچانے جاتے (ادریسی ج ۲ ص ۳۰۵ - ۳۱۸) + سلجوقی سلطنت کی حدود کا پورا پتہ پروفیسر ریمسے نے لگایا ہے (اس کی کتاب ص ۸۷، ۲۴۲، ۳۸۴) + سلجوقیوں کی جامع مسجدوں اور دوسری عمارتوں کا حال (M. C. Huart) کے اُس سلسلۂ مضامین میں ملے گا جو (Epigraphie Arabes d' Asia Mineur) کے عنوان سے (Revue Semitique) (۱۸۹۴ء ص ۶۱، ۱۲۰، ۲۳۵، ۳۲۴ اور ۱۸۹۵ء ص ۷۱، ۱۷۵، ۲۱۴، ۳۴۴) میں اور جرنل ایشیاٹک (۱۹۰۱ء ج ۱ ص ۳۴۳) میں شائع ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ (M. F. Grenard نے بھی جرنل ایشیاٹک (۱۹۰۰ء ج ۲ ص ۴۵۱) میں (Monuments Seljoukides de Sivaset) کے عنوان سے شائع کیا ہے + علاوہ بریں دیکھو پروفیسر ریمسے کا مضمون اور اس پر Sir W. Wilson اور دوسرے مصنفوں کے حاشئے (جیاگرفیکل جرنل ستمبر ۱۹۰۲ء ص ۲۵۷) +

(۱۴۴)

اُس کا گزر ہوتا ہے - ابن بطوطہ نے جو حالات یہاں کے شہروں کے لکھے ہیں، اُس پر اُس کے ہمعصر مستوفی نے اپنے جغرافیہ میں جہاں روم کا حال لکھا ہے کچھ حالات اپنی طرف سے اضافہ کئے ہیں - مستوفی جس نے اپنا جغرافیہ سنہ ۷۴۰ھ (سنہ ۱۳۴۰ء) میں لکھا تھا، گو پرانے مصنفوں کی کتابوں کو کام میں لایا ہے، لیکن اُس کے بیانات سے روم کی اُس حالت کا علم جو دس ترکمانی امرا کے زمانہ میں رہی تھی اس قدر نہیں ہوتا، جس قدر کہ آخری سلاطین سلجوق کے زمانہ کی حالت کا ہوتا ہے -

نویں (پندرھویں) صدی کے شروع میں تیمور کے حملے نے ایشیائے کوچک میں معاملات کی صورت کو چند روزہ مدت کے لئے بدل دیا، اور عثمانی ترکوں کی طاقت کو، جو ترقی پر تھی، آئندہ پچیس برس تک روک کے رکھا - تیمور کی لڑائیوں کے حالات سے، جو علی یزدی نے لکھے ہیں، ہمارے علم میں کسی قدر اضافہ ہوتا ہے؛ مزید حالات ترکی زبان کے جغرافیہ "جہان نما" میں بھی بیان ہوئے ہیں - یہ کتاب اگرچہ گیارھویں (سترھویں) میں اُس وقت لکھی گئی تھی جب کہ ایشیائے کوچک میں عثمانی ترکوں کی طاقت کو استحکام حاصل کئے ایک مدت گزر گئی تھی لیکن مصنف نے اُن یادگاروں کا بھی ذکر کیا ہے جو سلجوقی سلاطین چھوڑ گئے تھے -

ترکمانی امارتوں کے دس صوبوں کا، جن کے نام اوپر بیان کرلوئے گئے ہیں، ذکر کرنے سے پیشتر بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اُن شہروں کا کچھ حال بیان کر دیا جائے جو قرامان کی سرحد سے شرق کی طرف واقع ہیں - یہ سرحد دریائے الِس (Halys) (جسے ترک قِزِل اِرماق کہتے ہیں) کے زیرین گذرگاہ اور اسی سلسلے میں اُس خط سے قائم ہوئی تھی جو جنوب کی طرف خارج ہو کر دریائے جَیحان تک آتا تھا - اس سرحد کے شرق میں ایشیائے کوچک کا علاقہ آٹھویں (چودھویں) صدی میں ایل خانی شاہان مغل کے قبضے میں تھا جو میسوپوٹیمیا اور ایران پر حکمران تھے، اور اس علاقے میں اپنے حاکم اس غرض سے بھیجا کرتے تھے کہ ترکمانوں کے چھوٹے چھوٹے خانہ بدوش جرگوں میں، جو مغلوں کی یورش عظیم کے بعد

قَماد دغان کی ریاستیں مل کر قدیم لیڈیا (Lydia) کی عملداری کے حدود سے مطابق ہو جاتی ہیں۔ (۹) قراسی پرانا صوبہ میسیا (Mysia) تھا، (۱۰) اس شہزادہ سے آخر عثمانی ترکوں کی ریاست (یعنی اُن عثمانی ترکوں کی ریاست جنھوں نے آخر کار باقی نو ترکمانی ریاستوں کو فتح کر لیا) ابتدا میں فریگیا ایپک تیتوس (Phrygia Epietetus) کے پرانے مختصر سے صوبے پر مشتمل تھی (جس کی نسبت بِیتھیا (Bythia) کی وہ سطحات مرتفع تھیں جن کو حال میں عثمانی ترکوں نے بازنطینی حکومت سے فتح کر لیا تھا۔

ان ترکمانی امرا کی حکومت میں ایشیائے کوچک کے حالات کے متعلق ابن بطوطہ کے سفرنامے میں عجیب وغریب حالات ملتے ہیں۔ یہ مشہور بربری سیاح شام سے روانہ ہو کر ۷۳۳ھ (۱۳۳۳ء) میں علایا کے بندرگاہ میں اترا، اور یہاں سے سِنُوب کی طرف سفر کرنے میں مختلف چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں ٹھیرا۔ سِنُوب سے جہاز پر سوار ہو کر بحیرۂ اسود کو عبور کر کے وہ کریمیا پہنچا۔ لیکن یہ امر قابل افسوس ہے کہ اس کے سفرنامے کا ایک حصہ معلوم ہوتا ہے کہ گم ہو گیا۔ علایا سے وہ سمندر کے کنارے کنارے انطالیہ گیا، اور پھر شمال کا رخ کر کے، پہاڑیوں میں سے ہوتا ہوا، ریاست حمید کے شہر اگردور[1] میں پہنچا، جو اُسی نام کی جھیل کے کنارے واقع تھا؛ یہاں سے بڑے چکر کے راستے سے لاذِق (Laodicea ad Lycum) ہوتا ہوا ریاست منتیشا کے شہر میلاس میں آیا اور پھر ایشیائے کوچک کو ترچھا طے کرتا اور قُونیہ اور قیسارِیہ سے ہوتا ہوا سِیواس اور آرزن الرّوم پہنچا، اور اب اُس کے سفرنامے میں ایک کھانچا پڑتا ہے۔ کیونکہ اس کے بعد جس شہر کا ذکر اس نے کیا ہے، وہ ریاست آیدِین کا شہر بِرکی ہے، جس کے بعد وہ آیا سلوق (Ephesus) گیا، اور آخر کار شمال اور مشرق کی سمتوں میں سفر کر کے بحیرۂ اسود کے کنارے سِنُوب پہنچنے کے لئے راستے میں بُورصہ اور اور شہروں سے

[1] رحلۂ ابن بطوطہ (جلد ۲ صفحہ ۲۶۶) میں اس شہر کا نام اَکرِدُور لکھا ہے۔ مترجم۔

قرمان کے شہروں میں شمار کیا ہے ۔ آماسیہ یا اَماصیہ (Amasia) سلجوقیوں کی حکومت کے جہاں اور مستقر تھے اُن ہی میں یہ بھی ایک تھا مستوفی لکھتا ہے کہ سلطان علاء الدین نے اسے دوبارہ تعمیر کرایا تھا۔ ابن بطوطہ جو یہاں سے گزرا تھا، کہتا ہے کہ آماسیہ چوڑی چکلی سڑکوں اور خوبصورت بازاروں کا ایک بڑا شہر تھا، وہ عالیشان باغوں سے گھرا ہوا تھا جن کو سیراب کرنے کے لئے دریا کے کنارے رہٹ [النواعیر] لگے ہوئے تھے۔ اُس کے زمانے میں وہ میسوپوٹیمیا کے سلطان کے قبضے میں تھا۔ اس کے قریب سُونسیٰ کا شہر تھا (جسے جہاں نما میں صُونی سا لکھا ہے) جہاں بڑے غالی شیعہ آباد تھے ۔ آماسیہ کے شمال میں لاذِق (Loadicea Pontica) کا شہر تھا۔ یہ مقام سلجوقی عہد میں بہت بڑا سمجھا جاتا تھا، اور ابن بی بی کی کتاب میں اکثر جگہ اس کا تذکرہ ہوا ہے۔ بندرگاہ سمسُون (یا صامِصُون، یونانی: (Amysos)، کے بیان میں مستوفی لکھتا ہے کہ وہ جہازوں کا بڑا لنگر گاہ تھا، آٹھویں (چودھویں) صدی کے اواخر میں سنوب یا صِنُوب (Sinope) کے پرانے بندرگاہ سے تجارت کا رخ بدل جانے کی وجہ سے سمسون کی دولت میں اضافہ ہوا تھا۔[1]

نِیکسار یا نکی سار (یونانی (Neo-Caesarae) بھی سلجوقیوں کے عہد کا ایک بڑا شہر تھا، اور ابن بی بی نے اکثر جگہ اس کا تذکرہ کیا ہے؛ مستوفی نے اسے اوسط درجے کی وسعت کا شہر بتلایا ہے جہاں بہت سے باغات تھے، جن میں میوہ بکثرت پیدا ہوتا تھا۔ توقات یا دُوقاط نیکسار کے مغرب میں اماسیہ کی سڑک پر واقع تھا، اور سلجوقیوں کے تحت میں وہ ایک بڑی حکومت تھا۔ توقات سے مغرب میں زِیلہ کا شہر تھا، جس کا ذکر ابن بی بی اور اُس کے بعد کے جغرافیہ نویسوں نے کیا ہے۔ سیواس

---

[1] قزوینی ج ۲ - ص ۳۷۱ + ابن بطوطہ ج ۲ - ص ۲۸۷، ۲۹۳، ۲۹۴ + ابن بی بی ص ۴۶، ۳۰۸ مستوفی ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴ + علی یزدی ج ۲ - ص ۲۷۰، ۴۱۶، ۴۱۷ + جہاں نما ص ۵۹۹، ۶۱۵، ۶۲۰، ۶۲۲، ۶۲۳ +

بکثرت وہاں آباد ہو گئے تھے، امن وامان قائم رکھیں۔ قرامان کی سرحد کے مشرقی جانب سب سے بڑا شہر قَیْصَرِیَّہ تھا (جسے قَیسادِیہ، یعنی کپاڈوسیا (Cappadocia) کا سیزاریا مزاکا (Caesarea Mazaka) بھی لکھا جاتا ہے) یہ شہر سلجوقیوں کے عہد میں روم کا دوسرے درجے کا شہر تھا؛ اور قزوینی نے تو اسے سلجوقیوں کا دارالسلطنت ہی بتلایا ہے۔ یہاں منجملہ دیگر عمارات کے وہ جامع مسجد بھی نظر آتی تھی؛ جو عہد بنی امیہ کے مشہور سپہ سالار البَطّال کے نام پر تعمیر ہوئی تھی۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ قیصریہ کے گرد سلطان علاء الدین سلجوقی کی تعمیر کردہ ایک سنگ بستہ فصیل تھی؛ یہ ایک بڑا شہر مع قلعہ کے تھا اور کوہ آرجائِش (Argaeus) کے نیچے واقع تھا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ کوہ آرجائش ایک بہت ہی بلند پہاڑ تھا، اس کی چوٹی ہمیشہ برف سے ڈھکی رہتی تھی، اور اس سے بہت سے دریا نکلتے تھے۔ اس پہاڑ کے نیچے دَوَلُوْ نام کا ایک شہر تھا، جس کا ذکر آگے آئیگا۔ پہاڑ کی چوٹی پر ایک بڑا گرجا تھا۔ قیصریہ میں حضرت محمد ابن الحنفیہ رضی اللہ عنہ کی ایک زیارت تھی؛ جس کا لوگ بہت احترام کرتے تھے۔ جب ابن بطوطہ قیسارِیَہ (اس نے یہ نام اسی طرح لکھا ہے) پہنچا تھا تو شہر میں ایک بڑی فوج موجود تھی، جسے عراق کے مغل بادشاہ سے تنخواہ ملتی تھی۔ نویں (پندرھویں) صدی کے اوائل میں قَیصَرِیَّہ ایشیائے کوچک کے بڑے شہروں میں سے پہلا شہر تھا جس پر تیمور کی فوجوں نے قبضہ کیا تھا۔

(۱۴۶)

اَبْلُسْتان، (Arabissus) قَیصَرِیہ کے مشرق میں، بازنطینی زمانے میں سرحدی قلعہ تھا۔ اس کا ذکر تیمور کی فتوحات میں بھی آتا ہے۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ اَبْلُسْتان ایک اوسط درجہ کی وسعت کا شہر تھا۔ جہان نما میں اس کا موجودہ املا اَبْلَستان (باغ کے معنوں میں) لکھا ہے۔ قیر شہر (بازنطینی شہر جسٹی نیانوپولس مُوکیسُوس (Justinianopolis Mokissus) بہت بڑا شہر تھا، اس کا ذکر تیمور کی لڑائیوں میں اکثر آیا ہے۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ قیر شہر ایک بڑا شہر تھا، جس کی عمارات خوشنما تھیں؛ جہان نما کے مصنف نے اسے

(۱۴۸) قرمان یا قرامان کی ریاست دس ترکمانی ریاستوں میں سب سے بڑی تھی۔ اس کا نام ترکمانی قبیلۂ قرامان پر، جو اس علاقے میں آباد ہوا تھا، مشہور ہو گیا تھا۔ قرامان کا پائے تخت لارندہ تھا؛ مگر لارندہ اکثر صوبے کے نام پر قرامان بھی کہلاتا تھا۔ یہ شہر بازنطینیوں کے زمانے سے چلا آتا تھا۔ ابن بطوطہ، جو آٹھویں (چودھویں) صدی میں یہاں آیا تھا، اور جس نے اس کا نام اَللارَندہ لکھا ہے، کہتا ہے کہ وہ خوشنما شہر ہے اور باغوں کے بیچ میں واقع ہے، پانی یہاں بکثرت موجود ہے۔ اسی آٹھویں (چودھویں) صدی کے آخر میں تیمور کی فوجوں نے اس شہر کو فتح کر کے لوٹا۔ لیکن اس کے بعد پھر اُسے اپنا پرانا عروج حاصل ہو گیا۔ لارندہ کے جنوب میں اَرْمَناک ہے، جس کے متعلق مستوفی کہتا ہے کہ پہلے کسی زمانے میں وہ بڑا شہر تھا، لیکن آٹھویں (چودھویں) صدی میں اُس کی حالت صوبے کے ایک معمولی شہر کی سی تھی۔ جہان نما کے مصنف نے لارندہ اور سَلَفْکَہ کا ذکر کیا ہے۔ سَلَفْکَہ وہی مقام ہے جسے کسی زمانے میں عربی میں سَلُوقِیَہ (یونانی: (Selucia of Cilicia)) کہتے تھے۔ عثمانی ترکوں کی حکومت کے دوران میں یہ تمام مقامات ولایت اِیچ اِیلی (ترکی میں اس کے معنی "اندرون ملک" کے ہیں) میں شمار ہوتے تھے۔ لیکن یہ صوبہ ساحل سمندر سے ملحق واقع ہے، اور "اندرون ملک" کا اطلاق اس پر نہیں ہو سکتا؛ اس لئے یہ کہا جاتا ہے کہ درحقیقت اِیچ اِیلی پرانے یونانی نام کلی کیا (Cilicia) کی ایک مختصر اور بگڑی ہوئی شکل ہے۔

قُونِیَہ (Inconium) جیسا کہ اوپر بیان ہوا، سلجوقیوں کا دارالسلطنت تھا، لیکن امرائے قرامان کے عہد میں وہ دوسرے درجے کا شہر ہو گیا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ اس شہر میں ایک بڑا ایوان تھا، جسے سلطان قلج ارسلان نے تیار کرایا تھا۔ اسی سلطان نے یہاں کے قلعے کی بھی بنیاد رکھی تھی۔ اس کے بعد سلطان علاء الدین نے اس شہر کی فصیل کو یا تو خود تعمیر کرایا، یا اُس کی مرمت کرائی، اور اُس کو تراشیدہ پتھروں کا بنوایا۔ فصیل کی بلندی

(یونانی: Sebastia) کا شہر قزل ازماق (R. Halys) کے کنارے واقع تھا۔ سلطان علاء الدین نے اُسے دوبارہ تعمیر کرایا تھا، اور اس میں نئی سنگین عمارتیں بنوائی تھیں جو تراشیدہ اور صاف کئے ہوئے پتھر کی تھیں۔ مستوفی لکھتا ہے کہ یہ مقام اونی کپڑوں کے لئے مشہور تھا، جو کثرت سے باہر بھیجے جاتے تھے۔ یہاں کی آب و ہوا سرد تھی، لیکن روئی یہاں بوئی جاتی تھی، اور غلہ بھی بکثرت پیدا ہوتا تھا۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ سیواس اُس صوبے کا، جس میں میسوپوٹیمیا کا سلطان حکومت کرتا تھا، سب سے بڑا شہر تھا۔ یہاں ایک دارالامارت تھا۔ سڑکیں اور بازار بہت عمدہ تھے؛ ایک مدرسہ (کالج) بھی تھا۔[۲]

مستوفی نے اُس بڑی سڑک کا حال لکھا ہے جو سیواس سے مشرق[۱] میں ایران کو جاتی تھی۔ سیواس سے دو منزل آگے تمارہ کا شہر آتا تھا جو خاصا بڑا شہر تھا۔ اور اس سے دو منزل آگے آق شہر (سفید شہر) تھا، جس کا ذکر سلجوقیوں کی تاریخ میں اکثر آتا ہے؛ آق شہر کے شمال مغرب میں قراحصار (کالا قلعہ) ہے؛ اس کا ذکر ابن بی بی نے کیا ہے؛ اور اسے قراحصار دولہ (سلطنت کا کالا قلعہ) لکھا ہے، تاکہ اُسے اُسی کے نام کے دوسرے مقامات سے ممیز کیا جا سکے۔ قراحصار کا تذکرہ مستوفی نے بھی کیا ہے۔ مصنف جہان نما نے اسے قراحصار شابین لکھا ہے کیونکہ اس کے قریب پھٹکری (شاب) کی کانیں واقع تھیں۔ آق شہر سے ایران کو جانے والی سڑک تین منزل آگے آذربیجان پہنچتی تھی، اور اس مقام سے تین منزل کے فاصلے پر خنوس آتا تھا، جسے ابن بی بی نے خونوس لکھا ہے، اور آج کل اُس کو خنس کہا جاتا ہے۔ اس سے دس فرسخ آگے ملاسجرد (یا منازکرت) تھا۔ یہاں سے آٹھ فرسخ آگے جھیل وان کے کنارے آذجیش کا شہر واقع تھا۔[۲]

---

[۱] انگریزی کتاب میں مغرب لکھا ہے لیکن نقشے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سڑک سیواس سے مشرق میں ایران کو گئی تھی انگریزی کتاب کے ص ۱۵۸ میں مشرق ہی لکھا ہے۔

[۲] ابن بی بی ص ۲۶، ۲۹۲، ۳۰۸+ ابن بطوطہ ج ۲ ص ۲۸۹+ مستوفی ص ۱۶۱، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۹۹+ جہان نما ص ۶۲۲، ۶۲۲، ۶۲۴۔

جہاں نما میں اکثر آتا ہے۔ قونیہ کے شمال میں لاذق سوختہ (Loadicia Cumbusta یونانی Katakekaumena) تھا۔ ابن بی بی نے اسے قونیۂ لاذق لکھا ہے، تاکہ لاذق نام کے دوسرے شہروں مثلاً (Loadicia) لاؤڈیکا پونٹیکا (Pontica) اور لاؤڈیکا ایڈ لیکم (Loadicea ad Lycum) سے ممیز کیا جا سکے۔ جہاں نما میں لاذق سوختہ کو یُرکان لاذق لکھا ہے؛ اسی شہر کو لاذِقیہ قرامان بھی کہتے ہیں۔[۱]

صوبۂ قرمان کے شمالی حصے میں انگورا (یونانی انکیرا= Ancyra) ہے، جس کا املا اِ نے جغرافیہ نویسوں نے آنقرہ، اور بعد کے ایرانی اور ترکی مصنفوں نے آنگوریہ لکھا ہے۔ مستوفی لکھتا ہے کہ اس شہر کی آب و ہوا سرد ہے؛ اس کے قرب و جوار میں غلہ، روئی اور میوہ بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ تاریخ میں یہ مقام اس لئے مشہور ہے کہ یہاں تیمور نے ۸۰۴ھ (۱۴۰۲ء) میں عثمانی سلطان بایزید یلدرم کو لڑائی میں شکست دی تھی، اور اُسے گرفتار کر لیا تھا۔ کوش حصار یا کوچ حصار کا شہر جو بڑی کھاری جھیل کے مشرقی کنارے پر ہے، اُس کو مستوفی نے، وسعت کے لحاظ سے بیچ کے درجے کا شہر لکھا ہے، اور جہاں نما میں بھی اس کا ذکر آتا ہے۔ اسی جھیل کے جنوبی سرے پر مشرق میں کچھ فاصلے سے آق سرای (سفید محل) کا شہر ہے، جسے سلطان قلیج ارسلان دوم نے ۵۶۶ھ (۱۱۷۱ء) میں تعمیر کرایا تھا۔ مستوفی نے اُسے ایک خوبصورت شہر لکھا ہے، جس کے گرد کی زمینیں زرخیز ہیں۔ آق سَرا (جیسا کہ ابن بطوطہ نے اُس کا املا لکھا ہے) تین دریاؤں کے کناروں پر واقع تھا۔ اُس کے باغات بہت بڑے عالیشان تھے۔ شہر پناہ کے اندر متعدد تاکستان تھے۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں شہر کے لوگ اپنی بھیڑوں کے اون سے خوبصورت قالین تیار کرتے تھے، اور

(۱۵۰)

---

[۱] ابن بطوطہ ج ۲ ص ۲۸۱، ۲۸۴ + مستوفی ص ۱۶۲، ۱۶۳ + علی یزدی ج ۲ ص ۴۵۸ + جہاں نما ص ۶۱۱، ۶۱۵، ۶۱۶ + ابن بی بی ص ۸، ۹، ۲۸۷، ۲۳۴ +

(۳۰) ذرع تھی، اور اس کے گرد بیس ذرع گہری ایک خندق تھی۔ فصیل کا دور (۱۰۰۰۰) قدم کا تھا، اور اس میں بارہ دروازے تھے، جس پر بڑے مستحکم برج بنے ہوئے تھے۔ قریب کی ایک پہاڑی سے پانی شہر میں لایا جاتا تھا، اور شہر کے قریب ایک بڑے پختہ تالاب میں جس پر ایک گنبد تھا جمع کیا جاتا تھا؛ اور سوتائیوں کے ذریعے اس تالاب سے پانی شہر میں پہنچتا تھا۔ قونیہ کے قرب وجوار کے باغات مشہور تھے، اور ان کی ناشپاتیوں کی خاص کر بہت شہرت تھی۔ غلہ اور روئی شہر کے گرد کے کھیتوں میں بکثرت پیدا ہوتا تھا۔

مستوفی لکھتا ہے کہ اس زمانے میں قونیہ کا اکثر حصہ برباد ہو چکا تھا، لیکن شہر کے باہر کی آبادی، جو قلعے کے بالکل نیچے تھی، خوب معمور تھی۔ قونیہ میں جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے، صوفی شاعر، حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کا مقبرہ تھا، اور اس کی زیارت کے لئے لوگ بکثرت آتے تھے۔ ابن بطوطہ نے بھی اس مزار کا ذکر کیا ہے، اور شہر کی خوبصورت عمارتوں اور اس میں پانی کی کثرت کی تعریف کی ہے۔ اس نے یہاں کے باغوں اور میووں میں زرد آلو کا ذکر کیا ہے، جسے قمر الدین کہتے تھے۔ یہ میوہ شام کے ملک کو بکثرت بھیجا جاتا تھا۔ شہر کی سڑکیں چوڑی چکلی تھیں، اور بازاروں میں سامان تجارت کی بہتات تھی۔ ہر قسم کے سامان تجارت کے بازار الگ الگ تھے۔ ابن بی بی نے اپنی سلجوقی تاریخ میں قونیہ کے تین دروازوں کے نام لکھے ہیں، یعنی: باب بازار اسپ، باب دار الضرب، اور باب پل احمد۔

(۳۹)

قونیہ کا قلعہ قراحصار، قونیہ سے ذرا فاصلے پر مشرق کی طرف واقع ہے۔ مستوفی نے اس کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ اسے بہرام شاہ نامی کسی شخص نے بنوایا تھا۔ قراحصار سے ذرا آگے بڑھ کر ہرقلہ (Heraclea) آتا ہے؛ یہی نام بعد کے زمانے میں آق کلیسہ ہو گیا، اور اس کا ذکر

لہ ابن بطوطہ (ج ۲۔ صفحہ ۲۸۱):۔ المشمش۔ مترجم)۔

چھوٹا سا شہر ہے، جس کے گرد عمدہ چراگاہیں ہیں۔ یہاں کی آب و ہوا سرد تھی، اور قریب ہی مشہور شکارگاہ تھے[۱]۔

امیر تکّہ کی عملداری میں معلوم ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ مشہور شہر عَلایا اور اَنطالیہ تھے۔ یہ دونوں اپنے بندرگاہوں کی وجہ سے مشہور تھے۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ علایا کو سلطان علاء الدین سلجوقی نے قدیم شہر کوراکاسیم (Coracasium) کے ویرانے پر بنایا تھا۔ ابن بطوطہ شام سے چل کر ۷۳۳ھ (۱۳۳۳ء) میں اس بندرگاہ میں اترا تھا۔ اُس نے لکھا ہے کہ علایا اُس زمانے میں اسکندریہ سے تجارت کرنے کا بڑا بندرگاہ تھا۔ شہر کے بالائی حصے میں علاء الدین سلجوقی کا بنایا ہوا بہت مضبوط قلعہ تھا، جسے ابن بطوطہ نے بغور دیکھا تھا؛ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے زمانے میں علایا سلطان قرامان کی عملداری میں شامل تھا۔ (۱۵۱)

دوسرا بندرگاہ اَنطالیہ خلیج کے سرے پر علایا کے مغرب میں ایک سو میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ یہ بندرگاہ اس لئے مشہور تھا کہ صلیبی مجاہدین کو فلسطین جانے کے لئے یہاں پر جہازوں میں سوار ہونا پڑتا تھا۔ یہ ایک خوبصورت شہر تھا، اور یاقوت نے اسے رُوم کا خاص بندرگاہ بتایا ہے، جسے فصیلوں اور موریوں سے بہت مستحکم کر دیا گیا تھا۔ اس کے چاروں طرف زرخیز اراضی اور تاکستان تھے۔ یہاں قلیج ارسلان سلجوقی نے اپنے لئے ایک پہاڑی پر محل بنوایا تھا، جس کے سامنے سمندر تھا۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ انطالیہ میں بہت سے عیسائی سوداگر خصوصًا مینا یا بندرگاہ کے قریب آباد ہو گئے تھے، اور اُن کی آبادی کے گرد ایک دیوار کھینچی گئی تھی، اور بازار میں ہر ایک چیز کی تجارت کے لئے ایک ایک گلی علٰحدہ تھی۔ شہر میں یہودیوں کا بھی

---

[۱] ابن بی بی ص ۵، ۳۴، ۴۴، ۴۷، ۲، ۱۴، ۳ + ابن بطوطہ ج ۲ - ص ۲۹۵، ۲۸۶ + مستوفی ص ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۲۰۲ + یاقوت ج ۴ - ص ۶۳۵ + علی یزدی ج ۲ - ص ۴۲۶، جہان نما ص ۶۱۷، ۶۲۰ +

اور یہ قالین شام، مصر اور میسو پوٹیمیا کو وساور کئے جاتے تھے۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ اُس کے زمانے میں آق سرا میسو پوٹیمیا کے سلطان کی عملداری میں تھا۔

آق سرا سے تقریباً پچاس میل پر مَلَنقُوبِیَہ (مالاکوپیا) (Malacopia) کا شہر ہے۔ اس کے متعلق مستوفی نے لکھا ہے کہ آٹھویں (چودھویں) صدی میں یہ ایک بڑا مقام تھا۔ اس کے شمال میں ایک دوسرا قراحصاد ہے، جس کو مستوفی نے نِگدَہ کے علاقے کا ایک شہر لکھا ہے۔ قراحصار سے مشرق میں دَوَلُو (جہان نما میں یہ نام دَوَہلُو لکھا گیا ہے) کوہ آرجاش کے نیچے واقع ہے؛ اس کا تذکرہ پہلے بھی ہو چکا ہے۔ اس کا ذکر ابن بی بی کی تاریخ میں قیصریہ کے تعلق سے بار بار آیا ہے۔ مستوفی نے دَوَلُو کو اوسط درجے کا شہر لکھا ہے۔ اُس کی فصیل کو علاء الدین سلجوقی نے دوبارہ تعمیر کرایا تھا۔ مَلَنقُوبِیَہ کے جنوب میں نِگدَہ ہے (جسے ابن بی بی نے نکیدہ لکھا ہے) اس شہر کا موقع وہی ہے جہاں کسی زمانے میں طَانَہ آباد تھا۔ نِگدَہ کو سلطان علاء الدین نے دوبارہ تعمیر کرایا تھا۔ مستوفی نے اُس کو ایک اوسط درجے کا شہر لکھا ہے۔ ابن بطوطہ جو یہاں سے گزرا تھا، لکھتا ہے کہ اس شہر کا زیادہ تر حصہ برباد ہو چکا ہے۔ اُس نے یہ بھی لکھا ہے کہ نِگدَہ میسو پوٹیمیا کے سلطان کی عملداری میں تھا۔ اُس کے دریا کا نام نہر الاسود (سیاہ دریا) تھا، جس کو عبور کرنے کے لئے تین سنگین پل تھے۔ نِگدَہ کے باغات بڑے بار آور تھے، اور ان کو پانی دینے کے لئے رہٹوں [النواعیر][1] سے کام لیا جاتا تھا۔ نِگدَہ کے جنوب میں لولوء (Loulon) قلعہ تھا، جس کا ذکر ابن بی بی نے اکثر کیا ہے۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ یہ زبردست قلعہ سیلی شین گیٹس کے شمالی سرے پر واقع تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے لکھا ہے کہ لولوا ایک

---

[1] النواعیر۔ مترجم

بیگ شہر یا بے شہر (بازنطینی: کارالیا = Karallia) اسی نام کی جھیل کے کنارے واقع تھا۔ مصنف جہاں نما نے لکھا ہے کہ اس شہر کی بنیاد سلطان علاء الدین سلجوقی نے ڈالی تھی۔ اس کی شہر پناہ پتھر کی تھی، جس میں دو دروازے تھے۔ شہر میں ایک جامع مسجد اور دو حمام تھے۔ ایک مقام پر جسے اَلْزَغلہ کہتے تھے، ایک بازار بھی تھا۔ اَگِردُوْر کے مغرب میں بُرْدُور کا شہر اسی نام کی جھیل پر واقع تھا۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ یہ ایک چھوٹا سا شہر تھا، جس میں متعدد نہریں اور باغات تھے، اور اس کی حفاظت کے لئے قریب ہی ایک پہاڑی پر قلعہ موجود تھا۔ اِسْپارتہ کی نسبت جو اَگِردُوْر کے مغرب میں تھا، مصنف جہاں نما لکھتا ہے، کہ بعد کے زمانے میں یہ شہر حَمِید کی عملداری کا مستقر حکومت بن گیا۔ ابن بطوطہ نے اس کا نام سَبَرْتا لکھا ہے، اور بیان کیا ہے کہ یہ ایک اچھا بنا ہوا شہر تھا؛ اس میں متعدد باغات تھے، اور حفاظت کے لئے ایک قلعہ بھی تھا۔ یہی وہ شہر ہے جسے بازنطینی بارِس (Baris) کہتے تھے اور آج کل اس کا تلفظ بالعموم سَپارْتا کیا جاتا ہے[1]۔

جھیل آق شہر وہی ہے جسے ابن خُرداذبہ نے بَاسِلِیُون لکھا ہے، اور جسے بازنطینی "چالیس شہیدوں کی جھیل" کہتے تھے۔ اس کے مغرب میں قَراحِصار کا مشہور بڑا قلعہ تھا، جس کا ذکر آق شہر کے تعلق سے تیمور کی فوجی مہمات کے بیان میں اکثر آتا ہے۔ علی یزدی کی تحریر کے مطابق عثمانی ترکوں کا بدقسمت سلطان بایزید یلدرم، جسے تیمور نے انگورہ کی جنگ میں شکست دی تھی، اسی آق شہر میں ۸۰۵ھ (۱۴۰۳ء) میں بحالت اسیری فوت ہوا۔ مستوفی نے اسی قَراحِصار اور اسی آق شہر کا ذکر انہیں ناموں کے دوسرے مشہور مقامات کے تعلق سے کیا ہے۔ چونکہ قَراحِصار کے گرد کی زمینوں میں

---

[1] سَبَرْتا یا اسپارتا در حقیقت یونانی نام اَیس بارِ دیا کی بگڑی ہوئی شکل ہے! آئندہ صفحات پر اِزْ مِید (Nicomedia) اور اِزْنِیق (Nicaea) کے ناموں کے متعلق دیکھو حاشیہ صفحہ حاشیہ ۱۵۷+

ایک محلہ تھا؛ مسلمان اپنے حصے میں رہتے تھے، اور اسی حصے میں اُن کی مسجد اور مدرسہ (کالج) تھا۔ اَنطالیہ کا نام صلیبی جنگوں کی تاریخوں میں سٹالیا (Satalia) یا اٹالیا (Attaleia) آتا ہے؛ اور تیمور کی لڑائیوں کے حالات میں اسے عَدَالیہ لکھا ہے۔ علی یزدی لکھتا ہے کہ انطالیہ کے مغرب میں اِستانُوس کا شہر تھا، جہاں نما میں اس شہر کا نام اِسْتناز لکھا ہے[1]

تِلّہ کے شمال میں حَمِید کا امیر اُس علاقے کا مالک تھا جو اَگرِدُور، بُرْدُور، بیگ شہر اور آق شہر کی چار جھیلوں کے گرد واقع تھا۔ ابن بی بی کی تحریر کے مطابق سلجوقیوں کے عہد میں اس علاقے کا مستقر حکومت بُرغلُو تھا۔ یہ شہر غالباً وہی تھا جسے بعد میں اُولُوبُرلُو کہنے لگے۔ اُولُوبُرلُو جھیل اگردُور کے مغرب میں ہے اس کا بازنطینی نام سوزوپولس (Sozopolis) یا اپولونیا (Appolonia) تھا۔ انطاکیہ (Antioch of Pisidia) کا نام ابتدائی اسلامی تاریخوں میں کثرت سے آتا ہے۔ ترکوں کے زمانے میں اس کا نام یَلاوَاج ہو گیا۔ یہ شہر اِگرِدُور اور آق شہر کی جھیلوں کے درمیانی میدان میں واقع تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے نصف میں مستوفی کے بیان کے مطابق صوبہ حَمِید کا مستقر حکومت اگرِدُور (قدیم Prostanna) تھا، اور وہ اسی نام کی جھیل کے جنوبی سرے پر واقع تھا؛ ابن بطوطہ نے اسے بڑا شہر لکھا ہے جس کی عمارتیں خوشنما اور مضبوط تھیں، بازار عمدہ تھے، اور شہر نہایت شاداب باغات سے گھرا ہوا تھا۔ ابن بطوطہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ جھیل پر سوداگروں کی کشتیاں چلتی تھیں، اور سوداگر اس ذریعے سے مال تجارت قرب وجوار کے شہروں میں لے جاتے تھے، اور اُن شہروں سے تجارت کرتے تھے جو جھیل آق شہر اور جھیل بیگ شہر کے کنارے واقع تھے۔ (۱۵۲)

[1] عہد جدید میں اٹالیہ (Attalia) ہے (دیکھو افعال باب ۱۴۔ آیت ۲۵) + یاقوت ج ۱۔ ص ۳۰۸ + ابن بطوطہ ج ۲ ص ۲۵۷، ۲۵۸ + جہاں نما ص ۶۱۱، ۶۳۸، ۶۳۹ + علی یزدی ج ۲۔ ص ۴۴۷، ۴۴۹ +

لیکن پرانا بازنطینی شہر کوٹیلیم، ضرور پہلے ہی برباد ہو چکا ہوگا، کیونکہ مصنف جہان نما کی تحریر کے مطابق زمانۂ وسطیٰ کے شہر کوتاھیہ کی بنیاد گرمیان کے سلطان نے ڈالی تھی۔ ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ یہاں رہزن اور قزاق بستے تھے۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے آخر میں تیمور کی فوجی مہموں کی تاریخ میں اس شہر کا ذکر آتا ہے، اور چند روز کے لئے تیمور نے اسے اپنا صدر مقام بھی بنا لیا تھا۔ کوتاھیہ سے سو میل مشرق میں دریائے ساغری (Sangarius) کے بالائی معاون دریاؤں کے قریب سیوری حصار کا بڑا قلعہ تھا۔ اسے بھی تیمور نے چند روز کے لئے اپنا صدر مقام بنایا تھا۔ ترکی زبان میں سیوری حصار کے معنے "نوکدار قلعہ" ہیں؛ (قزوینی نے اسے سبزی حصار لکھا ہے)۔ یہ قلعہ اس جگہ سے کسی قدر دور شمال میں واقع ہے، جہاں کسی زمانے میں رومی شہر پیسی نوس (Pessinus) واقع تھا، جس کا نام بعد میں بدل کر جسٹی نیانوپولس پے لیا (Justinianopolis Palia) ہو گیا۔ قزوینی نے لکھا ہے کہ ساتویں (تیرھویں) صدی میں یہاں ایک مشہور گرجا تھا، جس کا نام بیت آلکھنانوس تھا۔ مویشی جن کو حبس بول کا مرض اٹھتا تھا اگر سات بار اس گرجا کے گرد پھرائے جاتے تھے تو بول اتر آتا تھا، اور وہ تندرست ہو جاتے تھے۔

سیوری حصار کے جنوب میں عموریہ (موجودہ آسنر قلعہ) تھا جس کا ذکر ہو چکا ہے۔ مستوفی نے اس کا حال اس طرح لکھا ہے کہ گویا آٹھویں (چودھویں) صدی میں بھی وہ ایک بڑا شہر چلا آتا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ کسی وجہ سے جس کا حال معلوم نہیں، عوام الناس اسے انگوریہ یا انگورہ کہتے تھے؛ اور اسی عجیب غلط نام کا جہان نما میں اعادہ ہوا ہے، مگر یہاں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ "انگوریہ کو عام طور سے عموریہ کہا جاتا تھا"۔ گرمیان کے جنوب مشرق میں لاذق (Loadecea Lycum) ہے، جسے ترک دینزلو (بہت سے پانی) کہتے ہیں، کیونکہ یہاں پانی کے چشمے کثرت سے ہیں۔ آج کل اس مقام کا نام اسکی حصار (پرانا قلعہ) ہے۔ ابن بطوطہ نے اسے بڑا شہر بتلایا ہے، جس میں جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے سات مسجدیں تھیں، اور وہاں کے بازار عمدہ تھے۔ لاذق کی یونانی عورتیں سوتی کپڑے

(۱۹۴)

افیون کی کاشت بہت ہوتی تھی، اس لئے اس کے نام کے ساتھ افیون کا لفظ اور لگا دیتے ہیں۔ اس شہر کی جگہ کسی زمانے میں قدیم یونانی شہر پریمنےسوس (Prymnessos) یا اکرینوس (Akroenoss) آباد تھا۔ مقامی روایات کے مطابق بنی اُمیّہ کے مشہور و معروف سپہ سالار البطّال نے بازنطینیوں کے مقابلے میں لڑتے ہوئے اسی شہر کے قریب شہادت پائی تھی۔ لیکن طبری نے، جس کی تاریخ ہمارے مضمون کے لئے سب سے پرانی سند ہے، صرف اس قدر لکھا ہے کہ عبد اللہ البطّال نے ۱۲۲ھ (۷۴۰ء) میں بلاد الرّوم میں شہادت پائی۔ مگر اس نے کسی جگہ کا نام نہیں لیا۔[۱]

(۱۵۳) صوبۂ حمید کے شمال مغرب میں وہ علاقہ تھا جس پر امیر کرمیان یا گرمیان حکومت کرتا تھا اور اس کا دار الحکومت کوتاہیہ یا کوٹیوم (Cotyaeum کا شہر تھا۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے عرب مورخ اس نام کو قُطِیہ لکھتے ہیں؛

---

[۱] ابن بی بی ص ۵، ۲۰۲، ۲۵۱ + ابن بطوطہ ج ۲۔ ص ۲۶۵، ۲۶۶ + مستوفی ۱۲۲، ۱۶۳، ۱۶۴ + جہاں نما ص ۶۱۱، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱ + علی یزدی ج ۲۔ ص ۴۵۷، ۴۸۹، ۴۹۲ + ریمسے کی جغرافیۂ ایشیائے کوچک ص ۸۷، ۱۳۹، ۳۹۶، ۴۰۱، ۴۰۶ + طبری ج ۲ ص ۱۷۱۶ + بطّال کی قبر کی نسبت جہاں نما میں بیان ہوا ہے کہ گیارھویں (سترھویں) میں یہ قبر قرا حصار سے شمال میں پچاس میل کے فاصلے پر کوتاہیہ کے مشرق میں سیدی غازی کے مقام پر تھی۔ آج کل یہ قبر شہر میں بتائی جاتی ہے۔ پی سید یا کے انطاکیہ (Antioch of Pisidia) کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ابتدائی زمانے کے عرب مصنفوں کا میلان ہمیشہ یہ رہا ہے کہ اس شہر کو اسی کے نام کے اور شہروں، اور خصوصاً شام والے انطاکیہ کے خلط ملط کردیں۔ یعقوبی نے اپنی تاریخ (ج ۱۔ ص ۱۷۷) میں انطاکیۃ المحترقہ (جلے ہوئے انطاکیہ) کا ذکر کیا ہے، جس سے بظاہر اس کا مطلب پی سی ڈیا کے انطاکیہ سے ہے۔ اسی مصنف نے (تاریخ ج ۲۔ ص ۲۸۵) سنہ ۵۰ھ (سنہ ۶۶۹ء) میں انطاکیۃ السودا (سیاہ انطاکیہ) پر ایک حملے کا حال لکھا ہے۔ اس انطاکیہ سے اس کی مراد ایسوریا (Isauria) والا انطاکیہ ہوگی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت صُہَیب رضی اللہ عنہ یہاں پیدا ہوئے تھے[1]

مَنْتِیشا کے شمال میں امیر آیدِین کا علاقہ تھا؛ اس علاقہ کا پایۂ تخت تِیرَہ (Teira) تھا۔ ابن بطوطہ، جو امیر آیدین سے ملا تھا، کہتا ہے کہ تِیرَہ ایک عمدہ شہر ہے، جس میں متعدد باغ اور بہت سی نہریں ہیں۔ شہر بَرکی (Pyrgion) میں بھی اُس کا گذر ہوا تھا، جو تِیرَہ سے شمال میں ایک منزل ہے۔ یہاں کے عظیم الشان درختوں کی اُس نے بہت تعریف کی ہے۔ آیدِین کا شہر یا گزل حِصار اُسی جگہ واقع ہے جہاں کسی زمانے میں بازنطینی شہر ٹرالیس (Tralleis) آباد تھا۔ یہ شہر معمولی درجے کا تھا۔ شہر اِفسُوس (Ephosus) جو ساحل بحر پر ہے، اُس سے شروع زمانے کے عرب جغرافیہ نویس خوب واقف تھے؛ یہ اس شہر کو آفسُوس یا اَبسُوس کہتے تھے۔ یہ شہر اس وجہ سے مشہور تھا کہ یہاں سات اصحاب کا غار یا کہف تھا، اصحاب کہف کا ذکر قرآن شریف میں بھی آیا ہے (سورۃ الکہف (۱۸) آیت ۸) بعد کے زمانے میں اس شہر کو ایا سلوق (یا ایاثلوغ یا ایا سلیغ) کہا جانے لگا۔ یہ نام حقیقت میں یونانی اگیو تھیو لوگو (Agiou Theologou) کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہاں سینٹ جان تھیولوگس کے نام پر قیصر جسٹینین نے ایک گرجا تعمیر کرایا تھا۔ ابن بطوطہ جب ۷۳۳ھ (۱۳۳۳ء) میں یہاں آیا تھا، تو اُس نے یہ گرجا دیکھا تھا۔ اُس کا بیان ہے کہ اس گرجا کی تعمیر بڑے بڑے پتھروں سے ہوئی ہے جن میں (۱۵۵)

---

[1] ابن بطوطہ کی عبارت (ج ۲۔ ص ۲۷۷) :- وبذکر ان صُہَیبًا صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و رضی اللہ عنہ من اھل ھذا الحصن یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی صہیب رضی اللہ عنہ اس قلعے کے رہنے والوں میں سے تھے۔ ابن بطوطہ نے یہ نہیں لکھا ہے کہ آپ وہاں پیدا ہوئے تھے۔ مصنف سے غالباً سہو ہوا ہے۔ مترجم۔

[2] ابن بطوطہ ج ۲ ص ۲۶۹۔ ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰۔ مستوفی ۱۲۳۔ جہاں نما ص ۶۳۸۔ علی یزدی ج ۲ ص ۴۴۸۔

بن کر ان پر زردوزی کا کام کرتی تھیں، اور یہ زردوزی کا کام دیرپا ہونے میں مشہور تھا۔ جہان نما میں لاذق کا پرانا نام لاذقیہ لکھا ہے[1]۔

ھنتیشا کا امیر جس صوبے پر حکومت کرتا تھا، اُس میں ابن البطوطہ کا گذر مُغلہ، میلاس، اور برجیتن کے شہروں سے ہوا تھا جو پاس پاس واقع تھے۔ امیر منتیشا مُغلہ (قدیم موبلا = Mobolla) کے شہر میں سکونت رکھتا تھا، اور جہان نما کے مصنف نے اسی شہر کو منتیشا کا دارالسلطنت لکھا ہے ابن بطوطہ نے مُغلہ کو ایک اچھا شہر بتایا ہے۔ میلاس (میلاسا Mylasa یا میلیسوس : Melissos) بھی بڑا شہر تھا، اور اُس میں باغوں، میووں اور چشموں کی کثرت تھی۔ برجیتن (بار گیلیا Bargylia موجودہ اسّن لک) میلاس سے چند میل کے فاصلے پر ایک حال کا بنایا ہوا شہر پہاڑ کی چوٹی پر آباد تھا؛ اُس میں ایک خوبصورت مسجد، اور اچھے اچھے مکانات تھے۔ منتیشا کے مغربی حصے میں ابن بطوطہ قُل حِصار آیا تھا، مستوفی نے اس کا نام گُل لکھا ہے اور بیان کیا ہے، کہ وہ ایک اوسط درجے کا شہر تھا۔ اِس کا ذکر تیمور کی فوجی مہموں کی تاریخ میں بھی آتا ہے۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ قُل حِصار جس جھیل پر واقع تھا اُسی کے پانی سے چاروں طرف سے گھرا ہوا تھا؛ اور اس جھیل کی تمام سطح نرسلوں کے درختوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ شہر کو جانے کے لئے صرف ایک راستہ تھا، اور یہ جھیل میں سے ایک اونچی سنگ بستہ سڑک سے طے ہوتا تھا۔ اس کا قلعہ جو نہایت ہی مضبوط تھا ایک پہاڑی پر واقع تھا، اور یہ پہاڑی شہر سے قریب ہی واقع تھی۔ منتیشا کے شمال میں حصنِ طواس جسے آج کل دوُنس کہتے ہیں، لاذق (Loadicea ad Lycum) سے ڈیڑھ دن کی مسافت پر واقع تھا۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ طواس ایک بڑا قلعہ تھا، اور اُس کے نیچے فصیل سے گھِرا ہوا ایک شہر تھا۔ روایات کے مطابق

---

[1] قزوینی ج ۲۔ص ۳۵۹ + ابن بطوطہ ج ۲۔ص ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۸ + مستوفی ص ۱۶۲ + علی یزدی ج ۲۔ص ۴۴۸، ۴۴۹ + جہاں نما ص ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۴، ۶۴۳ +

یہ مقام کفار" یعنی اہل جنیوا کے قبضے میں تھا۔ صارُوخان کا دار الریاست مَغْنِیسِیَہ (یا مغنیسیا : Magnesia) تھا۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ یہ دامن کوہ پر بہت سے باغات سے گھرا ہوا، جنھیں متعدد نہریں سیراب کرتی تھیں، ایک خوبصورت شہر تھا؛ اور یہیں صارُوخان کا امیر رہتا تھا۔ تیمور کی فوجی مہموں کے حالات میں صوبۂ مَغْنِیسِیَاہ (جیسا کہ اس زمانے میں یہ نام لکھا گیا ہے) کو سَرْہَان اِلِی کہتے تھے [1]۔

(۱۵۶) صارُوخان کے شمال میں قَرَاسِی (یا قَرَہ سی) کے امیر کا علاقہ تھا، جس کے پایۂ تخت بَالِی کَسْرِی اور بَرْغَمَہ (بَرْگَاموس : Pergamos) دو شہر تھے۔ ابن بطوطہ جو ۷۳۳ھ (۱۳۳۳ء) میں بَرْغَمہ آیا تھا، لکھتا ہے کہ اس شہر کا بڑا حصہ ویران تھا؛ لیکن اس کی حفاظت کے لئے قریب ہی ایک پہاڑی کی چوٹی پر ایک زبردست قلعہ موجود تھا، ابن بطوطہ بالی کسری بھی گیا تھا۔ اس کی نسبت وہ لکھتا ہے کہ یہ ایک مضبوط بنا ہوا نہایت آباد و معمور شہر ہے، جس میں عمدہ بازار ہیں۔ لیکن اس وقت یہاں کوئی جامع مسجد نہیں، باوجودیکہ قَرَہ سی کا سلطان دَمُور (یا تیمور) خاں یہاں رہتا ہے، اور اس کے باپ نے یہ شہر بسایا تھا [2]۔ اس کے بعد کے زمانے میں اس شہر کا ذکر تیمور کی لڑائیوں کے حالات میں اکثر آتا ہے۔

بَالِی کَسْرِی سے ابن بطوطہ بُورصہ گیا جو اس زمانے میں عثمانی ترکوں کے

---

[1] ابن بطوطہ ج ۱ ـ ص ۲۹۵، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۲ + علی یزدی ج ۲ ـ ص ۴۶۶، ۴۶۸، ۴۷۰، ۴۹۰ + جہاں نما ص ۶۳۴، ۶۳۶، ۶۳۷ + ریسے کا جغرافیۂ ایشیائے کوچک ص ۱۱۰، ۲۲۸ + یاقوت ج ۱ ـ ص ۹۱ + ج ۲ ـ ص ۸۰۶ + اَفْسُوس والے اصحاب کہف کے غار کے متعلق میں نے اپنی کتاب "پلسٹائن انڈر دی مسلمز" (ص ۲۷۴) میں بحث کی ہے۔

[2] لیکن اس کے ساتھ ہی ابن بطوطہ (ج ۲ ـ ص ۳۱۶) لکھتا ہے کہ: ـ "لوگوں نے شہر کے باہر لیکن اس کے بالکل متصل ایک جامع مسجد بنانے کا ارادہ کیا تھا، اور اس کی دیواریں بھی تعمیر کر لی تھیں، لیکن چھت نہیں بنائی۔ اور اسی میں انھوں نے نماز پڑھنی اور درختوں کے سایے میں جمع ہونا شروع کر دیا تھا"۔ دمور خاں کے متعلق ابن بطوطہ (ج ۱ ـ ص ۳۱۷) نے لکھا ہے کہ: ـ "لا خیر فیہ" + مترجم +

ہر ایک کا طول (۱۰) ذرع ہے، اور پتھر خوب تراشا ہوا اور صاف کیا ہوا ہے۔ ایک دوسرا گرجا اسلامی فتح کے بعد جامع مسجد بنا لیا گیا۔ یہ نہایت خوبصورت عمارت تھی، اس کی دیواروں پر رنگ برنگ کا سنگ مرمر لگا تھا، اور فرش سفید سنگ مرمر کا تھا، چھت، جو گیارہ گنبدوں کی تھی، اُس پر سیسے کی چادریں چڑھی تھیں۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ اُس کے زمانے میں آیا سلوق کے پندرہ دروازے تھے، اور ایک دریا (کیسٹر : Cayster) اُس کے پاس سے گزر کر سمندر میں گرتا تھا۔ شہر کے گرد فصیل کے باغ اور تاکستان تھے۔

آیدین کے علاقے کا دوسرا بڑا بندرگاہ سمسا تھا، جسے ترک آزمیر یا ازمیر کہتے ہیں۔ تیمور نے نویں (پندرھویں) صدی کے شروع میں اسے "ہاسپٹل"[1] کے عیسائی مجاہدوں (Knights Hospitallers) سے فتح کیا تھا۔ ۷۳۲ھ (۱۳۳۱ء) میں ابن بطوطہ آزمیر سے گزرا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ اُس زمانے میں اس شہر کا بڑا حصہ ویران تھا، اور اُس کے قریب ہی پہاڑی پر ایک قلعہ تھا۔ اس کے علاوہ وہ لکھتا ہے کہ اس شہر کے بندرگاہ سے آیدین کا امیر بازنطینیوں کو تنگ کرنے اور قرب وجوار کے عیسائی شہروں کو لوٹنے کے لئے جہاز بھیجا کرتا تھا۔ ان عیسائی شہروں میں ایک شہر فوچہ (یا فوچیا Phocia) صوبۂ صاروخان کے ساحل پر تھا، جس کی نسبت بعد کو تیمور کے زمانے میں یہ بیان ہوا ہے کہ وہ مسلمانوں کا قلعہ تھا۔ لیکن ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے کہ

---

[1] ۱۰۴۸ء میں عیسائیوں نے بیت المقدس میں ہاسپٹل (شفاخانہ) بیماروں کے لئے بنایا تھا۔ جو عیسائی یہاں خدمت پر تھے اُنھوں نے مذہبی اغراض کے لئے ایک جماعت یا طبقہ قائم کر لیا۔ جس وقت یورپ کے عیسائی مسلمانوں سے صلیبی جنگ لڑ رہے تھے تو اس جماعت کے طبقے کو بہت دولت اور قوت حاصل ہو گئی تھی، لیکن مسلمانوں کے مقابلے میں ان کو سرداری نہ ہوئی۔ پہلے یروشلم (بیت المقدس) سے پھر عکہ، قبرص، اور رودس سے ہٹ کر آخر اُنھیں مالٹا میں پناہ لینی پڑی۔ بہرکیف یہ عیسائیوں کی ایک جماعت تھی، جس کا فرض یہ تھا کہ مسلمانوں سے لڑتی رہے۔ (مترجم)۔

دور میں بہت سے باغات تھے۔ اس کے گرد چار فصیلیں ایک کے بعد ایک تھیں، اور دو دو فصیلوں کے درمیان ایک ایک خندق تھی۔ ان خندقوں کو ایسے چوبی پلوں، [جسور خشب] سے عبور کیا جاتا تھا، جن کو ضرورت کے وقت جب چاہا اٹھالیا اور جب چاہا لگا دیا۔ اِزنیق (Nicaea) کے شمال میں (۱۵۷) نیکومیڈیا (Nicomedia) کا شہر تھا، جسے ابتدائی زمانے کے عرب جغرافیہ نویس نِقمُودِیَہ لکھتے تھے، اور ترک اسے اِزنکمید کہتے ہیں۔ چنانچہ مصنف جہان نما نے یہی نام لکھا ہے۔ بعد میں یہ نام مخفف ہو کر اِزمید رہ گیا، اور آج کل یہی بولا جاتا ہے۔ اس شہر کا حال نہ ابن بطوطہ نے لکھا ہے، اور نہ کسی اور مصنف نے۔[1]

قزل احمدلی کا صوبہ بحیرۂ اسود کے کنارے کنارے آبنائے باسفورس سے شہر سنوب تک پھیلا ہوا تھا۔ یزنیق (ازنیق) سے سفر شروع کر کے، دریائے ساغری (Sangarius) (ترکی: سقریہ) کو عبور کرنے کے بعد، ابن بطوطہ کو پہلی منزل مطرنی یا مودرنی (موجودہ: مدرلو۔ قدیم Modrene) کے شہر میں ہوئی۔ وہ لکھتا ہے کہ مطرنی بڑا وسیع شہر تھا۔ مطرنی کا ذکر جہان نما میں بھی ملتا ہے۔ اس کے شمال مشرق میں بولی (کلاڈیوپولس : Claudiopolis) کی نسبت ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ وہ ایک بڑے دریا کے کنارے واقع تھا۔ اس سے مشرق میں ایک مرحلہ کے فاصلے پر کرہ ھدکا یا گریدی بولی ایک

---

[1] اِزنکمید بازنطینی نام "ایس نیکومیدیان (Eis Nikamedian) کی، اور اِزنیق بازنطینی نام ایس نیکائیان (Eis Nikian) کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ ابن بطوطہ ج ۲ ص ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۲۲ + علی یزدی ج ۲۔ ص ۴۶۶ + جہان نما ص ۶۵۶، ۶۶۱، ۶۶۲ + ریسے (جغرافیۂ ایشیائے کوچک) ص ۹،۱ + سلطان اُرخان مشہور و معروف ینگچری فوج کا بانی تھا۔ ابن بطوطہ نے اس کے عجیب و غریب حالات لکھے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ سلطان تمام ترکمانی امیروں میں سب سے زیادہ صاحب قوت تھا۔ سو قلعے اس کے قبضے میں تھے، لیکن وہ فوجی مہموں اور سرحد کے معائنے میں اس قدر مصروف رہتا تھا کہ کسی ایک شہر میں ایک مہینے سے زیادہ قیام نہ کرتا تھا۔

سلطانوں کا دارالسلطنت تھا۔ اُس زمانے میں یہاں عثمانی ترکوں نے ترکمانی امیروں کو دبانا، اور اُن کی ریاستوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ بُرُصی یا بُرُوسہ (Prusa) اُس وقت بڑا شہر بن چکا تھا، اور اُس میں بڑے بڑے بازارات اور چوڑی سڑکیں تھیں۔ شہر کے گرد بڑے وسیع باغ تھے، اور شہر کے اندر ایک بہت بڑا تالاب تھا، جہاں شہر کے تمام مکانات میں آب رسانی کے لئے پانی جمع کیا جاتا تھا۔ بُرُصی میں ایک شفاخانہ تھا، جس میں مردوں اور عورتوں کے لئے ایک ایک عمارت علیحدہ تھی۔ اس شفاخانے میں مریضوں کا علاج کیا جاتا تھا، اور ان کی تمام ضروریات بلاقیمت مہیا کی جاتی تھیں۔ شہر میں ایک گرم حمام بھی تھا۔ عثمانی ترکوں کا سلطان، جس سے ابن بطوطہ ملا تھا، اُرخان تھا۔ یہ دادا تھا اُس بایزید یلدرم کا جسے نویں (پندرھویں) صدی کے شروع میں تیمور نے انگورہ کے مقام پر شکست دی تھی، جس کا تذکرہ اس سے قبل ہو چکا ہے۔ اس وقت سلطان اُرخان کے دارالسلطنت میں سب سے بڑی عمارت اِس سلطان کے دادا کا مقبرہ تھا۔ یہ بادشاہ ایک ایسی عمارت میں دفن کیا گیا تھا جو پہلے گرجا تھا۔ مخالیج (میلی ٹوپولس : Melitopolis) ، جسے بازنطینی میکی لیٹزی : Michealitze) کہتے تھے، بُرُصی سے پچاس میل مغرب میں واقع تھا، تیمور کی فوجی مہموں کے حالات اور جہاں نما میں اس کا اکثر ذکر آتا ہے۔ لیکن ۷۳۳ھ (۱۳۳۳ء) میں عثمانی ترکوں کی سلطنت کا سب سے زیادہ مشہور اور اہم مقام ازنیق (نیکیا : Nicaca) تھا، جسے سلطان اُرخان نے بازنطینیوں سے فتح کیا تھا۔ اس شہر کو ابتدائی عرب جغرافیہ نویس نیقیہ اور ترک یزنیق یا اِزنیق کہتے ہیں۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ اِزنیق کی جھیل نرسلوں کے درختوں سے پٹی پڑی تھی، اس کے مشرقی کنارے کے سرے پر یہ شہر واقع تھا، اور شہر میں داخل ہونے کے لئے صرف ایک راستہ تھا، یعنی ایک اونچی سنگ بستہ سڑک تھی، جس کے دونوں طرف پانی تھا۔ یہ راستہ اس قدر تنگ تھا کہ ایک وقت میں ایک ہی سوار اُس پر سے گزر سکتا تھا۔ شہر کے متعلق ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ وہ بہت کچھ ویران ہو چکا تھا۔ لیکن اس کے

دوسرے دریاؤں کے برعکس جنوب سے شمال کو بہتا تھا۔ قزوینی لکھتا ہے کہ ۲۴۲ھ (۸۵۶ء) میں ایک زلزلے سے تقریباً تمام عَنجَدَہ برباد ہو گیا تھا۔

صوبۂ قزل اَحَمَدُلی کے شہروں کی فہرست کو مکمل کرانے کے لئے کُوچ حِصَار کا ذکر کرنا ضروری ہے، جس کا نام جہاں نما میں ملتا ہے۔ یہ شہر قصطموُنی اور کَانفَرِی کے درمیان واقع ہے، اور غالباً وہی مقام ہے جسے مستوفی نے کُوش حِصَار لکھا ہے۔ اس کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے، (دیکھو صفحہ حاشیہ ۴۹) اور اس موقع پر کھاری جھیل کے ساحل پر اسی نام کے ایک شہر سے اس کو مطابقت دی گئی تھی۔[1]

ایشیائے کوچک کی بڑی سڑکوں میں سے صرف دو ایسی ہیں جن کا کسی قدر قابل وثوق حال ہم تک پہنچا ہے۔ ان میں سے ایک سڑک وہ ہے جو طَرَسُوس سے قسطنطنیہ جاتی تھی (دیکھو صفحہ حاشیہ ۲۴) اور دوسری سڑک وہ ہے جو سِیوُاس سے مشرق میں تبریز جاتی تھی (دیکھو صفحہ حاشیہ ۱۴) جہاں نما میں چند ایسی سڑکوں کا ذکر ہے جن کا مرکز قونیہ تھا۔ ان سڑکوں پر جو منازل اور قریئے تھے ان کو بیان کر دیا گیا ہے۔ ان میں سے اکثر کے نام اب بھی نقشے پر ملتے ہیں۔ مگر خرابی یہ ہے کہ مصنف نے اکثر صورتوں میں منزلوں کے درمیانی فاصلے درج نہیں کئے۔ اس سے جو کچھ معلومات ان سڑکوں کے متعلق حاصل ہوتی ہیں وہ بہت کام کی نہیں۔[2]

---

[1] مستوفی ص ۱۶۳، ۱۶۴+ ابن بطوطہ ج ۲۔ ص ۳۲۵، ۳۳۲، ۳۳۶، ۳۳۸، ۳۴۱، ۳۴۴، ۳۴۸+ جہاں نما ص ۵۴۶، ۶۴۶، ۶۴۹، ۶۵۱، ۶۵۲+ یاقوت ج ۲۔ ص ۵۴۷+ طبری ج ۲۔ ص ۱۲۳۶+

[2] جہاں نما ص ۶۲۷، ۶۲۸۔

خوبصورت اور بڑا شہر میدان میں واقع تھا۔ اس میں عمدہ بازار اور چوڑی سڑکیں تھیں، اور اس کے باشندوں میں ہر قوم کا محلہ جدا تھا۔ ۷۳۳ھ (۱۳۳۳ء) میں صوبہ قزل احمد لی کا امیر گرمیدی بولی میں رہتا تھا، اور معلوم ہوتا ہے کہ یہی شہر اس صوبے کا صدر مقام تھا۔

اس صوبے کے مشرقی حصہ میں قَصْطَمُونِیَہ (یا قصطمونی : Castamon) آباد تھا، جسے قزوینی نے وسعت میں اوسط درجے کا شہر بتلایا ہے۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ ایشیائے کوچک کے جن بڑے شہروں میں اسے جانے کا اتفاق ہوا، ان ہی میں قَصْطَمُونِیَہ بھی ایک بڑا شہر تھا، اور یہاں ضروریات کی چیزیں ارزاں اور بکثرت تھیں۔ قَصْطَمُونِیَہ کے شمال مشرق میں سَنُوب (یا سِینُوب : Sinope) بڑا بندرگاہ تھا۔ یہیں سے ابن بطوطہ جہاز پر سوار ہو کر کریمیا گیا تھا۔ اس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سنوب تین سمتوں میں سمندر سے گھرا ہوا تھا، اور شہر میں داخل ہونے کے لئے مشرق کی جانب صرف ایک دروازہ تھا۔ یہ ایک خوبصورت اور معمور بندرگاہ تھا، اور نہایت استحکام سے اس کی قلعبندی ہوئی تھی۔ شہر میں ایک جامع مسجد تھی، جس کا گنبد سنگ مرمر کے ستونوں پر قائم تھا۔ اور یہاں ایک مقام تھا جس کی لوگ بہت تعظیم کرتے تھے۔ مشہور تھا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور مؤذن، جنھوں نے سب سے پہلے مسلمانوں میں اذاں کہی، حضرت بلال حبشیؓ کا مزار ہے۔ (۱۵۸)

بازنطینی شہر گنگرا جرمانیکوپولس (Gangra Germanicopolis) قَصْطَمُونِیَہ سے تقریباً پچاس میل جنوب میں واقع تھا، اور ترک اس شہر کو کانقری کہتے تھے۔ عربوں کی ابتدائی تاریخوں میں اسے جَنْجَرَہ لکھا گیا ہے۔ خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے عہد میں مسلمانوں نے ایک سخت حملہ بلاد الروم پر کیا تھا، اور بڑھتے بڑھتے اس مقام تک آ گئے تھے۔ قزوینی، جس نے اس کا نام غَنْجَرَہ لکھا ہے، کہتا ہے کہ یہ شہر نھر مَقْلُوب (یعنی الٹے دریا) کے کنارے واقع تھا؛ اس دریا کو نھر مَقْلُوب اس وجہ سے کہتے تھے کہ وہ

زمانۂ ما بعد کے مختلف عہدوں میں متعدد شہر یکے بعد دیگرے صوبے کے صدر مقام بنے، پہلے شروع کے عباسی خلفاء کے عہد میں اَرْدَبِیل صدر مقام تھا۔ پھر بعد کے خلفاء کے زمانے میں تَبْرِیز کو یہ شرف حاصل ہوا۔ لیکن تاتاریوں کی یورش کے بعد کچھ مدت کے لئے یہ درجہ مَرَاغَہ کو مل گیا۔ ایل خانیوں کے عہد میں تبریز نے پھر اپنا پہلا عروج حاصل کر لیا۔ لیکن خاندان صفوی کے ابتدائی بادشاہوں کے زمانے میں اَرْدَبِیل کے سامنے کچھ نہ رہا۔ اس کے بعد جب گیارھویں (سترھویں) صدی میں (۱۶۰) شاہ عباس صفوی نے اصفہان کو تمام ایران کا دارالسلطنت قرار دیا اور اَرْدَبِیل ویران ہو گیا تو تبریز ایک مرتبہ پھر آذربائجان کا صدر مقام ہو گیا۔ چنانچہ اس وقت تک اس کی یہ حیثیت قائم ہے، اور وہ ایران کے شمال مغربی حصے کا سب سے بڑا شہر ہے۔

آذربائجان کے صوبہ کا سب سے زیادہ مخصوص طبعی منظر جھیل اُرمِیَہ ہے۔ یہ جھیل شمال سے جنوب کی اسی میل سے زیادہ لمبی، اور جہاں زیادہ سے زیادہ چوڑی ہے وہاں اس کا عرض اپنے طول کا ایک ثلث ہے۔ یہ تبریز کے مغرب میں واقع ہے، اور شہر اُرمیہ کے نام پر، جو اس کے مغربی کنارے پر ہے، اس کا یہ نام ہوا ہے۔ اس کا نام مختلف کتابوں میں مختلف طور پر آیا ہے۔ زند اوستا میں چائی چاستا (Chaechasta) لکھا ہے، اور یہی قدیم ایرانی نام چیچ چشت میں موجود ہے، جو فردوسی نے شاہ نامہ میں استعمال کیا ہے۔ مستوفی کے زمانے تک یہی نام مروج تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مسعودی اور ابن حوقل نے بحیرۂ کَبُوذان لکھا ہے؛ یہ نام ایک ارمنی لفظ سے ماخوذ ہے، اور اس کے معنے "نیلی" جھیل کے ہیں، کیونکہ گیبائڈ (Gaboid) اس زبان میں "نیلے" کو کہتے ہیں۔ اصطخری نے[1] اسے جھیل اُرمِیَہ لکھا ہے، مقدسی نے اس کی پیروی کی ہے۔ بعض جگہ اصطخری نے اسے بحیرۃ الشُراۃ (خارجیوں کا سمندر) لکھا ہے، کیونکہ بہت سی مختلف

(1) اصطخری کے جو حوالے مصنف نے اپنی اصل کتاب میں دیے ہیں، ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں یہ مضمون کہ اس جھیل کو بحیرۃ الشراۃ کہتے ہیں، موجود نہیں۔ مترجم)۔

باب یازدهم

آذربائیجان

جھیل اُرمیہ۔ تبریز۔ سراؤ۔ مراغہ اور اُس کے دریا جِسوا اور اُشنہ۔ شہراُرمیہ اور سلماس، خوئی اور مرند۔ نخچوان۔ دریائے ارس کے پل۔ کوہ سبلان۔ اردبیل اور اہر۔ سفید رُود اور اُس کے معاون۔ میانج۔ خلخال، اور فیروزآباد۔ دریائے شال اور شاہ رُود کا علاقہ۔

آذربائیجان کا کوہستانی علاقہ (جس کا تلفظ موجودہ فارسی میں آذربیجان[۱] ہے)، دورِ خلافت میں اتنی اہمیت نہیں رکھتا تھا، جتنی کہ مغلوں کی یورش کے بعد زمانۂ وسطیٰ کے آخری حصہ میں اُسے حاصل ہوگئی۔ ابتدا میں یہ صوبہ تجارت کے اُس کاروبار سے دور پڑتا تھا جس کا سلسلہ خراسان کی سڑک سے، جو صوبہ جبال (Media) میں سے ہوکر گزرتی تھی برابر جاری تھا۔ مقدسی کہتا ہے کہ یہ دور افتادگی اس وجہ اور زیادہ ہوگئی تھی کہ آذربائیجان کے پہاڑوں اور مرتفع میدانوں میں ستر زبانوں سے زیادہ زبانیں بولی جاتی تھیں، اور اس کے علاوہ صوبہ کے شہروں میں کوئی بڑا شہر نہ تھا۔

---

[۱] دیکھو نقشہ ۳ ملحقہ کتاب ہذا۔ اس صوبہ کا قدیم ایرانی نام آذربادگان تھا، جسے یونانیوں نے بگاڑ کر اتروپاتینی (Atropatene) کرلیا۔ مقدسی (صفحہ ۳۷۵) نے لکھا ہے کہ آذربائیجان، اَرّان اور آرمینیہ سب ایک ہی صوبے کے مختلف حصے ہیں، اور اس صوبے کو اس نے "اقلیم رحاب" (مرتفع میدانوں کا علاقہ) لکھا ہے؛ اور اس طرح اسے صوبۂ جبال کے کوہستانی علاقے اور میسوپوٹیمیا کی نشیبی (اقور) سرزمین سے ممیز کردیا ہے۔

میں بھی ملتا ہے۔ چنانچہ ابن مسکویہ نے جہاں ہارون الرشید کے پوتے متوکل
علی اللہ کی خلافت کا حال لکھا ہے وہاں شاھا اور تکیذ نما کے دو قلعوں کا بھی ذکر کیا
ہے، جو اُس زمانے میں یہاں کے باغی سرداروں کے قبضے میں تھے۔ ساتویں
(تیرھویں) صدی میں ہلاگو خاں نے شاہا کو (جسے حافظ ابرو نے بحیرۂ اُدُمیہ کا
قلعۂ تلا لکھا ہے) دوبارہ تعمیر کرایا اور اسی میں اپنا تمام خزانہ جو بغداد اور
خلافت کے صوبوں سے لوٹا تھا، جمع کیا تھا۔ چونکہ یہ مقام بعد میں ہلاگو کا مدفن بنا
اس لئے فارسی میں اسے گورِ قلعہ (قبر والا قلعہ) کہنے لگے۔ تیمور کے عہد میں،
جب حافظ ابرو نے اپنی کتاب لکھی ہے، وہ بالکل غیر آباد تھا[1]۔

تبریز کا شہر اس جھیل کے کنارے سے تقریباً تئیس میل کے فاصلے پر ایک
دریا پر واقع ہے اور یہ دریا شاھا کے جزیرہ یا جزیرہ نما کے قریب سے نکلتا ہے۔
معلوم ہوتا ہے کہ تیسری (نویں) صدی تک تبریز محض ایک گاؤں تھا۔ خلیفہ
متوکل علی اللہ کے عہد میں ایک شخص ابن الرَّوّاد وہاں آکر بسا، اُس نے
اور اُس کے بھائی اور بیٹے نے اپنے اپنے لئے محل تیار کرائے، اور آخر اُس
تمام آبادی کو جو ان محلوں کے گرد پیدا ہو گئی تھی ایک فصیل سے گھیر دیا۔ بعد کی
ایک روایت یہ مشہور ہے کہ اِس شہر کو ہارون الرشید کی ملکہ زبیدہ نے بسایا تھا،
لیکن پرانے مورخوں سے اس امر کی تصدیق نہیں ہوتی، علاوہ ازیں یہ بھی کہیں
پتہ نہیں چلتا کہ زبیدہ کبھی آذربائجان آئی تھی۔ مقدسی نے چوتھی (دسویں) صدی
میں تبریز کو ایک خوبصورت شہر بتلایا ہے جس میں ایک جامع مسجد تھی۔ شہر

---

[1] اُدُمیہ آج کل اُرُومیہ کہلاتا ہے، اور ابن سراپیون نے بھی یہی نام لکھا ہے (ابن سراپیون کا قلمی نسخہ۔ فولیو (۲۵ ب)۔ اصطخری ص ۱۸۱، ۱۸۹+ ابن حوقل ص ۲۳۹، ۲۴۰+ مقدسی ص ۳۷۵، ۳۸۰+ مسعودی (مروج) ج ۱۔ ص ۹۷+ ابوالفدا ص ۴۲+ یاقوت ج ۱۔ ص ۱۲۵+ قزوینی ج ۲۔ ص ۱۹۴+ حافظ ابرو (قلمی نسخہ) فولیو ۲۷ + ابن مسکویہ ص ۵۶۵+ شاہنامہ (ٹرنرمیکن۔ کلکتہ ۱۸۲۹ء) صفحہ ۱۸۶ شعر ۴، اور صفحہ ۱۹۲۷ (نیچے سے سطر ۸) میں بجائے خنجست کے، جو کاتب کی غلطی ہے چیچست پڑھنا چاہیئے۔ ایسی غلطیاں محض نقطوں کے بے جگہ لگا دینے سے پیدا ہو جاتی ہیں۔

قومیں جو اس کے کنارے پر آباد تھیں اُن کے عقائد عام مسلمانوں سے مختلف تھے۔ اصطخری نے اس جھیل کے پانی کو سخت کھاری لکھا ہے، اور[1] یہ بھی لکھا ہے کہ اُس کے زمانے میں یہ جھیل کشتیوں سے پٹی رہتی تھی؛ اُن سے اُرمیہ اور مَرَاغہ کے شہروں میں مال تجارت کی آمد و رفت رہتی تھی۔

جھیل کے وسط میں ایک جزیرہ تھا، جس کا نام ابن سراپیون نے کَبُوذان لکھا ہے، اس میں ایک چھوٹا سا شہر تھا، جس میں ملاح آباد تھے۔ اصطخری نے لکھا ہے کہ اس جھیل میں مچھلیاں بکثرت تھیں، اور ایک عجیب و غریب مچھلی تھی، جسے کلب الماء (پانی کا کتا) کہتے تھے؛ اور ابن حوقل لکھتا ہے کہ اس میں مچھلیاں بالکل نہ تھیں۔ سردی کے موسم میں طوفان سے بڑی بڑی موجیں اٹھتی تھیں اور کشتیاں چلانی خطرناک ہو جاتی تھی۔ ابوالفداء نے اس جھیل کو بحیرہ تلا لکھا ہے، لیکن اس نام کے معنے معلوم نہیں۔ لیکن قزوینی لکھتا ہے کہ نمک اور توتیا اس جھیل سے بہت پیدا ہوتا تھا، اور ان کا دساور بھی بکثرت باہر بھیجا جاتا تھا۔ مستوفی نے (جیسا کہ اوپر آچکا ہے) اس جھیل کو چی چست اور نیز دریائے شور لکھا ہے۔ کہیں کہیں اسے بحیرۂ طَرُوج یا طسوج بھی کہا ہے۔ طروج یا طسوج اس جھیل کے شمالی کنارے پر ایک شہر تھا، اور اسی شہر کے نام پر اس جھیل کا یہ نام لیا گیا ہے۔ مستوفی اور حافظ ابرو دونوں نے اس جھیل میں ایک جزیرہ کا (جس کی شکل پانی کم ہونے پر جزیرہ نما کی ہو جاتی تھی) ذکر کیا ہے جس کا نام شاہا تھا۔ اس میں ایک بڑا قلعہ، پہاڑ کی چوٹی پر تھا۔ یہ محل ہلاگو اور دوسرے مغل شاہزادوں کا مدفن تھا۔ شاہا کے قلعے کا ذکر تیسری (نویں) صدی کی تاریخوں میں (۱۶۱)

---

(1) اصطخری (ص ۱۸۱) میں جو بیان ہوا ہے، اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے: ۔"آذربائجان کے سمندر کا نام بحیرۂ اُرمیہ ہے۔ اُس کا پانی کھاری ہے، اُس میں مچھلیاں، اور ایک ایک قسم کا جانور ملتا ہے، جسے کلب الماء (پانی کا کتا) کہتے ہیں۔ یہ بحیرہ بہت بڑا ہے، اور اس کے چاروں طرف قریوں اور آبادی کا ایک سلسلہ ہے، اور اس جھیل اور مراغہ میں تین فرسخ کا فاصلہ ہے"۔ وہ بیان جو کتاب میں نقل کیا گیا ہے دراصل ابن حوقل (ص ۲۴۴) کا ہے۔ ۔مترجم)

کے ناموں پر تھے جو اُن میں بہتے تھے۔ مستوفی نے اِن اضلاع اور اُن کے قریب وجوار کے قریوں کے نام تفصیل سے نقل کئے ہیں، لیکن اُن میں سے اکثر نام ایسے ہیں جن کے پڑھنے میں شبہ رہ جاتا ہے۔ ابن بطوطہ ۷۳۳ھ (۱۳۳۲ء) میں تبریز آیا تھا۔ اُس نے اس شہر کے شام کے محلہ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ شہر کے باہر تھا، اور اُس میں غازان کا بنایا ہوا، ایک عالی شان مدرسہ اور خانقاہ تھی[1]۔ ابن بطوطہ شہر تبریز میں باب بغداد سے داخل ہوا تھا، اور اُس نے قازان کے بازار، اور جوہریوں کے بازار کا، جہاں ہر قسم کے جواہرات بکثرت فروخت کے لئے موجود رہتے تھے، ذکر کیا ہے۔ اسی کے قریب مشک وعنبر کا بازار تھا۔ وہ کہتا ہے کہ یہاں کی جامع مسجد غازان کے وزیر علی شاہ جیلانی نے تعمیر کرائی تھی۔ مسجد کا فرش سنگ مرمر کا تھا، اُس کے حوض کے لئے ایک نہر سے پانی آتا تھا، دیواروں پر روغنی یعنی قاشانی کام کیا گیا تھا، اور مسجد کے دائیں طرف خانقاہ اور بائیں طرف مدرسہ تھا[2]۔

(۱۶۳) مِهْرَان رُود، جو تبریز کی بیرون شہر بستیوں میں سے گزرتا تھا، اور سَرْد رُود، جو جنوب مغرب کی طرف بہتا تھا دونوں کوہ سَہند سے، جو تبریز کے جنوب میں تھا، نکلتے تھے، اور دونوں دریائے سَرَاو میں مل جاتے تھے، جو شہر کے شمال میں تھوڑے فاصلے پر تھا۔ سَرَاو رُود جس کا دوسرا نام دریائے سُرخاب تھا، سَبَلان کوہ سے نکلتا تھا جو تبریز سے (۲۰۰) میل کی مسافت پر شہر اَردَبیل کے سر پر کھڑا تھا۔ یہ دریا بہت طول طویل چکر کاٹتے، بہت سی شور مردابوں میں سے گزرتے اور بہت سے معاون دریاؤں کو ساتھ لینے کے بعد ایک مقام پر جو تبریز سے

---

[1] ابن بطوطہ (ج ۲۔ ص ۱۲۹) نے زاویہ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ مترجم!

[2] مقدسی ص ۳۷۸+ یاقوت ج ۱۔ ص ۸۲۲+ قزوینی ج ۲۔ ص ۲۲۷+ مستوفی ۱۵۳-۱۵۵+ جہاں نما ص ۳۸۰۔ ابن بطوطہ ج ۲۔ ص ۱۲۹+

کے گرد میوؤں کے بارآور باغ تھے، اور آبادی میں پانی کی بہتات تھی۔ یاقوت، جو ۶۱۰ھ (۱۲۱۳ء) میں یہاں آیا تھا، تبریز کو آذربائجان کا سب سے بڑا شہر بتلاتا ہے، اور قزوینی نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ تبریز کا عتابی ہجو ایک ریشمیں کپڑا تھا، یہاں کی مخملیں اور اور قسم کے کپڑے مشہور تھے۔ جب ۶۱۸ھ (۱۲۲۱ء) میں مغلوں نے اس شہر کو فتح کیا تو اہل شہر نے فوراً فدیہ دے کر اس کو گویا خرید لیا۔ بعد کو ایل خانیوں کے عہد میں تبریز، جیساکہ ہم لکھ آئے ہیں، اس نواح کا سب سے بڑا شہر بن گیا۔ (۱۶۲)

مستوفی نے تبریز کا حال تفصیل سے لکھا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ شہر دو مرتبہ زلزلوں سے برباد ہوا، اور دونوں مرتبہ پھر تعمیر کیا گیا۔ پہلا زلزلہ ۲۴۴ھ (۸۵۸ء) میں آیا، اور دوسرا ۴۳۴ھ (۱۰۴۲ء) میں۔ اس زلزلہ میں چالیس ہزار باشندے ضائع ہوئے۔ جب آخری مرتبہ اس کو تعمیر کیا گیا ہے تو اس کے گرد ایک فصیل بنائی گئی، جو دور میں (۶۰۰۰) قدم تھی، اور اس میں دس دروازے تھے۔ یہ شکل آٹھویں (چودھویں) صدی تک قائم رہی؛ جب کہ غازان خاں نے پرانی فصیل کے باہر ایک نئے شہر کی عمارتیں بنوانی شروع کیں اور ان عمارتوں کے گرد ایک نئی فصیل بنوا دی۔ اس نئی فصیل میں چھ دروازے تھے، اور اس کے دور میں وَلِیان کی پہاڑی بھی آگئی تھی۔ اس فصیل کا دور (۲۵۰۰۰) ہزار قدم تھا۔ مستوفی نے تبریز کی اندر والی اور باہر والی فصیلوں کے دروازوں کے نام لکھے ہیں (مگر قلمی نسخوں میں ان ناموں کے بارے میں بہت کچھ اختلاف ہے)۔ مستوفی لکھتا ہے کہ غازان خاں ۷۰۳ھ (۱۳۰۳ء) میں اپنے ہی تعمیر کئے ہوئے نئے شہر کے محلہ یا ربض شام میں دفن کیا گیا تھا۔ اس کے جانشینوں نے شہر کے اندر اور شہر کے باہر ربض رَشیدی میں، جو وَلِیان کی پہاڑی کی ڈھال پر واقع تھا، متعدد مسجدیں اور دیگر عمارات عامہ تعمیر کرائیں۔ تبریز کے باغ مِہْران رُود کے پانی سے سیراب ہوتے تھے۔ یہ دریا کوہ سَہَنْد سے، جو شہر کے جنوب میں تھا، نکلتا تھا۔ تبریز کے گرد سات اضلاع اور تھے، جن کے نام اکثر اُن دریاؤں

تبریز سے تقریباً ساٹھ میل، اور جھیل اُرمیہ کے ساحل سے چار فرسخ کے فاصلے پر، داخرقان کا بڑا گاؤں تھا۔ ابن حوقل اور دوسرے عرب جغرافیہ نویسوں نے اس نام کو اسی طرح لکھا ہے، لیکن اہل ایران اسے دِہخوارقان لکھتے ہیں۔ یاقوت نے داخرقان کا دوسرا نام دِہ نخیرجان لکھا ہے، اور بتلایا ہے کہ اس کے معنے نخیرجان کا گاؤں (دِہ) ہیں۔ نخیرجان ساسانی بادشاہ خسرو کا خزانچی تھا۔ مستوفی نے اس کو ایک چھوٹا سا قصبہ بتایا ہے، جس کے گرد ملحقات اور گاؤں تھے، جہاں میوہ اور غلہ بہت پیدا ہوتا تھا۔[1] (۱۶۴)

مَراغہ کا شہر دریائے صافی کے کنارے پر، تبریز سے ستر میل جنوب میں واقع تھا، اور دریائے صافی کوہ سہند سے نکل کر جنوب کی سمت میں بہتا ہوا، اس شہر تک پہنچتا تھا، اور یہاں سے مغرب کی جانب مڑ کر جھیل اُرمیہ میں گر جاتا ہے۔ مراغہ قریۃ المراغہ (چراگاہوں کا گاؤں) کا مخفف ہے۔ اس کی نسبت کیا جاتا ہے کہ ایرانی اسے اَفرازہ رُود کہتے تھے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے مراغہ کو وسعت کے لحاظ سے اَردبیل کے برابر بتلایا ہے، جو اُس زمانے میں صوبۂ آذربائجان کا خاص شہر تھا۔ اُس نے لکھا ہے کہ مراغہ اُس وقت بھی تھوڑی مدت کے لئے صوبہ کا صدر مقام چلا آتا تھا، اور سرکاری خزانہ اور دفاتر، اَردبیل میں منتقل ہونے سے پہلے، وہیں تھے۔ مراغہ نہایت خوش گوار شہر تھا، اُس کے گرد ایک فصیل تھی، اور فصیل کے باہر نہایت بارآور باغات تھے۔ یہاں کا ایک پھل، جس کی وجہ سے یہ جگہ مشہور تھی، ایک قسم کا خربوزہ تھا، جو خوشبودار ہوتا تھا، باہر سے سبز اور اندر سے سرخ نکلتا تھا، اور مزہ شہد کا رکھتا تھا۔ مستوفی نے اس شہر کے قلعے اور اس کی مستحکم فصیلوں کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ اُن کے باہر ایک بڑی آبادی تھی۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ فصیلیں اور مورچے وغیرہ خلیفہ ہارون الرشید کے

---

[1] اصطخری ص ۱۹۱+ ابن حوقل ص ۲۴۸، ۲۴۶+ یاقوت ج ۱-ص ۱۹۸، ۱۳۱+ ج ۲-ص ۶۲۵، ۶۳۴، ۶۳۶+ ج ۳-ص ۴۲+ مستوفی ص ۱۵۵، ۱۵۸، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۱۰، ۲۱۸+

چالیس میل مغرب میں تھا، جھیل اُرمیہ میں گرجاتا تھا۔ کوہ سبلان اور ان دونوں پہاڑوں میں سے نکلنے والے دریاؤں کا حال مستوفی نے خوب تفصیل سے لکھا ہے۔ سراؤ یا سراب کا شہر، جس کے نام پر سراؤ رود کا نام مشہور ہوا تھا، تبریز سے اردبیل جانے والی سڑک پر واقع ہے۔ مستوفی لکھتا ہے کہ شہر سراؤ یا سراب کے گرد ورزند، دراند، برغوش، اور سقھندر کے چار اضلاع تھے۔ ابتدائی عرب جغرافیہ نویس سراب کو سرات لکھتے ہیں۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ وہ ایک خوبصورت مقام تھا، جس میں بہت سی چکیاں (طواحین) تھیں، اور شہر کے گرد میووں کے باغ اور کھیت تھے، جن میں غلہ اور میوہ بکثرت پیدا ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ سرات میں بہت سی[1] سرائیں اور عمدہ بازار تھے۔ یاقوت نے جو اس شہر کا نام سراؤ یا سرو لکھتا ہے، بیان کیا ہے کہ یہ شہر سنہ ۶۱۷ (سنہ ۱۲۲۰ء) کی تاتاری یورش میں برباد ہو گیا تھا، اور اس کے اکثر باشندے قتل کر دئے گئے تھے۔ لیکن آئندہ صدی میں جب مستوفی نے اپنی کتاب لکھی ہے تو یہ شہر پھر بارونق ہو گیا تھا۔ اُس نے لکھا ہے کہ یہ شہر تبریز سے تین دن اور اردبیل سے دو دن کی مسافت پر واقع تھا۔

سراؤ رود کے بائیں (جنوبی) کنارے پر اَوجان یا اُوجان کا شہر تبریز سے دس فرسخ کے فاصلے پر اُس سڑک پر واقع تھا جو تبریز سے میانہ کو جاتی تھی۔ لیکن اس کو مغلوں نے برباد کر دیا تھا، اور مستوفی کی زندگی میں غازان خاں نے، جو چند روز یہاں رہا تھا، اُسے دوبارہ تعمیر کرایا۔ اُس کا نام بدل کر اُس نے شہر اسلام رکھا، اور اُس کے گرد چونے گچ کی ایک سنگین فصیل، جو دور میں (۳۰۰۰) قدم تھی، تعمیر کرائی۔ اس کے نواح کی زمینیں زرخیز تھیں، اور ان میں غلہ، روئی، اور میوہ بکثرت پیدا ہوتا تھا۔ اِس کا دریا، آب اُوجان، کوہ سہند کی ایک مشرقی شاخ سے نکلا تھا۔ اِس پہاڑ کے جنوب مغرب میں،

---

(1) ابن حوقل کے الفاظ :- فنادق نظیفۃ (یعنی عمدہ سرائیں) ص ۲۵۲ مترجم،

وہ دو شاخوں میں تقسیم ہو جاتی تھی۔ دائیں ہاتھ والی سڑک شمال مشرق کی طرف مَرَاغہ کو، اور بائیں ہاتھ والی سڑک جھیل اُرُمیَہ کے مغرب کی طرف ہو کر اُرُمِیہ کو جاتی تھی۔

جھیل اُرُمِیَہ کے جنوبی کنارے سے پچاس میل کے فاصلے پر بَسْوَی تھا، جسے ایرانی بَسْوَا کہتے تھے۔ یاقوت نے جو خود بھی یہاں آیا تھا، لکھا ہے کہ اُس کے زمانے میں یہاں زیادہ تر رہزن و قزاق آباد تھے۔ مستوفی نے یہاں کے باغوں کی تعریف کی ہے۔ بَسْوَی کے شمال مغرب میں اُشْنُہ تھا، جہاں ابن حوقل کے زمانے میں کُرد آباد تھے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں اُشْنُہ کا شہر میسوپوٹیمیا کے شہروں سے جو اُس کے قرب جوار میں تھے، بالخصوص موصل کے شہر سے مویشی اور گھوڑوں کی تجارت کی بڑی منڈی تھی۔ اُس کی زمینیں بہت سیر حاصل تھیں، اور اُس کی بھیڑوں کی چراگاہیں مشہور تھیں۔ یاقوت اُشْنُہ گیا تھا، اور اُس نے یہاں کے عمدہ باغوں کا ذکر کیا ہے۔ مستوفی نے اِس شہر کا نام اُسْنُوِیَہ کہا ہے، اور اُسے ایک کوہستانی علاقے کا، جسے وہ دِہ کیا تھا لکھتا ہے، ایک اوسط درجے کا شہر تلایا ہے۔[۵]

اُرُمِیَہ کا شہر جس کے نام پر جھیل کا نام ہوا، اس جھیل کے مغربی ساحل سے تھوڑے سے فاصلے پر واقع تھا۔ روائت یہ تھی کہ اُرُمِیَہ زردشت کا مولد تھا۔ ابن حوقل کی تحریر کے مطابق یہ شہر چوتھی (دسویں) صدی میں وسعت کے لحاظ سے شہر مَرَاغہ کے برابر تھا۔ یہ بہت خوشگوار مقام تھا، اُس کے گرد تاکستان تھے، اُس کے بازاروں میں مال تجارت کی بہتات تھی۔ ان ہی میں ایک بازار بزازوں کا تھا، جس میں جامع مسجد واقع تھی۔ اُرُمِیَہ کی فصیل تھی اور اُس کی حفاظت کے لئے ایک قلعہ تھا، اور ایک ندی شہر میں سے گزرتی ہوئی جھیل میں جو　(۱۶۶)

(عله حَرَامِیَة (یاقوت (مطبوعہ مصر) ج ۲- ص ۱۸۲) مترجم)-

[۵] اصطخری ص ۱۸۱ + ابن حوقل ص ۲۳۸، ۲۳۹ + مقدسی ص ۳۷۷ + یاقوت ج ۱- ص ۲۸۳، ۲۶۶، ۶۲۲ + ج ۴- ص ۴۷۹ + قزوینی ج ۲- ص ۳۵۰، ۳۵۸ + مستوفی ص ۱۵۸، ۱۵۹، ۲۱۸ +

زمانے میں تعمیر ہوئے تھے، اور خلیفہ مامون الرشید نے اُن کی مرمت کرائی تھی۔

شروع کے شاہان مغول کے عہد میں، جیساکہ اوپر ذکر ہوا، مَرَاغہ آذربائیجان کا صدر مقام قرار پایا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ اس بڑے شہر کے گرد متعدد سرسبز و شاداب علاقے تھے، جن کو بہت سی ندیاں سیراب کرتی تھیں چنانچہ اُس نے ان علاقوں میں سے چند کے نام بھی گنوائے ہیں۔ مَرَاغہ کے باہر علامہ ناصرالدین محقق طوسی کی بنائی ہوئی عالی شان رصدگاہ تھی، جہاں ہلاگو کے حکم سے مشہور و معروف زیچ ایل خانی تیار کرکے شائع کی گئی تھی۔ یہ رصدگاہ، جس کے کھنڈر اب بھی نظر آتے ہیں، آٹھویں (چودھویں) صدی میں جب مستوفی نے اپنی کتاب لکھی ہے تو شکستہ اور بوسیدہ ہوچکی تھی۔

(۱۶۵) قزوینی نے یہاں کے ایک قلعہ موسوم بہ رُوئین دِز کا ذکر کیا ہے، جو مَرَاغہ سے تین فرسخ کے فاصلے پر تھا، اور ایک ندی اُس کے دونوں جانب بہتی تھی۔ قلعہ کے اندر اُمیدآباد نام کا ایک مشہور باغ تھا، جس کو پانی دینے کے لئے باغ ہی میں ایک حوض موجود تھا۔ اس قلعہ سے ایک فرسخ کے فاصلے پر جَنبَذَق کا گاؤں تھا۔ یہاں گرم پانی کا چشمہ تھا، جس کے متعلق بہت سے عجیب و غریب واقعات بیان کئے جاتے تھے۔

دریائے صافی، جو مَرَاغہ کے مغرب میں جھیل میں گرتا تھا، طغیانی کے موسم میں اپنا پانی دریائے جَغَتُو اور اُس کے معاون تَغَتُو سے ملا دیتا تھا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ یہ دونوں دریا کردستان کے پہاڑوں سے نکلتے تھے، اور جب ان کا پانی کناروں سے بہ نکلتا تھا، تو جھیل کا جنوبی ساحل ایک بڑا گرداب بن جاتا تھا۔ یہاں متعدد پیچ در پیچ ندیوں سے گھرا ہوا لَیلَان (یا نَیلَان)، کا چھوٹا سا شہر تھا؛ اس کے گرد بہت سے بارآور باغ تھے، اور مستوفی کے زمانے میں وہاں مغلوں کی آبادی تھی۔ سیاحت ناموں میں جو فاصلے مقامات کے دئے گئے ہیں اُن کے مطابق لَیلَان سے جنوب میں کچھ فاصلے پر بَرزَہ کا گاؤں تھا۔ یہاں صوبہ جبال کے مقام سِیسَر سے جو سڑک آئی تھی

مَرَنْد کا شہر خَوِی کے مشرق میں ایک دریا کے کنارے، جو دریائے خَوِی میں داہنے جانب سے ملتا تھا، آباد تھا۔ مقدسی نے چوتھی (دسویں) صدی میں اس شہر کی نسبت لکھا ہے کہ اس میں ایک چھوٹا سا قلعہ اور مسجد تھی، اور شہر کے باہر کی آبادی میں، جو باغوں سے گھری ہوئی تھی، ایک بازار تھا۔ یاقوت لکھتا ہے کہ اس شہر کو کُردوں نے برباد کیا، اور شہر کو لوٹنے کے بعد یہاں کے بہت سے باشندوں کو پکڑ کر اپنے ساتھ لے گئے۔ مستوفی لکھتا ہے کہ جس دریا پر مَرَنْد واقع تھا اُس کا نام زُولُو (یا زَکُوِیْز) تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ دریا چار فرسخ تک نظر سے پوشیدہ زمین کے اندر بہتا ہے۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ اُس کے زمانے میں مَرَنْد جو وسعت پہلے رکھتا تھا اُس سے آدھا رہ گیا تھا، لیکن اب تک یہاں قِرمِز کے کیڑوں کی جن سے سُرخ رنگ تیار ہوتا ہے، پرورش کی جاتی تھی، اور اس شہر کا یہ کام مشہور تھا۔ شہر کے گرد ساٹھ قریئے اُس کے ملحقات سے تھے۔[۱] (۱۶۷)

نَخْچِوان یا نَخْجِوان کا شہر دریائے اَرَس کے شمال میں عام طور سے آذربائجان میں شمار ہوتا تھا۔ یہی وہ مقام ہے، جسے عرب جغرافیہ نویس نَشَوَا لکھتے ہیں۔ اِس شہر کا نام اکثر سیاحت ناموں میں ملتا ہے، لیکن اس کے حالات بیان نہیں ہوئے۔ نخچوان مغلوں کے عہد میں بہت بارونق ہو گیا تھا۔ مستوفی لکھتا ہے کہ وہ اینٹوں کا بنا ہوا شہر تھا۔ اس کے قریب مشرق کی سمت میں اَلَنْجِک کا قلعہ تھا، اور شمال میں برف سے ڈھکا ہوا مَاسِس کوہ واقع تھا۔ نَخْچِوان میں سلطان ملک شاہ سلجوقی کے مشہور وزیر نظام الملک کے بیٹے ضیاء الملک کا بنایا ہوا بڑا گنبد تھا، اور علی یزدی نے ضیاء الملک کے بنائے ہوئے اُس پل کا حال لکھا ہے جو نخچوان سے تقریباً پندرہ میل کے فاصلے اور مَرَنْد کی سڑک پر

---

[۱] اصطخری ص ۱۸۱ + ابن حوقل ص ۲۳۹ + مقدسی ص ۳۷۷ + قزوینی ج ۱ ص ۱۸۰ + ج ۲ ص ۳۵۴ + یاقوت ج ۱ ص ۲۱۸ + ج ۲ ص ۵۰۲ + ج ۳ ص ۱۲۰ + ج ۴ ص ۵۰۳ + مستوفی ص ۱۵۶-۱۵۹، ۲۱۸ +

ایک فرسخ کے فاصلے پر بھی اگرتی تھی۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں اُرمِیَہ بہت بڑا شہر بن گیا تھا، اُس کی فصیل کا دور (۱۰۰۰۰) قدم تھا، اور تقریبًا بیس گاؤں اُس سے متعلق تھے۔ اُرمِیَہ کے شمال میں بڑی سڑک پر، اور جھیل اُرمِیَہ کے شمال مغربی گوشۂ ساحل سے ذرا ہٹا ہوا، سَلْماس کا شہر تھا۔ مقدسی نے اِس کو خوبصورت شہر لکھا ہے، جس میں اچھے بازار اور ایک سنگ بستہ جامع مسجد تھی۔ چوتھی (دسویں) صدی میں یہاں کے باشندے کُردوں کی نسل سے تھے۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ غازان خان کے وزیر، علی شاہ، نے اس شہر کی فصیل آٹھ ہزار قدم دور کی مغل بادشاہ غازان خاں کے عہد میں آٹھویں (چودھویں) صدی میں دوبارہ تعمیر کرائی، اور شہر نے پھر اپنی پہلی رونق حاصل کرلی۔ اِس کی آب وہوا سرد تھی، اور ایک دریا جو مغرب کی طرف کے پہاڑوں سے نکلتا تھا۔ اِس شہر میں سے گزر کر جھیل میں گرتا تھا۔

جھیل کے شمالی ساحل پر طَرُّوج یا طَسُّوج نام کا شہر تھا، جو غالبًا وہی مقام ہے جسے آج کل تَزْ دَسَہ کہتے ہیں۔ ہم لکھ آئے ہیں کہ مستوفی نے طَسُّوج کی کھاری جھیل کا اکثر ذکر کیا ہے، اِس سے ظاہر ہے کہ طَسُّوج نے بھی شہر اُرمِیَہ کی طرح اس جھیل کو اپنا نام دینے کی عزت حاصل کی ہے۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں طَسُّوج ایک بڑا شہر رہا ہوگا۔ چونکہ جھیل سے قریب تھا، اس لئے اس کی آب وہوا، تبریز کے مقابلے میں، زیادہ گرم اور مرطوب تھی، اور شہر کے گرد باغات اور قبرستان تھے۔ سَلْماس سے شمال مشرق کی طرف خُوِی (تلفظ: خُوَیْ) ایک ندی کے کنارے، جو شمال کی طرف بہتی ہوئی دریائے اَرَس (Arxes) میں گرتی تھی واقع تھا۔ یہ مقام، یاقوت اور قزوینی کی تحریر کے مطابق بڑا بارونق اور فصیل دار شہر تھا، اس کے گرد سیر حاصل زمینیں تھیں، زرلفت یہاں کی بہت مشہور تھی۔ یہاں ایک چشمہ تھا جس کے متعلق مشہور تھا، کہ اُس کا پانی سردیوں میں گرم اور گرمیوں میں ٹھنڈا ہوجاتا ہے۔ مستوفی لکھتا ہے کہ اس شہر کی فصیل کا دور (٦۵۰۰) قدم کا تھا۔ اور یہاں کے لوگوں کا رنگ گورا مثل ختا (چین) کے لوگوں کے تھا۔ اسّی گاؤں اِس شہر سے متعلق تھے۔

ادھر نکلا تھا۔ اور اسی پہاڑ کے جنوبی دامن سے دریائے سَوَاد، جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، نکل کر مغرب کی طرف بہتا ہوا جھیل اُرمیہ میں گرتا تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے کوہ سَبَلان کا ذکر کیا ہے، اور غلطی سے اس کو کوہ دَماوند سے جو طہران کے شمال میں چند میل کے فاصلے پر ہے، زیادہ بلند لکھ دیا ہے۔ اس کوہ سَبَلان کے دامن درختوں سے ڈھکے ہوئے تھے، اور ان پر بہت سے دیہات اور شہر آباد تھے، جن کے نام مستوفی نے گنوائے ہیں۔ اس نے لکھا ہے کہ یہ پہاڑ پچاس فرسخ کے فاصلے سے نظر آتا تھا، اور اس کی چوٹی ہمیشہ برف سے ڈھکی رہتی تھی۔ چوٹی کے قریب ایک چشمہ تھا، جس کی سطح آب ہمیشہ منجمد رہتی تھی۔ کوہ سبلان کی چوٹی کے قریب دو چوٹیاں اور تھیں: ایک اَھَر کے شمال میں کوہ سَراھَند کی، اور دوسری سیاہ کوہ کی۔ یہ چوٹی کَلَنتَر کے اوپر نظر آتی تھی، جو ایک چھوٹا سا شہر مع ایک قلعہ کے تھا، گھنے درختوں کے جنگل میں واقع تھا، اور ایک دریا تھا جو اس شہر کے مزروعہ زمینوں میں سے گزرتا تھا۔

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی میں اَردَبیل صوبۂ آذربائیجان کا صدر مقام تھا۔ اصطخری نے لکھا ہے کہ اس کے گرد فصیل تھی، اور شہر کا قطر دو تہائی فرسخ تھا۔ اس کے مکانات پختہ اینٹوں کے اور مٹی کے تھے، اور اس زمانے میں یہاں فوج کی ایک چھاؤنی (معسکر) بھی تھی۔ اس کے ملحقہ دیہات بہت سیر حاصل تھے، اور اَردَبیل کا شہد مشہور تھا۔ مقدسی[۱] نے یہاں کے قلعے کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ اَردَبیل میں چار بازار ایسی سڑکوں پر تھے، جس کا تقاطع ایک چوراہے پر ہوتا تھا، اور عین چوراہے پر جامع مسجد تھی۔ شہر کے باہر ایک بارونق اور وسیع بستی (ربض) تھی۔ ۶۱۷ھ (۱۲۲۰ء) میں اَردَبیل کو مغلوں

[۱] اَردَبیل کے باشندوں کے متعلق مقدسی (ص ۳۷۰) نے یہ دلچسپ رائے ظاہر کی ہے:-
انّھم غلاء ثقلاء قلیل العلماء وبلد وحش منتن احد کنف الدنیا اھل مکر و غفلۃ لا ینظرون فی العواقب، ولا یعدون اھل المذاھب، لا مذکر فقیہ، ولا رئیس وجیہ، ومعدل ادیب، ولا حاذق طبیب۔ (مترجم)

گرگر کے قلعہ کے پاس دریائے اُہَس پر بنا ہوا ہے۔ اس پل کے شکستہ آثار اب بھی ملتے ہیں۔
جُلفا، جسے جُولاہہ بھی لکھتے ہیں[1] پُوان سے دریائے ادس کے بہاؤ کی طرف کچھ آگے بڑھ کر واقع تھا۔ اس شہر کو شاہ عباس نے ۱۰۱۴ھ (۱۶۰۵ء) میں برباد کر دیا۔ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا تھا جب کہ اس بادشاہ نے جُلفا کی تمام اَرمنی رعایا کو اس کے شہر سے نکال کر ایک نئی بستی میں آباد کرایا تھا، جو اُس نے اصفہان کے جنوب میں تعمیر کرائی تھی، اور قدیم شہر جُلفا کے نام پر اس بستی کا نام بھی جُلفا رکھا تھا۔ دریائے اَدس کے کنارے پر جو شہر اور تھے ان میں مستوفی نے اُردُوبَاد کا ذکر کیا ہے، جو اب تک موجود ہے۔ یہ مقام اُس جگہ کے قریب واقع ہے، جہاں ایک دریا، جس کے کنارے پر دِزْمَار کا قلعہ تھا، جنوب سے آکر اَدس میں ملتا تھا۔ دِزْمار کا ذکر یاقوت نے بھی کیا ہے۔ دریائے اَدس کے بہاؤ کی طرف اور آگے بڑھ کر مُردان نَعِیم کے علاقے میں زَنگیان کا شہر تھا یہاں ایک دوسرا پل دریائے اَدس کو عبور کرنے کے لئے اب تک موجود ہے۔ فارسی میں اُس کو "پُل خدا آفرین" کہتے ہیں مستوفی نے لکھا ہے کہ اس پل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابیؓ نے ۱۵ھ (۶۳۶ء) میں تعمیر کرایا تھا۔ مُودَان (یا مُراد) نَعِیم کے علاقے میں انیس گاؤں شامل تھے۔[1] (۱۶۸)

اَردَبِیل کا شہر اُس دریا کی بالائی رہگزر پر واقع تھا جس کا نام مستوفی نے دریائے اَنْدَرَاب لکھا ہے۔ شہر اَردَبیل کا یہ دریا، جس کے بہاؤ کی طرف آگے بڑھ کر بائیں ہاتھ سے دریائے آھَر اُس میں ملتا تھا، آخر کار "پل خدا آفرین" سے شمال مشرق میں کچھ دور پر دریائے اَدس میں شامل ہو جاتا تھا۔ سَبَلَان کا بڑا پہاڑ، جو اَردَبیل کے شہر پر گویا چھایا ہوا ہے اُس کے مشرقی دامن سے دریائے اَردَبیل اور مغربی دامن سے دریائے

---

[1] یاقوت ج ۴۔ ص ۲۶۲، ۲۶۰، ۸۴، مستوفی ص ۱۵۷، ۱۵۹، ۲۰۶، علی یزدی ج ۱۔ ص ۳۹۸، ۳۹۹۔ ج ۲۔ ص ۴۷۳ +

جبال کے صوبوں میں حد فاصل تھا، اور یہ دریا صوبۂ گیلان میں سے گزر کر آخر بحیرۂ خزر میں گرجاتا تھا۔ اصطخری اور دوسرے عرب جغرافیہ نویس اِسے سَپیذ رُوذ لکھتے ہیں۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ اُس زمانے میں مغل اِسے ھُولان مُولان (یا اُولن مورین' جو زیادہ صحیح ہے) کہتے تھے، جس کے معنے مغلوں کی زبان میں "سرخ دریا" کے ہیں۔ آج کل سَفِید رُوذ کا ایک حصہ قزل اُزین کہلاتا ہے؛ ترکی زبان میں اس کے معنے "سرخ دریا" کے ہیں۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ سَفِید رُوذ کوہستان کردستان کی ایک پہاڑی سے نکلا ہے، جسے فارسی میں پنج انگشت اور ترکی میں بیش پرمق کہتے ہیں۔ فارسی اور ترکی دونوں ناموں کے معنے پانچ انگلیوں کے ہیں۔ سَفِید رُوذ جو شمال کی طرف بہتا گیا ہے، اس کے دائیں کنارے کی طرف دریائے زنجان شہر زنجان سے آکر اس میں مل جاتا ہے۔ شہر زنجان کا حال ہم آئندہ باب میں بیان کرینگے۔ اس کے بعد سَفِید رُوذ میں اس کے بائیں کنارے سے دریائے مِیانِج اس میں ملتا ہے۔ اس وقت تک دریائے میانج میں بہت سی ندیاں مغرب کی سمت سے آکر شامل ہوچکی ہیں۔ شہر مِیانِج کے شمال میں سَفِید رُوذ اپنا رُخ بدل کر مشرق کی سمت میں بہنے لگتا ہے، اور اس حالت میں سَنجیدہ اور گُدِیوْ کے دو دریا پہلے سے مل کر سَفِید رُوذ کے بائیں کنارے سے اُس میں شامل ہوتے ہیں۔ یہ دونوں دریا خلخال کے نواح سے، جو اَردَبیل کے جنوب میں ہے، آتے ہیں۔ اِس کے بعد خلخال کے علاقہ شاہ رُوذ سے دریائے شال سَفِید رُوذ میں ملتا ہے۔ اور آگے بڑھ کر سَفِید رُوذ میں اُس کے داہنے کنارے سے دریائے طارُم صوبۂ جبال سے بہتا ہوا آکر مل جاتا ہے۔ (جبال کے حالات پندرھویں باب میں بیان ہونگے)۔ اس سے بھی آگے سَفِید رُوذ میں دریائے شاہ رُوچشتین کے ملک سے آکر شامل ہوتا تھا (اس دریائے شاہ رُوذ کو، علاقہ شاہ رُوذ سے جس کا ذکر ہم ابھی کر آئے ہیں خلط ملط نہ کرنا چاہیئے)۔ اور اب اِن سب دریاؤں کو شامل کرتا ہوا پہاڑوں کے سلسلہ سے اپنی راہ نکال کر کُوتَم کے مقام پر، جو صوبۂ گیلان میں ہے، سَفِید رُوذ آخر کار بحیرۂ خزر میں گرجاتا ہے۔

(۱۷۰)

نے لوٹا، اور اُسے ویران کر کے چلتے ہوئے۔ لیکن اس سے ذرا ہی قبل، جب یاقوت یہاں آیا ہے، تو یہ شہر خوب معمور اور بارونق تھا۔ قدیم زمانے میں اَرْدَبِیل اپنے فارسی نام بَاذَان فیروز سے مشہور تھا۔ جب آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے اپنی کتاب لکھی ہے، اُس وقت اگرچہ اَرْدَبِیل آذربائجان کا صدر مقام نہ تھا، لیکن اُس نے مغلوں کی غارتگری کے بعد ہی اپنی پرانی رونق ایک حد تک پھر حاصل کر لی تھی۔ دسویں (سولھویں) صدی میں، جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے، صفویوں کے نئے شاہی خاندان نے تبریز اور پھر اصفہان منتقل ہونے سے قبل اردبیل ہی کو چند روز کے لئے تمام ایران کا دارالسلطنت قرار دیا تھا۔

(۱۶۹) آہَر کا شہر، اَرْدَبِیل سے (۱۵۰) میل کے فاصلے پر دریائے آہَر کے کنارے آباد ہے۔ شروع کے عرب جغرافیہ نویسوں کی فہرست بلاد میں اس کا نام بھی آتا ہے۔ یاقوت نے اسے اچھا سا، مضبوط بنا ہوا شہر لکھا ہے۔ جس کے شمال میں کوہ سَرَاهَنْد واقع تھا۔ اس کے گرد متعدد چھوٹے چھوٹے شہر پہاڑیوں کے ڈھلانوں پر آباد تھے۔ ان شہروں کے نام یاقوت اور مستوفی دونوں نے لکھے ہیں، لیکن اب اُن کی تطبیق یا شناخت مشکل ہے۔ شہر آہَر کے گرد و نواح کا علاقہ پِیشکِین (موجودہ مِیشکِین) کہلاتا تھا۔ یہ نام اُس حکمران خاندان کے نام پر تھا، جو آٹھویں (چودھویں) صدی میں یہاں حکومت کرتا تھا۔ پیشکین کا شہر آہَر سے ایک منزل تھا، اور قدیم زمانے میں وَرْوِی کہلاتا تھا۔ مستوفی لکھتا ہے کہ دریائے اَنْدَرَاب کو اس مقام سے ذرا پہلے جہاں اس دریا سے آہَر ملتا تھا ایک عمدہ پل کے ذریعے عبور کیا جاتا تھا، جسے غازان خاں کے وزیر، علی شاہ، نے تعمیر کرایا تھا۔[۱]

آذربائجان کے تمام جنوب مشرقی حصہ کا پانی سَفِید رُود اور اس کے معاون دریاؤں میں آتا تھا۔ سَفِید رُود کا بڑا حصہ آذربائجان اور

---

[۱] اصطخری ص ۱۸۱؛ ابن حوقل ص ۲۳۰، ۲۳۸، ۲۴۰، ۲۶۶؛ مقدسی ص ۳۷۴، ۳۷۷؛ یاقوت ج ۱ ص ۱۹۷، ۴۰۹، ۳۷۶؛ ۱۶۴؛ ج ۴ ص ۹۱۸؛ مستوفی ص ۱۵۶، ۱۵۷، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۱۷۔

میں اس کا موقع اَرْدَبِیل سے بارہ فرسخ جنوب میں بیان ہوا ہے۔ فِیرُوزْآباد جو درّے کی چوٹی پر واقع تھا، یہاں پہاڑوں کی برف پوش چوٹیوں کے بیچ میں (۱۷۱) ایک چشمہ ابلتے ہوئے گرم پانی کا تھا۔ مستوفی لکھتا ہے کہ کسی زمانے میں یہاں حاکم علاقہ رہا کرتا تھا لیکن یہ شہر ویران ہوا، تو شہر خلخال نے اس کی جگہ لی۔ فِیرُوزْآباد کی اصل جائے وقوع کا تعین اب ناممکن ہے۔ کَلْوُرا اور شال کے چھوٹے شہر، جو اب بھی نقشے پر ملتے ہیں، علاقہ شاہ رُود میں شمار ہوتے تھے، اور دریائے شال پر واقع تھے۔ دریائے شال کی پہاڑیوں سے نکلتا تھا۔ دریائے شال کو آج کل شاہ رُود خورد کہتے ہیں۔ مستوفی نے خلخال کے اور بہت سے مقامات کے نام بھی لکھے ہیں۔ لیکن اب ان کی شناخت ممکن نہیں[1]۔

آذربائجان کی چند پیداوار کا ذکر آئندہ باب کے آخر میں ہوگا؛ اور اس صوبے کی بڑی سڑکوں کا مختصر حال پندرھویں باب میں صوبۂ جبال کا حال لکھنے کے بعد درج کیا جائیگا، کیونکہ یہ تمام سڑکیں خراسان کی بڑی سڑک کے مختلف مقامات سے شروع ہوتی ہیں، اور یہ بڑی سڑک صوبۂ جبال میں سے گذرتی ہے۔

---

[1] اصطخری ص ۱۸۹؛ ابن حوقل ص ۲۴۶، ۲۵۳؛ مقدسی ۳۸۷؛ یاقوت ج ۱۔ ص ۲۳۹؛ ج ۴۔ ص ۱۰۷؛ مستوفی ص ۱۵۶، ۱۵۸، ۱۹۴، ۲۱۵، ۲۱۸؛ جہاں نما ص ۳۸۴، ۳۸۸۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ دریائے مِیانِج سَفِید رُود کے بائیں جانب والے معاونوں میں سب سے بڑا تھا۔ یہ مغرب کی طرف سے بہتا ہوا آیا تھا، اور اُوجان کے جنوب میں جو علاقہ تھا وہاں سے نکلا تھا (دیکھو صفحہ حاشیہ ۱۶)۔ اور جب دریائے میانج علاقۂ گرمرُود میں پہنچتا تھا تو وہاں اُس کے بائیں کنارے سے گرمرُود (گرم دریا) اس میں مل جاتا تھا، اور گرمرُود سَرَاۃ کے جنوب کے کوہستان سے نکلا تھا۔ شہر میانج کے جنوب میں ہشت رُود (آٹھ دریا) دریائے میانج سے مل جاتا تھا۔ ہشت رُود اُن پہاڑوں سے نکلتا تھا جو مَرَاغہ سے جنوب میں واقع تھے۔ مستوفی کے زمانے میں جس مقام پر ہشت رُود اور دریائے میانج ملتے تھے وہاں ایک عظیم الشان سنگین پل تیس محرابوں کا بنا ہوا تھا۔

میانج یا مَیانہ (درمیانی جگہ) کا شہر ایران تمام دریاؤں کے مقام اتصال پر واقع ہے، بہت قدیم زمانے سے ایک بڑا شہر چلا آتا تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے اِسے خوب آباد و معمور شہر لکھا ہے۔ اِس کے علاقہ میں، جو بعد کو گرمرُود کہلانے لگا تھا، میوہ بکثرت پیدا ہوتا تھا۔ مقدسی نے، جس نے اس شہر کا موجودہ نام مَیانہ لکھا ہے، تعریف کی ہے کہ یہاں تجارت کا مال بکثرت بھرا رہتا تھا۔ اور یاقوت نے جو چھٹی (بارھویں) میں یہاں آیا تھا، شہر کے عمدہ جار وقوع کی تعریف کی ہے۔ اس کے بعد ساتویں (سترھویں) صدی میں، جب مستوفی اپنی کتاب لکھ رہا تھا، تو یہ شہر تنزل کر کے محض ایک بڑا گاؤں رہ گیا تھا؛ لیکن اُس وقت بھی بڑی سڑکوں کا جو سلسلہ مغلوں نے قائم کیا تھا، اُس کی ایک بڑی منزل تھی۔ اس کی آب و ہوا گرم تھی، اور حشرات الارض کی کثرت تھی۔ (میانہ کے کھٹملوں سے اب بھی مسافر پناہ مانگتے ہیں)۔ علاقۂ گرمرُود میں کم و بیش ستو زرخیز دیہات تھے، اور غلہ بکثرت پیدا ہوتا تھا۔

تین دریا، سَنجِیذ، کَذِیو (مصنف جہاں نمانے اسکَذِیو لکھا ہے)، اور شال سمت شمال سے بہتے ہوئے آکر سَفِید رُود میں ملتے تھے۔ یہ سب علاقۂ خلخال سے آئے تھے۔ اس علاقے کے صدر مقام کا نام بھی خلخال تھا۔ سفرنامہ

دَیلَم کا ملک کہلاتا تھا، یہ نام بھی عموماً بصیغۂ جمع "دَیلَمان" لکھا جاتا تھا۔ یہ ملک تاریخ میں اس وجہ سے مشہور ہوا کہ وہ بنی بُوَیہ یا دیلمیون کا اصلی وطن تھا، جن کے سردار چوتھی (دسویں) صدی میں بغداد اور بڑی حد تک خلافت کے مالک و مختار بن گئے تھے۔ (۱۷۳)
ساحل سے ملا ہوا زمین کا تنگ ٹکڑا اور پہاڑ کا دامن، جو بحیرۂ خزر کے جنوب مغربی ساحل سے شروع ہو کر شمال کی طرف گیا تھا، اور جس کے مشرق میں سمندر تھا، طالش کا علاقہ ہے، جسے یاقوت نے، بصیغہ جمع طَالِشَان یا طَیلِشَان لکھا ہے۔ اس کے مشرق میں طَبَرِستان کی سرحد پر الرُّوَیج کا سلسلۂ کوہ تھا، جس کے پار وہ کوہستانی علاقہ تھا، جس کا مالک قارِن کا شاہی خاندان تھا۔ اس خاندان کے اکابر از یا درفتہ زمانے سے ان کوہستانوں میں حکومت کرتے چلے آتے تھے۔ ان کا تفصیلی حال چھبیسویں باب میں آئیگا۔

چوتھی (دسویں) صدی میں جب مقدسی نے اپنی کتاب لکھی ہے، اور اُس زمانے میں بنی بُوَیہ اپنے انتہائی عروج کو پہنچے ہوئے تھے، تو اُس وقت تمام گیلان، مع اُن پہاڑی علاقوں کے جو مشرق میں بحیرۂ خزر کے ساحل سے ملحق چلے گئے تھے، یعنی طَبَرِستان، جُرجَان اور قُومِس، یہ سب صوبۂ دَیلَم میں شمار ہوتے تھے۔ لیکن بعد کے زمانے میں یہ مشرقی صوبے الگ الگ سمجھے جانے لگے۔ اس کے بعد دَیلَم کا نام ہی عموماً غیر مستعمل ہو گیا۔ اور سَفِید رُود کے ڈیلٹا کی نشیبی زمینوں نے اپنا نام کل متصلہ علاقہ کو دے دیا، یعنی وہ صوبہ جیلان کہلانے لگا۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ جیلان ساحلی علاقہ تھا، اور دَیلَم بلند پہاڑی علاقہ تھا، جو جیلان سے گھرا ہوا تھا۔ تاریخ کے مختلف دوروں میں کبھی دَیلَم اور کبھی جیلان، ان دونوں ناموں کا اطلاق اُس تمام صوبے پر ہوا کرتا تھا، جو بحیرۂ خزر کے جنوب مغربی ساحل کے گرد واقع تھا۔[1]

---

[1] اصطخری ص ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶ + ابن حوقل ص ۲۱۷، ۲۶۸ + مقدسی ص ۳۵۳ + یاقوت ج ۱۔ ص ۴۷۱، ۴۸۱ + ج ۲۔ ص ۶۷۹، ۷۱۱ + ج ۳۔ ص ۵۱۷ + مستوفی ص ۱۹۱، ۱۹۴ + ابو الفداء ص ۴۲۶۔ طالِش کا املاء طا اور طے دونوں سے ہے۔ اس کی جمع طَالِشَان یا طَیلِشَان، اور مستوفی کی تحریر کے مطابق طوالش تحریر ہوئی ہے۔

(۱۷۲

باب دوازدہم

گیلان اور شمال مغربی صوبے

گیلان۔ دیلم اور طالش کے علاقے۔ برزوان، دولاب اور خشم۔ لاہیجان، رشت، اور گیلان کے دوسرے شہر۔ علاقہ موغان۔ بجروان اور برزند۔ محمود آباد۔ ورثان۔ صوبہ الرآن بردعہ۔ بیلقان۔ گنجہ اور شمکور۔ دریائے کر اور دریائے ارس۔ صوبہ شروان۔ شماخی۔ باکویہ اور باب الابواب۔ صوبہ گرجستان یا جارجیا۔ تفلیس اور قرص۔ صوبہ آرمینیا۔ دبیل یا دوین۔ جبیل وان۔ اخلاط، ارجیش، وان بدلیس۔ شمالی صوبوں کی پیداوار۔

سفید رود، جیسا کہ گزشتہ باب میں بیان ہو چکا ہے، کوہستان البرز کے سلسلہ میں سے بڑی پیچ و خم کا راستہ طے کر کے بحیرۂ خزر کے جنوبی ساحل کے مغربی سرے پر اس بحیرہ میں گرتا ہے، اور یہاں ایک ڈلٹا مع کسی قدر عریض دلدلی زمین کے، جس کی پشت پر کوہ البرز کا سلسلہ نظر آتا ہے، پیدا کر دیتا ہے۔ سفید رود کے اس ڈلٹا، اور ان پہاڑیوں سے، جو نصف دائرے کی شکل رکھتی ہیں، جن پر درختوں کے بن کھڑے ہیں، اور جو ڈلٹا کو اطراف جنوب و مغرب میں حلقہ کئے ہیں، مراد گیلان کا مختصر سا صوبہ تھا، جسے عرب جیل یا جیلان کہتے ہیں[1]۔
عرب جغرافیہ نویسوں نے ڈلٹا کی صرف زرعی زمینوں کو خصوصیت کے ساتھ جیل یا جیلان لکھا ہے اور جب وہ تمام صوبے کا ذکر کرتے ہیں تو اکثر اس نام کو بصیغہ جمع جیلانات لکھتے ہیں، اور اس صورت میں سمجھنا چاہئے کہ کوہستانی علاقے بھی اس نام میں شامل ہو جاتے تھے۔ جنوب اور مغرب میں وہ سلسلہ کوہ جو صوبہ جبال میں طالقان اور طارم کے علاقوں کی سرحد پر واقع ہے

[1] گیلان کے نقشے کے لئے دیکھو:۔ نقشہ ملحقہ باب ۱۳۔

یہ شہر سَفِیدرُود کے دہانے کے مشرق میں واقع تھا، اور اُس زمانے میں خاصا بڑا شہر تھا۔ یہاں ریشم بکثرت تیار ہوتا تھا۔ اس کے علاقے میں چاول، اور غلّہ، اور ایک کسی قدر ترش نارنگی، نارنگیاں، اور گرم ملکوں کے اور پھل پیدا ہوتے تھے۔ سَفِیدرُود کے دہانے کے قریب کُوتَم یا کُوتُم اُن جہازوں کا لنگر گاہ تھا جو بحیرۂ خزر کے دوسرے حصوں سے آتے تھے۔ یاقوت اور ابوالفدا دونوں نے اس کا ذکر کیا ہے۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں وہ بڑا تجارتی مقام تھا، اور بحیرۂ خزر کے اصلی ساحل سے صرف ایک دن کی مسافت پر تھا۔ فُومِن اور فُومَن کا علاقہ کچھ دور ملک کے اندر جاکر سَفِیدرُود کے مغرب میں واقع ہے۔ اِسے دَیلَم کے کوہستانی علاقے کا صدر مقام سمجھا جاتا ہے۔ مستوفی نے اِسے بڑا شہر لکھا ہے، جو سیر حاصل زمین پر واقع ہے، جہاں چاول اور غلّہ کثرت سے پیدا ہوتا ہے۔ ریشم بھی یہاں تیار کیا جاتا تھا، اور اُس کے کپڑے بُنے جاتے تھے۔

شروع کے زمانے میں مستوفی تنہا ایسا مصنف ہے جس نے رَشت کا حال لکھا ہے، جو آج کل گیلان کا صدر مقام ہے۔ اور کسی عرب جغرافیہ نویس نے اس کا نام تک نہیں لیا۔ مستوفی نے یہاں کی گرم اور مرطوب آب و ہوا کا ذکر کیا ہے۔ دساور بھیجنے کے لئے روئی اور ریشم بکثرت پیدا کیا جاتا تھا۔ مستوفی کے زمانے میں یہ شہر کسی قدر بڑا اور مشہور ہوچکا تھا۔ رشت کے مغرب میں آج کل تُولِم کا علاقہ واقع ہے۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ تُولِم آٹھویں (چودھویں) صدی میں بڑا اور مشہور شہر تھا۔ ابوالفدا نے لکھا ہے کہ تُولِم جیلان، یعنی نشیبی علاقے کا صدر مقام تھا، اس کے اضلاع بہت زرخیز تھے، اور اُن میں روئی، غلّہ، چاول، نارنگیاں، ایک قسم کی ناشپاتی کا ترش پھل، اور لیموں پیدا ہوتے تھے، اور دساور کئے جاتے تھے۔ شَفت یا شَفتَند ایک شہر کا نام ہے۔ مستوفی نے اس کا حال بھی اُن ہی الفاظ میں بیان کیا ہے جو تُولِم کے متعلق اوپر لکھے گئے ہیں۔ آج کل صرف شَفت کا علاقہ، جو رَشت کے جنوب میں واقع ہے، باقی رہ گیا ہے۔ آخر میں مستوفی نے گیلان میں اِصفَهباذ کا ذکر کیا ہے۔ یاقوت نے اس کا املا اِسفِہبان کیا ہے، اور لکھا ہے کہ وہ بحیرۂ خزر سے دو میل کے فاصلے پر تھا، لیکن اس کے

(۱۷۵)

دَیلَم کا صدر مقام شہر رُذبَاد بیان کیا گیا ہے، لیکن اب معلوم نہیں کہ یہ شہر کہاں تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ صوبے کا مستقر حکومت بَرَوَان تھا، مگر اب وہ بھی موجود نہیں، اور کسی سیاحت نامہ سے دریافت نہیں ہوتا کہ وہ ٹھیک کس جگہ واقع تھا۔ بَرَوَان کے متعلق مقدسی نے یہ بھی لکھا ہے کہ نہ وہاں اچھے مکانات تھے، نہ عمدہ بازار اور نہ کوئی جامع مسجد تھی۔ حاکم صوبہ کے رہنے کا مقام شہرستان کہلاتا تھا، اور یہاں کے سوداگر مالدار تھے۔ اسی وجہ سے یہ شہر ترقی پر تھا۔ جیلان کا صدر مقام مقدسی نے دُولاب بتلایا ہے، اور لکھا ہے کہ یہ عمدہ شہر تھا، اس کے مکانات پتھر کے مضبوط بنے ہوئے تھے، بازار بھی اچھا تھا، اور بازار میں ایک جامع مسجد تھی۔

(۱۷۴) ابوالفدار کی تحریر کے مطابق دُولاب وہی ہے جسے کَشکَر کہتے تھے۔ اس ملک کا صرف ایک سفرنامہ ہے جو ہم تک پہنچا ہے، اور اس میں مقدسی نے دُولاب کو مِیلَان سے چار منزل کی مسافت پر بتایا ہے۔ ابوالفدار نے مِیلَان کو ایک خرمن گاہ یا چھوٹا سا گاؤں لکھا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا شمار طالِش کے بڑے مقامات میں تھا۔ سَفِید رُود سے دو اور مِیلَان چار منزل کے فاصلے پر خَشَم کا شہر تھا جہاں بنی علی کا ایک رئیس (داعی) رہتا تھا۔ اس رئیس نے تیسری (نویں) صدی میں ان صوبوں پر عباسی خلفاء کی اطاعت کے بغیر خود مختارانہ حکومت کی۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ خَشَم میں ایک عمدہ بازار، اور داعی کے محل کے قریب ایک جامع مسجد تھی۔ ایک دریا شہر میں سے گزرتا تھا، اور اس کو عبور کرنے کے لئے کشتیوں کا ایک عجیب وغریب پل تھا۔ ان پرانے شہروں کا پتہ لگانا اور ان کی جاء وقوع کا صحت کے ساتھ تعین کرنا نہائت مشکل ہے[۱]۔

آٹھویں (چودھویں) صدی میں گیلان کے بڑے بڑے شہر مستوفی کی تحریر کے مطابق لاہیجان، اور فُومَن تھے۔ ابوالفدار نے بھی فُومَن کا ذکر کیا ہے۔

---

[۱] اصطخری ص ۲۰۴، ۲۰۵ + مقدسی ص ۳۵۵، ۳۶۰، ۳۷۱ + ابوالفدار ص ۴۲۹ (غلطی سے یہاں مِیلَان کو بِیَان لکھ دیا گیا ہے) + یاقوت ج ۲ ص ۶۲۲ + بنی علی (حسینی) کے خاندان داعی کے متعلق دیکھو:- Das Sudliche Ufer des Caspischen Meeres مصنفہ جی میلگوناف (G. Melgunof) ص ۵۳

پر بتلائی ہے، اور برزنفد کا نام اب بھی نقشوں پر ملتا ہے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کی روایات کے مطابق بجرّوان کا تعلق چشمۂ آب حیوان سے بھی تھا۔ اس چشمہ کے متعلق بیان ہوا ہے کہ حضرت خضرؑ نے اسے دریافت کیا تھا۔ اوپر آچکا ہے کہ بجرّوان کے جنوب میں برزند واقع تھا، جسے ابن حوقل نے بڑا شہر لکھا ہے، اور مقدسی نے یہاں کے بازاروں کی تعریف کی ہے۔ ان بازاروں میں تمام قرب وجوار کی پیداوار دساور کرنے کے جمع کی جاتی تھی، کیونکہ یہ شہر اس علاقے کی تجارت کا مرکز تھا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ اُس کے زمانے میں بجرّوان اور برزند دونوں کم ہوکر چھوٹے چھوٹے گاؤں رہ گئے تھے۔ گرد ونواح کے علاقوں کی آب وہوا گرم تھی، اور غلہ بکثرت پیدا ہوتا تھا۔[1] (۱۷۶)

مُوقان کی ہموار سرزمین کے تین شہروں، یعنی پیلسوار، محمود آباد، اور ہمشہرہ کا تذکرہ مقدسی نے کیا ہے۔ پیلسوار کے نام کی وجہ یہ بیان ہوئی ہے کہ بنی بویہ نے یہاں ایک امیر کو حکومت کرنے بھیجا تھا، جس کا نام پیلسوار (یعنی بڑا شہسوار یا جوان مرد سپاہی) تھا۔ محمود آباد، جو بحیرۂ خزر کے قریب گاؤباری کی ہموار سرزمین پر پیلسوار سے بارہ فرسخ تھا، اُس کی نسبت مستوفی لکھتا ہے کہ مغل بادشاہ غازان خاں نے اُسے تعمیر کرایا تھا۔ قریب کا شہر ہمشہرہ سمندر کے ساحل سے دو فرسخ تھا۔ پہلے اس کا نام ابرشہر یا یوشہر تھا۔ مستوفی لکھتا ہے کہ اسے فرہذ پسر گودرز نے آباد کرایا تھا۔ اس فرہذ پسر گودرز کو منوچہر کے مطابق بتایا گیا ہے۔ بجرّوان کے شمال میں، کسی زمانے میں بلخاب تھا، جسے ایک آباد قصبہ مع رباط اور کاروان سراؤں کے بیان کیا گیا ہے۔ شمال کی بڑی سڑک پر اس منزل سے آگے دریائے آرس کے جنوبی کنارے پر ورثان کا شہر آتا تھا۔ اران کے علاقے میں داخل ہوتے ہی آتا تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ورثان کے گرد فصیل تھی، اس کے بازار تجارت کے مال سے بھرے رہتے تھے،

---

[1] ابن حوقل ص ۲۵۱؛ مقدسی ص ۳۷۶، ۳۸۰؛ یاقوت ج ۱ ص ۵۶۳؛ ج ۴ ص ۶۸۶؛ مستوفی ص ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۸۰؛ جہان نما ص ۳۹۲۔

سوا اور کچھ نہیں لکھا جس سے اُس کے موقع کا تعین صحت کے ساتھ ہو سکے۔ غلّہ، چاول اور کچھ میوہ یہاں بھی پیدا ہوتا تھا؛ اور گرد و نواح کے علاقے میں سو کے قریب گاؤں تھے۔ اس شہر کا نام اِسفَہبَذ یا اِسپَہبَذ کے نام پر رکھا گیا تھا۔ یہ خاندان ساسانیوں کے تحت میں اِس ملک پر نیم خود مختارانہ حکومت کرتا تھا، اور مسلمان ہونے کے بعد اس خاندان کے رئیس ابتدائی خلفار کے زمانے میں طَبَرِستان پر بادشاہوں کی طرح حکومت کرتے رہے۔

مُوغَان

مُوغَان[۱] یا مُغکان یا مُوقَان اُس دلدلی قطعۂ ارض کو کہتے تھے جو کوہ سَبلان کے قاعدے سے لے کر بحیرۂ خزر کے شرق رویہ ساحل تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ علاقہ دریائے آرَس کے دہانے کے جنوب اور طالِش کے کوہستانی کے شمال میں تھا۔ بعض مرتبہ یہ آذربائجان کا ایک حصہ سمجھا گیا ہے، لیکن عام طور سے وہ ایک الگ علاقہ شمار ہوا ہے۔

چوتھی (دسویں) میں مُوغَان کا صدر مقام اِسی نام کا ایک شہر تھا، لیکن اس کی جاے وقوع کا تعین مشکل ہے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ مُوقَان کا شہر دو دریاؤں پر واقع تھا؛ اُس کے گرد باغات تھے، اور وسعت میں وہ تَبریز کے برابر تھا۔ مقدسی نے اِس شہر کے جو حالات لکھے ہیں ان سے یہ امر ناممکن نہیں معلوم ہوتا کہ مُوقَان وہی شہر ہو، جسے بَجرَوَان کہتے ہیں؛ اور جس کو مستوفی نے اس علاقے کا پرانا دارالحکومت لکھا ہے، اور جو مستوفی کے زمانے میں ہی برباد ہو چکا تھا۔ مستوفی نے اپنی کتاب میں بَجرَوَان کی جاے وقوع بَرزَند کے شمال میں چار فرسخ کے فاصلے

---

[۱] یاقوت ج ۱ ص ۲۹۸ + ج ۴ ص ۶۸۹؛ ۳۱۶ + ابوالفدا ص ۲۲۶، ۲۹۴ + مستوفی ص ۱۹۱، ۱۹۲ + جہاں نما ص ۳۹۳، ۳۹۴ +

[۲] مُوغان اور دوسرے شمال مغربی صوبوں کے نقشے کے لیے دیکھو نقشہ ۵۔

ایران کا صدر مقام برذاعہ[1] تھا جس کے کھنڈر اب تک موجود ہیں۔ برذاعہ جس کو بعد میں بردَاع کہنے لگے، ابن حوقل اس کی نسبت چوتھی (دسویں) صدی میں لکھتا ہے کہ اس شہر کا قطر ایک فرسخ تھا، اور وہ اس علاقے کا سب سے بڑا شہر تھا۔ یہ شہر مربع کی شکل میں تعمیر کیا گیا تھا، اس کی حفاظت کے لئے ایک قلعہ تھا، اور شہر دریائے کُر سے تین فرسخ کے فاصلے پر اس کے معاون دریائے ثرثور کے کنارے آباد تھا۔ شہر کے قریب، دریائے کُر میں ایک قسم کی مچھلی، جسے شُرماہی (فارسی میں شور ماہی (کھاری مچھلی) کہتے تھے) پکڑی جاتی تھی۔ جسے نمک لگا کر تیار کرنے کے بعد قرب وجوار کے شہروں میں بطور سوغات بھیجا جاتا تھا۔ یہ مچھلی دریائے ارس میں بھی ورثان کے قریب ملتی تھی۔ برذاعہ کے گرد کا سیر حاصل علاقہ اَندَراب کہلاتا تھا۔ اس علاقے میں ایک دن کی مسافت تک ہر سمت میں گاؤں، اور ان کے مسلسل باغات و شرستان چلے گئے تھے، اور ان میں میوے، خصوصاً شاہ بلوط، بندق اور انجیر بکثرت پیدا ہوتے تھے۔ ان علاقوں میں ریشم کے کیڑے کی بھی پرورش کی جاتی تھی۔

برذاعہ سے باہر باب الاکراد (کُردوں کے دروازہ) پر ہر اتوار کو ایک بازار لگتا تھا، اور یہ بازار طول میں ایک فرسخ تک ہوتا تھا۔ یہاں کے لوگ اس بازار کو الکُرکی کہتے تھے۔ یہ لفظ یونانی زبان کے لفظ کوریاکوس (Kuriakos) سے نکلا تھا، جس کے معنے خداوند کے دن کے ہیں۔ اور یہ بیان ہوا ہے کہ اتوار کے دن کو عام طور پر کُرکی کا دن کہتے تھے۔ برذاعہ میں ایک نہایت عمدہ جامع مسجد بھی تھی، اس کی چھت چوبی ستونوں پر قائم تھی، اور اس کی دیواریں پختہ اینٹوں کی تھیں، جن پر چونے کی استرکاری تھی۔ یہاں متعدد حمام بھی تھے۔ بنی امیہ کے عہد میں صوبے کا خزانہ برذاعہ میں ہی رہتا تھا۔ ساتویں (تیرھویں) صدی میں، جب یاقوت نے اپنی کتاب لکھی ہے، تو برذاعہ ویران ہو چکا تھا۔ لیکن آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے دریائے ثرثور کے کنارے اس وقت تک (۱۷۸)

---

[1] ابن حوقل (ص ۲۴۴) اور مقدسی (ص ۳۸۰) نے اسے برذعہ لکھا ہے۔ مترجم)

اور اس کے دروازوں کے باہر ایک بستی تھی۔ یہ شہر ایک ہموار قطعۂ زمین پر دریا کے کنارے سے دو فرسخ کے فاصلے پر بڑا معمور مقام تھا۔ اس کی جامع مسجد شہر سے باہر کی آبادی میں تھی۔ وَرثان کے متعلق روایت تھی کہ خلیفہ ہارون الرشید کی ملکہ زبیدہ نے اسے بسایا تھا۔[1]

اَرّان

اَرّان، شِروان، گرُجستان، اور ارمینیہ کے صوبے، جو بیشتر دریائے اَرَس کے شمال میں واقع ہیں، اسلامی سلطنت میں چند سے شمار نہیں ہوتے تھے، اور اسی لئے عرب جغرافیہ نویسوں نے ان کا حال مجمل طور سے بیان کیا ہے۔ (۱۷۷) مسلمان یہاں قدیم زمانے سے ہی آباد تھے۔ خلفاء نے یہاں مختلف زمانوں میں اپنی طرف سے حاکم مقرر کئے تھے، لیکن زمانۂ وسطیٰ کے خاتمہ کے قریب تک ان علاقوں کی آبادی زیادہ تر عیسائیوں کی رہی۔ پس جب مغلوں کی یورش کے بعد سلطنت کی نئی تنظیم ہوئی یا یہ سمجھنا چاہئے کہ آٹھویں (چودھویں) صدی میں تیمور گرجستان میں اپنی لڑائی لڑ چکا، اور یہاں کی زمینوں پر ترکوں نے مستقل سکونت اختیار کرلی، تو اسلام یہاں کا سب سے زیادہ مروج مذہب ہوگیا۔

صوبۂ اَرّان اُس مثلث قطعۂ ارض میں شامل ہے جو دریائے کیروس (Cyrus) (عربی: کُر) اور دریائے اَرَس (Araxes) کے مقام اتصال کے مغرب میں واقع ہے۔ اس طرح اَرّان کا صوبہ، جیسا کہ مستوفی نے لکھا ہے بَین النہرَین یعنی دو دریاؤں کے بیچ میں ہے۔ عرب جغرافیہ نویس اَرّان کو عربی شکل وصورت دینے کے لئے الرّان لکھتے ہیں۔ چوتھی (دسویں) میں

[1] ابن حوقل ص ۲۵۱+ مقدسی ص ۳۷۶+ یاقوت ج ۴۔ ص ۹۱۹+ مستوفی ص ۱۶۰، ۱۹۸+ جہان نما ص ۳۹۳+

کر کے اُس کو فتح کر لیا۔ بعد کو تیمور نے اس شہر کو دوبارہ تعمیر کرایا، اور دریائے آرس سے پانچ فرسخ لمبی اور پندرہ ذرع چوڑی ایک نہر کھدوائی، جس کی وجہ سے اس نئے شہر میں پانی بخوبی مہیا ہو گیا۔ یہ نہر قبیلۂ بَرلاس کے نام پر، جس سے تیمور تھا، بَرلاسی کہلاتی تھی۔

آرّان کے دو اور شہروں کا ذکر بھی آیا ہے، اور یہ دونوں بَرذَعہ کے شمال مغرب میں اُس سڑک پر واقع تھے جو تفلیس کو جاتی تھی۔ ان میں ایک شہر گَنجہ ہے (جو آج کل ایلیزبٹ پول (: Elizabetpole) کے نام سے زیادہ معروف ہے)، عرب اِسے جَنزَہ لکھتے ہیں، اور قزوینی نے اس کے دریا کا نام قِردقاس لکھا ہے۔ اس سے آگے اِسی شمال مغربی سمت میں شَمکور تھا، جس کے کھنڈر اب تک موجود ہیں۔ تیسری (نویں) صدی میں یہ شہر مُتوکلیہ کہلاتا تھا، کیونکہ خلیفہ متوکل علی اللہ کے حکم سے اِسے ۲۴۰ھ (۸۵۴ء) میں دوبارہ تعمیر کیا گیا تھا۔[1]

(۱۷۹)

دو دریا، جن سے آرّان کی سرحد قائم ہوتی تھی، اور جن کو یونانی ارکسیس (The Araxes) اور کیروس (The Cyrus) کہتے تھے، عربوں میں ان کا نام نَہرُالرَّس (یا اَرَس) اور نہرالکُر (یا کُر) ہے۔ دریائے اَرَس مغربی آرمینیہ کے علاقہ قالیقلا سے نکلتا تھا، اور آذربائجان کی شمالی سرحد سے ملا ہوا گزر کر دریائے کُر میں گر جاتا تھا۔ اس مقام اتصال کے متعلق مستوفی نے لکھا ہے کہ وہ آرّان کے مشرقی حصہ میں قراباغ کے علاقے میں تھا، دریائے کُر گرجستان میں تفلیس کے مغربی پہاڑوں سے نکلا ہے، یعنی خزرون کے ملک سے، جس میں ابخاس اور آلان کے علاقے شامل ہیں۔ تفلیس سے گزر کر دریائے کُر شہر شَمکور تک جاتا ہے، اور مستوفی لکھتا ہے کہ

---

[1] روس کے فوجی نقشے میں بَیلقان کا پتہ نہیں لگتا۔ ابن خرداذبہ ص ۱۲۲+ قدامہ ص ۲۴۳+ اصطخری ص ۱۸۷، ۱۹۸+ ابن حوقل ص ۲۴۴، ۲۵۱+ مقدسی ص ۳۷۶+ یاقوت ج ۱-ص ۷۹۷+ ج ۳-ص ۳۲۲+ قزوینی ج ۲-ص ۳۴۵، ۳۵۱+ علی یزدی ج ۲-ص ۳۴۲، ۵۴۵+ مستوفی ص ۱۶۰+

اُسے بڑا شہر لکھا ہے۔ دریائے کُرُ اور دریائے ثرثوُر کے اتصال سے غالباً جنوب میں وہ مقام تھا جہاں بَرذَاعَہ سے صوبۂ شِروان میں شماخی کو براہِ راست جانے والی سڑک دریائے کُر کو عبور کرتی تھی۔ اس معبر اور دریا پر بَرذَاعَہ سے اٹھارہ فرسخ کے فاصلے پر، اگرا سے ایک دن کا سفر سمجھا جائے، جَرزَنج کا شہر تھا، جہاں تاجروں کی آمد و رفت بہت تھی اور تجارت کا مال درآمد برآمد کرنے کے لئے جمع رہتا تھا۔[1]

بَیلقان کا شہر، جسے آرمنی میں فیدیگران (Phaidagaran) کہتے ہیں، بَرذَاعَہ کے بوسیدہ اور ویران ہونے کے بعد آران کا صدر مقام بنا۔ اگرچہ اس شہر کے نشانات اب بالکل مٹ گئے ہیں لیکن عرب جغرافیہ نویسوں نے اس کا موقع بہت صاف بیان کیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ بَیلقان بَرذَاعَہ سے چودہ فرسخ جنوب میں دریائے اَرَس سے سات یا نو فرسخ شمال میں اس سڑک پر جو بَرزَند سے آتی تھی واقع تھا۔ نویں (پندرھویں) صدی تک یہ شہر ایک بڑا مقام رہا۔ ابن حوقل نے چوتھی (دسویں) صدی میں اسے ایک خوبصورت شہر لکھا ہے، جہاں بہت سی نہریں تھیں، جن پر پن چکیاں چلتی تھیں، اور ہر طرف باغات و قمرستان تھے۔ یہاں ایک خاص قسم کا شربت بنایا جاتا تھا، جس سے اس شہر کی شہرت تھی۔ ۶۱۷ھ (۱۲۲۰ء) میں بَیلقان پر مغلوں نے حملہ کیا۔ اِدھر اُدھر میدان میں منجنیقوں سے چھوڑنے کے لئے پتھر نہ ملے تو سال کے درختوں کو گرا کر اور آروں سے اُن کے تنوں کے ٹکڑے کر کے، پتھروں کی جگہ ان کو منجنیق میں لگا کر شہر کی دیواروں اور مکانوں پر مارا، اور اس طرح شہر کو فتح کر کے خوب لوٹا اور جلا دیا۔ بہرکیف شہر کے لُٹنے اور جلائے جانے کے بعد یہاں کے باشندے پھر شہر میں چلے آئے، اپنے مکانات دوبارہ تعمیر کئے، اور شہر کو پھر اپنی پہلی سی رونق حاصل ہو گئی۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے اختتام پر تیمور نے بَیلقان کا محاصرہ

---

[1] اصطخری ص ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۷، ۱۸۸ + ابن حوقل ص ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۴، ۲۵۰ + مقدسی ص ۳۷۴، ۳۷۵ + یاقوت ج ۱۔ ص ۵۵۵، ۵۶۲ + مستوفی ص ۱۶۰ + قزوینی ج ۲۔ ص ۳۴۴ +

صوبے کے صدر مقام شماخیہ سے تین دن کی مسافت پر تھا لیکن ان دونوں شہروں کا ٹھیک موقع معلوم نہیں۔

شروان کا سب سے زیادہ شمالی شہر بابُ الاَبواب تھا۔ یہ نام عربوں نے دَربَند کا رکھا تھا، جو بحیرۂ خزر کا مشہور بندرگاہ تھا۔ ابن حوقل کہتا ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی میں یہ شہر اَذربِیل سے، جو اس زمانے میں آذربائجان کا صدر مقام تھا، بڑا تھا۔ بندرگاہ کو دو سنگ بستہ دیواروں یا سدّوں [سَدَّین][1] سے جو سمندر میں کچھ دور تک چلی گئی تھیں، محفوظ کیا گیا تھا۔ ان دیواروں کے اختتام پر پانی والا دروازہ تھا جس میں زنجیریں تنی رہتی تھیں تاکہ کوئی جہاز بغیر اجازت بندرگاہ کے اندر آ سکے اور نہ اندر سے باہر جا سکے۔ یہ دیواریں یا سدین پتھر کے بڑے بڑے ٹکڑوں کی تھیں، جن کی جڑائی سیسے سے کی گئی تھی۔ شہر کے گرد ایک فصیل تھی، اور اس میں پانی والے دروازے کے علاوہ، جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، دو دروازے اور تھے، ایک بڑا دروازہ اور دوسرا چھوٹا دروازہ۔ فصیل پر برج بنے ہوئے تھے۔ دربند کے بُنے ہوئے سوتی کپڑے بکثرت دساور ہوتے تھے، اور زعفران بھی قرب وجوار کے اضلاع سے باہر بھیجی جاتی تھی۔

بابُ الاَبواب کے بازار میں ایک خوبصورت جامع مسجد تھی۔ یہاں یہ اسلامی حکومت کا سرحدی شہر تھا، کیونکہ شروع زمانہ میں اس کے گرد کفار بستے تھے۔ یاقوت نے اُن مختلف قبائل کے حالات بڑی طوالت سے لکھے ہیں جو مغرب کی طرف قاف کے پہاڑوں اور سطحات مرتفع میں رہتے تھے۔ ان میں ستر مختلف زبانیں بولی جاتی تھیں، اور کوئی شخص اپنے ہمسایہ کی زبان نہیں سمجھ سکتا تھا۔ ان قبائل میں خزر کا قبیلہ، جس کے نام پر بحیرۂ خزر بالعموم موسوم ہوا،

(علہ) ابن حوقل ص ۲۴۱۔

(عله) مدخل المبارد ایضاً ص ۲۴۱۔

[1] وهذان السّدّان من صخر و رصاص (ایضاً ص ۲۴۲)۔

یہاں سے ایک شاخ یا نہر نکلتی ہے، جو شمکور کے بڑے مرداب یا جھیل میں ضم ہوجاتی ہے۔ کُر بَرذَعَہ سے کچھ فاصلے پر جنوب میں آرس سے ملنے کے بعد کُستاسِفی کے علاقہ میں بحیرۂ خزر میں گرجاتا ہے[1]

شِروان

دریائے کُر کے پار کی سرزمین اور بحیرۂ خزر کے ساتھ ساتھ وہاں تک جہاں کوہ کاکیشس کا سلسلہ اس بحیرہ تک آجاتا ہے، صوبہ شِروان ہے، جس کا صدر مقام شَماخِیَہ ہے، جسے آج کل شَماخی یا شَماخا کہتے ہیں۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے شَماخِیَہ کو پتھر کا بنا ہوا شہر لکھا ہے، جو پہاڑو کے نیچے واقع۔ اور باغوں سے گھرا ہوا تھا۔ اس کا والی، جو صوبہ کا حاکم بھی تھا، شِروان شاہ کہلاتا تھا۔ یہاں غلہ بکثرت ہوتا تھا۔ مستوفی نے ایک اسلامی روایت نقل کی ہے کہ اس شہر کے قرب وجوار میں حضرت موسےٰ علیہ السلام کا صخرہ (چٹان) (قرآن مجید۔ سورۂ کہف ۶۲) اور آب حیوان کا چشمہ تھا۔ یہ پہلے آچکا ہے کہ بجرُوان میں بھی اس چشمے کا ہونا بیان کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ شِروان کے دو اور شہروں کا تذکرہ مقدسی اور دوسرے ابتدائی مصنفوں نے کیا ہے۔ ان میں ایک شابَران تھا جس میں زیادہ تر عیسائی آباد تھے، اور جس کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ دَربَند سے (۲۰) فرسخ کے فاصلے پر تھا۔ اور دوسرا شِروان، جو میدان میں واقع تھا، اور اُس کے بازار میں جامع مسجد تھی۔ شِروان (۱۸۰)

---

[1] جہان نما کے مصنف نے آرس اور کُر دونوں دریاؤں اوران کے مختلف معاونوں کا تذکرہ بہ نہایت تفصیل سے کیا ہے (ص ۳۹۶، ۳۹۷)۔ اس تفصیل کے ذریعے سے ہم اول تو مستوفی کے بیانات کی تصحیح کرسکتے ہیں، اور گرجستان میں تیمور کی فوج کشیوں کی بھی صاف طور سے توضیح کرسکتے ہیں، اگرچہ یہ بات ضرور ہے کہ اکثر شہروں کے ناموں کی شناخت اب نہیں ہوسکتی۔ اصطخری ص ۱۸۹+ ابن حوقل ص ۲۴۶+ مقدسی ص ۳۷۹+ قزوینی ج ۲ ص ۴۰۸+ ایضاً ج ۲۔ ص ۳۳۱+ مستوفی ص ۲۱۴، ۲۱۵+

گرجستان

گرجستان جسے اہل یورپ جارجیا کہتے ہیں اور آبخاس، جس کا دوسرا نام اَبخسیا ہے، وہ ملک ہیں جو ان نواح میں تیمور کی لڑائیوں کے بعد یعنی آٹھویں (چودھویں) صدی کے اختتام پر اسلامی ملکوں میں شمار ہونے لگے۔ بہرکیف گرجستان کے صدر مقام تِفلیس سے، جو دریائے کُر کے بالائی حصہ پر واقع ہے چوتھی (دسویں) صدی کے عرب جغرافیہ نویس بخوبی واقف تھے۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ تِفلیس کے گرد دوہری فصیل تھی، شہر برجوں اور کنگروں سے خوب مستحکم تھا، اور فصیل میں تین دروازے تھے۔ تِفلیس میں قدرتی گرم حمام تھے، دریا کے گزرگاہ میں چشموں سے گرم پانی ابلتا تھا۔ گردونواح کا علاقہ بہت زرخیز تھا۔ شہر دریائے کُر کے دونوں کناروں پر آباد تھا، اور مقدسی لکھتا ہے کہ شہر کے دونوں حصوں کو ملانے کے لئے دریا پر کشتیوں کا پل بندھا ہوا تھا۔ گرجستان کے قریب جوار کا علاقہ اَبخاس یا اَبخاز مقدسی کے تحریر کے مطابق جبل القبق (Caucasus) میں شمار ہونا چاہئے۔ یہاں بونس کا گاؤں، قریۃ البُونس، تھا جس میں مسلمان آباد تھے؛ اور اس کے گرد گُرج (Georgians) اور اَلّان وغیرہ کے قبیلے رہتے تھے۔ مستوفی لکھتا ہے کہ کوہ البرز سے متعدد دریا نکل کر بہتے تھے۔ اسی مصنف نے قرص کو گرجستان کے بڑے شہروں میں شمار کیا ہے[1]۔

---

[1] اصطخری ص ۱۸۵، ۱۸۶+ ابن حوقل ص ۲۴۲+ مقدسی ص ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۸۰+ مستوفی ص ۱۶۱، ۲۰۲، ۲۰۳+ یاقوت ج ۱ ص ۷۷، ۸۰، ۳۵۰، ۳۸۰+ مستوفی نے البرز کو ہمیشہ جمع کے صیغے میں جبال البرز لکھا ہے، اور اس سے اس کی مراد سلسلہ کوہستان اَلبُرز سے ہوتی ہے، لیکن پھر بھی اس نے یہ نام مبہم طریقے سے استعمال کیا ہے۔ ان پہاڑوں کا صرف ایک حصہ کوہستان قاف سے مطابق ہوتا ہے۔ آج کل البُرز (موجودہ البُرز یا اِلبُرز) سلسلہ قاف کی سب سے اونچی چوٹی کا نام ہے اور ایران میں آج کل اَلبُرز سے اس بڑے سلسلہ کوہ سے مراد لی جاتی ہے جس کی بلند ترین چوٹی دَمَاوند ہے، اور جو طہران کے شمال میں واقع ہے۔

سب سے زیادہ مشہور تھا۔ یاقوت نے اُس بڑی دیوار کا ذکر بھی کیا ہے جو وحشی قوموں کو ملک کے اندر آنے سے روکنے کے لئے دَرْبَند سے شروع کر کے پہاڑیوں کی چوٹیوں کے اوپر اوپر مغرب کی سمت میں دور تک بنائی گئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ چھٹی صدی عیسوی میں ایران کے بادشاہ انوشیروان عادل نے یہ دیوار تعمیر کرائی تھی۔ دریائے سَمُوْر جو دَرْبَند سے جنوب میں تھوڑی دور پر بحیرۂ خزر میں گرتا ہے، مقدسی نے اس کا نام نہرالملک (بادشاہ کا دریا) یا نہرالسَمُوْر لکھا ہے۔ اس کو عبور کرنے کے لئے کشتیوں کا ایک پل (جسر) دربند سے (۲۰) فرسخ کے فاصلے پر اس سڑک پر تھا جو شماخی سے دَرْبَند آئی تھی۔

(۱۸۱) باکُوہ یا باکُویَہ (موجودہ: باکو) کا بندرگاہ دَرْبَند کے جنوب میں ہے۔ اصطخری نے یہاں کے نفت کے چشموں کا ذکر کیا ہے۔ یاقوت اور دوسرے مصنفوں نے ان چشموں کا حال تفصیل سے لکھا ہے، کہ ایک دن میں جتنا نفت نکلتا تھا اُس کی قیمت ایک ہزار درہم (۶۰۰ روپیہ) ہوتی تھی۔ نفت چشموں سے برابر نکلتا رہتا تھا، اور ادھر اُدھر کی تمام زمین میں آگ لگی رہتی تھی۔ مستوفی نے قلعہ بَاکُویَہ کا ذکر کیا ہے کہ بلندی پر واقع ہونے کی وجہ سے دوپہر کے وقت تمام شہر اُس کے سایہ میں آجاتا تھا۔ بَاکُویَہ کے شمال میں گشتاسِفی کا علاقہ دریائے کُر کے دہانے کے قریب واقع تھا، اور اسی دریا کی ایک نہر اس علاقے کو سیراب کرتی تھی۔ یہاں غلّہ اور روئی کثرت سے پیدا ہوتی تھی۔ دَرْبَنْد کے قریب کے پہاڑوں میں قَبَلَہ کا قلعہ تھا۔ مقدسی لکھتا ہے کہ یہاں پہاڑی پر ایک مسجد بنی ہوئی تھی۔ تیمور کی فوجی مہموں کی تاریخ میں قَبَلَہ کا ذکر ایک سے زیادہ مرتبہ آیا ہے۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ یہاں ریشم اور غلہ پیدا ہوتے ہیں۔[1]

---

[1] اصطخری ص ۱۸۴، ۱۸۹، ۱۹۰+ ابن حوقل ص ۲۴۱، ۲۵۱+ مقدسی ص ۳۷۶، ۳۷۹، ۳۸۱+ یاقوت ج ۱۔ ص ۴۳۶، ۴۷۷+ ج ۳۔ ص ۲۲۵، ۲۸۲، ۳۱۶+ ج ۴۔ ص ۳۲+ مستوفی ص ۱۵۹، ۱۶۱+ قزوینی ۲۵۔ ص ۳۸۹+ علی یزدی ج ۱۔ ص ۴۰۶+

مشہور تھے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے لکھا ہے کہ دبیل میں کرد آباد تھے، اور عیسائیوں کو غلبہ حاصل تھا۔ شہر کے باہر باغوں سے گھری ہوئی ایک بڑی آبادی تھی۔ مسیحی آرمینیہ کا پرانا صدر مقام آنی تھا، جس کو ۴۵۶ھ (۱۰۶۴ء) میں الپ ارسلان سلجوقی نے فتح کیا تھا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ یہ شہر پہاڑوں میں واقع تھا، اور وہاں میوہ بہت پیدا کیا جاتا تھا۔ دبیل سے شمال مشرق میں تھوڑے سے فاصلے پر میٹھے پانی کی جھیل واقع ہے، جسے علی یزدی نے گگچہ تنگیز (نیلی جھیل) لکھا ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس جھیل کا ذکر مستوفی کے سوا شروع زمانے کے کسی مسلمان مصنف نے نہیں کیا۔[1]

جھیل وان، یا جھیل ارجیش جیسا کہ ابتدائی ابتدائی مصنفوں نے اس کا نام لکھا ہے، آرمینیہ کی تمام جھیلوں میں قدرتی طور پر سب سے زیادہ معلوم اور مشہور تھی؛ اور اس کے ساحلوں پر اخلاط، ارجیش، وان اور وسطان کے شہر آباد تھے۔ اصطخری نے لکھا ہے کہ اس جھیل کا طول بیس فرسخ تھا اور وہ طریخ نام ایک قسم کی مچھلی کے لیے مشہور تھی (یہ ہیرنگ مچھلی کے قسم سے ہوتی ہے، اور آج کل بھی بکثرت پکڑی جاتی ہے)۔ یہ مچھلیاں نمک لگا کر ساتویں (تیرھویں) صدی میں میسوپوٹیمیا بھیجی جایا کرتی تھیں، بلکہ خراسان کے دور افتادہ حصوں تک ان کا دساور جاتا تھا۔ کیونکہ یاقوت نے لکھا ہے کہ یہ نمکین مچھلیاں اس نے بلخ میں خریدی تھیں۔ جھیل وان کا پانی کھاری اور تلخ ہے۔ اخلاط یا خلاط جو اس جھیل کے مغربی ساحل پر آباد تھا، آرمینیہ کے بڑے شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ یہ شہر ایک میدان میں واقع تھا، اس کے گرد باغ تھے، اور قریب ہی بلندی پر ایک قلعہ تھا۔ جامع مسجد بازار میں تھی۔ موسم سرما میں سردی سخت ہوتی تھی، لیکن شہر معمور و بارونق تھا، اور ایک ندی

(۱۸۳)

[1] اصطخری ص ۱۸۸، ۱۹۱؛ ابن حوقل ص ۲۴۴؛ مقدسی ص ۳۷۴، ۳۸۰؛ یاقوت ج ۲ ص ۵۴۹، ۱۸۳؛ مستوفی ص ۱۶۱، ۱۲۶، ۱۶۴؛ علی یزدی ج ۱ ص ۴۱۴، ۴۱۵؛ ج ۲ ص ۳۰۸؛ ابن الاثیر ج ۱۰ ص ۲۵

آرمینیہ

(۱۸۲)

آرمینیۃ العظمیٰ کو دو حصوں، آرمینیۃ الداخلۃ اور آرمینیۃ الخارجہ میں تقسیم کیا گیا تھا۔ گو اس علاقے میں زیادہ تر عیسائی آباد تھے، لیکن شروع زمانہ ہی میں وہ مسلمانوں کے تحت آ گیا تھا۔ اس علاقے سے مراد پہاڑوں کا وہ مجموعہ تھا، جو جھیل وان اور جھیل گکچہ کے درمیان واقع ہے، اور ان ہی پہاڑوں سے دریائے اَرَس اور فرات کی دو شاخیں نکلی تھیں۔

اسلامی آرمینیہ کا صدر مقام ابتدائی زمانے میں دَبِیل تھا، جسے دُوِین یا تووِن (Tovin) بھی کہتے تھے، اور آج کل اسے نقشے میں دریائے اَرَس کے قریب ایریوان (Erivan) کے جنوب میں ایک گاؤں کی حیثیت سے دکھایا جاتا ہے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں دَبِیل اردَبِیل سے بھی بڑا شہر تھا، اور ارمینیۃ الداخلہ کا صدر مقام تھا۔ اس کے گرد فصیل تھی، جس میں تین دروازے تھے، اور یہاں گرجا کے پہلو بہ پہلو ایک جامع مسجد بھی تھی۔ کوہ ارارات، جس کی دو چوٹیاں تھیں، وہ دَبِیل کے جنوب میں دریائے اَرَس کے پار نظر آتی تھیں۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں (دیکھو صفحہ حاشیہ ۹۴) کہ مسلمانوں کی روایات کے مطابق بالائی میسوپوٹیمیا میں جبل جُودِی وہ پہاڑ تھا جس کی چوٹی پر سفینۂ نوحؑ آکر ٹکا تھا۔ آرمینیہ کے جبل ارارات کو عرب جبل الحارث کہتے تھے؛ یعنی مزدور یا کسان کا پہاڑ، یا حارث سے مراد یہاں الحارث ہے، جو زمانۂ جاہلیت کے اس عرب کا نام تھا جو اس ملک میں آکر آباد ہو گیا تھا۔ اس پہاڑی کی چھوٹی چوٹی کو عرب حُوَیرِث (تصغیر حارث) کہتے تھے۔ اصطخری نے لکھا ہے کہ اس کی دونوں چوٹیاں برف سے ڈھکی رہتی تھیں، ان کی بلندی اور ڈھال ایسا تیز تھا کہ کوئی شخص ان پر چڑھ نہ سکتا تھا۔ دَبِیل کے باشندے اِس پہاڑ کے دامنوں سے جلانے کی لکڑیاں کاٹتے تھے، اور جانور جو ان پر بکثرت تھے، ان کا شکار کھیلتے تھے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ اس پہاڑ کی اُدھر اُدھر نکلی ہوئی شاخوں پر ایک ہزار گاؤں آباد تھے۔ دَبِیل کے اونی کپڑے جو قرمز کے کیڑوں سے رنگے جاتے تھے،

ان شمالی صوبوں کی پیداوار صرف چند اقسام کی تھی مصنوعات میں زیادہ تر قرمز میں لال رنگے ہوئے کپڑے تھے۔ قرمز ایک کیڑا تھا جو بلوط کے پتوں سے پرورش پاتا تھا۔ بلوط کے درخت تمام آذربائجان میں پھیلے ہوئے تھے۔ یورپ میں جس ریشمین کپڑے کو کراموازی (یعنی: (Cramoisie) کہتے ہیں اس کا نام اسی قرمز سے نکلا ہے۔ اسی طرح انگریزی الفاظ کرمزن (Crimson) اور کارمائن (Carmine) کی اصل بھی قرمز ہی ہے۔ ابن حوقل اور مقدسی دونوں نے قرمز کا حال تفصیل سے لکھا ہے۔ چنانچہ ابن حوقل لکھتا ہے کہ قرمز ریشم کے کیڑے کی طرح کا ایک کیڑا ہوتا ہے، اور ریشم کے کیڑے کی طرح وہ اپنے اوپر کو یہ بنا لیتا ہے لیکن مقدسی نے لکھا ہے کہ قرمز کا کیڑا زمین پر رہتا تھا، عورتیں جنگل میں جا کر ان کیڑوں کو جمع کر لاتی تھیں، اور پھر ان کو پیتل کے تھالوں پر رکھ کر تنور میں خشک کر لیتی تھیں۔ ریشم، بکری کے بال، سوتی کپڑا [کتان[1]] اور اون سب قرمز میں رنگے جاتے تھے، اور یہ رنگ ہر ایک ملک میں مشہور تھا۔ ارمنیہ کی پیٹیاں، پوستین، قالین، غالیچے، گدے اور نقاب بالعموم مشہور تھے، اور ان چیزوں کے علاوہ انجیر، اخروٹ، طریخ مچھلی جو جھیل وان سے نکلتی تھی، یہ چیزیں باہر بھیجی جاتی تھیں۔ ان کا بڑا ذخیرہ دبیل میں ہر وقت دستیاب ہو سکتا تھا۔ بردعہ کے شہر کا ریشم جوائس کے قرب وجوار میں پیدا ہوتا تھا، مشہور تھا، اور دیہات، مثلاً جاب الابواب سے بے شمار چمڑے وساور کے لئے جمع کئے جاتے تھے۔ اور اسی بندرگاہ سے، جو دربند بھی کہلاتا تھا، غلام جو شمالی صوبوں سے یہاں لائے جاتے تھے، باہر بھیجے جاتے تھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) یاقوت ج ۱۔ ص ۲۵۶۔ ج ۲۔ ص ۵۰۴۔ قزوینی ج ۲۔ ص ۳۵۲۔ مستوفی ص ۱۶۴، ۱۷۵، ۲۰۵، ۲۲۶۔ جہان نما ص ۴۱۱، ۴۱۲۔ علی یزدی ج ۱۔ ص ۶۸۵، ۶۸۸۔

(۱) مقدسی ص ۳۸۰ (مترجم)

(۲) ابن حوقل ص ۲۴۴۔ مقدسی ص ۳۸۰، ۳۸۱۔

کے کنارے واقع تھا، جس پر ایک پل بندھا ہوا تھا۔ مستوفی نے اس شہر کے قرب و جوار کے باغوں کی تعریف کی ہے۔ اخلاط کے شمال میں عظیم الشان کوہ سیپان تھا۔ مستوفی لکھتا ہے کہ یہ پہاڑ پچاس فرسخ کے فاصلے سے نظر آتا تھا، اور اس کی چوٹی ہمیشہ برف سے ڈھکی رہتی تھی۔

جھیل وان کے شمالی کنارے پر ارجیش کا شہر تھا، جس کے نام پر یہ جھیل اکثر پکاری جاتی تھی۔ مستوفی لکھتا ہے کہ غازان خاں مغل کے حکم سے اس کے وزیر علی شاہ نے آٹھویں (چودھویں) صدی میں ارجیش کے گرد فصیل اور برج بنوائے تھے۔ اس کے گرد و نواح کے علاقے کی غلہ پیدا کرنے والی زمینوں مشہور تھیں۔ ارجیش کے مشرق میں کچھ آگے بڑھ کر بارکیری یا بِھرکیری کا شہر (بندِ ماھی) کے قریب اس سڑک پر تھا جو ارجیش سے صوبۂ آذربائجان کے شہر خوئ کو گئی تھی۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ بارکیری کا قلعہ مضبوط تھا، اور ایک پہاڑی کی چوٹی پر واقع تھا۔ اس کا دریا آلاطاق کی چراگاہوں سے آتا تھا۔ ان چراگاہوں میں ایل خانی بادشاہ ارغون نے شکار کھیلنے کے میدانوں کے وسط میں، جن کی بہت نگہداشت کی جاتی تھی، موسم سرما بسر کرنے کے لئے ایک محل بنوایا تھا۔ وان کا شہر (۱۸۴) جس کے نام پر آج کل اس جھیل کو پکارا جاتا ہے، جھیل کے مشرقی ساحل کے قریب واقع ہے۔ لیکن اس شہر کا حال کسی نے بیان نہیں کیا۔ وسطان کا قلعہ جھیل کے جنوبی ساحل پر ہے، اور آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے لکھا ہے کہ اس کے قریب ایک بڑا شہر آباد تھا۔ جھیل کے جنوب مغربی گوشہ پر بدلیس (Bitlis) کا شہر تھا۔ اس کے متعلق مقدسی نے لکھا ہے کہ وہ ایک بڑی گہری گھاٹی میں واقع تھا، جہاں دو ندیاں ملتی تھیں۔ شہر کی حفاظت کے لئے ایک قلعہ تھا۔ یاقوت لکھتا ہے کہ یہاں کے سیب ایسے عمدہ ہوتے تھے کہ گرد و نواح کے تمام علاقوں میں بھیجے جاتے تھے۔[1]

---

[1] اصطخری ص ۱۸۸، ۱۹۰ + ابن حوقل ص ۲۴۵، ۲۴۸ + مقدسی ص ۳۷۷، ۳۷۷ + (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

بابِ سیزدہم

جِبال

صوبہ جبال یا عراقِ عجم اور اُس کے چار علاقے۔ قِرمِسین یا کرمان شاہ۔ بِیسُتون اور اُس کی سنگی صنعت کنگوار۔ دِینوَر۔ شہر زُور۔ حُلوان۔ خُراسان کی بڑی شاہراہ۔ کِرِند۔ کُردِستان: سلجوقیوں کے عہد میں۔ بَہار۔ چَمچَمال۔ اَلآنی اور اَلبَشنو۔ ہمدان اور اُس کے علاقے۔ دَرگزین۔ خرقانین اور شمالی آوَہ۔ فہاوَند۔ کَرَج ابو دُلَف۔ فَراہان۔ (۱۸۱)

یونانی جس وسیع و عریض کوہستانی علاقہ کو میڈیا (Media) کہتے تھے، اور جو مغرب میں میسوپوٹیمیا کی سطح زمینوں سے شروع ہو کر مشرق میں بادیہ ایران تک پھیلا ہوا تھا، وہ عرب جغرافیہ نویسوں کا صوبہ جبال (جمع جبل = پہاڑ) تھا۔ بعد میں یہ نام متروک ہو گیا اور چھٹی (بارھویں) صدی میں آخری سلاطین سلجوقیہ کے دورِ حکومت میں اِسے غلطی سے عراقِ عجم کہنے لگے، تاکہ اس علاقہ کو عراقِ عرب، یعنی زیریں میسوپوٹیمیا سے ممیز کیا جا سکے[1]

[1] عربوں میں عجم یا عجمی کے لفظ کا اطلاق اصل میں باہر کے رہنے والے غیر عرب پر ہوتا تھا، بعینہٖ ایسے ہی جیسے یونان کے لوگ باربیرین (Barbarian) (وحشی) کا لفظ باہر والے کے لئے بولتے تھے، چونکہ ایرانی سب سے پہلے غیر عرب تھے جن کا عربوں سے واسطہ پڑا (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

اس صوبے کے نام میں یہ تبدیلی، جس کا ذکر اوپر ہوا، حسب ذیل وجہ سے پیش آئی، العراق کی نسبت ہم بیان کر چکے ہیں (باب دوم صفحہ حاشیہ ۲۵) کہ وہ میسوپوٹیمیا کے نصف زیرین کا نام تھا، جو مسلمانوں نے اُسے دیا تھا، اور اہل عراق اُسے بصیغۂ تثنیہ اس صوبے کے دو بڑے شہروں یعنی کوفہ وبصرہ کے لئے بولتے تھے؛ چنانچہ اسی وجہ سے ان دونوں شہروں کو العراقین، یعنی دو عراق (کے پایۂ تخت) کہنے لگے۔ یہ استعمال قدیم اور مستند تھا۔ لیکن پانچویں (گیارھویں) صدی کے آخری حصہ میں سلجوقی تمام مغربی ایران پر حکومت کرنے لگے، اور اُن کا دارالسلطنت ھَمَدان ہوا۔ میسوپوٹیمیا پر بھی ان کا دخل ہوگیا، جو خلافت عباسی کا مرکزی صوبہ تھا۔ خلفاء اسی صوبہ میں رہتے تھے۔ خلیفہ سے سلجوقیوں کو "سلطان العراقین" کا خطاب ملا۔ جو ان کے لئے بالکل موزوں تھا۔ اب عراقین میں سے دوسرے عراق کا مفہوم بہت جلد صوبۂ جبال ہوگیا، جہاں سلجوقیوں کا سلطان خاص طور پر رہتا تھا۔ اس طرح تمیز قائم رکھنے کے لئے اس صوبہ کا نام عوام الناس کی زبان پر عراق عجم مشہور ہوگیا۔ یہ کل بیان، نام کی تبدیلی کے متعلق، یاقوت کا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اُس کے زمانہ میں ایران کے لوگ صوبۂ جبال کو غلط طور پر، اور حال کے دستور کے مطابق عراق عجم کہنے لگے ہیں۔ خود یاقوت نے پُرانا نام جبال ہی استعمال کیا ہے؛ اور یاقوت کا ہم عصر قزوینی، جس نے اپنی کتاب عربی میں لکھی ہے، جبال کا فارسی مترادف کُہستان استعمال کرتا ہے۔ لیکن مغلوں کی یورش کے بعد جبال بالکل متروک ہوگیا؛ چنانچہ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے اپنی کتاب میں یہ لفظ استعمال نہیں کیا۔ اس نے جبال کے پرانے

(۱۸۶)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اس لئے بہت جلد عجمی کے معنے خاص طور سے ایرانی یا ہر والے ہو گئے، اور آج کل یہ لفظ ایرانی کا مترادف سمجھا جاتا ہے۔ جبال عربی لفظ جبل کا صیغۂ جمع ہے، اور اس کے معنے پہاڑ کے ہیں۔ ابوالفدا (ص ۴۰۸) نے اس صوبے کے دو نام دئے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ:- بلاد الجبال (پہاڑی صوبہ)، جسے عوام الناس عراق عجم کہتے ہیں۔"

کے سلطان عضدُالدولہ نے شہر کے خاص کوچہ میں اپنے لئے خوبصورت محل تیار کرایا تھا۔ ساتویں (تیرھویں) صدی میں قزوینی نے لکھا ہے کہ کرمان شاہان سے قِرمِیسِین اس قدر قریب واقع ہے کہ دونوں مُجڑواں شہر معلوم ہوتے ہیں۔ یاقوت نے دونوں نام لکھے ہیں، لیکن اُس نے شہر کا حال لکھنے کے بجائے قریب کے پہاڑ بھِسُتان کے قدیم شکستہ آثار اور وہاں کی سنگین تصویروں کا ذکر کیا ہے، جو پہاڑ میں چٹانوں کو تراش کر بنائی گئی تھیں۔ ساتویں (تیرھویں) صدی میں مغلوں کی یورش سے کرمان شاہان برباد ہوا۔ چنانچہ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے لکھا ہے کہ اُس کے زمانے میں کرمان شاہ محض ایک گاؤں رہ گیا تھا، اور اُس کا نام "کتابوں میں" قِرمِیسِین لکھا تھا؛ مگر اُس کے زمانے میں یہ نام متردک ہوچکا تھا۔ مستوفی نے بھی بھِسُتان یا بِیسُتُون کی سنگین تصویروں کے بیان کرنے پر خاص توجہ مبذول کی ہے۔

سنگ تراشی کے یہ کام اُس کالے چٹانوں والے پہاڑ پر، کچھ پہاڑ کے پہلو، کچھ پہاڑ کے زیرین حصے پر، بنے ہیں، جو کرمان شاہ سے مشرق میں ایک دن کی مسافت پر خُراسان والی سڑک کے قریب واقع ہے۔ ان صنعتوں میں بعض کا زمانہ ہخمنشی بادشاہوں (یعنی پانچویں صدی قبل مسیح) اور بعض کا ساسانی بادشاہوں (یعنی ساتویں صدی عیسوی) کا ہے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں اصطخری اور ابن حوقل دونوں نے ان صنعتوں کا ذکر کیا ہے، اور جس پہاڑ پر وہ تھیں اُس کا نام بِھسُتُون یا بِیسُتُون بیان کیا ہے، اور لکھا ہے کہ سنگ تراشی کے یہ نمونے ساسانیان نام ایک گاؤں کے قریب پائے جاتے تھے۔ غالباً یہ گاؤں وہی ہے جسے آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے وَسطام یا بَسطام لکھا ہے، اور جو آج کل طاقِ بُستان (باغ کی محراب) کہلاتا ہے۔ ابن حوقل نے یہاں دارا کی اس مشہور سنگین تصویر کا ذکر کیا ہے جس میں دارا اپنے باج گزار بادشاہوں سے ملاقات کرتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ کتبہ ہے جو میخی حروف میں تین زبانوں

صوبے کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے: چھوٹا حصہ مغرب کی جانب کُردِستان، اور بڑا حصہ مشرق کی جانب عراق عجم ہے۔ عراق کا نام آج کل بھی مستعمل ہے، چنانچہ قدیم صوبۂ جبال کے اُس حصے کو، جو طہران کے جنوب مغرب میں ہے، مقامی اصطلاح میں عراق کہتے ہیں[1]۔

قِرمیسین (جس کا نام بعد کو کرمان شاہ ہوا)، ہَمَذان، رَے اور اصفہان پرانے زمانے سے ہی اس صوبے کے چار بڑے حصوں کے صدر مقام چلے آتے تھے۔ بنی بُوَیہ کے زمانے یعنی چوتھی (دسویں) صدی میں، ابن حوقل کی تحریر کے مطابق، حکومت کے تمام دفاتر رَے میں تھے۔ اس کے بعد پانچویں (گیارھویں) صدی کے آخر میں ایران کے سلجوقی سلاطین نے ہَمَذان کو اپنا مستقر قرار دیا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر عہد میں اصفہان صوبۂ جبال کا سب سے بڑا، اور بالعموم سب سے زیادہ بارونق، شہر رہا۔ اس وقت سہولت اس میں معلوم ہوتی ہے کہ جس طرح صوبۂ جبال اپنے چار شہروں کے علاقوں میں تقسیم تھا اُسی لحاظ سے اُس کے حالات اس کتاب میں درج کئے جائیں، اور سب سے پہلے مغربی علاقے، یعنی اُس علاقہ کا ذکر کیا جائے جس کا تعلق شہر کرمان شاہ سے تھا، جو سلجوقیوں کے زمانے سے عموماً کُہِستان، یعنی کوہستان کا ملک، کہلانے لگا تھا۔

(۱۸۷) صوبہ کے صدر مقام کِرمان شاہان کو، جسے مخفف کرکے بالعموم کرمان شاہ کہا جانے لگا تھا، شروع زمانے کے عرب قِرمیسین کہتے تھے۔ (قِرمیسین کو قِرماسِین یا قِرماشِین بھی لکھتے ہیں)۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے کرمان شاہ کو ایک خوش گوار، درختوں سے گھرا ہوا شہر بتایا ہے، جس میں پانی کے چشمے جاری تھے، میوے ارزاں، اور تمام چیزیں با فراط تھیں۔ مقدسی پہلا شخص ہے جس نے ایرانی نام کرمان شاہان لکھا ہے۔ وہ اتنا اور لکھتا ہے کہ شہر کے بازار میں ایک بڑی جامع مسجد تھی، اور بنی بُوَیہ

---

[1] یاقوت ج ۱، ص ۱۵؛ قزوینی ج ۲، ص ۲۲۸؛ مستوفی ص ۱۴۱۔

شمال کی طرف کرمان شاہ پر چھایا ہوا، اور خراسان کی سڑک پر خراسان جانے والے کے بائیں ہاتھ کو سِنّ سُمَیرہ (سُمَیرہ کا دانت) نام ایک تنہا پہاڑ واقع تھا، یہیں سے شمالی سڑک دِینَوَر اور آذربائجان کو جانے والی شروع ہوجاتی تھی۔ اس پہاڑ کا نام سِنّ سُمَیرہ ایک عرب عورت کے نام پڑا (جس کے دانت آگے کو نکلے ہوئے تھے۔ مسلمان جب نہاوند کو فتح کرنے کے لئے اِدھر سے گزرے تو انھوں نے ہنسی سے اس پہاڑ کا نام سِنّ سُمَیرہ رکھ دیا۔ بِیسُتون سے آگے مشرق میں خراسان کی بڑی سڑک پر سِحْنَہ نامی گاؤں ہے، جس کا ذکر اصطخری نے کیا ہے۔ یہ گاؤں اب تک باقی ہے۔ لیکن اُسے سِحنَہ کے موجودہ شہر سے، جس کا ذکر آگے آئیگا مخلوط نہ کرنا چاہئے۔ سِحنَہ کے آگے کَنکوَار ہے جس کا نام یہاں کے باشندوں کی چوری کی وجہ سے، عربوں نے قصر اللصوص (چوروں کا محل) رکھا تھا۔ کیونکہ جب مسلمانوں کی پہلی فتوحات کے موقع پر نَہاوَند کے مقابلے کے لئے فوج بھیجی گئی تو ان لوگوں نے بار برداری کے کل جانور چرا لیے۔ ابن رُستہ اور دوسرے مصنفوں نے لکھا ہے کہ یہاں ایک بہت بڑی محراب تھی جو ایک چبوترے پر بہت اونچی کرسی دے کر بنائی گئی تھی۔ یہ خسرو پرویز کے زمانے کی تعمیر تھی۔ اس میں بہت سے ستون تھے، اور عمارت چونے اور اینٹوں کی تھی۔ کنکوار کا شہر بہت وسیع تھا، اور اس میں خلیفہ معتضد عباسی کے حاجب مُونِس کی بنائی ہوئی ایک جامع مسجد بھی۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ جس چبوترے پر ساسانی عمارتیں بنی ہوئی تھیں زمین سے اس کی بلندی بیس ذرع تھی، اور مستوفی نے بیان کیا ہے کہ اس کی تعمیر کے لئے بڑے بڑے پتھر کوہ بِیسُتون سے لائے گئے تھے[1]۔

(۱۸۹)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) بِیسُتون (جس کے معنے ظاہر ہیں) غالباً غلط العام ہے۔

[1] اصطخری ص ۱۱۶؛ ابن حوقل ص ۲۵۶؛ ابن رُستہ ص ۱۶۷؛ مقدسی ص ۳۹۳۔ یاقوت ج ۳ ص ۱۶۵؛ ج ۴ ص ۱۲۰، ۳۰۰؛ کنکوار کا [illegible] بھی کہا جاتا ہے؛ مستوفی ص ۱۶۸۔

میں لکھا ہوا ہے۔ اِس تصویر کی نسبت ابن حوقل نے لکھا ہے کہ یہ ایک مکتب کا مرقع ہے، جس میں اُستاد اور لڑکے موجود ہیں۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ اُستاد کے ہاتھ میں کوئی چیز تسمے کی شکل کی لڑکوں کو مارنے کے لئے ہے۔ کچھ دیگیں بھی ہیں جیسی باورچی خانوں میں ہوتی ہیں، یہاں پتھر میں تراشی ہوئی نظر آتی ہیں۔ سنگ تراشی کے ان نمونوں میں جو صنعتیں ساسانی بادشاہوں کے زمانے میں پہلی تصویروں کے ایک ہزار برس بعد بنائی گئی ہیں، وہ زیادہ تر پہاڑ کی ایک کھوکے اندر یا اُس کے قریب نظر آتی ہیں۔ اس کھو میں پانی کا ایک چشمہ ہے جس میں سے پانی اُبل کر پہاڑ کے نیچے بہتا رہتا ہے۔ ابن حوقل کی تحریر کے مطابق، جسے بعد کے ایرانی مصنفوں نے نقل کیا ہے، ساسانی دور کی صنعت اس مضمون کا مرقع ہے کہ خسرو پرویز اپنے گھوڑے شَبْدِز (یا شَبْدِیز) پر سوار ہے، اور اس سے اوپر پتھر پر کندہ کی ہوئی حسین ملکہ شیرین کی تصویر اس کھو کی چھت کو رونق بخشتی ہے۔ پتھر کی یہ تصویریں گو کہیں کہیں ٹوٹ کر خراب ہو گئی ہیں، لیکن آج کے دن تک موجود ہیں۔ محققوں نے ایک مرتبہ سے زیادہ ان تصویروں کی نقلیں لی ہیں، اور اُن کے متعلق بیانات شایع کئے ہیں۔ یاقوت، جس نے ابن مہلہل کے سفر نامے سے (جو چوتھی صدی میں یہاں آیا تھا) عبارتیں نقل کی ہیں، اور مستوفی نے اپنے زمانے میں جو قصے ان صنعتوں کی نسبت عام طور سے مشہور تھے اُن کو کسی قدر تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ان بیانات سے معلوم ہوگا کہ خسرو اور شیرین، اور شیرین کا عاشق فرہاد کوہ کن، جس نے مایوس ہو کر خودکشی کی، ان سب کی داستان اسی نواح کے اکثر مقامات سے متعلق ہے۔ قصے کے واقعات فردوسی کے شاہنامہ اور نظامی گنجوی کے مشہور مثنوی "خسرو شیرین" سے معلوم ہو سکتے ہیں۔[1]

(۱۸۸)

---

[1] ابن رستہ ص ۱۶۶+یعقوبی ص ۲۷۰+اصطخری ص ۱۹۵، ۲۰۲+ابن حوقل ص ۲۵۶، ۲۶۵، ۲۶۶+مقدسی ص ۲۸۴، ۲۹۳ قزوینی ج ۲۔ص ۹+یاقوت ج ۳۔ص ۲۵۰ و ج ۴۔ص ۴۶۹+مستوفی ص ۱۹۶، ۲۰۰+جہان نما ص ۱۵۹۔ بجستان پہاڑ کے نام کی پرانی شکل ہے (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ)

زبردست قلعہ سے بے دخل نہ کر سکا۔[1]

(۱۹۰) دِینَوَر کے کھنڈروں کے ۱۰ میل شمال میں آج کل کا بڑا شہر سِحنَہ آباد ہے۔ یہ کردستان کے ایرانی صوبے کا صدر مقام ہے۔ اگرچہ زمانہ وسطیٰ کے کسی عرب یا ایرانی جغرافیہ نویس نے اس نام سے اس کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن ابن خردادبہ اور قدامہ کے بیانات کے مطابق موجودہ سِحنَہ کے موقع پر زمانہ وسطیٰ میں سِیسَر کا شہر تھا، اور یاقوت کا یہ کہنا کہ فارسی میں اس نام کے معنے "تیس (۳۰) سر" کے ہیں درست ہے۔ سِیسَر کے قریب کا علاقہ جس میں چشموں کی افراط تھی، اس افراط کی وجہ سے صدخانیہ (سو چشمے) کہلاتا تھا۔ خلیفہ امین عباسی نے یہاں ایک قلعہ بنوایا تھا جس میں اس کے بھائی خلیفہ مامون عباسی نے ایک فوج رکھی ہوئی تھی۔ اس فوج میں کردوں کے قبائل کو ملازم رکھا تھا، جو گرد و نواح کی چراگاہوں پر قبضہ رکھتے تھے۔ ان قبائل سے مامون نے امین کے برخلاف خانہ جنگی میں کام لیا، اور کچھ عرصہ بعد امین کو خلافت سے برطرف کر دیا۔ ہمذان کے جنوبی اعمال میں سے سِیسَر شمار ہوتا تھا۔ ممکن ہے کہ سِحنَہ کا موجودہ نام صدخانیہ کی بگڑی ہوئی شکل ہو، اور صدخانیہ کو مخفف کرکے سی خانیہ بنالیا گیا ہو؛ مگر اس کی کوئی صریح شہادت موجود نہیں۔

---

[1] یعقوبی ص ۲۷۱؛ ابن حوقل ص ۲۶۰؛ مقدسی ص ۳۹۳؛ مستوفی ص ۱۴۲؛ یاقوت ج ۲ ص ۸۲؛ علی یزدی ج ۲ ص ۳۰۵؛ ابن اثیر ج ۸ ص ۵۱۸، ۵۱۹؛ ج [illegible] ص ۳۸۰۔ یاقوت کی تحریر کے مطابق فارسی لفظ ماہ عربی لفظ (صدر مقام) کا مترادف ہے (ج ۴ ص ۴۰۵)۔ ماہ کا لفظ جو دینور اور نہاوند کے پرانے ناموں کے قبل لگایا جاتا تھا، دراصل قدیم فارسی لفظ مد ہے۔ اور مد بحیثیت ایک مقامی نام ہونے کے [illegible] کے توسط سے میڈ یا (Media) اور میڈس (Medes) کی شکل میں ہم تک پہنچا ہے۔ دینور کے آثار کو ڈی مارگن نے حال میں دیکھا اور تفصیل سے بیان کیا ہے۔ دیکھو Mission en perse مصنفہ De Morgan ج ۲ ص ۹۵، ۱۰۴۔

کنگوارسے پچیس میل مغرب میں دِینَوَر کے کھنڈر ملتے ہیں۔ یہ شہر چوتھی (دسویں) صدی میں ایک چھوٹے سے خود مختار شاہی خاندان کا پایۂ تخت تھا۔ اس خاندان کا نام سب سے بڑے کُرد قبیلہ کے سردار حَسَنَوَیْہ یا حَسْنُوَیْہ کے نام پر، جو یہاں آباد ہوچکا تھا، مشہور ہوا تھا۔ ایران کی اسلامی فتح کے وقت دِیْنَوَر کا نام ماہ الکوفہ رکھا گیا تھا؛ کیونکہ یعقوبی لکھتا ہے کہ "اس کے محاصل باشندگان کوفہ کے سرکاری وظائف ادا کرنے میں خرچ ہوتے تھے"۔ کچھ مدت کے لئے دِینَوَر، اور جو علاقہ اس کے گرد تھا، ان دونوں کا نام ماہ الکوفہ ہوگیا۔ ابن حوقل نے چوتھی (دسویں) صدی میں لکھا ہے کہ دِیْنَوَر وسعت کے لحاظ سے هَمَدَان کا دو تہائی تھا، اور یہاں کے باشندے هَمَدَان والوں کے مقابلے میں زیادہ شائستہ اور خوش خلق تھے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ یہاں کے بازار عمدہ بنے ہوئے تھے، اور باغوں میں پھل بکثرت ہوتے تھے۔ حَسَنَوَیْہ کی بنائی ہوئی جامع مسجد بازار میں تھی، اور اس کے ممبر پر پتھر کا بنا ہوا ایک خوبصورت گنبد تھا، جس پر سنگ تراشی کا عمدہ کام تھا۔ مستوفی نے جب آٹھویں (چودھویں) صدی میں اپنی کتاب لکھی ہے تو دِینَوَر اُس وقت تک ایک آباد شہر تھا، آب و ہوا معتدل تھی، پانی بکثرت تھا، اور غلہ اور انگور بافراط پیدا ہوتا تھا۔ غالباً تیمور کی فتوحات کے بعد یہ شہر اپنی موجودہ ویرانی تک پہنچا؛ علی یزدی لکھتا ہے کہ تیمور اپنی فوج کا کچھ حصہ یہاں چھوڑ کر آگے بڑھا تھا۔

غالباً دِیْنَوَر کے آس پاس کہیں، گو صحیح محل و موقع اب تک معلوم نہیں ہوا، السَّرماج کا عالیشان قلعہ تھا۔ یاقوت نے اس قلعہ کو ناممکن التسخیر لکھا ہے۔ حَسَنَوَیْہ نے، جو ۳۶۹ھ (۹۷۹ء) میں ابن الاثیر کی تحریر کے مطابق، تقریباً پچاس برس نہایت شان و شوکت سے حکومت کرنے کے بعد یہاں فوت ہوا۔ اس قلعہ کو تراشیدہ پتھروں سے بنایا تھا۔ آئندہ صدی (۴۴۱ھ ۱۰۴۹ء) میں چار برس کے محاصرے کے بعد طغرل بیگ سلجوقی نے اس قلعہ کو فتح کرلیا؛ مگر جب تک ایک لاکھ آدمیوں کا لشکر جمع کرکے مقابلہ پر نہ لایا اپنے بھائی ینّال کو اس

کچی اینٹوں، دونوں طرح کے تھے۔ آب و ہوا گرم تھی، کھجوریں، انار، انجیر پیدا ہوتے تھے، اور اُن پہاڑوں میں، جو دو فرسخ کے فاصلے پر شمال میں تھے، تمام موسم گرما میں بھی برف موجود رہتی تھی۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ شہر میں ایک پرانا قلعہ تھا، جس میں مسجد تھی۔ فصیل شہر میں آٹھ دروازے تھے، جن کے نام اُس نے لکھے ہیں۔ شہر کے باہر یہودیوں کا ایک صومعہ تھا، جس کا وہ بہت احترام کرتے تھے۔ یہ عمارت چوکور پتھروں کی چوتے کی چنائی کی تھی۔ ساتویں (تیرھویں) صدی میں، جب قزوینی نے اپنی کتاب لکھی ہے، حُلوان ویران ہو چکا تھا، لیکن اُس کے گندھک کے چشمے اُس وقت تک مشہور تھے۔ آئندہ صدی میں مستوفی نے یہاں کی فصلوں کی تعریف کی ہے، لیکن لکھا ہے کہ شہر سوائے اولیا کرام کے چند مزاروں کے، بالکل ویران پڑا تھا، مگر اُس کے گرد و نواح میں تیس گاؤں آباد تھے۔

خراسان کی شاہراہ پر حُلوان سے کِرِند کی سمت میں چار فرسخ پر مَاذَرُوستان تھا۔ یاقوت لکھتا ہے کہ یہاں ایک عالیشان محراب دار عمارت ایک اونچے چبوترے پر واقع تھی۔ یہ عمارت ساسانی بادشاہ بہرام گور کے محل کا ایک حصّہ تھی۔ اس محل کے گرد اس بادشاہ نے بہشت بنوائی تھی۔ یاقوت کے زمانے میں یہ محل مدت کا برباد ہو چکا تھا۔ مَاذَرُوستان سے چھ فرسخ آگے کِرِند کا شہر تھا۔ بظاہر آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی سب سے پہلا جغرافیہ نویس ہے جس نے اس شہر کا ذکر کیا ہے۔ اس نے کِرِند اور قریب کے گاؤں خُوشان کا تذکرہ ساتھ ساتھ کیا ہے۔ خُوشان اب بالکل مٹ چکا ہے، لیکن مستوفی نے لکھا ہے کہ اُس کے زمانے میں وہ کِرِند سے بھی زیادہ آباد اور معمور تھا۔ یہ دونوں (۱۹۲) مقامات درّہ حُلوان کے سرے پر ایک سیرحاصل میدان میں واقع تھے۔ جیسا کہ ہم لکھ آئے ہیں، کسی ابتدائی عرب جغرافیہ نویس نے اِن کا ذکر نہیں کیا، لیکن اِن کا موقع وہیں تھا، جہاں اب مَرجُ القَلعَہ (قلعہ کی چراگاہ) واقع ہے۔ مَرجُ القَلعَہ کو ابن حوقل نے ایک بڑا اور مضبوط شہر لکھا ہے، جس کے گرد فصیل تھی، اور شہر کے گرد زرخیز اور خوب آباد و معمور علاقے تھے۔ یعقوبی نے لکھا ہے کہ ان چراگاہوں میں عباسی خلفا اپنے گھوڑے رکھتے تھے۔ ان سے چار فرسخ آگے خراسان کی سڑک

دینور کے شمال مغرب میں چار منزل کی مسافت پر شہر زور کا شہر اسی نام کے علاقہ میں آباد تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے شہر زور کو ایک مستحکم شہر لکھا ہے، جس کے گرد فصیل تھی، اور اس میں کرد آباد تھے۔ اس نے ان کے قبائل کے نام بھی دئے ہیں۔ یہ لوگ تمام گرد و نواح کے علاقے میں، جو نہایت سیر حاصل تھا، آباد تھے۔ ابن مہلہل سیاح نے (جس کے الفاظ یاقوت نے نقل کئے ہیں) چوتھی (دسویں) صدی میں اس علاقہ کے بہت سے شہروں اور قریوں کا تذکرہ کیا ہے، اور لکھا ہے کہ اس علاقے کے صدر مقام کو ایرانی "نیم راہ" کہتے تھے، کیونکہ وہ مدائن (طیسفون) اور شیز کی درمیانی منزل پر واقع تھا۔ یہ دونوں شہر ساسانی عہد میں بڑے آتشکدہ تھے۔ قریب کے پہاڑ شعران اور زلم کہلاتے تھے۔ قزوینی لکھتا ہے کہ یہاں ایک خاص قسم کا غلہ پیدا ہوتا تھا جو مقوی باہ تھا۔ جب ابن مہلہل اس جگہ آیا ہے تو یہاں کردوں کے ساٹھ ہزار خیمے تھے؛ اور جب مستوفی نے آٹھویں (چودھویں) صدی میں اپنی کتاب لکھی ہے تو شہر زور اس وقت تک آباد اور بارونق تھا، اور کرد اس میں رہتے تھے[1]۔

پہلے باب میں ہم لکھ آئے ہیں کہ خراسان کی شاہراہ بغداد سے مشرق کی طرف چل کر اسلامی ممالک کی انتہائی حدود تک پہنچتی تھی۔ یہ سڑک میسوپوٹیمیا کی سطح زمین سے گزر کر ایران کے کوہستانی علاقہ میں حلوان کے مقام پر داخل ہوتی ہے۔ حلوان صوبۂ جبال کا شہر ہے، لیکن بعض موقعوں پر عراق میں بھی شمار کیا گیا ہے۔ ابن حوقل راوی ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی میں حلوان بلحاظ وسعت دینور سے آدھا تھا، اور اس کے مکانات پتھر اور

---

[1] ابن خرداذبہ ص ۱۲۰ + قدامہ ص ۲۱۲ + ابن حوقل ص ۲۶۳، ۲۶۵ + یاقوت ج ۲ ص ۲۱۶، ۲۰۰، ۳۴ + ج ۳ ص ۸۸۹ + قزوینی ج ۲ ص ۲۶۶ + مستوفی ص ۱۶۷ + شہر زور کے علاقے کا نام اب بھی یہی ہے۔ اور پرانا شہر اس جگہ واقع تھا جہاں آج کل یسین تپہ کے کھنڈر ہیں +

(۱۹۳)

اور عراقین کا سلطان ہوا۔ یہ بیان مستوفی کا ہے؛ اور وہی راوی ہے کہ سلیمان شاہ کے زمانۂ حکومت میں کردستان خوب پھلا پھولا اور ملک کا مالیہ اس وقت بیس لاکھ دینار (ڈیڑھ کروڑ روپیہ کے قریب) تھا۔ یہ رقم اس مالیہ سے دوچند تھی جو آٹھویں (چودھویں) صدی میں مغل بادشاہوں کے زمانے میں اس ملک سے وصول ہوتی تھی؛ اور حاکم وصول کنندہ خود مستوفی تھا۔ سلیمان شاہ نے بہار کو، جو ہمدان سے تقریباً آٹھ میل کے فاصلے پر اب تک موجود ہے، اپنا مستقر حکومت بنایا تھا۔ یہاں ایک مضبوط قلعہ تھا۔ مغلوں کے زمانے میں سلطان الجیتو نے ایک دوسرا دارالحکومت سلطان آباد جمجمال (چمچمال) کے مقام پر بیستون کے قریب پائے کوہ پر تعمیر کرایا۔ اس شہر کے متعلق مستوفی نے لکھا ہے کہ وہ ایک زرخیز میدان میں، جہاں غلہ بافراط ہوتا ہے، آباد تھا۔ جمجمال یا چمچمال کی جا، وقوع مستوفی نے اپنی کتاب میں (القحمہ کے گاؤں سے چار فرسخ اور کرمانشاہ سے چھ فرسخ) بتائی ہے۔ جمجمال کے کھنڈر اب بھی موجود ہیں، اور جہاں یہ واقع ہیں وہ جگہ نقشے میں جمجمال کے نام سے ظاہر کردی گئی ہے۔ علی یزدی نے جہاں کردستان سے تیمور کے گزرنے کے حالات لکھے ہیں وہاں اس شہر کا اکثر تذکرہ کیا ہے۔

تیمور کی فوجی مہموں کے تذکرے میں جن اور شہروں کے نام آتے ہیں اور جن کا ذکر مستوفی نے کیا ہے ان میں ایک شہر دربند تاج خاتون ہے؛ اس کی نسبت مستوفی لکھتا ہے کہ وہ ایک اوسط درجے کا شہر تھا، جس کا بڑا حصہ اب ویران ہوچکا ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور شہر دربند زنگی تھا، جو دربند تاج خاتون سے بھی چھوٹا تھا۔ یہاں عمدہ چراگاہیں تھیں، اور آب و ہوا معتدل تھی۔ یہ دونوں شہر اب بظاہر نقشے سے غائب ہوچکے ہیں۔ لیکن دربند کے معنے درہ کے ہیں، اور علی یزدی کے بیان سے، جس نے پہلے شہر کا نام دربند تاشی خاتون لکھا ہے، یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں دربند کردستان کی مغربی سرحد پر، شہرزور اور حلوان کے درمیان اُن پہاڑوں میں واقع تھے جو یہاں میسوپوٹیمیا (؟) کی سطح زمین پر متفرع ہیں۔

طَزَر میں سے گزرتی تھی، مقدسی لکھتا ہے کہ یہاں شاہان ایران کے ایک محل کے شکستہ آثار نظر آتے تھے۔ یعقوبی نے لکھا ہے کہ یہ محل شہان کے بیٹے خسرو جرد نے تعمیر کرایا تھا۔ طزر میں بازار اچھے تھے۔ بظاہر یہ وہی مقام ہے جسے قصر یزدین کہتے تھے، اور جس کا ذکر دوسرے مصنفوں نے بھی کیا ہے۔ طزر سے چھ فرسخ آگے اَلزُّبَیْدِیَہ تھا، جسے ابن حوقل نے "ایک عمدہ صحت آور مقام" لکھا ہے، اور بیان کیا ہے کہ خراسان کی سڑک پر الزبیدیہ کا موقع ایسا تھا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شہر وہیں تھا جہاں آج کل ہارون آباد کا گاؤں آباد ہے۔ یہاں خراسان کی شاہراہ مشرق کی طرف مڑتی ہے، اور مائی دَشت (یا ماهی دَشت) کے میدان میں سے گزر کر سیدھی کرمان شاہ چلی جاتی ہے۔ مستوفی نے مائی دشت کے متعلق لکھا ہے کہ اس میں پچاس گاؤں آباد تھے، ان کے گرد عمدہ چراگاہ تھے، جو قریب کے پہاڑوں کی ندیوں سے خوب سیراب ہوتے رہتے تھے۔ اسی نواح میں هِرسِین کا قلعہ مع ایک چھوٹے سے شہر کے، جو قلعہ کے نیچے اب تک آباد ہے، کرمان شاہ کے جنوب مشرق میں بیس میل کے فاصلے پر واقع تھا۔[1]

صوبۂ کُردِستان کیونکر ایک صوبہ بنا، اس کی حقیقت اس طرح بیان ہوئی ہے کہ چھٹی (بارھویں) صدی کے وسط کے قریب سلطان سنجر سلجوقی نے صوبۂ جبال کے مغربی حصّے کو، یعنی اُس حصّے کو جو کرمان شاہ کے عمل میں تھا، صوبۂ جبال سے الگ کر کے اُس کا نام کُردِستان رکھا، اور اپنے بھتیجے سلیمان شاہ، المخاطب بہ اَبُوَہ (یا اَیْوَہ) کو وہاں حاکم مقرر کیا۔ یہ سلیمان شاہ بعد میں (یعنی ۵۵۴-۵۵۶ھ = ۱۱۵۹-۱۱۶۱ء) اپنے چچا کی جگہ سلجوقیوں کا سر خاندان

[1] ابن حوقل ص ۱۶۸، ۲۵۶، ۲۶۲؛ ابن رستہ ص ۱۶۵؛ یعقوبی ص ۲۷۰؛ مقدسی ص ۱۲۳، ۱۳۵، ۳۹۳؛ قزوینی ج ۲۔ ص ۳۰۲، ۲۳۹؛ مستوفی ص ۱۳۸، ۱۶۸؛ یاقوت ج ۳۔ ص ۵۳۶، ج ۴۔ ص ۳۸۲؛ جہاں نما ص ۴۵۰۔ حُلوان کے کھنڈر اُس گاؤں کے قریب واقع ہیں جو آج کل سر پل کہلاتا ہے، اور جہاں دریا کو عبور کرنے کے لئے ایک پل بنا ہوا تھا۔

بیان نہیں کی۔ اسی شہر پر اُس نے کُردستان کے حالات ختم کردے ہیں[1]
ھَمَذَان، جسے عرب جغرافیہ نویس ھَمَذَان لکھتے ہیں[2]، قدیم شہر اکبتانا (Ecbatana) صوبہ میڈیا (Media) کا صدر مقام ہے۔ ابن حوقل نے چوتھی (دسویں) صدی میں لکھا ہے کہ ھَمَذَان ایک عمدہ شہر تھا، طول و عرض دونوں ایک ایک فرسخ سے زائد رکھتا تھا، اور اسلامی فتوحات کے بعد دوبارہ تعمیر کیا گیا تھا۔ اس کی فصیل میں چار دروازے تھے۔ اور فصیل کے باہر ایک آبادی تھی۔ اس کے بازاروں میں سامان تجارت کی بہتات تھی، گرد و نواح کا علاقہ بہت زرخیز اور سیر حاصل تھا، اور اس میں بڑی بڑی فصلیں اُٹھتی تھیں، خصوصاً زعفران بکثرت پیدا ہوتی تھی۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ شہر میں بازاروں کی تین صفیں تھیں، اور انھیں میں سے ایک میں جامع مسجد تھی، یہ بہت ہی پرانی عمارت تھی۔ ھَمَذَان ۶۱۸ھ (۱۲۲۱ء) میں مغلوں کی یورش سے برباد ہوا۔ اس سے کچھ قبل یاقوت نے جو حال اس شہر کا لکھا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ چوبیس رُستاق، یا ذیلی علاقے ھَمَذَان سے متعلق تھے۔ ان کے نام بھی اُس نے درج کئے ہیں۔ مستوفی نے آٹھویں (چودھویں) صدی میں اسی فہرست کو دوہرایا ہے، اور ہر ایک رُستاق کے قریوں کے نام بھی لکھے ہیں۔ ان میں سے اکثر ایسے ہیں جن کی اب شناخت نہیں ہو سکتی۔ مستوفی نے آٹھویں (چودھویں) صدی میں اس شہر کے متعلق لکھا ہے کہ اس کا قطر دو فرسخ تھا، شہر کے وسط میں ایک پکا قلعہ تھا جسے شہرستان کہتے تھے۔ ھَمَذَان کے اس قدیم قلعہ کو (اصفہان کے قلعہ کی طرح جس کا ذکر آئندہ آئیگا) ابن فقیہ نے سارُوق لکھا ہے، لیکن اس لفظ کے معنے نہیں بتائے۔

---

[1] ابن حوقل ص ۲۶۰، ۲۵۶، ۲۶۲ + یاقوت ج ۱ ص ۲۶۶ + ج ۳ ص ۵ + مستوفی ص ۱۹۲، ۲۱۶ + علی یزدی ج ۱ ص ۵۴۴، ۵۸۵، ۵۹۹، ۶۰۴ + جہاں نما ص ۳۰۵ + بحار الانوار۔ الادنی خفیتان اور دونوں قدیم دوں میں سے کسی کا تذکرہ ابتدائی عرب جغرافیہ نویسوں نے نہیں کیا۔

[2] ھَمَذَان وہی شہر ہے جسے ہخمنشی کتبوں میں ھگمتانا (Hagmatana) لکھا گیا ہے، اور جسے یونانی اکبتانا (Ecbatana) لکھتے ہیں۔

مستوفی نے کُردستان کے چار اور شہروں کا بھی ذکر کیا ہے، یعنی: اَلانی؛ اَلِیشتَر، خُفیَتان، اور دَرِبِیل۔ ان کے متعلق اُس نے لکھا ہے کہ اُس زمانہ میں یہ چاروں بڑے شہر تھے۔ اب ان کے موقع کی شناخت آسان نہیں ہے۔ اَلانی (جسے بعض قلمی نسخوں میں اَلابی لکھا ہے) معلوم ہوتا ہے کہ آٹھویں (چودھویں) صدی میں صوبۂ کُردستان کے بڑے شہروں میں سے تھا؛ گو مستوفی کے سوا غالباً کسی اور مصنف نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ اس کی زمین میں گیہوں کی فصلیں ہوتی تھیں، آب وہوا اچھی تھی، شہر کے گرد سبز وشاداب چراگاہ اور قرب وجوار میں عمدہ شکارگاہ تھے، جس میں شکار کرنے کے لیے جانور بہت تھے۔ اَلِیشتَر میں ایک پرانا آتشکدہ تھا، جسے آذَر دَھِش (آذَرخَش یا آخَش) کہتے تھے۔ افسوس ہے کہ کسی سیاحت نامہ میں اس کا موقع بیان نہیں ہوا۔ لیکن اَلِیشتَر کا میدان اب بھی موجود ہے، اور غالباً اس میں جو کھنڈر ملتے ہیں ان ہی میں سے کوئی کھنڈر مستوفی کے شہر اَلِیشتَر کا ویرانہ ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ اَلِیشتَر شہر لِیشتَر یا لاشتَر سے، جس کا ذکر ابن حوقل اور دوسرے مصنفوں نے کیا ہے، مطابق ہے۔ لِیشتَر یا لاشتَر کو ان مصنفوں نے نَہاوَند سے جنوب مغرب میں دس فرسخ کے اور سَابُورخَواست سے شمال میں بارہ فرسخ کے فاصلے پر لکھا ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ اَلِیشتَر کا املا نہایت مشتبہ ہے۔ بہت سے بہترین قلمی نسخوں اور ترکی جغرافیہ جہاں نما میں اُسے اَلبَشُر لکھا ہے؛ اور اس کے علاوہ اور بہت سی شکلوں میں بھی وہ تحریر ہوا ہے۔ خُفیَتان کے متعلق (جسے مصنف جہاں نما نے حَقیشیان لکھا ہے، اور قلمی نقشوں میں اس کی شکلیں کچھ اور ہی ہیں) صرف اتنا معلوم ہوا ہے کہ وہ ایک مستحکم قلعہ تھا، اور اس کے گرد دریائے زاب کے کناروں پر متعدد گاؤں آباد تھے۔ لیکن اس دریائے زاب کے متعلق کسی نے یہ نہیں بتایا کہ آیا زاب اعلیٰ تھا یا زاب ادنےٰ۔ اس کی جا وقوع معلوم نہیں، اور یہی حال دَرِبِیل (یادِربِیل) کا ہے، جو ایک اوسط درجے کا شہر تھا، اور اُس کی آب وہوا اچھی تھی۔ مستوفی نے اس شہر کی جا وقوع اندازاً بھی

(۱۹۴)

ھمدان کے جنوب مغرب میں بڑا پہاڑ اَلوَند تھا جسے یاقوت اَرْوَند[1] لکھا ہے۔ اور یہی نام آرْوَند دارالضرب کی حیثیت سے مغلوں کے ایل خانی بادشاہ ابوسعید کے چاندی کے درہموں پر جن کی تاریخ ۷۲۹ھ (۱۳۲۹ء) ہے، پڑھا جاتا ہے۔ مستوفی نے کوہ اَلوَند کا ذکر بہت تفصیل سے کیا ہے، اور لکھا ہے کہ اس پہاڑ کا دور تیس فرسخ تھا، اور اس کی چوٹیاں ہمیشہ برف سے ڈھکی رہتی تھیں، اور سب سے اونچی چوٹی سے پانی کا ایک چشمہ ایسے مقام سے نکلتا تھا جو پہاڑ کو کاٹ کر بنایا گیا تھا۔ مستوفی لکھتا ہے کہ بیالیس چشمے اس پہاڑ کی مختلف شاخوں سے جاری ہوتے تھے۔ ھمدان سے مغرب کی طرف سفر کرنے میں کوہ اَلوَند کے درے سے گذرنے کے بعد کنگوار جانے والی سڑک پر اَسَدآباد کا شہر ملتا تھا، جسے ابن حوقل نے خوب آباد اور معمور بتلایا اور لکھا ہے کہ اس مقام سے ایک فرسخ کے فاصلے پر محراب (اَیْوان) تھا، جس کو یاقوت نے اُس عمارت کا ایک حصہ لکھا ہے جسے مَطَابخ الکسریٰ (یعنی کسریٰ کے باورچی خانے) کہتے تھے۔ اَسَدآباد میں ایک مسجد اور اچھے بازار تھے۔ اس کا علاقہ بڑا زرخیز تھا، اور یہاں شہد بہت ہوتا تھا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ (۳۵) گاؤں اس شہر کے اعمال میں شامل تھے[2]۔

ھمدان جس سطح زمین پر واقع ہے اُس زمین کا پانی شمال اور مشرق کی طرف

---

[1] ابن فقیہ (ص ۲۲۰) نے بھی اس کا نام اَرْوَند لکھا ہے، اور امام جعفر صادق سے روایت کی ہے کہ اَرْوَند میں جنت کے چشموں میں سے ایک چشمہ ہے۔ اور لوگوں کا خیال ہے کہ قلّۂ کوہ پر جو کنواں ہے جس میں پانی بافراط ہے وہی جنت کا چشمہ ہے، کیونکہ اس میں ہر سال وقت معلوم پر یہ پانی ایک چٹان کے شگاف سے نکلتا ہے، اور یہ پانی ٹھنڈا اور شیریں، خوب ٹھنڈا اور بلا [illegible] یہاں تک کہ ایک دن رات میں سو رطل یا اُس سے زیادہ [illegible] ایک آدمی پی جاتا ہے، اور جا [illegible] ان کرنے کے یہ پانی اسے نفع دیتا ہے۔ چند روز جاری رہنے کے بعد یہ پانی [illegible] سال وقت مقررہ تک کے لئے بند ہو جاتا ہے۔ (مترجم)

[2] ابن حوقل ص ۲۵۶ + ابوالفدا ص ۲۵۵ + مقدسی ص ۳۹۳ + یاقوت ج ۱۔ ص ۲۵۵، ۲۴۵ + ج ۴ ص ۱۰، ۳۳۰ ۷ + قزوینی ج ۲۔ ص ۲۳۶، ۳۱۱ + مستوفی ص ۱۵۲، ۲۰۲ +

(۱۹۵) ھَمَدَان میں سناروں کا بازار بہت مشہور تھا، اور یہ بازار وہاں تھا جہاں ایک پرانا گاؤں یعنی دہ آباد تھا۔ فصیل شہر کا دور (۱۲۰۰۰) قدم تھا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ ابتدا ًھَمَدَان کے اعمال میں پانچ شہر یعنی قلعہ کَبنہ یت (گندھک کا قلعہ)، قلعۂ ماکین، گہرلاخ، خورشید، اور کرُشَت شامل تھے۔ اس نے لکھا ہے کہ کِرُشَت جو کسی زمانے میں بڑا شہر تھا، اب بالکل غیر آباد ہے۔ ھَمَدَان ہی کے اعمال میں حسب ذیل پانچ علاقے اور اُن کے گاؤں شامل تھے:۔ فَرِیوَار جو ھَمَدَان کے قریب تھا، پھر اَزْمَدِین، شَہرامین، اور اَعلَم، شَرہ دُوداور رَبْرَھَمدان ہود کے علاقے تھے۔ لیکن یہ لکھنا ضروری ہے کہ ان ناموں کی صحت کے بارے میں کوئی امر یقینی نہیں ہے، کیونکہ قلمی نسخوں میں بہت اختلاف ہے[1]۔

ھَمَدَان سے تین فرسخ کے فاصلہ پر (یہ نہیں بتایا کہ کس سمت میں، اور نقشے پر نام بھی نہیں دیا) جُھستَہ کے گاؤں میں شاہ بہرام گور کے پرانے محل کے کھنڈر تھے۔ اس محل کا حال ابن فقیہ نے لکھا ہے۔ یہ بڑی عالی شان عمارت تھی، اور اس میں بڑے بڑے اُطاق راستے اور کمرے تھے، جن میں سے بعض چٹانوں کو کاٹ کر بنائے گئے تھے۔ اس کے چاروں گوشوں پر عورتوں کے سنگین بت تھے، اور عمارت کے ایک رُخ پر قدیم فارسی (فارسی) میں لکھا ہوا ایک کتبہ تھا جس میں خسروان ایران کی فتوحات مذکور تھیں۔ اس محل سے نیم فرسخ کے فاصلے پر ایک پہاڑی تھی، جہاں گورخر کی قبر (نَاؤُس الظَبیَہ) واقع تھی۔ ابن فقیہ نے بہرام گور اور اُس کی معشوقہ کا قصہ بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے کہ کس طرح بادشاہ نے قریب کے میدان میں بہت سے غزال شکار کیے، اور کیونکر اُس نے اپنی معشوقہ کو اس قصور میں قتل کر دیا کہ اُس نے بادشاہ کی تیر اندازی پر چند حقارت آمیز کلمے کہے تھے۔

---

[1] ابن حوقل ص ۲۵۶، ۲۶۰+مقدسی ص ۳۹۱+ابن فقیہ ص ۲۱۹+یاقوت ج ۴- ص ۹۸۸+ مستوفی ۱۵۱، ۱۵۲+ترکی "جہاں نما" (ص ۳۰۰) میں مستوفی کی لکھی ہوئی علاقوں اور قریوں کی فہرست نقل کر دی گئی ہے۔

کا نام ماہ بصرہ پڑ گیا تھا، کیونکہ اس کے محاصل اہل بصرہ کے وظائف ادا کرنے میں اُسی طرح صرف ہوتے تھے، جس طرح دینور کے محاصل سے اہل کوفہ کے وظائف ادا کئے جاتے تھے (دیکھو حاشیہ صفحہ ۱۸۹)۔ ابن حوقل نے چوتھی (دسویں) صدی میں لکھا ہے کہ یہاں کے بازاروں میں بیش قیمت مال فروخت ہوتا تھا، اور یہیں قریب کے علاقہ رُوذَراوَر میں زعفران جمع ہو کر وساور کی جاتی تھی۔ نہاوند میں دو جامع مسجدیں تھیں، ایک پرانی اور ایک نئی۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ ابتدائی زمانے میں بہت سے عرب بصرہ سے آکر یہاں آباد ہو گئے تھے، اور یہ شہر عطر سازی کے لئے مشہور تھا۔ مستوفی نے آٹھویں (چودھویں) صدی میں لکھا ہے کہ اُس کے زمانے میں یہاں زیادہ تر کردوں کے قبیلے آباد تھے۔ قرب وجوار کے علاقوں میں روئی افراط سے بوئی جاتی تھی۔ ان علاقوں میں سے تین کے نام مستوفی نے خاص طور سے لکھے ہیں، یعنی: مَلائِر، اِسفیذان، اور جَہُوق۔

ہَمَذان اور نہاوَند کے تقریباً وسط میں رُوذَراور کا زرخیز علاقہ تھا، جس کی زعفران بہت مشہور تھی۔ اس علاقہ کا صدر مقام کَرَج تھا، جس میں ایک خوبصورت مسجد تھی۔ اس علاقہ کا قطر تین فرسخ تھا۔ یاقوت لکھتا ہے کہ ترانوے گاؤں اس کے اعمال میں تھے۔ مستوفی نے بالعموم اِس کا املا رُوذ اور کیا ہے، اور اس کے شہروں میں اللہ کان اور تُوِی بیان کئے ہیں۔ یہ دونوں شہر اب بھی موجود ہیں۔ آج کل پورے علاقے کو تُوِی کے نام سے پکارتے ہیں[۱]۔

نہاوند کے مشرق کی سمت اَلْاِیغَارَین (بصیغۂ تثنیہ۔ واحد: اِیغار) کا علاقہ تھا۔ اس کے صدر مقام کا نام بھی کَرَج تھا، اور دوسرے کَرَج سے ممیز کرنے کے لئے اِسے کَرَج ابودُلَف کہتے تھے۔ اس کَرَج کا صحیح موقع معلوم نہیں؛ لیکن سفرناموں میں جو فاصلے بیان کئے گئے ہیں، اور اُس واقعہ سے جو مستوفی نے

[۱] ابن رستہ ص ۱۶۶؛ ابن حوقل ص ۲۵۹، ۲۶۲؛ مقدسی ص ۳۹۳؛ یاقوت ج ۲۔ ص ۸۳۲؛ ج ۴۔ ص ۸۲۷؛ مستوفی ص ۱۵۲، ۱۵۳؛ کرج کے کھنڈر غالباً وہی ہیں جن کو ڈی مارگن نے تفصیل سے بیان کیا ہے، اور جن کا نام اُس نے رُوذِی لاوَر لکھا ہے۔ دیکھو مصنفہ De Morgan، Mission en Perse ج ۴۔ ص ۱۳۶۔

بہتا ہے، اور اُس کی بے شمار ندیاں مل کر دریائے گاوماہا (یا گاؤ ماسا) بن جاتی ہیں۔ اس دریا کے رہگزر کا حال ہم دریائے قم کے ذکر میں بیان کرینگے۔ ھمذان کے شمال میں دَرگزین کا علاقہ، اور درگزین کے شمال میں خرّقان کا علاقہ تھا۔ مستوفی نے آٹھویں (چودھویں) صدی میں لکھا ہے کہ درگزین، جو پہلے ایک گاؤں تھا، اُس وقت بڑا شہر ہو گیا تھا، اور علاقۂ اَعلَم کا خاص شہر تھا۔ اس علاقے کا ھمذان کے پانچ اعمال میں سے ہونا ہم پہلے بیان کرچکے ہیں۔ مستوفی لکھتا ہے، (اور یاقوت سے اس کی تصدیق ہوتی ہے) کہ اَعلَم کے علاقہ کو ایرانی غلطی سے اَلَہ مَر کہا کرتے تھے۔ یہ علاقہ ھمذان اور زنجان کے درمیان ایک سطح مرتفع تھا، اور وہاں انگور، روئی، اور غلہ بافراط پیدا ہوتا تھا۔ خرّقان، جسے اکثر بصیغۂ تثنیہ خرّقانین کہتے تھے، علاقۂ اَعلَم کے شمال میں واقع تھا۔ اس میں بہت سے گاؤں شامل تھے، جن کے نام مستوفی نے لکھے ہیں (لیکن قلمی نسخوں میں ان کو صحت کے ساتھ پڑھنا مشکل ہے)۔ اس علاقے کا صدر مقام، جو اب بھی باقی ہے، آوہ یا آبۂ ھمذان تھا۔ یہ نام اس لئے رکھا گیا تھا کہ آوہ ساوہ سے اُسے ممیز کیا جاسکے۔ آوہ ساوہ کا ذکر آگے آئیگا۔ اس شمالی آوہ کا ذکر (جسے بعض مرتبہ آوا بھی لکھا جاتا ہے) یاقوت نے کیا ہے؛ اور اس سے پہلے چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ دریائے خرّقان کی نسبت مستوفی لکھتا ہے کہ اس کا اتصال موسم بہار کے سیلابوں کے زمانے میں خشک رُود میں سے ہوتا تھا، اور یہ دریا آخرکار علاقۂ ساوہ کے ریگستان میں غائب ہوجاتا تھا؛ گر موسم گرما میں دریائے خرّقان اپنے علاقے کی حدود سے آگے نہ بڑھنے پاتا تھا، اور آب پاشی کی نہروں میں اُس کا پانی خشک ہوجاتا تھا۔[1]

نَہاوَند کا شہر جو ھمذان سے تقریباً چالیس میل جنوب میں واقع ہے اور (۱۹۷) جو ساسانیوں کے وقت سے چلا آتا تھا، بڑا مقام تھا۔ مسلمانوں کی پہلی فتوحات کے بعد جس میں بصرہ کی فوجوں نے خاص طور پر حصہ لیا تھا، اس شہر اور علاقہ

[1] مقدسی ص ۲۵، ۵۱، ۳۸۶ + یاقوت ج ۱ ص ۳۸۶، ۴۰۸ + مستوفی ص ۱۵۲، ۲۱۷ + جہان نما ص ۳۰۵۔

گھاٹیاں تھیں"، اور پہاڑ کا دور دس فرسخ تھا۔ شہر بُرُج، جو ایغارین کا دوسرا شہر تھا، اُس کے موقع کی شناخت ابھی تک نہیں ہوئی ہے؛ لیکن اندازے سے اس کا موقع معلوم ہے۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ بُرج ایک عمدہ اور خوش حال شہر تھا۔ اُس نے لکھا ہے کہ یہ شہر اصفہان[1] کی طرف جانے والی سڑک پر کَرَج سے تقریباً بارہ فرسخ کے فاصلے پر واقع تھا[1]۔

دریائے کَرَج کے زیرین حصہ، اور کَرَج ابودُلَف کے شمال میں علاقہ فَراہان کا شہر سَاؤُک ہے، جس کا ذکر یاقوت اور مستوفی نے کیا ہے، اور لکھا ہے کہ وہ ھَمَذان سے متعلق تھا۔ دولت آباد کو، جو اب تک موجود ہے، اس نواح کا ایک مشہور شہر بتایا گیا ہے۔ نمک کے آبی قطعات جو ایک جھیل کی وجہ سے بن گئے تھے، چار فرسخ مربع رقبہ واقع تھے۔ موسم گرما میں پانی خشک ہونے سے ان میں عمدہ نمک جم جاتا تھا، جسے نکال کر وساور کرتے تھے۔ مستوفی لکھتا ہے کہ مغلوں نے اِس جھیل کا نام جغان ناؤر (نمک کی جھیل) رکھا تھا۔ یہ بلاشبہ وہی جھیل ہے، جسے آج تَوَلا کہتے ہیں۔ ھَمَذان کے جنوب مغرب میں، اور اِس شہر اور نَہاوند کے تقریباً درمیان، تَرَاہِیْن کا چھوٹا سا شہر واقع ہے، جسے یاقوت نے علاقہ ھَمَذان سے متعلق بتایا ہے۔ لیکن اس کے سوا اور کچھ حال اس شہر کا اور کسی مصنف نے نہیں لکھا[2]۔

---

(۱) ابن حوقل (ص ۲۵۸) نے اس نام کا املا اِصبہان کیا ہے۔ مترجم

[1] ابن حوقل ص ۲۵۸، ۲۶۲؛ مقدسی ص ۳۹۴؛ یاقوت ج ۱۔ ص ۲۰۴، ۸۴۴؛ ج ۳۔ ص ۸۷۳؛ ج ۴۔ ص ۲۵۰، ۲۷۰؛ مستوفی ص ۱۵۱، ۲۰۴

[2] یاقوت ج ۳۔ ص ۷، ۸۷، ۸۸۰؛ ج ۴۔ ص ۳۸۳؛ مستوفی ص ۱۵۱۔ آج کل اس علاقہ کا صدر مقام، جو قالینوں کے لئے مشہور ہے، سلطان آباد ہے۔ اسے انیسویں[19] صدی عیسوی کی ابتدا میں فتح علی شاہ نے بسایا تھا، اور عام طور پر وہ شہرِ نو (نیا شہر) کہلاتا ہے۔

لکھا ہے، یہ شہر کوہ راسمند کے نیچے (جس کو یقین کے ساتھ سلسلۂ راسبند سے
مطابق سمجھا جاتا ہے) واقع تھا۔ شہر کرج کا موقع اُس دریا کے ابتدائی حصہ کے
قریب کہیں تلاش کرنا چاہئے جو موجودہ دریائے قراصو میں ملنے کے لئے
ساروق کے پاس سے گزرا ہے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے
لکھا ہے کہ کرج بروجرد سے چھوٹا تھا، لیکن وہ بڑا مقام تھا، اور بلندی پر
آباد تھا۔ شہر کے مکانات دو فرسخ سے زیادہ زمین پر پھیلے ہوئے تھے، اور وہاں
دو بازار تھے: ایک بازار باب مسجد الجامع کے قریب تھا اور دوسرا باب مسجد الجامع
کے مقابلہ میں جو شہر کا دروازہ تھا، وہاں تھا۔ یہ دروازہ اُس میدان کے پار تھا (۱۹۸)
جسے بڑا میدان کہتے تھے۔ شہر میں حمام بہت تھے، مکانات اچھے تھے، اور اکثر
کچی اینٹوں کے بنے ہوئے تھے۔ باغ کم تھے۔ لیکن شہر کی حدود کے گرد جو باغ تھے
وہ نہایت سرسبز و شاداب تھے۔ ابودُلف، جس کے نام سے یہ شہر امتیاز کے
لئے کرجِ ابودُلف موسوم ہوا، ایک مشہور سپہ سالار، اور خلیفہ ہارون الرشید اور
اُس کے بیٹے مامون الرشید کے دربار کا شاعر تھا۔ ابودُلف اور اُس کی اولاد
اس علاقہ میں بس گئی۔ یہ علاقہ مع بُرج کے علاقہ کے، جو اصفہان سے بارہ فرسخ
کی مسافت پر تھا، ابودُلف اور اُس کی اولاد کو بطور ایغار، یعنی جاگیر دوامی کے
دیا گیا، جس کی بابت ان کو ایک سالانہ رقم سرکاری خزانہ میں ادا کرنی پڑتی تھی، اور
باقی تمام محاصل معاف تھے۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ ایران کے لوگ کرج کا
تلفظ کرہ کرتے تھے۔ فرزین نام ایک قلعہ تھا، جو کرج کے دروازے
سے دور نہ تھا۔ مستوفی، جس نے یہاں کے دریا کا ذکر کرہ رُود کے نام سے
کیا ہے، لکھتا ہے کہ یہاں سے کوہ راسمند شمال کی جانب سطح زمین سے
بلند ہونا شروع ہوتا تھا۔ اُس پہاڑ کی تلیٹی میں پانی کا ایک چشمہ تھا جسے کیخسرو کہتے تھے۔ اس
چشمے سے قرب و جوار کے تمام چراگاہیں جو طول میں چھ فرسخ اور عرض میں تین
فرسخ تھیں سیراب ہوتی تھیں۔ یہ چراگاہیں مرغزار کیتمو کہلاتے تھے، اور قلعہ
فرزین کی پناہ میں تھیں۔ کوہ راسمند کی نسبت بیان ہوا ہے کہ وہ سنگ
سیاہ کا ایک پہاڑ تھا، جو کوہ بیستون کی طرح بلند تھا۔ پہاڑ کے نیچے بڑی گہری

زیادہ ہو گئی تھی جب کہ بنی دُلَف (جن کا تذکرہ ہو چکا ہے) کے وزیر حَمُولَہ نے یہاں ایک جامع مسجد تعمیر کرائی۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں جب مستوفی نے اپنی کتاب لکھی ہے تو یہاں دو مسجدیں تھیں ایک پرانی اور ایک نئی۔ لیکن وہ لکھتا ہے کہ شہر اس زمانے میں برباد ہونا شروع ہو گیا تھا۔ علی یزدی، (جس نے اس کا نام ہر موقع پر وُرُوجِرد لکھا ہے) تیمور کی فوجی مہمول کی تاریخ میں اس شہر کا تذکرہ اکثر کرتا ہے۔ تیمور کے حکم سے یہاں کا قلعہ، جو قلعۂ اَرمِیان کہلاتا تھا، ٹوٹ جانے کے بعد درست کیا گیا[1]۔

تیمور کے زمانے سے خُرّم آباد کا شہر بُرُوجِرد کے بعد لُرِ خورد کا سب سے بڑا شہر سمجھا جاتا تھا، لیکن زمانۂ وسطےٰ کا کوئی عرب جغرافیہ نویس اس کا ذکر نہیں کرتا۔ اکثر یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ خُرّم آباد اور شاپورخواست، جن کا ذکر پرانی کتابوں میں ملتا ہے، دونوں سے مراد ایک ہی شہر تھا۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے، کیونکہ مستوفی نے ان دونوں شہروں کا ذکر الگ الگ کیا ہے؛ اور اس کے علاوہ اس مصنف نے شاپورخواست کی جائے وقوع بھی تعین کی ہے۔ جب مستوفی نے اپنی کتاب آٹھویں (چودھویں) صدی میں لکھی ہے تو اس وقت خُرّم آباد، باوجود ایک حد تک برباد ہو جانے کے، بارونق اور اچھا شہر تھا۔ یہاں کھجور کے درختوں میں بافراط پھل آتا تھا؛ اور مستوفی کہتا ہے صَیمَرہ کے سوا تمام کوہستانی علاقے میں یہی ایک مقام تھا جہاں کھجور کا درخت اگ سکتا تھا۔ لیکن اس قول کا بالکل درست ہونا تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

شاپورخواست کی کھجوریں بھی (جسے عرب جغرافیہ نویس سابورخواست لکھتے ہیں) ابن حوقل کے زمانے سے مشہور تھیں۔ چوتھی (دسویں) صدی میں شاپورخواست، مع بُرُوجِرد اور نہاوند کے، گرد سردار حَسنَوَیہ

[1] ابن حوقل ص ۲۵۸، ۲۶۲؛ یاقوت ج ۱۔ ص ۵۵۶؛ ج ۲۔ ص ۴۷؛ مستوفی ص ۱۷۱؛ علی یزدی ج ۱۔ ص ۶۰۷؛ ج ۲۔ ص ۵۱۵۔

(۲۰۰)

باب چہاردہم

جبال (جاری)

لُرِخُرد۔ بُرُوجِرد۔ خُرَّم آباد۔ شَاپُورخواست۔ سِیرَوان اور صَیمَرہ۔ اصفہان اور اس کے علاقے۔ فِیرُوزان، فارفان اور نَہ نَدرود۔ اَردستان۔ کاشان۔ قُم گُلپَیگان اور دریائے قُم۔ آوہ اور ساوہ۔ دریائے گاوماہا۔

ہمدان کے جنوب میں لُرستان ہے۔ یہ علاقہ لُر قبایل کا، جو کُردوں کے ہم جد ہیں، وطن ہے۔ اس کوہستانی علاقے کو اس کے دریاوں نے دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ لُرکلاں جنوب میں، اور لُرِخورد شمال میں ہے۔ لُرِخورد کے علاقے کو دریائے کاروَن بالا کا اصلی دھارا لُرکلاں سے جدا کرتا ہے، اور لُرکلاں کے شہروں کے متعلق سہولت اس میں ہے کہ ان کو خوزستان کے حالات میں بیان کیا جائے، اگرچہ یہ درست ہے کہ بعض مصنف لُرکلاں کو عراق عجم کا ایک حصّہ تصور کرتے ہیں۔

لُرِخورد کے وہ بڑے شہر جن کا تذکرہ مستوفی نے آٹھویں (چودھویں) صدی میں کیا ہے، بُرُوجِرد، خُرَّم آباد اور شاپُورخواست[1] ہیں۔ بُرُوجِرد کے متعلق ابن حوقل نے چوتھی (دسویں) صدی میں لکھا ہے کہ وہ ایک خوبصورت شہر تھا، اور اس کا قطر نیم فرسخ تھا۔ اس کے میوے کرج بھیجے جاتے تھے۔ زعفران یہاں بکثرت پیدا ہوتی تھی۔ اس شہر کی بزرگی اس وقت اور

---

(1) ابن حوقل (صفحہ ۲۶۳) نے اس شہر کا نام شابُرخاست لکھا ہے۔ مترجم)

لُرِ خورد کے جنوب میں، اور عراق عرب کی سرحد پر ماسَبَذان اور مِہرَجان قُذَق کے دو علاقے تھے۔ ان کے دو بڑے شہر سِیرَوان اور صَیمَرہ تھے۔ ان دونوں شہروں کے کھنڈر اب تک موجود ہیں، اور اس کے علاوہ ماسَبَذان کا نام اب اُس علاقے کو دیا جاتا ہے جو مائی دشت کے جنوب میں واقع ہے۔ سِیرَوان (یا اَلسِّیرَوان) ابن حوقل کی تحریر کے مطابق ایک چھوٹا سا شہر تھا، جس کے مکانات پتھر اور چونے گچ کے بنے ہوئے تھے اور موصل کے مکانوں سے ملتے جلتے تھے۔ گرم و سرد [جُرُوم وصَرُود] دونوں ملکوں کے میوے، خصوصاً اخروٹ، خربوزے، اور خربوزہ میں ایک خاص قسم کا پھل جسے دَستَبویہ کہتے تھے[علہ] یہاں خوب پیدا ہوتا تھا۔ ان کے علاوہ، جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں، یہاں کھجور کے درخت بھی افراط سے اُگتے تھے۔ قزوینی نے لکھا ہے کہ ماسَبَذان کے علاقہ میں نمک، گندھک، زاج اور سہاگے کی کانیں تھیں۔ سِیرَوان سے تقریباً پچاس میل مشرق میں صَیمَرہ کا شہر سِیرَوان سے ملتا جلتا تھا، اور صَیمَرہ کا شہر سِیرَوان کے بعد بھی ایک مدت تک معمور و آباد شہر رہا، کیونکہ اس کی جائے وقوع سِیرَوان سے بہتر تھی۔ مِہرَجان قُذَق کا علاقہ، جو صَیمَرہ کے گرد واقع تھا، چوتھی (دسویں) صدی میں اپنی زرخیزی کے لیے مشہور تھا، اور مقدسی نے یہاں کی گنجان آبادی کا تذکرہ کیا ہے۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ یہاں کھجوریں اور زیتون، اخروٹ بافراط ہوتے تھے اور برف بھی بہت گرتا تھا۔ صَیمَرہ سے تَرحان کے قصبے کو جانے والی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ج ۳۔ ص ۴، ۲۸، ۲۲۵ + ابن اثیر ج ۹۔ ص ۱۷ + ج ۱۰۔ ص ۲۷۴ + مستوفی ص ۱۵۱، ۱۹۵ + تاریخ گزیدہ (گبنش) ج ۱۔ ص ۶۲۳ + تاریخ گزیدہ کے قلمی نسخے (فولیو ۱۵۹) میں لُرِ خورد کے حالات باب ۴ کے حصہ یازدھم کے آخر میں ملتے ہیں، اور ان حالات سے قبل باب کا وہ حصہ ہے کہ جس میں مصنف نے تاتاریوں (مغول) کے حالات لکھے ہیں۔ شہر کا نام مختلف طور سے شاپُورخواست، سابُورخواست، شابُرخَست لکھا جاتا ہے۔ اس شہر کے کھنڈروں کی نسبت اب تک نہیں معلوم ہو سکا کہ کہاں واقع ہیں۔

علہ غالباً یہ وہی چیز ہے جس کو ہندوستان میں کچری کہتے ہیں (مترجم)

کے قبضے میں آ گیا۔ حَسنَوَیہ وہی شخص ہے جس کے متعلق ہم بیان کر آئے ہیں کہ اُس نے دِینَوَر میں اپنی حکومت قائم کی تھی۔ شاپُورخواست کے قلعہ دِزبَز میں، جو استحکام کے لحاظ سے قلعہ سَرماج کا ہم سر تھا، حَسنَوَیہ کا بیٹا، بدر، اپنا خزانہ رکھتا تھا۔ یہ خزانہ ۴۱۴ھ (۱۰۲۳ء) میں بنی بُوَیہ کے ہاتھ آ گیا۔ پانچویں (گیارھویں) صدی میں شاپُورخاست کا ذکر سلجوقیوں کے تاریخی کارناموں میں اکثر آتا ہے۔ ۴۹۴ھ (۱۱۰۱ء) میں نہاوند اور لِیشتَر (الیُشتَر) کے ساتھ شاپُورخاست بھی منکوبرز اتابکوں کے قبضے میں آ گیا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کی ابتدا میں مستوفی نے اپنی کتاب "تاریخ گزیدہ" میں لکھا ہے کہ اُس کے زمانے میں لُرِ خورد میں تین بڑے آباد شہر موجود تھے یعنی: بُرُوجِرد، خُرّم آباد اور شاپُورخواست۔ اس کے بعد اُس نے بیان کیا ہے کہ یہ آخر کا شہر "شاپُورخواست اگرچہ کسی زمانے میں بہت بڑا شہر تھا، مختلف اقوام کے لوگ اُس میں آباد تھے اور حکومت کا صدر مقام بھی تھا، لیکن اب وہ کم ہوتے ہوتے صوبہ کا ایک معمولی شہر رہ گیا ہے"۔ اُس کی جاروقوع کی نسبت وہ لکھتا ہے کہ جو بڑی سڑک نہاوند سے اصفہان کو جاتی ہے، جب بیچ میں بُرُوجِرد پہنچتی ہے تو یہاں سے دائیں ہاتھ کو جنوب کی طرف اُس کی ایک شاخ شاپُورخواست تک گئی ہے، اور بُرُوجِرد سے نہاوند اور اصفہان والی سڑک بائیں ہاتھ کو مشرق کی طرف مڑ کر کَرَج ابودُلَف تک چلی گئی ہے۔ اس تمام تفصیل سے ابن حوقل اور مقدسی کے بیانات کی تصدیق ہوتی ہے؛ کیونکہ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ نہاوند سے لاشتر دس فرسخ، اور لاشتر سے شاپُورخواست بارہ فرسخ تھا؛ اور اس مقام سے لُرِ کلان، یعنی اُن میدانوں کا فاصلہ جو شہر دِزفُل کے شمال میں واقع تھے (۳۰) فرسخ تھا۔ ان میدانوں کا ذکر سولھویں باب میں کیا جائیگا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ شاپُورخواست سے کَرَج ابودُلَف (۲۰۲) چار منزل تھا، اور شاپُورخواست سے لُر کا بھی یہی فاصلہ تھا[1]

[1] ابن حوقل ص ۲۵۹، ۲۶۴ + مقدسی ص ۴۰۱ + یاقوت ج ۲۔ ص ۵۷۲ + (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

ابن رُستہ نے تیسری (نویں) صدی میں لکھا ہے کہ جَے کے شہر کا قطر نصف فرسخ، اور اس کا رقبہ (۲۰۰۰) جریب (یعنی چھ سو ایکر کے قریب) تھا۔ شہر پناہ میں چار دروازے تھے، باب الخَوَر (خلیج والا دروازہ) یا باب زَرِین رُوذ (زَر اینڈہ رُود کو پہلے زَرِین رُوذ لکھا کرتے تھے) باب اَسْفِیْج، باب طِیْرَہ اور باب یَہُودِیہ۔ ابن رُستہ نے دو دو دروازوں کے درمیان فصیل پر جتنے بُرج تھے ان کی تعداد، اور انکا باہمی فاصلہ (ذرع میں) بیان کیا ہے۔ جَے میں ایک پُرانی عمارت قلعہ کی شکل کی تھی، جسے سَارُوق کہتے تھے۔ یہی نام جیسا کہ اوپر بیان ہوا، ہَمَدان کے قلعہ کا بھی تھا۔ ابن رُستہ نے لکھا ہے کہ جَے والا یہ سارُوق طوفان نوحؑ کے وقت سے چلا آتا تھا۔ آیندہ صدی (یعنی چوتھی (دسویں) صدی) میں ابن حوقل اور مقدسی دونوں نے جَے اور یہودیہ کا تذکرہ کیا ہے۔ ہر شہر میں ایک بڑی جامع مسجد تھی، اور صرف یہُودِیہ وسعت کے لحاظ سے ہَمَدان کے برابر، اور صوبۂ جبال کا درحقیقت سب سے بڑا شہر تھا۔ ممکن ہے کہ رَے کا شہر اِس کلیہ سے مستثنیٰ ہو۔ اِس زمانہ میں اصفہان تجارت کا بڑا مرکز بن چکا تھا، اور اس کے ریشمیں پارچے، خصوصاً عتابی اور سوتی کپڑے بہت دساور کئے جاتے تھے۔ زعفران اور ہر قسم کے پھل اِس علاقے میں عمدہ پیدا ہوتے تھے، اور یہ علاقہ تمام صوبۂ جبال میں سب سے زیادہ وسیع اور مرفّہ الحال تھا۔ مقدسی کی تحریر کے مطابق بختنصر نے ابتداء میں یہودیوں کو الیہُودِیہ میں بسایا تھا، کیونکہ اُس کی آب و ہوا بیت المقدس کی سی تھی۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ شہر میں بارہ دروازے (درب) تھے اور اُس کے مکانات کچی اینٹوں کے تھے، اور شہر میں کھلے اور مسقف دونوں طرح کے بازار تھے۔ ان میں سے ایک بازار میں مسجد تھی، مسجد میں گول ستون لگائے گئے تھے، اور قبلہ کی طرف ستر ذرع اونچا ایک مینار تھا۔ مقدسی لکھتا ہے کہ قریب کے شہر جَے کی حدود حکومت کو جو شرق میں صرف دو میل کے فاصلے سے تھیں، عرب المدینہ کہتے تھے، جو فارس

سڑک پر ایک عجیب و غریب پل تھا، جو حُلوان اور خانقین کی سڑک والے پل سے دُگنا تھا۔" آٹھویں (چودھویں) صدی میں جب مستوفی نے اپنی کتاب لکھی ہے تو صَیْمَرہ اگرچہ اُس وقت برباد ہو چلا تھا لیکن پھر بھی وہ ایک خوبصورت شہر تھا، اور اس کے گرد و نواح کے نخلستان مشہور تھے[1]۔

صوبۂ جبال جنوب مشرقی گوشہ پر، اور ایران کے صحرائے اعظم کی سرحد کے قریب اصفہان شہر تھا" جسے عرب اِصبہان اور ایرانی اِسپہان کہتے تھے۔ یہ شہر یقیناً بہت قدیم زمانے سے اپنی سیر حاصل زمینوں کی وجہ سے جو زَایَندَہ رُود کے بافراط پانی سے سیراب ہوتی تھیں بڑا مقام ہوگا۔ آج کل اصفہان اور اُس کے بیرونی بستیاں اسی دریائے زایندہ کے دونوں کناروں پر آباد ہیں، لیکن زمانہ وسطیٰ میں شہر کے آباد حصے صرف دریا کے شمالی یا بائیں کنارے پر واقع تھے۔ یہاں دو شہر پہلو بہ پہلو آباد تھے: مشرق میں جَے یا شہرستان[2] جس کی فصیل تھی اور فصیل پر سو برج تھے، اور اس شہر سے دو میل مغرب کی سمت میں اَلیَہُودِیہ (یعنی یہودیوں کا شہر) جَے سے دگنا تھا۔ الیہودیہ کی نسبت یہ روایت تھی کہ یہ نام یہودیوں کی وجہ سے پڑا، جو یہاں قدیم بابل کے بادشاہ بخت نصر کے زمانہ میں آباد کر دئے گئے تھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۵) اور ان حالات سے قبل باب کا وہ حصہ ہے کہ جس میں مصنف نے تاتاریوں (مغول) کے حالات لکھے ہیں۔ شہر کا نام مختلف طور سے شاپور خواست، شابرخست لکھا جاتا ہے۔ اس شہر کے کھنڈروں کی نسبت اب تک نہیں معلوم ہو سکا کہ کہاں واقع ہیں۔

[1] ابن حوقل ص ۲۶۳، ۲۶۴ + مقدسی ص ۳۹۴ + یعقوبی ص ۲۶۹ + قزوینی ج ۲ ص ۱۷۲ + یاقوت ج ۳ ص ۴۴۳، ۵۲۵ + مستوفی ص ۱۵۱ +

[2] فارسی میں شہرستان یا شہرستانہ کے معنی وہی ہیں جو انگریزی میں ٹاؤن شپ (Township) کے ہیں، یعنی کسی شہر کی حدود حکومت + شہرستان یا شہرستانہ اکثر دار الحکومت کیلئے بولا جاتا تھا +

بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ زمانہ وسطیٰ کا یہودیہ وہ اصفہان تھا جس کا ذکر سترھویں صدی کے آخری حصہ میں شارڈین (Chardin) نے اُس وقت کیا ہے جبکہ اصفہان شاہ عباس صفوی کے زمانہ میں تمام ایران کا دارالسلطنت ہوگیا تھا، اور جس کی قدیم شان وشوکت کے آثار اب بھی پائے جاتے ہیں۔ مستوفی کے قول کے مطابق اس کی شہر پناہ کا دور (۲۱۰۰۰) قدم تھا، اور اسے بنی بُوَیْه کے بادشاہ عَضُدُ الدَّوله نے چوتھی (دسویں) صدی میں تعمیر کرایا تھا۔ جس رقبہ پر اصفہان آباد تھا اس پر کسی زمانہ میں چار قریئے تھے، اُن قریوں کے مٹ جانے کے بعد ان کے نام شہر کے محلوں کے ناموں میں باقی ہیں۔ یعنی کرّا[1]ان (باب کرّان کا ذکر شارڈین نے کیا ہے کہ وہ شہر کی شرقی سمت میں تھا) کُوشک[2] جُوبَرَه[3] (شارڈین کے زمانہ میں یہ شہر کا شرقی محلہ تھا اور باب جُوبَارَه شہر کی شمالی شرقی سمت میں تھا)، دَرْدَشْت[4] (اس نام کا دروازہ شمال کی سمت میں تھا، اور اس نام کا محلہ شمال مغرب میں)۔ مستوفی لکھتا ہے کہ سلجوقیوں کے عہد میں شہر کا سب سے زیادہ آباد حصہ جُلْبَارَہ کہلاتا تھا (یہ وہی محلہ ہے جسے شارڈین نے گلبار لکھا ہے، اور موجودہ مَیدَان کُهْنَه کے گرد واقع تھا) اسی محلہ میں سلطان محمد سلجوقی کا مدرسہ اور مقبرہ تھا اور یہیں ایک دس ہزار من (یعنی کچھ کم (۳۲) ٹن[1]) کا وزنی پتھر تھا۔ یہ حقیقت میں ایک بڑا بت تھا، جسے سلطان محمد ہندوستان سے لایا تھا، اور یہاں مدرسہ کے دروازہ پر نصب کیا تھا[2]۔

آٹھویں (چودھویں) صدی کے اختتام پر جب تیمور نے اصفہان کو

---

(۱) ایک من = ساڑھے ستائیس انگریزی من کے (مترجم) +

(۲) سلطان محمد نے ۴۹۸ھ سے ۵۱۱ھ تک (۱۱۰۵ء-۱۱۱۷ء) حکومت کی۔ یہ ملک شاہ سلجوقی کا بیٹا تھا۔ تاریخ میں کہیں مذکور نہیں کہ اس سلطان محمد نے کبھی ہندوستان میں فتوحات حاصل کی ہوں۔ غالباً مستوفی نے سلطان محمود غزنوی کی جگہ سلطان محمد سمجھ لیا ہے۔

میں شہرستانہ کا مترادف ہے۔ اس شہر کے قدیم قلعہ کے نیچے چوتھی (دسویں) صدی میں، دریا کو کشتیوں کے پل سے عبور کیا جاتا تھا۔

۴۴۴ھ (۱۰۵۲ء) میں مشہور ایرانی سیاح ناصر خسرو اصفہان سے گزرا تھا؛ اُس نے لکھا ہے کہ فارسی بولنے والوں کی تمام سرزمین میں جہاں جہاں وہ گیا ہے ان میں یہ شہر سب سے بڑا تھا۔ اُس میں دو سو تو صرّاف ہی تھے۔ اور پچاس کاروان سرائیں تھیں۔ شہر کے گرد ایک فصیل تھی، جس کا محیط ساڑھے تین فرسخ تھا، فصیل میں کنگرے اور برج تھے، اور فصیل کے اوپر ایک راستہ برابر چلا گیا تھا۔ جامع مسجد ایک نہایت عالی شان عمارت تھی، اور صرّافوں کا بازار قابل دید تھا۔ بازار متعدد تھے، مگر سب سربستہ۔ ہر ایک بازار کا ایک دروازہ تھا، جس کے بند کر لینے سے کل بازار بند ہو جاتا تھا۔ ساتویں (تیرھویں) صدی کے شروع میں جب یاقوت نے اپنی کتاب لکھی ہے تو یھودیہ اور جے دونو ویران ہو چکے تھے، تاہم دونوں میں سے جے زیادہ آباد تھا۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ جے کی جامع مسجد خلیفہ منصور راشد کی تعمیر کرائی ہوئی تھی۔ اس خلیفہ کو اس کے چچا محمد مقتفی نے ۵۳۰ھ (۱۱۳۶ء) میں خلافت سے برطرف کر دیا تھا۔ اس کے بعد منصور راشد ایک جنگ میں کام آیا۔ اس کا جنازہ اصفہان لاکر دروازۂ شہر کے باہر دفن کیا گیا۔ بہر حال مغلوں کی یورش کے بعد یھودیہ کی رونق ایک حد تک پھر بحال ہو گئی اور ۷۲۰ھ (۱۳۲۱ء) میں ابوالفداء نے اپنی کتاب لکھی ہے تو وہ ایک آباد اور معمور شہر تھا۔ چنانچہ ابوالفداء لکھتا ہے کہ یھودیہ کے باہر ایک میل کے فاصلے پر مشرق کی سمت میں شہرستان نام کی ایک بیرونی بستی تقریباً اُسی جگہ واقع تھی، جہاں کسی زمانہ میں جے کا شہر آباد تھا۔

ابوالفداء کے ہمعصر مستوفی نے اصفہان اور اس کے علاقوں کے حالات بہت طول و تفصیل سے بیان کئے ہیں، اور بہت سے ایسے مقامات کے نام بھی بیان کئے ہیں جو اب تک موجود ہیں۔ اس کے

اصفہان کے گرد کے آٹھ علاقے، جن کے نام، مع اُن کے متعلقہ دیہات کے مستوفی نے بہت احتیاط سے گنوائے ہیں۔ یہ اب تک موجود ہیں، اور جو نام ان کے مستوفی نے لکھے ہیں وہی یعقوبی اور تیسری اور چوتھی (نویں اور دسویں) صدی کے اور پُرانے مصنفوں نے بھی لکھے ہیں۔ ان میں سے چار علاقے دریا کے شمال میں، اور باقی چار دریا کے دائیں کنارے پر جنوب کی طرف ہیں۔ اگر شمالی علاقوں سے شروع کیا جائے تو وہ علاقہ جو بالکل شہر کے گرد واقع تھا جے کہلاتا تھا، یہ نام دراصل پرانے شہر کا تھا، جو مشرق کی سمت میں تھا۔ علاقۂ ہَربِیّن اصفہان کے مغرب میں تھا، اور یہیں وہ پرانا علاقہ موسوم بہ دیو بند تھا، جسے ایران کے اساطیری بادشاہ تُهمُورَث نے بنوایا تھا۔ شمال مغرب میں، شہر کے دروازوں سے تھوڑے فاصلے پر بُرخُوار کا علاقہ تھا، اور اس علاقہ میں جَز (موجودہ گز) سب سے بڑا قریہ تھا۔ شہر کے شمال میں قَہاب کا علاقہ تھا، یہ دریا کے شمالی کنارے پر چوتھا علاقہ تھا۔ زاینده رُود کے جنوب اور قدیم شہر شَہر، ستانہ کے جنوب مشرق میں بَرآن کا علاقہ تھا، اور اس سے آگے، دریا کے بہاؤ کی طرف کچھ دُور جاکر علاقۂ رُودَدشت تھا۔ رُودشت کا خاص مرکز فارِفَان تھا، جو آٹھویں (چودھویں) صدی میں ایک بڑے شہر کی حیثیت رکھتا تھا، گو آج کل محض ایک گاؤں رہ گیا ہے، جو گاؤخانہ کے بڑے شہر داب کے قریب واقع ہے۔ کَرارِیج کا علاقہ بَرآن کے جنوب میں ہے۔ اور اس کے مغرب میں زایندہ رُود کے دائیں کنارے پر، دریا کے چڑھاؤ کی طرف کچھ دُور جاکر خالَنجان کا بڑا علاقہ تھا۔ یہ دریا کے جنوب والے چار علاقوں میں سب سے آخری علاقہ تھا۔ خالَنجان کا خاص شہر فِیرُوزان تھا۔ اگرچہ بظاہر فیرُوزان کا اب کوئی نشان باقی نہیں ہے، لیکن آٹھویں (چودھویں) صدی میں، وہ زایندہ رُود کے کنارے پر بڑا شہر تھا، جس کو دو حصّوں والا لکھا ہے + ابن بطوطہ، جو فیرُوزان

فتح کرلیا تو جس قلعہ میں وہ ٹھیرا تھا اُس کا نام قلعہ طَبَرک بیان کیا گیا ہے۔ طَبَرک کے معنی فارسی بولی میں چھوٹی پہاڑی کے ہیں۔ اس قلعہ کے کھنڈر اب تک موجود ہیں۔ شارڈین لکھتا ہے کہ وہ باب دَرِدَشت کے باہر واقع تھے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ملک شاہ سلجوقی نے ایک اور مضبوط قلعہ شاہ دِیز (شاہی قلعہ) سنہ ۵۰۰ھ (سنہ ۱۱۰۷ء) میں اصفہان کے قریب ایک پہاڑ کی چوٹی پر تعمیر کرایا تھا، اور قزوینی نے ایک طویل حکایت بیان کی ہے کہ وہ کیا حالات تھے جس میں اس قلعہ کی بنیاد ڈالی گئی۔ دسویں (سولھویں) صدی کے شروع میں ایران پر شاہ اسمٰعیل صفوی کی حکومت قائم ہوگئی، اور اسی صدی کے اختتام پر شاہ عباس اعظم نے اپنا دارالسلطنت اَرْدَبیل سے اصفہان کو منتقل کیا، اور اسی شہر کے ایک نئے محلہ میں، جسے نہر زاینده رُوْد کے جنوبی یعنی دائیں کنارے تعمیر کرایا تھا، دریائے اَرَس کے ساحل کے شہر جُلفہ کے تمام ارمنی باشندوں کو اُن کے شہر سے اٹھا کر آباد کردیا۔ شاہ عباس صفوی نے اصفہان میں اور نئے محلے اور شہر کے باہر بستیاں بسائیں۔ لیکن یہ کل اضافے نہر زایندہ رُود کے شمال میں ہوئے۔ شارڈین نے، جو سترھویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں برسوں تک اصفہان میں رہا تھا، ان بستیوں کا ذکر بہت تفصیل سے کیا ہے[۵۸]۔

---

[۵۸] ابن رُستہ ص ۱۶۰، ۱۶۱ + ابن حوقل ص ۱۶۱ + مقدسی ص ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹ + ناصر خسرو ص ۹۳ + یاقوت ج ۳ ص ۱۸۱ + ج ۳ ص ۲۴۴ + ج ۴ ص ۲۵۲، ۱۰۴۵ + ابوالفدا ص ۴۱۱ + مستوفی ص ۱۴۲ + علی یزدی ج ۱ ص ۴۳۱ + قزوینی ج ۲ ص ۲۶۵ + شارڈین کی کتاب کا نام حسب ذیل ہے:- Voyages du Chavalier Chardin en Perse (ایمسٹرڈم سنہ ۱۷۱۱ء) + اس کی آٹھویں جلد میں صرف اصفہان کے حالات ہیں۔ خصوصاً دیکھو صفحہ ۱۳۲، ۱۴۰، ۱۴۴، ۱۵۲، ۲۱۲، ۲۲۷، ۲۲۹ + موجودہ اصفہان کے لئے دیکھو:- Houtum Schindlen کی کتاب Eastern Persian Iraq (سنہ ۱۸۹۶ء) ص ۱۰، ۱۹، ۱۲۲ +

حصے میں جو ئے مسود کہلاتا تھا۔ اس کا منبع اصفہان سے مغرب میں تیس فرسخ کے فاصلے پر جہاں سے خوزستان کے دریائے دُجَیل یا کارُون کے سرچشمے دور نہ تھے، زاردکوہ میں واقع تھا۔ اس پہاڑ کا نام اکثر یہی چلا آتا ہے، کیونکہ اس کی چوٹیاں زرد رنگ کے چونے کے پتھر کی ہیں اور یہیں، مستوفی لکھتا ہے کہ "اُشترکوہ ان کے پہاڑ تھے" جن سے لُر کلان کی سرحد معین ہوتی تھی۔ علاقہ خالنجان میں شہر فیروزان سے زَندہ رود کے بہاؤ کی طرف کچھ دُور جا کر زَندہ رُود میں اس کا ایک معاون دریا شامل ہوتا ہے، جو جسم میں قریب قریب زَندہ رُود کے برابر ہے، یہ معاون دریائے گُلپایگان (جَرباذقان) کے قریب ایک مقام سے آتا ہے۔ زَندہ رُود اصفہان سے گزرنے اور اس کے آٹھ علاقوں کو سیراب کرنے کے بعد، علاقہ رُودَشت سے کسی قدر مغرب کی طرف بہتا ہوا آخرکار ایران کے صحرائے اعظم کی سرحد پر گاوخانہ کی مُرداب میں گر جاتا ہے۔ عام طور پر یہ یقین کیا جاتا ہے، اور اس کا ذکر تیسری (نویں) صدی میں ابن خُردادبہ نے بھی کیا ہے کہ یہ دریا اس مُرداب میں شامل ہونے بعد نوّے فرسخ کے فاصلے پر صوبہ کرمان میں پھر زمین پر اُبھر آتا تھا، اور یہاں سے آگے چل کر سمندر تک پہنچتا تھا؛ لیکن مستوفی نے، جیسا کہ قیاس چاہتا ہے، اس خیال کو اس بناء پر نہیں مانا کہ اصفہان اور کرمان کے درمیان بڑے بڑے اونچے پہاڑ واقع ہیں۔ اس نے لکھا ہے کہ گو یہ بیان کیا جاتا ہے کہ نرسلوں کے ٹکڑے جب گاوخانہ کے مُرداب میں ڈالے گئے تو وہ کرمان میں جا کر نکلے، لیکن یہ تمام باتیں قابل یقین نہیں[۱]۔

گاوخانہ کی مرداب کے شمال میں بادیۂ ایران کی سرحد پر نایین آباد تھا۔ اِس کے جنوب مشرق میں جو شہر یزد کی طرف آباد تھے وہ

---

[۱] ابن رستہ ص ۱۵۲؛ ابن خردادبہ ص ۲۰؛ مستوفی ص ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۱۴۔

میں سے گزرا تھا، لکھتا ہے کہ یہ شہر اصفہان سے چھ فرسخ کے فاصلے پر تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ہی خَالَنْجَان کا علاقہ میووں کی افراط اور زمین کی زرخیزی میں مشہور تھا۔ اس کا نام خَالَنْجَان یا خُولَنْجَان دونوں صورتوں میں لکھا جاتا ہے، اور خان (الا برار - نیک لوگوں کی سرائے) کے نام سے بھی وہ مشہور تھا، اور ایک شہر کا نام ہونے کی حیثیت سے خَالَنْجَان بلا شبہ وہی شہر ہے جسے فِیرُوزَان کہتے ہیں۔ سفرناموں میں اس شہر کو اصفہان کے جنوب میں اُس سڑک پر پہلی منزل لکھا ہے جو اصفہان سے مغرب کی سمت میں شروع ہوکر شِیَراز کو جاتی تھی۔ پانچویں (گیارھویں) صدی میں ناصر خسرو اصفہان جاتے ہوئے خَالَنْجَان سے گزرا تھا، اور اُس نے اس شہر کے دروازہ پر ایک کتبہ دیکھا، جس میں سلطان طغرل بیگ سلجوقی کا نام درج تھا۔[1]

(۲۰۷)

دریائے اصفہان کا بڑا دھارا آج کل زَایَنْدَہ رُود کہلاتا ہے۔ اس کو ہمارے مختلف مصنفوں میں کوئی زَایَنْدَہ رُود اور کوئی زَرِین رُود لکھتا ہے، گو زَرِین رُود کا نام آج کل عام طور سے ایک معاون دریا کو دیا جاتا ہے۔ اس دریا کا اصلی دھارا اپنے رہگزر کے شروع

[1] ابن خرداذبہ ص ۲۰، ۵۸ + ابن رستہ ص ۱۵۲ + قدامہ ص ۱۹۷ + ابن حوقل ص ۲۰۱ + یعقوبی ص ۲۷۵ + مقدسی ص ۳۸۹، ۴۵۸ + یاقوت ج ۱ ص ۲۹۴ + ج ۲ ص ۳۹۴ + ج ۳ ص ۸۲۹ + مستوفی ص ۱۴۳ + ایک حد تک اس کی نقل جہاں نما (ص ۲۹۱) نے کی ہے + ابن بطوطہ ج ۲ ص ۴۲ + ناصر خسرو ص ۹۲ + خَالَنْجَان اس وجہ سے مشہور ہے کہ مشہور شاعر فردوسی نے سلطان محمود غزنوی کے عتاب سے بچنے کے لئے یہاں پناہ لی تھی۔ برٹش میوزیم میں شاہنامہ کے ایک قلمی نسخے میں اس واقعہ کا تذکرہ ہے کہ خَالَنْجَان کے حاکم نے کس طرح فردوسی کی خاطر و مدارات کی تھی (Or ۱۴۰۳ فولیو ۵۱۸)۔ اُس کی عبارت اور اُس کا ترجمہ شیفر Scheffer نے ناصر خسرو کے سفرنامہ میں جو خود اُس نے چھپوایا ہے، درج کیا ہے۔ دیکھو ضمیمہ ۴ ص ۲۹۸ +

میں قریب قریب اسی کے برابر تھا، اور دونوں ہیبت ناک اور سیاہ تھے۔
اصطخری نے لکھا ہے کہ یہ پہاڑ قزاقوں کے چھپنے کے مشہور مقام تھے کرگس
کوہ کی ایک وادی میں ایک چشمہ آب بندہ نام تھا۔ یہ چشمہ پہاڑ کے ایک
شگاف سے، جو ہر طرف سے چٹانوں سے گھرا ہوا تھا، جاری تھا۔
کرگس کوہ اور سیاہ کوہ کے تقریباً وسط میں ریگستان کی سڑک پر
دَیْرُ الجِصّ (کھریا مٹی والی خانقاہ) نام ایک کارروان سرائے تھی۔
یہ عمارت محفوظ اور مستحکم تھی بالکل پختہ اینٹوں کی بنی ہوئی تھی اور
آہنی دروازوں سے بند کی جاتی تھی۔ اصطخری نے لکھا ہے کہ اس کاروان
سرا میں بادیہ کے سفر کے لئے رہنما ملتے تھے، جو سلطان کے حکم سے یہاں
مقرر کئے گئے تھے۔ اس کے علاوہ پانی کو ذخیرہ کرنے کے لئے یہاں بڑے
بڑے تالاب بنا دیئے گئے تھے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ یہ تالاب کبھی بے مرمت
نہ رہتے تھے۔ سرائے میں کھانے پینے کی چیزوں کی فروخت کے لئے دکانیں
تھیں۔ مستوفی کا بیان ہے کرگس کوہ تنہا میدان میں کھڑا تھا، کسی سلسلہ
کوہ سے اس کا تعلق نہ تھا۔ پہاڑ دور میں نیچے سے دس فرسخ تھا۔ اس کی
بلندیوں میں گدھوں کے آشیانے تھے، اور بزِ کوہی (وَعْل)، جو ایک مدت
تک بغیر پانی کے رہ سکتے تھے، یہاں بکثرت تھے۔ اَردِستان کے مغرب
میں نَطَنْز یا نَطَنزہ کا شہر تھا، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یاقوت
سے پہلے کسی عرب جغرافیہ نویس نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ مستوفی نے
لکھا ہے کہ اس شہر کا محل وَشَاق تھا۔ یہ نام اِس شہر کے ایک حاکم
کے نام پر مشہور ہوا تھا، گو اصل میں اس کا نام نَگَسْرت تھا۔ نَطَنْز کے
قریب طَرْق کا بڑا گاؤں تھا، جسے یاقوت نے خاصا ایک شہر لکھا ہے
قزوینی لکھتا ہے کہ عاج و آبنوس کے پیالے اور پیالیاں بنانے میں یہاں کے
لوگوں کی کاریگری مشہور تھی۔ یہ پیالے بڑی تعداد میں دساور کئے
جاتے تھے[1]۔

---

[1] اصطخری ص ۲۰۲، ۲۲۸، ۲۳۰، ۲۳۱ + ابن حوقل ص ۲۸۸ - ۲۹۱ + مقدسی

(۴۸۸) سب زمانہ وسطیٰ میں صوبۂ فارس میں شامل سمجھے جاتے تھے۔ اس کی صراحت اٹھارویں باب میں ہوگی۔ لیکن نائین سے شمال مغرب میں چند میل کے فاصلے پر اَرْدِستان کا شہر صوبۂ جبال ہی میں شامل تھا۔ ابتدائی زمانہ میں یعنی چوتھی (دسویں) صدی میں ہی، اصطخری نے لکھا ہے کہ اَرْدِستان کے گرد فصیل تھی، شہر کا قطر ایک میل تھا، فصیل میں پانچ دروازے تھے، اور شہر کی حفاظت کے لئے استحکامات عمدہ بنے ہوئے تھے۔ جامع مسجد شہر کے مرکز میں تھی۔ ریشم زیادہ تر باہر بھیجنے کے لیے تیار ہوتا تھا۔ اَرْدِستان کے شمال مشرق میں مَزْدوارَہ کے مقام پر چند قدیم آثار تھے، جن کو انوشیروان عادل سے منسوب کیا جاتا تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ اَرْدِستان کی مٹی گیہوں کے آٹے کی مانند سفید تھی، اور اس وجہ سے اسے اَرْدِسْتان کہا جاتا تھا، کیونکہ فارسی میں آرد کے معنی آٹے کے ہیں، اور اس طرح آرِدِستان کے معنی "آٹے جیسا مقام" ہوئے۔ یاقوت نے ان قدیم آثار کا ذکر اَزْوارَہ کے نام سے کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ یہاں بہت سی سنگ بستہ محراب دار عمارتیں تھیں، اور ایک آتشکدہ کے کھنڈر بھی تھے۔ یہی آتشکدہ کسی زمانہ میں شاہی محل بنا لیا گیا تھا۔ ایک روائت تھی کہ انوشیروان یہیں پیدا ہوا تھا، لیکن مستوفی جس نے اس مقام کا نام زُوارَہ لکھا ہے، لکھتا ہے کہ یہاں کے تمام آثار مع آتشکدہ کے اسفندیار کے بیٹے بہمن کے زمانہ کے تھے۔ اور یہ شہر چونکہ بادیہ کے قریب واقع تھا، اس کے گرد بیس گاؤں تھے۔ مستوفی نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ ان قریوں کو ایران کے مشہور پہلوان رُستم کے بھائی دستان نے بسایا تھا۔

بادیہ کی سرحد پر اَرْدِستان اور کاشان کے بیچ میں کرگس کوہ تھا، جسے مقدسی نے ایران کے صحرائے اعظم کا سب سے اونچا پہاڑ لکھا ہے۔ اس کے پاس ہی سیاہ کوہ بلندی اور ناہمواری

امام علی رضا کی بہن فاطمہ کا مزار مبارک ہے۔ حضرت امام علی رضا ہارون الرشید کے ہمعصر تھے، اور حضرت فاطمہ کے متعلق شیعوں کا بیان ہے کہ جب وہ اپنے بھائی کے پاس خراسان جارہی تھیں تو انہیں قم میں زہر دے دیا گیا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے لکھا ہے کہ قم میں شیعہ آباد تھے اور اس زمانہ میں شہر کے گرد فصیل تھی، اور شہر کے ہر طرف سرسبز باغات تھے، اور ان باغوں کے پستے [فستق] اور بندق مشہور تھے۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ قم کا پرانا نام کمندان تھا، جسے عربوں نے مخفف کرکے قم کرلیا۔ وہ لکھتا ہے کہ شہر کے ویران حصے ہیں اب بھی ایک پرانے ایرانی قلعہ کے کھنڈر ملتے ہیں۔ یہاں ایک پرانے سنگین پل سے دریا کو عبور کیا جاتا ہے، دریا پرانے شہر کے موقعہ اور مسلمانوں کے بنائے ہوئے شہر میں حائل ہے۔ مستوفی کا بیان ہے کہ شہر پناہ کا محیط (۱۰۰۰۰) قدم تھا، اور آوہ کی طرح اس شہر میں بھی بکثرت برف خانے مشہور تھے، جو زمین کھود کر بنائے گئے تھے، یہاں کے سرو کے درخت اور تاکستان جن میں سرخ رنگ کے انگور پیدا ہوتے تھے، مشہور تھے۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں جب مستوفی نے اپنی کتاب لکھی ہے تو قم کا بڑا حصہ ویران تھا۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ اس نے یا کسی اور پرانے مصنف نے حضرت امام علی رضا کی بہن حضرت فاطمہ کا مزار ہونا بیان نہیں کیا، حالانکہ قم کا شہر ہمیشہ سے شیعوں کا بڑا مرکز رہا ہے[۱]

قم کا دریا گلپیگان کے علاقہ میں خانسار کے پہاڑوں سے نکلا ہے (مستوفی نے یہ نام اسی طرح لکھا ہے)۔ خانسار کے پہاڑی سلسلے دریائے قم اور دریائے اصفہان کے بائیں کنارے والے معاون دریا کے درمیان ایسے مرتفع مقامات ہیں جہاں سے تمام ندیاں نکلکر

[۱] اصطخری ص ۲۰۱ + ابن حوقل ص ۲۶۴ + مقدسی ص ۳۹۰ + یاقوت ج ۴ ص ۱۵، ۱۷۵ + مستوفی ص ۱۵۰، ۲۱۷ + جہان نما ص ۳۰۵ +

کاشان کے شہر کو اصطخری نے "خوشنما شہر" بتایا ہے، اور لکھا ہے کہ "اس کے مکانات قم کی طرح کچے بنے ہوئے تھے"۔ ابتدائی عرب جغرافیہ نویس اس شہر کا نام ہمیشہ بجائے ک کے ق سے قاشان لکھتے ہیں۔ یہ مقام تمام مشرق میں روغنی ظروف اور روغنی اینٹوں کے لئے مشہور تھا۔ یہ چیزیں (بجائے کاشانی کے) قاشی کہلاتی تھیں۔ چنانچہ آج کل بھی یہی لفظ ان نیلی اور سبز روغنی اینٹوں کے لئے بولا جاتا ہے جو مسجدوں میں حسن تعمیر کے لئے لگائی جاتی ہیں۔ مقدسی لکھتا ہے کہ قاشان بچھوؤں کی وجہ سے بہت بدنام تھا۔ یاقوت نے یہاں کے کاشی ظروف میں ہرے رنگ کے پیالوں کی بہت تعریف کی ہے جو فروخت ہونے کے لئے باہر بھیجے جاتے تھے؛ اور یہاں کے باشندوں کی نسبت لکھا ہے کہ وہ سب فرقۂ امامیہ کے نہایت غالی شیعہ تھے۔ مستوفی کا بیان ہے کہ کاشان دراصل ہارون الرشید کی ملکہ زبیدہ نے تعمیر کرایا تھا۔ اس مصنف نے قصر فین کی جو کاشان سے قریب تھا، اور اس کے تالابوں اور نہروں کی بہت تعریف کی ہے۔ ان تالابوں میں اس دریا کا پانی آتا تھا جو قہرود سے بہتا ہوا آیا تھا۔ یہ محل فین کے قریب واقع تھا۔ دریائے کاشان گرمیوں کے زمانہ میں شہر کی حدود تک پہنچنے سے پہلے ہی خشک ہوجاتا تھا۔ لیکن موسم بہار میں اس میں اکثر ایسے سیلاب آتے تھے کہ شہر کی حالت مخدوش ہوجاتی تھی۔ ان سیلابوں کا پانی آگے بڑھ کر قریب کے ریگستان میں غائب ہوجاتا تھا۔

قُم کا شہر (جسے عربی تحریر کے مطابق قُمّ لکھنا زیادہ صحیح ہے) کاشان کے شمال میں واقع تھا۔ شیعوں میں یہ مقام اس لئے قابل احترام ہے کہ یہاں ایک روایت کے مطابق چھٹے امام حضرت

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ص ۳۹۰، ۴۹۰، ۴۹۱ + یاقوت ج ۱ ص ۱۹۸ + ج ۳ ص ۵۲۱ + ج ۴ ص ۹۳، ۷ + مستوفی ص ۱۵۰، ۱۵۱، ۲۰۶ + جہان نما ص ۲۹۹ +

لکھا ہے، اور یاقوت، جس نے اسے ایک بڑا گاؤں یا چھوٹا سا شہر بتایا ہے، اس کا نام آبہ لکھا ہے۔ یاقوت نے بیان کیا ہے کہ یہاں کے لوگ غالی شیعہ تھے۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے لکھا ہے کہ آوہ کے گرد ایک ہزار قدم دور کی شہر پناہ تھی، اور برف جمع کرنے کے لئے کھتے تھے، اور ان کی بڑی شہرت تھی؛ کیونکہ گرمیوں میں یہاں برف کی مانگ بہت رہتی تھی۔ لیکن یہاں کی روئی خراب ہوتی تھی۔ آوہ اور قم کے درمیان اس نے ایک پہاڑی کا ذکر کیا ہے جو سب سے الگ کھڑی تھی۔ اس کا نام اس نے کوہ نمک لون (نمک کی سی پہاڑی) لکھا ہے، کیونکہ یہاں ہر جگہ مٹی میں نمک ملا ہوا تھا۔ اس پہاڑی کی زمین اس قدر پھسپھسی تھی کہ اس کی چوٹی پر پہنچنا ناممکن تھا۔ اس کے دامنوں پر برف بھی نہیں جمتا تھا، اور وہاں کا نمک اس قدر کڑوا ہوتا تھا کہ انسان اسے استعمال نہیں کرسکتا تھا۔ اس پہاڑی کا محیط تین فرسخ تھا، اور وہ اتنی بلند تھی کہ جدھر سے دیکھو دس فرسخ کے فاصلے سے نظر آتی تھی۔[1]

ساوہ کا شہر جو ہمدان اور رے کے بالکل وسط میں قافلوں کی اس سڑک پر جو سرزمین ایران کو طے کرتی تھی، یعنی خراسان والی شاہ راہ پر، واقع تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ہی، جبکہ ابن حوقل نے اس کا تذکرہ کیا ہے، وہ بڑا مقام تھا۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ یہاں کے اونٹ اور ساربان، جن کی ضرورت حاجیوں اور مسافروں کو اس سرزمین میں ہمیشہ رہتی تھی، مشہور تھے۔ مقدسی نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ یہ شہر مورچے اور فصیلیں رکھتا تھا، اس میں عمدہ حمام تھے، اور جامع مسجد بڑی سڑک کے قریب، اور بازار سے کچھ فاصلے پر

[1] اصطخری ص ۱۹۵، ۱۹۸ + مقدسی ص ۲۵، ۵۱، ۲۵۷، ۳۸۶، ۴۰۲ + یاقوت ج ۱ ص ۵۷ + ج ۲ ص ۴۶۸، ۲۹۲، ۵۸۴ + مستوفی ص ۱۴۷، ۱۵۰، ۲۰۲، ۲۱۶ +

نیچے بہتے ہیں گُلپئیگان کا عربی نام جُر باذقان ہے، اور اس کا پُرانا نام گُر بائیگان تھا۔ مستوفی نے گل آبادِ کان لکھا ہے، اور بیان کیا ہے کہ اس کے معنی ایسی جگہ کے ہیں جہاں گلاب پایا جاتا ہو۔ اُس نے اس علاقہ کی زرخیزی اور وہاں کے پانی کی عمدگی کی بہت تعریف کی ہے۔ پچاس گاؤں اس کے اعمال میں شامل تھے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ جُر باذقان، کرج ابودُلف اور اصفہان کے تقریباً وسط میں تھا، اور خانلنجان گاؤں، جس کے نام سے یہ علاقہ موسوم تھا، یاقوت کی تحریر کے مطابق اس کے قریب ہی واقع تھا۔ دُلیجان کا شہر قم کے دریا کے بہاؤ کی طرف کچھ دور آگے بڑھ کر تھا۔ یاقوت نے اس نام کا تلفظ دُلیجان یا دُلیگان کیا ہے۔ کسی زمانہ میں یہ بہت بارونق شہر تھا۔ لیکن جب مستوفی اپنی کتاب لکھی ہے تو اس وقت وہ بالکل کھنڈر ہو چکا تھا۔ قُم کے شہر سے گزرنے کے بعد قم کا دریا ھمذان سے آنے والے بڑے دریا میں، جو گاؤماہا یا گاؤماسا کہلاتا تھا، شامل ہو جاتا تھا اور قُم سے کچھ دور آگے دریائے گاؤ ماہا میں دریائے آوہ دائیں کنارے سے، اور دریائے ساوہ بائیں کنارے سے شامل ہو چکا ہوتا تھا۔ ان دریاؤں نے اپنی شاخیں پھیلا کر پانی کے متعدد رہگزر بنا دئے تھے جو ان دونوں دریاؤں کی نہروں سے مل کر آخر کار قم کے شمال شرقی جانب بادیہ ایران میں غائب ہو جاتے تھے +

(۲۱۱) آوہ کا شہر، جسے آوۂ ھمذان سے ممیز کرنے کے لئے آوۂ ساوہ کہتے تھے، (دیکھو صفحہ ۱۹۶) قُم کے مغرب میں تھوڑے فاصلے پر واقع تھا۔ آوہ کا دریا تفرِیش سے نکلتا تھا، اور تفرِیش کے متعلق مستوفی لکھتا ہے کہ "وہ ایک علاقہ ہے، جس کے اندر آنے کے لئے کسی سمت سے بھی داخل ہوں پہاڑی درّوں میں سے گزرنا پڑتا تھا۔ یہاں کی زمینیں زرخیز و شاداب تھیں۔ اور گاؤں متعدد تھے"۔ مقدسی نے بھی شہر آوہ کا ذکر کیا ہے، لیکن اُس نے اس کا نام آوا یا آوۂ رایے

پڑا کہ اس کے کنارے اسی نام کا ایک گاؤں آباد تھا۔ دریائے مُنہ دُقان سامان کے قریب ایک مقام سے نکلتا تھا۔ سامان ایک بہت بڑا موضع تھا جو ھَمَذَان کے علاقہ خَرَّقان کی سرحد پر ایک زرخیز علاقہ میں آباد تھا۔ یہاں غلہ اور انگور بکثرت پیدا ہوتا تھا۔ سامان سے چل کر یہ دریا شہر مُزْدَقان (یا مُصْدَقان) کو آتا تھا۔ مستوفی نے اس شہر کی نسبت لکھا ہے کہ اس کا دَور (۳۰۰۰) قدم تھا، کیونکہ پہاڑوں میں واقع تھا، اس لئے آب و ہوا سرد تھی۔ یاقوت نے مُزْدَقان کی ایک مشہور رباط (رباط کے معنی خانقاہ یا سپاہی خانہ کے ہیں) کا ذکر کیا ہے، جہاں بہت سے صوفی رہتے تھے۔ یہ مقام اس سڑک پر، جو ایران کو وتراؤ طے کرتی تھی، ایک پڑاؤ تھا۔ مستوفی کہتا ہے کہ سَاوَہ سے گزرنے کے بعد دریائے مُزْدَقان دو حصوں میں تقسیم ہوتا تھا۔ اس کا ایک حصہ تو ایک بڑے غار میں گر کر غائب ہو جاتا تھا، اور دوسرا نصف حصہ دریائے گاوماہا میں مل جاتا تھا۔

وہ طولانی دریا، جو گاؤماھا (بعض قلمی نسخوں کے مطابق گاوماسا) کہلاتا تھا، اور جس کا مستوفی نے پوری توجہ کیساتھ ذکر کیا ہے، اُس زمانہ میں اس کا ایک حصہ قَسْرَاصُو (سیاہ پانی) کہلاتا تھا۔ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ اس کا منبع ھَمَذَان کی زمین میں تھا، جہاں متعدد ندیاں اَسَدآباد کوہ اَلْوَنْد اور فَرَیُوَار کے علاقہ سے اُتر کر آئی ہیں۔ دریائے گاؤماھا پہلے شمال کی طرف بہتا ہوا جب یک بارگی مشرق کی طرف مڑ جاتا ہے تو وہاں جنوب کی سمت سے اُس میں ایک ساوِن دریا شامل ہوتا ہے۔ دریائے گاوماھا کرج ابو دُلَف سے قریب، ایک مقام سے شروع ہوتا ہے۔ ہم لکھ چکے ہیں کہ سَاوَہ اور آوَہ سے آگے بڑھ کر، جہاں گاؤماھا میں دو اور دریا شامل ہوتے تھے گاؤماھا کے پانی کو ایک بند باندھ کر روکا گیا تھا، تاکہ گرمیوں کے موسم میں پانی

واقع تھی۔ ساوہ کے باشندے سنی تھے؛ اور یاقوت لکھتا ہے کہ اس کے زمانہ میں آوہ کے لوگوں سے، جو شیعہ تھے، ان کا ہمیشہ بگاڑ رہتا تھا۔ ۶۱۷ھ (۱۲۲۰ء) میں مغلوں کے ہاتھوں ساوہ کو شدید نقصان پہنچا۔ انھوں نے شہر کو لوٹا اور اس کے باشندوں میں سے اکثر کو قتل کر ڈالا۔ علاوہ اور عمارتوں کے ایک کتب خانہ بھی انھوں نے جلا دیا، جسے یاقوت نے دیکھا تھا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ تمام عراق عجم میں اس کے مثل کوئی کتب خانہ نہیں ہے۔ قزوینی نے بھی اس کتب خانہ کا تذکرہ کیا ہے، اور لکھا ہے کہ وہ جامع مسجد میں تھا، اور مختلف علوم وفنون کی کتابوں کے علاوہ اس میں علم ہیئت کے مطالعہ کے لئے، بہت سے اصطرلاب اور کرے بھی تھے۔ شہر میں ایک شفا خانہ (مارستان) متعدد مدرسے (کالج) اور کاروان سرائے تھیں۔ مسجد کے دروازے پر ایک بہت بڑی محراب تھی، جس کو دیکھ کر ساسانی بادشاہوں کی بنائی ہوئی مدائن۔کی محرابیں یاد آجاتی تھیں۔

مسلمانوں کی روایت میں اس شہر کی شہرت اس لئے تھی کہ ظہور اسلام سے پہلے کی یہاں ایک جھیل تھی، جو آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی شب میلاد کو دفعتاً خشک ہوگئی تھی۔ بقول مستوفی" مولود مبارک کی خبر سن کر پانی فرط مسرت سے زمین کی تہ میں غائب ہوگیا۔" اسی مصنف نے لکھا ہے کہ اس کے زمانہ میں ساوہ کی شہر پناہ حال میں پختہ اینٹوں سے از سر نو تعمیر کی گئی ہے۔" اس شہر پناہ کا محیط (۶۲۰۰) ذرع تھا۔ ساوہ سے چار فرسخ مغرب میں حضرت سماوئل نبی کا مزار تھا، اور جب مستوفی نے اپنی کتاب لکھی ہے تو اس شہر کے تمام باشندے شیعہ ہو چکے تھے۔ شہر کے گرد جو گاؤں آباد تھے ان میں سے اکثر کے نام مستوفی نے بیان کئے ہیں، اور لکھا ہے کہ وہاں غلہ، اور انار بافراط پیدا ہوتے تھے۔

ساوہ کے دریا کا نام مزدقان تھا۔ یہ نام اس وجہ سے

باب پانزدہم

صوبۂ جبال (جاری)

رَے ۔ وَرَامِین اور طِہران ۔ قَزوِین اور اَلمُوت کا قلعہ ۔ زَنجان ۔ سُلطانیہ ۔ شِیز یا سَتُورِیق ۔ خُونَج ۔ طالِقان اور طارُم کے علاقے ۔ شَمِیران کا قلعہ ۔ صوبۂ جبال کی پیداوار اور تجارت ۔ صوبۂ جبال کی سڑکیں ۔ آذربائجان اور شمال مغرب کے سرحدی صوبے +

صوبۂ جبال کے مشرقی گوشہ پر رَے یا رَے واقع تھا ۔ اِسے عرب جغرافیہ نویس ہمیشہ ال کے ساتھ الرَّے لکھتے ہیں ۔ یہ وہی نام ہے جسے یونانی رہاگیس (Rhages) لکھتے تھے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی میں رے کا شہر صوبۂ جبال کے چار حاکم نشین شہروں میں شمار ہوتا تھا ۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ "اگر بغداد سے قطع نظر کی جائے تو رَے تمام مشرق میں سب سے زیادہ خوبصورت شہر ہے گو خراسان کا شہر نیشاپور وسعت میں رَے سے زیادہ ہے"۔ اس کے زمانہ میں رَے کے شہر کا رقبہ ڈیڑھ فرسخ مربع تھا ۔ خلفاءِ عباسیہ کے زمانہ میں رَے کا سرکاری نام محمّدیہ تھا ۔ یہ نام محمّدؐ کے نام پر جو بعد کو المہدی کے لقب سے خلیفہ ہوا رکھا گیا تھا ۔ شہزادہ محمّد نے اپنے باپ خلیفہ منصور کے عہد میں یہاں سکونت رکھی تھی ۔ اسی کے حکم سے اس

کی قلت کے وقت آب پاشی کے لئے پانی کا ذخیرہ جمع رہے۔ گاوماھا آخر اپنا پانی گلپیگان سے آنے والے دریائے قم میں ملا دیتا تھا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ ان دونوں دریاؤں کا زائد پانی هفتاد پلان (ستر پل) نام ایک جگہ سے گزرنے کے بعد آخرکار ایران کے صحرائے اعظم کی طرف بہہ کر اس میں جذب ہوجاتا تھا۔ مستوفی لکھتا ہے کہ گاوماھا کو اپنے علاقہ سے وہی نسبت تھی جو زندہ رود کو اصفہان سے تھی، یعنی یہ دونوں دریا اپنے اپنے علاقوں کی مرفہ الحالی اور دولت مندی کے بڑے سرچشمے تھے۔ یہ لکھنا ضروری ہے کہ ابتدائی زمانہ کے کسی عرب جغرافیہ نویس نے دریائے گاوماھا کا ذکر نہیں کیا[1]۔

---

[1] ابن حوقل ص ۲۵۰ + مقدسی ص ۳۹۲ + یاقوت ج ۳ - ص ۲۴ + ج ۴ - ص ۵۲۰ + قزوینی ج ۲ - ص ۲۵۰ + مستوفی ص ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۲، ۲۱۶ + دریائے گاوماھا کا بند ہلاکو کے بیٹے اور ایران کے تیسرے ایل خانی بادشاہ سلطان احمد کے وزیر اعظم (صاحب دیوان) شمس الدین نے تعمیر کرایا تھا۔

عمارت دارالکتب (کتب خانہ) کی تھی جو رُوذہ کے جنوب میں خَان (سرائے) میں واقع تھی۔ لیکن مقدسی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ کتب خانہ میں کتابیں زیادہ نہ تھیں[۱]۔

چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی اور ابن حوقل دونوں کا بیان ہے کہ اُن کے زمانہ میں رَے بہت کچھ ویران ہوچکا تھا، رونق اور چہل پہل زیادہ تر پرانے شہر کی باہر والی بستیوں میں تھی۔ یہاں کی جامع مسجد کی نسبت یاقوت لکھتا ہے کہ اِسے خلیفہ مہدی عباسی نے بنوایا تھا اور اُس کی تعمیر ۱۵۸ھ (۷۷۵ء) میں اختتام کو پہنچی تھی۔ اس مسجد سے بلندی پر یہاں کا قلعہ تھا، جو ایک سیدھی اور اونچی پہاڑی کی چوٹی پر واقع تھا۔ ابن رُستہ نے لکھا ہے کہ "اس قلعہ پر سے تمام شہر کے مکانوں کی چھتیں دکھائی دیتی تھیں"۔ یاقوت نے رَے کا جو حال لکھا ہے کہ وہ زیادہ صاف نہیں۔ لیکن اس نے اپنی کتاب کے ایک حصہ میں شہر کے قدیم اماکن اور مواقع کا بیان کسی اور کا لکھا ہوا نقل کیا ہے، جس کا مضمون حسب ذیل ہے۔ بالکل بیچ کا بلدہ، جس میں جامع مسجد اور دارالامارت تھا، پورے شہر کا وہ حصہ تھا، جس کے گرد ایک خندق تھی۔ اس کو بالعموم المدینہ (یعنی خاص بلدہ) کہتے تھے، اس کے باہر باہر جس قدر حصہ شہر کا تھا وہ خاص طور پر محمّدیہ کہلاتا تھا۔ اس کے گرد بھی کسی زمانہ میں فصیلیں، برج اور مورچے تھے۔ یہ باہر کی آبادی پہاڑی کی چوٹی پر واقع تھی، جہاں سے شہر کے بیچ کا حصہ خوب نظر آتا تھا۔ یاقوت نے جو بیان نقل کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قلعہ کو الزَّبَیدِیَّہ کہتے تھے (بعض قلمی نسخوں میں یہ نام الزَّینبدی لکھا ہے)۔ جس زمانہ میں شہزادہ مہدی وہاں رہتا تھا تو یہ اس کا قصر تھا۔ اس کے بعد سے وہ قید خانہ بنادیا گیا۔ ۲۷۸ھ (۸۹۱ء) میں

(۱) مقدسی (ص ۳۹۱) کے الفاظ:۔ دارالکتب لاحدلہ۔ یعنی ایسا کتب خانہ جس کا چرچا ہو (مترجم)

شہر کا بڑا حصہ دوبارہ تعمیر کیا گیا تھا، خلیفہ مہدی کا بیٹا ہارون الرشید یہیں پیدا ہوا تھا؛ اور رَیّ اپنے سرکاری نام محمدیہ کی شکل میں صوبہ جبال کا خاص دارالضرب ہوگیا، چنانچہ عباسی خلفاء کے بہت سے سکوں پر یہ نام مضروب پایا جاتا ہے۔

رَیّ کے مکانات زیادہ تر کچے بنے ہوئے تھے؛ لیکن پختہ اینٹیں بھی مکانات میں اکثر لگائی جاتی تھیں۔ شہر کو برجوں اور مورچوں سے مستحکم کیا گیا تھا۔ ابن حوقل نے اس کے پانچ دروازے بیان کئے ہیں: (۱) باب باطاق، یہ بغداد والی سڑک پر جنوب مغرب کی سمت میں کھلتا تھا + (۲) باب بَلِیسَان، یہ قزوین کی سمت میں شمال مغرب کی طرف کھلتا تھا + (۳) باب کوہک، یہ طَبَرِستان کی سمت میں شمال مشرق کی طرف کھلتا تھا + (۴) باب ھشام یہ خراسان کی سڑک پر مشرق رویہ واقع تھا + (۵) باب سِین، یہ دروازہ شہر قم کی سمت میں جنوب کی طرف کھلتا تھا۔ شہر کے بازار یا تو ان دروازوں کے قریب یا ان سے باہر واقع تھے، اور سب سے زیادہ با رونق بازار ساربانان یا الرّوذَہ کی بستیوں میں تھے، جو شہر کے باہر تھیں۔ (۲۱۵) یہاں سامان تجارت سے بھرے ہوئے گودام اور دکانیں سڑک پر دو طرفہ بڑی دور تک چلی گئی تھیں۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ رَیّ کے شہر میں دو دریاؤں سے پانی پہنچتا تھا۔ ایک دریائے سُورِقَنا، جو رُوذَہ کی بستی کے پاس سے گزرتا تھا، اور دوسرا دریائے جیلانی جو ساربانان میں سے بہتا ہوا گیا تھا۔ یاقوت نے نہر موسیٰ (دریائے موسیٰ) کا تذکرہ کیا ہے، جو دیلم پہاڑوں سے اتر کر یہاں آیا تھا۔ اس لئے سمجھنا چاہئے کہ نہر موسیٰ اور دریائے جیلانی جس کا ذکر ہم نے ابھی کیا ہے، ایک ہی چیز ہیں۔ مقدسی نے رَیّ کی بڑی عمارتوں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ایک دارالبطیخ (تربوز والا گھر) تھا۔ یہ نام بالعموم شہر کے پھلوں والے بازار کا نام تھا۔ اور دوسری

میں مغلوں نے رَے پر قبضہ کیا، اُسے لوٹا اور جلا دیا۔ اس تباہی کے بعد پھر یہ شہر کبھی نہ پنپا۔ یاقوت، جو اُس زمانہ میں یہاں سے گزرا تھا، لکھتا ہے کہ شہر کی فصیل جیسی تھی ویسی ہی باقی تھی، اور شہر کے اندر کے مکانات زیادہ تر کھنڈر کر دئیے گئے تھے۔ ان میں سے اکثر پختہ اینٹوں کے تھے، اور دیواروں پر نیلے رنگ کی کاشی اینٹوں کا استر تھا، یہ کام ایسا چمکتا تھا کہ جیسے کسی چینی تاب کی سطح چمکتی ہو۔ صرف شافعیوں کا محلہ جو شہر کے محلوں میں سب سے چھوٹا تھا، مغلوں کے ہاتھ سے بچ گیا تھا۔ حنبلیوں اور شیعوں کے محلّے بالکل غارت کر دئیے گئے تھے[1]۔

مستوفی لکھتا ہے کہ مغل بادشاہ غازان خان نے شاہی فرمان جاری کر کے رَے کو اس تباہ حالت سے پھر سر سبز کرنے کی کوشش کی، اور حکم دیا کہ شہر پھر تعمیر کر کے اُسے آباد کیا جائے۔ لیکن کوشش بیکار ثابت ہوئی، کیونکہ رَے کے باشندے اس شہر کو چھوڑ کر وَرامین اور طہران کے شہروں میں، جو قریب ہی واقع تھے، بالخصوص وَرامین میں آباد ہو گئے تھے۔ چونکہ وَرامین کی آب و ہوا رَے کے شہر سے، جو پرانا تھا، بہتر تھی۔ اس وجہ سے آٹھویں (چودھویں) صدی کے شروع میں وَرامین اس نواح کا سب سے بڑا شہر ہو گیا۔ وَرامین کے کھنڈر رَے سے کچھ فاصلے پر جنوب کی طرف واقع ہیں۔ رَے کے شمال میں مستوفی لکھتا ہے کہ طَبَرَک کی پہاڑی تھی یہ غالباً وہ پہاڑی نہ تھی جس پر خلیفہ مہدی کا بنایا ہوا قصر، جس کا ہم ابھی ذکر کر آئے ہیں، واقع تھا؛ بلکہ یہ وہ پہاڑی تھی جہاں ایک کان سے چاندی نکالی جاتی تھی۔ اور اس سے حکومت کو بہت آمدنی تھی۔ ظہیر الدین کی تاریخ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ طَبَرَک کا قلعہ پانچویں (گیارہویں) صدی کے آغاز میں منوچہر زیاری نے تعمیر کرایا تھا۔ یاقوت لکھتا ہے کہ اس قلعہ کو

---

[1] ابن حوقل ص ۲۷۰، ۲۸۹۔ یاقوت ج ۲۔ ص ۵۷۲، ۸۴۳، ۸۹۳، ۸۹۴ +

وہ دوبارہ تعمیر کیا گیا۔ اس کے علاوہ رَے میں ایک اور قلعہ بھی تھا جس کا نام قلعۂ فَرَّخان تھا اور اُسے الجَوسَق (یعنی کوشک) بھی کہتے تھے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں بنی بُویہ کے سلطان فخر الدولہ نے، جسے پہاڑی کی چوٹی والا پُرانا قصر ناپسند تھا، باغات کے بیچ میں اپنے لئے (۲۱۶) ایک نیا عالیشان محل تیار کرایا، جس کا نام بعد کو فخر آباد ہوا۔

شروع زمانہ میں رَے کے گرد و نواح کے متعدد زرخیز علاقوں میں سب سے زیادہ مشہور حسب ذیل تھے:۔ (۱) رُوذَہ (یا الرّوذہ) جس میں اسی نام کا ایک بڑا گاؤں شامل تھا، شہر کی بیرونی بستی سے ہٹا ہوا واقع تھا۔ (۲) وَرَامِین، جس نے بعد میں رَے کی جگہ لی، اور اس نواح میں صوبۂ جبال کا سب سے بڑا شہر ہوگیا، (۳) پِشاوِیّہ، جو اب تک فَشاوِیّہ کے نام سے موجود ہے (۴) قُوسِین اور دِینَہ کا جیں (القَصرَان کے علاقہ (یعنی اندر اور باہر والے قصر کے علاقے) بھی شامل تھے۔ دِینَہ درحقیقت دو بڑے قصبوں یا شہروں کا ایک ہی نام تھا، جو رَے سے ایک دن کی مسافت پر واقع تھے، یعنی دِینَہ قَصران اور دِینَہ وَرامِین۔ ابن حوقل کا بیان ہے کہ یہ گاؤں اور چند اور مواضع جن کا نام اس نے لیا ہے، دراصل چھوٹے چھوٹے شہر تھے، اور ان میں سے ہر ایک کی آبادی (۱۰۰۰) سے زیادہ تھی۔ ۶۱۷ھ (۱۲۲۰ء

---

(۱) یاقوت (مطبوعہ مصر) میں اس کا نام قلعۃُ الزَّخان لکھا ہے۔ مترجم)

(۲) یعقوبی ص ۲۷۵ + ابن رُستہ ص ۱۶۸ + ابن حوقل ص ۲۶۵، ۲۶۹، ۲۷۰ + مقدسی ص ۳۹۰، ۳۹۱ + یاقوت ج ۲۔ ص ۲۵۲، ۲۹۴، ۸۹۵ + ج ۳۔ ص ۸۵۵ + ج ۴ ص ۱۳۱، ۲۲۳ + یہ امر کہ رَے کے جس کے قلعہ کو مہدی نے بنوایا تھا اس کا نام زُبَیدِیَّہ (اگر یہ نام درست پڑھا گیا ہے تو) دراصل مہدی کے فرزند ہارون الرشید کی بیوی زُبیدہ کے نام پر رکھا گیا تھا یا اس کی کچھ اور وجہ تھی صاف صاف نہیں معلوم ہوتا +

کے باشندوں میں ہمیشہ نزاع رہتا تھا۔ ایک محلّے والے دوسرے محلّے والوں سے لڑتے رہتے تھے۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے لکھا ہے کہ طہران وسعت کے اعتبار سے ایک اوسط درجے کا شہر تھا۔ بارھویں (اٹھارویں) صدی تک اس کا یہی حال رہا[1]۔ مگر پھر آغا محمد شاہ، بانی خاندان قاچار نے اسے ایران کا دارالسلطنت بنا دیا۔

جن سطح زمینوں پر رَے اور وَرامِین اور طِہران کے شہر واقع ہیں ان کو جو دریا سیراب کرتے ہیں وہ ان زمینوں سے بہتے ہوئے قریب کے بادیۂ ایران ملک پہنچتے ہیں اور وہاں پہنچکر غائب ہوجاتے ہیں۔ یہاں کے خاص دریاؤں میں ایک دریا نہرِ موسیٰ ہے، جس کا ذکر اوپر ہوچکا ہے۔ اس کے کنارے پر متعدد قریے آباد تھے۔ اس کے علاوہ مستوفی نے دریائے کَرَج کا ذکر کیا ہے۔ اس کو ایک پل سے عبور کرتے تھے، جو صرف ایک محراب کا تھا۔ اِس پل کا نام "پُلِ خاتون" تھا، اور اس نام کی وجہ یہ بیان ہوئی ہے کہ ہارون الرشید کی بیوی زبیدہ کی یادگار میں وہ بنایا گیا تھا۔ اس پل کے شکستہ آثار اب بھی طہران کے قریب پائے جاتے ہیں۔ قزوینی نے نہرِ سورِین کا تذکرہ کیا ہے۔ رَے کے شیعہ باشندے اس دریا کے پانی سے بہت بچتے تھے، کیونکہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے مقتول پوتے حضرت یحیٰ کی میت کو اس دریا میں غسل دیا گیا تھا۔ چونکہ غسل میت کا پانی نتاپاک

[1] قزوینی ج ۲۔ ص ۲۲۸، ۲۵۰ + مستوفی ص ۱۴۳، ۱۴۴، ۲۰۵ + یاقوت ج ۳۔ ص ۵۰۷، ۵۶۴ + علی یزدی ج ۱۔ ص ۵۰۳، ۵۰۶، ۵۹۷ + ظہیرالدین (ڈورن Dorn) کی کتاب Muhammad anische-Quellen ج ۱۔ فارسی متن کا صفحہ ۵۱) لکھتا ہے کہ طَبَرِک کے معنی چھوٹی پہاڑی کے ہیں، کیونکہ یہ لفظ درحقیقت طَبَر کی تصغیر ہے، اور طَبَر طَبَرِستان کی بولی میں پہاڑ یا پہاڑی کو کہتے ہیں +

۵۸۸ھ (۱۱۹۲ء) میں آخری سلطان عراق، طغرل ثانی سلجوقی، نے منہدم کیا۔ اس مشہور قلعہ کے محاصرہ کا حال یاقوت نے بہت تفصیل سے لکھا ہے۔ اسی مصنف نے یہ بھی لکھا ہے کہ طَبَرَک کی پہاڑی خراسان کی سڑک پر رَے سے باہر جانے والے مسافر کے داہنے جانب پڑتی تھی، اور رَے کی پہاڑی (جس سے غالباً وہ پہاڑی مُراد ہے، جس پر مہدی کا بنایا ہوا قلعہ تھا) شہر کے دروازے سے باہر نکلنے والے مسافر کے بائیں طرف آتی تھی۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ حضرت امام زادہ عبدالعظیم کا مزار رَے کے قریب تھا، اور یہ مشہد آج کل بھی موجودہ طہران کا سب سے زیادہ متبرک مقام سمجھا جاتا ہے۔ ان بزرگ کا نام حسینؓ تھا، اور آپ امام ہشتم حضرت امام علی رضاؑ کے صاحبزادے تھے۔ رَے کے قریب کے مشہور علاقوں میں ایک علاقہ شہریار کہلاتا تھا۔ مستوفی نے اتفاقیہ اس نام کے ایک قلعہ کا ذکر کیا ہے کہ رَے کے مشرق میں واقع تھا۔ زمانۂ مابعد میں اس قلعہ کو ضرور شہرت ہوگئی ہوگی، کیونکہ علی یزدی نے تیمور کی فوجی مہموں کے حال میں رَے کو شہریار، یا دیہ شہریار کے نام سے لکھا ہے۔ اوپر بیان ہوچکا ہے کہ دراصل اس زمانہ میں آبادی کا خاص مرکز تھا، لیکن نویں (پندرھویں) صدی میں خود یہ شہر ویران ہونا شروع ہوگیا۔ بعد کے زمانہ میں طہران نے اس کی جگہ لے لی؛ حالانکہ ساتویں (تیرھویں) صدی میں طہران کی نسبت یہ بیان ہوا تھا کہ وہ رَے کے بڑے قصبات میں سے ایک قصبہ ہے۔ پرانے طہران میں (اسے ت سے بھی لکھا جاتا ہے) بہت سے گھر آدھے زمین کے اوپر اور آدھے زمین کے نیچے ایسی قطع کے تھے جن کی نسبت قزوینی لکھتا ہے کہ وہ یَربوعؔ کے بِل معلوم ہوتے تھے۔ اس کے بارہ محلوں

(سلہ یَربُوع ایک قسم کا چوہا ہوتا ہے، جس کے اگلے دو پاؤں چھوٹے، اور پچھلے دونوں پاؤں بڑے ہوتے ہیں۔ (اقرب) غالباً گھونس کی قسم کا جانور ہے۔ مترجم)

ہوا بحیرہ خزر کے ساحل کو جاتا تھا۔ قزوین سے شمال مغرب میں جو سلسلہ پہاڑوں کا تھا وہ پرانے زمانہ سے صوبۂ دَیلم کا ایک حصہ سمجھا جاتا تھا (اس کا ذکر اس کتاب کے بارھویں باب میں ہو چکا ہے)۔ کچھ زمانہ تک صوبۂ دَیلم نیم خود مختار رہا کیونکہ ابھی تک عباسیوں نے اسے اپنی حکومت میں شامل نہیں کیا تھا۔ اس زمانہ میں دیلم کے وحشی کافروں کے مقابلہ کے لئے قزوین ایک بڑا قلعہ تھا، اور اُس میں اسلامی فوج مقیم رہتی تھی۔ چنانچہ خلفاء بنی اُمیہ کے زمانہ میں مشہور حاکم عراق، حجاج بن یوسف نے اپنے بیٹے محمدؐ کو ایک بڑی فوج کے ساتھ کوہستان دَیلم کے کفار سے لڑنے کے لئے بھیجا تھا۔ اس محمد بن حجاج نے قزوین میں قیام کیا تھا، اور اُسی نے یہاں سب سے پہلے جامع مسجد بنوائی تھی۔ یاقوت لکھتا ہے کہ یہ مسجد نہر جُنَید کے دروازے کے قریب واقع تھی۔ مسجد الثَّور (بیل والی مسجد) اس کا نام تھا۔ ہارون الرشید کے زمانہ تک یہی شہر کی بڑی مسجد رہی۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے لکھا ہے کہ قزوین کے حقیقت میں دو حصے تھے، ایک باہر والا شہر تھا، اور دوسرا اندر والا شہر۔ اندر والے شہر میں، جو بالکل قلعہ کی صورت رکھتا تھا، دو جامع مسجدیں تھیں۔ شہر کے متعلق جتنی زمینیں تھیں وہ سب بہت زرخیز تھیں، اور شہر کی آبادی ایک مربع میل میں پھیلی ہوئی تھی۔ یہاں کے باشندے بہادر اور جنگجو تھے، اور اسی مقام سے عباسی خلفاء طالقان اور دَیلم کے مقابلہ میں تعزیری مہمیں بھیجا کرتے تھے۔

قزوین کے دو بڑے دریا یعقوبی کی تحریر کے مطابق، وادی الکبیر اور وادی سَیرم تھے۔ اس نواح میں بہت سے آتشکدوں کے پرانے آثار پائے جاتے تھے، اور مقدسی نے اُن انگوروں کی تعریف کی ہے جو یہاں گرد و نواح کے باغوں میں پیدا ہوتے تھے۔ اس دوہرے شہر کے دونوں حصّوں میں ایک کو مدینہ موسیٰ اور

ہوگیا تھا۔ اس لئے اس دریا کا پانی ہمیشہ کے لئے نجس سمجھا گیا۔
لیکن مستوفی کے نزدیک رَے کا سب سے بڑا دریا جاجَرُود تھا۔ یہ دریا کوہ دَمَاوَند کے نیچے جاجَج کے پہاڑی سلسلوں سے نکلا تھا۔ اور رَے کی سطح زمین پر پہنچکر چالیس شاخوں میں تقسیم ہوجاتا تھا۔

سطح زمین کی مغربی سرحد پر سَاؤج بُلاغ کا علاقہ ہے، جس کے معنی ترکی زبان میں سرچشموں کے ہیں۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ سلجوقیوں کے زمانہ میں یہ بہت بڑا مقام ہوگیا تھا۔ مغلوں کے دور میں اِس علاقہ سے (۱۴۰۰۰) دینار بطور محاصل وصول ہوتے تھے۔ اس کے بہت سے قریوں میں سُنقُر آباد سب سے بڑا موضع تھا۔ یہ اب تک موجود ہے۔ مستوفی نے اپنی کتاب میں جہاں سفر کے مراحل و منازل بیان کئے ہیں وہاں سُنقُر آباد کو ایک بڑی منزل لکھا ہے۔ سَاؤج بُلاغ کے علاقہ کو گرم رُود سے پانی پہنچتا تھا۔ یہ دریا، جو قزوین کے شرق میں پہاڑوں سے نکلا تھا، رَے اور شہر یار کے علاقوں کو سیراب کرتا تھا۔ یہاں اس میں بہت سی ندیاں سمت شمال کے پہاڑی سلسلہ سے نکل کر مل جاتی تھیں، اور گرم رُود کا پانی آب پاشی میں صرف ہونے کے بعد جتنا بچتا تھا۔ وہ بادیۂ ایران میں جذب ہوجاتا تھا

قَزوین کا شہر طہران سے تقریباً ایک سو میل شمال شرق کی سمت میں بڑے سلسلۂ کوہ سے اُترتے ہی واقع ہے۔ یہ شہر پرانے وقتوں میں بڑا مقام مانا جاتا تھا، کیونکہ یہاں سے اُن دروں کی حفاظت کی جاتی تھی، جن سے راستہ طَبَرِستان میں سے ہوتا

لہ قزوینی ج ۱۔ص ۱۸۱ + مستوفی ص ۱۴۴، ۱۴۸، ۱۹۶، ۲۱۶ + اس کے علاوہ دیکھو برٹش میوزیم کا قلمی نسخہ ADD. 23543 فولیو b۷۹ + جہان نما ص ۲۹۲، ۳۰۴ +

چنانچہ ان دونوں کا ذکر اُس نے سیاحت نامہ میں کیا ہے۔ مستوفی نے اُن کئی دریاؤں کے نام بھی لکھے ہیں جو قزوین کے علاقہ کو سیراب کرتے تھے۔ ان میں دریائے خَرّود اور طالِقان سے آنے والے دو دریا یعنی بَہ رُود اور کرَدان رُود تھے، اور خَرَّقان کے علاقے سے آنے والا ترکان رُود تھا۔ قزوینی لکھتا ہے کہ قزوین کے باغوں کو جو دریا سیراب کرتے تھے اُن میں دریائے دَرَج شہر کے مشرق کی طرف اور دریائے اَتوَک شہر کے مغربی جانب بہتا تھا۔ اسی مصنف نے چند شہروں اور قریوں کے نام لکھے ہیں جو علاقۂ قزوین کی سطح زمینوں اور قریب کے کوہستانی علاقے میں واقع تھے[1]

دَستُوا (یا دَستَبا) جو بنی اُمیہ کے عہد میں دارالضرب تھا، ایک وسیع علاقہ کا نام ہے، جس کا سب سے بڑا قریہ یَزْدآباد تھا۔ بنی اُمیہ کے عہد میں دَستُوا کا کچھ حصہ ہمدان میں اور کچھ ہمدان میں شامل تھا۔ ہم کو بتایا گیا ہے کہ ہمدان سے صوبہ آذربائیجان کو براہ راست جانے والی ڈاک کی سڑک

---

[1] ابن حوقل ص ۲۵۹، ۲۶۳، ۲۷۱ + یعقوبی ص ۲۷۱ + ابن خردادبہ ص ۵۷ + مقدسی ص ۳۹۱ + یاقوت ج ۴ - ص ۸۸، ۸۹، ۴۵۴، ۴۵۵ + قزوینی ج ۲ - ص ۱۹۰، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۶ و ۲۴۴، ۲۴۴، ۲۷۵ + مستوفی ص ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۹۶، ۲۱۷ + قزوینی، جیسا کہ اُس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے، مستوفی کی طرح قزوین کا رہنے والا تھا۔ مستوفی نے "تاریخ گزیدہ" میں اپنے مولد کا مفصل حال لکھا ہے، جسے (Berbier Meynard) نے جرنل ایشیاٹک (۱۸۵۷ء ج ۲ - ص ۱۵۷) میں ترجمہ کیا تھا۔ قزوینی (ج ۲ - ص ۲۹۱) نے شہر کا ایک خاکہ اپنی کتاب میں درج کیا ہے جس میں شہر کی دیواریں ہم مرکز دائروں کی شکل میں دکھائی گئی ہیں۔ سب سے اندر والا دائرہ شہرستان ہے اور شہرستان کے گرد بڑا شہر (المدینۃ العظمیٰ) ہے اس بڑے شہر کے گرد باغات کے حلقے ہیں، اور ان باغات کے گرد مزروعہ اراضی ہیں، جن میں سے دو دریا گزرتے تھے۔

دوسرے کو مَدینۃُ مُبارک یا مبارکیہ کہتے تھے۔ ہارون الرشید کے بڑے بھائی خلیفہ الہادی نے، جس کا نام موسیٰ تھا، شہر کا وہ حصّہ تعمیر کرایا تھا، جو ان کے نام پر مَدینہ موسیٰ کہلاتا تھا۔ یہ واقعہ ہادی کے باپ خلیفہ مہدی کے زمانہ کا ہے۔ اس کے بعد خلیفہ ہارون الرشید نے، جو ہادی کا جانشین ہوا، خُراسَان جاتے ہوئے قزوین میں قیام کیا، اور یہاں ایک جامع مسجد کی بنیاد رکھی، اور شہر پناہ تعمیر کرائی۔ ترکی غلام مبارک جو خلیفہ ماموں الرشید یا خلیفہ معتصم باللہ کا آزاد کردہ غلام تھا، مُبارک آباد کے قلعہ مُبارکیہ کا بانی ہوا۔ اس مبارک آباد کو مدینہ مُبارک بھی کہتے تھے۔

ازمنہ وسطیٰ کے کُل دوران میں قزوین بڑا بارونق اور معمور شہر رہا۔ لیکن ساتویں (تیرھویں) صدی کے اوائل میں مغلوں نے اسے غارت کردیا۔ اس واقعہ کے سو برس بعد، مستوفی نے، جو خود قزوین کا رہنے والا تھا، اس شہر کا نہایت مفصّل حال مقامی روایات سے اخذ کرکے لکھا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ جہاں بعد کو قزوین آباد ہوا وہاں پہلے ایک پُرانا ایرانی شہر، جو شاد پوہ کہلاتا تھا، شاپور رہنما یا ہوا آباد تھا + اسی شہر کے کھنڈروں کے قریب بعد میں مسلمانوں کے دو نئے شہر مَدِینہ موسیٰ اور مدینہ مُبارک (مُبارک کو اس نے خلیفہ ہادی کا آزاد کردہ غلام لکھا ہے) بسائے گئے۔ خلیفہ (۲۲۰) ہارون الرشید نے ان تینوں شہروں کے گرد بڑی مستحکم شہر پناہ بنوادی۔ اس شہر پناہ کی تعمیر خلیفہ معتز کے عہد میں نہیں ۲۵۴ھ (۸۶۸ء) میں جاکر ترکی سپہ سالار موسیٰ بن بغا نے اختتام کو پہنچائی۔ اس کے بعد اس کو ۵۷۲ھ (۱۱۷۶ء) سلجوقی سلطان ارسلان ثانی کے وزیر صدرالدین نے دوبارہ پختہ اینٹوں سے تعمیر کرایا۔ مستوفی نے یہ بھی لکھا ہے کہ قزوین کے اعمال میں تین سو قریے شامل تھے، اور ان میں سے سب سے بڑے موضع فارسجین اور سگسا باد تھے،

بنا رہا۔ ۶۵۴ھ (۱۲۵۶ء) میں ہلاکو خاں مغل نے اَلمُوت کو فتح کر کے اُسے مسمار کرا دیا۔ اَلمُوت کی فتح کے بعد حشیشین کے دوسرے قلعے بھی فتح کر کے منہدم کر دیئے گئے۔ مختلف ملکوں کے سیاحوں نے اِس مُقام کو جا کر دیکھا ہے، جہاں کسی زمانہ میں اَلمُوت کا ہونا فرض کیا جاتا ہے۔ بہت سے اور قلعوں کے آثار، جن کو کہا جاتا ہے کہ وہ اسماعیلیوں کے قلعے تھے، قزوین کے جانب شمال پہاڑوں میں اب تک موجود ہیں۔[۱]

اَبْھَر اور زنْجان کے دو جُدا جُدا شہر جن کے نام ایک ساتھ لئے گئے ہیں، قزوین کے مغرب میں بڑی سڑک پر واقع اور قدیم زمانہ سے ہی مشہور چلے آتے تھے۔ ابن حوقل نے چوتھی (دسویں) صدی میں لکھا ہے کہ اَبْھَر میں کُرد آباد تھے، اس کے کھیت خوب زرخیز اور شاداب تھے، اور اُن میں غلہ بہت بویا جاتا تھا۔

---

[۱] قزوینی ج ۲۔ ص ۲۰۰۔ مستوفی ص ۱۴۷۔ مستوفی نے تاریخ گزیدہ (باب ۴ فصل ۹۔ حصہ ۲) میں ایران کے اسماعیلیوں یا حشیشین کی تاریخ لکھی ہے اور ڈیفریمری (Defremary) نے جرنل ایشیاٹک سنہ ۱۸۴۹ء (ج ۱۔ ص ۲۶) میں اس کا ترجمہ مع حواشی کے شائع کیا ہے۔ اس مصنف نے (صفحہ ۴۸) اُن اسماعیلی قلعوں کی ایک فہرست دی ہے۔ جو ہلاکو خاں کے حکم سے فتح ہو کر مسمار کئے گئے۔ لیکن اُن میں سے اکثر کی نسبت یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کہاں واقع تھے۔ سب سے آخر میں جو قلعے فتح ہوئے وہ گِردِ کوہ اور لَمبسر تھے۔ قلعہ اَلمُوت کی نسبت معلوم ہوتا ہے کہ یا تو اُسے منہدم نہیں کرایا اور یا انہدام کے بعد اس کو پھر کسی نے بنوا دیا، کیونکہ شارڈین (وائج این پرس ج ۱۰۔ ص ۲۰) لکھتا ہے کہ شاہ سلیمان صفوی کے زمانہ میں اس قلعہ سے سرکاری محبس کا کام لیا جاتا تھا۔ انیسویں صدی عیسوی میں کرنل مون ٹیتھ (Montieth) نے اس کے کھنڈر دیکھے تھے، اور اُن کا حال جرنل رائل جیاگریفیکل سوسائٹی (سنہ ۱۸۳۳ء ص ۱۵) میں لکھا تھا۔

قزوین کو چھوڑتی ہوئی اس علاقہ میں سے گزرتی تھی۔ اگرچہ اب دستبا کا نام نقشوں پر نہیں ملتا، لیکن وہ یقیناً قزوین کے جنوب میں واقع ہوگا۔ بعد کو خلفاء عباسیہ کے دور میں دستبا قزوین کے اعمال میں شمار ہونے لگا تھا۔

قزوین کے شمال مغرب میں وہ پہاڑ تھے جو قزوین کے علاقہ کو علاقۂ رودبار سے، جو طبرستان میں شاہ رود کے کنارے کنارے چلا گیا تھا، جدا کرتے تھے۔ ان پہاڑوں کی چوٹیوں پر حشیشین (فرقہ اسماعیلیہ) کے مشہور قلعے واقع تھے۔ مستوفی نے ان قلعوں کی مجموعی تعداد پچاس بتائی ہے۔ ان میں قلعۂ اَلَموت حشیشین کا مستقر حکومت اور میمون دِز سب سے زیادہ مستحکم قلعہ تھا۔ کہتے ہیں کہ طبرستان کی زبان میں اَلَموت کے معنی "عقاب کا گھونسلا" یا "آیافتۂ عقاب" کے ہیں۔ پہلا شخص جس نے یہاں قلعہ بنوایا وہ دیلم کا ایک بادشاہ تھا، جس کا شکاری عقاب اتفاق سے اس قلۂ کوہ پر آن بیٹھا تھا۔ قزوینی، جو بلاشبہ اس جگہ سے بخوبی واقف تھا، لکھتا ہے کہ اس قلعہ کے گرد نہایت عریض وعمیق غار تھے، اور ان غاروں نے اس قلعہ کو گردونواح کے تمام پہاڑوں سے قطعاً بے تعلق کرکے ناقابل تسخیر بنا دیا تھا۔ نہ قدر اندازوں کے تیر اس تک پہنچ سکتے تھے، اور نہ منجنیقوں سے پھینکے ہوئے پتھروں کی وہ زد میں تھا۔ اَلَموت کا فاصلہ قزوین سے چھ فرسخ تھا۔ بعد کو جو قلعہ یہاں تعمیر ہوا اس کو بنی علیؑ کے ایک شخص حسنؒ نے، جن کا لقب داعی الی الحق تھا، ۲۴۶ھ (۸۶۰ء) میں بنوایا۔ یہی قلعہ تھا جو ۴۸۳ھ (۱۰۹۰ء) میں (یا قزوینی کی تحریر کے مطابق ۴۴۶ھ (۱۰۵۴ء میں) حسن بن صباح کے قبضہ میں آیا۔ (حسن بن صباح کو یورپ والے شیخ الجبل (یعنی پہاڑ کا بڈھا) کہتے ہیں)۔ یہ قلعہ ایک سو اکہتر برس تک حسن بن صباح کے مریدوں کا سب سے زیادہ مستحکم و مامون مقام

ابہر اور زنجان کے بیچ میں، نصف راہ پر، اور اُس بیچ اور بلند زمین کے وسط میں، جس سے دو دریا نکل کر ایک مغرب کی طرف بہتا ہوا سفید رُود سے مل گیا ہے اور دوسرا مشرق کی سمت میں بادیۂ ایران تک گیا ہے مغلوں کے شہر سلطانیہ کے پرانے آثار پائے جاتے ہیں۔ اس شہر کی تعمیر، جس کی بنیاد ارغون خاں نے رکھی تھی، ۷۰۵ھ (۱۳۰۵ء) میں الجیتو سلطان کے زمانہ میں اختتام کو پہنچی، اور وہ ایل خانیوں کا دارالسلطنت قرار پایا۔ ابوالفداء لکھتا ہے کہ اس شہر کا مغلی نام کنغر لان تھا؛ اور مستوفی نے بیان کیا ہے کہ نو شہر اس کے اعمال میں شامل تھے۔ اس کی دیواروں کا دور (۳۰۰۰۰) قدم تھا، اس کے وسط میں ایک مستحکم چار دیواری کے اندر الجیتو کا سنگین مقبرہ تھا، جو عمدہ اور نقش و نگار سے مزین تھا۔ اس گنبد والے مقبرے (یا مسجد) کے شکستہ آثار اب تک موجود ہیں، لیکن شہر کی اور کوئی چیز باقی نہیں رہی؛ گو مستوفی نے لکھا ہے کہ اس زمانہ میں تبریز کے سوا تمام ایران میں کوئی شہر ایسا نہ تھا جس کی عمارتیں خوبصورتی میں سلطانیہ کی عمارات کا مقابلہ کرسکیں۔ ابہر کی سڑک پر سلطانیہ سے پانچ فرسخ مشرق میں قُهود کا گاؤں تھا۔ مستوفی لکھتا ہے کہ مغل اس کو صائین قلعہ کہتے تھے؛ چنانچہ اب بھی اسی نام سے یہ شہر موجود ہے۔ صائین، جس کا دوسرا نام باتوخان ہے، چنگیز خاں کا پوتا تھا۔ سرجہان کا مستحکم قلعہ، صائین قلعہ اور سلطانیہ کے بیچوں بیچ پہاڑ کی ایک شاخ پر واقع تھا۔ سلطانیہ سے اس کی مسافت پانچ فرسخ تھی، اور وہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا، جہاں سے نیچے کی مسطح زمینیں، جو یہاں سے مشرق میں ابہر اور قزوین کو پھیلی چلی گئیں تھیں نظر آتی تھی۔ سرجہان کا قلعہ طارم کے علاقہ میں تھا، اور یاقوت نے لکھا ہے کہ مستحکم ترین قلعے جو اس کی نظر سے گزرے تھے اُن میں سے ایک یہ بھی تھا۔ لیکن جب مستوفی نے

شہر کی حفاظت کے لئے ایک مضبوط قلعہ تھا، جو اونچے پشتوں پر تعمیر کیا گیا تھا۔ قزوینی لکھتا ہے کہ یہاں کی پن چکیاں اور ایک قسم کی ناشپاتیاں، جو بہت شیریں اور شکل میں نارنگی معلوم ہوتی تھیں بہت مشہور تھیں۔ ان ناشپاتیوں کا نام عباسی تھا۔ یاقوت کا بیان ہے کہ ایرانی اَبھَر کا تلفظ اَوَہَر کرتے تھے۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ یہاں کا قلعہ سلجوقیوں کے زمانہ میں اتابک بہاء الدین حیدر نے دوبارہ تعمیر کرایا تھا، اور اسی وجہ سے یہ قلعہ حیدریہ کہلاتا تھا۔ فصیل شہر کا دَور ساڑھے پانچ ہزار قدم تھا۔ اَبھَر کا دریا اس علاقہ کو سیراب کرنے کے بعد قزوین کی طرف بہتا تھا اور آخر کار ریگ بے پایان میں غائب ہوجاتا تھا۔ زَنْجان کا شہر ابھَر سے شمال مغرب میں پچاس میل کے فاصلے پر دریائے زَنجان کے کنارے واقع تھا، اور یہ دریا مغرب کی طرف بہہ کر سَفید رُود میں مل جاتا تھا۔ ابن حوقل نے زَنجان کو اَبھَر سے بڑا بتایا ہے، اور لکھا ہے کہ وہ آذربائیجان جانیوالی بڑی سڑک پر واقع تھا۔ یاقوت لکھتا ہے کہ ایران کے لوگ زَنجان کا تلفظ زَنگان کرتے تھے؛ اور مستوفی کا بیان ہے کہ اُسے اَرْدَشیر بابکان نے بسایا تھا، اور پہلے اس کا نام شَہین رکھا گیا تھا۔ مغلوں کی یورش میں زَنجان برباد ہوا۔ پھر بھی اس کی شہر پناہ (۱۰۰۰۰) قدم دَور میں قائم رہی۔ اس کا علاقہ بہت زرخیز تھا، اور اس کے محاصل کی رقم (۳۰۰۰۰) دینار تھی۔ مستوفی نے یہ بھی لکھا ہے کہ آٹھویں (چودھویں) صدی کے شروع تک جو زبان یہاں بولی جاتی تھی وہ قریب قریب خالص پہلوی زبان تھی۔ لیکن اس سے غالباً اُس کی مراد ایران کی کسی مقامی بولی سے ہے[1]

---

[1] ابن حوقل ص ۲۶۵، ۲۷۱، ۲۷۴ + مقدسی ص ۳۷۸، ۳۹۲ + قزوینی ج ۲-ص ۱۹۱ + یاقوت ج ۱-ص ۱۴۳؛ ج ۲ ص ۵۷۳، ۵۷۴، ۹۴۸ + ج ۴-ص ۱۰۱۷ + مستوفی ص ۱۴۶، ۱۴۷، ۲۱۷ +

صوبۂ جبال کی مغربی سرحد پر، سَفِید رُود کے سرچشموں میں سے ایک سرچشمہ کے قریب، وہ عجیب و قدیم آثار ہیں، جن کا نام آج کل تخت سلیمان ہے۔ یہاں ایک تالاب یا جھیل ہے، جو کسی قدرتی آب کش نالی کی وجہ سے ہمیشہ بھرا رہتا ہے، خواہ اس سے کتنا ہی پانی کھینچ لیا جائے مگر وہ کم نہیں ہوتا۔ ان آثار قدیمہ کی تطبیق شہر اَلشِّیز سے کی گئی ہے، جن کا ذکر پرانے عرب جغرافیہ نویس نے کیا ہے، اور مستوفی نے اس کو دَاسُتُورِیق کے نام سے بیان کیا ہے۔ ابن خُردادبہ، جس نے اپنی کتاب تیسری (نویں) صدی میں لکھی ہے، شِیز میں ایک بڑے آتشکدہ کا حال لکھتا ہے، جس کا نام آذرجُشنَس تھا، اور مجوسی اُس کا بہت احترام کرتے تھے، یہاں تک کہ ہر ایک ساسانی بادشاہ کا فرض تھا کہ تخت نشین ہوتے ہی زائرین کر مَدائن (طیسفون) سے پا پیادہ چلے اور نصف راہ پر شَہرزُور میں (دیکھو صفحہ ۱۹۰) قیام کرکے اُسی طرح پیدل اِس آتشکدہ میں حاضر ہو، کیونکہ مجوسیوں میں ایک روایت یہ تھی زردشت کا مولد شِیز تھا۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ شہر کا ایرانی نام دراصل جِیس یا گَزن تھا، اور شِیز اس کی معرب شکل ہے۔ اس کے بعد یاقوت نے مُہلہل سیاح کی ایک طول و طویل عبارت اس شہر کے حالات میں نقل کی ہے۔ مہلہل نے یہ حالات ۳۳۱ھ (۹۴۳ء) میں لکھے تھے۔ یہ سیاح سونے کے کانوں کی تلاش میں یہاں آیا تھا، کیونکہ مشہور تھا کہ یہاں کے پہاڑوں میں یہ کانیں موجود ہیں۔ اُس نے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۸: کہ مُجاس اُس کے زمانہ میں ایک چھوٹا سا گاؤں تھا، اور زنجان سے جنوب مشرق میں چھبیس میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ راولنسن نے یہ بھی لکھا ہے کہ شہر وَسار کا اب کہیں پتہ نہیں +

اپنی کتاب لکھی ہے تو وہ مغلوں کی یورش سے کھنڈر ہو چکا تھا، اور جو سامان حرب وہاں مہیا رہتا تھا، اور جو سپاہ مقیم تھی وہ قلعہ صائین میں منتقل کردی گئی تھی۔

سلطانیہ کے مغرب میں شہرزُوَرد اور سُجاس کے دو چھوٹے شہر قریب قریب واقع تھے۔ اور جب آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی یہاں آیا ہے تو وہ کسی قدر بڑے مقام تھے۔ لیکن اب وہ بالکل برباد ہیں۔ ابن حوقل نے چوتھی (دسویں) صدی میں لکھا ہے کہ شہرزَرد میں کُرد آباد تھے، اور وسعت کے لحاظ سے وہ شہرزُور کے برابر تھا۔ اس کے گرد شہر پناہ تھی، برج و بارو مستحکم تھے۔ اور وہ زنجان کے جنوب میں ہمدان جانے والی سڑک پر واقع تھا۔ سجاس یا سِجاس کا شہر شہرزَرد کے قریب تھا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ یہ دونوں شہر مغلوں کی یورش میں برباد ہوئے، اور اُس کے زمانہ میں ان کی حیثیت بڑے اور آباد قریوں کی سی رہ گئی تھی۔ ان کے گرد و نواح کے علاقوں کو جَرُود یا انجَرود کہتے تھے۔ آج کل ان کو اِجَرود اور انگران کہتے ہیں۔ سجاس کا شہر سلطانیہ سے پانچ فرسخ مغرب میں سو سے زیادہ قریوں کا درمیان میں جہاں مغل آباد ہوگئے تھے واقع تھا۔ قریب ہی پہاڑ پر ارغون خان کا مقبرہ تھا، جسے مغلوں کے دستور کے مطابق کُرُوغ قرار دیا گیا تھا، یعنی وہ ایک مقام محفوظ تھا۔ یہاں ارغون خاں کی بیٹی الجیتو خاتون نے درویشوں کے لیے ایک خانقاہ تعمیر کرائی تھی[1]۔

---

[1] ابن حوقل ص ۲۵۸، ۲۶۳ + قزوینی ج ۲- ص ۲۶۱ + یاقوت ج ۳- ص ۴۰، ۷۰، ۳۰۳ + ابو الفداء ص ۴۰۷ + مستوفی ص ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۹۶ + ظاہر ہے کہ آج کل سُجاس اور شہرزَرد دونوں نقشوں پر کہیں نظر نہیں آتے۔ لیکن سرہنری رالنسن (جے، آر جی، ایس ۱۸۴۰ء ص ۶۶) نے لکھا ہے

جانے والی سڑک پر خوینج کا بڑا تجارتی شہر واقع تھا۔ ابن حوقل نے چوتھی (دسویں) صدی میں لکھا ہے کہ اُس زمانہ میں اس مقام کے عمدہ نسل کے گھوڑے، بھیڑ اور بیل مشہور تھے۔ یاقوت نے یہ شہر بچشم خود دیکھا تھا، اس نے اس کا نام خُونا بھی بیان کیا ہے اور اتنا اور لکھا ہے کہ عام طور سے اس شہر کو کاغذ کُنان (کاغذ کا کارخانہ) کہتے تھے خُونا کا نام لوگ نحس خیال کرتے تھے، کیونکہ اس میں خون کا لفظ تھا۔ مستوفی نے اپنی کتاب میں کاغذ کُنان کے شہر کو سفید رُود سے جنوب میں چھ فرسخ، اور زنجان سے شمال میں، اُس سڑک پر جو براہ راست اَرْدَبِیل جاتی تھی، چودہ فرسخ کے فاصلے پر بتایا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ مغلوں کی یورش کے زمانہ میں یہ شہر برباد ہوگیا، اور جب اُس نے اپنی کتاب لکھی ہے تو وہ محض ایک گاؤں کے برابر رہ گیا تھا۔ سفید رُود کا ایک معاون دریا اس کے علاقے کو سیراب کرتا تھا۔ بہرکیف اس عہد میں یہاں کاغذ نہایت عمدہ بنایا جاتا تھا۔ جو مغل وہاں بس گئے تھے، وہ اُسے مُغُولیہ (یعنی مغلوں کا ڈیرہ) کہتے تھے۔ ظاہراً ایسا ہوتا ہے کہ خُوینج کی اصلی جا، وقوع کا اب تک پتہ نہیں چلا۔

اُس سلسلہ کوہ کے جنوبی دامن پر جو سمت شمال میں دَیلَم کو طَبَرِستان سے جُدا کرتا ہے پُشتکِل دَرَّہ، طالقان اور طارُم کے تین علاقے تھے، اور ان میں سے آخری علاقے، یعنی طالقان اور طارُم کے علاقے ایسے تھے کہ کبھی طالقان طارُم میں اور طارُم طالقان میں شامل کئے جاتے تھے، اور اکثر طالقان کی جگہ طارُم اور طارُم کی جگہ طالقان بولتے تھے۔ تینوں علاقوں میں سے ہر ایک علاقہ دو حصّوں میں، ایک بالا اور دوسرا زیرین، تقسیم تھا۔ بالائی حصہ بالکل پہاڑی مُلک تھا، اسی وجہ سے وہ صوبہ دیلم میں شمار کیا جاتا تھا۔ پُشتکِل دَرَّہ کے علاقہ کی نسبت مستوفی لکھتا ہے کہ یہ قزوین کے

لکھا ہے کہ شیز کی شہر پناہ ایک جھیل کے گرد بنی ہوئی تھی، اور یہ جھیل اتنی گہری تھی کہ اس کی تہ کا پتہ نہ تھا۔ جھیل کا رقبہ تقریباً ایک جریب (ایک تہائی ایکڑ) تھا۔ اس جھیل کا پانی ہمیشہ ایک ہی سطح پر رہتا تھا، کبھی اترتا نہ تھا، حالانکہ سات ندیاں اس میں سے ہر وقت جاری رہتی تھیں۔ ان ندیوں کی یہ خاصیت تھی کہ جب ان کے پانی میں کوئی چیز ڈالو تو وہ متحجر ہو جاتی تھی۔ ابن مہلہل نے آتشکدہ کے حالات بھی لکھے ہیں۔ اسی آتش کدہ سے ایران کے تمام آتشکدوں میں آتش پاک پہنچائی جاتی تھی۔ ابن مہلہل کا بیان ہے کہ یہ آتش مقدس سات سو برس سے شیز میں کبھی بجھی نہ تھی۔ شہر کا حال مستوفی نے بھی لکھا ہے۔ یہ مصنف اسے انجرود کے علاقہ کا صدر مقام بتاتا ہے، اور بیان کرتا ہے کہ مغل اسے ستوریق کہتے تھے۔ اس نے یہاں کے ایک بڑے محل کا ذکر کیا ہے۔ مشہور تھا کہ اصل میں اسے شاہ کیخسرو نے بنوایا تھا۔ اس محل کے صحن میں تالاب یا چھوٹی سی جھیل تھی، جس کی تہ نہ ملتی تھی، اور جس میں پانی ہمیشہ ایک سطح پر رہتا تھا۔ ایک ندی اس سے ہمیشہ جاری رہتی تھی، اور اگر اس ندی کا پانی روک دیا جائے، تو جھیل میں پانی بڑھتا بھی نہ تھا۔ مستوفی لکھتا ہے کہ آبقاء خان مغل نے یہاں اپنے لئے ایک محل بنوایا تھا، کیونکہ اس کے قرب و جوار میں عمدہ سبزہ زار اور چراگاہ تھے[1]۔

صوبۂ جبال کے شمال مغربی گوشہ میں زنجان سے اردبیل

---

[1] ابن خردادبہ ص ۱۱۹ + ابوالفدا ص ۲۸۶ + قزوینی ج ۲۔ ص ۲۶۷ + یاقوت ج ۳۔ ص ۳۵۳ + مستوفی ص ۱۴۸ + سر ہنری راولنسن نے (جے آر جی ایس ۱۸۴۰ء ص ۶۵) تخت سلیمان یا شیز کو وہی مقام سمجھا ہے جو یونانی مصنفوں کا شمالی اکبٹانا (Ecbatana) تھا +

چلی آتی تھی۔ اس خاندان کے آخری رئیس کو بنی بُویَہ کے رکن الدولہ نے ریاست سے بے دخل کیا۔ مستوفی نے بیان کیا ہے کہ زیرین طارم کا صدر مقام فیروز آباد، اور بالائی طارم کا اَنْدَر یا اِنْدِی تھا۔ اس شہر میں ایک قلعہ تھا، جس کا نام قلعۂ تاج تھا۔ اس کے علاوہ مستوفی نے یہاں کے پانچ اضلاع کے نام گنوائے ہیں، اور ہر ضلعے میں بہت سے قریے بتلائے ہیں۔

مستوفی نے شمیران کے عالیشان قلعہ کو زیرین طارم میں بیان کیا ہے، لیکن اِس کا موقع نہیں بتایا۔ یاقوت نے اس کا نام سمیران لکھا ہے۔ اس کے شکستہ آثار کو اُس نے بچشم خود دیکھا تھا۔ ابن مہلہل سیاح جو ۳۳۱ھ (۹۴۲ء) میں اس قلعہ سے گزرا تھا، اس کا بیان یاقوت نے نقل کیا ہے۔ یہ زمانہ وہ تھا جب کہ یہ قلعہ شاہان دیلم کے مستحکم ترین قلعوں میں شمار ہوتا تھا۔ ابن مہلہل کا بیان ہے کہ قلعہ سمیران میں (۲۸۵۰) سے کچھ اوپر بڑے اور چھوٹے، ہر قسم کے مکانات تھے۔ ۳۷۹ھ (۹۸۹ء) میں بنی بُویَہ کے سلطان فخر الدولہ نے قلعہ سمیران پر قبضہ کرکے خاندان وَہسُودان کے آخری رئیس کو، جو بچہ تھا، بے دخل کرکے اس کی ماں سے نکاح کرلیا۔ اس زمانہ کے قریب مقدسی نے جو اس قلعہ کا نام سمیرم لکھتا ہے، بیان کیا ہے کہ یہ قلعہ سلاروند کے علاقہ میں تھا، اور اس کی دیواروں پر سونے کے شیر سورج اور چاند بنے ہوئے تھے، گو اُس کے مکانات کچی اینٹوں ہی کے تھے۔ آیندہ صدی یعنی پانچویں (گیارھویں) صدی کے وسط میں ایرانی سیاح ناصر خسرو حج کو جاتے ہوئے سمیران سے گزرا۔ یہ ۴۳۸ھ (۱۰۴۶ء) کا واقعہ ہے۔ اور وہ لکھتا ہے کہ سمیران دیلم کے علاقۂ طارم کا صدر[1] مقام تھا۔

(1) ناصر خسرو (مطبوعہ کاویانی پریس۔ برلن ص ۶) نے "قصبہ" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ مترجم۔

مغرب اور طالقان کے جنوب میں واقع تھا۔ اس میں چالیس قریے شامل تھے، جن کی آمدنی کسی زمانہ میں قزوین کی جامع مسجد کے مصارف میں لگائی جاتی تھی۔ طالقان کا علاقہ سلطانیہ کے مسطح قطعات اور شمال کے پہاڑی سلسلوں کے درمیان واقع تھا۔ نقشے سے یہ نام محو ہو چکا ہے۔ لیکن الطّالِقان (جو اکثر اسی طرح لکھا گیا ہے) اس کا تذکرہ شروع کے عرب جغرافیہ نویس اکثر کرتے ہیں۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ وہ بہت ہی آباد اور زرخیز علاقہ تھا؛ بلکہ اُس نے تعجب ظاہر کیا ہے کہ سلطان (یعنی صوبۂ دیلم کا حاکم) پہاڑوں کی گھاٹیوں میں رہنے کے بجائے یہاں کیوں نہیں رہتا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اُس نے یہ بھی لکھا ہے کہ سلطان کی رعایا اس کو منظور نہیں کرتی۔ قزوینی نے طالقان میں زیتون کی افراط اور عمدہ انگوروں کی تعریف کی ہے؛ اور یاقوت نے اس کے چند قریوں کے نام لکھے ہیں۔ اس کے علاوہ مستوفی نے ان قریوں کی ایک طولانی فہرست لکھی ہے، لیکن ان میں سے اکثر ایسے ہیں جن کی تطبیق آج کل کے نقشے کے مقامات سے کرنی اب مشکل ہے۔ مستوفی کا خیال ہے کہ طالقان کا بہت بڑا حصہ دراصل گیلان سے متعلق تھا۔

زنجان کے شمال، اور شاخہائے کوہ کے نیچے نیچے طارُم کا علاقہ چلا گیا ہے۔ طارُم کو عرب جغرافیہ نویس بصیغۂ تثنیہ الطارُمَین کہتے تھے، یعنی دو طارُم [۱]، ایک بالائی طارُم اور دوسرا زیرین طارُم۔ (۲۲۶) طارُم زیریں بالکل دیلم کا ملک تھا۔ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ دریائے طارُم درحقیقت سَفِید رُود کے داہنے جانب کا ایک معاون دریا ہے، اور اس کی بہت سی شاخیں اِس زرخیز علاقے کو سیراب کرتی تھیں۔ یاقوت نے اِسے (ت سے)۔ تارُم یا تَرم لکھا ہے، اور بیان کیا ہے کہ اِس علاقہ میں کوئی بڑا شہر نہ تھا۔ لیکن تاریخ میں یہ سرزمین حکمران خاندان وَهسُودان کی وجہ سے مشہور

مصنوعات اور پیداوار کا مختصر حال بیان کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ہمدان سے مختلف قسم کے کپڑے، خصوصاً مُنَیَّرْ دساور کئے جاتے تھے۔ روئی کاتی جاتی تھی اور اس کو نیلا رنگتے تھے۔ ساوہ کی دھاری دار قبائیں مشہور تھیں۔ سُوئیاں، کنگھیاں، اور بڑے بڑے پیالے دساور کے لئے بناتے تھے۔ قزوینی نے لکھا ہے کہ کنگھیاں اور پیالے ایک قسم کی باریک ریشہ دار سخت لکڑی سے جسے خَلَنج کہتے تھے تیار کئے جاتے تھے۔ یہ لکڑی طَبَرِستان کے جنگلوں سے آتی تھی۔ ساوے کے خربوزے اور ناشپاتیاں، اور ایک قسم کی صابون کی خاصیت کی مٹی، جو سر دھونے کے کام آتی تھی، مشہور تھی۔

قزوین میں عمدہ سِلے سلائے کپڑے خریدے جا سکتے تھے، اور چمڑے کے تھیلے بنائے جاتے تھے، جو مسافروں کے لئے سفر میں کارآمد ہو سکیں۔ تیر اندازی کے لئے کمانیں، اور ایک قسم کا پودینہ بھی دساور ہوتا تھا۔ قُم کی کرسیاں، لگامیں، رکابیں اور مختلف قسم کے کپڑے مشہور تھے، اور اس علاقے سے زعفران بھی بکثرت باہر جاتی تھی۔ قاشان سے ایک قسم کی کچی کھجوریں خشک کی ہوئی اور طَرخُون[1] دساور کیا جاتا تھا۔ اصفہان کی عبائیں اور جبّے مشہور تھے، اور یہاں ایک خاص قسم کا نمک[2] پاشیدہ گوشت بھی دساور کے لئے تیار کیا جاتا تھا۔ ان کے علاوہ اصفہان کے قفل مشہور تھے۔ ہمدان اور اس کے نواح میں پنیر عمدہ بنایا جاتا تھا، اور زعفران بھی بافراط پیدا ہوتی تھی۔ لومڑیوں اور دلک کی پوستیں بھی یہاں سے دساور کئے جاتے تھے۔ کہتے ہیں کہ قلعی بھی اس علاقے میں کان

(۱) ایک خوشبودار نباتات ہے، جس کو خوشبو کے لئے سرکے میں ڈالا جاتا ہے۔ معرب ہے۔ مترجم)

(۲) مقدسی (ص ۳۹۶) ؛ نمکسود۔ مترجم)

جہاں تک معلوم ہوتا ہے یہ شہر شاہ رُود اور سفید رود کے مقام اتصال سے تین فرسخ مغرب میں اُس سڑک پر واقع تھا جو آذربائیجان کے شہر سراؤ کو آتی تھی۔ شہر کا جو حصّہ نیچا تھا اُس کے اوپر ایک عالیشان قلعہ پہاڑ کی چوٹی پر بنا ہوا تھا۔ اُس کے گرد تہری فصیل تھی، اور ایک ہزار سپاہی وہاں رہتے تھے۔ پانی ایک زمین دوز چشمے سے مہیا ہوتا تھا۔ یاقوت نے ساتویں (تیرھویں) صدی کے ابتدائی زمانے میں، جس وقت شمیران کو دیکھا ہے، تو وہ بالکل ویران و منہدم ہو چکا تھا۔ یہ انہدام قلعہ اَلموت کے حشیشین کے سردار کے حکم کا نتیجہ تھا۔ اس قلعہ کے شکستہ آثار ہی بتاتے تھے کہ کسی زمانہ میں بڑا زبردست قلعہ بلکہ "اُمّ القلاع" ہوگا۔ شہر ایک دریا کے کنارے پر واقع تھا، جو طارُم کے پہاڑوں سے نکلا تھا۔ لیکن ظاہر ایسا ہوتا ہے کہ زمانہ حال کا کوئی سیّاح اس کے جائے وقوع کو شناخت نہیں کر سکا۔ اس علاقہ کے ایک دوسرے قلعہ کا ذکر بھی یاقوت نے کیا ہے، جس کا نام قلاط تھا، اور طارم کی پہاڑیوں میں، دیلم کی سرحد پر، قزوین اور خلخال کے درمیان واقع تھا۔ قلعہ پہاڑ کی چوٹی پر تھا، اور نیچے دریا کے کنارے، جہاں بہت سی محرابوں والا ایک پختہ پل تھا، ایک بستی آباد تھی، جس میں عمدہ بازار تھے۔ یاقوت لکھتا ہے کہ یہ قلعہ اَلموت کے حشیشین کے سردار کا تھا، لیکن شمیران کی طرح اس کے موقع کی شناخت بھی اب تک نہیں ہوئی ہے۔[1]

(۲۲۷)

مقدسی نے صوبۂ جبال کے بعض بڑے بڑے شہروں کی

(۱) ابن حوقل ص ۲۵۳، مقدسی ص ۳۶۰ + یاقوت ج ۱۔ ص ۴۳، ۸۱۱ + ج ۲۔ ص ۴۹۶، ۵۰۰ + ج ۳۔ ص ۱۴۸، ۴۹۲، ۵۳۳ + ج ۴۔ ص ۱۵۶ + قزوینی ج ۲۔ ص ۲۶۸ + مستوفی ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۹۸، ۲۱۰ + جہان نما ص ۲۹۷ + ناصر خسرو ص ۵ +

نے اس سڑک کا حال لکھا ہے، ان میں سب سے آخری مصنف مقدسی ہے۔ اس نے مقامات کے فاصلے مرحلوں میں بیان کئے ہیں۔ مرحلہ سے مراد وہ فاصلہ ہے جو ایک دن میں طے ہو۔

مغلوں کی فتوحات اور ایران میں ایل خانیوں کے استقرار حکومت کے بعد سُلطانیہ دارالسلطنت قرار پایا، اور اس وجہ سے تمام سمتوں کی سڑکوں کا مرکز بن گیا۔ یہی باعث ہے کہ مستوفی نے جو فہرستیں منزلوں کی اپنی کتاب میں درج کی ہیں۔ ان میں تمام سڑکیں بجائے بغداد سے شروع ہوکر مشرق کی طرف جانے کے سُلطانیہ سے شروع ہوکر سمت مخالف میں بغداد کی طرف چلی آتی ہیں۔ حُلوان سے ہمَذان تک تو راستہ اور اس کی منزلیں تقریباً وہی رہیں جو پہلے سے چلی آتی تھیں، لیکن ہمَذان سے ماورا ہوتے ہوئے رَے جانے کے بجائے مغلوں کی سڑک دَرگزین اور خرقان کے علاقوں میں سے گزرتی ہوئی شمال کی طرف براہ راست سُلطانیہ جانے لگی۔ کسی بڑے شہر سے اس سڑک کا گزر نہیں ہوا تھا، اور مستوفی نے اس کی جس قدر منزلیں بیان کی ہیں وہ سب گاؤں تھے جن کے متعلق معلومات نہایت مبہم ہیں۔[1]

کرمان شاہ کے قریب سِنّ صَیمَرہ (دیکھو صفحہ حاشیہ ۱۸۸) کی پہاڑی سے آذربائیجان کے شہر مَراغہ اور اس سے بھی شمال کو جانے والی سڑک خُراسان والی سڑک سے الگ ہوجاتی تھی،[2] اور پہلے دِینَوَر اور پھر سِیسَر (جو غالباً وہی مقام ہے جسے آج کل سِنّہ کہتے ہیں دیکھو صفحہ حاشیہ ۱۹۰) اور اس سے آگے صوبۂ جبال کے سرحد تک پہنچی تھی۔ یہ سڑک، جس کا صوبۂ آذربائیجان میں آگے

---

[1] ابن رُستہ ص ۱۶۵ - ۱۶۹ + ابن خرداذبہ ص ۱۹-۲۲ + قُدامہ ص ۱۹۸ - ۲۰۰ + ابن حوقل ص ۲۵۶ - ۲۵۰ + مقدسی ص ۴۰۰ - ۴۰۲ + مستوفی ص ۱۹۲ +

سے نکالی جاتی تھی۔ اور مختلف قسم کے کپڑے اور عمدہ جوتے بھی شہر میں بنائے جاتے تھے۔ دینور کے شہر سے اس کا مشہور پنیر دُور دُور بھیجا جاتا تھا۔

صوبہ جبال میں سے جو بڑی شاہ راہ گزری ہے۔ وہ درحقیقت اس کاروانی سڑک کا ایک حصّہ تھی جسے عموماً خراسان کی سڑک کہتے تھے۔ اس کی نسبت ہم اس کتاب کے پہلے باب میں بیان کر آئے ہیں کہ وہ بغداد سے شروع ہو کر ماوراء النہر اور اس سے بھی آگے مشرق بعید (چین) تک گئی تھی۔ یہ خراسان کی سڑک صوبہ جبال میں حُلوان کے مقام سے داخل ہو کر اس صوبے کو دتراً طے کرتی ہوئی پہلے قرمسین (کرمان شاہ) آتی تھی۔ پھر همذان سے آگے ساوہ سے گزرتی ہوئی شمال کا رخ کر کے ری پہنچ جاتی تھی۔ ری سے آگے مشرق میں بڑھ کر صوبہ جبال سے باہر نکل آتی تھی۔ اور اب صوبہ قومس میں داخل ہو کر اس کو طے کرتی ہوئی خراسان چلی جاتی تھی۔ خراسان والی شاہراہ کے جو حالات ابتدائی مصنفوں نے لکھے ہیں ان میں سب سے زیادہ مفصّل بیان ابن رستہ کا ہے اور اس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ ابن رستہ کا یہ بیان تیسری صدی کے آخر (دسویں صدی کے شروع) کا ہے۔ اُس نے اس سڑک کو منزل بہ منزل مع تمام دریاؤں اور پلوں کے جن پر سے وہ گزر رہی ہے بیان کیا ہے[1] اور یہ بھی بتایا ہے کہ کہاں اس میں چڑھائی اور کہاں اتار آتا تھا۔ اور کہاں وہ ہموار زمین پر چلی گئی تھی۔ ان باتوں کے علاوہ اس نے ان تمام قریوں اور شہروں کے نام بھی لکھ دئے ہیں جن میں سے اس کا گزر ہوتا تھا۔ ابن رستہ کے علاوہ شروع زمانہ کے چار مصنف اور ہیں جنھوں

(۲۲۸)

---

(۱) مقدسی ص ۳۹۵، ۳۹۶ + قزوینی ج ۲- ص ۲۵۰ +

آگے بڑھ کر یہ سڑک سومغان کے مقام پر اس بڑی سڑک سے
مل جاتی تھی جو اس کے پایۂ تخت سلطانیہ سے میانہ کو نکالی گئی
تھی، اور جس کا حال ہم آگے کے فقرے میں بیان کریں گے[۱]۔

میانہ کے مغرب میں صوبہ آذربائیجان کی سڑک پر جو شہر
واقع ہیں، ان کی منزلیں ابن حوقل اور دوسرے مصنفوں نے
بیان کر دی ہیں۔ اسی طرح زنجان سے شمال میں اردبیل تک
جاتے ہیں جو منزلیں آتی ہیں وہ بھی بیان ہو چکی ہیں۔ بہر حال
اس راستہ کا ذکر مستوفی نے نہایت تفصیل سے کیا ہے۔ سلطانیہ
اور میانہ کی درمیانی سڑک ابہر اور فارسجین کو آتی ہے۔ قزوین
شمال کی طرف چھوٹ گیا ہے۔ فارسجین سے وہ ایک منزل
پر سومغان پہنچتی ہے (سومغان کا املا بہت مشتبہ ہے)۔ سومغان
سے دو سڑکیں ہو گئی ہیں۔ ایک خراسان والی سڑک ہے جو
مزار عبد العظیم سے گزر کر سیدھی میانہ ہوتی ہوئی قذاین کو گئی ہے۔
دوسری سڑک اصفہان والی ہے، جو سومغان سے دائیں طرف
کو جنوب کی سمت مڑ کر سلغوآباد (یا سیگزآباد) ہوتی ہوئی ساوہ
آئی ہے، جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے[۲]۔

عباسیوں کے شروع دور خلافت میں آذربائیجان کی
سڑکوں میں سے، جیسا کہ بیان ہو چکا ہے، شمال والی بڑی
شاخ ہمدان پر خراسان والی سڑک سے پھوٹ کر دینور
کو گئی تھی، اور دینور سے آگے بڑھ کر برزہ آئی تھی جو
صوبہ آذربائیجان میں جھیل ارمیہ سے جنوب میں (۶۰) میل

---

۱ ابن رستہ ص ۱۹۰، ۱۹۱ + ابن خرداذبہ ص ۵۸، ۵۹ + ابن حوقل ص ۲۸۹، ۲۹۰ + مقدسی ص ۳۹۱ + مستوفی ص ۱۹۱ +

۲ ابن حوقل ص ۲۵۲، ۲۵۸ + مقدسی ص ۳۸۲ + مستوفی ص ۱۹۶، ۱۹۸، ۱۹۹ +

بڑھنا ابھی بیان کیا جائیگا' رہی ہے جس کا ذکر قدامہ اور ابن خردذبہ دونوں نے کیا ہے' اور اس کے شروع کے حصہ کا ذکر ابن حوقل میں بھی ملتا ہے۔ کرمان شاہ (قرمیسین) کنگوار اور ھمذان سے سڑکیں داہنے جانب کو نکل کر جنوب مشرق میں نہاوند کو جاتی تھیں۔ نہاوند اور ھمذان سے براہ راست سڑک بروجرد ہوتی ہوئی کرج ابودلف گئی تھی' اور وہاں سے اصفہان چلی جاتی تھی مستوفی نے کنگوار سے نہاوند' اور اس کے بعد ایک پیچدار راستے اصفہان تک جانے کی تمام منزلوں کے نام لکھے ہیں' اور مقدسی نے کرج ابودلف سے براہ آدہ اور درابین ساوہ کو جانے والی سیدھی سڑک کا حال لکھا ہے[1]۔ (۲۲۹)

آج کل کی بڑی سڑک جو اصفہان سے شمال میں (براہ ری) طہران کو گئی ہے' وہ قاشان اور قم کے شہروں سے گزری ہے۔ لیکن زمانۂ وسطیٰ کے شروع میں قافلے اس سڑک سے شرق میں ایک دوسرے سڑک سے' جو صحرا سے قریب تر تھی' جایا کرتے تھے۔ اس سڑک کے بائیں جانب سے مغرب کی سمت میں اس کی ایک شاخ قاشان کو اور ایک اور شاخ قم کو گئی تھی۔ بہرکیف مقدسی نے چوتھی (دسویں) صدی کے اختتام پر اسی سڑک کا ذکر کیا ہے جو (اصفہان سے) براہ راست قاشان اور قم ہوتی ہوئی آگے گئی ہے۔ آج کل بھی اس سڑک کی یہی شکل ہے۔ مستوفی کے بیان کے مطابق یہ سڑک قاشان اور قم سے گزرنے کے بعد بائیں طرف مڑکر آوہ اور ساوہ کو آتی تھی' اور یہاں سے سلطانیہ اس طرح پہنچتے تھے کہ ساوہ سے

---

[1] ابن خردادبہ ص ۱۱۹' ۱۲۰ + قدامہ ص ۱۹۹' ۲۰۰' ۲۱۲ + ابن حوقل ص ۲۵۶' ۲۵۷' ۲۵۸ + مقدسی ص ۴۰۱' ۴۰۲ + مستوفی ص ۱۹۵ +

اَرمینیہ کے صدر مقام دُبیَل سے بَرذَاعہ کو آئی تھی۔ اس کا ذکر بھی مقدسی اور دوسرے مصنفوں نے کیا ہے، لیکن اس سڑک پر جو منزلیں بیان ہوئی ہیں ان کو شناخت کرنا آسان نہیں [1]

مغلوں کی قائم کی ہوئی سڑکیں جو آذربائیجان کے صوبہ میں سے ہوتی ہوئی شمال مغربی سرحد تک گئی تھیں، ان کا ذکر آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے کیا ہے۔ یہ سڑکیں نئے دارالحکومت یعنی سُلطانیہ سے شروع ہوتی تھیں، اور سلطانیہ سے جو سڑک زَنجان کو آئی تھی زنجان پہنچ کر اس کی دو شاخیں ہو جاتی تھیں۔ دائیں ہاتھ کو شمال کی طرف جانے والی شاخ خُونَج اور کاغذ کُنان میں سے گزر کر سَفید رُود کو عبور کرنے کے بعد شہر خلخال سے ہوکر اَردَبیل، اور پھر بَجَروان پہنچی تھی، جو صوبۂ مُوغان کا صدر مقام تھا۔ دوسری شاخ زنجان سے آگے بڑھ کر سَفید رُود کو ایک سنگین پل کے ذریعہ (جسے قنطرہ سپید رُود کہتے تھے) عبور کرتی تھی۔ اس سڑک کے ایک حصہ کا حال اصطخری اور ابن حوقل دونوں نے لکھا ہے۔ سَفید رُود اترنے کے بعد اس شاخ میں ایک سڑک میانج سے آکر ملتی تھی۔ بَجَروان پر بڑی سڑک سے ایک شاخ پھوٹی تھی جو مشرق میں محمود آباد تک آئی تھی۔ اس شاخ کا حال سب سے پہلے مستوفی نے لکھا ہے، اور اتنا لکھ کر بڑی سڑک کی منزلیں یعنی اُس سڑک کی منزلیں جو بَجَروان سے بَرذاعہ اور شمکور ہوتی ہوئی تِفلِس گئی تھی، بیان کی ہیں۔

اب ہم پھر زَنجان آتے ہیں —— یہاں سے سڑک

[1] ابن خردادبہ ص ۱۲۱، ۱۲۲ + قُدامہ ص ۲۱۳ + اصطخری ص ۱۹۲، ۱۹۴ + ابن حوقل ص ۲۵۱ + مقدسی ص ۳۸۱ +

کے فاصلے پر واقع تھا۔ بَرْذَعہ پر اس سڑک سے ایک دوسری سڑک نکلی تھی[1]۔ ان دو سڑکوں میں سے اصلی سڑک دائیں ہاتھ کو جھیل کے مشرق میں مَرَاغہ ہوتی ہوئی تبریز آئی تھی، اور (۲۳۰) تبریز سے مشرق میں سَرَاۃ سے گزرتی ہوئی اردبیل پہنچی تھی۔ دوسری سڑک، یعنی بائیں ہاتھ والی سڑک جھیل کے مغرب میں اُرمِیہ کے شہر میں ہوتے ہوئی خُوَیّ کو گئی تھی، اور خوی سے نَخچِوان (نشوا) ہوتی ہوئی دَبیل کو گئی تھی، جو آرمینیہ کا صدر مقام تھا۔ تبریز سے ایک اور سڑک مَرَند سے گزرتی ہوئی خُوئی کو گئی تھی، اور خُوئی سے آگے اَرجیش ہوتی ہوئی اَخلاط جاتی تھی، جو جھیل وَان کے مغربی سرے پر تھا۔ یہ آخری ٹکڑا سڑک کا صرف اصطخری اور مقدسی نے بیان کیا ہے[2]۔

اَردبیل سے شمال میں سڑک مُوغان سے ہوتی ہوئی وَرثان پہنچی تھی، یہاں دریائے اَرَس (Araxes) کو عبور کرکے بَیلَقان سے ہوتی ہوئی بَرذاعہ جاتی تھی۔ بَرذاعہ سے ایک سڑک شمال مغرب کی طرف شَمکور کے رستے دریائے کُر کے چڑھاؤ کی طرف بڑھتی ہوئی گرجستان کے شہر تفلیس تک گئی تھی۔ اور دائیں طرف بَرذاعہ سے بَرزَنج ہوتی ہوئی دریائے کُر کے معبر سے ایک دوسرے سڑک شَماخا کو گئی تھی، جو شِروان کا صدر مقام تھا۔ شَماخا سے یہ سڑک باب الابواب کو گئی تھی، جس کا دوسرا نام دَربَند تھا۔ ایک اور سڑک

[1] دیکھو نقشہ عسے لمحقہ باب ۶ +

[2] ابن خرداذبہ ص ۱۱۹-۱۲۱ + قدامہ ص ۲۱۲، ۲۱۳ + اصطخری ص ۱۹۴ + ابن حوقل ص ۲۵۲-۲۵۴ + مقدسی ص ۳۸۲، ۳۸۳ +

باب شانزدہم

خُوزِستان

دریائے دُجَیل یا کارُون ۔ خُوزِستان اور اَھواز ۔ تُستَر یا شُستَر ۔ شاذَروان اعظم ۔ نہر مسرُوقان عسکر مُکرَم ۔ جُندِ شاپُور ۔ دِزفُول ۔ سُوس اور دریائے کرخہ ۔ بَصِنّا اور مَتُّوث ۔ قرقُوب اور دُور الرّاسبی ۔ حُوَیزہ اور نہر تیریٰ ۔ دَورَق اور علاقۂ سُرّق ۔ حِصن مہدی ۔ دریائے دُجَیل کا دہانہ ۔ رامہرمُز اور علاقۂ زُطّ ۔ لُر اعظم کی سرزمین ۔ اِیذَج اور مال امیر سوسَن ۔ لُردگان ۔ خُوزستان کی تجارت اور پیداوار ۔ شاہراہیں ۔

صوبۂ خُوزِستان میں دریائے کارُون کے متعدد معاونوں کی تمام دریا برآمد زمینیں شامل تھیں ۔ عرب دریائے کارُون کو دُجَیل الاھواز کہتے تھے[۱] ۔ اس دریا کو جو اھواز کے پاس سے گزرتا تھا اھواز کا دُجَیل (چھوٹا دجلہ) اس لئے کہتے تھے کہ اس میں اور نہر دُجَیل میں جو بغداد کے شمال میں دجلہ سے نکلی تھی تمیز ہو سکے ۔ خُوزِستان

---

[۱] خوزستان کے لئے دیکھو نقشہ ۔

کی دو شاخیں ہوگئی تھیں۔ (داہنے ہاتھ والی شاخ کا حال تو اوپر لکھا گیا)۔ بائیں ہاتھ والی شاخ، جیسا کہ مستوفی نے بیان کیا ہے، صوبہ آذربائیجان کے شہر میانج تک، اور میانج سے اوجان ہوتی ہوئی تبریز اُسی راستے سے پہنچی تھی، جس کا ذکر عرب جغرافیہ نویسوں نے (مگر برعکس ترتیب میں) کیا ہے+ تبریز سے آگے مستوفی نے اس سڑک کا ذکر کیا ہے جو جھیل وان کے کنارے اَرجِیش کو جاتی تھی، اور اَرجِیش سے بائیں ہاتھ والی سڑک جو جھیل کے کنارے کنارے اخلاط کو آئی تھی، اس سے رُخ بدل کر مستوفی نے اُس سڑک کی منزلیں بیان کی ہیں جو اَرجِیش سے شمال میں ملازجرد گئی تھی اور ملازجرد سے اَرزن الرّوم (ارض روم) ہوتی ہوئی اَرزنجان سے گزر کر سیواس پہنچی تھی، جو صوبہ روم میں سلجوقیوں کا دارالحکومت تھا۔ اخیر میں مستوفی نے اس الحاقی[1] سڑک کا حال لکھا ہے جو تبریز سے شروع ہوکر شمال مشرقی سمت میں آہر سے گزرتی ہوئی دو دروں میں سے نکل کر بجروان گئی تھی۔ مستوفی لکھتا ہے کہ اس سڑک پر حال میں ارغون خاں کے وزیر علی شاہ نے رباط تعمیر کرائے تھے[2]

(۱۴۳)

---

(۱) الحاقی سڑک (Cross-road) وہ سڑک ہوتی ہے جو دو بڑی سڑکوں کو ملادے (مترجم)

(۲) مستوفی ص ۱۹۸، ۱۹۹ + اصطخری ص ۱۹۴ + ابن حوقل ص ۲۵۲ +

دِزفول اس میں مل جاتا ہے۔ دریائے دِزفول لُرِ صُغریٰ میں بُروجرد (دیکھو صفحہ حاشیہ ۲۰۰) سے بہنا شروع ہوا ہے، اور اس کا بالائی حصہ قَرعَہ (یا قَوعَہ) کہلاتا تھا۔ دریائے دِزفول میں ایک اور دریا کُوَیکی مل جاتا تھا، تو یہ دریا اپنے بڑے دھارے کی شکل میں شہر دِزفول سے گزر کر، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، دریائے دُجَیل کا دوسرا معاون جو دِزفول بھی مغرب میں بہتا تھا، دریائے سُوس تھا، جسے کَرخَہ بھی کہتے تھے۔ دریائے کَرخَہ کا منبع لُرِ صغریٰ کے پہاڑوں میں تھا۔ اس میں دریائے کُولکو اور دریائے خرّم آباد دونوں شامل ہوتے تھے، اور پھر یہ سب دریا ملے ہوئے لمبی راہ طے کرنے کے بعد شہر سُوس سے گزر کر حَوِیزَہ کے علاقے میں داخل ہوتے تھے، جو اھواز کے مغرب میں تھا، اور اس میں بہتے ہوئے آخر دُجَیل میں شامل ہوجاتے تھے۔ ان معاون دریاؤں کے مقام اتصال سے تھوڑی دُور جنوب میں دُجَیل کا دریا پھیل کر سمندر کی کھاڑی بن جاتا تھا، جس پر جوار بھاٹے کا اثر ہوتا تھا۔ اسی کھاڑی کے ذریعہ سے دِجلہ والی کھاڑی کے مشرق میں (جس کا حال اس کتاب کے باب دوم میں بیان ہوچکا ہے) خُوزستان کے تمام متعدد دریاؤں کو خلیج فارس میں گرنے کا رستہ ملتا تھا۔[1]

صوبہ خُوزِستان کا دارالحکومت الاھواز ابتدا میں ھُرمُز شہر کہلاتا تھا (قلمی نسخوں میں یہ نام کہیں ھُرمُز اُردشیر اور کہیں ھُرمُز اَزدَشیر بھی آیا ہے)۔ یہ شہر کا ایرانی نام تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ تیسری (نویں) صدی میں صاحب الزنج کی بغاوت کے زمانہ میں اس شہر کو بہت نقصان اٹھانا پڑا تھا، اور صاحب الزنج

---

[1] ابن سراپیون ص ۳۲ + ابن رستہ ص ۹۰، ۹۱ + یاقوت ج ۲۔ ص ۴۹۶، ۵۵۵ مستوفی ص ۲۰۴، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶ + جہاں نما ۲۸۶ +

کے معنی "خُوز کی زمین" ہیں۔ خُوز کو حُوز یا هُوز بھی لکھا جاتا ہے اور عربی میں هوز کی جمع اهواز ہے، اور یہی صوبہ کی دارالسلطنت کا نام بھی تھا۔ الاهواز درحقیقت سُوق الاهواز (یعنی قوم اهواز کا بازار) کا مخفف ہے۔ خُوزستان کا لفظ صوبہ کے لئے آج کل قریب قریب متروک ہوگیا ہے۔ ایران کے اس علاقہ کو آج کل عَربستان (یعنی عرب کا صوبہ) کہتے ہیں۔ اس صوبہ کا بڑا دریا بھی آج کل دُجیل نہیں کہلاتا، بلکہ وہ کارُون کے نام سے مشہور ہے۔ اس نام کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ دراصل تخریب ہے کوہ رنگ (رنگین پہاڑ) کی، یعنی وہ پہاڑ جہاں سے یہ دریا نکلا ہے۔ بہرکیف ظاہر ایسا ہوتا ہے کہ زمانۂ وسطیٰ کے عرب یا ایرانی جغرافیہ نویس اس نام کارُون سے واقف نہ تھے۔

دریائے دُجیل یا کارُون کے بالائی حصے علاقۂ لرِ کبرای کی (۲۳۳) گھاٹیوں میں بہتے ہوئے اِدھر اُدھر پھیل گئے ہیں۔ اُس کے معاون دریا لرِ صغریٰ اور کردستان کے پہاڑوں سے نکل کر بہتے ہیں۔ دُجَیل کا منبع کوہ زردکوہ میں ہے، اور اسی پہاڑ کے دوسرے طرف زِندَہ رُود کا اصلی دھارا اصفہان کی طرف بہتا ہے۔ دریائے دُجَیل گھاٹیوں میں سے ایک پیچ درپیچ کی دُور و دراز راہ طے کرتا ہوا، مع متعدد چھوٹے چھوٹے معاون دریاؤں کے، جو دونوں جانب اُس میں آکر ملے ہیں، شہر تُستَر پہنچتا تھا۔ مُستَوفی کو آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے خُوزِستان کا صدر مقام بتایا ہے، اور اسی وجہ سے اس دریا کا نام اس نے دُجَیل تُستَر لکھا ہے۔ تُستَر کے مقام پر اس دریا کی دو شاخیں ہوجاتی ہیں، لیکن یہ دونوں شاخیں عَسکَر مُکرَم پر مِل کر پھر ایک ہوگئی ہیں۔ عَسکَر مُکرَم سے آگے بڑھ کر دُجَیل اهواز کے پاس سے گزرتا ہے اور دریائے جُندَی سابور یا

تاکہ شہر سیلاب سے محفوظ رہے۔ مقدسی لکھتا ہے کہ اھواز کی آب و ہوا قابل نفرت تھی۔ تمام دن گرم ہوا چلتی رہتی تھی، اور رات کو کھٹملوں اور مچھروں کے لشکر نیند حرام کر دیتے تھے۔ یہ آدمیوں کو "بھیڑیوں کی طرح بھنبھوڑتے تھے"۔ بند سے پانی کے گرنے کے شور نے، جو شہر میں ہر جگہ سنائی دیتا تھا، مقدسی کو اور بھی آرام نہ لینے دیا۔ یہی مصنف لکھتا ہے کہ شہر کے قریب جو مسطح میدان تھے، ان میں سانپوں اور بچھوؤں کا بہت زور تھا۔ اس میدان کے اکثر حصے شورہ زار تھا۔ چاول کے آٹے کی روٹی جو یہاں کی غذا تھی، نہایت بطی الھضم تھی[1]۔

اھواز کے بدنام شہر کے بالکل برعکس خُوزِسْتان کا دوسرا مقام تھا، جسے عرب تُسْتَر اور ایران شُشْتَر یا شُشْتَر کہتے تھے۔ اھواز جیسا آزار دہ تھا تستر ویسا ہی آرام دہ اور خوشگوار تھا۔ یہ اھواز سے بخط مستقیم ساٹھ میل شمال میں واقع تھا۔ لیکن دریا کے راستے سے یہ فاصلہ دگنا ہو جاتا تھا، کیونکہ دُجَیْل بہت ہی پیچ و خم کھاتا ہوا گزرا تھا۔ مقدسی لکھتا ہے کہ تُسْتَر باغوں سے گھرا ہوا تھا جن میں انگور، نارنگیاں، اور کھجور بافراط ہوتے تھے۔ اس کا بیان ہے کہ خُوزِسْتان میں کوئی شہر تُسْتَر سے زیادہ خوشنما اور آرام اور لطف سے رہنے کی جگہ نہ تھا گو موسم گرما میں یہاں گرمی شدت کی پڑتی تھی۔ تُسْتَر کے بازار مال تجارت سے بھرے رہتے تھے۔ دیباج اور کڑھے ہوئے سوتی کپڑے ہر قسم کے یہاں تیار ہوتے تھے، اور ان میں سے تُسْتَر کا دیباج سب سے زیادہ مشہور تھا۔ جامع مسجد بزازوں کے بازار کے وسط

[1] اصطخری ص ۸۸ + ابن حوقل ص ۱۷۱ + مقدسی ص ۴۰۶، ۴۱۰ + یاقوت ج ۱ - ص ۴۱۰۔ ۴۱۳ + ج ۴ - ص ۹۶۹ + مستوفی ص ۱۲۹ +

نے کچھ مدت کے لئے اس کو اپنا مستقر بنا لیا تھا۔ اس کے بعد کی صدی میں بنی بویہ کے سلطان عضد الدولہ نے ایک حد تک (۲۳۴) اس کو دوبارہ تعمیر کرایا۔ مقدسی نے بیان کیا ہے کہ اس سلطان کے زمانہ میں یہاں تجارت کے مال کی بڑی بڑی کوٹھیاں تھیں۔ اندرون ملک شہروں سے مال جمع کر کے یہاں بھرتی کر دیتے تھے، اور یہاں سے اسے بصرہ منتقل کرتے تھے، تاکہ وہیں فروخت کیا جائے یا فروخت کے لئے باہر بھیجا جائے۔

اس زمانہ (یعنی چوتھی (دسویں) صدی میں) اھواز کے دو حصے تھے: مشرقی حصہ جو دریا کے کنارے پر تھا، شہر کا خاص حصہ تھا۔ بڑے بازار اور جامع مسجد اسی میں تھی، اور اس کو دریائے دُجَیل میں جو ایک ٹاپو تھا اُس سے پل بنا کر ملا دیا تھا۔ ٹاپو پر شہر کا دوسرا یعنی مغربی حصہ واقع تھا۔ پل پختہ اینٹوں کا بنا ہوا تھا، اور قنطرۂ ھندُوان کہلاتا تھا۔ بنی بویہ کے سلطان عضد الدولہ نے اس کی مرمت کرائی تھی۔ اِس پل پر ایک مسجد تھی، جس کے نیچے دریا بہتا تھا۔ شہر کے قریب دریا کے کناروں پر بہت سے رہٹ چلتے رہتے تھے۔ دُجَیل کا اصلی دھارا ٹاپو کی دوسری طرف، یعنی مغربی سمت سے گزرا تھا۔ دریا کے بہاؤ کی طرف اَھواز سے تھوڑی دُور پر ایک بڑا بند (شاذُروان) تھا، جو چٹانوں پر بنایا گیا تھا۔ یہ بند دریا کے پانی کو روک کر بلند کر دیتا تھا، تاکہ آب پاشی کے لئے پانی کام آسکے۔ اس بند تک پہنچنے سے پہلے دریا سے تین نہریں نکالی گئی تھیں، جن سے شہر کے گرد و نواح کی زمینوں کو پانی دیا جاتا تھا۔ ان نہروں میں پانی کو روکنے اور چھوڑنے کے لئے پھاٹک بنائے تھے۔ آب پاشی کے لئے پانی کو جس قدر اونچا کرنا منظور ہوتا تھا۔ پھاٹکوں کو بند کر کے اونچا کر دیا جاتا تھا۔ طغیانی کے زمانہ میں ان کو کھول دیا جاتا تھا،

ہم عصر ابن بطوطہ نے دریائے دُجیل (یا کاڈون) کا نام لکھا الازرق (نیلا دریا) لکھا ہے، اور اس کے کشتیوں کے پل کا ذکر بھی کیا ہے جو "بغداد و حِلّہ کے پلوں کے مانند تھا" اور باب دِزفول سے شہر کے مغرب میں دریا پر بنا ہوا تھا۔ ابن بطوطہ نے یہاں کے مختلف مزارات کا ذکر بھی کسی قدر تفصیل سے کیا ہے، اور لکھا ہے کہ جب وہ تُستَر پہنچا ہے تو شہر بہت معمور اور با رونق تھا۔[1]

تُستَر کا شاذروان، جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، اس لئے تعمیر کیا گیا تھا کہ دُجیل کا پانی اتنا اونچا کر دیا جائے کہ اس سے ایک نہر شہر کے شمال سے مشرقی سمت کی زمینوں کو شاداب کرنے کے لئے نکل سکے۔ یہ نہر جو آج کل آبِ گرگر کہلاتی ہے، ازمنۂ وسطیٰ کی ابتدائی عہد میں مَسرُقان یا مَشرُقان کہلاتی تھی، اور چوتھی (دسویں) صدی کے سیاح ابن مُہلہل کے بیان کے مطابق، جس کی عبارت یاقوت نے نقل کی ہے، اس نہر کا پانی سفید تھا، اور اس کے برعکس دریائے دُجیل کے اصلی دھارے کا پانی سُرخ رنگ کا تھا۔ شُشتَر سے تقریباً پچیس میل جنوب میں بندِ قیر کے کھنڈروں کے قریب نہر مسرقان دریائے دُجیل کے اصلی دھارے میں پھر مل جاتی ہے۔ یہی

---

[1] اصطخری ص ۸۹، ۹۲ + ابن حوقل ص ۱۷۲، ۱۷۴، ۱۷۵ + مقدسی ص ۴۰۵، ۴۰۹ + یاقوت ج ۱۔ ص ۸۴۷ + مستوفی ص ۱۹۸ + ابن بطوطہ ج ۲۔ ص ۲۴ + قیصر ویلا ریان کے گرفتار ہونے، اور شاپور اول کے اس بند کو تعمیر کرانے کا قصہ طبری (ج ۱۔ ص ۸۲۷) نے لکھا ہے۔ اس قیصر کا نام اس نے غیر معمولی صحت کے ساتھ اَلَرِیَانُوس لکھا ہے۔ مسعودی (مروج ج ۲۔ ص ۱۸۴) نے غلطی سے ان واقعات کو شاپور دوم کے عہد سے منسوب کیا ہے +

میں واقع تھی، اور اُونی مالیک بنانے[1] والوں کا محلہ، دریا کے کنارے کے قریب ایک خوبصورت مقام تھا۔

۲۶۰ء میں رومی قیصر والیریان کو شاہ پور (ساپور اول) نے قید کر لیا تھا۔ ایرانی مورخوں نے، بیان کیا ہے کہ سات برس کے زمانۂ اسیری میں اس قیصر سے شُستر کے جنوب میں دریائے دُجَیل کا بڑا بند (شاذروان) بنوایا گیا تھا۔ عرب اس بند کو دنیا کے عجائبات میں شمار کرتے ہیں۔ اس کے ٹوٹے ہوئے آثار اب تک موجود ہیں۔ تُستر کے مغرب میں دریا کی تہ پر سنگین فرش کر دیا گیا تھا۔ اور بند پانی کو روک کر شُستر کے شمال میں پورے دریا کا کچھ پانی ایک ایسے مصنوعی آب گزر میں ڈال دیتا تھا، جو مشرق کی طرف بہتا ہوا میلوں تک ان زمینوں کو جن میں سے وہ گزرتا تھا شاداب کرکے آخر کار جنوب میں دریائے دُجَیل سے جا ملتا تھا۔ پرانے مصنفوں نے لکھا ہے کہ تُستر کا بند دریا کے عرض پہ تقریباً ایک میل طول میں تھا۔ مقدسی لکھتا ہے کہ اس بند سے جو بڑا قطعہ آب بن گیا تھا۔ اُس پر کشتیوں کا ایک پل (جسر) بنا دیا گیا تھا۔ اور اسی پل پر سے وہ بڑی سڑک گزرتی تھی جو مغرب میں شُستر سے عراق کو جاتی تھی۔ آج کل بہت سی چھوٹی چھوٹی محرابوں کا ایک پرانا پل، جس کا طول ایک چوتھائی میل سے کچھ زیادہ ہے اس بند کی جھیل پر واقع ہے، اور اسی پر سے بڑی سڑک گزرتی ہے۔ لیکن بظاہر ازمنۂ وسطیٰ کے اوائل میں یہ پل موجود نہ تھا۔ مستوفی نے آٹھویں (چودھویں) صدی میں لکھا ہے کہ شُستر کے شہر میں چار دروازے تھے، اور شہر کی حفاظت کے لئے ایک مضبوط قلعہ تھا۔ اس کے

---

(1) مقدسی (ص ۴۰۹) نے قَصَّارُوْن لکھا ہے۔ مترجم)

ہم عصر ابن بطوطہ نے دریائے دُجیل (یا کاذُون) کا نام النہر الازرق (نیلا دریا) لکھا ہے، اور اس کے کشتیوں کے پل کا ذکر بھی کیا ہے جو "بغداد و حلّہ کے پلوں کے مانند تھا" اور باب دِزفول سے شہر کے مغرب میں دریا پر بنا ہوا تھا۔ ابن بطوطہ نے یہاں کے مختلف مزارات کا ذکر بھی کسی قدر تفصیل سے کیا ہے، اور لکھا ہے کہ جب وہ تُستَر پہنچا ہے تو شہر بہت معمور اور بارونق تھا۔[1]

تُستَر کا شاذُروان، جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، اس لئے تعمیر کیا گیا تھا کہ دُجیل کا پانی اتنا اونچا کر دیا جائے کہ اس سے ایک نہر شہر کے شمال سے مشرقی سمت کی زمینوں کو شاداب کرنے کے لئے نکل سکے۔ یہ نہر جو آج کل آبِ گرگر کہلاتی ہے، ازمنۂ وسطیٰ کی ابتدائی عہد میں مَسرُقان یا مَشرُقان کہلاتی تھی، اور چوتھی (دسویں) صدی کے سیّاح ابن مُہلہل کے بیان کے مطابق، جس کی عبارت یاقوت نے نقل کی ہے، اس نہر کا پانی سفید تھا، اور اس کے برعکس دریائے دُجیل کے اصلی دھارے کا پانی سُرخ رنگ کا تھا۔ شُستَر سے تقریباً پچیس میل جنوب میں بندِ قیر کے کھنڈروں کے قریب نہر مَسرُقان دریائے دُجیل کے اصلی دھارے میں پھر مل جاتی ہے۔ یہی

---

[1] اصطخری ص ۸۹، ۹۲ + ابن حوقل ص ۱۷۲، ۱۷۴، ۱۷۵ + مقدسی ص ۴۰۵، ۴۰۹ + یاقوت ج ۱ - ص ۸۴۷ + مستوفی ص ۱۶۸ + ابن بطوطہ ج ۲ - ص ۲۲ + قیصر ویلا ریان کے گرفتار ہونے، اور شاپور اول کے اس بند کو تعمیر کرانے کا قصّہ طبری (ج ۱ - ص ۸۲۷) نے لکھا ہے۔ اس قیصر کا نام اس نے غیر معمولی صحت کے ساتھ اَلرِیَانُوس لکھا ہے۔ مسعودی (مروج ج ۲ - ص ۱۸۴) نے غلطی سے ان واقعات کو شاپور دوم کے عہد سے منسوب کیا ہے +

میں واقع تھی، اور اُدنی مالیک بنانے[1] والوں کا محلہ، دریا کے کنارے کے قریب ایک خوبصورت مقام تھا۔

۲۶۰ء میں رومی قیصر والیریان کو شاہ پور (ساپور اول) نے قید کر لیا تھا۔ ایرانی مورخوں نے بیان کیا ہے کہ سات برس کے زمانۂ اسیری میں اس قیصر سے تُستر کے جنوب میں دریائے دُجَیل کا بڑا بند (شاذروان) بنوایا گیا تھا۔ عرب اس بند کو دنیا کے عجائبات میں شمار کرتے ہیں۔ اس کے ٹوٹے ہوئے آثار اب تک موجود ہیں۔ تُستر کے مغرب میں دریا کی تہ پر سنگین فرش کر دیا گیا تھا۔ اور بند پانی کو روک کر تُستر کے شمال میں پورے دریا کا کچھ پانی ایک ایسے مصنوعی آب گزر میں ڈال دیتا تھا، جو مشرق کی طرف بہتا ہوا میلوں تک ان زمینوں کو جن میں سے وہ گزرتا تھا شاداب کر کے آخر کار جنوب میں دریائے دُجَیل سے جا ملتا تھا۔ پرانے مصنفوں نے لکھا ہے کہ تُستر کا بند دریا کے عرض پر تقریباً ایک میل طول میں تھا۔ مقدسی لکھتا ہے کہ اس بند سے جو بڑا قطعہ آب بن گیا تھا۔ اُس پر کشتیوں کا ایک پل (جسر) بنا دیا گیا تھا۔ اور اسی پل پر سے وہ بڑی سڑک گزرتی تھی جو مغرب میں تُستر سے عراق کو جاتی تھی۔ آج کل بہت سی چھوٹی چھوٹی محرابوں کا ایک پرانا پل، جس کا طول ایک چوتھائی میل سے کچھ زیادہ ہے اس بند کی جھیل پر واقع ہے، اور اسی پر سے بڑی سڑک گزرتی ہے۔ لیکن بظاہر ازمنۂ وسطٰی کے اوائل میں یہ پل موجود نہ تھا۔ مستوفی نے آٹھویں (چودھویں) صدی میں لکھا ہے کہ تُستر کے شہر میں چار دروازے تھے، اور شہر کی حفاظت کے لئے ایک مضبوط قلعہ تھا۔ اس کے

([1] مقدسی (ص ۴۰۹) نے قصّارون لکھا ہے۔ مترجم)

خاندان کے سب سے پہلے بادشاہ اور بانی اَرْدَشیر بابگان نے تیار کرایا تھا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ مسرقان کا شہر نہر مسرقان کے کنارے واقع تھا۔ اس کے جنوب میں، جیسا کہ اوپر بیان ہوا تستر اور اھواز کے بالکل وسط میں عسکر مکرم کے قریب نہر مسرقان پھر دریائے دُجیل میں مل جاتی تھی۔

مَسرقان علاقہ کی ایک خاص قسم کی عمدہ کھجوریں، اور گنے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، مشہور تھے۔

عَسکرِ مُکرم ایک عرب سپہ سالار کا لشکر گاہ (عسکر) ہونے کی وجہ سے مشہور ہوا۔ اس سپہ سالار کو بنی اُمیہ کے والی عراق حجاج بن یوسف نے ایک بغاوت فرو کرنے کے خوزستان بھیجا تھا۔ مکرم نے یہاں ایک پرانے ایرانی شہر کے کھنڈروں کے پاس، جس کا نام رُستم کواد تھا، اپنی چھاونی ڈالی۔ رُستم کواد کو عربوں نے بگاڑ کر رُستقباذ کر لیا، اور یہی مقام آخر میں عسکرِ مکرم کہلانے لگا، جب عربوں کی چھاونی کے گرد ایک شہر بس گیا۔ اب یہ نام نقشوں پر نہیں ملتا، لیکن اِس کے آثار وہی ہیں جو بنائِ قیر (نفت والے بند) کے کھنڈر کہلاتے ہیں، اور وہ اس جگہ واقع ہیں جہاں آب گوگر (مسرقان) دریائے کارُون (دُجیل) میں ملتا ہے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں عسکرِ مکرم کا شہر نہر مسرقان کے دونوں کناروں پر آباد تھا۔ اس کا مغربی حصہ مشرقی حصہ سے بڑا تھا، اور دونوں حصوں کو ملانے کے لئے کشتیوں کا ایک پل تھا۔ شہر کے بازار عمدہ تعمیر ہوئے تھے۔ یہ بازار اور جامع مسجد شہر کے مغربی حصہ میں تھی۔ لیکن اس شہر میں خرابی یہ تھی کہ ایک نہایت زہریلی قسم کا بچھو یہاں ہوتا تھا۔ مستوفی لکھتا ہے کہ پرانے ایرانی شہر کا نام برج شاپور تھا، اور اسی بادشاہ نے اس شہر کو

دُجَیل کا اصلی دہارا، جو شُستر کے بالکل جنوب میں گیا ہے، شُطَیط (یعنی چھوٹا دریا) کہلاتا ہے۔ بَند قیر کے کھنڈر اُسی جگہ واقع ہیں جہاں کسی زمانہ میں عسکرِ مُکرم کا شہر آباد تھا۔ یہ شہر نہر مَسرُقان پر سب سے بڑا مقام تھا اور یہ نہر ایسی زمینوں میں سے گزرتی اور اُن کو سیراب کرتی تھی جن میں گنّا بکثرت ہوتا تھا۔ مشہور تھا کہ یہاں کا نیشکر تمام خُراسان میں بہترین ہوتا ہے۔

نویں (پندرھویں) صدی کے آغاز میں جب حافظ اَبرُو اور علی یَزدی نے تیمور کے عہد کے بعد ہی اپنی کتابیں لکھی ہیں تو اُنھوں نے ان نہروں کا ذکر حسب ذیل ناموں سے کیا ہے: دریائے دُجَیل کے اصلی دھارے کا وہ حصّہ جو شُستر کے شمال سے مشرق کی طرف جاتا تھا (یعنی نہر مَسرُقان یا آب گرگر) اس زمانہ میں دُو دانگہ (یعنی دو ششم حصّہ) اور دریائے دُجَیل کا بڑا حصّہ، جو بڑے شاذروان پر سے گزر کر امغرب کی طرف بہتا تھا، چہار دانگہ (یعنی چہار ششم حصہ) کہلاتا تھا۔ آج کل ایک نہر، جسے نہر مِیَنُو کہتے ہیں، دریائے دُجَیل کے اصلی دھارے سے جنوب مشرق کی طرف جاتی ہے، اور اس پہاڑ کے نیچے سے، جس پر شُستر کا قلعہ بنا ہوا ہے، ایک سوراخ (تُنل) کے ذریعے باہر نکل کر شُستر کے جنوب کی بلند زمینوں کو سیراب کرتی ہے۔ یہی نہر ہے جسے مستوفی نے نہر دَشت آباد لکھا ہے۔ اس کا ذکر حافظ اَبرو نے بھی کیا ہے، اور لکھا ہے کہ شہر شُستر کے قریب نہر چہار دانگہ دو حصّوں میں تقسیم ہو جاتی تھی، اور ان میں سے صرف ایک شاخ جنوب میں آکر دُو دانگہ (یا نہر مَسرُقان) میں پھر مل جاتی تھی۔ عام روایت کے مطابق نہر مَسرُقان کو ساسانی

تستر سے اٹھ فرسخ شمال مغرب میں، دزفول کی سڑک پر، وہ کھنڈر پائے جاتے ہیں جنھیں آج کل شاہ آباد کہتے ہیں۔ یہ کھنڈر جندِ سابور یا جُندِیْ سابور کے محل وقوع کا پتہ دیتے ہیں۔ آل ساسان کے عہد میں جندیسابور صوبہ خوزستان کا دارالحکومت تھا۔ خلیفہ منصور عباسی کے زمانے تک یہ شہر اُس طبی مدرسے کے لئے مشہور رہا جسے عیسائی طبیب بختیشوع نے یہاں قائم کیا تھا۔ اس طبیب کو اپنی زندگی میں، اور اس کے بعد اس کے بیٹوں اور پوتوں کو، ایک سے زیادہ خلفاء عباسیہ کے دربار میں بڑا مرتبہ حاصل رہا۔ جُندَیْ سابور کے گرد و نواح کے علاقہ کی شکر مشہور تھی، جو یہاں تیار ہوتی تھی۔ یہاں سے اس کا دساور خراسان اور اس سے بھی مشرق کے ملکوں کو بھیجا جاتا تھا۔ لیکن چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے لکھا ہے کہ اس زمانہ میں جُندَیْ سابور کردوں کے حملوں کی وجہ سے برباد ہونا شروع ہوگیا تھا۔ یہاں کی زردوزی کا کام مشہور تھا، اور چاول بکثرت پیدا ہوتا تھا۔ شہر میں یعقوب بن لیث الصفار کی قبر تھی۔ اس نے اپنی زندگی میں جُندَیْ سابور کو اپنا مستقر بنا لیا تھا، اور یہیں ۲۶۵ھ (۸۷۹ء) میں وفات پائی۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے لکھا ہے کہ جُندَیْ سابور، بھی ایک آباد اور با رونق شہر ہے، اور اس کے گنّے مشہور ہیں۔ لیکن اب وہ قریب قریب ایک غیر آباد ویرانہ ہے، جو اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ جُندَیْ سابور کہاں آباد تھا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ مقدسی ص ۴۰۹، ۴۱۱ + علی یزدی ج ۱- ص ۵۸۸، ۵۹۱، ۵۹۹ + حافظ ابرو ص ۸۲ (۵) مستوفی ص ۱۶۹، ۱۷۰ + یاقوت ج ۱- ص ۴۱۱، ۴۱۲ + ج ۲- ص ۱۶۷ + حمزہ ص ۴۷ +

دوبارہ تعمیر اور وسیع کرایا تھا۔ مستوفی کا بیان ہے کہ اس کے زمانہ میں عَسْکَرِ مُکْرَم لشکو کہلاتا تھا۔ اس لفظ کے معنی فارسی میں وہی ہیں جو عربی میں عَسکر کے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ اس وقت (یعنی آٹھویں (چودھویں) صدی میں) یہ مقام خُوزِسْتان کا سب سے زیادہ صحت بخش مقام سمجھا جاتا تھا۔

ابن سَراپیون اور ابتدائی زمانہ کے دوسرے مصنفوں کا بیان ہے کہ نہر مَسْرُقان چوتھی (دسویں) صدی میں عَسْکَرِ مُکْرَم کے مقام پر دریائے دُجَیْل میں دوبارہ نہیں ملتی تھی، بلکہ دریائے دُجَیْل کے اصلی دھارے کے بالکل متوازی بالکل علیحدہ راستہ اختیار کرکے وہاں تک جاتی تھی جہاں اس دریا نے سمندر کی کھاڑی کی شکل اختیار کرلی ہے۔ ابن حوقل نے تیسری (نویں) صدی میں ذکر کیا ہے کہ ایک مرتبہ وہ خود نہر مَسْرُقان کے گزرگاہ کو طے کرتا ہوا، جب پانی اس میں کم تھا، عَسْکَرِ مُکْرَم سے اھواز گیا تھا، وہ لکھتا ہے کہ پہلے چھ فَرسخ کشتی کے ذریعہ اور باقی چار فرسخ نہر کے خشک گزرگاہ میں گھوڑے پر سوار ہو کر طے کئے تھے۔ نہر مَسْرُقان کے زیرین حصّے کے پرانے گزرگاہ کا اب پتہ نہیں۔ کیونکہ ہزار برس کے عرصہ میں اس دریا برآمدہ زمین والے ملک میں زمین کی شکل و صورت بالکل بدل گئی ہے۔ تیسری (نویں) صدی میں شہر اھواز کے جنوب میں دریائے دُجَیْل کا چوڑا پاٹ شروع ہوتا تھا، جسے نہر الصِدْرَہ (کنول والی نہر) کہتے تھے۔ یہ نہر متعدد معاون دریاؤں کا پانی اپنے میں شامل کرنے کے بعد دریائے کارُون (دُجَیْل) کی کھاڑی کے سرے کے قریب حِصْن مَہْدِی پر ختم ہو جاتی تھی۔[1]

(۲۴۸)

[1] ابن سراپیون ص ۳۲ + اصطخری ص ۹۰، ۹۴ + ابن حوقل ص ۱۶۲، ۱۶۴، ۱۷۵

پل، اٹھائیس محرابوں پر قایم تھا، اور دو بڑی محرابوں پر ایک ایک چھوٹی محراب تھی۔ اس طرح تمام بڑی محرابوں پہ کل چھوٹی محرابیں ستائیس تھیں، اور بڑی اور چھوٹی محرابوں کی مجموعی تعداد پچپن ہوجاتی تھی۔ آج کل کا نقشہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دریائے دِزپل دریائے کارُون (دُجَیل) سے بَنْدِ قیر (عسکرِ مُکرم) کے سامنے ملتا ہے، لیکن پرانے زمانہ میں دریائے دزپل اور دریائے دُجَیل کا اتصال ضرور اس مقام سے کچھ دُور جنوب میں ہوتا ہوگا، اور اوپر کے بہاؤ میں غالباً جُندے سابوُر سے بہ نسبت موجودہ زمانہ کے زیادہ قریب سے گزرتا ہوگا۔ زمانہ وسطیٰ میں ان دونوں دریاؤں کے سنگم پر، اور غالباً اھواز کے شمال میں دو زرخیز علاقے اور ان کے بڑے شہر واقع تھے۔ ان دونوں علاقوں کے نام مَناذ کُبریٰ اور مَناذ صُغریٰ تھے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ وہ نخلستانوں کے گھرے ہوئے تھے، اور وہاں اناج کثرت سے پیدا ہوتا تھا۔[1]

شہر دزفول اور تُستَر کے شمال اور مشرق کی سرزمین زمانہ وسطیٰ میں صحرا لُر کہلاتی تھی۔ اس میں قبائل لُر آباد تھے۔ یہ قبیلے بعد کے زمانہ میں لُرِ کبریٰ اور لُرِ صُغریٰ کے علاقوں میں جو

[1] ابن رُستہ ص ۹۰ + ابن خرداذبہ ص ۱۷۶ + ابن سراپیون ص ۳۲ + اصطخری ص ۹۳، ۹۵، ۱۹۷ + ابن حوقل ص ۱۷۶، ۱۷۷، ۲۵۹ + مقدسی ص ۳۸۴، ۴۰۵، ۴۰۸ + یعقوبی ص ۳۶۱ + یاقوت ج ۲۔ ص ۱۳۰ + ج ۴ ص الا + مستوفی ۱۶۹ + علی یزدی ج ۱۔ ص ۵۸۸، ۵۹۱ + بُختیشُوع نام کے بہت سے اطباء، گو وہ عیسائی تھے مگر خلفاء عباسیہ کے دور میں منصور سے لے کر ہارون الرشید تک بطور درباری اطباء کے خدمت گزار رہے + دیکھو ابن ابی اُصَیبِعَہ (مصحح مُلر) ج ۱۔ ص ۱۲۵، ۱۴۳، ۲۰۲ +

شہر دِزفول (یعنی "دِز کا پل" یا قلعہ کا پل) دریائے دِز کے کنارے جُندَ یسابور کے مغرب میں واقع ہے۔ اس شہر کا نام ایک مشہور پل پر تھا، جس کا بانی شاپور دوم بتایا جاتا تھا۔ پل کا نام اصطخری نے قنطرۃ اَنْدَ ارمِشن لکھا ہے، اور اس کے شکستہ آثار اب تک موجود ہیں۔ چوتھی (دسویں) صدی میں دزفول کا شہر قصر (قلعہ) الرُّوذناش بھی کہلاتا تھا، لیکن مقدسی نے اسے بعض جگہ محض "القنطرۃ" لکھا ہے۔ اِس شہر اور اس کے مشہور پل کے اور بھی کئی نام تھے۔ مثلاً ابن سراپیون نے اِسے قنطرۃ الرُّوم (رومی پل) لکھا ہے، اور دِز کا نام دریائے جُندَیسابور بتایا ہے، ابن رستہ نے اِس کو قنطرۃ الرُّوذ (دریا کا پل) لکھا ہے، اور ابن خرداذبہ اس نام کو قنطرۃ الزّاب لکھتا ہے، چونکہ اس کے بیان کے مطابق دریائے دِز کا نام زاب تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے لکھا ہے کہ اِس پل کی بیالیس محرابیں تھیں، اس کا طول تین سو بیس قدم تھا، اور اُس پر پندرہ قدم چوڑی سڑک گئی تھی۔ وہ کہتا ہے کہ اس زمانہ میں یہ پل اَنْدَ المِشْک (یا پل اَنْدامِشْ) کہلاتا تھا۔ (۲۳۹)

دِزفول کا شہر دریا کے دونوں کناروں پر آباد تھا، اور شہر کے مغرب میں ایک نہر تھی، جو ایک پہاڑ کو مشرقی سمت میں کاٹ کر نکالی گئی تھی۔ اس نہر کے پانی کو ایک بڑے چرخ پر گرا کر ایسی کل چلائی جاتی تھی جس سے پانی پچاس ذرع بلندی پر چڑھ کر ایک خزانہ میں جمع ہو جاتا تھا۔ اور یہاں سے شہر کے تمام مکانوں میں آب رسانی ہوتی تھی۔ دزفول کے گرد و نواح کی مویشی چرانے کی زمینیں مشہور تھیں اور نرگس یہاں بکثرت ہوتا تھا۔ علی یزدی نے دریائے زال اور دِزفول کو فارسی طرز تحریر کے لحاظ سے دِزپل لکھا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ یہاں کا

جو سُوس کے ٹیلوں کے پاس سے گزرتا ہے، ان ٹیلوں سے کسی قدر فاصلے سے سمت شمال میں دریا کے دائیں یعنی مغربی کنارے پر واقع تھا۔ مقدسی نے گہنا کو ایک چھوٹا مگر خوبصورت شہر لکھا ہے۔ یہاں ہر ہفتہ ہر اتوار کے دن بازار لگتا تھا۔ ایک قلعہ اس شہر کی حفاظت کے لئے موجود تھا، اور شہر کے گرد باغ تھے[1]

پرانے جغرافیہ نویسوں نے بہت سے شہروں کے نام لکھے ہیں جو دریائے کرخہ کے قریب یا اُس کے کناروں پر واقع تھے، ان میں بعض مغرب کی طرف تھے، اور بعض سُوس کے جنوب میں۔ زمانۂ وسطیٰ میں اگرچہ یہ شہر بڑے تھے لیکن آج کل کے نقشوں پر ان کا نام و نشان تک باقی نہیں۔ سفرناموں میں البتہ ان کے موقع اندازے سے بیان ہوئے ہیں۔ ان میں سے سب سے بڑا شہر سُوس تھا، جو سُوس کے جنوب میں ایک دن کی مسافت پر ایک نہر (یا ممکن ہے کہ دریائے کرخہ کے ایک چھوٹے معاون دریا) کے کنارے واقع تھا، اور یہ نہر دُجَیل بَصِنّا کہلاتی تھی۔ بَصِنّا ایک بڑا تجارتی مقام تھا، اور بَصِنّا کے نقاب تمام اسلامی دنیا میں مشہور تھے۔ پردے کے خوبصورت غالیچے بھی یہاں تیار کئے جاتے تھے[2]۔ اون کاتنے کا کام یہاں بہت ہوتا تھا۔ شہر کی حفاظت کے لئے دو قلعے تھے، اور جامع مسجد دریا کے کنارے ایک تیر کے پلّے پر دروازۂ شہر کے قریب واقع تھی۔ مقدسی لکھتا ہے کہ سات چکیاں کشتی پر قائم دُجَیل

---

[1] اصطخری ص ۸۸، ۹۲، ۹۳ + ابن حوقل ص ۱۷۴ + مقدسی ص ۴۰۵، ۴۰۷، ۴۰۸ + مستوفی ص ۲۶۹ + ابو الفداء ص ۳۱۱ + یاقوت ج ۴۔ ص ۲۵۲ + (اس میں کرخہ کی جگہ غلطی سے کرجاہ چھپ گیا ہے) +

[2] (مقدسی (صفحہ ۴۱۲) کی عبارت یہ ہے :- رجالھم ونساءھم ینسجون الانماط۔ مترجم

کوہستانی تھے، منتقل ہوگئے۔ چودھویں باب میں ہم بیان کر آئے ہیں کہ ان میں سے لُر کبیر ی صوبۂ جبال میں شامل تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں جب ابن حوقل نے اپنی کتاب لکھی ہے تو ثابت ہوتا ہے کہ لُر قبائل نے نقل مکان کرنا شروع کر دیا تھا۔ کیونکہ اس نواح کو اس نے کردوں سے آباد لکھا ہے، اور بیان کیا ہے کہ لُر کا علاقہ باوجود شدت سے کوہستانی ہونے کے نہایت زرخیز اور سیر حاصل تھا۔[1]

(۲۴۰) شہر دِزفول کے جنوب مغرب میں سُوس کے شکستہ آثار واقع ہیں۔ زمانۂ وسطی میں سُوس ایک آباد اور معمور شہر اور ایک ایسے علاقے کا مرکز تھا جس میں متعدد شہر واقع تھے۔ سُوس کا کچا ریشم اور نارنگیاں مشہور تھیں۔ گنا یہاں کثرت سے پیدا ہوتا تھا۔ شہر کی حفاظت کے لئے ایک پرانا قلعہ موجود تھا، اور شہر میں بازار عمدہ تھے۔ ان ہی بازاروں میں جامع مسجد تھی، اور اس کے ستون گول تھے۔ یہ روایت مشہور تھی کہ دریائے کرخہ، جو شہر سُوس کی ایک جانب کچھ فصل سے بہتا تھا، اس کی گزرگاہ میں حضرت دانیالؑ نبی کی قبر بنائی گئی تھی، اور قریب تر کنارے پر ایک خوبصورت مسجد اس مقام کی نشاندہی کرتی تھی جہاں دریا میں اس قبر کا ہونا فرض کیا جاتا تھا۔ مستوفی نے آٹھویں (چودھویں) صدی میں سُوس کو ایک آباد اور بارونق شہر بیان کیا ہے، اور لکھا ہے کہ حضرت دانیالؑ نبی کی قبر شہر کے مغرب میں (غالباً خشکی پر) تھی، پاسِ ادب سے کوئی شخص اس دریا میں مچھلیاں نہ پکڑتا تھا۔ قریب کا شہر کرخہ یا کرخا، جس نے اپنا نام آج کل اس دریا کو دے رکھا ہے

---

[1] اصطخری ص ۸۸، ۹۴ + ابن حوقل ص ۱۷۱، ۱۷۶ + مقدسی ص ۴۰۹ +

قریب قریب اُسی عرض بلد پر جو اھواز کا ہے دریائے گرخاہ میں وہ ندیاں ملتی ہیں جو حِوِیزَہ سے اتر کر آئی ہیں۔ حِوِیزَہ یا حُوَیزَہ درحقیقت حُوز یا ھُوز کی تصغیر ہے۔ اور ہم لکھ آئے ہیں کہ ھُوز اس قوم کا نام تھا جو اس علاقے میں آباد تھی۔ مستوفی نے آٹھویں (چودھویں) صدی میں حَوِیزَہ کو خوزستان کے ان شہروں میں بیان کیا ہے جو آبادی میں سب سے بڑھے ہوئے تھے، یہاں اناج، روئی اور نیشکر بکثرت پیدا ہوتا تھا۔ اور اُس وقت اِس شہر میں سابئی مذہب کے لوگ آباد تھے۔ نہر تیرا یا نہر تیرَین کا شہر اس نام کی ایک نہر یا دریا پر آباد تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دریا گرخاہ کے آخری حصہ کا ایک معاون تھا، جو گرخاہ میں اس کی دائیں جانب سے شامل ہوا تھا۔ نھر تیرا کا شہر یقیناً حَوِیزَہ ہی کے علاقہ میں واقع ہوگا۔ یہ شہر اھواز کے مغرب میں ایک دن کی مسافت پر اس سڑک پر واقع تھا جو اھواز سے واسط کو جاتی تھی۔ یہاں جو کپڑے بنے جاتے تھے، وہ بغداد کے کپڑوں کے مثل ہوتے تھے، اُن کی وجہ سے یہ شہر مشہور تھا۔

دریائے گرخاہ مغرب میں بہتا ہوا اھواز کے جنوب میں دُجَیل سے، بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ دُجَیل کے اُس چوڑے پاٹ سے مل جاتا تھا جو نھر الصَّدادَہ (کنول والی نہر) کہلاتی تھی، اور جس کا ذکر اس سے قبل ہو چکا ہے۔ اس سے جنوب میں مشرق کی جانب سے نھر دَوْرَق یا دریائے دَوْرَق کا اتصال ہوتا تھا۔ دریائے دَوْرَق پر دَوْرَق نام ایک شہر آباد تھا، جو علاقہ سُرَّق کا صدر مقام تھا۔ یہ شہر جو دَوْرَق الفرس (ایرانیوں کا دَوْرَق) کہلاتا تھا، بہت وسیع شہر تھا، اس کے بازار خوبصورت تھے، جہاں ہر قسم کا مال و اسباب ذخیرہ

(۲۴۱) پر تیرتی رہتی تھیں۔ بِصِنّا کے قریب، اور سُوس سے تقریباً ایک دن کی مسافت پر، لیکن غالباً دریائے کرخہ سے مغرب کی طرف بَیْرُوت یا بَیْرُوذ کا شہر تھا، جہاں ساتویں (تیرھویں) صدی میں یاقوت آیا تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ یہ نخلستانوں سے گھرا ہوا ایک بڑا شہر تھا، اور تجارت کی گرم بازاری ایسی تھی کہ وہ البصرۃ الصغریٰ کہلاتا تھا۔

مَتُّوت یا مَتُّوث، جہاں ایک مضبوط قلعہ تھا، اس نواح کا ایک شہر تھا۔ یہ سُوس سے نو فرسخ جنوب میں اھواز سے قُرقُوب جانے والی سڑک پر واقع تھا۔ قُرقُوب، جہاں کا سُوسَنْجِرد قسم کا زربفت مشہور تھا، کسی قدر بڑا مقام تھا۔ یہ سُوس اور عراق کے شہر طِیب کے بیچ میں واقع تھا۔ سُوس سے اس کی مسافت ایک منزل اور بَصِنّا سے دو منزل تھی۔ اس علاقے کا ایک اور بڑا شہر دُورالراسبی تھا۔ اس کے موقع کا پتہ نہیں چلا گو احتمال یہ ہے کہ وہ قُرقُوب کے شمال میں تھا۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ وہ طِیب اور جُندی سابور کے بیچ میں واقع تھا۔ یہ شہر اس وجہ سے مشہور تھا کہ الرّاسبی کا مولد و مسکن رہ چکا تھا۔ الرّاسبی جس کا سال وفات ۳۰۱ھ (۹۱۳ء) ہے، خلیفہ مقتدر عباسی کے عہد میں سالہا سال واسط اور شہرَزُور کے تمام درمیانی علاقوں کا نیم خود مختار حاکم رہا تھا، اور نہایت دولتمند مشہور تھا۔ یاقوت نے ایک بڑی فہرست اس مال اور اثاثۃ البیت کی دی ہے جو مرتے وقت الرّاسبی نے چھوڑا تھا[1]۔

---

[1] اصطخری ص ۱۷۱، ۱۷۵ + ابن حوقل ص ۹۳ + مقدسی ص ۴۰۵، ۴۰۷ + یاقوت ج ۱۔ ص ۶۵۶، ۷۸۶ + ج ۲۔ ص ۶۱۶ + ج ۴۔ ص ۶۵، ۴۱۲ + حافظ اَبْرُو ص ۸۲ (b) + ابوالفداء ص ۳۱۳ +

سیاسی قیدیوں کو نظر بند رہنے کے لئے بھیجا کرتے تھے، تاکہ فتنہ وفسا
کا سدِّ باب ہو۔ ساتویں (تیرھویں) صدی تک کشتیاں یہاں سے
شمال کی طرف ان نہروں یا دریاؤں کے ذریعے، جو دریائے دجیل
کے مشرقی جانب تھے، عسکر مکرم تک پہنچ سکتی تھیں[1]

اھواز کے جنوب میں دریائے دُجَیل بہت عریض ہوکر ایک
مدوجزر والی کھاڑی کی شکل اختیار کرلیتا تھا، اصلی کھاڑی نہر الصلہ
(یا کنول والے دریا) کا زیرین حصّہ تھا۔ اسی کھاڑی پر کا
شہر آباد تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی کے وسط، یعنی خلیفہ مقتدر
عباسی کے عہد تک اس شہر میں چنگی خانے تھے، جہاں لوگوں کو
ستا ستا کر بے قاعدہ محصول وصول کئے جاتے تھے۔ سُوق الاَربَعہ
(بدھ کے دن والا بازار) اسی نواح میں دریائے دُجَیل کے مشرق
کی طرف ایک ندی پر واقع تھا، جو شہر کو دو حصّوں میں تقسیم
کردیتی تھی، اور دونوں حصّوں میں آمد و رفت کے لئے لکڑی کا
پل بنا ہوا تھا۔ سُوق الاَربعہ کا شرقی حصّہ زیادہ آباد تھا۔
اور یہیں مسجد تھی۔ قریب کا شہر جُبّا نیشکر کے لئے مشہور تھا۔
اور قرب و جوار کی زمینوں پر بہت سے گاؤں تھے۔

دریائے دُجَیل کی مد و جزر والی چوڑے پاٹ کی کھاڑی
کے سرے پر حصن مَہدی نام کا ایک قلعہ تھا، اور یہاں کے
رُباط کے وسط میں ایک مسجد تھی۔ قلعہ کے متعلق کہا جاتا تھا

---

[1] اصطخری ص ۹۳ + ابن حوقل ص ۱۷۶ + مقدسی ص ۴۰۷، ۴۱۲ + یاقوت
ج ۱۔ ص ۴۱۱ + ج ۲۔ ص ۳۷۱، ۶۱۸، ۶۲۰ + مستوفی ص ۱۶۹ + قزوینی ج ۲
ص ۱۳۰، ۲۴۶ + نهر تیرہا اور مَناذِر کے دونوں شہر خلفاء بنی امیہ کے عہد
میں یقیناً بڑے شہر ہوں گے، کیونکہ سنہ ۹۰ھ اور سنہ ۹۷ھ (سنہ ۷۱۲-۷۱۹ء) کے درمیان یہ دونوں
شہر دار الضرب تھے +

کیا جاتا تھا، اور فارس اور کرمان سے آنے والے حاجی اکثر اسی شہر سے ہوتے ہوئے مکہ معظمہ جاتے تھے۔ یہاں کے بنے ہوئے نقاب مشہور تھے۔ شہر کی جامع مسجد بازار میں واقع تھی، اور دریا کے کنارے پر بہت سے چھوٹے چھوٹے گاؤں تھے۔ دَوْرَق الفُرس میں گندھک کے گرم چشموں کے قریب، جن میں نہانے سے مریض تندرست ہوجاتے تھے، زرد گندھک ملتی تھی۔ یہ چشمے، جن کا پانی جلدی امراض کے لئے خاص کر مفید تھا، ایک پہاڑی کے پہلو سے نکلتے تھے، اور ان کے پانی سے دو تالاب بھرے رہتے تھے۔ چوتھی (دسویں) صدی تک دَوْرَق کے مقام پر حیرت انگیز قدیم ساسانی عمارت نظر آتی تھیں۔ ابن مہلہل نے لکھا ہے کہ وہاں ایک آتشکدہ بھی تھا۔

دَوْرَق کے قریب کے علاقہ میں مِیْرا کیان اور مِیْرا ثیان دو مشہور شہر تھے، جن کا تذکرہ مقدسی نے کیا ہے۔ ان میں سے مِیْرا کیان ایک ایسی نہر پر واقع تھا۔ جس میں مد و جزر ہوتا تھا۔ اس شہر کے گرد عمدہ زمینیں تھیں۔ مِیْرا ثیان کے شہر کے دو حصے تھے، اور ہر حصے میں ایک ایک جامع مسجد اور بازار تھے اور بازاروں میں چہل پہل رہتی تھی۔ چوتھی (دسویں) صدی میں صوبہ خوزستان کی جنوبی کثیر المیاہ زمینوں کا پانی ان ندی نالوں میں آکر جو دَوْرَق کے جنوب میں تھے خلیج فارس میں گرتا تھا، اور یہ ندی نالے باسِیان کے مقام پر سمندر میں گرتے تھے۔ اسی شہر باسیان کے قریب ضرور ہے کہ دَوْرَقِستان کی وہ خلیج اور جزیرہ واقع ہوگا جس کا ذکر یاقوت اور قزوینی نے کیا ہے، اور لکھا ہے کہ اسی خلیج یا جزیرہ کے قریب ہندوستان سے آئے ہوئے جہاز لنگر انداز ہوا کرتے تھے۔ اس طرف کی حفاظت کے لئے ایک قلعہ تھا، اور اسی قلعہ میں عباسی خلفاء

اھواز کے مشرق میں، تین دن کی مسافت پر رَام ہُرمُز کا شہر تھا، اور جو نام اس شہر کا آرْدَشِیر بابگان کے پوتے شاہ ہُرمز نے رکھا تھا وہی اب تک چلا جاتا ہے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں رَام ھُرمُز اس لئے مشہور تھا کہ یہاں ریشم کے کیڑے پالے جاتے تھے، اور کچا ریشم بکثرت دساور ہوتا تھا۔ رام ھرمز میں ایک خوبصورت جامع مسجد تھی، اور بنی بویہ کے سلطان، عَضُدُالدولہ کے بنائے ہوئے عمدہ بازار تھے۔ مَقدسی لکھتا ہے کہ یہ بازار سربستہ تھے، جن میں بزازوں، عطاروں اور بوریا بافوں کی دکانیں تھیں، اور ہر روز رات کو ان کے دروازے بہت محفوظ طریقے سے مقفل کردئے جاتے تھے۔ اسی مصنف نے لکھا ہے کہ اس شہر میں کتب خانہ تھا، جہاں درس دئے جاتے تھے اور اس کتب خانہ کا بانی ایک شخص ابن سَوَّار تھا، جس نے اِسے بنوایا تھا اور اس کے مصارف کے لئے کچھ جائداد بھی وقف کردی تھی۔ اسی طرح بصرہ میں بھی ابن سَوَّار نے ایک کتب خانہ قائم کیا تھا۔ شہر رام ھُرمُز کو دریائے طِیَّب کی ایک نہر سے پانی دستیاب ہوتا تھا، لیکن یہ نہر اکثر گرمی کے موسم میں خشک ہوجاتی تھی۔ مقدسی لکھتا ہے کہ شہر میں مچھروں کی اتنی کثرت تھی کہ سوتے وقت جالی کے پردے لگانے ضروری تھے۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی لکھتا ہے کہ اس کے زمانے میں رام ھُرمُز کو عام طور سے رَامُز کہتے تھے، اور اُس زمانہ میں بھی یہ مقام ایک بارونق شہر تھا، چنانچہ اُس کے علاقہ میں اناج، روئی اور گنّا بکثرت پیدا ہوتا تھا۔

رَام ھُرمُز کے جنوب مشرق میں چھ فرسخ کے فاصلے، اور اَرَّجان سے جانے والی سڑک پر دریائے طاب کے قریب، جو فارس کی حد فاصل تھا، خُوسَاہ یا زُطّ کا علاقہ تھا۔ زُطّ

کہ اُسے خلیفہ ہارون الرشید کے باپ خلیفہ مہدی تعمیر کرایا تھا۔
حصن مَھْدِی، جس کا بالکل صحیح موقع دریافت نہیں ہوا ہے، اس مقام سے چند میل شمال میں واقع تھا جہاں سے نہر عَضُدِی دریائے دُجَیْل سے نکل کر مغرب کی طرف گئی ہے اور دُجَیْل کی کھاڑی کے سرے کو دجلۃ العوراء (دجلۂ کور) سے بیان کے مقام پر ملا دیتی تھی۔ حصن مَھْدِی کے گرد سَبِخَہ (شورہ ناک زمینوں) کا علاقہ واقع تھا (دیکھو باب صفحہ حاشیہ ۴۸) دریائے دُجَیْل کی کھاڑی، جو فیض دُجَیْل کہلاتی تھی، سُلیمانان کے مقام پر خلیج فارس میں ملتی تھی۔ جہازوں کے لئے یہ راستہ خطرناک تھا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اھواز پہنچنے کے واسطے جہازوں کے لئے زیادہ آسان تھا کہ وہ باسیان کے مقام سے مختلف نہروں اور دریاؤں کے ذریعے دَوْرَق تک، اور وہاں سے نہر الصِّلَہ کا راستہ اختیار کریں۔ حصن مَھْدِی کی اصلی جاے وقوع معلوم نہیں، لیکن جغرافیہ نویسوں کا بیان ہے کہ یہ قلعہ بہت سی سڑکوں کے مقام اتصال پر اس طرح واقع تھا کہ دریائے دُجَیْل کی کھاڑی کا بالائی حصہ اس کی زد میں رہتا تھا یہاں کھاڑی کا پاٹ تقریبًا ایک فرسخ تھا۔ حصن مَھْدِی اس مقام سے تھوڑی دور جنوب میں تھا جہاں علاقہ حَوِیْزَہ کی بہت سی ندیاں شمال مغرب سے اور دریائے دَوْرَق شرق سے آکر دُجَیْل کی کھاڑی میں گرتے تھے۔ اس جگہ سے کچھ اوپر شمال کی طرف نہر الصِّلَہ نکل کر اھواز تک بہتی تھی، اور اھواز سے حصن مَھْدِی کا فاصلہ بیس فرسخ تھا[1]

[1] ابن سراپیون ص ۳۰۔ قدامہ ص ۱۹۴ + اصطخری ص ۹۳، ۹۵ + ابن حوقل ص ۱۶۲، ۱۷۶ + مقدسی ص ۴۱۲، ۴۱۹ + یاقوت ج ۱۔ ص ۱۸۵ + ج ۲۔ ص ۱۲ + ج ۲۔ ص ۱۹۳ +

معاون دریاؤں کے کنارے کنارے واقع تھے۔ وہ مُلک جو کارُون کے بالائی حصہ کے مشرق اور جنوب میں واقع ہے (جہاں یہ دریا ر اَصفہان کے مغربی پہاڑوں میں اپنے منبع اور اس مقام کے درمیان جو تُستَر کے شمال میں ہے ایک بڑا خم کھا کر، جس سمت سے آیا تھا پھر اُسی سمت میں بہ کر کچھ دُور جانے کے بعد دوسرا خم کھا کر تُستَر سے جنوب کی سمت میں خلیج فارس کا راستہ لیتا ہے) اُس کو مستوفی نے لُرِ کُبرٰی کا علاقہ بیان کیا ہے۔ یہ علاقہ سرحدِ فارس پر شُولِستان سے ملا ہوا تھا۔ لُرِ کُبرٰی کا بڑا شہر اِیذَج تھا، جسے مَالِ امیر بھی کہتے تھے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے لکھا ہے کہ اِیذَج خُوزِستَان کے بہترین شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ وہ پہاڑوں سے قریب تھا جہاں اَسَد آباد نام ایک مقام پر حاکم صوبہ کا محل تھا۔ موسم سرما میں یہاں برف بکثرت گرتی تھی، اور اس غرض سے جمع کی جاتی تھی کہ موسم گرما میں اھواز لے جا کر فروخت کی جائے۔ کھیت چونکہ بارش کے پانی سے پرورش پاتے تھے اس وجہ سے پستہ کے درختوں میں پستہ بکثرت اور عمدہ پیدا ہوتے تھے۔ ابن بطوطہ جو آٹھویں (چودھویں) صدی کی ابتدا میں یہاں آیا تھا۔ لکھتا ہے کہ اُسی زمانہ میں اِیذَج مَالُ الامیر کہلانے لگا تھا، چنانچہ آج کل بھی اِس کا یہی نام ہے، اور اِیذَج کا نام بالکل متروک ہوچکا ہے۔

اِیذَج اِس وجہ سے بھی شہرت رکھتا تھا کہ وہاں دریاے جرجیل پر ایک بڑا سنگین پل تھا، جسے یاقوت نے دنیا کے عجائبات میں شمار کیا ہے۔ یہ پل جس کے شکستہ آثار اب تک موجود ہیں، شاہ اَرْدَشِیر کے ماں کے نام پر قنطرۂ خرّہ زاد کہلاتا تھا۔ اس میں خوبی یہ تھی کہ ایک گہرے غار کے

کی نسبت یہ معلوم تھا کہ وہ ہندوستان کی آئے ہوئے جاٹ ہیں، اور قیاس کیا گیا ہے کہ یہ وہی قوم ہے کہ جسے یورپ میں جپسی (Gypsy) کہتے ہیں۔ زُطّ کے علاقہ کو دریائے طاب سیراب کرتا تھا، اور اس میں اَلزُّط اور اَلخامَران کے دو بڑے گاؤں واقع تھے۔ اس علاقے سے آگے، اور شہر اَرّجان سے دو منزل اس طرف فارس کی سرحد کے قریب اَرّجان سے دَوْرَق جانے والی سڑک پر آسک کا چھوٹا سا شہر آباد تھا، جہاں اصطخری لکھتا ہے کہ ایک مختصر سا آتش فشان پہاڑ بھی تھا۔ اس شہر کے گرد نخلستان تھے، اور دُوشاب (شربت منقّی) یہاں بہت بنایا جاتا تھا، اور وہ باہر بھی بھیجا جاتا تھا۔ آسک کے قریب بھی ساسانی زمانہ کی ایک قدیم عمارت نظر آتی تھی۔ یہ ایک بڑا ایوان تھا، یعنی ایک وسیع کمرہ تھا، جس پر گنبد تھا۔ اس ایوان کی بلندی سو ذرع تھی، اور اُسے شاہ قباذ نے ایک چشمے کے کنارے بنوایا تھا۔ آسک کے مشرق میں اور اَرّجان سے چند میل اسی طرف، لیکن دریائے طاب کے پلوں سے مغرب میں بازار والا شہر سَنْبیل اسی نام کے علاقہ میں واقع تھا، اور اس طرح یہ علاقہ فارس کی سرحد پر واقع ہوا تھا[1]۔

لُر کے دو علاقے تُستَر کے مشرق اور شمال میں دریائے دُجیل (کارُون) کے بالائی حصے اور اُس کے متعدد

---

[1] اصطخری ص ۹۲، ۹۳، ۹۴ + ابن حوقل ص ۱۷۵، ۱۷۶ + مقدسی ص ۴۰۷، ۴۱۳ + یاقوت ج ۱۔ ص ۶۱ + مستوفی ص ۱۶۹ + یاقوت (ج ۲۔ ص ۹۱۷) نے غلطی سے اَلزُّط کے گاؤں کا نام اَلرُّط لکھا ہے، حالانکہ وہ زُطّ یعنی جلپسیون (Gypsy) سے بخوبی واقف تھا، اور اُس نے ایک نہر کا بھی ذکر کیا ہے (ج ۲۔ ص ۹۳۰) جو ان کے نام پر نہر الزُّط کہلاتی تھی +

کی سرحد اور دریائے گاروُن کے سب سے زیادہ مشرقی معاون کے قریب لُرجان (یا لُردگان یا لُرکان یہ سب اسی شہر کے نام کی مختلف شکلیں ہیں) تھا۔ اس کی نسبت اصطخری نے لکھا ہے کہ وہ علاقہ سَردان یا سَرودَن کا صدر مقام تھا۔ یہ شہر وسیع ہونے کے علاوہ چاروں طرف سے درختوں سے گھرا ہوا تھا۔ مستوفی نے یہاں کے انگوروں کی تعریف کی ہے، جو بافراط ہوتے تھے۔ لُرجان صوبۂ فارس کی سرحد پر واقع ہے۔ اسی لئے وہ اکثر فارس کے صوبہ کا ایک شہر سمجھا جاتا تھا[1]۔

صوبۂ خوزِستان کی سب سے بڑی پیداوار شکر تھی، کیونکہ اس صوبہ کے تقریباً ہر حصہ میں گنّا پیدا ہوتا تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی میں ایران، میسوپوٹمیا اور عرب میں سوائے خُوزِستان کی آئی ہوئی شکر کے اور کہیں کی شکر نہیں ملتی تھی۔ مقدسی نے یہ بھی لکھا ہے کہ صوبہ کا صدر مقام اھواز ایک قسم کے دوپٹوں[2] کے لئے مشہور تھا جو بالعموم عورتیں اوڑھتی تھیں۔ تستر میں دیباج تیار ہوتا تھا، جو دنیا میں ہر جگہ مشہور تھا۔ اس کے علاوہ یہاں نمدے اور عمدہ قسم کے کپڑے بھی تیار کئے جاتے تھے۔ تُستر میں پھل خصوصاً خربوزہ، باہر بھیجنے کے لئے بویا جاتا تھا۔ سُوس کا علاقہ خصوصاً نیشکر کا گھر تھا، اور اس شہر سے صدہا من گنّا دساور کیا جاتا تھا۔ یہاں ریشمی اور ہر قسم کے کپڑے بنے جاتے تھے۔

---

[1] اصطخری ص ۱۰۳، ۱۲۶ + ابن حوقل ص ۱۸۲، ۱۹۷ + مُقدسی ص ۴۱۴ + قزوینی ج ۲۔ ص ۲۰۱ + یاقوت ج ۱۔ ص ۴۱۶ + ج ۴۔ ص ۱۸۹ + مستوفی ص ۱۵۱ + ابن بطوطہ ج ۲۔ ص ۲۹ + سُوسَن کے متعلق مقابلہ کرو سر ایچ لیئرڈ (Layard) اور سر ایچ سی رالنسن (Rawlinson) کے مضامین کا :۔ رائل جیوگریفیکل سوسائٹی ۱۸۴۲ء صفحہ ۸۳ + سنہ ۱۸۴۰ء صفحہ ۱۰۳ +

[2] یہاں Kerchief کا ترجمہ دوپٹہ کیا گیا ہے۔ مقدسی کی عبارت حسب ذیل ہے (صفحہ ۴۱۶):۔ خوط من القز حسنتہ تلبسہا النساء + (مترجم)

منہ پر جس میں ندی بہتی تھی صرف ایک محراب کا پل باندھا گیا تھا، اور یہ محراب سطح آب سے (۱۵۰) ذرع بلند تھی۔ ایذج سے دو فرسخ ندی کے بہاؤ کی طرف اس میں ایک خطرناک اور بہت بڑا بھنور آتا تھا، جسے فَمُ البَوَّاب (دربان کا منہ) کہتے تھے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں بنی بُویہ کے سلطان رکن الدولہ کے وزیر نے اس بڑے پل کو مرمت کرائی، اور یہ مرمت دو سال میں جا کر پوری ہوئی۔ اس کے پتھروں کی جڑائی سیسہ سے کر کے اس میں لوہے کی پٹیاں جڑ دی تھیں۔ بیان ہوا ہے کہ اس کی مرمت میں (۱۵۰۰۰) دینار (تقریباً ۱۱۲۵۰۰ روپیہ) خرچ ہوئے تھے۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ ایذج کے قرب و جوار میں زلزلے بہت آیا کرتے تھے، اور یہاں بہت سی کانیں تھیں، اور ایک خاص قسم کی کھار جسے قُرقلی کہتے تھے، یہاں دستیاب ہوتی تھی۔ یہ کھار نقرس کے لئے بہت مفید تھی۔ یاقوت ہی کا بیان ہے کہ ایذج میں ایک قدیم آتشکدہ تھا، جہاں خلیفہ ہارون الرشید کے عہد تک برابر آگ کی پرستش ہوتی رہی۔

ایذج کے شمال مغرب میں چار فرسخ کے فاصلے پر سُوسَن کا چھوٹا سا شہر، جسے عَرُوج یا عَرُوح بھی کہتے تھے، دریا کے دونوں کناروں پر آباد تھا۔ اس کے گرد وسیع باغ تھے، جن میں انگور، چکوترا، اور نارنگیاں پیدا ہوتی تھیں۔ مستوفی لکھتا ہے کہ وہ پہاڑ جن پر گرمی کے موسم میں بھی برف جمی رہتی تھی سُوسَن سے چار فرسخ دُور تھے۔ عُروج یا سُوسَن کو جابلق بھی کہتے تھے اور بعض مصنفوں کی تحریر کے مطابق یہ وہی مقام ہے جو عہد عتیق کی کتاب دانیالؑ والا شُوشان قصر ہے۔ (۲۲۴)

مال الامیر سے ڈیڑھ میل مشرق میں، صوبہ فارس کی

کے شمال مغرب میں واقع ہے، راستہ بتلایا ہے۔ عسکرِ مُکرم سے ایک اور سڑک (جس کا ذکر قدامہ اور دوسرے مصنفوں نے کیا ہے) شرق کی طرف اِیذَج کو جاتی تھی، یہاں سے پہاڑوں میں سے گزرتی ہوئی یہ سڑک بھی اصفہان پہنچتی تھی[1]

عسکرِ مُکرم اور اھواز سے آنے والی دو سڑکیں رَام ھُرمُز پر ملتی تھیں، اور یہاں سے مشرق کی طرف بڑھ کر جب دریائے طیب پر پہنچتی تھیں، جس کے سامنے دریا پار اَرَّجان کا شہر آباد تھا، تو اُس کی سرحد آجاتی تھی۔ ان سڑکوں کا ذکر قدامہ، اور دوسرے مصنفوں میں سے اکثر نے کیا ہے۔ یہ سڑکیں درحقیقت اُس بڑی سڑک کا ٹکڑا تھیں جو بصرہ سے شیراز جاتی تھی۔ اصطخری نے اس کے علاوہ ایک دوسرا راستہ حصن مھدی سے اَرَّجان کا بتایا ہے۔ لیکن یہ راستہ زیادہ تر تری کا تھا، اور ساحل کے شہر بَاسیان سے ہوتا ہوا دَوْرَق کو آتا تھا، اور یہاں سے اَسَک ہوتا ہوا اَرَّجان پہنچتا تھا۔ رَام ھُرمُز سے اِیذَج کے شمالی منزلوں کا ذکر مقدسی نے کیا ہے؛ اور اسی مصنف نے رَامِ ھُرمُز سے کوہستان لُر کو طے کرتے ہوئے، اصفہان پہنچنے کا راستہ بھی بتایا ہے۔ ایک دوسرا راستہ (دِزفول کے شمال میں لُر کی مسطح زمینوں سے سابُور خواست ہوتا ہوا کرج ابودُلَف جاتا تھا۔ لیکن اس راستے کے فاصلے مرحلوں میں بیان کئے گئے ہیں، ان مراحل کو اب شناخت کرنا اگر

[1] اصطخری ص ۹۶ + ابن حوقل ص ۱۰۸ + مقدسی ص ۴۱۸، ۲۰۷ + ابن رستہ ص ۱۸۷، ۱۸۸ + قدامہ ص ۱۹۷ +

عَسکرِ مکرم میں کچے ریشم کے نقاب (مقنع) تیار کئے جاتے تھے۔ رومال (مندیل) اور کپڑے بھی بُنے جاتے تھے۔ بصِنّا کے پردے قرقوب کے نمدے کے غالیچے، اور شہر قیسما کے چہرے کے لمبے نقاب مشہور تھے[1]۔

خوزِستان میں جس قدر دریا اور نہریں تھیں، اُن سب میں کشتیاں بہ آسانی چل سکتی تھیں، اور اس صوبہ کے شہروں میں مال تجارت کا نقل و حمل ان ہی تری کے راستوں سے ہوتا تھا۔ بڑی سڑکوں کا مرکز اھواز تھا۔ اور اس شہر میں پہنچنے کے لئے مسافر یا تو تری کا سفر بصرہ سے نہر عضدی کے ذریعے سے کرتا تھا، اور یا خشکی کا سفر کرکے شورہ ناک زمین (سبخة) کو طے کرتا ہوا عسکرِ ابو جعفر، سے جو اُبُلّہ کے سامنے تھا، حصن مھدی میں آتا اور یہاں سے سُوق الاربعہ ہوتا ہوا اھواز پہنچتا تھا۔

خوزستان کے مختلف شہروں کے درمیانی فاصلوں کا ذکر اصطخری اور مقدسی نے بہت تفصیل سے کیا ہے۔ اھواز سے ایک سڑک مغرب کی طرف نہر تیرہا کے شہر کو، اور اس سے آگے عراق کے شہر واسط کو جاتی تھی۔ اھواز ہی سے (۲۴۷) شمال کی طرف ایک سڑک عسکر مکرم سے ہوتی ہوئی تُستر اور وہاں سے براہ جُندَ یسابور سُوس پہنچ کر مغرب کی طرف طِیب چلی جاتی تھی، طِیب سے ایک شاہراہ واسط کے شہر کو جاتی تھی۔

مقدسی نے جُندَ یسابور سے کوہستان لُر ہوتے ہوئے صوبۂ جبال کے شہر گل پائیگان تک کا جو اصفہان

[1] مقدسی ص ۴۱۶ +

[2] قدامہ ص ۱۹۴ + مقدسی ص ۱۳۵ +

باب ہفدہم

فارس

صوبہ کی تقسیم پانچ اضلاع یا کورہ میں۔ کورۂ اَرْدَشِیر خُرَّہ۔ شیراز۔ جھیلِ مَاہَلُویہ۔ دریائے سکان۔ جُوَیم۔ جھیل دشت ارزن۔ کوار۔ خَبَہ اور سِمِکَان۔ کازرین اور کورۂ قباد خُرَّہ۔ جَہْرَم۔ جُوَیم ابواحمد۔ مَانِدِ شتان۔ اِیراہستان۔ جُور یا فیروز آباد۔ صوبۂ فارس کے ساحلی علاقے۔ جزیرۂ قیس۔ سیراف۔ نجیرم۔ تَوَّج۔ غُنْدِیجان۔ خارِک، اور خلیج فارس کے دوسرے جزیرے۔

صوبۂ فارس، ایران کے ہخمنشی خاندان کا وطن، اور اُن کی سلطنت وحکومت کا مرکز تھا۔ یونانی اس صوبے کو پرسس (Persis) کہتے تھے، اور انھوں نے غلطی سے اس مرکزی صوبے کا نام تمام ایرانی سلطنت کو دے دیا تھا۔ یہ غلط العام استقدر دیرپا ثابت ہوا کہ آج کل بھی تمام یورپ میں پرشیا ہے، جو یونانی لفظ پرسس کی بگڑی ہوئی شکل ہے، شاہ ایران کی تمام سلطنت مراد لی جاتی ہے، حالانکہ اس سلطنت کے باشندے اپنے ملک کو ایران کہتے ہیں؛ اور فارس، یعنی قدیم پرسس، اس سلطنت کا محض ایک جنوبی صوبہ ہے۔ اسلامی فتوحات کے بعد

محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ مقدسی نے ایک تیسرے شمالی راستہ کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ راستہ اَرَّجان کے پہاڑوں سے نکلتا ہوا، سات دن کے سفر کے بعد سُمَیرَم پہنچاتا تھا، جو فارس کے شہر اصفہان کے جنوب میں تھا۔ یہ راستہ صوبۂ خُوزِستان اور فارس کی سرحد سے ملا ہوا گیا تھا[1]

---

[1] قدامہ ص ۱۹۴ + ابن رستہ ص ۱۸۸ + اصطخری ص ۹۵ + ابن حوقل ص ۱۷۷ + مقدسی ص ۴۰۱، ۴۲۰، ۴۵۳، ۴۵۹ +

عربوں نے صوبۂ فارس کی پانچ اضلاع میں وہ تقسیم جو ساسانیوں نے قائم کی تھی برقرار رکھی۔ ہر ایک ضلع کُورَہ کہلاتا تھا۔ صوبہ کی یہ تقسیم مغلوں کے عہد تک برابر قائم رہی۔ اور اس صوبہ کے جغرافی حالات لکھتے ہوئے سہولت اسی میں ہے کہ ہم اس تقسیم کو پیش نظر رکھیں۔ یہ پانچ کُورَہ یا اضلاع حسب ذیل ہیں:۔
(۱) اَرْدَشِیر خُرَّہ جس کا صدر مقام شِیرَاز یعنی صوبہ فارس کا دارالحکومت تھا؛ (۲) سَابُور یا شَاپُور خُرَّہ اس کا صدر مقام شَاپُور کا شہر تھا؛ (۳) اَرَّجَان، اس کا صدر مقام اسی نام کا ایک شہر تھا؛ (۴) اِصْطَخر، اس کُورَہ کا صدر مقام اِصْطَخر (پرسی پولس) کا قدیم شہر تھا، جو ساسانیوں کے زمانہ میں فارس کا دارالحکومت رہ چکا ہے؛ (۵) دَارَابْجِرْد، اس کورہ کا صدر مقام اسی نام کا ایک شہر تھا۔

اِس کے علاوہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ عہد خلافت میں یَزْد کا شہر، مع اپنے علاقے کے، اور علاقۂ رُوذَان (یعنی موجودہ اَنَار اور بَہْرَام آباد کے درمیان کا علاقہ) بھی فارس میں شامل سمجھے جاتے تھے؛ اور یہ دونوں علاقے فارس کے کُورَہ اِصْطَخر کا حصہ تھے۔ لیکن مغلوں کی فتوحات کے بعد یَزْد صوبۂ جبال (۲۴۹) میں شامل ہوگیا، اور آج کل یَزْد کے علاقے کو کِرمَان کا ایک حصہ سمجھا جاتا ہے۔ یہی حال اُس علاقہ کا ہے جسے کسی زمانہ میں رُوذَان کہتے تھے۔ قدیم فارسی زبان میں خُرَّہ کے معنی "شان و شوکت" کے ہیں، اور اس لئے خُرَّہ اَردشِیر اور خُرَّہ شَاپُور سے مراد وہ علاقے ہیں، جن سے ساسانی خاندان کے بانی اَرْدشِیر، اور اس کے مشہور معروف بیٹے شَاپُور یا سابُور کی شان و شوکت کی یاد دل میں تازہ ہوتی ہے۔ شَاپُور وہی ہے جسے یونانی ساپُور (Sapor) کہتے تھے۔ اس کے

علاوہ عرب جغرافیہ نویس فارس کے صوبے کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں، یعنی گرم اور سرد علاقے (جُرُوم اور صُرُود)۔ یہ تقسیم ایک سیدھے خط سے، جو مشرق سے مغرب کی طرف کھینچا جائے، قائم کی جاتی تھی۔ آج کل بھی خلیج فارس کے ساحل کے قریب کی نشیبی زمینوں، اور درہائے کوہ کے پار کی مرتفع اراضی میں فرق رکھا گیا ہے۔ نشیبی زمینوں کو گرم سیر اور مرتفع زمینوں کو سرد سیر کہتے ہیں۔ مستوفی نے ان دو حصوں کے یہی نام لکھے ہیں۔[له]

صوبۂ فارس کا صدر مقام، شیراز، عربوں کا بسایا ہوا ہے۔ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسلامی فتوحات کے وقت اُس مقام پر جو بعد کو شیراز کا محل وقوع ہوا اُن اسلامی افواج کی چھاؤنی تھی، جنھیں اصطخر کے محاصرے کے لئے روانہ کیا گیا تھا۔ جیسا کہ مقدسی نے لکھا ہے، شیراز کے خاص طور پر ممتاز ہونے کی وجہ غالباً یہ ہے کہ وہ ایک مرکزی مقام پر واقع تھا؛ کیونکہ فرض کیا جاتا تھا کہ یہ شہر اسلامی سرحدوں کے اسمات اربعہ میں ہر سمت کے لحاظ سے (۶۰) فرسخ اور صوبے کے چار گوشوں میں سے ہر گوشہ سے (۸۰) فرسخ تھا۔ عربی مؤرخوں کے قول کے مطابق شیراز کی بنیاد ۷۴ھ (۶۹۳ء) میں بنی اُمیہ کے مشہور والیٔ عراق، حجاج بن یوسف کے برادر حقیقی یا عم زاد محمد نے رکھی تھی، اور تیسری (نویں) صدی کے نصف آخر تک وہ ایک

له تمام جغرافیہ نویسوں میں صرف مقدسی ایک شخص ہے کہ جس نے فارس کو بجائے پانچ کے چند کُوروں میں تقسیم کیا ہے (ص ۴۲۱)؛ اور وہ اس طرح کہ اس نے شیراز کے گرد و نواح کے علاقہ کو ایک الگ کُورہ قرار دیا ہے۔ اصطخری ص ۹۷، ۱۳۵ + بلاذری ص ۳۸۶ + مقدسی ص ۴۴۷ +

عَضُدالدولہ کی وفات کے بعد باقی نہ رہی، اور چوتھی (دسویں) صدی ختم ہونے سے پہلے ہی یہ شہر برباد ہوگیا۔ اس کی بیرونی آبادی کا نام سُوق الامیر (امیر کا بازار) تھا۔ کہتے ہیں کہ اس کی دکانوں کا کرایہ (۲۰۰۰۰) دینار یعنی (۱۵۰۰۰) روپیہ سالانہ وصول ہوتا تھا۔

شیراز کی شہر پناہ سب سے پہلے عَضُدالدولہ کے بیٹے صمصام الدولہ یا عَضُد الدولہ کے پوتے سلطان الدولہ نے تعمیر کرائی تھی۔ ابتداء میں اس شہر پناہ کا آثار آٹھ ذرع اور اس کا دور (۱۲۰۰۰) ذرع تھا، اور اُس میں گیارہ دروازے تھے۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے درمیان میں چونکہ یہ شہر پناہ ٹوٹ گئی تھی اس لئے محمود شاہ اَنجو نے، جو خاندان مظفریہ کا حریف مقابل تھا، اس کی مرمت کرائی، اور اُس سے ملے ہوئے پختہ اینٹوں کے بُرج تعمیر کرائے۔ جب مستوفی نے اپنی کتاب لکھی ہے تو اُس وقت شِیراز سترہ محلّوں میں منقسم تھا، اور شہر کے نو دروازے تھے۔ ان دروازوں کے نام حسب ذیل تھے:۔ (۱) باب اِصْطَخر، (۲) باب داذک (داذک موسیٰ) شِیراز سے داذک دو فرسخ کے فاصلے پر ایک پہاڑ تھا، اسی کے نام پر اس دروازے کا نام رکھ لیا گیا تھا۔ (۳) باب بَیْضا۔ (۴) باب کازِرُون (۵) باب سَلْم، (۶) باب قُبَا (اس کا نام بعض قلمی نسخوں میں باب قَنا یا باب قَنَا لکھا ہے)، (۷) باب نَو (نیا دروازہ)، (۸) باب الدولہ (حکومت کا دروازہ)، (۹) باب السعادت۔ مستوفی، جس نے متذکرہ بالا فہرست نقل کی ہے، لکھتا ہے کہ شِیراز بہت عمدہ شہر ہے؛ اس کے بازار کبھی خالی نہیں رہتے۔ لیکن اُس نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ بازار بے انتہا غلیظ ہیں۔ اس شہر کو رُکنا باد کی مشہور نہر، جسے بنی بُوَیہ کے سلطان

بڑا شہر بن گیا؛ چنانچہ اس زمانہ میں خاندان صَفّادِیَہ کے بادشاہوں نے اِسے اپنی نیم خود مختار ریاست کا دارالحکومت قرار دیا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں شیراز کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ۔ اِس شہر کا طول ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک فرسخ تھا۔ اور اس کے بازار تنگ لیکن بارونق تھے۔ شہر میں آٹھ دروازے تھے۔ دَرْبِ اِصطخر، دَرْب تُسْتَہ، درب بندِ استانہ، درب غَسْتان، درب سلم، درب کُوار، دَرْب مُندَر، اور دَرْب مُہَنْدَر۔ شیراز کے شہر کو پانی مہیا کرنے کے لئے جُوَیْم نام ایک گاؤں سے جو شیراز سے پانچ فرسخ کی مسافت پر شمال مغرب میں واقع تھا، ایک نہر زمین کے اندر اندر شہر تک لائی گئی تھی۔ شہر میں ایک بیمارستان یا شفا خانہ، اور بنی بُویَہ کے سلطان عَضُدالدولہ کا بنایا ہوا ایک محل تھا۔ مصنّف "فارس نامہ" کا بیان ہے کہ اس سلطان نے شہر میں ایک کتب خانہ بھی قائم کیا تھا۔ (۲۵۰)

شیراز سے نصف فرسخ جنوب میں اسی سلطان عضدالدولہ نے، جس کا لقب فَنّاخُسْرو تھا، اپنے لئے ایک اور محل تعمیر کرایا، اور اس کے گرد ایک شہر بسایا۔ اس شہر کا نام اس نے اپنے لقب پر "کَرد فَنّاخُسْرو" رکھا۔ اس شہر کے باغوں پر جو ایک فرسخ تک پھیلے ہوئے تھے، بے شمار دولت صرف کی گئی۔ ان باغوں کے گرد اونی کپڑے بُننے والوں، دیباج بافوں، اور دوسرے کاریگروں کے مکانات تھے۔ ان کاریگروں کو مختلف مقامات سے جمع کرکے عَضُدالدولہ نے فارس میں بسایا تھا۔ کُرد فناخُسرو کے مقام پر ہر سال ایک تہوار ہوتا تھا؛ اور اس کے علاوہ تھوڑی مدت کے لئے یہ شہر دارالضرب بھی رہا تھا۔ لیکن اس کی چہل پہل اور رونق

قبرستان تھا جس میں شیخ سعدی کا مزار تھا۔ شیخ سعدی کا انتقال سنہ ۶۹۱ھ (سنہ ۱۲۹۲ء) میں ابن بطوطہ کے شیراز پہنچنے سے نصف صدی قبل ہوا تھا۔ وہ اتابک سعد کے بیٹے اتابک ابوبکر کے دربار میں رہے تھے۔ اتابک سعد وہی تھا جس نے نئی جامع مسجد شیراز میں تعمیر کرائی تھی۔ (سعدیہ یعنی شیخ سعدی کے مزار کے گرد جو قبرستان تھا) اس میں سنگِ مرمر کے بہت بڑے بڑے تالاب کپڑے دھونے کے لئے بنے ہوئے تھے، جنھیں خود شیخ سعدی نے نہر رُکنا آباد پر تعمیر کرایا تھا۔

آٹھویں (چودھویں) صدی کے آخر میں خوش قسمتی سے شیراز تیمور کے محاصرے سے بچا رہا؛ حالانکہ تیمور نے مظفری شہزادوں کو اسی شہر کے باہر' پاتیلہ کے میدان میں' شکست دی تھی۔ علیؒ یزدی کے بیان کے مطابق اس موقع پر شیراز کو کچھ نقصان نہیں پہنچا' کیونکہ تیمور شہر کے باب سلم اور باب سعادت کے باہر' جو یزد کی طرف کھلتے تھے' تخت قراچہ نام ایک باغ میں ٹھیرا تھا۔ اسی مصنف نے لکھا ہے کہ باقی کے آٹھ دروازے اُس وقت بند کر دئے گئے تھے۔ اُس نے شیراز کے قریب کوہ قلعۂ سُرخ کا ذکر بھی کیا ہے' جس کا موقع اب کسی کو معلوم نہیں۔ شیراز کے نزدیک مشہور قلعوں میں سے مستوفی نے قلعۂ تیشو کا ذکر کیا ہے' جو شہر کے جنوب مشرق میں تین فرسخ کے فاصلے پر ایک تن تنہا پہاڑی پر واقع تھا۔ یہاں پہاڑی کی چوٹی پر پانی کا چشمہ تھا' اور ایک چشمہ پہاڑی کے نیچے میدان میں واقع تھا۔ اس چشمہ کے علاوہ یہ میدان ایک دن کی مسافت تک

عضد الدولہ کے باپ، رکن الدولہ نے بنوایا تھا[1] اور شعب بوان کا بستان سعدی کی نہر سے اس میں پانی آتا تھا۔ موسم بہار میں کوہ دراک سے پانی نالوں میں بہتا ہوا شہر میں سے گزرتا تھا، اور آگے بڑھ کر یہ نالے ماھلویہ کی جھیل میں جا گرتے تھے۔

(۲۵۱) شیراز کے شہر میں تین بڑی مسجدیں تھیں:- (۱) جامع عتیق (پرانی جامع مسجد)، جسے عمرو بن لیث الصفار نے تیسری (نویں) صدی میں تعمیر کرایا تھا؛ مستوفی کا بیان ہے کہ یہ جامع مسجد کبھی خالی نہیں رہتی تھی۔ (۲) نئی جامع مسجد، جسے چھٹی (بارھویں) صدی کے نصف آخر میں اتابک سعد بن زنگی سلغاری نے تعمیر کرایا، اور (۳) مسجد سنقر۔ یہ مسجد تجاروں کے چوک میں واقع تھی، اور اسے سلغاریوں کے پہلے اتابک نے تعمیر کرایا تھا۔ عضد الدولہ کا بنایا ہوا شفا خانہ اس وقت تک موجود تھا، اور امام سابع حضرت موسیٰ الکاظم کے دو بیٹوں محمد اور احمد کے مزاروں کی زیارت کے لئے شیعہ وہاں آیا کرتے تھے۔ مستوفی کے ہمعصر ابن بطوطہ نے شیراز کا جو حال لکھا ہے اس سے مستوفی کے متذکرہ بالا بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ ابن بطوطہ نے بھی مسجد عتیق کا ذکر کیا ہے، جس کے شمالی دروازہ کا نام باب حسن (خوبصورت دروازہ) تھا۔ اسی مصنف نے احمد کے بازار کا ذکر بھی کیا ہے، جہاں ایک مدرسہ بھی تھا۔ اس کے علاوہ اس نے اُن پانچ نہروں کی جو شہر میں سے گزرتی تھیں تعریف کی ہے۔ ان میں سے ایک نہر رکنا آباد تھی جو پہاڑیوں میں القلیعہ (چھوٹا قلعہ) کے پاس سے نکلتی تھی؛ اور اسی مقام کے قریب وہ عمدہ

پیدا ہوتا تھا۔ اور اس کے علاوہ گرم و سرد دونوں ملکوں کی پیداوار یہاں ہوتی تھی۔ مصنف فارس نامہ اور مستوفی کے بیان کے مطابق کُوبنجان کا چھوٹا سا شہر سَردِشتان کے قریب آباد تھا۔[1]

صوبۂ فارس کا سب سے لمبا دریا نہر سَکّان ہے جو شیراز سے شمال مغرب میں، تقریباً تیس میل کے فاصلے ایک مقام سے نکلتا اور ایک پیچدار راستہ اختیار کرتا ہے۔ جنوب مغرب کی سمت میں ایک سو پچاس میل سے زیادہ فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک بڑا خم کھاکر مغرب کی طرف ڈیڑھ سو میل بہتا چلا گیا ہے۔ اس کا یہ راستہ بھی بہت خمدار ہے۔ آخر کار شمال کی طرف سے آئے ہوئے دریائے رَفینہ وزآباد کو اپنے میں شامل کرکے نَجیرَم سے ذرا جنوب میں سمندر میں گرجاتا ہے۔[2] اصطخری نے لکھا ہے کہ سَکّان کا نام ایک گاؤں کے نام پر ہے جسے سَکّ کہتے ہیں، یہ گاؤں اُس بڑے خم کے قریب ہے جو دریا نے مغرب کی طرف اختیار کیا

---

[1] ابن خرداذبہ ص ۵۲ - اصطخری ص ۱۲۲، ۱۳۱ + مقدسی ص ۴۲۲، ۴۵۵ + فارس نامہ ص ۴۷ (a) ۸۰، (b) + مستوفی ص ۱۷۲، ۲۲۶ + ابوالفدا ص ۴۴۳ + ابن بطوطہ ج ۲ - ص ۶۱ + یاقوت ج ۲ - ص ۱۹۳ + جہاں جنکان کی جگہ چیگان کاتب کی غلطی سے چھپ گیا ہے۔

[2] دریائے سَکّان کا بالائی راستہ آج کل قرا آغاچ یعنی (ترکی زبان میں) سیاہ دریا، اور زیریں گزرگاہ دریائے مَانْد کہلاتا ہے۔ سکان غالباً وہی دریا ہے جسے نیارکس (Niarchus) نے دریائے سِکتوس (Sikatus) لکھا ہے۔ دیکھو کرنل راس : پروسیڈنگس رائل جیوگریفیکل سوسائٹی ۱۸۸۳ء صفحہ ۵۱۲ +

بالکل صحرا و بے آب تھا[۱]

(۲۵۲) شیراز کسی بڑے دریا کے کنارے پر واقع نہ تھا، لیکن جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے، اُس کی نہریں مشرق کی طرف بہتی ہوئی اُس جھیل میں گرتی تھیں، جو شہر سے چند فرسخ کے فاصلے پر، سطح زمین پر ایک جگہ نشیب آجانے سے بن گئی تھی۔ اصطخری نے اس جھیل کا نام جنکان لکھا ہے۔ ابو الفداء اور ابن بطوطہ اِسے جمکان لکھتے ہیں۔ مصنف فارس نامہ اور مستوفی نے اس کا نام ماہلویہ لکھا ہے، اور آج کل اسے ماہلو کہتے ہیں۔ اس کا پانی کھاری ہے۔ اور اسی جھیل کے کنارے جو کیاریاں پانی خشک کرکے نمک جمانے کی کھدی ہوئی تھیں ان کا نمک شہر میں استعمال ہوتا تھا۔ اِس جھیل میں سے مچھلی بھی بکثرت پکڑی جاتی، اور شہر میں فروخت کی جاتی تھی۔ جھیل بارہ فرسخ مدوّر تھی، اس کے جنوبی ساحل پر کہمہ جان کا علاقہ تھا، اور جنوب شرق میں خوارستان کا شہر تھا، جسے سروستان کہتے تھے۔ اس شہر میں کھجور کے درخت خوب ہوتے تھے، اناج

---

[۱] تیرن کے نام میں بہت اختلاف ہے۔ مستوفی کی کتاب کے قلمی نسخوں میں سے تیرہ، تبرہ، ببرہ، بیرہ، تسیر یا تشیر لکھا ہے + اصطخری ص ۱۲۴+ مقدسی ص ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۵۶ + فارس نامہ ص ۷۱ (b)، (a) + یاقوت ج ۳۔ص ۴۴۹ + ج ۴۔ص ۲۵۸ + مستوفی ص ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۹، ۲۰۳ + ابن بطوطہ ج ۲۔ص ۵۳، ۷۷، ۸۷ + علی یزدی ج ۱۔ص ۴۳۷، ۵۹۴، ۶۰۹، ۶۱۳ + تخت قراچہ کے باغ کا نام اتابک قراچہ پر رکھا گیا تھا، جو اتابک چاؤلی کی ۵۱۰ھ (۱۱۱۶ء) میں موت کے بعد فارس کا حاکم ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ غالباً یہ وہی باغ تھا، جسے آج کل تخت قجر کہتے ہیں +

قیشہ از سے دس فرسخ جنوب میں دریائے سکّان شہر گوّاد یا گوّاد کے پاس سے گزرتا تھا، اور یہ شہر اُس کے بائیں کنارے کے قریب آباد تھا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ گوّاد کے مقام پر دریائے سکّان کے اس پار سے اُس پار تک ایک بندھ باندھ دیا گیا تھا تاکہ دریا کے پانی کو آب پاشی کے لئے بلند کر دیا جائے۔ اس شہر کے قرب و جوار کی چراگاہیں مشہور تھیں۔ آلو بالو اور بادام یہاں کثرت سے پیدا ہوتا تھا، اور ان کے علاوہ بڑے بڑے انار بھی یہاں ہوتے تھے۔ گوّاد کے آگے، دریائے سکّان کے بائیں کنارے پر ہی خُنبہ کا شہر تھا، جہاں مشہور فقیہ حضرت حسن بصریؒ کے بھائی سعیدؒ دفن تھے۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ گوّاد سے خُنبہ بڑا مقام تھا، اور اس کے قریب ہی تیر خدا کا مشہور قلعہ تھا۔ اس قلعہ کا یہ نام اس لئے رکھا گیا تھا کہ وہ پہاڑی کی چوٹی پر واقع ہونے کی وجہ سے دشمن کے دست رس سے باہر تھا، اور انسان کا پھینکا ہوا تیر اُس تک نہیں پہنچتا تھا۔ شہر خنبہ کے نیچے دریائے سکّان جنوب کی طرف گھوم جاتا تھا، اور ایک پیچدار راستہ اختیار کرتا ہوا صِمکان کے علاقے میں سے گزرتا تھا، اور صِمکان کا شہر اس دریا کے بائیں کنارے پر اُس جگہ واقع تھا جہاں اس کا اتصال ایک بڑے معاون دریا سے ہوتا تھا جو مشرق میں دارابجرد سے آتا تھا۔[1]

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ (b) ۷۹ (b)، ۸۰-(b)، ۸۱ (a) + یاقوت ج ۲- ص ۷۵۴ + مستوفی ص ۷۷، ۱۷۹، ۲۱۴، ۲۲۲ +

[1] اصطخری ص ۱۰۵، ۱۲۰ + فارس نامہ ص ۷۱ (b)، ۷۲ (a)، ۸۱ (a) ۸۲ (a)، ۸۶ (a) یاقوت ج ۲- ص ۳۹۹ + مستوفی ص ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۷۹ + x

ہے۔ بہرکیف دوسرے مصنفوں نے اس دریا کا نام اور طرح لکھا ہے، مثلاً سِتّجان، تکّان اور سِیکان، اور مستوفی نے اِسے اکثر زکّان یا ظکّان لکھا ہے۔ مصنف فارس نامہ اور بعد کے دوسرے مصنفوں نے اُس علاقہ کا نام جس میں سے یہ دریا گزرتا تھا، مَاصَرَم لکھا ہے اصطخری کے بیان کے مطابق دریائے تکّان رُسْتاق الرُّوَیجان سے نکلتا ہے جو جُوَیم اور خُلاّر کے جنوب میں ایک مسطح قطعہ ارض ہے۔ جُوَیم اور خُلاّر کے دو بڑے گاؤں شِیرَاز سے علی الترتیب پانچ اور نو فرسخ کے فاصلے پر، نوبَنجان جانے والی سڑک پر، دَشت اَرْژَن کے شمال کیطرف واقع تھے۔ جیسا کہ ابھی ذکر ہوا، جُوَیم کے قریب شِیرَاز والی ندیوں میں سے ایک ندی نکلتی تھی۔ مستوفی کے بیان کے مطابق خُلاّر میں چکیوں کے پاٹ خوب بنتے تھے۔ گو خود وہاں کے باشندوں کے پاس چکیاں نہ تھیں اور وہ اپنا اناج پسوانے کیلئے دوسری جگہ بھیجا کرتے تھے۔ یہاں کا شہد بھی بہت دساور کیا جاتا تھا۔ دشت اَرْژَن (یعنی کڑوے بادام والے میدان) کے وسیع اور سرسبز مرغزار مشہور تھے، اور دَشتِ اَرْژَن کی جھیل جس کی وسعت برسات کے موسم میں، ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک، دس فرسخ ہو جاتی تھی، میٹھے پانی کی جھیل تھی۔ لیکن یہ جھیل اکثر و بیشتر موسم گرما میں خشک ہو جایا کرتی تھی۔ اصطخری لکھتا ہے کہ اِس جھیل سے مچھلیاں بکثرت پکڑی جاتی تھیں، اور مستوفی نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ یہاں سے قریب کے جنگل میں شیر ببر بہت تھے[1]

(۲۵۳)

[1] جُوَیم کو بعض اوقات جُوَیْن لکھا جاتا ہے، یہ وہی مقام ہے، جسے آجکل گُوْیَم کہتے ہیں + اصطخری ص ۱۲۰، ۱۲۲ + ابن خرداذبہ ص ۴۴ + فارس نامہ ص ۷۷

جَہْرَم (یا جَہْرَم) کا شہر، جو بعض اوقات علاقہ دارابجرد میں شمار ہوتا ہے، صِمکان کے جنوب، اور کازِرین کے مشرق میں واقع ہے، اور اس کے گرد سرسبز و سیر حاصل میدان ہے۔ یہ شہر اپنے قلعہ کی وجہ سے جو شہر سے پانچ فرسخ کے فاصلے پر واقع تھا، مشہور تھا۔ اس قلعہ کا نام قلعۂ خُورشہ تھا، اور سلجوقیوں کے مشہور وزیر، نظام الملک طوسی نے اسے دوبارہ مستحکم کرایا تھا۔ اس کا اصلی بانی خُورشہ نامی ایک شخص تھا، جو اموی الخلفاء کے زمانہ میں جَہْرَم کا حاکم تھا[۱]۔ جَہْرَم کے مشرق میں جُوَیم ابو احمد کا شہر تھا، (ابو احمد کے الفاظ کا اضافہ اس لئے کیا گیا تھا تاکہ جُوَیم کے شہر سے، جو سکان کے بالائی حصہ پر واقع تھا، اسے ممیز کیا جا سکے) جُوَیم ابو احمد کے متعلق مقدسی لکھتا ہے کہ وہ ایک چھوٹے دریا پر واقع اور نخلستان سے گھرا ہوا تھا؛ اس میں ایک خوبصورت مسجد ایک لمبے بازار میں واقع تھی۔ اس شہر کے جنوب مغرب کا علاقہ اِیرَاہِستان کہلاتا تھا، اور شہر کے قریب سَمیران (یا شَمِیرَان) کا مضبوط قلعہ تھا، جسے مستوفی نے ''چوروں اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور مستوفی (ص ۱۷۷) کے مطابق معلوم ہوتا ہے کہ ایک دوسرا علاقہ بھی تھا، جسے کُورہ قباذ خُرّہ کہتے تھے، اور یہ علاقہ آرَّجان کے اوپر دریائے طِیب کے کناروں پر واقع تھا۔

[۱] اصطخری ص ۱۰۷؛ فارس نامہ ص ۶۹ (الف)، ۸۲ (ب)؛ مستوفی ص ۱۵۱، ۱۷۹؛ قلعہ کا نام مختلف قلمی نسخوں میں خرمشہ، خُورشہ، اور خَرشہ لکھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ یہی نام خرشَد اور خرشر بھی پایا جاتا ہے؛ لیکن اس قلعہ کا ذکر پرانے عرب جغرافیہ نویسوں کی کتابوں میں نہیں آیا؛

(۲۵۴) مستوفی کے بیان کے مطابق خُمکان ایک خوشنما شہر دریا کے کنارے اُس جگہ واقع تھا جہاں اس دریا کو ایک پل سے عبور کیا جاتا تھا۔ یہ عجیب و غریب بات تھی کہ اُن تمام زمینوں میں، جو پل کے شمالی جانب واقع تھیں، صرف سرد ممالک کے درخت سرسبز ہوتے تھے، مثلاً چنار اور اخروٹ؛ اور پل سے جنوب کی زمینوں میں نارنگیاں اور لیموں اور گرم ممالک کے دوسرے میوے پیدا ہوتے تھے۔ یہاں جو شراب تیار ہوتی تھی وہ اس قدر تیز ہوتی تھی کہ پینے سے قبل دُگنا یا تگنا پانی اُس میں ملانا پڑتا تھا۔ خُمکان کے قریب ہی ہِیبَرَک کا بڑا گاؤں تھا۔ یہ گاؤں خُمکان کے اعمال میں شامل تھا۔ دریائے سِکّان کے دائیں کنارے کے قریب، اور خُمکان کے علاقہ جنوب میں کاذِرین، قِیبَرہ اور اَبْزَر کے تین شہر تھے؛ اور ان کے گرد و نواح کا علاقہ ایک ساسانی بادشاہ کی یاد میں قُباذ خُرَّہ (یعنی قُباذ کی شان و شوکت) کہلاتا تھا۔ اصطخری نے لکھا ہے کہ وسعت کے لحاظ سے کاذِرین اصطخر (پرسی پولس) سے ایک ثلث تھا۔ اِس میں ایک مضبوط قلعہ تھا۔ دریائے سِکّان کا پانی اس قلعہ میں کھینچا جا سکتا تھا۔ چونکہ یہ قلعہ بڑی بلندی پر تھا اس لئے وہاں سے دُور دُور کے بہت سے قلعے نظر آتے تھے۔[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) علاقہ آج کل سِیمَاکُون کہلاتا ہے، اور اکثر غلطی سے اُسے نقشوں پر اگُون لکھ دیا جاتا ہے + دیکھو سٹیک:۔ سکس منتھس ان پرشیا ج ۲۔ ص ۲۳۲ +

[1] اصطخری ص ۱۲۵ + مقدسی ص ۴۲۲ + فارس نامہ ص ۶۷، a ۳ ، ۱۷ b ، ۸۲ ، b ۸۴ ، a + مستوفی ص ۱۷۲، ۱۷۹ + مصنف فارس نامہ فولیو ۷۸ (a)

زمانۂ وسطی میں اس ریگستان کا نام ماندِستان (یعنی ماند کا ملک) تھا، اور یہ نام آج کل بلاشک وشبہ دریائے ماند کے نام میں باقی رہ گیا ہے۔ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ آج کل نسخ کے نام کا اطلاق دریائے سکّان کے زیرین رہگذر پر ہوتا ہے۔ لاغر اور ساحل سمندر کے تقریباً بیچ میں دریائے سکّان کے اصلی دھارے میں شمال سے آکر ایک معاون دریا ملتا ہے۔ یہ فیروزآباد کا دریا تھا۔ فیروزآباد کے شہر کا نام قدیم زمانہ میں جُور تھا، اور ساسانیوں کے عہد میں یہ مقام (بعد کے زمانہ کے فیروزاز کے بجائے) اَرْدَشِیر خُرّہ کے علاقہ کا صدر مقام تھا۔ اصطخری نے بیان کیا ہے کہ یہاں کا میدان ابتدا میں ایک جھیل تھا، بادشاہ اَرْدَشِیر نے اس جھیل کے پانی کو نکلواکر زمین کو خشک کرایا، اور ایک مصنوعی ٹیلے کے گرد الطِرْبال (دیدبان) نام کا شہر بسایا، جو چوتھی (دسویں) صدی تک یہاں موجود تھا اس شہر میں ایک عمارت، جس کا ایرانی نام ایوان تھا۔ وہ ایک بڑے چبوترے پر واقع تھی۔ اصطخری کے زمانہ میں جُور وسعت میں اصطخر کے برابر تھا، شہر کے گرد فصیل اور خندق تھی، اور فصیل میں چار دروازے تھے:-
(۱) باب مِهْر، جو مشرق کی طرف کھلتا تھا، (۲) باب بہرام جو مغرب کی سمت میں تھا، (۳) باب ہُرمز، شمال میں تھا، اور (۴) باب اَرْدَشِیر جنوب کی طرف کھلتا تھا۔

جُور کا فارسی تلفظ گُور (بمعنی قبر) ہے۔ اس نام کو بنی بُویہ کے سلطان عضد الدولہ کے درباری منحوس سمجھتے تھے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ-۷۳ (b) ۸۲ (b) ۸۶ (a) مستوفی ص ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۵، ۱۷۹، ۱۸۰+ جہان نما ص ۲۶۸+ قزوینی ج ۲- ص ۱۹۲+

قزاقوں کا آشیانہ" بتایا ہے۔ گرد و نواح کی علاقے میں مشہور چراگاہ اور مرغزار تھے؛ خصوصاً وہ جو جُوَیم اور دریائے سکان کے کنارے کے درمیان واقع تھے، جہاں بند پانی کی جھیلیں اور جنگل تھے جن میں شیر ببر پھرا کرتے تھے۔ (۲۵۵)

کارِیان کا شہر، جس کے سر پر ایک مضبوط قلعہ کھڑا تھا، جُوَیم سے ایک منزل مغرب میں واقع تھا۔ یہاں ایک آتشکدہ تھا جس کی وجہ سے اس شہر کو بڑی شہرت تھی۔ یہاں مقدس آگ قدیم زمانہ سے محفوظ چلی آتی تھی اور موبد اُسے دُور و نزدیک کے شہروں میں تقسیم کیا کرتے تھے۔ قلعہ، جو ایک پہاڑی کی چوٹی پر تھا، ناممکن التسخیر سمجھا جاتا تھا۔

کارِیان سے مغرب میں، اور دریائے سکّان کے بڑے مغربی خم پر، لاغِر کا مقام تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں جب مستوفی نے اپنی کتاب لکھی ہے تو یہ شہر شیراز سے جزیرۂ قیس جانے والی کاروان کی سڑک پر ایک منزل ہونے کی وجہ سے خاص اہمیت رکھتا تھا۔ اس کے علاوہ لاغِر کا ذکر کہرجان (یا مکرجان) کے تعلق سے بھی آتا ہے؛ لیکن کہرجان آج کل نقشے پر نہیں پایا جاتا۔ لاغِر اور ساحل سمندر کے درمیان، لیکن دریائے سکّان کے دائیں کنارے پر شمال کی جانب، نجیرم اور بُوشکانات کے بیچ میں دشتِ مانِدستان واقع تھا۔ اس دشت میں نہ تو مستقل قریئے تھے اور نہ ندیاں تھیں۔ لیکن پھر بھی مستوفی لکھتا ہے کہ جب کبھی اتفاق سے بارش کافی ہوجاتی تھی تو تمام دشت میں روئی اور اناج کی فصلیں بوئی جاسکتی تھیں، اور موسم سرما کے اخیر میں اُن سے ہزار گنا منافع حاصل ہوتا تھا[۵]۔

---

[۵] اصطخری ص ۱۱۷ + مقدسی ص ۴۲۷، ۴۴۸ + فارس نامہ ص ۶۹ (b)

جس سے دریا کا پانی بآسانی شہر میں پہنچتا تھا، اسی کے نام پہ نہر بُوازَہ پڑ گیا۔ قزوینی نے لکھا ہے کہ فیروز آباد میں ایک مشہور آتشکدہ تھا؛ اور اسی مصنّف نے پانی کے اس عجیب و غریب چشمہ کا بھی ذکر کیا ہے جو شہر کے دروازہ کے قریب تھا، جس سے اوپر پانی اُبل کر نکلتا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ پھولوں میں جُور کا سرخ گلاب تمام دنیا میں مشہور تھا۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ اس شہر کے شمال کا علاقہ خُنَیفغَان یا خُنَیفقان کہلاتا تھا، اور ایرانی اس کا تلفظ خُنا فگان کرتے تھے۔ پہاڑیوں میں اس نام کا ایک بڑا گاؤں تھا، جہاں سے ایک دشوار گزار پتھریلی سڑک فیروز آباد کو گئی تھی[۱]۔

اَرْدَشیر خُرّہ کے علاقہ والا ساحل بحر سِیف (ساحل بحر) کہلاتا تھا، خلیج فارس کے کنارے تین سِیف تھے، اور یہ تینوں گرم علاقے یا جُروم تھے۔ ان سیف کے نام علی الترتیب یہ تھے:- (۱) سِیف عُمارَہ، جو جزیرۂ قیس کے مشرق میں تھا، (۲) سِیف زُھَیر، یہ سیف ایراہستان کے جنوب میں اور سیراف کے گرد واقع تھا، (۳) سِیف مُظفّر جو نَجیرم کے شمال میں تھا۔ عُمارہ، زھیر اور مُظفّر درحقیقت اُن عرب قبائل کے نام تھے جو خلیج فارس کے سامنے والے کنارے ادھر کے شمالی ساحل پر آکر صوبۂ فارس میں آباد ہو گئے تھے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں سیف عُمارہ ایک ناممکن التسخیر قلعہ کی وجہ سے مشہور تھا، جو سمندر کے کنارے

---

[۱] اصطخری ص ۱۰۵، ۱۲۱، ۱۲۳، ۱۳۲ + مقدسی ص ۴۳۲ + فارس نامہ ۷۰ (a)، ۷۲ (b)، ۷۹ (b)، ۸۲ (a) + مستوفی ص ۱۷۱، ۱۷۹، ۲۱۹ + قزوینی ج ۲- ص ۱۲۱ +

عضد الدولہ خود اس شہر میں آکر رہنا پسند کرتا تھا؛ لیکن سلطان کے زمانۂ قیام میں اہل دربار[1] کو یہ سننا کہ "ملک بگور رفت" بڑا ہی بد شگونی کا کلمہ معلوم ہوتا تھا، اس لئے جُود کا نام بدل کر فیرُوز آباد رکھا گیا، اور اسی نام سے وہ اس وقت تک پکارا جاتا ہے۔ مقدسی، جس نے متذکرہ بالا حکایت بیان کی ہے، اس شہر کے بڑے چوک (صاحبہ) اور فیرُوز آباد کے خوبصورت گلستانوں کا ذکر کرتا ہے۔ اُس نے یہ بھی لکھا ہے کہ شہر کے گرد اچھی مزروعہ زمینیں ایک دن کی مسافت تک پھیلی ہوئی تھیں۔ شہر کے لئے پانی ایک خم دار آب کش نل (سائفن) کے ذریعے سے)قریب کی پہاڑی سے لایا جاتا تھا۔ ایرانی جغرافیہ نویسوں کے بیان کے مطابق شہر سے چار فرسخ کے فاصلہ پہ قلعۂ تمُھارہ (یا شھارہ) نام ایک بڑا قلعہ واقع تھا۔ دریائے فیرُوز آباد کا نام اصطخری نے تیرزہ لکھا ہے، اور مصنف فارس نامہ اور مستوفی دونوں اسے دریائے بُرازہ (یا برارہ) لکھتے ہیں۔ یہ دریا خُنَیفغان کے علاقہ سے نکلتا تھا، اور یہ روایت یہ بھی کہ شروع میں جو رہ گزر اس دریا کا تھا، اس کو سکندر اعظم نے بدل دیا تھا؛ چنانچہ جب اُس بادشاہ نے جُود کا محاصرہ کیا تو اسی دریا کے پانی سے گرد و نواح کے عام علاقہ کو تہ آب کر دیا، اور وہ جھیل بنا دی جسے بعد میں شاہ آذر نَرسی کے عہد حکومت میں بُرازہ خرّاد منش نے خشک کر دیا۔ اس کے بعد اس نے پختہ ایک نہر بنوائی

[1] مقدسی کی تحریر (ص ۴۳۲) سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خود عضد الدولہ کو یہ جملہ ناگوار گزرتا تھا، نہ کہ اہل دربار کو۔ اور عضد الدولہ نے ہی گُور کا نام بدلکر فیروزہ آباد رکھا تھا + مترجم)

مختلف قلمی نسخوں میں قابہ یا قانہ بھی لکھا ہے، لیکن اصلی املا معلوم نہیں ہوا۔

---

[۵] اصطخری ص ۱۱۶، ۱۴۰ + ابن حوقل ص ۱۸۸ + یاقوت ج ۲۔ ص ۱۱۷ + ج ۴۔ ص ۳۳۳، ۹۷۴ + فارس نامہ ص ۴۷ (ب) + مستوفی ص ۱۷۱، ۱۴۳، ۱۸۰ + قزوینی ج ۲۔ ص ۱۶۱ + جزیرہ کا نام قَلیش، قَلِیش اور کیش لکھا جاتا ہے +

مستوفی (ص ۲۰۰) لاغر سے ھُرمُز تک سڑک کی تمام منزلیں نقل کی ہیں، لیکن چونکہ موجودہ زمانہ میں کوئی سیّاح اس راستہ سے نہیں گزرا اس لئے اس سڑک پر جو مقامات ہیں ان کے نام نقشوں پر نہیں ملتے اور نام بہت مشتبہ ہیں. فاصلے سب فرسخ میں بیان کئے گئے ہیں" لاغر سے علاقۂ فادیاب کا فاصلہ چھ فرسخ تھا، فاریاب سے صَاج (یا صاہ، جج، صَلہ، اور ان کے علاوہ اس نام کے املا کی دوسری صورتیں بھی ہیں) کے شہر کا فاصلہ چھ فرسخ، صَاج سے آب اَبنارِ کِناد کا فاصلہ پانچ فرسخ، آبِ اَبنَادِ کِنار سے ھَرَم (یا سِیرَم یا مَرْ مَنْز) کا فاصلہ پانچ فرسخ تھا، ھَرَم سے بڑی چڑھائی کے متعدد دَرّوں کو عبور کرنے کے بعد چھ فرسخ کے فاصلے پر دارُوک (یا دارزک، اُوزک یا دَاوُرک) کا گاؤں تھا دَارُوک سے چھ فرسخ آگے مَاھَان (ھَامان یا مَایان) تھا، اور مَاھان سے دَرّہ رَہدَک ہوتے ہوئے ساحل بحر پر ھُرمُز تک کا فاصلہ جو سمندر کے کنارے پر تھا، چھ فرسخ تھا۔" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مستوفی جس علاقہ کو فادیاب کہتا ہے وہ باراب کا علاقہ ہے، جو مقدسی (ص ۴۵۴) کے مطابق کاریان اور کُرزان کے درمیان واقع تھا۔ صَاج کا شہر ایک معمّہ ہے، کیونکہ اس علاقہ میں اس نام کا شہر کوئی معلوم نہیں ہوتا، لیکن شائد بجائے صَاج کے ہم کو جَہرم پڑھنا چاہئے (اصطخری ص ۱۰۶)۔ خرابی یہ ہے کہ اس سڑک کا ذکر نہ تو مصنّف جہان نما نے کیا ہے، اور نہ اس کا تذکرہ کسی عرب جغرافیہ نویس کی کتاب میں ملتا ہے۔ ساحل بانی الصّفاد کا تطابق

واقع تھا، اور اُس کا نام قلعۃ الدِّیکدان (یا دیکبایہ) تھا؛ اُسے حصن ابن عمارہ بھی کہتے تھے۔ یہاں بیس جہاز بحفاظت تمام (بلا خوف طوفان وغیرہ) لنگر انداز ہوسکتے تھے۔ قلعہ میں داخل ہونے کی صرف ایک سبیل تھی کہ قلعہ کی دیوار پر ایک ڈرنا نصب تھا، اسی میں لوگ بیٹھتے، اور اوپر اٹھائے جاتے تھے یا نیچے اتار دیئے جاتے تھے۔ اس سے تھوڑے فاصلے پر مغرب کی سمت میں جزیرہ قیس (یا ایرانی طرز تحریر کے مطابق جزیرۂ کیش تھا)۔ چھٹی (بارھویں) صدی کے دوران میں یہ جزیرہ مقام سیراف کی تباہی کے بعد جس کا ذکر آگے آیگا خلیج فارس کا تجارتی مرکز بن گیا۔ جزیرۂ قیس میں ایک بڑا فصیلوں والا شہر تعمیر کیا گیا، جس میں پانی کے بڑے بڑے تالاب بنائے گئے تھے۔ قریب کے ساحلوں پر مشہور و معروف موتی نکالنے کے مقام تھے۔ ہندوستان اور عرب کے آئے ہوئے جہاز یہاں بکثرت موجود رہتے تھے۔ تمام جزیرہ پر نخلستان پھیلے ہوئے تھے۔ قزوینی لکھتا ہے کہ موسم گرما میں یہاں ایک حمام کے گرم ترین کمرے سے زیادہ گرمی ہوتی تھی۔ لیکن باوجود اس کے قیس بہت معمور و آباد شہر تھا۔ جزیرہ ساحل کے اُس مقام سے تقریبًا چار فرسخ کے فاصلے پر تھا، جہاں جہاز میں سوار ہونے کا بندرگاہ ھُزُو واقع تھا۔ ساتویں (تیرھویں) صدی میں اس مقام تک قافلوں کی ایک سڑک شِیَّراز سے لاغِر ہوتی ہوئی پہنچتی تھی۔ یاقوت نے جب اپنی کتاب لکھی ہے تو ھُزُو بہت کچھ تباہ ہو چکا تھا، لیکن بنی بُوَیہ کے زمانہ یعنی چوتھی (دسویں) صدی میں وہ ایک مستحکم قلعہ رہ چکا تھا، اور بنی بُوَیہ نے اُسے ملکی مجرموں کا محبس قرار دیا تھا۔ اس شہر کے قریب ہی مَاوِیَہ کا گاؤں تھا (جس کا املا

ہے کہ سیراف وسعت و شان کے لحاظ سے تقریباً شیراز کے برابر تھا۔ یہاں کے مکانات ساگوانی لکڑی کے ہوتے تھے۔ یہ لکڑی زنج کے ملک سے (جسے اب زنجبار کہتے ہیں) لائی جاتی تھی یہ مکانات کئی کئی منزل کے ہوتے تھے، اور اس طرح تعمیر کئے جاتے تھے کہ ان پر سے سمندر نظر آسکے اسی مصنف نے لکھا ہے کہ اس کے ایک تاجر دوست نے یہاں اپنا مکان بنانے میں (۳۰،۰۰۰) دینار تقریباً ۱۲۵۰۰۰ روپیہ) صرف کئے تھے۔ سیراف کے سوداگر تمام فارس میں سب سے زیادہ دولتمند سمجھے جاتے تھے۔ چنانچہ یہاں تجارت سے چھ کروڑ دینار (تقریباً ۰۰۰،۰۰۰،۳ روپیہ) کمایا گیا تھا۔ سیراف کے شہر کے گرد باغ نہیں تھے، اور میوے اور دیگر پیداوار یہاں جم سے لائی جاتی تھی، جہاں سمیران نام کا ایک بڑا قلعہ تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ سیراف تجارت کے لحاظ سے بصرہ کا حریف تھا، یہاں کے مکانات بہترین تھے، جو اس کی نظر سے کہیں گزرے؛ لیکن ایک زلزلہ نے جس کا سلسلہ برابر سات دن تک جاری رہا، اس شہر کا ایک حصہ تباہ کردیا تھا۔ یہ زلزلہ ۳۶۶ھ یا ۳۶۷ھ (۹۷۷ء) میں آیا تھا۔ بنی بویہ کے زوال پر اس شہر کا زوال بھی شروع ہوگیا۔ مصنف فارس نامہ نے لکھا ہے کہ اس کی آخری تباہی جزیرہ قیس کے حاکم رکن الدولہ خمار تگین کے ہاتھوں اس طرح ہوئی کہ اس نے جزیرہ قیس کو ایسا بندرگاہ قرار دیا جہاں پر جہاز کو ٹھیرنا ضروری ہو، گو اپنے جنگی جہاز اب بھی وہ سیراف ہی میں تیار کراتا رہا۔ جب ساتویں (تیرھویں) صدی کے آغاز میں یاقوت اس جگہ آیا ہے تو صرف مسجد، جس کے ستون ساگوانی لکڑی کے تھے، سلامت رہ گئی تھی۔ شہر کے

سمندر کے کنارے کنارے سِیف عُمارہ کے مغرب کی جانب، سِیف زُہَیر تھا، اس ساحل کا سب سے بڑا شہر گنّاوہ تھا جو اندرون ملک واقع تھا۔ سِیراف اور نابَند اس کے مشہور بندرگاہ تھے۔ یہ علاقہ دریائے سگّان کے دہانے سے پرے نجیرام تک چلا گیا تھا۔ اس سے اندر کی طرف ایراھستان کا علاقہ تھا۔ اصطخری نے لکھا ہے کہ گنّاوہ میں ایک خاص قسم کی مٹی ہوتی تھی، جو کھائی جا سکتی تھی۔ اس کا رنگ سبز اور ذائقہ چقندر کا سا ہوتا ہے۔ مستوفی نے گنّاوہ کو ایراھستان کے علاقہ میں شمار کیا ہے، اور لکھا ہے کہ وہاں کی زمین میں صرف کھجوریں پیدا ہوتی تھیں۔ گنّاوہ سے بالکل جنوب کی طرف نابَند کے بندرگاہ سے تھوڑی ہی فاصلہ پر سِیناالد کا شہر اور علاقہ تھا۔ نابَند کا بندرگاہ ایک کھاڑی کے سرے پر، جسے خور یا خلیج نابند کہتے تھے، واقع تھا۔ مستوفی لکھتا ہے کہ سیناالد میں انگور بافراط ہوتا تھا، اور اس کے علاوہ گرم ممالک کے دوسرے میوے بھی ہوتے تھے۔ یہاں کے کاریگر بھی ہوشیار مشہور تھے[1]۔

سمندر کے ساحل پر جانب شمال، نابَند سے شمال مغرب میں، سِیراف کا بندرگاہ تھا۔ جزیرہ قَیس کے عروج سے قبل چوتھی (دسویں) صدی میں سِیراف کا بندرگاہ خلیج فارس پر سب سے بڑا تجارتی مقام تھا۔ اصطخری لکھتا

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:۔ اگر اصطخری (ص ۱۴۱) اور یاقوت (ج ۳۔ص ۲۱۷) کے بیانات پر بھروسہ کیا جائے تو، سِیف عُمارہ سے ہوتا ہے +

[1] اصطخری ص ۱۰۴، ۱۴۱، ۱۵۲ + یاقوت ج ۱۔ ص ۴۱۹ + ج ۳۔ ۴۸۹ + ج ۳۔ ۲۱۲، ۲۱۷ + مستوفی ص ۱۷۳، ۱۷۳ + ابوالفداء ص ۲۲۲ +

علاقۂ ارّجان کی سرحد کے قریب شاپور کا دریا تنگ گھاٹیوں میں سے نکل کر کھلے میدان میں آیا ہے، اور اس کے دہانے سے تھوڑی دور پر، غالباً اُس مقام سے شمال میں، جہاں اس دریا کا دریائے جرّہ سے اتصال ہوتا ہے (جس کا ذکر آئندہ آئیگا) تَوّاج یا تَوَّز کا بڑا تجارتی شہر ضرور واقع ہوگا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں اصطخری نے لکھا ہے کہ یہ مقام وسعت میں تقریباً ارّجان کے برابر تھا۔ اس کی آب وہوا بہت گرم تھی۔ وہ نشیب زمینوں پر ایک درّے میں واقع تھا۔ کھجور کے درخت یہاں بافراط ہوتے تھے۔ تَوّاج تجارت کا ایک بڑا مقام تھا یہاں کے سوتی کپڑے، رنگا رنگ کے جن میں کلابتوں کے گل بوٹے ہوتے تھے، مشہور تھے۔ دریائے شاپور، جو شہر کے پاس سے گزرتا تھا، اکثر دریائے تَوّاج بھی کہلاتا تھا؛ اور شہر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس میں زیادہ تر شامی عرب آباد تھے، جن کو بنی بُویہ کا سلطان، عضد الدولہ یہاں لایا تھا۔ چھٹی (بارھویں) صدی کے آغاز میں ہی تَوّاج بہت بوسیدہ و ویران تھا۔ اس کی جائے وقوع کا ٹھیک ٹھیک تعین نہیں ہوسکا۔ لیکن اتنا معلوم ہے کہ دریائے شاپور کے کنارے یا اُس کے نزدیک، یہ شہر ایک درّے میں واقع تھا، اور ساحل کے شہر جنّابہ سے بارہ فرسخ، اور اُس درّے سے جو کازرون سے پیچھے کی طرف آیا ہے، چار فرسخ تھا۔ اسلامی فتوحات کے وقت تَوّاج ایک مشہور مقام تھا، اور اُسی زمانہ کی ایک مسجد بھی اُس میں تھی۔ لیکن جب مستوفی نے اپنی کتاب لکھی ہے تو یہ شہر بالکل ویران ہوچکا تھا۔

اسی نواح میں، علاقۂ دشت بارین کا بڑا شہر، غندِ یجان واقع تھا۔ غندِ یجان، جس کے بظاہر اب کھنڈر تک باقی

کھنڈروں کا پتہ البتہ اگر سمندر کی جانب سے دیکھو تو سمندر کے قریب، جو تنگ پہاڑی درہ ہے، وہاں تک چلتا ہے۔ اس زمانہ میں چونکہ سیراف کا بندرگاہ ریت سے اَٹ گیا تھا اس لئے جہاز سیراف میں دم نہ لیتے تھے، بلکہ سیدھے نابند کو قیام کرنے کے لئے چلے جاتے تھے۔ یاقوت نے یہ بھی لکھا ہے کہ اُس کے زمانہ میں سیراف کے رہنے والے اس نام کا تلفظ شِیلاؤ کرتے تھے۔

نجیرم، جو سیراف سے مغرب کی جانب خاصا بڑا بندرگاہ تھا، دریائے سکان کے دہانے سے آگے بڑھ کر سیف مُظَفَّر کے سرے پر واقع تھا۔ یہ سیف کوہِ اَرجان کے مقام جنّابہ تک پھیلا ہوا تھا۔ جب مقدسی نے اپنی کتاب لکھی ہے تو نجیرم میں دو مسجدیں تھیں؛ اُس کے بازار عمدہ تھے، اور بارش کا پانی ذخیرہ کرنے کے لئے بڑے بڑے حوض تھے۔ دَستقان کا علاقہ بھی سیف مُظَفَّر میں شامل تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں اُس علاقہ کا بڑا شہر صفّارہ کہلاتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ دَستقان کا علاقہ جنّابہ کے قرب و جوار میں تھا۔ لیکن شہر صفّارہ کا اصل موقع نامعلوم ہے۔[۱]

۱۔ ممکن ہے کہ علاقۂ دَستقان وہی ہو جسے سِیف بنی الصفّار کہتے تھے، اور جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے + اصطخری ص ۳۴، ۱۰۶، ۱۲۷، ۱۴۱، ۱۵۴ + مقدسی ص ۴۰۲، ۴۲۶، ۴۲۷ + فارس نامہ ۳ ۷ (b) ۴۷ (a) + یاقوت ج ۳۔ ص ۲۱۱، ۲۱۷ + مستوفی ص ۱۷۲ + کیپٹن سٹف (Stiffe) نے جے۔ آر۔ جی۔ ایس ۱۸۹۵ء ص ۱۶۶ میں سیراف کے کھنڈروں کا حال لکھا ہے +

گرم علاقہ تھا۔[۱]

جزیرۂ خارک، جو دریائے شاپور کے دہانے کے پرے واقع تھا، علاقۂ اَرْدشیر خُرّہ میں شامل، اور بصرہ سے جزیرۂ قَیس اور ہندوستان جانے والے جہازوں کے ٹھیرنے کا بندرگاہ تھا۔ یاقوت نے جزیرہ خارک دیکھا تھا۔ اُس نے لکھا ہے کہ اِس کی پہاڑیوں سے علاقۂ اَرَّجان کے ساحل کا شہر جنّابہ اور مہروبان نظر آتے تھے۔ اِس جزیرہ کی زمین زرخیز تھی، جس میں بہت سے میوے ہوتے تھے، اور کھجور کے درخت یہاں خوب پھلتے پھُولتے تھے۔ قریب کے سمندر میں موتی نکالنے کا ایک مقام تھا جو تمام ایسے مقامات میں بہترین تھا۔ ہمارے مصنفوں نے جزیرہ خارک کے علاوہ

---

[۱] مقدسی، یاقوت، اور اُن کے علاوہ دوسرے پُرانے مصنف، لکھتے ہیں کہ دَشت بارِین شہر کا نام تھا، اور غَنْدَ لیجان علاقہ کا۔ لیکن مشکل معلوم ہوتا ہے کہ شروع زمانہ میں یہ کیفیت ہو، کیونکہ خود دَشت بارِین کے نام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان الفاظ کا اطلاق ایک شہر پر نہیں ہوسکتا۔ ایشیا میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک علاقہ یا صوبہ کا نام اُس کے صدر مقام کو دیا جاتا ہے؛ اِس قاعدہ کے مطابق ممکن ہے کہ جب غَنْدَ لیجان کا نام متروک ہوگیا تو دَشت بارِین کے نام نے اُس کی جگہ لے لی ہو، اور اُس لیے بلاتمیز اِس نام کا اطلاق شہر اور علاقہ دونوں پر ہونے لگا ہو، جیسا کہ مستوفی نے بعد میں لکھا ہے، اگرچہ اُس نے بھی خیال بجائے دَشت بارِین اور غَنْدِ لیجان کے متعلق بالکل برعکس ظاہر کیا ہے۔
ص ۱۰۶، ۱۲۸، ۱۳۰، ۱۵۲، ۱۵۴ + مقدسی ص ۴۲۲، ۴۲۳۔

نہیں رہے، اس کے جاء وقوع کے متعلق مصنف فارس نامہ نے لکھا ہے کہ وہ جِرّہ سے چار فرسخ، اور توّاج سے بارہ فرسخ تھا۔ اسی مصنف نے لکھا ہے کہ دریائے جِرّہ کا شہر غندِ یجان کے ایک حصّہ کے پاس سے بہتا ہوا گزرا تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں کہا جاتا ہے کہ غندِ یجان کا شہر وسعت میں اصطخر (پرسی پولس) یا جنّابہ کے برابر تھا۔ قالین اور نقاب یہاں تیار ہوتے تھے، اور یہ علاقہ گرم اقلیم میں شمار ہوتا تھا۔ مقدسی نے غندِ یجان کی پہاڑیوں میں ایک ندی کا ذکر کیا ہے کہ اس میں سے گرم زہریلے بخارات اٹھتے تھے، جن کی وجہ سے کوئی اس کے قریب نہ جا سکتا تھا، اور پرندے جو اڑتے ہوئے اس پر سے گزرتے تھے دم گھٹ کر مرجاتے تھے۔ لیکن اس ندی کے علاوہ وہاں اور گرم معدنی چشمے بھی تھے، جن میں غسل کرنے کے بعد مریض صحت یاب ہوجاتے تھے۔ مستوفی کے بیان کے مطابق غندِ یجان میں زیادہ تر موچی اور جُلاہے آباد تھے، اور اس کے زمانہ میں غندِ یجان کے نام کا اطلاق عام طور پر علاقہ دشت بارِین پر ہوا کرتا تھا۔ اس کے نزدیک ہی ایک مستحکم قلعہ تھا، اس کا نام قلعہ رَام حاوِن (یا دَمِ وارَن اس کی اور بھی بہت سی مختلف شکلیں ہیں) تھا۔ یہاں پانی جمع کرنے کے لئے بڑے بڑے حوض کھودے گئے تھے۔ غندِ یجان اور ریگستان مَانِدِستان کے درمیان علاقہ بوشکانات، نجیرم کے شمال میں، واقع تھا۔ مستوفی لکھتا ہے کہ اس علاقہ میں شہر نہ تھے، لیکن کھجوریں پیدا ہوتی تھیں، اور یہی اس علاقہ کی بڑی پیداوار تھی، کیونکہ بوشکانات خلیج کا

خلیج فارس کے تنگنائے کے قریب کا جزیرہ جسے آج کل کِشم اور جزیرہ طویلہ (لمبا جزیرہ) کہتے ہیں، غالباً وہ جزیرہ ہے جسے زمانۂ وسطیٰ کے مصنف مختلف نام دیتے ہیں یعنی نبی (یا ابن) گوان، اَبَرکافان اور اَبَرکمان۔ ممکن ہے کہ ناموں کا یہ فرق محض قلمی نسخوں میں کتابت کے اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوگیا ہو۔ یاقوت لکھتا ہے کہ یہ جزیرہ لافت کہلاتا تھا۔ جزیرہ خاسِک، یا جاسِک اُس کے قریب کے جزیروں میں تھا، یا ممکن ہے کہ خاسِک یا جاسِک دراصل کِشم (جزیرہ طویلہ) ہی کا دوسرا نام ہو۔ جزیرہ لافت میں بڑے جفاکش ملّاح آباد تھے؛ اور قزوینی لکھتا ہے کہ یہ لوگ کثرت سے لوٹ مار اور سمندر میں قزاقی کیا کرتے تھے ان میں ہر جزیرہ کے قریب موتی نکالنے کے گھاٹ تھے، لیکن یہ جزیرے سوائے مچھلی پکڑنے کے موسم کے اکثر غیر آباد پڑے رہتے تھے۔ کِشم سے آگے مشرق کی طرف ھُرمُز (اُرمُز) کا جزیرہ تھا۔ چونکہ یہ جزیرہ کرمان میں شامل ہے، اس لیے اس کا ذکر اُس باب میں ہوگا جس میں صوبہ کرمان کے حالات بیان کیے جائینگے[1]۔

---
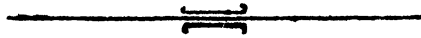
[1] اصطخری ص ۳۲ + ابن خردادبہ ص ۶۱ + بلاذری ص ۳۸۶، ۳۸۷ + یاقوت ج ۱-ص ۳۹۵، ۵۰۳ + ج ۲-ص ۳۸۷، ۵۲۷ + ج ۴-ص ۳۴۱، ۳۴۲ + مستوفی ص ۱۸۱، ۲۲۲ + قزوینی ج ۲-ص ۱۱۷ +

خلیج فارس کے بہت سے جزیروں کا تذکرہ کیا ہے کہ وہ سب علاقہ اَرْدَشِیْرِ خُرّہ میں شامل تھے۔ لیکن تجارتی لحاظ سے قَیس اور خارِک کے دو جزیرے ان میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتے تھے؛ باقی جن جزیروں کا ذکر کیا گیا ہے اُن میں سے بعض کا پتہ لگانا اب مشکل ہے۔ عرب کے ساحل پر جزیرۂ اُوال، بحرین کے جزائر میں سب سے بڑا تھا، اور صدرِ اسلام کے فتوحات کی ضمن میں اس کا ذکر آتا ہے۔ بوشہر کا ذکر (جسے آج کل انگریزی میں بُوشائر کہتے ہیں) سب سے پہلے یاقوت کی کتاب میں نظر آتا ہے، اور امام بَلاذُری کی تحریر کے مطابق اس کے بالمقابل ساحل پر تَوَّاج کا رِیشَہر یا رَاشَہر واقع تھا۔ جسے جزیرہ کولاوان (الاَن، لاَن یا لاَر۔ اس نام کی مختلف صورتیں ہیں) کہتے تھے، مقامات کے جو فاصلے بیان ہوئے ہیں اگر ان سے اندازہ لگایا جائے تو غالباً وہی جزیرہ ہے جسے آج کل جزیرہ شیخ شُعَیب کہتے ہیں، اور جو جزیرہ قیس کے مغرب میں واقع ہے۔ جزیرۂ اَبَرْوَان بلا شک وشبہ وہی ہے، جسے آج کل هِنْدَرابی کہتے ہیں، اور جو چاپَن (یا خَاپَن) کی طرح قَیس کے قریب ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:- ۳۲ ہ، ۳۵ ہ، ۵۴ ہ، ۸۴ ہ + فارس نامہ ۷۳ (a)، ۷۶ (a)، ۷۹ (b)، ۸۴ (b)، ۸۶ (a)، + مستوفی ص ۱۷۱، ۱۷۷، ۱۷۹، ۲۱۸ + یاقوت ج ۱- ص ۱۹۹، ۸۹۰ + ج ۲- ص ۵۷۶ + ج ۳- ص ۸۲۰،۵ + ابتدائی زمانہ کے جغرافیہ نویس اکثر تَوّاج کو علاقہ شاپور خُرّہ میں شامل کردیتے ہیں۔

تھا۔[۱] اور زیادہ تر وہ شہرستان، یعنی "حدود حکومت شہر" یا "دار الحکومت" کے نام سے مشہور تھا۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ شاپور کا شہر اُس کے زمانہ میں ازروۓ وسعت اصطخر کے برابر، اور آبادی میں اُس سے بڑا تھا؛ لیکن مقدسی نے چوتھی (دسویں) صدی کے نصف آخر میں لکھا ہے کہ شہر اُسی زمانہ میں ایک بڑی حد تک ویران ہوچکا تھا اور اُس کے باشندے قریب کے شہر کازِرُون کو، جو اُس وقت ترقی پر تھا، منتقل ہوگئے تھے۔ بہرکیف اُس وقت بھی شاپور ایک دولتمند مقام ضرور تھا، کیونکہ اُس کی زمینوں میں نیشکر، زیتون اور انگور بافراط پیدا ہوتا تھا؛ اور پھل پھول، جیسے انجیر، چنبیلی، اور خربوب ہر طرف نظر آتے تھے۔ اُس کا قلعہ دُنبلا کہلاتا تھا۔ فصیل شہر میں چار دروازے تھے:- (۱) باب ہُرمُز، (۲) باب مِہر، (۳) باب بَہرام، (۴) باب شہر+ شہر کے باہر ایک جامع مسجد تھی، اور ایک دوسری مسجد، مسجد الخضر تھی۔ چھٹی (بارھویں) صدی کے شروع میں مصنف فارس نامہ نے لکھا ہے کہ شاپور بالکل ویران ہوگیا تھا۔ اور اس کے دو صدی بعد، آٹھویں (چودھویں) صدی میں، جب مستوفی نے اپنی کتاب لکھی ہے تو شاپور، یا بشاپور کے نام کا اطلاق قریب کے علاقہ کازِرُون پر ہونے لگا تھا۔

[۱] قلمی نسخوں میں یہ نام عام طور (لیکن غالباً غلطی سے) نشاپور یا نیشاپور لکھا گیا ہے۔ بشاپور اصل میں بہ شاپور ہے۔ اس شہر کا پرانا نام وِہ شاپور (یعنی اچھا شاپور) یا "فضیلتِ شاپور" ہے۔ بہ کا لفظ بعض دوسرے اسماء اماکن کے ساتھ لگایا جاتا ہے، جیسے بہ اردشیر یا بہ (؟)، گواشیر دیکھو اس کتاب کا باب +

باب شانزدہم

فارس (جاری)

علاقۂ شاہ پور خُرّہ ۔ شہر شاہ پور اور غار۔ دریائے رَتِیْن ۔ نَو بَنْجان ۔ سَفید قلعہ اور شعب بَوّان ۔ کردوں کے زَمّ ۔ کازرُون اور اُس کی جھیل ۔ دریائے اِخشِین اور دریائے جَرہ شِیک ۔ جَرّہ اور پُل سبُوک۔ علاقۂ اَرّجان اور اَرّجان کا شہر۔ دریائے طاب ۔ بِھبَہان ۔ دریائے شِیرِین ۔ گنبد مَلغان ۔ مَہرُبان ۔ سِیْنِیز اور جنّابہ۔ دریائے شاذکان ۔

سابُور خُرّہ یعنی سابُور کی شان و شوکت (سابور کے متعلق ہم کہہ آئے ہیں کہ یہ فارسی نام شاپُور کی معرب شکل ہے) فارس کے پانچ کوروں یا علاقوں میں سب سے چھوٹا تھا، اور اُس کی حدود اُس حصۂ ملک کے اندر آجاتی تھیں جس کا کل پانی دریائے شاپُور کے بالائی گزرگاہ اور اس کے معاون دریاؤں میں جا گرتا تھا۔

ابتدائی زمانہ میں علاقۂ سابور خُرّہ کا بڑا شہر شاپُور تھا، جس کا نام ابتدا میں بشاپُور

کا تھا اور قدم کی بلندی گیارہ ذرع تھی[1]۔

دریائے شاپور کے بالائی حصہ کو عرب جغرافیہ نویس نہر رَتِین کہتے تھے؛ اور یہ دریا خُما یجان اعلیٰ یا خُماکگان کے علاقہ سے آتا تھا، جس کے بڑے قریوں میں سے، مستوفی کی تحریر کے مطابق، ایک قریہ دِیَاہ علیؔ تھا۔ خُمایجان اسفل کورہ اصطخر میں (یعنی پرسی پولس کا علاقہ جس کا حال اگلے باب میں بیان ہوگا) شمار ہوتا تھا۔ خُمایجان اسفل کا علاقہ بَیضا کے گرد دریائے کُر کے ایک معاون پر واقع تھا۔ اور دونوں اعلیٰ و اسفل خُمایجان میں سرد کوہستانی ملک کی چیزیں، جیسے اخروٹ اور انار، پیدا ہوتے تھے؛ اور یہاں سے نہایت عمدہ شہد دساور کیا جاتا تھا۔ یہاں کے رہنے والے زیادہ تر اُستریان (خچر والے) تھے، جو قافلوں کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے۔ خُمایجان کے مغرب کی طرف اَنْبیران کا علاقہ تھا، جس میں اَلنُّوبَندجان کا شہر واقع تھا، جسے نُوبَندگان یا نوبِنْجان بھی کہتے تھے۔ اصطخری نے جب اپنی کتاب لکھی ہے تو یہ مقام کازِرُون سے بڑا تھا؛ اس کی آب وہوا گرم تھی، اور کھجور کے درخت یہاں اُگتے تھے۔ مقدسی نے یہاں کے عمدہ بازاروں اور باغوں کا ذکر کیا ہے، جن میں پانی کثرت سے دستیاب ہوتا تھا۔ یہاں کی مسجد کا بھی اُس نے تذکرہ کیا ہے۔ سلجوقیوں کے زمانہ میں نُوبَندجان

---

[1] ابن حوقل ص ۱۹۴، + مقدسی ص ۴۳۲، ۴۴۴ + فارس نامہ ص ۶۷، (b) ۷۵، (a) اس صفحہ پر شہر کا نام بِشاوُور اور بِیشاپُور لکھا گیا ہے + مستوفی ص ۱۵۷، ۱۷۶ + سی لے، ڈی بوڈ (De Bode) (Travels in Luristan) (لندن ۱۸۴۵ء)۔ ج ۱۔ ص ۲۱۴ +

ظاہر ایسا ہوتا ہے کہ مستوفی کو دریائے شاپور کا نام شہریار رود معلوم تھا اور اس نے لکھا ہے کہ اس شہر کا نام اساطیری بادشاہ تہمورث دیوبند کے نام پر جو اس شہر کا پہلا بانی تھا، دینلاد رکھا گیا تھا۔ بعد کے زمانہ میں اسکندر اعظم نے اس کو تباہ کیا، شاپور نے اسے دوبارہ تعمیر کرایا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ اس تعمیر کے بعد اس کا نام بنا شاپور ہوگیا، اور آخر میں یہی نام ناشاپور یا بشاپور ہوگیا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں اس کی زرعی پیداوار مشہور تھی۔ سوسن، بنفشہ، چنبیلی اور نرگس یہاں افراط سے ہوتا تھا۔ ریشمی کپڑا بہت بنا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ مستوفی نے بادشاہ شاپور کے مشہور عظیم الشان بت کا ذکر کیا ہے، جو کھنڈروں کے قریب ایک غار میں تھا۔ اس کے متعلق اس نے لکھا ہے کہ وہ "انسان کے قد سے اونچا ایک آدمی کا سیاہ بت ہے، اور یہ بت ایک ہیکل میں کھڑا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ ایک طلسم ہے، اور بعض یہ کہتے ہیں کہ وہ ایک معمولی آدمی ہے جسے خدا نے پتھر کا بنا دیا ہے۔ اس ملک کے بادشاہ اس بت کو دیکھنے آیا کرتے تھے، اور تعظیماً اس بت پر تیل ملتے تھے۔" چوتھی (دسویں) صدی ہی میں مقدسی نے اس غار کا تذکرہ کیا ہے، اور لکھا ہے کہ وہ نوبندجان کے شہر سے ایک فرسخ کے فاصلے پر تھا۔ شاہ پور کے عظیم الشان بت کے متعلق اس نے لکھا ہے کہ بت کے سر پر تاج تھا، اور وہ غار کے دہن پر نصب تھا۔ غار میں پانی ہر وقت گرتا رہتا تھا، اور تند و تیز ہوا چلتی رہتی تھی۔ بت کے قدموں کے نیچے پتھر پر "تین سبز پتوں کی شکل کھدی ہوئی تھی۔ بت کا پاؤں دس بالشت

تھے۔ مقدسی نے غالباً اس کا تذکرہ قصر ابو طالب کے نام سے کیا ہے، اور لکھا ہے کہ وہ عَیّان کہلاتا تھا۔ مصنف فارس نامہ نے لکھا ہے کہ قلعۂ سَفِید کو سلجوقیوں کے ابتدائی زمانہ میں تیرہ مُرحان کے کسی شخص ابو نصر نے دوبارہ تعمیر کرایا تھا۔ اسی مصنف نے بیان کیا ہے کہ چھٹی (بارھویں) صدی کے آغاز میں یہ قلعہ سلجوقیوں ہی کے حاکم کے قبضہ میں تھا۔ پہاڑ کی سطح چوٹی کا دور بیس فرسخ تھا، اور صرف ایک سڑک وہاں تک گئی تھی۔ اس سڑک کی حفاظت کے لئے دِزک نِشناک نام کا ایک قلعہ نیچے بنا ہوا تھا۔ پہاڑ کی چوٹی ایک ہموار میدان کی شکل رکھتی تھی جس میں بہت سے چشمے اور باغ تھے۔ یہاں میوہ بافراط پیدا ہوتا تھا۔ تیمور نے آٹھویں (چودھویں) صدی کے اختتام کے قریب قلعۂ سَفید کا محاصرہ کیا، اور اسی محاصرہ کی وجہ سے تاریخ میں اس قلعہ کا نام مشہور ہوا۔ تیمور جب بہبہان سے شیراز کی طرف بڑھا ہے تو رستہ میں صرف دو دن کے محاصرہ کے بعد اس قلعہ کو اس نے حملہ کرکے فتح کرلیا تھا۔[1] یہ واقعہ ۷۹۵ھ (۱۳۹۳ء) کے موسم بہار کا ہے۔

نَوبَنجان سے ایک منزل مشرق میں، شیراز جانیوالی سڑک پر، تیرہ مُرداں کا چھوٹا سا شہر تھا، جس کے گرد چھ گاؤں تھے۔ ان میں سب سے بڑا گاؤں کَہجَن (یا جَبرکن) نوبنجان سے پانچ فرسخ تھا۔ گرد و نواح کا علاقہ خوب شاداب اور زرخیز تھا، اور شہد بڑی مقدار میں یہاں سے دساور کیا جاتا تھا۔ نوبنجان کے مغرب میں اَرَّجان جانے والی سڑک

---

[1] اصطخری ص ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۲۰، ۱۲۷ + مقدسی ص ۴۴۴، ۴۳۷، ۴۴۷ +

ویران ہوگیا، لیکن پانچویں (گیارھویں) صدی میں مشہور اتابک امیر چاولی نے اِسے دوبارہ تعمیر کرایا۔[1]

نوبنجان سے دو فرسخ کے فاصلے پر وہ مشہور وادی شروع ہوتی تھی جسے مسلمان دنیا کی چار بہشتوں میں سے ایک بہشت سمجھتے تھے۔ اِس وادی کا نام شعب بَوَّان تھا جس کا پانی بہہ کر گُوَرْکَہ اصطخر کے دریائے کُر میں گر جاتا تھا۔ اس وادی کا طول ساڑھے تین فرسخ اور عرض ڈیڑھ فرسخ تھا۔ اور اس کی زرخیزی کا مقابلہ کسی دوسرے علاقہ سے نہیں ہوسکتا تھا۔ مستوفی لکھتا ہے کہ اس کی زرخیزی کی وجہ یہ تھی کہ وادی کے دونوں طرف ایسی پہاڑیاں تھیں جہاں موسم سرما کا برف جمع رہتا تھا، یہ برف گرمی کے موسم میں پگھل کر وادی میں آتا تھا، اور اس طرح گرما کے خشک موسم میں بھی یہاں پانی ہر وقت میسّر رہتا تھا۔

نَوبَنجَان کے شمال مشرق میں دو فرسخ کے فاصلے پر ایک زبردست کوہستانی قلعہ تھا، جسے قلعۂ سَفِیدُ اور اِسْفِید دز یا قلعۂ اِسْفَنْدِ یار کہتے تھے۔ یہ قلعہ ایک پہاڑ کی سطح چوٹی پر کئی میل کے دَور میں بنا ہوا تھا۔ اور باہر کے رُخ اُس کی دیواروں کے نیچے سخت پہاڑی نشیب

---

[1] امیر چاولی کا تذکرہ (جس کا نام اکثر جاؤلی بھی لکھا جاتا ہے) مصنف فارس نامہ اور مستوفی نے فارس کے شہروں اور قلعوں کے دوبارہ تعمیر ہونے، یا دریا کے بندوں کے دوبارہ بنائے جانے کی ضمن میں اکثر کیا ہے۔ یہ امیر چاولی، سلطان محمد سلجوقی کی طرف سے فارس کا حاکم تھا۔ اتابک چاولی سقاؤہ (جس کے معنی باز کے ہیں) کو فخرالدولہ کا خطاب دیا گیا؛ اور اس اتابک نے تقریباً بیس برس تک کرمان اور فارس کے صوبوں پر نیم خود مختارانہ حکومت کر کے ۵۱۰ھ (۱۱۱۶ء) میں وفات پائی +

عیان تعمیر کرایا تھا، جس کا ذکر گزشتہ فقرہ میں ہو چکا ہے۔ اصطخری اور مقدسی میں اختلاف ہے کہ یہ مشہور پل کس دریا پر تھا۔ بعد کے مصنفوں نے بجائے رہنمائی کے ان دریاؤں کو مختلف نام دے کر اور زیادہ اختلاط و اغتشاش پیدا کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ آجکل کے نقشوں پر جو دریا دکھائے جاتے ہیں اُن میں سے کسی سے بھی دریاؤں کی تطبیق مشکل یا غیر ممکن ہے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ یہ پل اُس کے زمانہ میں تعمیر ہوا تھا۔ "شام و عراق میں کوئی پل اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا"۔ یہ چوتھی (دسویں) صدی کے نصف آخر کا ذکر ہے۔ یاقوت نے ساتویں (پندرھویں) صدی میں اس پل کا تذکرہ اس طرح کیا ہے کہ گویا وہ اُس صدی میں موجود تھا۔ اوپر جن مقامات کے نام آئے ہیں اُن میں اکثر کا حال علی یزدی نے بھی اُس کوچ کے حالات میں لکھا ہے جو تیمور نے بِہبہان سے شیراز تک کیا تھا[۱]۔

فارس کے اس کوہستانی علاقہ میں، جس کا نام

۱: ناموں کی املا میں بہت کچھ اختلاف ہے۔ خوّرا واذان کو مخفف کر کے خُوبَذان کر لیا گیا، اور علی یزدی نے اس دریا کا نام خَوابَذان، خَباذان، اور خَاوُدان یا خاوُدان لکھا ہے۔ دَرخید کو بھی دَرخِوید لکھا گیا ہے، لیکن مقدسی میں اس کا املا جو وَخوند کیا گیا ہے وہ غالباً کتابت کی غلطی ہے۔ اصطخری ص ۱۱۰، ۱۲۰ + مقدسی ص ۴۳۵، ۴۴۰ + فارس نامہ ص ۶۷ (a) (b) ۶۹ (a) ۸۰ (b) + مستوفی ص ۱۷۶، ۲۱۸ - یاقوت ج ۱-ص ۹۰۵ + ج ۲-ص ۴۸۷ + ج ۳-ص ۸۳۸ + ابن الاثیر ج ۸-ص ۱۲۲، ۲۰۲ + علی یزدی ج ۱-ص ۶۰۰ +

پر' اس علاقہ میں اَنبُران کا شہر' اور علاقہ' باشت قُوطا تھا۔ اس علاقہ میں باشت کا شہر تھا' جو اب تک موجود ہے۔ دو دریا' دَرخِیذ اور خُوبُذان' اس علاقہ میں سے گزرتے تھے۔ نہر خَوراَ ذاذان' جو دریائے خُوبُذان بھی کہلاتی تھی' اُس کے کناروں پر اسی نام کا ایک شہر' نوبَنجان سے چار فرسخ کے فاصلہ پر واقع تھا۔ خُوبُذان کا شہر چوتھی (دسویں صدی میں آباد و معمور مقام تھا' اور اُس میں ایک مسجد تھی اور کئی عمدہ بازار بھی تھے۔ اس دریا سے چار یا چھ فرسخ مغرب کی طرف' اور نَوبَنجان سے دو منزل کے فاصلے پر' دَرخِیذ کا چھوٹا سا شہر' اسی نام کے دریا پر واقع تھا۔ دریائے دَرخِیذ کے متعلق بعض مصنفون نے لکھا ہے کہ یہ ایک چھوٹی سی جھیل سے نکلتا تھا' اور بعض مصنّف لکھتے ہیں کہ یہ اُس جھیل میں گرتا تھا۔ بیان کیا گیا ہے کہ دَرخِیذ اتنا بڑا دریا تھا کہ پیادہ پا عبور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ دریائے خُوبُذان دریائے شِیرین کا معاون تھا۔ دریائے شیرین کا ذکر اُس وقت کیا جائیگا جب علاقہ' اَرَّجان کے حالات بیان ہونگے۔ دریائے خُوبُذان' یا دریائے دَرخِیذ' کو عبور کرنے کے لئے ایک بڑا پل تھا' جسے نَوبَنجان کے کسی شخص نے جس کا نام ابو طالب تھا' تعمیر کرایا تھا۔ اسی شخص نے قلعہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ :۔ فارس نامہ ص ۷۶ (b) ۷۸' (a) ۸۱ (b) مستوفی صفحہ ۱۷۷' ۱۷۸' ۲۱۹ + علی یزدی ج ۱۔ ص ۶۰۰ قلعہ سَفِید کے نیچے سڑک کی حفاظت کے لئے جو قلعہ تھا' اُس کا نام قلمی نسخوں میں دِزکی لِنشِکمان اور اَستاک لکھا ہے۔ قلعہ سفید کو میکڈانلڈ کنیر (Kinneir) نے پرشین امپائر (ص ۳۰۰) میں خوب بیان کیا ہے +

سے متعلق ایک خانہ باغ تھا؛ مسجد ایک نیچی سی پہاڑی کی چوٹی پر تھی۔ مستوفی کی تحریر کے مطابق ابتداءً کازرون میں قریب کے تین گاؤں نُود، دَرَیسَت اور رَاهِشَان شامل تھے۔ یہ تینوں گاؤں اُن ہی ناموں کے تین آب رُدوں پر آباد تھے، اور یہی نام اُس وقت تک شہر کے مختلف محلّوں کے ناموں میں موجود تھے۔ کازرون کی کھجوریں، خصوصاً جنھیں جِیلَان کہتے تھے، بہت عمدہ ہوتی تھیں۔ کرباس، نام ایک سوتی کپڑا یہاں سے بہت درساور کیا جاتا تھا۔ قرب وجوار کی چراگاہیں جو مرغزار نرگس (نرگس) کہلاتی تھیں، مشہور تھیں۔ ابن بطوطہ کی تحریر کے مطابق، جو ۷۳۰ھ (۱۳۳۰ء) میں اس علاقہ سے گزرا تھا، کازرون کے گرد کا علاقہ شُول کہلاتا تھا، اور آجکل اس علاقہ کو شُولِستَان کہتے ہیں۔ مسطح سرزمین میں، شہر سے تھوڑے فاصلے پر، مشرق میں، کازرون کی جھیل تھی، جسے چوتھی (دسویں) صدی میں بحیرۂ مُوز یا مُورَک کہتے تھے (اس لفظ کا املا مشکوک ہے)۔ اس جھیل کا طول دس فرسخ تھا، پانی بہت کھاری تھا، اور اس میں مچھلیاں بہت تھیں۔ اس جھیل کے شمال میں، شیراز جانے والی سڑک پر، دو مشہور درے ملتے ہیں؛ آج کل کے سیاح ان کے نام پر کُتَل پیرزن (بڑھیا کا درّہ) اور کُتَل دختر (کنواری لڑکی کا درّہ) جانتے ہیں، لیکن مستوفی نے ان کے نام دَرب ہُوشَنگ، اور دَرب مَالان لکھے ہیں۔ ان میں سے دَرب ہُوشَنگ کازرون سے تین فرسخ کے فاصلے پر ہے، اور دَرب مَالان اس سے اوپر کی طرف ہے۔ اس کی چڑھائی بہت ہے[1]

(۲۶۷)

---

[1] اصطخری ص ۱۲۲ + ابن حوقل ص ۱۹۷ - مقدسی ص ۴۳۳ + مستوفی ص۱۷۱

بعد کو جَبَل جِلوِیَہ ہوا، کردوں کے پانچ قبیلے، جن کو مجموعی طور بہ زَم الاکَراد کہتے تھے، چوتھی (دسویں) صدی میں اپنے اپنے مویشوں کے لئے چراگاہ اور پڑاو ڈالنے کے لئے زمنین رکھتے تھے مقدسی نے یہیں کہیں قریب کسی پہاڑ میں، ایک قلعہ کا ذکر کیا ہے، جس پر یہ کرد قابض تھے۔ یہ قلعہ ایک وسیع علاقہ میں تھا جہاں پھلوں کے باغ اور نخلستان بکثرت تھے[1]

چوتھی (دسویں) صدی کے نصف آخر سے، جب کہ شاپور کا شہر ویران ہوچکا تھا کازِرُوْن کا شہر علاقہ شاپُور کا سب سے بڑا مقام ہوگیا۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ اس کے زمانہ میں یہ شہر نوبَنْدَجان سے چھوٹا تھا، مگر اچھا بنا ہوا تھا، اور اس کے مکانات پتھر اور گچ سے تعمیر کیئے گئے تھے۔ اس کے بعد کے زمانے میں مقدسی نے اسے "ایران کا دِمیَاط" لکھا ہے، اور بیان کیا ہے کہ اس زمانہ میں سوتی کپڑے کی تجارت کا مرکز ہونے کی وجہ سے اس کو شہرت ہوچکی تھی؛ اور بنی بُویہ کے سلطان عضدالدولہ، نے سوداگروں کے لئے یہاں ایک عمارت (دار) حال ہی میں تعمیر کرائی تھی، جس کے کمروں کے کرایہ سے دس ہزار دینار (تقریباً چھ ہزار روپیہ) سالانہ وصول ہوتے تھے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ شہر کے مکانات محل معلوم ہوتے تھے، اور ہر مکان

---

[1] اصطخری ص ۹۸، ۱۱۳ + مقدسی ص ۴۳۵ + یاقوت ج ۲- ص ۸۲۱ + مستوفی ص ۱۷۶، ۲۰۶- کردوی زبان میں زَم کے معنی قبیلہ کے ہیں (اس لفظ کا زیادہ صحیح تلفظ زُدمَہ ہے) اور غلطی سے یہ لفظ اکثر رَم (رسے) لکھ دیا جاتا ہے۔ دیکھو ڈی خویہ کا ترجمہ، ابن خُرداذبہ ص ۴۳ حاشیہ +

لکھا ہے کہ، اس کے پانی میں یہ تاثیر تھی کہ اگر کوئی کپڑا اس میں ڈبویا جائے تو اس کپڑے پر سبز رنگ چڑھ جاتا تھا۔ لیکن پانی شیریں اور پینے کے قابل تھا۔ دریائے جرہ شیق علاقہ ماصرم میں (جو مستوفی کے بیان کے مطابق اس دریا سے لے کر شمال میں دریائے سکان کے سرچشموں تک پھیلا ہوا تھا) شہر جرہ کے جنوب کی پہاڑیوں سے نکلتا تھا، اور قبل اس کے کہ یہ دریا جرہ کے شہر تک پہنچے، ایک سنگین پل سے، جس کا نام قنطرہ سبوک تھا، عبور کیا جاتا تھا۔ اس کے بعد دریائے جرہ شیق علاقہ دازین کے ایک حصہ کو سیراب کرتا تھا، اور بالآخر دریائے اخشین کو اپنے ساتھ شامل کرتا ہوا توج سے کچھ دور شمال میں دریائے شاپور میں گر جاتا تھا۔ مصنف فارس نامہ اور مستوفی دونوں نے لکھا ہے کہ دریائے جرہ (جرہ شیق) کے سرچشموں کے قریب کی سرزمین علاقہ غندیجان کا ایک حصہ تھی؛ اور اس تحریر سے ہم دشت بارین کی جاء وقوع کا پتہ لگا سکتے ہیں، جس کے متعلق ہم پہلے کہہ آئے ہیں کہ وہ علاقہ اذرشیرہ خرہ سے متعلق تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ جرہ کا شہر ایک پہاڑی کی چوٹی پر واقع تھا، اور بہت سے نخلستان اس سے متعلق تھے۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ اس کے زمانہ میں عوام الناس اس شہر کے نام کا تلفظ گرہ کیا کرتے تھے، اور مصنف فارس نامہ اور مستوفی کے بیانات سے یاقوت کی تصدیق ہوتی ہے۔ ان دونوں مصنفوں نے بھی یہاں کی غلوں اور کھجوروں کی فصلوں کا ذکر کیا ہے، کیونکہ گرد و نواح کی تمام زمینیں بے انتہا زرخیز تھیں[1]

---

[1] اصطخری ص ۱۲۰، ۱۲۷، ۱۵۲+ مقدسی ۴۲۳، ۴۳۴، ۴۳۵ +

کازِرُون سے ساحلِ بحر کو سڑکیں گئی تھیں۔ وہ کازِرُون سے دَرِیز، دَرِیز سے کُمارِج، اور کُمارِج سے خِشت کو، اور خِشت سے جو دریائے شاپُور کے کنارے تھا، تَوّج کو پہنچاتی تھیں۔ تَوّج کے مقام کا ذکر گزشتہ باب میں کیا جاچکا ہے۔ (دیکھو صفحہ ۲۵۹)۔ دَرِیز ایک چھوٹا سا شہر تھا اور چوتھی (دسویں) صدی میں یہاں کے سوتی پارچہ باف مشہور ہوچکے تھے۔ اس سے آگے چل کر خِشت میں، مقدسی کی تحریر کے مطابق، ایک مستحکم قلعہ تھا، اور شہر کے گرد وسیع اراضی تھیں۔ مصنف فارس نامہ نے خِشت اور کُمارِج کا ذکر ایک ساتھ کیا ہے؛ اور مستوفی نے لکھا ہے کہ ان دو مقامات کے باشندے بڑے رہزن اور قزاق تھے۔

خِشت سے تھوڑے فاصلے پر، جنوب میں، دریائے شاپُور کے بائیں کنارے سے اس کا معاون دریا جِرّہ، جسے عرب جغرافیہ نویس جَرشِیق کہتے ہیں آکر ملتا تھا۔ اس مقام اتصال سے چند میل اسی طرف، خود دریائے جِرّہ میں اسکے بائیں کنارے سے ایک معاون ندی، جسے عرب جغرافیہ نویس نہر اِخشِیِن کہتے ہیں، آکر مل گئی تھی۔ دریائے اِخشِیِن علاقۂ دادِین کی وادیوں سے نکلتا تھا۔ اصطخری نے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:- ۱۷۶، ۱۸۰، ۲۰۰، ۲۲۶+ کازِرُون کے شہر کے تین حصوں کے نام قلمی نسخوں میں مختلف طور سے لکھے گئے ہیں:- نُور، دَرِیست، اور رَاھبان، یا رَھیان+ ابن بطوطہ ج ۲- ص ۸۹+ مصنف فارس نامہ (ص ۸۰ b)، نے جھیل کا نام بالکل صاف طور سے "مُور" لکھا ہے۔ بعض اوقات اِسے دریاچۂ شور (کھاری جھیل) کہتے ہیں۔

یہ پل صرف ایک محراب کا تھا، اور اس کے دونوں بیل پایوں کے درمیان کا فاصلہ اسّی قدم تھا؛ محراب بہت بلند تھی۔ اس کے بیچ کا سب سے اونچا پتھر اتنا بلند تھا کہ ایک شتر سوار جھنڈا اٹھائے اس کے نیچے سے گزر سکتا تھا۔ یہ پل، جو کسی زمانہ میں قنطرۂ تکان کہلاتا تھا، سنبیل جانے والی سڑک پر، اَرَّجان کے شہر سے صرف ایک تیر کے پلّے پر، واقع تھا۔ دوسرا سنگ بستہ پل جو طول میں تین سو ذرع سے زیادہ تھا، ساسانیوں کے عہد میں تعمیر ہوا تھا، اور قنطرۃ الکسرۃ وانیہ کہلاتا تھا۔ یہ اس سڑک پر تھا جو دَهلِزان نام ایک گاؤں کو گئی تھی۔ قزوینی لکھتا ہے کہ شہر اَرَّجان کے قریب ایک پہاڑی میں ایک غار تھا، اس کے ایک چشمے سے نفط سیاہ نکالتے تھے اور یہ نفط طبّی خصوصیات کے لحاظ سے تمام دنیا میں مشہور تھا۔ اَرَّجان کے شہر میں بئیر صاهک نام کا ایک کنواں تھا، جس کی تہ نہ ملتی تھی، اور موسم گرما میں بھی کبھی یہ نہیں سنا جاتا تھا کہ اس کا پانی ٹوٹ گیا ہو۔

آٹھویں (چودھویں) صدی کے شروع میں مستوفی لکھتا ہے کہ اَرَّجان کو عوام الناس اَرَّخان یا اَرغان کہتے تھے اور اس صدی کے آخر میں علی یزدی نے دریائے طاب کا ذکر آب اَرغون کے نام سے کیا ہے۔ مستوفی لکھتا ہے کہ ساتویں (تیرھویں) صدی میں اسماعیلی ملاحدہ نے (یعنی حشیشین نے جو حسن بن صباح شیخ الجبل کی رعایا تھے) اَرَّجان کو فتح کیا، اور اس فتح کی وجہ سے اَرَّجان کو بہت نقصان اٹھانا پڑا؛ چنانچہ اس کے بعد یہ شہر پھر کبھی سرسبز نہ ہوا۔ اس نواح میں پہاڑیوں کی چوٹیوں پر اسماعیلیوں کے قلعے تھے، جن میں سے ایک کا نام قلعہ تیغور، اور دوسرے کا نام دِزکلات تھا؛

اَرَّجان کا علاقہ، صوبۂ فارس کے کُورہ میں، سب سے زیادہ مغربی جانب واقع ہے اور اس علاقہ کا سب سے بڑا شہر اَرَّجان اس کُورہ کے بالکل مغربی سرحد پر، دریائے طاب کے کنارے، واقع تھا۔ یہ دریا اس سمت میں فارس اور خُوزستان کے درمیان حد فاصل قائم کرتا ہے۔ شہر اَرَّجان کے شکستہ آثار موجودہ شہر بِہبَہان) کے شمال میں چند میل کے فاصلے پر واقع ہیں۔ اَرَّجان کی آبادی اسی شہر بِہبَہان، کو منتقل ہوگئی، اور چھٹی (بارھویں) صدی کے اختتام سے بِہبَہان اس علاقہ کا صدر مقام ہوگیا۔

چوتھی (دسویں) صدی میں اَرَّجان عمدہ شہر تھا، اور اس کے گرد نخلستان اور زیتون کے باغ تھے۔ شہر کے چھ دروازے تھے، جو رات کو مُکمّا بند کردئے جاتے تھے۔ ان دروازوں کے نام علی الترتیب حسب ذیل ہیں :— بَاب اھواز، بَاب رِیشَہر، اور باب شَیئَہ از؛ اور ان کے بعد باب الاصفاہ، باب مَیدان اور سب سے آخر میں باب کَیّالین (یعنی وزن کرنے والوں کا دروازہ)۔ شہر کی مسجد اور بازار عالیشان تھے۔ صابون شہر میں بافراط تیار کیا جاتا تھا۔ اَرَّجان کے قریب، خُوزِستان جانے والی سڑک پر، دریائے طاب کو عبور کرنے کے لئے مشہور پُل تھے، جن کے شکستہ آثار اب تک موجود ہیں۔ ان میں سے ایک کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اُسے بنی اُمیہ کے مشہور حاکم عراق، حجاج بن یوسف کے ایک دیلمی طبیب نے تعمیر کرایا تھا۔ اصطخری نے لکھا ہے کہ

(۲۶۹)

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ :- فارس نامہ ص ۷۵، (b) ۷۶، (a) ۷۹ (b) ۹۶ (b)
مستوفی ص ۱۲۶، ۱۷۷، ۲۱۸، ۲۱۹ + یاقوت ج ۲ - ص ۳۶، ۹۸ +

جَراحیّہ یا جَراحی، یا دریائے کُردستان کہتے ہیں، کیونکہ کسی خلط و ملط کی وجہ سے زمانہ حال میں طاب کا نام دریائے خیرآباد کی اُن شاخوں کو دے دیا گیا ہے جو دریائے ہِندِیان اور دریائے زُہرہ کی معاون ہیں۔ دریائے ہندیان بالکل مختلف دریا ہے، جو ہِندِیان کے مقام پر خلیج فارس میں گرتا ہے۔ اگر اصطخری اور مقدسی کے متفقہ بیانات کو مستند سمجھا جائے تو زمانہ وسطیٰ کا دریائے طاب اُن پہاڑوں میں، جو اصفہان کے جنوب مغرب میں اَلبُرج کے مقام سے، جو کُورہ اصطخر کے مقام سُمَیرَم کے بالمقابل واقع تھے، نکلتا تھا۔ اور جنوب کی طرف خُوزِستان کے علاقہ اَلسَّردَان میں آکر اُس کے بائیں کنارے سے دریائے مَسِین اس میں ملتا تھا؛ اور ان دونوں کے مقام اتصال کے قریب مَسِین کا گاؤں آباد تھا۔ اس کے بعد یہ دونوں متحدہ دریا اَرَّجان کی طرف بہتے تھے۔ اس شہر کے جنوب میں دریائے طَاب، علاقہ رِیشَہر کو سیراب کرتا تھا اور پھر یک بارگی جنوب کی طرف مڑکر صَہرَبان کے مغرب میں، سمندر میں گرجاتا تھا۔ مذکورۂ بالا دریائے مَسِین بھی سُمَیرَم کے قریب کے پہاڑوں سے نکلتا تھا، اور دریائے طاب میں شامل ہونے سے قبل، ایک مقام کے پاس سے گزرتا تھا، جس کا نام مصنف فارس نامہ، اور مستوفی نے سِلیسَت لکھا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ دریا طول میں چھ فرسخ تھا، اور اتنا چوڑا تھا کہ اسے آسانی سے پیادہ پا عبور نہیں کرسکتے تھے۔ دریائے طاب کے رہ گزر کے بالائی حصہ کے قریب، شمال کی جانب بِلادِ شَاپُور، یا بلا سابور، کا علاقہ تھا، جس کا صدر مقام جُومَہ فارس اور خُوزِستان کی سرحد پر واقع تھا۔ یہ علاقہ کسی زمانہ میں بہت زرخیز تھا؛ لیکن جب مستوفی نے

ان مقامات پر ملاحدہ کی جو فوجیں رہتی تھیں وہ اس شہر اور اُس کے علاقوں کو اکثر لوٹا کرتی تھیں۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے نصف آخر تک اَرّجان بالکل ویران ہوگیا، اور اُس زمانہ کے بہت جلد بعد بِہبَہان کے شہر نے جو دریائے طاب کے کنارے دریا کے بہاؤ کے رُخ اَرّجان سے چھ میل کے فاصلے پر واقع تھا، اُس کی جگہ لے لی۔ بِہبَہان کا نام کسی عرب جغرافیہ نویس کی تصنیف میں نہیں ملتا۔ سب سے پہلے علی یزدی نے ۷۹۵ھ (۱۳۹۳ء) میں تیمور کے اہواز سے شُشتَر کو کوچ کرنے کے حالات میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ اس سنہ کے بعد سے بِہبَہان کا شہر اُس علاقہ کا صدر مقام چلا آتا ہے، جسے پہلے علاقہ اَرّجان کہتے تھے۔[1]

(۲۷۰) عرب جغرافیہ نویس جس دریا کو طاب کہتے تھے اُسے آج کل

---

[1] اصطخری ص ۱۲۸، ۱۳۴، ۱۵۲ + ابن رستہ ص ۱۸۹۔ ابن خرداذبہ ص ۴۳ + مقدسی ص ۴۲۵ + قزوینی ج ۲۔ ص ۹۴، ۱۶۰ + مستوفی ص ۱۷۷، ۱۷۸ + علی یزدی ج ۱۔ ص ۶۰۰ + صنیع الدولہ نے اپنی کتاب مراۃ البلدان (مطبوعہ طہران ۱۲۹۴ھ جلد اول، صفحہ ۳۰۶) میں لکھا ہے کہ بِہبَہان میں پہلے تیمور کے حکم سے کُوہغِلُو قبیلے کے خانہ بدوش لوگ آباد کئے گئے، اور یہ لوگ کُوہ سے نقل مکان کرکے یہاں آئے تھے۔ اَرّجان اور دونوں پلوں کے شکستہ آثار کے لئے جو آج پلِ بیگم اور پلِ دختر کہلاتے ہیں، دیکھو ڈی بوڈ (De Bode) کی کتاب لُرِستان ج ۱۔ ص ۲۹۵، ۲۹۷ + پلِ بیگم کا نام قلمی نسخوں میں اکثر قنطرہ رکان یا ثکان لکھا گیا ہے + ابن حوقل (ص ۱۷۰) نے یہ بھی لکھا ہے کہ دریائے طاب کو عبور کرنے کے لئے لکڑی کا بھی ایک پل تھا، جس کی بلندی سطح آب سے دس ذرع تھی +

اور اس کا بیان ہے کہ اس کا ابتدائی نام دِیشَہر تھا۔ یہاں سوتی کپڑے تیار کئے جاتے تھے، اور اس کے باشندے زیادہ تر خلیج فارس کے بندرگاہوں سے تجارت کرتے تھے۔ گرمی کے موسم میں گرمی نہایت سخت ہوتی تھی، اور اس موسم میں لوگ شہر سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر دِزِ کلات چلے جایا کرتے تھے۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہوچکا ہے یہ کسی زمانہ میں اسماعلیوں کا ایک قلعہ تھا۔ رِیشَہر کے قریب، دریائے آرّجان کے زیرین رہ گزر پر بَندِ یجان کا چھوٹا سا شہر اور علاقہ تھا۔ مقدسی نے بیان کیا ہے کہ یہ ہِندِیجان یا ہِندُوان کا شہر سمندر کی مچھلیوں کی تجارت کے لئے ایک بڑا مقام تھا، اور اس میں ایک عمدہ مسجد تھی۔ علاقہ ہِندِیجان میں آتشکدوں کے شکستہ آثار، اور قدیم زمانہ کے بنے ہوئے چند رہٹ [دُولاب] تھے۔ اس کے علاوہ یہ بھی فرض کیا جاتا تھا کہ "مصر کی طرح" یہاں بھی دفینے ہیں، اور قزوینی نے ایک کنوئیں کا ذکر کیا ہے، جس میں سے زہریلے بخارات نکلتے رہتے تھے۔ چنانچہ جو پرندے اس کنوئیں پر سے اُڑتے ہوئے گزرتے تھے۔ مرکر اس میں گر پڑتے تھے۔ جِنّس کے مقام پر، جو اس علاقہ میں شیراز جانے والی سڑک پر ایک شہر تھا، سلجوقیوں کے عہد میں ایک جنگی خانہ تھا[1]

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:۔ دراصل دریا تُستَر یا بالفاظ دیگر دریائے دُجَیل کی کھاڑی کے قریب ہونا چاہیئے۔

[1]۔ اصطخری ص ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۹، ۱۲۱ + مقدسی ص ۴۲۲، ۴۲۶، ۴۵۳، ۴۵۴ فارس نامہ ص ۷۸، (a)، (b) + مستوفی ص ۱۷۷، ۱۷۸ + یاقوت ج ۴ ص ۹۶۳، ۹۹۳ + قزوینی ج ۲۔ ص ۱۸۶ + معلوم ہوتا ہے کہ ہِندِیجان

اپنی کتاب لکھی ہے تو اسی زمانہ میں یہاں کی زمینوں میں زراعت بند ہوچکی تھی۔ مصنف فارس نامہ کی تحریر کے مطابق دریائے طاب کے رہ گزر کے ساتھ ساتھ کورہ قباد خُرّہ کی سرزمین تھی؛ لیکن تمام پرانے مصنف، جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے، یہ نام اس علاقہ کو دیتے ہیں جو کازِرُون کے گرد واقع تھا[۱]

(۲۷۹) جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا ہے، شہر اَرَّجان سے آگے دریائے طاب علاقۂ رِیْشَہر کے گرد خم کھاتا تھا (اس علاقہ کو بوشائر کے رِیْشَہر سے، جس کا ذکر اوپر ہوا مخلوط نہ کرنا چاہئے)۔ یہاں رِیْشَہر کے علاوہ جو اَرَّجان اور مَہرُبان کے وسط میں واقع تھا، ایک اور شہر دُرَیان (جسے دَیُوجان یا دَرْجان بھی کہتے تھے) آباد تھا، اور چوتھی (دسویں) صدی میں اس شہر میں عمدہ بازار تھے، اور شہر جس علاقہ میں تھا وہ علاقہ زرخیز تھا۔ سلاطین سلجوق کے زمانہ میں بھی رِیْشَہر کا شہر برابر ایک بڑا مقام شمار ہوتا رہا۔ مصنف فارس نامہ نے یہاں کے قلعہ کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ یہاں جہاز بنائے جاتے تھے۔ مستوفی لکھتا ہے کہ ایرانی اس شہر کو بَرْبیان کہتے تھے،

---

[۱] اصطخری ص ۱۱۹۔ مقدسی ۴۲۹، ۴۴۴ + فارس نامہ ص ۷۷، (b) ۸۰، (a) ۷۹؛ (a) + مستوفی ص ۱۷۶، ۱۷۷؛ ۲۱۸ + ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عرب جغرافیہ نویس دریائے اَرَّجان کے بالائی رہ گزر (طاب) اور اس کے معاون (یعنی مَسِیَن) کو ان ندیوں سے خلط ملط کر دیتے ہیں، جن کے متعلق ہمیں معلوم ہے کہ وہ دریائے کازرون کے بالائی شاخیں ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ دریائے اَرَّجان نے خلیج فارس کے قریب اپنے زیرین رہ گزر کا راستہ چوتھی (دسویں) صدی سے بدل دیا ہے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ یہ دریا سِینیز کے قریب خم کھاتا ہے۔ لیکن یہ محض کتابت کی غلطی ہے، اور

معاون پر، نوبنجان سے ارّجان جانے والی سڑک پر گنبد مَلغان کا بڑا شہر واقع تھا، جو آج کل دو گنبذان کہلاتا ہے، اور ابتک یہاں پرانے شکستہ آثار دُور تک پھیلے نظر آتے ہیں۔ اسی نواح میں دِینار کی پہاڑیاں اور علاقہ بازرنگ تھا، جس کا پہلے ذکر ہوچکا ہے۔ یہیں صَرام کا مقام تھا، جہاں جاڑے کے موسم میں بے انتہا سردی پڑتی تھی، اور اُس کے قریب کے پہاڑوں کی چوٹیاں موسم گرما میں بھی برف سے بالکل خالی نہ رہنے پاتی تھیں۔ بہرکیف گنبد مَلغان کا شہر گرم ممالک میں تھا، اور کھجور کے درختوں کے لیے مشہور تھا۔ اس کے نام کا تلفظ گنبد ملجان یا مَلقان بھی کہا جاتا ہے، اور چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے لکھا ہے کہ یہاں کا گاؤں شکستہ حالت میں ہے۔ مصنف فارس نامہ کی تحریر کے مطابق چھٹی (بارھویں) صدی کے شروع میں یہاں کے چھوٹے سے شہر کی حفاظت کے لئے ایک قلعہ تھا، جہاں غلّہ کی رسد اتنی مقدار میں جمع رہتی تھی کہ مقیم فوج کے لئے تین یا چار برس کو کافی ہوسکے۔ اسی طرح اور بھی متعدد قلعے قریب کی پہاڑیوں کی چوٹیوں پر بنے ہوئے تھے۔ ان میں قلعۂ خِنگ نام ایک قلعہ کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ اس کے قریب کا علاقہ پُول بُولُو (بعض نسخوں میں پُول لُولُو لکھا گیا ہے) کے نام سے مشہور تھا، اور بہت زرخیز تھا۔ اس میں مشہور زرد آلو پیدا ہوتے تھے۔ مستوفی نے یہ بھی لکھا ہے کہ گنبد مَلغان کا قلعہ ایسا مستحکم تھا کہ اگر قلعہ کے اندر صرف ایک آدمی ہو تو باہر کی ایک پوری فوج کے مقابلہ میں قلعہ کو محفوظ رکھ سکتا تھا[1]

[1] اصطخری ص ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۹، ۱۲۰ + مقدسی ص ۴۳۵ + فارس نامہ ص

جَلَّادگان، جس کا تلفظ جَلَّادجَان بھی کیا جاتا تھا، اسی نواح کا ایک علاقہ تھا، اور دریائے طاب اور دریائے شیرین کے زیرین گزرگاہوں کے درمیان واقع تھا۔ دریائے شیرین علاقۂ بازدَنج یا بازرَنگ کی اُن پہاڑیوں سے جنھیں جبل دِینَار کہتے تھے نکلتا تھا، اور علاقۂ فرُزک میں جو اَرَّجَان سے چار فرسخ جنوب مشرق میں تھا، گزرتا تھا۔ علی یزدی کے بیان کے مطابق تیمور نے جس دن بِہْبَہان سے شِیرَاز کو کوچ کیا تھا اس کے دوسرے دن دریائے شیرین کو عبور کیا تھا۔ جس دن وہ بِہْبَہان سے روانہ ہوا ہے اس کے چار دن بعد وہ دریائے خَاوْدَان پہنچا تھا (یہ وہی دریا ہے، جس کا ذکر خوبذَان کے نام سے پہلے گزرچکا ہے) اور یہاں سے اس سے نَوبنجان کی طرف کوچ کیا۔ (۲۷۲) ہم یہ معلوم کرچکے ہیں کہ دریائے خُوبذَان دریائے شِیرین کا ایک معاون تھا، اور دریائے شِیرین کا تطابق بظاہر اس دریا سے ہوتا ہے۔ جس کے بالائی گزرگاہ کو (اس کے بہت سے معاونوں سمیت) آج کل دریائے خیرہ آباد اور زیرین رہ گزر کو دریائے زُہرَہ کہا جاتا ہے۔ یہی دریائے زُہرہ ہے جسے موجودہ نقشوں میں طاب یا ہِنْدیان کے نام سے دکھایا گیا ہے + دریائے شِیرین کے ایک

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:۔ ہِنْدُوَان اور ہِنْدِیان ایک ہی مقام کے مختلف نام تھے۔ جِلبس کے املا کے متعلق بھی قلمی نسخوں میں اختلاف ہے: مثلاً خلبس، جِلیس، جِلنس، اور اس لفظ کی ہر ممکن شکل ان نسخوں میں ملتی ہے۔ سیاحت ناموں کے بیانات کے مطابق یہ مقام منزل کی چوکی تھی۔

میں تھا۔ اِس بندرگاہ کے کھنڈر اُس کھاڑی پر موجود ہیں، جہاں اب بندر دَیلم ہے۔ اصطخری نے لکھا ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی میں سِیِنیز وسعت میں مَہرُبان سے بڑا تھا۔ یہاں ایک چھوٹی سی خلیج (خوَر) تھی۔ مَہرُبان کھلے سمندر سے آدھے فرسخ کے فاصلے پر واقع تھا۔ یہاں کی آب و ہوا بہت گرم تھی اور کھجور کے درخت بافراط ہوتے تھے۔ مقدسی نے یہاں کی مسجد اور حاکم شہر کے محل کا ذکر کیا ہے، اور بازاروں کے متعلق لکھا ہے کہ ان میں ہر قسم کا سامان خوب مہیا رہتا تھا۔ یاقوت کی تحریر کے مطابق سِیِنیز کو قرامطہ نے ۳۲۱ھ (۹۳۳ء) کی لوٹ میں آدھا برباد کردیا تھا۔ لیکن مصنف فارس نامہ اور مستوفی نے چھٹی اور آٹھویں (بارھویں اور چودھویں) صدی میں لکھا ہے کہ وہ اب تک ایک با رونق شہر تھا، جہاں کتّان سن کی کاشت ہوتی تھی اور سوتی کپڑا بھی تیار ہوتا تھا۔ بندرگاہ کی حفاظت کے لئے ایک قلعہ (حِصار) تھا، اور چراغوں کے لئے تیل جو اس علاقہ سے آتا تھا، دور و نزدیک درساور کیا جاتا تھا[1]۔

سِیِنیز کے جنوب میں جنّابَہ (یا جَنّابا) کا شہر تھا، جس کے کھنڈر اُس دریا کے دہانے کے قریب، جسے عرب جغرافیہ نویس نَہرُ الشّاذکان لکھتے تھے، اب تک موجود ہیں۔ اصطخری کی تحریر کے مطابق جَنّابہ کی آب و ہوا بے انتہا گرم تھی، اور اس کی خلیج (خور) جہازوں کے

---

[1] اصطخری ص ۳۴، ۱۲۸ + مقدسی ص ۴۲۶ + ناصر خسرو ص ۹۰ + یاقوت ج ۱۔ ص ۵۰۲ + ج ۳۔ ص ۲۲۱ + فارس نامہ ص ۶۸ (b)، ۱۶۹ (a) + مستوفی ص ۱۶۸ +

دریائے شِیرین (ہم لکھ آئے ہیں کہ یہ وہی دریا ہے جسے آج کل دریائے طاب یا دریائے زُہرہ کہتے ہیں) جہاں سمندر میں گرتا ہے وہاں سے تھوڑے فاصلے پر صوبۂ فارس کی مغربی سرحد کے قریب مَہرُبان کا بندرگاہ تھا، اور یہ پہلا بندرگاہ تھا جہاں ہندوستان جانے والے جہاز بَصرہ اور دِجلہ کی کھاڑی سے روانہ ہوکر قیام کرتے تھے۔ مَہرُبان کو اَرَّجان کا بندرگاہ شمار کیا جاتا تھا، اور چوتھی (دسویں) صدی میں وہ بہت معمور و آباد مقام تھا۔ اس میں ایک عمدہ مسجد اور اچھے بازار تھے۔ مستوفی کی تحریر کے مطابق ایران کے لوگ اسے مَاہرُویان یا مَہرُیان کہتے تھے۔ سوتی کپڑا یہاں تیار ہوتا تھا، اور کھجوریں دساور کی جاتی تھیں، لیکن جہازی کاروبار ہمیشہ سے یہاں کا خاص ذریعۂ آمدنی رہا ہے۔ ۴۴۳ھ (۱۰۵۲ء) میں ناصر خسرو مَہرُیان سے گزرا تھا۔ اس نے لکھا ہے کہ یہ شہر خلیج فارس کے مشرقی جانب سمندر کے کنارے آباد تھا۔ اس کے بازار عمدہ تھے، اور مسجد یعقوب بن لیث الصفّار کے نام سے مشہور تھی۔ پانی بڑے بڑے حوضوں میں جمع کیا جاتا تھا، ان مسافروں کے لئے جو اَرَّجان سے آکر یہاں اترتے تھے، تین بڑی کاروان سرائیں تھیں، اور شہر میں تجارت بہت زیادہ تھی۔ مَہرُبان سے آگے خلیج کے ساحل پر دوسرا بندرگاہ سِینِیز یا شِینِیز مَہرُبان کے مشرق

(۲۷۳)

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:- ۷۶ (b) ۷۷، (a) ۱۷۸، (b) ۱۷۹ (a) ۳۰ (b) ۸۵ (b). + مستوفی ص ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۲۱۸ + یاقوت ج ۳- ص ۵- ج ۴- ص ۳۰ + علی یزدی ج ۱- ص ۶۰۰ + حافظ ابرو ص ۳۱ (b) + ڈی بوڈ (De Bode) کی کتاب لُرستان (Luristan) ج ۱- ص ۲۵۸ + دُز گنبدان کے شمال میں قلعہ اردو نام ایک قلعہ ہے، اور غالباً یہی وہی مقام ہے جسے مصنف فارس نامہ نے خنگ لکھا ہے

باب نوزدہم

فارس (جاری)

کورہ (یا علاقہ) اصطخر، اصطخر کا شہر (پرسی پولس۔
دریائے کُر اور دریائے پُلوار۔ جھیل بختگان
اور اس کے گرد کے شہر۔ میدان مرودشت۔
بیضا اور ماین۔ کوشک زرد۔ سرمق اور
یزدِخواست۔ شیراز سے اصفہان جانے
والی تین سڑکیں۔ ابرقوہ۔ شہر یزد، علاقہ
اور دوسرے شہر۔ علاقہ رُوذان اور
اس کے شہر۔ شہر بابک اور ہرات۔

اصطخر کا کورہ یا علاقہ صوبہ فارس کے تمام حصہ پر محیط تھا، اور جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں، اسی شمالی حصہ میں زمانۂ وسطیٰ میں یزد، مع قرب وجوار کے شہروں اور اُن زمینوں کے جو بادیہ ایران کی سرحد سے ملحق واقع ہیں، شامل تھا۔ اس کورہ کا صدر مقام ساسانیوں کے زمانہ کا وہ شہر تھا جسے عرب اصطخر، اور یونانی پرسی پولس کہتے تھے۔

اصطخر کا شہر دریائے پُلوار اور دریائے کُر کے سنگم سے چند میل شمال کی طرف دریائے پُلوار کے کنارے اور ہخمنشی بلند و وسیع چبوترے اور ہخمنشی محلات کے شکستہ آثار سے

قیام کے لئے محفوظ مقام نہ تھی ۔ جَنّابَہ کا شہر مَہْرُبان سے بڑا تھا ۔ اور اس کے بازار عمدہ تھے، اس کے علاوہ وہ ابوطاہر قرملی کا مولد تھا ۔ ایرانی اس مقام کو گنفلہ یا اس کے "گندے پانی" کی وجہ سے آب گَنْدَہ کہتے تھے ۔ اس کے قریب کے چار قریے، جو سمندر کے کنارے واقع تھے، اسی کے اعمال میں شمار ہوتے تھے ۔ دریائے شَاذکان علاقۂ بازرنگ سے نکلتا (۲۷۴) تھا، اور دَشتَقان کی سطح سرزمین میں سے گزرنے کے بعد سمندر میں گرجاتا تھا ۔ یہ صاف طور پر معلوم نہیں ہوتا کہ دریائے شَاذکان کو موجودہ نقشے پر کس دریا سے مطابق سمجھا جائے، اور اس میں شک نہیں کہ وہ ان دو چھوٹے دریاؤں میں سے ایک دریا ہوگا جو جَنّابہ کے قریب خلیج فارس میں گرتے ہیں ۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ آج کل یہاں کوئی بڑا دریا موجود نہیں؛ گو دریائے شَاذکان کے متعلق مستوفی نے صاف صاف لکھا ہے کہ یہ "ایک بڑا دریا تھا" جسے پیدل عبور کرنا آسان نہ تھا، اور اس کا طول نو فرسخ تھا ۔ ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ مستوفی کے ذہن جو دریا تھا وہ ایک بہت بڑا دریا تھا[1]

---

[1] اصطخری ص ۳۲، ۳۴، ۱۱۹، ۱۲۸ + مقدسی ص ۴۲۶ + فارس نامہ ۷۸(b) ۔ مستوفی ص ۱۷۸، ۲۱۸ +

لکھا ہے کہ اصطخر کی بربادی کا بڑا سبب خود اس کے باشندوں کی فتنہ جوئی اور آشوب کاری تھی۔ انجام یہ ہوا کہ چوتھی (دسویں) صدی کے نصف آخر میں بنی بویہ کے سلطان عضدالدولہ کے بیٹے صمصام الدولہ کو مجبوراً ایک فوج امیر قتلمش کے ماتحت اصطخر کے مقابلہ میں بھیجنی پڑی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہر ویران ہونا شروع ہوگیا۔ اس وقت سے کم ہوتے ہوتے اصطخر وسعت میں محض ایک گاؤں کے برابر رہ گیا۔ مصنف فارس نامہ نے چھٹی (بارھویں) صدی کے اوائل میں لکھا ہے کہ اس میں شائد سو آدمی آباد تھے۔

اصطخر کے شمال مغرب میں جو پہاڑیاں تھیں اُن پر تین مشہور قلعے تھے، جن کے نام (۱) قلعۂ اصطخر یار، (۲) قلعۂ شکسته، اور (۳) قلعۂ شنکوان تھے۔ مجموعی طور پر یہ تینوں قلعے سہ گنبدان کہلاتے تھے۔ پہاڑوں میں ایک بڑے غار کے منہ پر بند باندھ کر پانی روک دیا گیا تھا اور یہیں سے قلعہ اصطخر یار کو پانی پہنچایا جاتا تھا۔ اس قلعہ میں بنی بویہ کے سلطان عضدالدولہ نے پانی جمع کرنے کے لئے، بڑے بڑے تالاب بنوائے تھے؛ اور ان تالابوں پر احتیاط سے چھتیں بیس بیس ستون قائم کرکے ڈال دی گئیں تھیں۔ ان تالابوں میں اتنا پانی ذخیرہ ہوسکتا تھا کہ اگر قلعہ کا محاصرہ ایک سال تک جاری رہے تو ایک ہزار محصورین کے لئے کافی ہوسکے۔ یہاں پہاڑ کی چوٹی پر فوجوں کی قواعد اور ورزش کے لئے ایک میدان تھا، اس میدان کا نقشہ بھی عضدالدولہ نے تیار کیا تھا، اور اُسی نے اُسے بنوایا تھا[1]

---

[1] بلاذری ص ۳۸۸ + ابن حوقل ص ۱۹۴ + مقدسی ص ۴۳۵ + فارس

مغرب کی جانب کچھ فاصلے پر واقع تھا۔ اسلامی فتوحات کے وقت فارس کے ساسانی شہروں میں اصطخر عظمت و اقتدار کے لحاظ سے نہ سہی مگر وسعت کے اعتبار سے سب سے بڑے شہروں میں تھا، اور اس کو مسلمانوں نے بہ شرائط صلح فتح کیا تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے لکھا ہے کہ یہ شہر ایک میل عریض تھا، اور سابق میں اس کے گرد ایک شہر پناہ تھی، جس کے متعلق وہ لکھتا ہے کہ حال ہی میں وہ منہدم کرائی گئی تھی۔ شہر کے دروازے[۱] سے باہر نکلتے ہی دریا پر ایک پل تھا جسے قنطرۃ خراسان لکھا ہے۔ (مصنف نے یہ نہیں بتایا کہ اس پل کا نام قنطرۃ خراسان کیوں[۲] تھا) یہ پل بہت عمدہ بنا ہوا تھا اور شہر کے مکانات اس کے آگے دور تک پھیلے ہوئے تھے، ان کے ہر چار طرف باغات تھے، جن میں چاول اور انار پیدا ہوتے تھے۔ دوسرے عرب جغرافیہ نویسوں نے شہر کے ان حالات پر اور کچھ اضافہ نہیں کیا۔ مسلمان مصنفوں نے مشہور اخمنشی عمارتوں اور مقبروں کی نسبت، جنھیں وہ جمشید اور حضرت سلیمانؑ سے منسوب کرتے ہیں، کوئی دلچسپ بات بیان نہیں کی ہے۔ مسلمانوں نے جس شہر اصطخر پر حکومت کی تھی اب اس کی کوئی نشانی مشکل سے باقی کہی جاسکتی ہے۔ مستوفی نے (۲۷۶)

(۱) ابن حوقل (ص ۱۹۴) کے الفاظ:۔ وقنطرۃ خراسان بخارج من المدینۃ علی بابھا مما یلی خراسان + یعنی قنطرۃ خراسان شہر کے باہر اس کے اس دروازے پر ہے جو خراسان والی سڑک پر کھلتا تھا۔ (مترجم)

(۲) اس دروازے کا نام بھی باب خراسان تھا (مقدسی ص ۴۳۶)+ باب خراسان کی وجہ تسمیہ علہ سے معلوم ہوگی) مترجم+

میں چلتی ہے۔ اس کے بعد جنوب کی طرف بہتا ہوا کوداد اور کلار نام دو قریوں کے پاس سے گزرا ہے، اور پھر جنوب مشرق کی طرف مڑکر شعب بوّان کی وادی سے آیا ہوا ایک معاون اس میں ملتا ہے۔ اس کے بعد دریائے کُر علی الترتیب رامِجرد اور کامِفیروز کے علاقوں میں سے گزرتا ہے۔ مَرودشت کے میدان میں داخل ہونے کے بعد دریائے پُلوار اس کے بائیں کنارے کی طرف سے اس میں ملتا ہے۔ پھر دریائے کُر کُربال کے اعلیٰ اور اسفل دونوں علاقوں کو سیراب کرتا ہے اور خَوَّمہ کے بڑے گاؤں کے پاس سے گزرنے کے بعد جھیل بختگان میں گرجاتا ہے۔ گرنے کا مقام علاقۂ جفور اور علاقۂ کاسگان کے درمیان ہے۔ جفوَر کا علاقہ دریائے کُر کے جنوب میں اور کاسگان کا علاقہ اسی دریا کے بائیں کنارے سے ملا ہوا واقع ہے۔

مصنف فارس نامہ اور دوسرے ایرانی مصنف لکھتے ہیں کہ دریائے کُر کے بالائی حصہ کا نام زَرَد عاصی (نافرمان دریا) تھا کیونکہ جب تک اِس کا پانی ایک بند کے ذریعے سے نہ روکا گیا آب پاشی کے کام نہ آسکا۔ دریائے کُر پر جو بند تھے ان میں سے پہلے بند کا نام بند مُجَرَّد تھا۔ یہ بند بہت قدیم زمانہ میں تعمیر ہوا تھا۔ اس کے بوسیدہ اور شکستہ ہوجانے کے بعد چھٹی (بارھویں) صدی کے شروع میں اتابک فخرالدولہ چاولی نے اس کی مرمت کرادی اور اسی کے نام پر یہ بند فخرستان کہلانے لگا۔ حافظ آبرو کے زمانہ میں اس کا یہی نام تھا۔ دریائے پُلوار کے مقام اتصال سے جنوب میں دریائے کُر کا پانی مشہور بند امیر یا بند عضدی پر باندھ کر روک دیا گیا تھا۔[1]

[1] مور نے اپنی نظم لالہ رخ (Lalla Rookh) اس کا نام بند میس سٹریم

دریائے پُلوار' جسے عرب جغرافیہ نویس فُرواب کہتے تھے' اور جسے فارسی میں پُروَاب لکھا جاتا ہے' اُوجان یا اَزجان کے شمال میں جو بُوقان کے گاؤں فرَواب سے نکلتا ہے۔ فُروَاب سے چل کر دریائے پُلوار پہلے مشرق کی طرف بہتا ہے' اور پھر پَسَرگادی (Pasargadæ) سے شمال میں مقبرہ شاہ کائوش سے (جسے سلمان مشہد مادر سُلیمان کہتے ہیں) جنوب مغرب کی طرف مڑجاتا ہے' اور اصطخر کے قریب جو عمیق غار ہے اُس میں بہتا ہوا شہر سے گزر کر مرو دَشت کے میدان میں داخل ہوتا ہے' اور اس میدان میں اُس بڑے بند سے' جسے بندِ امیر کہتے ہیں' کچھ شمال میں دریائے کُر میں گرجاتا ہے۔ اُوجان ہی کے جنوب میں تھوڑی دُور پر' جس کے معنی یہ ہوئے کہ دریائے پُلوار کے منبع سے قریب ہی دریائے کُر علاقۂ کُروان سے نکلتا ہے۔ لیکن شروع میں دریائے کُر دریائے پلوار سے مخالف راستہ اختیار کرتا ہے۔ یعنی شمال مغرب کی سمت میں بہتا ہے۔ پھر اس سمت میں بہتے بہتے ایک بڑا گول خم کھا کر پُل شہریار کے نیچے سے گزرتا ہے' جو علاقۂ اُرد میں واقع ہے۔ یہ پُل اُس سڑک پر واقع ہے جو شیراز سے اصفہان کو گرمی کے موسم

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:- ص ۷۶ (b) ' ۱۸۱ (b)' ۸۳ (a) + مستوفی ص ۱۶۳' ۱۶۴' ۱۶۸' ۱۶۹ + حافظ ابرُو ص ۸۵ (b) + جن تین قلعوں کا اوپر ذکر ہوا ان کے شکستہ آثار اب تک باقی ہیں' اور ان میں ایک کو جے موریر (J. Morier) نے دیکھا تھا: سیکنڈ جرنی تھرو پرشیا (لنڈن ۱۸۱۸ء) ص ۸۳' ۸۶ + ڈی بوڈ (Luristan : (D Bode) ج ۱- ص ۱۱۷ +

بختگان کی بڑی جھیل جس میں دریائے کُر گرتا ہے، گو آج کل غیر آباد زمینوں سے گھری ہوئی ہے، لیکن زمانہ وسطیٰ میں اس کے کنارے بہت سے گاؤں شہر اور سیر حاصل مزروعہ اراضی واقع تھیں۔ اس جھیل کی قطع دو جھیلوں (اخد) کی سی تھی، جنوبی خلیج کا نام زمانۂ وسطیٰ میں بختگان تھا اور جھیل کا شمالی حصہ بَجَیرہؔ باسَفوَیہ یا جُوبانان کہلاتا تھا۔ جھیل کا پانی کھاری تھا، اور اس میں مچھلیاں بکثرت تھیں جو پکڑ کر شیراز کے بازاروں میں فروخت کی جاتی تھیں۔ جھیل کے کنارے نرسلوں کے جنگل تھے، ان نرسلوں کو کاٹ کر بطور ایندھن استعمال کیا جاتا تھا۔ جَفوَز کا علاقہ جھیل کے مغربی سرے پر تھا، اور اس علاقہ میں خَرَّمَہ کا شہر (جو اب تک ایک بڑا گاؤں ہے) شیراز سے چودہ فرسخ کے فاصلے پر کرمان جانے والی سڑک پر واقع تھا۔ یہ سڑک جھیل بختگان کے جنوبی ساحل کے برابر برابر گئی تھی۔ مقدسی نے چوتھی (دسویں) صدی میں لکھا ہے کہ خَرَّمَہ کی اراضی بڑی وسیع تھیں، اور پہاڑی کی چوٹی پر ایک قلعہ بھی تھا۔ مستوفی نے مغلوں کے زمانہ میں لکھا ہے کہ یہ قلعہ بہت مستحکم اور اچھا بنا ہوا تھا، اور مصنف فارس نامہ نے اس شہر کے حوضوں کا تذکرہ کیا ہے[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ۔ کرائی تھی، اور یہ بند اسی کے نام پر فخرستان کہلاتا تھا۔ غالباً اس فقرہ میں سہواً بجائے بند، مجدد کے بند امیر لکھ دیا گیا ہے۔ (مترجم)

[1] اصطخری ص ۱۲۲، ۱۳۵ + مقدسی ص ۴۳۷ + فارس نامہ ص ۸۰ (a) ۸۲ (b)، ۸۷ (a) + مستوفی ص ۱۴۷، ۱۶۹، ۲۲۵، ۲۲۶ +

اس بند کا ایک حصہ سِکر (بند) فَناخسرو خُرّۂ کہلاتا تھا۔ یہ تمام تام بنی بویہ کے سلطان عَضُد الدولہ کے زمانہ کے رکھے ہوئے تھے۔ یہ بند اسی سلطان نے کِرَبال اعلیٰ کے علاقہ کو سیراب کرنے کے لیئے بنوایا تھا۔ اس زمانہ کے مصنف مقدسی نے لکھا ہے کہ یہ بند "فارس کے عجائبات میں تھا"۔ بند کی بنیاد پتھروں سے چن کر پتھروں کو سیسے سے جوڑا گیا تھا، اور اس بَند سے دریائے کُر کا پانی رک کر ایک وسیع تالاب بن جاتا تھا۔ اس تالاب کے کنارے عَضُد الدولہ نے دس بڑے بڑے رہٹ (دولاب) لگائے تھے، جن سے پانی اور بھی اونچا اٹھا لیا جاتا تھا، تاکہ تین سو قریوں میں آب پاشی اور آب رسانی ہوسکے ہر ایک رہٹ کے قریب اناج پیسنے کی ایک ایک پن چکی تھی۔ اس کے تھوڑی مدت بعد بَند کے پاس ایک بڑا شہر بسایا گیا۔ دریائے کُر کے بہاؤ کے رُخ پر سب سے آخری بند وہ تھا، جسے بَند قصّار (مالیدہ بنانے والوں کا بند) کہتے تھے، اور اس سے کِربال اَدنیٰ کے علاقہ کو سیراب کرنے کے لئے پانی بلند کیا جاتا تھا۔ یہ بند قدیم زمانہ کا بنا ہوا تھا، لیکن چونکہ چھٹی (بارھویں) صدی کے شروع میں یہ خراب ہوچکا تھا اس لئے اتابک چاوُلی نے جہاں بند امیر کو درست کرایا تھا، اس کی بھی مرمت کرائی[1]۔ (۲۷۸)

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ (Bendemeers Stream) لکھا ہے۔

[1] اصطخری ص ۱۲۱ + مقدسی ص ۴۴۴ + فارس نامہ ص ۷۹ (b) + مستوفی ص ۲۱۶، ۲۱۸ + حافظ اَبرُو ص ۳۲ (a) + یاقوت ج ۳۔ ص ۱۰۷ + (مصنف کتاب اوپر ذکر کرتے ہیں کہ اتابک فخر الدولہ چاوُلی نے بند مُجَرّد کی مرمت

جس پر اس شہر کا نام رکھا گیا تھا، یہاں خوب پھولتا تھا۔
قریۃ الآس سے مغرب کی جانب چھ یا سات فرسخ آگے اصطخر جانے والی سڑک پر علاقۂ یَزدِم میں قَرْیۃ عبدُ الرحمٰن تھا، جسے اَبادَہ بھی کہتے تھے۔ اس شہر میں عمدہ مکانات اور محل تھے، اور قزوینی نے لکھا ہے کہ اس کے کنوؤں کا پانی اتنا اونچا ہوجاتا تھا کہ کناروں سے اُبل کر زمین پر بہہ نکلتا تھا، اور کبھی اتنا نیچا ہوجاتا تھا کہ نظر تک نہ آتا تھا۔ سلاطین سلجوق کے عہد میں آبادہ ایک مستحکم قلعہ تھا، جس میں آلاتِ حرب کے مخزن اور پانی کے بڑے بڑے حوض تھے[1]۔
مَرْوِدَشت کے وسیع و عریض علاقہ میں سے دریائے کُر کا زیرین حصہ دریائے پُلوار کے شامل ہوجانے کے بعد گزرا ہے۔ شمال کی طرف اصطخر اور اس کے تین قلعے اِس علاقہ پر حاوی ہیں، اور آگے چل کر یہ علاقہ مختلف اضلاع میں منقسم ہوگیا تھا۔ کُربال اسفل اور کُربال اعلیٰ کے علاقے جھیل بختگان کے مغربی سرے کے قریب واقع تھے۔ حَفْرَک اور قالی کے علاقے دریائے کُر کے چڑھاؤ کے رُخ کے اوپر کی طرف تھے، اور قالی کے مرغزار دریائے پُلوار کے کنارے پر تھے۔ حَفْرَک کے علاقہ میں (جسے پرانے قلمی نسخوں میں خَنْبَرَک لکھا گیا ہے) خُوار کا مستحکم قلعہ اسی نام کے گاؤں کے قریب واقع تھا۔

[1] ابن خرداذبہ ص ۴۸، ۵۳ + قدامہ ص ۱۹۵ + اصطخری ص ۱۰۱، ۱۳۱ + مقدسی ص ۴۳۷ + فارس نامہ ص ۶۶ (a)، ۶۸ (a)، (b) ۱۸۳ (a) مستوفی ص ۱۷۵، ۱۷۹ + قزوینی ج ۲ - ص ۱۶۰ + آبادہ (یا آباذہ) کے شہر کے علاوہ اسی نام کا ایک گاؤں اصطخر سے اصفہان جانے والی سڑک پر واقع تھا، جس کا ذکر آئندہ آئیگا +

جھیل بختگان کا جنوب مشرقی سرا دارابجرد کے علاقہ میں تھا، اور یہاں خنیفرہ اور نیریز کے دو شہر آباد تھے، جن کا ذکر آگے کے باب میں کیا جائیگا۔ جھیل کے مشرقی کنارے کے قریب، آج کل کے بے آب و گیاہ میدان میں، چوتھی (دسویں) صدی میں دو شہر صاہک کلان اور صاہک خوزد آباد تھے۔ اس نام کو ایرانی چاہک ("چھوٹا گڑھا" یا کنواں) لکھتے تھے۔ صاہک کلان پر دو سڑکیں ملتی تھیں۔ ان میں سے ایک جھیل بختگان کے شمال میں اس کے کنارے کے ساتھ اصطخر سے، اور دوسری جنوبی کنارے کی سمت سے شیراز سے آتی تھیں، صاہک سے صرف ایک سڑک آگے کرمان کو جاتی تھی۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ صاہک کلان چھوٹا سا شہر تھا، اور یہاں کے خوشنویس مشہور تھے، جو قرآن شریف نہایت اچھا لکھتے تھے۔ مستوفی نے بیان کیا ہے کہ اس شہر کے قریب فولاد اور لوہے کی کانیں تھیں، اور مصنف فارس نامہ لکھتا ہے کہ یہاں تلواریں بڑی نفیس تیار ہوتی تھیں +

صاہک کلان سے اصطخر جانے والی سڑک پر، اور جھیل بختگان کے اس حصہ کے شمالی کنارے پر جسے باسفویہ یا جوبانان کہتے تھے، زمانۂ وسطیٰ میں دو بڑے شہر آباد تھے جن کا نشان معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ نقشے سے بالکل محو ہوگیا ہے۔ ان میں سے بودنجان کا شہر سب سے زیادہ مشرق کی طرف صاہک کلان سے چھ یا آٹھ فرسخ کے فاصلے پر واقع تھا، اور قریۃ الآس کہلاتا تھا۔ مستوفی نے اسے دہ مورد لکھا ہے۔ اس شہر کے گرد کے علاقہ میں غلے کی بڑی بڑی فصلیں اٹھتی تھیں، اور مورد کا درخت

(۲۷۹)

اس لئے رکھا گیا تھا کہ یہ شہر "دور سے چمکتا تھا"[1]۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ ایرانیوں میں اس کا نام نَساتَک تھا؛ اور یاقوت کی تحریر کے مطابق اس لفظ کے معنی دار اِسْفِید (سفید محل) ہیں۔ اوائل اسلام میں جب مسلمانوں نے اصطخر کا محاصرہ کیا تو اسلامی فوج کا ایک حصہ یہاں اترا تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں بَیضَا کا شہر اصطخر کے برابر تھا، اور مقدسی نے اس کے ذکر میں لکھا ہے کہ یہ ایک عمدہ شہر تھا جس میں ایک بڑی مسجد تھی، اور ایک مزار تھا جس کی زیارت کے لئے لوگ بہت آیا کرتے تھے۔ بَیضَا کے گرد کے مرغزار مشہور تھے، یہاں کی مٹی کا رنگ چونکہ اجلا تھا اس لئے یہ شہر ہرے ہرے کھیتوں میں "چمکتا ہوا سفید" معلوم ہوتا تھا۔ علاقہ کامِفِیُہوذ میں بہت سے قریے تھے، جن کے نام اصطخری نے گنوائے ہیں، اور لکھا ہے کہ اس کے زمانہ میں یہاں بَلوط کے جنگلوں میں خونخوار شیر ببر پھرتے رہتے تھے، جن کی وجہ سے اس کے مرغزاروں میں مویشوں کی جان ہمیشہ خطرہ میں رہتی تھی۔

علاقۂ کامِفِیُوذ کے شمال اور مشرق میں کَراجِرد کا علاقہ تھا، اور اس کا بڑا شہر مَاین تھا۔ شیہاز اور مَاین کے بیچ میں هَزَار یا آزار سابُور کا شہر تھا، جسے نَیسابُور بھی کہتے تھے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں اس کا ذکر اکثر آتا ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:- ج ۲ - ص ۸۰۴ +

[1] ابن حوقل (ص ۱۹۷) اور اصطخری (ص ۱۲۶) دونوں نے بَیضَا کی وجہ تسمیہ یہ بیان ہے کہ اس کا ایک قلعہ تھا جو دور سے چمکتا تھا (لانّ بها قلعة تبض من بُعد) (مترجم)

اس مقام کا ذکر اصطخری نے کیا ہے، اور فارس نامہ میں بھی چند مرتبہ اس کا نام آیا ہے۔ فارس نامہ میں اس کی جائے وقوع دریائے کُر کے بند عَضُدی اور جھیل بَختِگان کے کنارے والے شہر آبادہ کی بیچوں بیچ بیان کی گئی ہے، اور لکھا ہے کہ ان دونوں مقامات سے خُوار کا فاصلہ دس دس فرسخ تھا۔ یاقوت نے بھی دو مرتبہ خُوار کا ذکر کیا ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کی جائے وقوع سے ناواقف تھا۔ یہاں پانی کنوؤں سے لیتے تھے، اور قلعہ کی دیواریں اور بُرج بہت مضبوط تھے۔ علاقۂ مَرْوَدَشت کی غلہ کی زمینیں بہت مشہور تھیں، اور دریائے کُر کے بندوں کی وجہ سے ان میں آب پاشی خوب ہوتی تھی۔ مصنّف فارس نامہ کے بیان کے مطابق علاقۂ مَرْوِدَشت کو ایک گاؤں کے نام پر، جسے مَرْو کہتے تھے، یہ نام دیا گیا تھا۔ ابتدا میں یہ گاؤں شہر اصطخر کے محلّوں میں سے ایک محلہ تھا، جہاں بعد میں اُس پلستی آثار قدیمہ کے جنوب میں جمشید کے باغات لگائے گئے تھے[1]۔ (۲۸۰)

مَرْوَدَشت کے شمال میں کامفیروز کا علاقہ تھا، جس کا بڑا حصہ دریائے کُر کے داہنے کنارے پر واقع تھا۔ علاقۂ کامفیروز کا بڑا شہر اس زمانہ میں اور اب بھی بَیضا ہے۔ عربی میں البَیضا کے معنی سفید (شہر) کے ہیں۔ یہ نام ان چند مثالوں میں سے ایک مثال ہے جہاں ایرانیوں نے عربی نام اختیار کر لیا، اور آج تک وہی مستعمل ہے (البتہ ض تلفظ ذ کی طرح کرتے ہیں)۔ بَیضا کا یہ نام

[1] اصطخری ص ۱۰۴ + فارس نامہ ص ۶ (a)، ۶۷ (b) ۸۳ (a)، ۸۴ (b)، ۸۶ (a)، (b) + مستوفی ص ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۹، ۱۸۰ + یاقوت ج ۱- ص ۱۹۹ +

فارس نامہ اور مستوفی دونوں نے اِسفِیدَان لکھا ہے، جس کے نزدیک قِہُستان کا گاؤں تھا، اور اس گاؤں کے قریب ایک پہاڑی میں بڑا غار واقع تھا۔[1]

دریائے کُر کے بائیں کنارے کے قریب، مَایِن سے تھوڑے فاصلے پر اَبْرَج (جسے اکثر غلطی سے اِیْرَج لکھ دیا جاتا ہے) کا شہر اور قلعہ واقع تھا۔ اصطخری نے اسے علاقۂ دَارِجِرْد ہی کا شہر بتایا ہے، اور اس مقام کا نام اب تک نقشوں میں ملتا ہے۔ مصنّف فارس نامہ اور مستوفی دونوں نے لکھا ہے کہ اَبْرَج ایک بڑا گاؤں تھا اور ایک پہاڑ کے نیچے واقع تھا، اور اس پہاڑ کے ڈھال پر بھی اُس کے کچھ مکانات بنے ہوئے تھے۔ اس کا قلعے، دِزِاَبْرَج کو کچھ انسانی صنعت نے مستحکم کیا تھا، اور کچھ ان غاروں کی وجہ سے وہ ناممکن التسخیر ہوگیا تھا جو اس پہاڑی کی چوٹی سے جہاں یہ قلعہ تھا نیچے کی طرف تھے۔ اس قلعہ میں باغ بھی تھے، اور پانی کی بہتات تھی۔ اُوْجَان یا اُزْجَان کا شہر مَایِن سے ایک منزل شمال کی طرف تھا۔ مستوفی نے اس کا ذکر کیا ہے، مگر تفصیل نہیں دی۔ اُوجَان غالباً وہی مقام ہے جسے قُدَامَہ نے خُوسگَان (خُوسجَان) لکھا ہے۔ یہ نام غلطی سے قُدامَہ کی مطبوعہ

---

[1] قُدامہ ص ۱۹۶ + اصطخری ص ۱۱۱، ۱۱۷، ۱۲۶، ۱۴۲ + ابن حوقل ص ۱۹۷ + مقدسی ص ۴۳۲، ۴۳۷، ۴۴۸ + فارس نامہ ص ۶۶ (a)، ۶۸ (a)، ۸۱ (b) + مستوفی ص ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۸۰ + یاقوت ج ۱- ص ۵۶۱ + ج ۳- ص ۹۳، ۸۳۸ + سَعِیدآباد کا قلعہ غالباً وہی ہے جسے آج کل منصورآباد کہتے ہیں اور جس کا حال Schindler نے

مقدسی نے لکھا ہے کہ ھَنبار چھوٹا سا شہر تھا اور بڑی بڑی اراضی اُس سے متعلق تھیں، اور شَنبار سے اصفہان جانے والی پہاڑی سڑک یا موسم گرما والی سڑک پر یہ پہلی منزل تھا۔ علاقۂ دَا ھجِار د کے صدر مقام مَاین کے متعلق مقدسی نے لکھا ہے کہ وہ ایک آباد و مشہور شہر تھا، اور اس کی زمینیں سیر حاصل تھیں۔ مستوفی نے بیان کیا ہے کہ خاندان مغول کی دَور حکومت میں اس کا مالیہ (۲۵۰۰ ھ) دینار (یعنی ایل خانی سکہ کے مُطابق تقریباً ۲۲۷۵۰ روپیہ) تھا۔ مَاین کے شہر میں شیخ گل اندام نام کسی ولی اللہ کا مزار تھا، اور شمالی سڑک پر دَرّہ کوہ کے نیچے مشہد اسماعیل تھا۔ یہ حضرت امام موسیٰ الکاظم امام ہفتم کے بیٹے تھے۔ علاقۂ دَا ھجار د کی زرخیزی کا باعث آب پاشی کی وہ نہریں تھیں جو دریائے کُر کے بند مجّار د کے شمال سے نکالی گئی تھیں، بند مجّار د کے متعلق بیان ہوچکا ہے کہ اس کو اتابک چاولی نے دو بارہ بنوایا تھا۔ علاقۂ دَا ھجار د میں ہی سَعیداں آباد کا قلعہ ایک بلند پہاڑی کی چوٹی پر واقع تھا، اور قلعہ تک پہنچنے کے لئے پہاڑی پر جو سڑک تھی وہ ایک فرسخ لمبی تھی۔ پُرانے زمانہ میں اس قلعہ کو اِسْفِیْد باذ (سفید محل) کہتے تھے۔ بنی اُمیہ کے عہد میں اکثر باغی امراء یہاں بیٹھ کر خلفاء کی فوجوں کا مُقابلہ کیا کرتے تھے۔ انجام کار تیسری (نویں) صدی کے آخر میں یَعقُوب بن لیث الصَّفّار نے اس قلعہ پر قبضہ کیا، اور اسے مستحکم کیا اور ایسے لوگوں کے لئے "جو اُس کے مخالف تھے" اس قلعہ سے محبس کا کام لیا۔ اِسْفِیْد باذ غالباً غلط کتابت کا نتیجہ تھا، کیونکہ اس قلعہ کا نام بعض مرتبہ اِسفِیندِیار بھی لکھا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی قلعہ ہے جسے مصنّف

{۳۸۱}

کی سطح زمینوں کے مرغزار مشہور تھے، اور یہاں کی زرعی زمینوں میں، جنھیں دریائے کُر اور اس کے معاون سیراب کرتے تھے ایک سال میں چار فصلیں اُٹھتی تھیں۔ کوشک زَرد کا ذکر سب سے پہلے فارس نامہ میں آیا ہے، اور اس کتاب میں اس کا نام عام طور پر کوشک زر لکھا گیا ہے۔ شمال ہی میں کُوشک زَرد اور دِیہ گِردُوْ کے بیچوں بیچ علاقۂ اُرد یا اَورد کے اس سے بھی زیادہ زرخیز مرغزار واقع تھے۔ اصطخری کے بیان کے مطابق علاقۂ اُرد کے بڑے شہر بجّہ اور تیمرستان تھے۔ (فارس نامہ میں اسے تیمہجان لکھا گیا ہے)۔ مستوفی نے دِیہ گِردُو کا ذکر کیا ہے، اور فارس نامہ میں اس کا نام دِیہ گوز (جوز) لکھا ہے کہ دونوں لفظوں کے معنی اخروٹ والے گاؤں کے ہیں۔ ابتدائی زمانہ کے عرب جغرافیہ نویس اس نام کا ذکر نہیں کرتے (جو مذکورہ بالا شکل میں ایرانی نام معلوم ہوتا ہے)، لیکن سیاحت ناموں میں جو موقع اُس کا بیان ہوا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ زمانہ کا دِیہ گِردُو وہی ہے جسے قدامہ اور اصطخری نے اصطخران لکھا ہے۔

دشت اُرد کی مشرقی سرحد کے ساتھ ساتھ اِکلید، سَرمَق، اور آبادَہ کے گاؤں، اور پھر دِیہ گِردُو اور یزدِخواست کے بیچ میں شُورِسْتان اور سَرْدِسْتان کے گاؤں اس طرح واقع تھے کہ دِیہ گِردُو اور یزدخواست سے ان کا فاصلہ مساوی تھا۔ مصنف فارس نامہ کی تحریر کے مطابق اِکلید میں ایک عمدہ قلعہ تھا، اور سَرمَق کی طرح وہاں کی غلّہ پیدا کرنے والی زمینیں مشہور تھیں۔ مقدسی نے سَرمَق کا نام جَرمَق لکھا ہے۔ یہ ایک اچھا بنا ہوا، اور درختوں

کتاب میں خُوسکان، اور مقدسی کی کتاب میں حَوسکان چھپ گیا ہے[له]۔

(۲۸۲) شِیرا ز سے اصفہان کو سب سے زیادہ سیدھی سڑک وہ تھی مَاین ہوکر گزرتی تھی، اور پھر کُوشک زَرد سے ہوتی ہوئی دِیلہ گِرد اور یَزدخواست میں سے گزر کر قُومِشہ کو آئی تھی۔ جو صوبہ فارس کی سرحد پر واقع تھا۔ مَاین سے سڑک دَرّہ کُوہ کی چڑھائی پر جاتی تھی، اور شمال میں دریائے کُر کے پل شہریار تک پہنچتی تھی، جہاں ایک میدان میں، جسے دَشت رُون یا دَشت رُوم کہتے تھے، صلاح الدین کا رباط واقع تھا۔ مستوفی کی تحریر کے مطابق اس کے شمال میں گِریوۂ مادر و دُختر (ماں اور بیٹی کا درّہ)، اور پھر کُوشک زَرد آتا تھا۔ کُوشک زَرد غالباً وہی مقام ہے جسے اصطخری اور مقدسی نے قصر اَعْیَن یا اَعین لکھا ہے۔ دَشت رُون کبریٰ اور دَشت رُون صغریٰ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:- پی۔ آر۔ جی۔ ایس (۱۸۹۱ء ص ۲۹۰) میں کیا ہے۔

له فارس نامہ ص ۱۹۶ + اصطخری ص ۱۰۲، ۱۳۶ + مقدسی ص ۴۵۷، ۴۵۸ + فارس نامہ ص ۱۶۶ (۱۹۳ (a)) + مستوفی ص ۱۷۴، ۱۷۹ + مصنف فارس نامہ نے اس نام کا املا اِیج لکھا ہے، اور بلاشک وشبہ یہی صحیح تلفظ ہے۔ اصطخری اور مقدسی کی کتابوں میں قلمی نسخوں کی غلطی کی وجہ سے اِیرج لکھا گیا ہے، اور یاقوت نے بھی تلفظ اختیار کرلیا ہے۔ پرانا قلعہ اَیج کے شمال میں واقع ہے اور آج کل اِشکنوان کہلاتا ہے؛ اس موجودہ نام سے فوراً سَنکوان کا قلعہ یاد آتا ہے، جس کے متعلق ہم لکھ آئے ہیں کہ وہ اصطخر کا قلعہ تھا۔ دیکھو Schindler پی۔ آر۔ جی۔ ایس ۱۸۹۱ء ص ۲۹۰ +

جس سے اس شہر کی حفاظت کی جاتی تھی۔ مستوفی نے یہ بھی لکھا ہے کہ قومِشہ کے چاروں طرف سیر حاصل علاقے تھے۔ یَزدِخواست کے مغرب میں، دریائے طَاب کے سرچشموں کے قریب سُمَیرَم کے شہر میں سے شیراز سے اصفہان جانے والی مغربی سڑک گزرتی تھی۔ مقدسی نے بیان کیا ہے کہ سُمَیرَم میں ایک عمدہ تعمیر کی ہوئی مسجد بازار میں واقع تھی۔ اخروٹ اور سرد ملکوں کے دوسرے میوے یہاں بافراط ہوتے تھے۔ شہر کی حفاظت کے لئے ایک مستحکم قلعہ تھا، اور قلعہ کے استحکامات کے اندر ایک چشمہ تھا جس سے پانی بہت نکلتا تھا۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ اس قلعہ کا نام وَہان زاد تھا۔ شیراز سے اصفہان جانے والی مغربی سڑک بیضا میں سے گزرتی تھی، جو مَرودشت میں واقع تھا، اور پھر یہ سڑک مِہرجاناذاذ (یا مِیْہرجاناذاذ) کی طرف چلی جاتی تھی۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ مِہرجاناذاذ کے شہر کے وسیع زمینیں متعلق تھیں، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ دریائے کُر کے بائیں کناروں یا اس کے مغربی معاون دریاؤں میں سے کسی دریا پر واقع تھا۔ مِہرجاناذاذ اور سُمَیرَم کے درمیان بڑے مقامات کُورَد اور کَلار تھے (جن کا دریائے کُر پر واقع ہونا اس سے قبل بیان ہوچکا ہے)۔ یہ دونوں شہر پاس پاس آباد تھے۔ مستوفی اور مقدسی دونوں نے بیان کیا ہے کہ کُورَد اور کَلار کی غلہ پیدا کرنے والی زمینیں اور پھلوں کے درخت جن میں سرد

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ ۲۰۰ + یاقوت ج ۱۔ ص ۱۹۷ + ابن بطوطہ ج ۲۔ ص ۵۲ +

سے گھرا ہوا شہر تھا۔ ان میں زرد آلوچہ جن درختوں سے اترتا تھا وہ بہت مشہور تھے۔ اور آلوچوں کو سکھا کر دوسرے مقامات کو بکثرت دساور کیا جاتا تھا۔ تنیہاز سے اصفہان کو آج کل جو ڈاک کی سڑک جاتی ہے اس پر آبادہ کا گاؤں ایک پڑاو ہے۔ اس کا ذکر سب سے پہلے مصنف فارس نامہ نے، اور اس کے بعد مستوفی نے کیا ہے۔ یہی کیفیت شورستان کی ہے۔ یہ گاؤں کھاری پانی کے ایک دریا پر، جو شرق میں بادیہ کی طرف بہتا ہے، واقع ہے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی میں سَرِوستان کے گاؤں میں ایک مسجد تھی، اور قریب کی پہاڑیوں سے یہاں پانی بخوبی مہیا رہتا تھا۔ سرِوستان کے شمال میں یَزدِ خواست کا شہر تھا، اس کا نام سب سے پہلی مرتبہ فارس نامہ میں آیا ہے۔ لیکن بلاشبہ یہ وہی مقام ہے جسے مقدسی نے مخفف کرکے اَزکاس لکھا ہے۔ مستوفی نے یزدخواست اور دِیہ گِردُو کا ذکر ایک ساتھ کیا ہے۔ مگر تفصیل نہیں دی۔ یَزدخواست کا املا اکثر یَزدِ خاص بھی کیا جاتا ہے[1]

قُومِشَہ، جس کا املا مقدسی نے قُومِسَہ کیا ہے، جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا ہے صوبۂ فارس کی شمالی سرحد پر واقع تھا۔ اسے اکثر اصفہان کے اعمال میں شمار کیا جاتا تھا۔ مستوفی نے قُولِنجان نام ایک کچے قلعے کا ذکر کیا ہے۔

(۲۰۳)

[1] ابن خرداذبہ ص ۵۸ + قدامہ ص ۱۹۶ + اصطخری ص ۱۰۳، ۱۳۲، مقدسی ص ۴۳۷، ۴۵۸ + فارس نامہ ۶۵ (b) ۶۶ (a) ۸۰، ۱ (b) ۸۱ (a) ۸۳، (a) (b) ۸۴ (a) (b) + مستوفی ص ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۹

مستوفی نے لکھا ہے کہ کمین خاصا بڑا شہر تھا، اور ایک ایسے علاقہ میں واقع تھا جہاں غلّہ پیدا ہوتا تھا۔ اس کے عمدہ مرغزاروں کا جو دریا کے کنارے تھے، مستوفی نے خاص طور سے ذکر کیا ہے۔ کمین کے شمال میں اس مقام پر جہاں دریائے پلوار ختم ہوتا ہے پسرگادی (Pasargadæ) اور کائرس کا مقبرہ واقع ہے۔ ہم اوپر کہ آئے ہیں کہ کائرس کے مقبرے کو مسلمان حضرت سلیمان کی والدہ کی قبر سمجھتے تھے، اور اسے مشہد مادر سلیمان کہتے تھے۔ چہل سنگ بستہ مقبرے کے متعلق، جو اب تک موجود ہے یہ مشہور تھا کہ ایک طلسم اس کی حفاظت کرتا ہے۔ مصنف فارس نامہ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اس کی چار دیواری کے اندر سکونت اختیار کرنے کا قصد کرتا تھا تو دفعتہً اندھا ہوجاتا تھا۔ گرد و نواح کے چراگاہ مرغزار کالان کہلاتے تھے۔ مشہد مادر سلیمان سے آگے کی منزل دِیہ بِید تھا، جہاں سڑک کی دو شاخیں ہوجاتی تھیں۔ دِیہ بِید کا نام مقدسی اور دوسرے عرب جغرافیہ نویسوں نے قریۃ البید لکھا ہے۔ اس گاؤں کے شمال میں اصطخر اور یزد کے تقریباً وسط میں ابرقوہ کا شہر واقع تھا۔

ابرقوہ یا ابرقویہ (جسے بعض مرتبہ مخفف کرکے برقو بھی کہتے تھے) ابن حوقل کی تحریر کے مطابق اس کے گرد شہر پناہ اور برج تھے، اور اصطخر سے وسعت میں وہ ایک ثلث تھا، اور اس میں بڑے بڑے بازار تھے۔ مقدسی نے یہاں کی ایک عمدہ مسجد کا ذکر کیا ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:- فرسخ شمال میں تھا۔

ملکوں کے میوے ہوتے تھے بہت مشہور تھے۔ اصطخری نے ان دونوں شہروں کے بنے ہوئے عمدہ مکانات کا تذکرہ کیا ہے۔ لیکن معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ان دونوں مقامات کے نشان اب بالکل مٹ گئے ہیں۔[۱]

تینوں سڑکوں میں جو شیراز سے اصفہان کو جاتی تھیں سب سے کم طول کی سڑک وہ تھی جو مایین اور دشت رُوَن کی سطح زمین سے گزرتی ہوئی اصفہان پہنچتی تھی، اور جس کا ہم پہلے تذکرہ کرچکے ہیں۔ مصنف فارس نامہ نے اس کا نام "موسم سرما کی سڑک" لکھا ہے۔ موسم گرما کی سڑک اس سے زیادہ طولانی تھی، اور تینوں (۲۸۴) سڑکوں میں سب سے زیادہ مشرقی سمت رکھتی تھی۔ یہ سڑکیں اصطخر سے گزر کر کمین ہوتی ہوئی بادشاہ کائرس کے مقبرے کے پاس سے نکل کر دِیہ بید پہنچتی تھی، جہاں سے بائیں ہاتھ کو ایک سڑک یزد گئی تھی۔ دِیہ بید سے اصفہان جانے والی سڑک مغرب کی جانب بڑھ کر سرمق اور اَبادہ کے گاؤں سے گزرتی ہوئی یزدخواست اور قومشہ پہنچتی تھی۔ کمین کا مقام دریائے پُلوار کے مشرقی کنارے کے قریب تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں

---

[۱] اصطخر ص ۱۲۶ + فارس نامہ ص ۶۶ (a) ۴۸ ،(a) (b) + مقدسی ص ۴۸۹ ، ۴۳۷ ، ۴۵۷ ، ۴۵۸ + مستوفی ص ۱۷۵ + یاقوت ج ۳- ص ۱۵۱ + ج ۴- ص ۹۴۲ + یہ یاد رکھنا چاہئے کہ مقدسی (ص ۴۵۸) نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ کُومَاد اور کلارا کے گاؤں ایک دوسرے سے بالکل قریب ساتھ ساتھ واقع تھے۔ لیکن مصنف فارس نامہ (ص ۱۸۴ (b) نے سیاحت نامہ میں بیان کیا ہے کہ کلار کومَاد سے پانچ

یَزد پرانے زمانہ میں کَثَہ کے نام سے مشہور تھا۔ جب اِس شہر کو خاص طور پر یَزد کہا جانے لگا تو کَثَہ کے لفظ کا اطلاق اس شہر کے علاقہ پر ہونے لگا۔ اس علاقہ کا دوسرا نام حَوْمَہُ (یا جَومَہُ) یَزد بھی تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے لکھا ہے کہ یَزد ایک اچھا بنا ہوا، اور خوب مستحکم شہر تھا۔ اس میں دو آہنی دروازے باب اِیزَد اور بَاب المَسْجِدْ تھے۔ باب المسجد مسجد کے قریب تھا، اور مسجد ایک وسیع بیرونی آبادی میں تھی۔ قلعہ والی پہاڑی سے ایک چھوٹی ندی نکلتی تھی، اور شہر کے گرد کی زمینیں، باوجود ایران کے صحراء اعظم کے قرب کے، نہایت زرخیز تھیں۔ اور یہاں کا میوہ افراط سے اصفہان کو دساور کیا جاتا تھا۔ یَزد کے قریب ہی ایک کان سے سیسہ نکالا جاتا تھا۔ جس سے بیش قرار منافعہ حاصل ہوتا تھا۔ قزوینی اور دوسرے مصنفوں نے بیان کیا ہے کہ یَزد میں نہایت خوبصورت نمونوں کے بھاری ریشمی کپڑے بُنے جاتے تھے۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ شہر کے مکانات کچی اینٹوں کے بنے ہوئے تھے، لیکن یہاں یہ کچی اینٹیں اتنی پائدار ہوتی تھیں جتنی کہ دوسرے مقامات کی پکی اینٹیں، کیونکہ شہر میں بارش شاذ و نادر ہی ہوتی تھی۔ لیکن باوجود اس کے پانی کی بہتات تھی۔ یہ پانی نالیاں کھود کر پہاڑیوں سے لایا گیا تھا، اور شہر کے ہر گھر میں پانی کے ذخیرہ کرنے کے لئے حوض تھے۔ یَزد سے ایک منزل شمال میں اَنجِیرَہ (انجیر کا گاؤں)

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:۔ وہم پرستی پر دلچسپ بحث کی ہے +

مستوفی لکھا ہے کہ اَبَرْقُوہ کے تمام رہنے والے اہل حرفہ تھے، اور گرد و نواح کی زمین میں غلّہ اور روئی بہت پیدا ہوتی تھی۔ اسی مصنف نے یہ بھی لکھا ہے کہ اَبَرْقُوہ کی آب و ہوا میں یہ خاصیت تھی کہ کوئی یہودی یہاں آکر چالیس روز سے زیادہ زندہ نہ رہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ "شہر کے باشندوں میں ایک بھی یہودی نہ تھا"۔ مستوفی نے اَبَرْقُوہ کے شہر میں مشہور و معروف درویش طاؤس الحرمین کے مزار کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ سب لوگ اِس بات کو تسلیم کرتے تھے کہ ان بزرگ کے انکسار کا یہ عالم تھا کہ ان کے مزار پر چھت نہیں قائم کی جاسکتی تھی۔ مستوفی لکھتا ہے کہ باوجود اس کے بار بار چھت ڈالی گئی اور ہر مرتبہ کسی مافوق العادت طاقت نے اِس چھت کو ہٹا دیا، تاکہ ان بزرگ کی مٹی بت پرستوں کی سی عبادت کا مقام نہ بن جائے۔ اَبَرْقُوہ کے نواح میں فَرَاغہ (یا فَرَاغہ) کا گاؤں تھا، جہاں بڑے بڑے عالیشان درخت سَرو کے تھے، اور تمام دنیا میں اس وجہ سے مشہور تھے کہ بلخ اور کُوهِستان کے مقام کِشمَر کے سروں سے بھی زیادہ بلند اور سرسبز تھے[۱]

(۲۸۵)

[۱] اصطخری ص ۱۲۹ + ابن حوقل ص ۱۹۶ + مقدسی ص ۴۳۷، ۴۵۷ + فارس نامہ ص ۸۱ (b)، ۸۴ (b) + مستوفی ص ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۸۰، ۲۰۰ + جہان نما ص ۲۶۶ + ابن بطوطہ (ج ۲۔ ص ۵۳-۱۱۴) نے امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کے مزار کی چھت کا بھی ایسا ہی قصہ بیان کیا ہے۔ یہ مزار بغداد میں ہے۔ پروفیسر گولڈ زیہر (Goldziner) نے اپنی کتاب Muhammedanische studien ج ۱۔ ص ۲۵۷ میں اس

(۲۸۶) یزد سے تقریباً پچھتر میل جنوب میں، اور یزد اور شہر بابک کے بیچوں بیچ اناد کا شہر واقع ہے، جو بھرام آباد سے جنوب مشرقی سمت میں ساٹھ میل ہے۔ آج کل اناد اور بھرام آباد دونوں صوبۂ کرمان میں شامل سمجھے جاتے ہیں۔ بہرکیف زمانۂ وسطیٰ میں یہ تمام علاقہ صوبۂ فارس کا حصہ سمجھا جاتا تھا، اور اَلرُوذَان کہلاتا تھا۔ اس علاقہ کے تین بڑے بڑے شہر اَبان (موجودہ اَنار) اَذکان، اور اُناس (بھرام آباد کے قریب) تھے[1]

علاقۂ الرُّوذان کا بڑا شہر اَناس تھا۔ اصطخری نے لکھا ہے کہ یہ شہر وسعت میں ابَرقُوہ کے برابر تھا، اور

[1] ہمارے عربی مصنف لکھتے ہیں کہ اَبان کا مقام فَہرَج سے (جو یزد کے جنوب مشرق میں پانچ فرسخ کے فاصلے پر ہے) پچیس فرسخ تھا؛ الرُّوذان کا شہر اَبان سے آگے اٹھارہ فرسخ تھا؛ اور اُناس کا شہر الرُوذان سے ایک چھوٹی منزل یا دو بَرِید کے فاصلے پر تھا۔ اس کے علاوہ اُناس بِیمَند سے ایک طویل مرحلہ اور دو فرسخ (یا ایک برید) کے فاصلے پر تھا، اور بِیمَند کا مقام سِیرجان کے مغرب میں آخری منزل تھا۔ الرُوذان سے شہر بابک تین دن کی مسافت تھا؛ ان کے درمیان پہلی منزل قریۃ الجمال (اونٹوں کا گاؤں) تھا۔ مذکرہ بالا تمام فاصلوں کا اگر نقشہ تیار کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ موجودہ اَنار اور بھرام آباد کا تطابق علی الترتیب زمانہ وسطیٰ کے اَبان اور اُناس سے ہوتا ہے۔ الرُوذان جو بظاہر وہی مقام ہے جسے کسی جگہ اذکان کہا گیا ہے، ضرور ان دو شہروں، اَنار اور بھرام آباد کے درمیان گلنا باد کے موجودہ گاؤں کے قریب، واقع ہوگا اصطخری ص ۱۳۵، ۱۶۸ +

اور اس سے اگلی منزل پر خَزَانَہ تھا۔ (جسے اکثر غلطی سے خَسَرانہ چھاپ دیا گیا ہے)۔ خَزَانَہ ایک بڑا گاؤں تھا اور اس کی حفاظت کے لئے قریب ہی پہاڑی پر ایک قلعہ تھا۔ اس سے آگے تیسری منزل اور بادیہ کے سرحد پر ساغَند تھا۔ ابن حوقل کی تحریر کے مطابق سَاغَند کی آبادی صرف چار سو آدمیوں کی تھی، اس کی حفاظت کے لئے قلعہ تھا، اور زمین دوز نہروں سے اس کی زمینیں خوب سیراب ہوتی تھیں۔ مَیبُد، عَقْدَا اور نَایِین کے تینوں شہر یزد کے شمال مغرب میں بادیہ کے کنارے یکے بعد دیگرے واقع تھے، اور ان کو یَزْد کے اعمال میں شمار کیا جاتا ہے، گو بہت سے مصنف نایین کو اصفہان کے علاقہ میں شمار کرتے ہیں۔ مستوفی کی تحریر کے مطابق نایین کی حفاظت کے لئے ایک قلعہ تھا اور اس کے شہر پناہ کا دور (۴۰۰۰) قدم تھا۔ بہر کیف کسی مصنف نے ان شہروں کا تفصیلی حال نہیں لکھا، بلکہ ان کے صرف نام گنوائے ہیں[۵]۔

[ع] ابن حوقل (ص ۲۹۴) نے لکھا ہے کہ خَزَانَہ کی آبادی دو سو آدمیوں کی تھی + خَزَانَہ سے تلِّ سیاہ سَبِین ایک مرحلہ تھا۔ تل سیاہ سبین میں آبادی نہ تھی، بلکہ صرف ایک کاروان سرائے (خان) تھی۔ تلِّ سیاہ سبین سے ایک مرحلہ پر سَاغَند واقع تھا۔ (مترجم)

[۵] اصطخری ص ۱۰۰ + ابن حوقل ص ۱۹۶، ۲۹۴، ۲۹۵ + مقدسی ص ۴۲۴، ۴۳۷، ۴۹۳ + قزوینی ج ۲۔ ص ۱۸۷ + مستوفی ص ۱۵۳ + یاقوت ج ۳۔ ص ۶۹۴ + ج ۴۔ ۷۳۴، ۷۱۱ +

اَلسَّردان اور شہر بابک کے بیچ میں دِیہہ اُشتوان (یا عربی میں قَریۃ الجمال) کا چھوٹا سا شہر تھا۔ مقدسی نے بیان کیا ہے کہ یہاں کی مسجد میں ایک بلند مینار تھا، اور شہر سے جنوب میں ندی کے کنارے عمدہ باغ تھے۔ شہر بابک، یعنی سب سے پہلے ساسانی بادشاہ اَرْدَشیر کے باپ بابک یا پاپک کا شہر اکثر صوبۂ کرمان میں شمار کیا جاتا تھا۔ یہ مقام اب تک باقی ہے، اور اصطخری، مقدسی اور دوسرے مصنفوں نے اس کا ذکر کیا ہے، لیکن تفصیل نہیں لکھی۔ مستوفی نے اسے کرمان میں شامل کیا ہے، اور لکھا ہے کہ غلہ، روئی اور کھجوریں یہاں کثرت سے ہوتی تھیں۔ شہر بابک سے دو منزل مغرب میں، اصطخر جانے والی سڑک پر ھَرَات کا چھوٹا سا شہر تھا، جسے مصنف فارس نامہ نے صاہک کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اصطخری نے ھَرَات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی میں وہ اَبَرقوہ سے بڑا مقام تھا۔ مقدسی کی تحریر کے مطابق یہاں سے میوہ بہت دساور کیا جاتا تھا، خصوصاً سیب اور زیتون، اور اس میں عمدہ بازار تھے۔ اس کی مسجد کے گرد سڑکیں تھیں، اور اس کے باغوں میں سے ایک اچھی ندی گزرتی تھی۔ شہر ھَرَات کا صرف ایک دروازہ تھا، اور مقدسی نے لکھا ہے کہ فَرعا کا چھوٹا سا شہر اسی کے قریب واقع

(۲۸۷)

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ :- ص ۱۶۴ (۵) + یاقوت ج ۲۔ ص ۸۳۰ + اناس کی زمینیں آج تک بہت ہی زرخیز ہیں، اور یہاں غلہ مقامی ضروریات سے بہت زیادہ پیدا ہوتا ہے، اور دساور کیا جاتا ہے +

مقدسی نے یہاں کی ایک عمدہ مسجد کا تذکرہ کیا ہے جس پر بازار میں سے سیڑھیاں چڑھ کر پہنچتے تھے۔ اس کے علاوہ مقدسی نے یہاں کے حماموں اور سرسبز و شاداب باغوں کا بھی ذکر کیا ہے، حالانکہ شہر کے گرد ریگستان پھیلا ہوا تھا۔ اناس کا قلعہ بہت مضبوط تھا، اور آٹھ دروازے رکھتا تھا، جن کے نام مقدسی نے، چونکہ وہ یہاں رہ چکا تھا، لکھے ہیں۔ اُناس میں اُونی کپڑے کا مالیدہ بنانے والے (قصّارون) مشہور تھے۔ یہ لوگ شہر کے اندر رہتے تھے، شہر کے باہر کوئی بستی (ربض) نہ تھی۔ علاقۂ رُودخان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ساٹھ فرسخ مربع تھا۔ موجودہ زمانہ کی طرح پہلے بھی یہ علاقہ صوبۂ کرمان میں شامل تھا۔ لیکن چوتھی (دسویں) صدی میں اِسے صوبۂ فارس میں ضم کردیا گیا۔ مصنف فارس نامہ کی تحریر کے مطابق یہ انتظام سلطان الپ ارسلان سلجوقی کے زمانہ تک قائم رہا۔ اس سلطان نے پانچویں (گیارھویں) صدی کے وسط میں اس تمام سرزمین کو فتح کرکے رُودخان کو دوبارہ کرمان میں شامل کردیا۔[1]

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ ابن خُرداذبہ ص ۴۸ + مقدسی ص ۵۷، ۴۷۳، ۴۸۴ + یاقوت نے اس تمام معاملہ کو مبہم بنادیا ہے۔ اس نے (جلد ۳ - ص ۹۲۵) اَنار کو اس طرح بیان کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اور اناس ایک ہی مقام ہیں۔ لیکن اوپر جو فاصلے نقل کئے گئے ہیں ان سے یہ بات ناممکن ہے۔ اغلب یہ ہے کہ یاقوت کی کتاب میں اس جگہ کتابت کی غلطی سے اُناس کی جگہ اَنار لکھا گیا ہے، حالانکہ ایک دوسرے مقام (ج ۱ - ص ۳۶۷) پر اُناس کو یاقوت صوبۂ کرمان میں شمار کرتا ہے +

[1] اصطخری ص ۱۰۰، ۱۲۶ + مقدسی ص ۷۳، ۴۲۸، ۴۶۲ + فارس نامہ

۵۸

باب بستم

فارس (ختم)

کورۂ دارابجرد یا علاقۂ شبانکارہ - شہر دارابجرد - درکان اور ایگ - نیریز اور اصطہبانات - فسا، رونیز اور خسو - لار اور فرگ - طارم - سورو - فارس کی تجارت وصنعت - صوبۂ فارس میں سے گزرنے والی سڑکیں -

صوبۂ فارس کے پانچ کوروں میں کورۂ دارابجرد سب سے زیادہ مشرقی کورہ تھا، اور یہ کورہ اس صوبۂ شبانکارہ سے تقریباً مطابق تھا جو مغلوں کے زمانہ میں فارس سے علیحدہ کرلیا گیا تھا اور اس کی حکومت جدا قائم کی گئی تھی - مصنف فارس نامہ کی تحریر کی مطابق شبانکارہ ایک قبیلہ کا نام تھا جس کی اصل ایک دیلمی خاندان فیضلویہ سے تھی - قبیلہ شبانکارہ کے لوگ اسماعیلی فرقہ کے شیعہ تھے - سلجوقیوں کے عہد میں اس قبیلہ کے لوگوں اور کردوں نے اتابک چاؤلی کے مقابلے میں کامیابی کے ساتھ لڑائیاں لڑی تھیں، اور سلجوقیوں

تھا۔ ساتویں (تیرھویں) صدی میں قزوینی لکھا ہے کہ غُبیرا کا درخت ھَرَات کے باغوں میں بافراط ہوتا تھا۔ اس نے بیان کیا ہے کہ جب اِس درخت پر پھول آتا تو شہر کی عورتوں میں بہت جوش پیدا ہوجاتا تھا۔ صَاھِک کے جنوب مشرق میں، علاقہ دَارَابجِرد کی سرحد پر قُطرُہ کا شہر تھا، جو اب تک ایک بڑا مقام ہے۔ یہاں مصنف فارس نامہ اور مستوفی کی تحریر کے مطابق لوہے کی عمدہ کانیں تھیں۔ مستوفی نے اس مقام کا نام کَدُرُو لکھا ہے[1]

---

[1] میجر سائکس (Major Syks) نے اپنی کتاب Ten Thousand Miles in Persia میں بیان کیا ہے کہ اس نے شَہرِ بَابک کے قریب کے آتشکدہ کے شکستہ آثار دیکھے تھے + اصطخری ص ۱۰۲ + ابن حوقل ص ۱۸۲ + مقدسی ص ۵۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۵۵ + فارس نامہ ص ۶۶ (a)، ۹۸ (a) + یاقوت ج ۱- ص ۷۵، ۱۷۸ + مستوفی ص ۱۷۵، ۱۸۲ + قزوینی ج ۲- ص ۱۸۶ + فارس کے گاؤں ھَرَات اور خَراسَان کے شہر ھَرَات کا املا ایک ہی طرح ہے +

(نفط کا گنبد) تھا۔ اس میں ایک دروازہ تھا، جو آہنی کواڑوں سے بند ہوتا تھا۔ یہ دروازہ سال میں صرف ایک مرتبہ اُس وقت کھولا جاتا تھا جب کہ سلطان کا ایک ملازم اُس گنبد میں داخل ہوتا اور سال بھر میں جتنی بیش بہا مومیا[عا]

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:۔ لکھا ہے یہ غالباً (لفظ خسنویہ کی بجائے ہے)۔

(عا) مومیا کی دو قسمیں بیان ہوتی ہیں، ایک معدنی، جو کان سے نکلتی ہے، اور دوسری عملی جو بنائی جاتی ہے۔ اُوپر کی عبارت میں معدنی مومیا سے مُراد ہے، جسے محض نفط یا نفت یا قیر سمجھنا چاہیے، جو ایک روغنی مادّہ ہے اور جو پتھر کی ریخوں سے رِس کر جمتا چلا جاتا ہے، اور اسے پتھروں سے کھرچ کر یا رقیق صورت میں جمع کر لیتے ہیں۔ یہ حیوان یا انسان کی ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کے جوڑنے میں بہت مفید سمجھا جاتا تھا۔ قبۃ المومیا سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسقف عمارت تھی جو کان کے منہ پر نفط کی حفاظت کے لئے بنا دی گئی تھی، اور اُس کو مقفل رکھا جاتا تھا، سال بھر میں جس قدر نفط وہاں جمع ہوتا تھا اُسے نکال کر بحفاظت تمام بادشاہ کے پاس پہنچا دیا جاتا تھا۔

مُومیا کی دوسری قسم، یعنے مومیار عملی، جسے مومیار انسانی، مُومیار آدم، اور مومیار مَردم بھی لکھا ہے، مُومیائے معدنی سے بالکل جُدا چیز تھی۔ اس کے بیان کرنے کی یہاں ضرورت نہ تھی لیکن کیونکہ اس کے اجزار بھی بعض وقت کانی مُومیا کی طرح دوا کے طور پر استعمال ہوتے ہیں اس لئے ذکر کرنا ضروری ہوا۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ مصر قدیم میں مُردوں کی تدفین کا عام طریقہ یہ تھا کہ لاش کو نفط، نمک، پھٹکری، شہد اور خوشبودار مصالحوں

کے زوال سلطنت پر قبیلۂ شبانکارہ نے فارس کے شرقی حصہ پر قبضہ کرلیا، اور اس حصہ کو انھوں نے اپنا نام بھی دے دیا۔ صوبۂ شبانکارہ کا ذکر مارکو پولو نے سونکارا (Soncara) کے نام سے کیا ہے، اور اس کو اُن آٹھ "ریاستوں میں" میں سے، جن میں وہ تمام ایران کو تقسیم کرتا ہے، ساتویں ریاست بتایا ہے۔ بہر حال شبانکارہ کا نام اس علاقہ کے لئے متروک ہوچکا ہے، اور اس کو آج کل دارابجرد کہتے ہیں[1]۔

(۲۸۹) عہد خلافت عباسی میں علاقۂ دارابجرد کا صدر مقام شہر دارابجرد یا دارابگرد تھا۔ اصطخری نے لکھا ہے کہ شہر کے گرد فصیل اور پانی کی خندق تھی، شہر کے چار دروازے تھے، اور شہر کے وسط میں ایک بالکل پتھریلی پہاڑی تھی۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ شہر مدور شکل کا تھا، اور ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہر سمت میں مسافت ایک فرسخ تھی۔ اس کے باغ بہت ثمرآور تھے، اور اس کے بازار سامان تجارت سے بھرپور رہتے تھے، اور پانی کی نہریں شہر میں سے گزرتی تھیں۔ دارابجرد کے قریب قبۃ المومیا

[1] The Book of Ser Marco Polo مصنفہ سر ایچ یول (Yule) لندن ۱۸۷۴ء طبع دوم ج ۱ ص ۸۴ + ابن الاثیر کی تاریخ (ج ۱۰ ص ۳۶۲) میں شبانکارہ کو الشوانکارہ لکھا گیا ہے۔ اُس قبیلہ کے سردار حسنون نے چھٹی (بارھویں) صدی میں اتابک چاؤلی کا مقابلہ کیا فضلویہ اور اُس کا بھائی خسنہ د تھا۔ خسنہ د کو غالباً مصنف فارس نامہ نے زیادہ صحت کے ساتھ حسنویہ

بھیج دیتا تھا۔ مصنف فارس نامہ کی تحریر کے مطابق چھٹی (بارھویں) صدی کے ابتداء میں دارا بجرد کا شہر بڑی حد تک ویران ہو چکا تھا، گو شہر کے وسط میں ایک مستحکم قلعہ موجود تھا، گرد و نواح میں دارا بجرد کے مرغزار پھیلے تھے، اور قریب ہی ایک پہاڑی تھی، جہاں سے سات رنگ کا معدنی نمک کھود کر نکالا جاتا تھا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ دارا بجرد کے قریب ایک درّہ کوہ تھا، جس کی مستحکم طور پر مورچہ بندی کی گئی تھی، اور اُس کے قریب ہی بلندی پر ایک قلعہ تھا۔ یہ درۂ کوہ تنگ زینہ کہلاتا تھا[1]

قبیلۂ شبانکارہ کے عہد حکومت میں علاقۂ دارا بجرد کا صدر مقام دُرکان یا زُرکان کو منتقل کیا گیا، جس کے شمال ایگ (یا اَدِیگ) کا قلعہ واقع تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی کے عرب جغرافیہ نویسوں نے اِس شہر اور قلعہ، دونوں، کا ذکر کیا ہے۔ اِن کے نام اُنھوں نے اَلدَّارکان یا الدَّاراکان اور اِیج لکھے ہیں۔ اصطخری کا بیان ہے کہ اُس کے زمانہ میں اِن ہر دو مقامات میں ایک ایک مسجد تھی۔ مستوفی نے بالعموم شہر کا نام زَرکان، اور قلعہ کا نام قلعۂ اَدِیگ لکھا ہے! وہ بیان کرتا ہے کہ ان دونوں کے گرد و نواح کا علاقہ بہت زرخیز تھا، اور اُس میں روئی، غلہ، کھجوریں، اور دوسرے میوے پیدا ہوتے تھے۔ مستوفی نے یہ بھی لکھا

---

[1] اصطخری ص ۱۲۳، ۱۵۵ + مقدسی ص ۴۴۸ + فارس نامہ ص ۶۸ (b)، ۸۱ (a) ۸۶ (b) + مستوفی ص ۱۸۱ + ابن الفقیہ (ص ۱۹۹) نے قُبَّۃ الموميا یا اسی قسم کا ایک قُبّہ اَرَّجان کے قریب بتایا ہے۔

ذخیرہ ہوتی اُسے ایک صندوق میں جمع کر لیتا اور اُس صندوق پر مہر لگا کر اُسے بادشاہ کے استعمال کے لئے شیراز

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ :۔ سے ایسا بنا دیتے تھے کہ وہ کبھی سڑتی نہ تھی، اور اپنی صورت سے کسی قدر مشابہ شکل میں صدہا بلکہ ہزارہا برس تک قائم رہتی تھی ۔ امیروں کے مُردے اس طور پر محفوظ کیے جاتے تھے کہ مُردے کا پیٹ چیر کر کل آلائش نکال کر ایک مٹکے میں علٰحدہ رکھ دیتے تھے، اور خالی جگہ میں خوشبوئیں اور مصالحے بھر دیتے تھے، اور پھر تمام جسم پر کپڑے کی دھجیاں لپیٹ کر لاش کو ایک تابوت میں رکھ کر مقبرے میں رکھ دیتے تھے۔ غریب آدمیوں کی لاشیں محض ۔ نفط یا نفط اور نمک لگا کر مومیائی بنائی جاتی تھیں۔ قدیم زمانہ میں ان پرانی لاشوں کے کسی حصہ کو پیس کر اُس کا سفوف بطور دوا استعمال کرتے تھے۔ یہ بھی بیان ہوا ہے کہ لاش سے کوئی چیز مثل شہد کے گاڑھی پیدا ہوتی تھی، اور اُس کو بھی بطور عرق کے، جو مفرح اور خوشبودار سمجھا جاتا تھا استعمال کرتے تھے۔ بہر کیف مومیائی کانی اور مومیاء انسانی دونوں کا دوا کے طور پر استعمال ہونا بیان ہوا ہے ۔ اس لئے ہر قسم کی مومیا سے مُراد ایک قسم کی دوا ہوگی جس کا ایک جزو ہر حالت میں نفط ضرور ہوتا تھا۔ ان مومیائی لاشوں کو انگریزی میں ممی، یونانی، عربی، اور اسپینی زبانوں میں مومیا کہتے ہیں۔ (میں اس دلچسپ حاشیہ کے لئے جناب محترم مولوی محمد عنایت اللہ صاحب ناظم دارالترجمہ کا ممنون ہوں۔ مترجم)

خَیبر ؔ اور اِیگ کے درمیان اِصطَھبانات کا مقام اس طرح واقع تھا کہ ان دونوں مقاموں سے اس کا فاصلہ برابر تھا۔ اس نام کا املا عربوں نے الاِصطَھبَانان، اور بعض مرتبہ الاِصبَھانات بھی کیا ہے، اور اہل ایران نے مخفف کرکے اِسے اِصطَھبَان کرلیا ہے۔ اِس شہر کے گرد درخت اِس کثرت سے تھے کہ وہ درختوں میں مدفون معلوم ہوتا تھا، اور قریب ہی اُس کا قلعہ تھا۔ اِس شہر کو اتابک چاوُلی نے پہلے ویران کیا، اور بعد میں دوبارہ تعمیر کرایا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں اس کے قلعہ پر قبیلۂ خَسُویَہ قابض تھا۔

فَسَا کا شہر، جسے اہل ایران پَسا کہتے تھے، چوتھی (دسویں) صدی میں علاقۂ دَارابجِرد میں دوسرے درجہ کا شہر تھا، اور وسعت میں تقریباً شیراز کے برابر تھا۔ یہ اچھا بنا ہوا شہر تھا، اور اُس کے مکانات کی تعمیر میں سَرو کی لکڑی بہت استعمال ہوئی تھی۔ یہاں کی آب و ہوا بھی بہت صحت بخش تھی، بازار عمدہ تھے، اور شہر کے گرد ایک خندق تھی۔ شہر کی حفاظت کے لئے ایک قلعہ بھی تھا، اور شہر کے دروازوں کے باہر بڑی بڑی بستیاں (ربض) دور تک چلی گئی تھیں۔ فسا کے باغوں میں کھجوریں، اخروٹ اور نارنگیاں بہت ہوتی تھیں۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ فسا کی جامع مسجد، جو پکی اینٹوں کی بنی ہوئی تھی، اور جس میں دو صحن تھے، شان و شوکت میں مدینہ منورہ کی مسجد سے ہمسری کرتی تھی۔ مصنف فارس نامہ نے فسا کے متعلق لکھا ہے کہ وہ وسعت میں تقریباً شہر اصفہان کے برابر تھا۔

ہے سب سے پہلے قلعۂ آدیگ کو سلجوقیوں کے عہد میں قبیلۂ خُشُویہ نے مستحکم کیا تھا۔ یاقوت لکھتا ہے کہ یہاں کا میوہ بہت دُور دُور، یہاں تک کہ جزیرہ کِش (قَیْس) میں فروخت ہونے جاتا تھا۔

اِیگ کے شمال مشرق میں، جھیل بَخْتِگان کی مشرقی سرے سے متصل، نَیْریز (یا نیریز) کا شہر اور علاقہ واقع تھا؛ اور بعض مرتبہ جھیل بَخْتِگان کو جھیل نِیریز بھی کہا گیا ہے۔ مقدسی نے شہر نِیْریز کی عالیشان مسجد کا ذکر کیا ہے، جو بازار میں واقع تھی، اور اس کے شکستہ آثار اب تک موجود ہیں۔ ان میں ایک کتبہ پر تاریخ بنا ۳۴۰ھ (۹۵۱ء) کندہ ہے۔ جھیل بَخْتِگان کے ساحل کے قریب خِیَرہ واقع ہے، جس کا املا خَیار اور اَلْخَیرہ بھی کیا جاتا ہے۔ چوتھی (دسویں) صدی سے تمام مصنف یہ لکھتے ہیں کہ خِیَرہ کا مقام ایک سڑک کا ایک پڑاؤ تھا جو بَخْتِگان کے جنوبی ساحل کے ساتھ ساتھ شیراز سے کرمان جاتی تھی۔ مستوفی اور مصنف فارس نامہ دونوں نے خِیَرہ کے گرد و نواح کے علاقہ کا نام مِیْشکانات لکھا ہے۔ اس علاقہ کی کشمش مشہور تھی۔ نِیریز اور خِیَرہ دونوں کی حفاظت کے لئے مضبوط قلعے تھے[1]۔ (۲۹۰)

---

[1] اصطخری ص ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۳۲، ۱۳۶، ۲۰۰ + مقدسی ص ۴۲۳، ۴۲۹، ۴۵۵ + فارس نامہ ص ۶۸ (b)، ۶۹ (a) (b) + مستوفی ص ۱۸۱ + یاقوت ج ۱۔ ص ۴۱۵ + ج ۲۔ ص ۵۶۰ + کیپٹن لویٹ (Lovett) جے، آر، جی، ایس، ۱۸۷۲ء ص ۲۰۳ +

(یا کسُو) کہتے ہیں۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ کُوم اور دُورِینہ کے دو شہر تھے؛ وہاں کی آب و ہوا گرم تھی اور اُن میں پانی بکثرت دستیاب ہوتا تھا۔ مقدسی کی تحریر کے مطابق خسُو (یا خشُو) کا علاقہ مشرق کی طرف دور تک پھیلا ہوا تھا؛ کیونکہ دُورِینج کے علاوہ دُسْتاق الرُّسْتاق، فُرگ اور طارِم کے شہر بھی علاقہ خسُو میں شامل تھے۔ مستوفی نے خسُو کو دارا بجِرد میں شمار کیا ہے[۱]۔

دُورِینہ کے بالکل جنوب میں یَزدِ خواسْت کا چھوٹا سا شہر ہے، جسے مقدسی اور یاقوت دونوں دارابجرد کے اعمال میں شمار کرتے ہیں۔ یزدِ خواسْت کے جنوب میں لار کا شہر ہے۔ شروع زمانہ کے عرب جغرافیہ نویس میں سے کسی نے لار کا ذکر نہیں کیا، نہ اس شہر کا نام فارس نامہ میں آتا ہے، حالانکہ یہ کتاب چھٹی (بارھویں) صدی کے ابتدا میں لکھی گئی تھی۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے اوائل میں مستوفی پہلا مصنف ہے جس نے لار کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ لار ایک علاقہ (ولایت) تھا جو سمندر کے قریب واقع تھا۔ غلہ، روئی اور کھجوریں یہاں پیدا ہوتی تھیں۔ لار کے رہنے والے اکثر سوداگر تھے جو

---

[۱] ابن خرداذبہ ص ۵۲ + اصطخری ص ۱۰۸، ۱۱۶، ۱۳۲ + مقدسی ص ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۵۴، ۴۵۵ + فارس نامہ ص ۶۹ (b) + مستوفی ص ۱۸۱ + دُورِینج کا املا، جو مقدسی نے اپنی کتاب میں اختیار کیا ہے اس نے غالبًا یاقوت (ج ۲۔ ص ۲۲۸) کی پیروی کی ہے، چونکہ اس مصنف نے اس لفظ کے حرف بحرف ہجا نہایت احتیاط سے لکھے ہیں + فارس نامہ، اور مستوفی کے قلمی نسخوں میں تقریبًا ہر جگہ

قبیلۂ شبانکارہ نے اسے برباد کردیا تھا؛ لیکن اتابک چاولی نے اسے دوبارہ تعمیر کرایا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ قدیم زمانہ میں فسا کا نام ساسان تھا؛ اور یہ شہر ایک مثلث کی شکل میں تعمیر کیا گیا تھا۔ پانی بافراط تھا۔ آب رسانی کا سلسلہ قناتوں، یعنی زمین دوز نہروں، سے قائم کیا گیا تھا۔ شہر میں کنوئیں بالکل نہ تھے۔ شق میشکاہان اور شق رُوذبال (یا رُوذبار) فسا کے اعمال میں سے تھے، اور قریب ہی خوادان کا مستحکم قلعہ واقع تھا، جہاں پانی جمع کرنے کے لئے بڑے بڑے حوض تھے[1]۔

(۲۹۱) کُرم کا شہر فسا سے چند میل شمال میں سروستان جانے والی سڑک پر واقع ہے؛ اور سیاحت ناموں میں اس کا موقع اسی طرح بیان ہوا ہے۔ مصنف فارس نامہ کے بیان کے مطابق کُرم اور رُونیز (یا رُوبنز) کے علاقے فسا سے متعلق تھے۔ ان میں سے رُونیز کا علاقہ خسو کی سرزمین کا ایک حصہ تھا، جس کے متعلق مقدسی نے بیان کیا ہے کہ وہ دارابجرد سے جنوب مغرب میں ایک منزل کے فاصلے پر جُویم ابواحمد جانے والی سڑک پر واقع تھا۔ ابتدائی زمانہ کے جغرافیہ نویس رُونیز کا نام رُونیج (یا رُونبج) لکھتے ہیں اور ممکن ہے کہ یہ مقام وہی ہو جسے آج کل خسو

---

[1] اصطخری ص ۱۰۸، ۱۲۷، ۱۳۶ + مقدسی ص ۴۲۳، ۴۳۱، ۴۴۸ + فارس نامہ ص ۶۹ (a) ۷۰ (a) ۸۲ (b) ۸۳، (a) مستوفی ص ۱۷۵، ۱۷۹، ۱۸۱ + جہاں نما ص ۲۷۱ +

یہاں پہاڑی پر ایک قلعہ تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں یہ بڑا مقام نہ تھا، لیکن اُس کی اپنی ایک مسجد تھی اور بہت سے حمام بھی تھے بُرک اور فرُگ دونوں شہروں میں پانی کی بہتات تھی۔ ان دونوں شہروں کے نام اس قدر ملتے جلتے تھے کہ اکثر ان میں خلط ملط ہوجاتا تھا۔ مصنف فارس نامہ نے اس شہر کا نام پُرگ یا پُرک لکھا ہے، اور بیان کیا ہے کہ اس کا قلعہ ناممکن التسخیر تھا، پتھر کا بنا ہوا، بہت وسیع تھا۔ مستوفی لکھتا ہے کہ پُرگ میں (اس نے یہ نام اسی طرح لکھا ہے) غلہ اور کھجوریں بافراط پیدا ہوتی تھیں۔ رُستاقُ الرُستاق کے متعلق مقدسی نے لکھا ہے کہ وہ عمدہ بازاروں والا ایک چھوٹا سا شہر تھا، اور ایک زرخیز علاقہ میں واقع تھا، جو ہر سمت میں دس چار فرسخ تھا۔ یہ مقام فرُگ کے شمال مغرب میں دارا بجِرد جانے والی سڑک پر فرُگ سے ایک منزل تھا[1]۔

تارُم کا شہر، جس کا املا صوبہ جبال کے اِسی نام کے علاقہ کی طرح طارُم بھی کیا جاتا ہے، فرُگ سے دو منزل مشرق میں ساحل بحر کو جانے والی سڑک پر

---

[1] مقدسی ص ۴۲۸، ۴۵۴، نوٹ Z + فارس نامہ ص ۶۹ (a)، ۸۳ (a) مستوفی ص ۱۸۱ + یاقوت ج ۲ - ص ۵۶۰ + ابن بطوطہ ج ۲ - ص ۲۴۰ + ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بُرک کا شہر اور بہمن کا پرانا قلعہ دونوں ایک ہی مقامات ہیں بہمن کے قلعہ کے گرد تہری فصیل اور خندق ہے اور یہ قلعہ بُوگ کے موجودہ شہر کے جنوب میں ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ سٹیک (Stack) کی کتاب (Persia) ج ۱ - ص ۷۵۶ +

بحری سفر کے خوگر تھے۔ مستوفی کا ہم عصر ابن بطوطہ ۷۳۰ھ (۱۳۳۰ء) میں اس شہر میں آیا تھا۔ اُس نے لکھا ہے کہ یہ ایک بڑا مقام تھا اور اُس میں متعدد باغات اور عمدہ بازار تھے۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے اختتام کے قریب خاندان مظفریہ کے بادشاہ، شاہ شجاع، کے عہد میں، اور اُس کے بعد تیموری شہزادوں کے زمانہ میں، لار میں سکہ بننے لگا اور وہ دارالضرب ہوگیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں یہ مقام خاصا وسیع اور اہم ہوگا۔

(۲۹۲) فُوگ کا شہر، جو دارا بجرد کے شہر سے تین منزل کی مسافت پر جنوب مغرب میں، واقع ہے آج کل بھی بڑا مقام ہے۔ مقدسی نے اس کا نام فُوج لکھا ہے اور بیان کیا ہے کہ اس کے ساتھ ہی ایک تو ام شہر بُوک واقع تھا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں نام درحقیقت ایک ہی پرانے ایرانی نام کی مختلف شکلیں ہیں۔ بُوک کا شہر ایک پہاڑی پر "جس کی صورت اونٹ کے کوہان کی سی تھی" پہاڑوں سے دو فرسخ کے فاصلے پر واقع تھا۔ اس کے بازار میں ایک جامع مسجد تھی۔ شہر عمدہ تھا، اور سکونت کے لئے خوشگوار مقام تھا۔ اس کے ہمسایہ میں دوسرا شہر فُرگ تھا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:۔ رُوذ بنینہ (جس کا پرانا املا رُوذ بنیج ہے) لکھا گیا ہے، اور یہ نام آج کل بھی اِس حصہ ملک میں ایک علاقہ کو دیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ اغلب معلوم ہوتا ہے کہ سروبنج، جو اصطخری اور مقدسی کی کتابوں میں پایا جاتا ہے، غالباً کتابت کی غلطی ہے، اور محض نقطوں کے ردوبدل سے رُوذبنز اور رُوذبنج کی جگہ ہم رُوذ بنینہ یا رُوذبنج پڑھ سکتے ہیں۔

اتا تھا وہ سمندر کے ذریعے سے دوسرے مقامات میں تقسیم کیا جاتا تھا اور اسی بندر سیراف میں ہندوستان سے وہ تمام نایاب اور بیش بہا اشیاء لائی جاتی تھیں، جن کو عربی زبان میں مجموعی طور پر "بُوبَھار" کہتے تھے۔ اصطخری نے سیراف کی درآمد کی حسب ذیل فہرست نقل کی ہے:۔ عود، عنبر، کافور، جواہرات، بانس (خیزران)، ہاتھی دانت، آبنوس، کاغذ[1]، صندل، اور ہر قسم کی ہندوستانی خوشبوئیں، دوائیں، اور مسالے۔ سیراف کے شہر میں عمدہ مندیل (رومال) اور سوتی نقاب بنائے جاتے تھے۔ سیراف موتیوں کی بڑی تجارت گاہ تھا۔

ہر زمانہ میں صوبہ فارس کا عطر گلاب مشہور رہا ہے (عربی میں عَطر یا عِطر کے معنی "خوشبو" یا روح کے ہیں)۔ یہ عطر مختلف اقسام کا ہوتا تھا، اور خاص کر اُن سرخ گلاب کے پھولوں سے تیار کیا جاتا تھا جو جُور یا فیروز آباد کی سطح زمین میں پیدا ہوتے تھے۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ اس صوبہ کا عرق گلاب دنیا کے ہر حصہ، یعنی ہندوستان، چین، خراسان اور مغرب، یعنی شمالی افریقہ، شام اور مصر کو دساور کیا جاتا تھا۔ روح گلاب کے علاوہ ماءالطلع (آب گل خرما) اور چوب قیصوم زعفران سوسن اور بید مشک سے خاص طور پر کشید کے عرقیات اور عطریات تیار کئے جاتے تھے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ

---

[1] انگریزی مصنف نے (Paper) لکھا ہے، اور اصطخری (ص ۱۵۴) نے فلفل یعنی کالی مرچ۔ غالباً انگریزی کتاب میں غلطی سے (Pepper) کی جگہ (Paper) چھپ گیا ہے۔ مترجم۔

واقع ہے۔ مقدسی نے اس کی مسجد کا ذکر کیا ہے، اور اس کے بازاروں، باغوں اور کھجور کے درختوں کی تعریف کی ہے کیونکہ ایک ندی شہر میں سے گزری تھی۔ یہاں شہد بہت نکالا جاتا تھا۔ مصنف فارس نامہ کی تحریر کے مطابق تارم وسعت میں فُرگ کے برابر تھا، اور اس میں ایک قلعہ تھا، جس میں پانی کے ذخیرہ کرنے کے حوض تھے۔

طارم سے قافلے کی سڑک تقریباً جنوب کی طرف سے ہوکر ساحل بحر کو جاتی تھی، جہاں سُورُو یا شہرو کا بندرگاہ جزیرۂ ہُرمز کے بالکل سامنے واقع تھا۔ مستوفی نے اس بندرگاہ کا نام تُوسَر لکھا ہے (لیکن یہ نام ٹھیک پڑھا نہیں جاتا) عرب جغرافیہ نویسوں نے لکھا ہے کہ سُورُو ماہی گیروں کا ایک گاؤں تھا، اس میں مسجد نہیں تھی، اور گاؤں میں ان کنووں کا پانی استعمال ہوتا تھا، جو قریب کی پہاڑیوں میں کھودے گئے تھے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ خلیج کے دوسرے کنارے پر عمان سے سُورُو کی تجارت بہت تھی۔ یہی مصنف لکھتا ہے کہ سُورُو چھوٹا سا شہر تھا اور کرمان کی عین سرحد پر واقع تھا۔[1]

(۲۹۴) اصطخری اور مقدسی، دونوں نے، صوبۂ فارس کی چوتھی (دسویں) صدی کی تجارت وصنعت کا حال بہت احتیاط سے لکھا ہے۔ اوپر بیان ہوچکا ہے کہ اس زمانہ میں خلیج فارس میں صوبۂ فارس کا سب سے بڑا بندرگاہ سیراف تھا۔ اس مقام میں جس قدر سامان تجارت باہر سے

---

[1] اصطخری ص ۱۶۷ + ابن حوقل ص ۲۲۴ + فارس نامہ ص ۶۹ (a) + مقدسی ص ۴۲۷، ۴۲۹ + مستوفی ص ۱۸۱، ۲۰۱ +

زیتون کے پھل اور دوسرے اقسام کے میوے، اور ٹوکرے بنانے کے لئے بید مجنون دساور کیا جاتا تھا۔ کازِرُون اور دَرِیز میں سوتی کپڑے اور عمدہ تن زیب، مصری زر بفت کی نقل کا ایک کپڑا جو دبیق کہلاتا تھا، اور جھالر والے تولئے تیار ہوتے تھے۔ دشت بارِین کے صدر مقام، غندِ یجان، میں قالین، پردے، گدے، تکئے اور سلطان کے استعمال کے لئے طراز کے قسم کی زربفت تیار ہوتی تھی۔ اَرَّجان کا ایک قسم کا شربت مشہور تھا، جو کشمش سے تیار کیا جاتا تھا، اور دِبس یا دُوشاب کہلاتا تھا۔ یہاں عمدہ صابون اور موٹے اونی کپڑے اور مندیل بھی تیار ہوتے تھے؛ اور اس کے علاوہ اَرَّجان کا شہر ہندوستانی تجارتی اشیا (بُزبَھار) کا تجارت گاہ تھا۔ قریب کے بندرگاہ مَھُرُبان، سے مچھلیاں، کھجوریں، اور پانی بھرنے کی عمدہ مشکیں دساور کی جاتی تھیں۔ سِینِیز میں ایک خاص قسم کی تن زیب، جسے قَصَب کہتے تھے، تیار ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ یہاں سوتی کپڑے بھی بنتے تھے۔ جَنّابَہ کے سوتی کپڑے بھی مشہور تھے۔

اصطخر میں نقابوں کے لئے کپڑا تیار کیا جاتا تھا۔

علاقۂ دَرُوذان کے شہروں میں عمدہ کپڑا اور ایک خاص قسم کے کھڑاویں، جنھیں شِمُشِک کہتے تھے، پانی بھرنے کی مشکیں اور مختلف قسم کی دوائیں تیار ہوتی تھیں۔ یَزد اور اَبَرقُوہ میں سوتی کپڑے بنے جاتے تھے۔

دَارابجِرد میں ہر قسم کے سوتی کپڑے، بعض بہت باریک بعض کم باریک اور بعض موٹے بناوٹ کے، بنے جاتے تھے۔ ان کے علاوہ یہاں زردوزی کا کام بھی

شاپور کے شہر اور اُس کی وادی میں دس مختلف اقسام کے خوشبودار تیل یا روغن گل بنفشہ، گل نیلوفر (نیلوفر) گل نرگس، کاردہ (یا شگوفۂ خرما) سوسن، چنبیلی، مرزنجوش باد رنگ، نارنج، اور زنبق سے تیار کئے جاتے تھے، اور یہ تمام قسم کے روغن مشرقی دنیا میں دور و نزدیک دساور کیے جاتے تھے +

صوبۂ فارس کے قالین اور زردوزی کے کپڑے ہمیشہ مشہور رہے ہیں۔ ایشیا میں، جہاں خلعت کو ہمیشہ عزت کا نشان سمجھا جاتا ہے سلطان کے استعمال کے لئے خاص طور پر زربفت تیار کی جاتی تھی، اور اُس پر سلطان کا نام یا طغرا کاڑھا جاتا تھا۔ اسی زربفت کا خلعت دیا جاتا تھا، کیونکہ ایشیا میں خلعت کو ہمیشہ عزت کا نشان سمجھا جاتا ہے۔ یہ کپڑا طراز کہلاتا تھا، اور توّج کا شہر خصوصا طراز کے لئے مشہور تھا۔ یہی حال فسا کا تھا، جہاں پر طاوسی رنگ کے نیلے اور سبز کپڑوں پر زر تار کا کام ہوتا تھا۔ یہ کپڑے بھی سلطان ہی کے استعمال کے لئے تیار ہوتے تھے۔

صوبۂ فارس کی باقی ماندہ پیداوار کی نسبت بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اُس کو اُن ہی شہروں کے تحت میں بیان کیا جائے، جہاں وہ بنتے یا پیدا ہوتے تھے۔ شیراز کے پارچہ خانے جبّوں کے لئے مختلف قسموں کے عمدہ کپڑے تیار کرتے تھے، اور اس کے علاوہ وہاں تن زیب اور زربفت اور کچے ریشم (قزّ) کی بنی ہوئی چیزیں بھی تیار ہوتی تھیں۔ جہرم کے لمبے قالین، اونی غالیچے، پردوں کے کپڑے اور چھوٹی جانمازیں مشہور تھیں۔ شاپور سے خوشبودار تیلوں کے سوا، جن کا ذکر ہوا ہے، بہت قسم کی دوائیں، نیشکر، ایک قسم کی ترش ناشپاتیاں، اخروٹ

(۲۹۴)

کارخانوں سے پُر تھا۔[1]

صوبۂ فارس کی سڑکوں کا حال بہت سے عرب اور ایرانی مصنفوں نے تفصیل سے لکھا ہے، اور ان سفرناموں میں تمام فاصلے فرسخوں میں بیان کئے گئے ہیں۔ بڑی خرابی یہ ہے کہ یعقوبی، جو سڑکوں کے حالات بیان کرنے میں بہترین اور مستند ترین مصنف ہے، فارس کی سڑکوں کا حال بیان نہیں کرتا۔ اس کے علاوہ ابن رستہ سے بھی ہم کو اس معاملے میں مایوس ہونا پڑتا ہے۔ لیکن تیسری (نویں) صدی میں ابن خُرداذبہ نے، اور قُدامہ سے لے کر چوتھی (دسویں) صدی میں، مقدسی اور اصطخری نے، اور چھٹی (بارھویں) صدی کے ابتدائی زمانہ میں، مصنف فارس نامہ نے جو حالات صوبۂ فارس کے لکھے ہیں، وہ اُس زمانہ کے جغرافیہ کے لئے نہایت کارآمد ہیں۔ افسوس ہے کہ ایران کے باقی ماندہ صوبوں کے متعلق ایسی مفصل معلومات موجود نہیں۔ مستوفی نے بھی، جو ایرانی مصنف ہے، آٹھویں (چودھویں) صدی میں، ان تبدیلیوں کا ذکر کیا ہے جو مغلوں کی فتوحات سے عمل میں آئیں۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں علی یزدی نے تیمور کے کوچ کا حال، اھواز سے شیراز تک کا، بہت تفصیل سے لکھا ہے۔ یہ کوچ ایک بڑی سڑک سے شروع کیا گیا تھا۔

صوبۂ فارس میں تمام بڑی سڑکیں شیراز سے مختلف جہات کو نکلتی تھیں بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ

---

[1] اصطخری ص ۱۵۲، ۱۵۵ + ابن حوقل ص ۲۱۴-۲۱۵ + مقدسی ص ۴۴۲، ۴۴۳ +

ہوتا تھا، اور عمدہ قالین اور بوریئے تیار کئے جاتے تھے۔ چنبیلی کا تیل اور عطریات، اور ایک قسم کے خوشبودار دانے جو یہاں خود رو ہوتے تھے دساور کئے جاتے تھے۔ اَرَّجان اور دَارَابجِرد کی مومیا، یا نفط کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اصطخری نے ایک قسم کی مچھلی کا ذکر کیا ہے، جس میں کانٹے نہ ہوتے تھے، اور جس کا ذائقہ بھی بہت اچھا ہوتا تھا۔ یہ مچھلی دارابجرد کی خندق میں پائی جاتی تھی۔ فُرگ کے شہر میں تقریباً یہی سب چیزیں جو اوپر بیان ہوئیں، تیار کی جاتی تھیں، اور ان کے علاوہ دِبس کا شربت بھی بہت عمدہ بنتا تھا۔ یہی کل اشیاء طارُم میں بھی ہوتی تھیں؛ اور یہاں قسم قسم کی مشکیں اور مضبوط ڈول بھی تیار کئے جاتے تھے۔ فَسا کے اُچھے ریشم اور بکری کے بالوں کے بُنے ہوئے کپڑے خاص طور پر شہرت رکھتے تھے۔ قالین، غالیچے، تولئے، رومال، اور ریشم کے کڑھے ہوئے پردے خاص کر نیلے پر طاؤس کے رنگ کے، بہت مشہور تھے۔ الائچی، اور رنگنے کی چیزیں بھی فَسا سے دساور کی جاتی تھیں۔ نمدہ (انماط) بھی یہاں بہت تیار کیا جاتا تھا، اور نمدے کے خیمے، جو خرگاہ کہلاتے تھے، بہت دساور کئے جاتے تھے۔ ابن حوقل کی تحریر کے مطابق فارس میں نایین کے مقام پر چاندی کی کانیں تھیں، اور لوہا اور پارہ اصطخر کی پہاڑیوں میں پایا جاتا تھا۔ ان کے علاوہ فارس کے مختلف علاقوں میں سیسہ، تانبا، گندھک، اور نفط ملتا تھا۔ سونے کی کوئی کان معلوم نہ تھی۔ رنگنے کے مختلف قسم کی چیزیں فارس کے تمام علاقوں میں ملتی تھیں؛ چنانچہ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ یہ ملک رنگ ریزوں اور رنگوں کے

(۲۹۵)

(۲۹۶) ایک دوسری سڑک شیراز سے، تقریباً جنوب کی طرف پرانے زمانہ میں سیراف کو جاتی تھی۔ جب یہ بندرگاہ ویران ہوگیا تو قافلے اسی سڑک پر ایک مقام سے، جہاں سے ساحل نصف راہ رہ جاتا تھا، جنوب مشرق کی طرف ایک دوسرے سڑک اختیار کرتے تھے؛ اور یہ نئی سڑک قافلوں کو جزیرۂ قیس کے سامنے والے بندرگاہ تک پہنچا دیتی تھی۔ کارروان کا یہ راستہ مستوفی نے بیان کیا ہے۔ مقدسی نے بھی ایک بڑی سڑک کا ذکر کیا ہے، جو شیراز سے جزیرۂ ہرمز کو جانے والی سڑک پر شہر دارابجرد سے شروع ہوکر بندرگاہ سیراف کو گئی تھی۔ اس سڑک کا تقاطع شیراز سے جزیرہ قیس کو جانے والی سڑک پر ہوتا تھا۔ مستوفی نے بھی بعد کے زمانہ میں اس سڑک کا ذکر کیا ہے۔ ساحل پہنچنے کی ان تمام راہوں کی ابتداء اس طرح ہوتی ہے کہ شیراز سے ایک سڑک کوار کو ہوتی ہوئی جور یا فیروزآباد تک آئی تھی۔ فیروزآباد سے یہ سڑک، جو پرانی ہے، دائیں ہاتھ کو جھکی ہوئی سیراف پہنچتی ہے۔ فارس نامہ میں جس سڑک کا ذکر ہے وہ فیروزآباد کے قریب بائیں ہاتھ کو مڑکر کارزین ہوتی ہوئی لاغر کو آئی ہے، اور پھر کران سے گزر کر سیراف پہنچی ہے۔ مستوفی نے جو راہ بیان کی ہے اس میں سڑک فیروزآباد کو مشرق کی جانب چند فرسخ چھوڑ دیتی ہے۔ اور فارس نامہ میں جس سڑک کا ذکر ہے اسی کی طرح لاغر تک جاتی ہے۔ لاغر سے جنوب مشرق میں بائیں طرف کو مڑکر فاریاب اور ریگستان سے ہوتی ہوئی ہزو کے بندرگاہ میں پہنچتی ہے جو جزیرہ

پہلے ان سڑکوں کا حال بیان کردیا جائے جو شیراز سے ساحل بحر کو جاتی تھیں ۔ سیراف، جزیرۂ قلیس، اور سب سے آخر میں جزیرہ ھرمز، یکے بعد دیگرے، خلیج فارس کے سب سے بڑے بندرگاہ رہے ہیں ۔ اور تمام شاہراہیں ان ہی بندرگاہوں کو جاتی تھیں، بعینہٖ اسی طرح جیسے آج کل کاروان اور ڈاک کی سڑکیں بوشہر کو (جس نے اب ھرمز کی جگہ لے لی ہے) جاتی ہیں۔ ساحل بحر کو جانے والی سڑکوں میں سب سے زیادہ مشرقی سڑک وہ ہے جو جزیرۂ ھرمز کے سامنے والی بندرگاہ کو جاتی ہے، اور اسی بندرگاہ سے جزیرۂ ھرمز کے ساحل کو پہنچ کر شہر ھرمز کو پہنچتی تھی ۔ ان دونوں مقامات کا ذکر بائیسویں باب میں آئیگا ۔ شیراز سے چل کر یہ سڑک سروِستان اور فسا سے گزرتی ہوئی دارابجرد، فرگ اور طارم پہنچتی تھی ۔ طارم سے یہ سڑک جنوب کی طرف مڑکر پرانے زمانہ میں سمندر کے کنارے سورو، شہرو (یا مستوفی کے املا کے مطابق تُوسَر) تک آتی تھی ۔ اسی سورو ہی کے قریب خاندان صفوی کے عہد میں بندر عباس بنایا گیا تھا، جو اب تک موجود ہے، اور جس کا ذکر آگے آئے گا ۔ اس سڑک کے حالات پانچ مختلف مصنفوں نے لکھے ہیں[1]۔

[1] ابن خرداذبہ ص ۵۲، ۵۳ + اصطخری ص ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۷۰ + مقدسی ص ۴۵۴، ۱۵۵ + فارس نامہ ص ۸۵ ر (۵) + مستوفی ص ۲۰۰ + (مقدسی کے صفحات کا حوالہ یہاں غلط چھپ گیا ہے ۔ بجائے ص ۱۵۴ اور ۱۵۵ کے ص ۴۵۴، ۴۵۵ ہونا چاہئے ۔ ص ۱۵۴، ۱۵۵ میں مقدسی نے شام کے حالات بیان کئے ہیں ۔ مترجم)

گزرتا ہوا، جرّہ اور جرّہ سے غُندِیجان ہوتا ہوا توّاج چلا جاتا تھا۔ لیکن غُندِیجان کے مقام پر ایک سڑک جنوب کی طرف مڑکر نجیرم کے بندرگاہ کو جاتی تھی جو سیراف سے کچھ فاصلے پر مغرب کی سمت میں واقع تھا۔ مستوفی نے اس مغربی سڑک کا ذکر سیراف سے صرف کازرون تک کیا ہے۔ اس کے زمانہ میں توّاج ویران ہوتا جاتا تھا، اور اُس وقت خلیج فارس کا سب سے بڑا بندرگاہ جزیرۂ قیس تھا[1]۔

(۶) صوبۂ فارس کی جس شاہراہ کا سب سے زیادہ مفصل حال ملتا ہے وہ شیراز سے شمال مغرب کی طرف اَرَّجان اور خوزستان جانے والی سڑک ہے۔ اس سڑک کے حال میں کم ازکم آٹھ مختلف بیان ملتے ہیں۔ سب سے آخری بیان علی یزدی کا، جس نے ۷۹۵ھ (۱۳۹۳ء) میں تیمور کے اھواز سے بِہبہان ہوکر شیراز مراجعت کرنے کا حال اُلٹی طرف سے شروع کیا ہے۔ تیمور نے راستہ میں زبردست قلعۂ سَفِید کو ہلّہ کرکے فتح کیا تھا۔ کتب مسالک کے بیان کے مطابق شیراز سے شروع ہوکر خوزستان جانے والی سڑک، شمال مغرب میں، جُوَیم سے ہوتی ہوئی نُوبَنجان، اور نُوبنجان سے کُنبدِ مَلغان ہوکر اَرَّجان گئی تھی۔ اَرَّجان سے یہ سڑک دریائے طاب کے عالیشان پُل پر سے گزرتی ہوئی صوبۂ فارس کے سرحدی شہر بُنستا تک میں پہنچتی تھی۔ مقدسی اور دوسرے

[1] اصطخری ص ۱۳۰ + مقدسی ص ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵ + فارس نامہ ص ۸۴ (۵) + مستوفی ص ۲۰۰ +

قَیس کے سامنے ہے۔ خرابی یہ ہے کہ لاغِز سے ھُزوُ جانے والی سڑک کا حال صرف مستوفی میں ملتا ہے، اور اُس کی کتاب کے قلمی نسخوں میں مختلف منزلوں کے نام صحت و یقین کے ساتھ نہیں پڑھے جا سکتے۔ علاوہ بریں موجودہ زمانہ کا کوئی سیاح بھی اِس سڑک سے نہیں گزرا ہے۔ اس لئے مستوفی کے بیان کی تصحیح کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، اور ہمارے نقشے اس علاقہ کے بالکل کورے ہیں۔ دَارَابجِرد سے جس سڑک کا ذکر مقدسی نے کیا ہے وہ جُوَیم ابو احمد ہوتی ہوئی فادیاب یا بادیاب جاتی تھی، جو مستوفی کے بیان کئے ہوئے راستہ کی منزلوں میں سے ایک منزل تھا۔ اس کے بعد یہ سڑک فادیاب سے مصنف فارس نامہ کے بیان کئے ہوئے راستہ سے کُرَان پہنچتی تھی؛ جہاں سے وہ سیدھی سِیرَاف کو جاتی تھی۔[1]

ساحل کو جانے والی مغربی سڑک کا شمالی حصہ وہ راستہ اختیار کرتا تھا جو آج کل شِیرَاز سے بُوشَہر کو جاتا ہے کیونکہ سڑک کا یہ حصہ کازِرُون اور دَرِیز سے گزر کر تَوّج پہنچتا تھا۔ تَوّج چوتھی (دسویں) صدی میں تجارت کے لحاظ سے ایک بڑا شہر تھا، اور تَوّاج سے آگے سڑک کا بھی ٹکڑا جَنّابہ کو چلا گیا تھا۔ فارس نامہ میں ایک اور مختلف راستہ بھی بیان ہوا ہے۔ یہ راستہ علاقۂ مَاصَرم سے

---

[1] اصطخری ص ۱۲۸، ۱۲۹ + مقدسی ص ۴۵۴، ۴۵۵ + فارس نامہ ص ۸۶ (a) (b) مستوفی ص ۲۰۰ + اور مستوفی ص ۱۷۱، ۱۷۳، ۱۸۰ + جزیرۂ قیس کا نام قیش اور کِش بھی لکھا جاتا ہے +

یہ سڑک سب سڑکوں سے زیادہ مشرق کی طرف مائل تھی۔ یہی سڑک شیراز سے شمال کی سمت میں اصطخر اور اصطخر سے دِیہ بِیْد جاتی تھی۔ دِیہ بِیْد سے ایک بڑی سڑک داہنے ہاتھ کو پھٹ کر اَبَرْقُوہ ہوتی ہوئی یَزْد جاتی تھی، اور اس دِیہ بِیْد سے اصفہان جانے والی سڑک کے بائیں ہاتھ کو سُرْمق اور آبادہ کے گاؤں سے ہوکر یَزْدخواست کے مقام پہ موسم گرما والی سڑک سے مل جاتی تھی۔ یَزْدخواست سے آگے قُومِشَہ ہوتی ہوئی یہ سڑک اصفہان چلی جاتی تھی۔ موسم سرما والی سڑک کا حال مقدسی اور مصنف فارس نامہ دونوں نے لکھا ہے۔ نیز یَزْد تک کی منازل کا ذکر تقریباً تمام مصنفوں نے کیا ہے۔ یہی موسم سرما والی سڑک ہے جو آج کل شیراز اور اصفہان کے درمیان معمولاً ڈاک کی سڑک کا کام دیتی ہے[1]

(۲۹۸) شیراز سے شہر بابک، اور شہر بابک سے سِیرجان (جو کِرْمان کے مقاموں میں سے ایک صدر مقام تھا) جانے کے لئے دو راستے تھے۔ ان میں سے ایک راستہ جھیل بختگان کے شمال سے، اور

---

[1] مغربی سڑک کے لئے دیکھو:- ابن خرداذبہ ص ۵۸ + مقدسی ص ۴۵۷، ۴۵۸ + موسم گرما کی یا کوہستانی سڑک کے لئے دیکھو:- قدامہ ص ۱۹۶، ۱۹۷ + اصطخری ص ۱۳۲، ۱۳۳ + مقدسی ص ۴۵۸ + فارس نامہ ص ۸۳ (b)۔ مستوفی ص ۲۰۰ + موسم سرما کی سڑک کے لئے دیکھو:- مقدسی ص ۴۵۸ + فارس نامہ ص ۸۴ (b) + یَزْد کی سڑک کے لئے دیکھو:- قدامہ ص ۵۱ + اصطخری ص ۱۲۹ + مقدسی ص ۴۵۷ + فارس نامہ ص ۸۶ (b) مستوفی ص ۲۰۱ +

عرب جغرافیہ نویسوں نے اَرَّجان سے بندرگاہ مَہرُبان اور مَہرُبان سے جنوب مشرق میں سمندر کے کنارے کنارے بندرگاہ سِینیز اور سینیز سے آگے جَنّابَہ تک، جتنے مقامات بیچ میں آتے تھے، اُن کے باہمی فاصلے بھی بیان کئے ہیں[1]

زمانہ وسطیٰ میں شِیرَاز سے اصفہان جانے کے لئے تین راستے الگ الگ تھے۔ سب سے زیادہ مغربی سمت کا راستہ اَرَّجان کی سڑک سے جُوَیم کے مقام پر دائیں ہاتھ کو مڑتا تھا، اور علاقہ سَرْدَسْت کے شہر بَیْضَا سے ہوتا ہوا کُورُد اور کَلّاَر سے گزرکر سُمَیرَم پہنچتا تھا، اور وہاں سے اصفہان جاتا تھا۔ اس راستہ کا ذکر ابن خردادبہ اور مقدسی نے کیا ہے۔ تینوں راستوں میں درمیانی راستہ موسم گرما والی سڑک ہے، جو کوہستانی علاقہ میں سے گزرتی ہے، اور شِیرَاز سے مَایِیْن جاتی ہے۔ مَایِیْن سے آگے کُوشکِ زَرد اور دِیٖه گِردُو سے گزرکر یَزدخواست سے ہوتی ہوئی اصفہان پہنچ جاتی تھی۔ ابتدائی عرب، اور زمانۂ مابعد کے ایرانی جغرافیہ نویسوں نے اس سڑک کا حال لکھا ہے؛ البتہ منازل کے ناموں میں ان کے بیانات میں کہیں کہیں اختلاف ہے۔ اب رہا تیسرا راستہ، جو سب سے زیادہ مشرقی سڑک ہے (یعنی موسم سرما والی یا قافلوں والی سڑک جو مسطح زمین پر سے گزرتی تھی)۔

---

[1] ابن خردادبہ ص ۴۳، ۴۴ + قُدامہ ص ۱۹۵ + ابن رُستہ ص ۱۸۹، ۱۹۰ + اصطخری ص ۱۳۳، ۱۳۴ + مقدسی ص ۴۰۳، ۴۵۵ فارس نامہ ص ۸۵ (b) + مستوفی ص ۲۰۱ + علی یزدی ج ۱- ص ۶۰۰ +

زیادہ تر ایسے قریوں کے ہیں جو اُس وقت باقی نہیں، کیونکہ زمانہ وسطیٰ کے خاتمہ کے بعد سے یہ تمام علاقہ غیر مزروعہ اور غیر آباد چلا آتا ہے[1]

---

[1] راستہ براہ ھَرَات :- مقدسی ص ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷ + راستہ براہ اَبادَہ اور شمالی ساحل بَختگان :- ابن خردادبہ ص ۵۳ + قدامہ ص ۱۹۵ + اصطخری ص ۱۳۰، ۱۳۱ + فارس نامہ ص ۸۴ (b) + راستہ براہ خَیمَرَہ د جنوبی ساحل بَختگان :- ابن خردادبہ ص ۴۸ + مقدسی ص ۴۵۵ + فارس نامہ ص ۸۵ (a) + مستوفی ص ۲۰۱ + اُن سڑکوں کے متعلق جو صوبۂ فارس سے چل کر سیرجان پہ ختم ہوتی تھیں۔ دیکھو کتاب ہذا باب ۲۱ و ۲۲ +

دوسرا راستہ جھیل کے جنوبی ساحل سے ملا ہوا گیا تھا۔ جنوبی راستہ پہلے شیراز سے اصطخر (Persepolis) آیا تھا۔ یہاں سے شہر بابک کو جانے کے دو راستے تھے:۔ ایک سیدھا ہرات کے گاؤں سے ہوتا ہوا شہر بابک پہنچتا تھا، اور دوسرا آبادہ کے شہر سے گزرتا ہوا صاہک کو گیا تھا، جہاں پر یہ راستہ اس سڑک سے مل جاتا تھا جو جھیل بختگان کے جنوبی ساحل سے آتی تھی۔ یہ جنوبی سڑک شیراز سے شروع ہوکر، مشرقی سمت میں، جھیل ماہلو کے شمالی کنارے سے ہوکر خرمہ پہنچتی تھی؛ اور خرمہ کے آگے جھیل بختگان کے جنوبی ساحل سے گزرتی ہوئی خیرہ آتی تھی۔ مصنف فارس نامہ نے اس سڑک کی ایک شاخ کا ذکر کیا ہے جو خیرہ سے نیریز اور قطرہ کو جاتی تھی، اور درمیان میں جو مقامات آتے تھے اُن کے باہمی فاصلے بھی بیان کئے ہیں۔ اصلی سڑک خیرہ سے صاہک کلان جاتی تھی، اور یہاں جیسا کہ اوپر ذکر ہوچکا ہے، یہ سڑک اس راستہ سے مل جاتی تھی جو جھیل بختگان کے شمالی ساحل سے ملا ہوا اصطخر سے آتا تھا۔ صاہک کلان سے آگے چل کر یہ سڑک ایک ریگستانی قطعہ میں سے گزرتی ہوئی شمال مشرق کی طرف شہر بابک کو چلی گئی تھی۔ جھیل بختگان کے شمالی اور جنوبی دونوں ساحلوں کی سڑکوں کی منزلوں اور مرحلوں کے نام عرب اور ایرانی مصنفوں کی کتابوں میں ملتے ہیں؛ لیکن بیچ کی بعض منزلوں کے ناموں کی صحت نہیں ہوسکتی۔ یہ نام

ساتویں (تیرھویں) صدی میں، جب یاقوت نے اپنی کتاب لکھی ہے، اس صوبہ کی ویرانی کا آغاز ہو چلا تھا، اور اراضی رفتہ رفتہ غیر مزروعہ ہوتی جاتی تھیں۔ اس حالت زار نے آخرکار ایک مستقل صورت اس تباہی کی اختیار کرلی جو آٹھویں (چودھویں) صدی میں آئے کے آخر میں تیمور کے حملے اور غارتگری کا نتیجہ تھی۔

چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے صوبۂ کرمان کو پانچ کوروں یا علاقوں میں تقسیم کیا ہے؛ ان میں سے ہر ایک علاقہ کا نام اس علاقے کے صدر مقام کے نام پر تھا۔ یہ کورے حسب ذیل تھے:- (۱) بردسیر، اس میں شمال کا چھوٹا سا ماتحت علاقہ خبیص بھی شامل تھا۔ اس کے بعد (۲) کورۂ سیرجان، صوبۂ فارس کی سرحد پر، (۳) بم؛ (۴) نرماسیر، مشرق میں بادیہ ایران کی سرحد پر، (۵) جیرفت، جنوب کی طرف، جو ہرمز کے ساحل بحر تک پھیلا ہوا تھا۔ شمال اور مشرق میں اس کی سرحد بادیہ ایران سے، اور جنوب مغرب میں ساحل بحر سے قائم ہوتی تھی۔ مغرب میں اصطخری کی تحریر کے مطابق صوبۂ کرمان کی سرحد سیرجان کے اردگرد صوبۂ فارس کی زمینوں میں "آستین (کم) کی طرح" بڑھتی چلی گئی تھی۔ چند ابتدائی مصنفوں نے جو حالات لکھے ہیں ان میں شہر بابک بھی صوبۂ کرمان میں شامل سمجھا گیا ہے[۱]

---

[۱] اصطخری ص ۱۵۸، ۱۶۳، ۱۶۵ + مقدسی ص ۴۶۰، ۴۶۱ + یاقوت ج ۴۔ ص ۲۶۳ +

باب بست و یکم

(۲۹۹

کرمان

صوبہ کرمان کے پانچ کورہ یا علاقے۔
صوبہ کے دو صدر مقام۔ پہلا صدر
مقام سیرجان، اس کی جائے وقوع
اور تاریخ۔ دوسرا صدر مقام بردسیر
جو اب کرمان کہلاتا ہے۔ ماهان
اور اس کا درویش۔ خبیص۔ نرماشیر
اور کوهبنان، جسے مارکو پولو نے
کوبنان (Cobinan) لکھا ہے +

اصطخری لکھتا ہے کہ صوبہ کرمان زیادہ تر گرم سیر (جروم) ہے۔ اس کا صرف چوتھائی حصہ پہاڑی ہے جس میں سرد ملک کی فصلیں ہوتی ہیں۔ باقی حصہ، جو زیادہ ہے، صحرائے ایران کے سلسلہ میں چلا آیا ہے۔ کرمان میں شہر دور دور واقع ہیں، اور ان کے بیچ میں بڑے بڑے وسیع و عریض قطعات غیر مزروعہ اراضی کے حائل ہیں۔ فارس کی طرح یہاں کے شہر پاس پاس نہیں ہیں۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ سلاطین سلجوق کے عہد میں کرمان نہایت ہی معمور اور با رونق تھا۔ لیکن

شہر کے کھنڈر ہیں۔ زمانۂ وسطیٰ کے سیاحت ناموں میں جو فاصلے
بیان ہوئے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کھنڈر عین اُس
جگہ ہیں جہاں شہر سیرجان واقع تھا۔ موجودہ علاقۂ سیرجان
میں گو پرانا کورۂ سیرجان کا محض ایک حصہ شامل ہے،
لیکن بہرکیف اس علاقہ کے نام نے ایک پرانے شہر کا نام
ہمارے لئے محفوظ رکھا ہے۔ عربوں کی فتوحات کے بعد ا
چوتھی (دسویں) صدی کے درمیان تک، یعنی جب تک
کہ تمام جنوبی ایران میں بنی بُویَہ کا عمل دخل ہو، اسلامی
صوبۂ کرمان کا دارالحکومت شہر سیرجان ہی رہا۔ بنی بُویَہ
نے جس شخص کو کرمان کا حاکم مقرر کرکے بھیجا اُس کا
نام ابن الیاس تھا۔ اس شخص نے کسی وجہ سے، جس کا
حال معلوم نہیں، اپنی سکونت بَرْدَسِیر (یعنی موجودہ شہر
کرمان) کو منتقل کردی۔ اس کے بعد جب سرکاری دفاتر
سیرجان سے بَرْدَسِیر چلے آئے تو سیرجان محض ایک
دوسرے درجے کا شہر رہ گیا۔ بہرحال جب اصطخری نے اپنی
کتاب لکھی ہے تو سیرجان اس وقت تک صوبہ کرمان کا
سب سے بڑا شہر تھا۔ اُس نے لکھا ہے کہ یہاں کے مکانوں
کی تعمیر میں لکڑی بہت کم لگائی گئی تھی، کیونکہ تمام مکانوں میں (۳۰۱)
ڈاٹ کی چھتیں تھیں۔ مقدسی نے بنی بُویَہ کے عہد میں لکھا ہے کہ
سیرجان کا شہر شیراز سے بڑا اور زیادہ آباد تھا۔ اس
میں دو بڑے بازار تھے، ایک پرانا اور دوسرا نیا، اور دونوں
تجارتی مال، خصوصاً تیار لباسوں، اور اُس کپڑے سے جن سے

بقیہ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ:- سب سے پہلے ان کا مفصل ذکر اپنی کتاب
(Ten Thousan Miles in Persia) (لندن ۱۹۰۲ء) کے صفحہ ۴۳۱ پر کیا ہے۔

جیسا کہ صوبہ اور اُس کے دارالحکومت کا نام ایشیا میں اکثر ایک ہی ہوا کرتا ہے۔ آج کل تو صوبۂ کِرْمَان کا دارالحکومت کِرْمَان کا شہر ہی ہے۔ لیکن زمانۂ وسطیٰ میں دو شہر ایسے تھے جو صوبۂ کِرمَان کے صدر مقام تھے؛ یعنے سِیرجَان اور بَرْدَ سِیْر۔ ان میں سے بَرد سِیر وہی مقام تھا جو آج کل شہر کِرمَان ہے، اور اُس علاقہ کے قریب واقع تھا، جو اب تک علاقہ بَرْدَ سِیر کہلاتا ہے۔

سِیرجان، یعنی کِرمَان کا پُرانا اسلامی دارالحکومت، ساسانی زمانہ میں بھی دارالحکومت رہا تھا۔ عرب جغرافیہ نویسوں نے اس کا نام ہمیشہ (ال کے ساتھ) السِّیرجان یا الشِّیرجان لکھا ہے، اور آج کل گو اس نام کا کوئی شہر موجود نہیں ہے، لیکن علاقۂ سِیرجَان اب بھی صوبۂ کِرمَان کے مغربی حصہ میں موجود ہے، جس کا بڑا شہر سعید آباد ہے۔ حال ہی میں سَعِید آباد سے مشرق میں پانچ میل کے فاصلے اور ایک پہاڑی کی شاخ پر قلعۂ[1] سنگ کے جو شکستہ آثار بافت کی سڑک پر دریافت ہوئے ہیں، وہ غالباً پرانے دارالحکومت شہر سِیرجَان کے کھنڈر ہیں؛ کیونکہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی بڑے

---

[1] قلعۂ سنگ کو قلعہ بَیضَا (سفید قلعہ) بھی کہتے ہیں۔ یہ قلعہ سنگ آہک کی ایک پہاڑی پر واقع ہے۔ جو سطح زمین سے تین سو فیٹ بلند ہے۔ قلعہ شکل میں بیضوی ہے، اور اُس کا طول تقریباً چار سو گز ہے۔ کھنڈروں کے گرد اب بھی کچی اینٹوں کی دیواریں جو پرانی بنیادوں پر قائم کی گئی ہیں، موجود ہیں۔ یہ کھنڈر ۱۹۰۰ء میں میجر سائکس (Sykes) نے دریافت کیے، اور اُسی نے

انھوں نے خاندان قرا ختئے سے تمام کرمان فتح کرلیا۔ ۷۸۹ھ (۱۳۸۷ء) میں تیمور اپنا لشکر لیے فارس میں داخل ہوا، اور شیراز کے سامنے پہنچا۔ مظفریہ شہزادوں نے اُس کی اطاعت قبول کی؛ اور جب تیمور فارس سے عراق فتح کرنے کے لئے چلا تو اُسے اس بات پر آمادہ کرلیا گیا کہ ان مظفری شہزادوں میں سے چند کو ان کی ریاست پر بحال کر کے اپنا باج گزار بنا لے۔ لیکن جب تیمور چلا گیا تو اُنھوں نے بغاوت کردی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۷۹۵ھ (۱۳۹۳ء) میں تیمور دوبارہ فارس آیا، اور ایک لڑائی میں شہزادگاں مظفریہ کی متحدہ فوجوں کو شکست دی، اور اپنے بیٹے سلطان عمر شیخ کو فارس اور کرمان کا حاکم مقرر کردیا۔

بہت سے علاقوں نے، خصوصاً کرمان کے علاقوں نے تیمور کی اطاعت قبول کرنے سے انکار کیا، اور سیرجان کے حاکم گودرز نے مظفریوں کا نام لے کر مقاومت ظاہر کی۔ ناچار سلطان عمر شیخ کو فوجیں بھیجنی پڑیں، تاکہ سیرجان کے قلعہ کا باقاعدہ محاصرہ کرلیں۔ علی یزدی کے بیان کے مطابق سیرجان کے قلعہ کی حال ہی میں مرمت کی گئی تھی، اور اُس نے اُس کو بہت مستحکم حالت میں دیکھا تھا۔ ایک سال میں جب محاصرہ کا کوئی نتیجہ نہ دیکھا تو عمر شیخ بذات خود سیرجان آیا، تاکہ معاملہ کا خاتمہ کردے؛ لیکن یہی زمانہ تھا کہ اُس کے باپ نے اُسے واپس بلالیا۔ تیمور اُس وقت بالائی میسوپوٹیما میں آمد کے مقام پر لشکر ڈالے ہوئے تھا۔ عمر شیخ شاہی لشکرگاہ کے قصد سے کردستان سے گزر رہا تھا کہ سوءِ اتفاق سے موت نے آلیا۔ یہ ۷۹۶ھ (۱۳۹۴ء) کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد دو برس تک سیرجان نے مقابلہ جاری رکھا، مگر پھر دشمن کے حربہ سے نہیں بلکہ رسد کی

(۲۰۲

یہ لباس تیار ہوتے تھے، بھرے رہتے تھے؛ اسی لئے یہ شہر تیار، سلے سلائے کپڑوں کے لئے مشہور تھا۔ شہر کے کوچہ اور بازار عمدہ بنے ہوئے تھے، اور اکثر مکانوں میں خانہ باغ تھے۔ شہر کے چار دروازے تھے (مقدسی نے ان کے نام لکھے ہیں، لیکن ان میں سے بعض قلمی نسخوں میں مختلف طور سے لکھے ہوئے ہیں) ۔ جس دروازے کو "باب حکیم" کہتے تھے اس کے قریب بنی بویہ کے سلطان عضدالدولہ نے ایک بڑا محل تیار کرایا تھا۔ شہر کی جامع مسجد پرانے اور نئے بازار کے درمیان واقع تھی۔ اس مسجد کے مینار عضدالدولہ نے بنوائے تھے۔ شہر میں پانی دو پٹی ہوئی نہروں سے لیا جاتا تھا۔ ان کو تیسری (نویں) صدی میں لیث الصفار کے دو بیٹوں، عمرو اور طاہر، نے کھدوایا تھا۔ یاقوت کا بیان ہے کہ جب ساتویں (تیرھویں) صدی میں اس نے اپنی کتاب لکھی ہے تو سیرجان صوبۂ کرمان کا دوسرے درجہ کا شہر تھا، اور اس میں پینتالیس چھوٹی بڑی مسجدیں تھیں۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ اس زمانہ میں شہر سیرجان قصران (یعنی دو محل) کہلاتا تھا۔ اس کی وجہ تسمیہ اس نے بیان نہیں کی۔ ابن الاثیر اور میر خوند کی تاریخوں میں سیرجان کا نام اکثر ان موقعوں پر آیا ہے جہاں بنی بویہ اور آل سلجوق کی تاریخ بیان ہوئی ہے۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ مغلوں کی فتوحات کے بعد سیرجان میں ایک مستحکم قلعہ تھا، اس کی زمینوں میں روئی اور غلہ دونوں پیدا ہوتے تھے۔ بعد کے زمانہ میں سیرجان خاندان مظفریہ کے شہزادوں کے قبضے میں آگیا۔ یہ شہزادے فارس پر حکمراں تھے، اور ان کا پایۂ تخت شیراز تھا۔ لیکن آٹھویں (چودھویں) کے شروع میں

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ صوبۂ کرمان کا موجودہ دارالحکومت شہر کرمان ہے۔ اگرچہ اس ملک میں مسلمانوں کا پہلا دارالحکومت (۳۰۳) یہ نہ تھا پھر بھی سامانیوں کے ابتدائی زمانے سے یہ ایک بڑا شہر چلا آتا تھا۔ اس کی ابتدار کے متعلق چوتھی (دسویں) صدی کے مصنف حمزہ نے لکھا ہے کہ ساسانی خاندان کے بانی اردشیر نے بیہ اردشیر نام کا ایک شہر بسایا تھا، جس کے معنی اردشیر کی اچھی جگہ کے ہیں۔ عربوں نے اس کے تلفظ کو بگاڑ کر بھرسیر (یا بہدسیر) اور بردسیر (یا بردشیر) کرلیا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ اہل ایران اسے گواشیر کہتے تھے، جو بیہ اہخشیر سے ماخوذ تھا، اور اہخشیر ایک متروک شکل بیہ اردشیر کی تھی۔ یاقوت نے بیان کیا ہے کہ اُس کے زمانے میں اس شہر کو جواسیر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۴۸) اتنے فاصلہ پر تھا کہ ایک چھوٹے دن کے سفر میں وہاں پہنچ جاتے تھے) سیرجان چار مراحل تھا، اور نیریز سے ساڑھے پانچ مراحل تھا۔ مشرق اور جنوب مشرق کی طرف جانے میں سیرجان سے جیرفت کی سڑک کا طول چھ مراحل یا (۵۴) فرسخ ہے + سیرجان سے رائن جانے کے راستہ کا طول پانچ مراحل تھا۔ سیرجان سے سروستان کا فاصلہ (جو رائن کے جنوب مشرق میں تھا) (۴۵) یا (۴۶) فرسخ تھا، اور ماھان کا فاصلہ تین فرسخ، اور بردسیر (شہر کرمان) کا فاصلہ دو مرحلے سمجھا جاتا تھا۔ ان فاصلوں کا ذکر حسب ذیل مصنفوں نے کیا ہے:۔ ابن خرداد بہ ص ۴۸، ۴۹، ۵۳، ۵۴ + قدامہ ص ۱۹۵، ۱۹۶ + ابن فقیہ ص ۲۰۶، ۲۰۸ + اصطخری ص ۱۲۱، ۱۳۵، ۱۶۸، ۱۶۹ + مقدسی ۴۵۵، ۴۶۴ +

کمی سے محصورین نے اطاعت قبول کر لی۔ گودرز نے جب انجام کار اپنے آپ کو حوالہ کیا تو اُسے اور اُس کے باقی ماندہ چند سپاہیوں کو تیمور نے قتل کرا ڈالا، تاکہ اس صوبہ کے دوسرے آدمیوں کو عبرت ہو۔ اس واقعہ کے بعد سیرجان تباہ ہوگیا، گو تیمور کے جانشین کے عہد میں حافظ ابرو لکھتا ہے کہ سیرجان اس وقت بھی صوبہ کرمان میں دوسرے درجے کا شہر (یعنی بَرْدَسیر کے بعد) ہے، اور اُس میں ایک مستحکم قلعہ ایک اونچے پہاڑ پر ہے، لیکن اُس زمانہ کے بعد سے سیرجان کا نام تاریخوں سے بالکل محو ہو جاتا ہے، اور اس کا محل وقوع مدت کے بعد حال میں قلعۂ سنگ کے پاس دریافت ہوا ہے[1]۔

[1] اصطخری ص ۱۶۶ + مقدسی ص ۴۶۴، ۴۷۰ + یاقوت ج ۴۔ ص ۱۰۶، ۵۴۶ مستوفی ص ۱۸۲ + حافظ ابرو ص ۱۴۰ (a) + علی یزدی ج ۱۔ ص ۶۱۸، ۶۶۷، ۴۷۸ + میر خواند قسم چہارم ص ۱۷۰ + قسم ششم ص ۸۴، ۴۹ + سیرجان کی جائے وقوع عرب جغرافیہ نویسوں نے مختلف مقامات معلومہ سے مرحلوں میں بیان کی ہے، اور ان مرحلوں کا مجموعی فاصلہ فرسخوں میں لکھا ہے۔ مگر خرابی یہ ہے کہ جس طرح صوبۂ جبال اور صوبۂ فارس کے تمام مقامات کے فاصلے منزل بمنزل، اور ان مقامات کی کیفیتیں سیاحت ناموں میں ملتی ہیں ویسا ہی تفصیلی علم صوبۂ کرمان کے متعلق حاصل نہیں ہوتا۔ بہرحال جو فاصلے بیان ہوئے ہیں اُن کا خلاصہ ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔ ان فاصلوں سے بھی تائید ہوتی ہے کہ قلعۂ سنگ، اور شہر سیرجان ہم موقع تھے۔ شمال مغرب میں شہر بابک ہے، جہاں شیراز اور اصطخر سے آنے والی سڑکیں ملتی تھیں، سیرجان چوبیس اور تیس فرسخ مختلف راہوں سے تھا، اور شہر صاہک کلاں سے (۳۰) سے (۴۶) فرسخ یا تین مراحل دراز کا فاصلہ رکھتا تھا۔ رستاق الرستاق سے (جو فرگ کے شمال مغرب میں

مقدسی نے بَرْدسِیر کا حال کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے، وہ بیان کرتا ہے جب بنی بُویہ کے حاکم نے اسے صوبہ کِرمان کا نیا دارالحکومت قرار دیا تو شہر گو بڑا نہ تھا، لیکن اچھی طرح متحصن ضرور تھا۔ شہر کے باہر ایک بڑا قلعہ پہاڑی کی بلندی پر بنا ہوا تھا۔ اُس میں باغ تھے، اور اور باغوں میں ایک گہرا کنواں تھا، جسے حاکم صوبہ ابوعلی بن الیاس نے کھدوایا تھا، اور خود ہمیشہ رات کو گھوڑے پر سوار ہوکر اس قلعہ میں آیا کرتا تھا، تاکہ اس بلند مقام پر آرام کرے۔ شہر کے دروازے کے قریب ہی ایک دوسرا قلعہ (حصین) تھا، جس کے گرد خندق تھی، اور اس خندق کو ایک پل سے عبور کرتے تھے۔ شہر کے وسط میں ایک تیسرا قلعہ تھا، جو آبادی پر چھایا ہوا تھا۔ اور اسی قلعہ سے ملی ہوئی جامع مسجد تھی، جس کی عمارت بڑی عالی شان تھی۔ (۳۰۴) شہر کے چار دروازے تھے؛ ان میں سے تین دروازوں کے نام اُن شہروں پر تھے جن کی طرف ان دروازوں سے نکلی ہوئی سڑکیں جاتی تھیں۔ یہ نام حسب ذیل:- باب ماھان، باب خبیص، اور باب زَرَند۔ چوتھا باب مبارک تھا، جو ممکن ہے کسی شخص کے نام پر رکھا گیا ہو۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ شہر کے گرد باغ تھے۔ کنوئیں بھی بہت تھے، اور ان کے علاوہ قناتوں (پٹی ہوئی ندیوں) سے شہر میں پانی بافراط آتا تھا۔ [1]

سلطان عضدالدولہ کے زمانے میں جب سے ابن الیاس نے سرکاری دفاتر (دیوان) بردسیر میں

---

[1] مقدسی ص ۴۶۱

جُوَاشِیر یا گُوَاشِیر کہتے تھے۔ یہ سب نام دراصل عربی نام بَرْدَسِیر کے مترادف اور اُس کی جگہ بلا امتیاز بولے جاتے تھے[1]۔

بَرْدَسِیر کا شہر، جو بنی بُوَیہ کے عہد میں صوبۂ کرمان کا نیا دارالحکومت بنا، بلاشبہ ہر لحاظ سے موجودہ شہر کِرمان کے مطابق ہوتا ہے۔ اس کا ثبوت سیاحت ناموں سے، جن میں اس شہر کا محل وقوع بیان ہوا ہے، اور عرب جغرافیہ نویسوں کے بیانوں سے، جنھوں نے بَرْدَسِیر کی مختلف عمارتوں اور اُس کے قدرتی مناظر کا ذکر کیا ہے، ملتا ہے۔ یہ سب چیزیں اب تک ملتی ہیں، اور شہر کِرمان میں اُن کی شناخت ہو سکتی ہے۔ عربی اور فارسی تاریخوں سے بھی اس تطابق کی شہادت ملتی ہے۔ کیونکہ چوتھی (دسویں) صدی کے بعد بَرْدَسِیر کو، جسے بلا تخصیص گُوَاشِیر بھی کہہ دیتے ہیں، مورخوں کے بیانات میں صوبۂ کِرمان کا دارالحکومت ظاہر ہوا ہے، اور یہی نام آگے چل کر "شہر کِرمان" یا اُس کا مخفف ہو کر فقط کِرمان ہو گئے۔ اسی طرح، جیسا کہ اکثر ہوتا ہے، صوبہ نے دارالحکومت کو اپنا ہی نام دے دیا۔

[1] حمزہ ص ۴۶ + مقدسی ص ۴۶۰، ۴۶۱ + یاقوت ج ۱۔ ص ۵۵۵ + ج ۲۔ ص ۹۲۷ + ج ۴۔ ص ۲۶۵ + اس شہر کا نام کبھی کبھی یَزْدَشِیر بھی لکھا گیا ہے، لیکن یہ محض کتابت کی غلطی ہے جو عربی عبارت نقل کرنے میں نقطے غلط جگہ لگانے سے پیدا ہو گئی ہے۔ آج کل بَرْدَسِیر ایک چھوٹے سے علاقے کا نام ہے، جو موجودہ شہر کِرمان کے جنوب مغرب میں واقع ہے، اور اس علاقے کا بڑا شہر ماشِیز ہے۔ کسی شہر کا نام ہونے کی حیثیت سے بَرْدَسِیر کو اب کوئی نہیں جانتا۔ اس امر کی ایک اور مثال کہ لفظ بہ اور وہ فارس میں بطور اسم مکان کے مستعمل تھا اس کتاب میں کسی اور مقام پر ملے گی +

(۵ ۳۰) ۵۸۳ھ (۱۱۸۷ء) میں غُزّ ترکمانوں نے صوبۂ کِرمان پر قبضہ کر لیا، اور بَرْدَسِیر کو لوٹ کر آدھا ویران کر دیا۔ اور چند روز کے لئے زَرَنْد کو اس کا دارالحکومت قرار دیا۔ اُس وقت سلجوقیوں کا زوال شروع ہوگیا تھا، اور آخر ۶۱۹ھ (۱۲۲۲ء) میں تمام صوبۂ کِرمان پر ایک قلیل المدت حکمران خاندان کا قبضہ ہوگیا، جس کو بالعموم قارا ختئے کہتے ہیں۔ اس خاندان کے پہلے رئیس قُتلُق خان کے متعلق میرخواند نے لکھا ہے کہ اُس نے شہر کِرمان پر قبضہ کیا تھا، اور آگے چل کر اسی مورخ نے بیان کیا ہے کہ قُتلُق خان یہاں کے ایک مدرسہ (کالج) میں دفن ہوا "جو خود اُس نے شہر کِرمان کے باہر تُرکاباد کے محلے میں بنوایا تھا"۔ دوسرا بیان مستوفی نے اپنی تاریخ گُزیدہ اور ابن ابراہیم نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۵۳) گر اس میں مغالطہ ہے، گو اس واقعہ کی صحت میں تاریخی اور جغرافی دونوں اعتبار سے ذرا کلام نہیں کہ ابن الاثیر کی عبارت اس واقعہ کے ثبوت میں پیش کی جاسکتی ہے، کیونکہ مدینۂ کِرمان کے معنے محض دارالحکومت کے ہیں، اور اس لئے ابن الاثیر کی عبارت ابہام پیدا کرتی ہے۔ اس سے پہلے (ج ۳۔ ص ۱۰۰) میں ابن الاثیر نے جہاں بیان کیا ہے کہ خلافت حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں عربی فوجوں نے کس طرح اول مرتبہ سِیرجان پر قبضہ کیا، اُس کے بعد ہی لکھا ہے کہ سِیرجان ہے جو مدینۂ کِرمان (یعنی دارالحکومت کِرمان) ہے، حالانکہ حقیقت میں سِیرجان وہ شہر نہیں ہے جو آج کل کا کِرمان ہے، لیکن بادی النظر میں اس عبارت سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ (میرے نزدیک اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ عربی میں مدینۂ کِرمان کے دو معنے ہو سکتے ہیں:۔ (۱) اک شہر جس کا نام کِرمان ہے۔ (۲) صوبۂ کِرمان کا دارالحکومت۔ ان ہی دو معنوں کی وجہ سے یہاں بھی اور اور جگہ بھی غلط بحث پیدا ہوتا ہے۔ مترجم)

منتقل کیے گئے یہ شہر، جیساکہ اوپر بیان ہوا، برابر صوبۂ کِرمان کا دارالحکومت رہا۔ شہر کی وہی حالت ہوتی رہی جو صوبہ کی ہوتی تھی۔ فارس کا جو کوئی حاکم ہوا اُس نے اس صوبہ کو بھی اپنے زیر نگیں کر لیا۔ پانچویں (گیارھویں) صدی کے ابتدائی حصہ میں بنی بُویَہ کو سلجوقیوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کے مقابلہ میں زوال ہوا۔ سلجوقیوں نے ۴۳۳ھ سے ۵۸۳ھ تک (۱۰۴۱-۱۱۸۷ء) کِرمان پر حکومت کی۔ ان کی حکومت کی زمانہ میں، گو سیرجان ان کے بڑے شہروں میں سے تھا، مگر بَرْدَسِیر ہی بدستور کرمان کا دارالملک، یا حاکم نشین شہر رہا۔ ابن ابراہیم کی لکھی ہوئی تاریخ سلاجقہ میں یہاں کے دارالحکومت کا نام کہیں بَردَسیر، اور کہیں گَوَاشِیر لکھا گیا ہے۔ لیکن میر خواند نے اپنی تاریخ "روضۃ الصفا" میں جہاں اس زمانے کے حالات کا ذکر کیا ہے وہاں سلجوقیوں کے زمانے میں صوبۂ کرمان کے دارالحکومت کا نام ہر جگہ "شہرِ کِرمان" یا مخفف طریقہ سے کِرمان لکھا ہے۔ بَرْدَسِیر کا نام کہیں نہیں لکھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بَرْدَسِیر اور کِرمان یہ دونوں نام کچھ عرصے تک ایک ہی شہر کے لئے مستعمل ہوتے رہے۔ مثلاً ابن الاثیر نے ۴۹۴ھ (۱۱۰۱ء) کے واقعات لکھتے ہوئے بیان کیا ہے کہ کس طرح ایران شاہ سلجوقی "بَرْدَسِیر سے نکالا گیا، اور یہ شہر وہی ہے جو مدینۂ کِرمان ہے"[1]

---

[1] ابن الاثیر ج ۱۰ - ص ۲۱۹ + ابن الاثیر کی یہ عبارت بظاہر حتمی شہادت اس واقعہ کی معلوم ہوتی ہے کہ بَرْدَسِیر بعد کو شہرِ کِرمان ہو گیا۔ (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

یہ باغ خوب سرسبز تھا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ ابن الیاس ہی نے پہاڑی والا قلعہ بھی تعمیر کرایا تھا، جس کے بارے میں ہم لکھ چکے ہیں کہ مقدسی نے اُس کا تذکرہ کیا ہے۔ شہر کے اندر ایک مسجد تھی، جو جامع تبریزی کہلاتی تھی۔ اس کا بانی تُوران شاہ سلجوقی تھا۔ حضرت شاہ شجاع کرمانی کا مزار بھی شہر کے اندر ہی تھا۔ حافظ اَبرُو نے، جو ذرا بعد کے زمانے کا مصنف ہے، لکھا ہے کہ خاندان قراختے کے بادشاہ قُتلُغ خان کی بیٹی تُرخان خاتون نے ۶۶۶ھ (۱۲۶۸ء) میں ایک عالی شان جامع مسجد شہر کرمان میں تعمیر کرائی تھی۔ اس جامع مسجد کے علاوہ اور کئی مسجدیں اور مدرسے بھی اُس نے بنوائے تھے، جن میں سے ایک کا ذکر آگے آئیگا۔ یہی مصنف، جس نے اپنی کتاب ۸۲۰ھ (۱۴۱۷ء) میں لکھی ہے، اس شہر کا نام بَرْدَسِیر (یا گُواشِیر) اور کِرمان دونوں لکھتا ہے[1]۔

بَرْدَسِیر کے یہ حالات مقدسی سے لے کر، جو چوتھی (دسویں) صدی کا مصنف ہے، حافظ ابرو تک نے، جو نویں (پندرھویں) صدی کے شروع کا مصنف ہے، جتنے مصنفوں نے قلمبند کئے ہیں، اُن سب نے ان عمارات کی کیفیت صاف صاف لکھی ہے جو موجودہ شہر کِرمان میں اب تک باقی ہیں، گو شکستہ حالت میں ہیں۔ اسی طرح جیسا کہ اوپر آچکا ہے، مقدسی نے ان تینوں قلعوں کا ذکر کیا ہے، جن کی وجہ سے یہ شہر مشہور تھا، اور ابن ابراہیم اپنی آل سلجوق کی تاریخ میں پہاڑی قلعہ (قلعۂ کوہ)، اور پرانے قلعہ اور نئے قلعہ کا

(۳۰۶)

---

[1] مستوفی ص ۱۸۲ + حافظ ابرو ص ۱۲۹ (b)، ۱۴۰ (a) +

آل سلجوق کی تاریخ میں یہ لکھا ہے کہ قتلق خان نے ۶۱۹ھ (۱۲۲۲ء) میں "شہر بردسیر (یا مصنف تاریخ گزیدہ کے املا کے مطابق گواشیر) پر قبضہ کیا، اور اس طرح وہ تمام صوبۂ کرمان کا حکمران بن گیا۔ اس کے علاوہ یاقوت نے، جو اسی زمانے میں گزرا ہے، بیان کیا ہے کہ اُس وقت (یعنی تیرھویں صدی عیسوی میں) صوبۂ کرمان کا دارالحکومت بردسیر تھا[1]

مغلوں کی تسخیر ایران سے کرمان پر کچھ زیادہ اثر نہیں پڑا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے ابتدائی زمانہ میں خاندان قاراختے کے آخری بادشاہ کی بیٹی نے فارس کے حاکم سے، جو مظفریہ خاندان سے تھا، شادی کرلی، جو بعد میں صوبۂ کرمان کو مغلوں کے زیر سیادت لے آیا۔ اس صوبہ کے دارالحکومت گواشیر (جسے بردسیر بھی کہتے تھے) کے تذکرہ میں مستوفی نے شہر کی مسجد عتیق کا حال لکھا ہے۔ اس مسجد کو پہلی صدی ہجری میں اموی خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے، جن کا انتقال ۱۰۱ھ (۷۲۰ء) میں ہوا، بنوایا تھا۔ اسی مصنف نے اس باغ کا ذکر بھی کیا ہے، جسے بنی بُویَہ کے مقرر کردہ حاکم صوبہ ابن الیاس نے تیار کرایا تھا۔ اس باغ کا نام باغ سیرجانی تھا (یعنی اُس شخص کا باغ جو سیرجان سے آیا تھا)، اور جب ۷۴۰ھ (۱۳۴۰ء) میں مستوفی نے اپنی کتاب لکھی ہے تو

---

[1] مستوفی (گزیدہ) باب ۴۔ فصل ۱۰۔ حکومت بُراق حاجب + ابن ابراہیم ص ۴، ۳۵، ۲۰۰، ۲۰۱ + میرخواند۔ قسم ۴، ص ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۲۸، ۱۲۹ + یاقوت ج ۴۔ ص ۲۶۵

کچھ زمانے بعد اپنے بھائی کو تخت سے بے دخل کردیا، اور پچیس برس تک پہلے اپنے خاوند کے نام سے، جو قتلغ خاں کا بھتیجا تھا، اور پھر اپنے دو بیٹوں کی طرف سے، جنھیں یکے بعد دیگرے اُس نے برائے نام وارث تخت بنایا، کرمان کے صوبہ پر حکومت کرتی رہی۔ میرخواند لکھتا ہے کہ ترخان خاتون نے ۶۸۱ھ (۱۲۸۲ء) میں وفات پائی، اور (۳۰۷) مدرسہ شہر کے گنبد میں دفن ہوئی۔ قبۂ سبز میں، جس کے نیچے ترخان خاتون دفن تھی، اُس کی دیواروں پر ایک کتبہ تھا، جس میں ان معماروں کے نام جنھوں نے سبز گنبد بنایا تھا، اور تکمیل عمارت کا وسال، ۶۴۰ھ (۱۲۴۲ء) کندہ تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ قتلغ خاں کا بیٹا، جسے آخر اُس کی بہن ترخان خاتون نے بعد کو حکومت سے بے دخل کردیا، برائے نام حکمراں تھا۔[1]

---

[1] قبۂ سبز ۱۸۹۶ء کے زلزلہ میں بالکل برباد ہوگیا۔ میجر سائکس نے اس کا ذکر کیا ہے، اور اس کی بربادی سے قبل جس حالت میں اس کو دیکھا تھا اُس کی ایک تصویر بھی درج کی ہے (پرشیا ص ۲۶۴)۔ اسی کتاب کے صفحہ ۱۹۴ میں سائکس نے اس کا، اور توران شاہ کی مسجد کا حال بیان کیا ہے۔ توران شاہ نے ۴۷۷ھ سے ۴۹۰ھ (۱۰۸۴-۱۰۹۷ء) تک حکومت کی تھی۔ ابن ابراہیم ص ۲۰، ۳۴، ۱۷۷، ۱۸۷، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۴ + میرخواند قسم چہارم ص ۱۲۹-۱۳۰ + سٹیک (Stack) کی کتاب پرشیا ج ۱۔ ص ۲۰۲، ۲۰۴ + شنڈلر (Schindler) کا مضمون Reise in Persien مندرجۂ Zeitschrift der Gesellschaft Erdkunde (برلن) ۱۸۸۱ء ص ۳۲۹، + ۳۳۰

حال لکھا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تینوں قلعے وہی ہیں جن کا تذکرہ مقدسی نے کیا ہے۔ موجودہ کِرمان میں اول تو ایک پرانا قلعہ پہاڑی پر ہے، جو شہر کے قریب مشرق کی طرف ہے۔ یہ قلعہ آج کل قلعہ دُختر کہلاتا ہے۔ عام روایات میں اس قلعہ کو بادشاہ اَرْدَشِیر بابکان سے منسوب کیا جاتا ہے۔ پھر جنوب مشرق کی طرف کچھ دور ہٹ کر ایک پہاڑی ہے، جس کے گرد فصیلیں، بُرج، اور دمدمے ہیں، اب یہ سب بوسیدہ ہوکر گرتے جاتے ہیں۔ اِس کو قلعہ اَرْدَشِیر کہتے ہیں، اور غالباً یہ وہی ہے جسے "شہر کے دروازے کے باہر" والا قلعہ لکھا گیا ہے۔ اِس سے پرانا قلعہ، جو شہر کے اندر تھا، بلاشبہ وہاں تھا جہاں آج کل موجودہ حاکم صوبہ کا دارالامارت ہے[1]۔

تُوران شاہ کی مسجد، جس کا ذکر مستوفی نے کیا ہے، مسجد مَلِک کے نام سے اب تک موجود ہے۔ ایک اور عمارت ہے جو شہر کِرمان کے اُس زمانے سے تعلق رکھتی ہے جب کہ وہ بَرْدَسِیر کہلاتا تھا۔ یہ عمارت ایک سبز (یا نیلے) رنگ کا گنبد ہے، جو قُبَّۂ سَبز کہلاتا ہے۔ یہ گنبد خاندان قَارَاخِتَئ کے بادشاہ قُتلق خاں کی بیٹی تُرخاں خاتون کے مقبرے کی زینت حال کے زمانے تک رہا ہے۔ (اس کے بعد ٹوٹ کر گر گیا)۔ کتبۂ تاریخ میں بیان ہوا ہے کہ اِس شہزادی نے اپنے باپ کے مرنے کے

---

[1] میجر سائکس (Sykes) نے اپنی کتاب Ten Thousand Miles in Persia (ص ۱۸۸) میں شہر کِرمان کا نقشہ اور (ص ۱۹۰) پران دونوں پرانے قلعوں کی تصویر درج کی ہے۔

تھا۔ شہر کے گرداگرد ایک دن کی مسافت تک باغ ہی باغ چلے گئے تھے۔ انھیں ایک ندی سیراب کرتی تھی، جس میں ہر وقت پانی بہتا رہتا تھا۔

(۴۰۸) غُبَیرا اور کُوغُون کے دو شہر، جن میں ایک فرسخ کا فاصلہ تھا، اب ان کا کوئی نشان نظر نہیں آتا۔ یہ دونوں مَاهَان کے جنوب میں راین سے (جو اب تک موجود ہے) ایک مرحلہ کے فاصلے پر مغرب میں تھے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے لکھا ہے کہ غُبَیرا ایک چھوٹا سا شہر تھا۔ جس کے گرد گاؤں تھے، اور اُس کے بیچ میں ایک قلعہ تھا۔ شہر سے باہر بنی بُویَہ کے حاکم صوبہ ابن الیاس نے جس کا ذکر اس سے قبل اکثر آچکا ہے، ایک بازار حال ہی میں تعمیر کرایا تھا۔ غُبَیرا اور کُوغُون دونوں میں عمدہ مسجدیں تھیں اور زیر زمین نہروں سے پانی ان شہروں میں پہنچتا تھا۔ شہر کِرمان سے مشرق میں تقریباً پچاس میل کے فاصلے پر بادیہ ایران کے کنارے خَبِیص واقع ہے، جو مَاهَان سے تین مراحل کے فاصلے پر سمجھا جاتا تھا۔ اس شہر کی سطح زمین نشیب میں تھی؛ کیونکہ یہاں بادیہ کی سطح وسط ایران کی سطح مرتفع سے، جس پر کِرمان کا شہر تھا، بہت نیچی تھی۔ اصطخری کا بیان ہے کہ خَبِیص کی آب و ہوا بہت گرم تھی، اور اسی وجہ سے کھجور کا درخت بہت ہوتا تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ یہاں ایک قلعہ تھا۔ اور شہر کے چار دروازے تھے۔ خَبِیص خوب معمور و آباد مقام تھا۔ شہتوت کے درخت یہاں کے باغوں کے بہت مشہور تھے۔ ایک ندی، جو شہر میں سے گزرتی تھی، ان باغوں کو پانی پہنچاتی تھی۔ خَبِیص سے عمدہ کھجوریں بھی دساور کی جاتی تھیں[1]

[1] ابن ابراہیم ص ۶۶، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۲۱ + اصطخری ص ۲۲۴ + (باقی بر صفحہ آیندہ)

علاقۂ بَرْدَسِیر کے دوسرے شہروں کا حال عرب جغرافیہ نویسوں نے بحیثیت مجموعی کم لکھا ہے۔ قریوں اور قصبوں کا پاس پاس ہونا، جیسا کہ فارس میں اکثر پایا جاتا ہے، صوبہ کرمان میں یہ بات نہ تھی۔ یہاں عام طور پر ایک شہر سے دوسرے شہر کے بیچ میں ایک صحرائی قطعہ حائل ہوتا تھا۔ شہر کرمان سے بیس میل جنوب مغرب بَغِین کا شہر تھا، اور بَغِین سے اسی سمت میں اتنی ہی دور آگے ماشِیز تھا۔ یہ دونوں مقامات شہر کرمان سے سِیرجان جانے والی سڑک پر واقع تھے۔ آج کل اس نواح میں یہی دو شہر رہ گئے ہیں۔ ابن ابراہیم نے تاریخ آل سلجوق میں جہاں چوتھی (دسویں) صدی کے نصف آخر کے واقعات لکھے ہیں وہاں ان دونوں شہروں کا اکثر ذکر کیا ہے۔ اس لئے حیرت ہوتی ہے کہ ابتدائی زمانے کے عرب جغرافیہ نویسوں میں سے کسی نے بھی نہ بَغِین کا ذکر کیا ہے اور نہ ماشیز کا۔ مستوفی بھی خاموش ہے، اور ایرانی مصنف بھی، جنھوں نے تیمور کی فتوحات کا حال لکھا ہے، ان شہروں کا تذکرہ نہیں کرتے۔ شہر کرمان سے جنوب مشرق میں دو مختصر مرحلوں کے فاصلے پر ماھان کا شہر تھا۔ یہ مقام حضرت نعمت اللہ ولی کے مزار کی وجہ سے آج کل مشہور ہے۔ ان کی پیش گوئیاں اب تک اسلامی ایشیا میں مشہور ہیں۔ سو برس سے زیادہ کی عمر میں انھوں نے ۸۳۴ھ (۱۴۳۱ء) میں وفات پائی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ مشہور شاعر حافظ شیراز کے دوست تھے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے لکھا ہے کہ ماھان میں زیادہ تر عرب آباد تھے۔ شہر کی مسجد قلعہ کے پاس تھی، اور قلعہ، جس کے گرد ایک خندق تھی، شہر کے بیچ میں واقع

(۳۰۹) زرند سے پچاس میل شمال میں ایران کے بادیہ کے کنارے رَاوَر واقع ہے، اور رَاوَر کے مغرب میں کُوبنان ہے، جہاں مارکوپولو پہنچا تھا۔ مقدسی نے ان دونوں شہروں کا ذکر کیا ہے۔ رَاوَر کے متعلق اُس نے لکھا ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی میں یہ کُوبنان سے بڑا تھا، اور اس میں ایک مستحکم قلعہ تھا، جس سے سرحد کی حفاظت کی جاتی تھی۔ کُوبنان یا کُوھبنان کی نسبت بیان کیا ہے کہ یہ ایک چھوٹا سا شہر تھا، اس میں دو دروازے تھے، اور شہر سے باہر ایک بستی تھی، جس میں حمام اور کاروان سرائیں تھیں۔ جامع مسجد شہر کے ایک دروازے کے قریب تھی، اور اُس کے گرد باغ تھے جو قریب کے پہاڑوں کی تلیٹی تک پھیلے ہوئے تھے۔ اسی نواح میں بہ آباد کا شہر ہے، اس کا نام مقدسی نے بھاوذ لکھا ہے، اور اسی کے ساتھ قُواق کا ذکر بھی کیا ہے، جو ایک معمور قریہ بھاوذ سے تین فرسخ کے فاصلے پر واقع تھا۔ یہ دونوں مقامات سرد سیر میں تھے، اور ان میں بہت سے باغ تھے۔ بہ آباد اب تک باقی ہے، لیکن قُواق کا پتہ اب نقشہ پر نہیں ملتا۔ یاقوت نے ساتویں (تیرھویں) صدی میں لکھا ہے کہ کُوھبنان اور بہ آباد ان دونوں مقامات کا توتیا (یعنی پکا ہوا جست غیر خالص حالت میں) اُس کے زمانہ میں بہت مشہور تھا۔ یہ توتیا یہاں تیار کیا جاتا تھا اور ملکوں ملکوں اس کا دساور بھیجا جاتا تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے بھی کُوھبنان کا ذکر کیا ہے۔ مستوفی کے ہم عصر سیاح مارکوپولو نے اس کا نام شہر کوبنان (Cobinan) لکھا ہے۔ وینس کے اس سیاح نے توتیا بنانے کے طریقے بہت شرح و بسط سے بیان کئے ہیں، اور لکھا ہے کہ توتیا آنکھوں کے لئے بہت مفید ہے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں توتیا ان مشہور چیزوں

کرمان کے شمال مغرب میں دو مراحل کے فاصلے پر
زرند کا شہر ہے۔ زمانہ وسطیٰ میں ان دونوں شہروں کے
بیچوں بیچ جنزرُوذ کا شہر تھا، جس کا اب کوئی نشان باقی نہیں
ہے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ جنزرُوذ میں ایک مسجد تھی
جو بازار میں واقع تھی، اور بازار میں میوہ بافراط فروخت ہوتا
تھا۔ یہ شہر ایک دریا کے کنارے واقع تھا جس کا نام
جنز تھا۔ زرند کا شہر اب تک موجود ہے، اور مقدسی نے
ایک قلعہ کا ذکر کیا ہے جو شہر کے قریب تھا، اور جسے حاکم
صوبہ ابن الیاس نے حال ہی میں بنوایا تھا۔ چوتھی (دسویں)
صدی میں زرند بہت بڑا شہر تھا، اس میں چھ دروازے
تھے، اُس کی جامع مسجد مَیدان یعنی شہر کے چوک میں
واقع تھی، اور اس چوک کے گرد بازار تھے۔ یہاں ایک قسم
کا باریک کپڑا استر میں لگانے کے لئے تیار ہوتا تھا، جسے
بطّانہ کہتے تھے۔ یہ زرندی باریک کپڑے فارس اور
عراق کو بہت دساور کئے جاتے تھے، اور چوتھی (دسویں) صدی
میں وہ بہت مشہور رہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مقدسی ص ۴۶۲، ۴۶۳ + کرنل سی، اِی، ییٹ (Yate) کی کتاب Khurasan and Sistan ص ۱۱ + میجر سائکس (Sykes) (پرشیا۔ ص ۱۴) کو خبیص میں ایک سنگ لحد ملا تھا جو ۳۰۳ھ (۸۹۱ء) کا تھا۔ اس کے علاوہ اُس نے یہاں ایک پرانی شکستہ عمارت کے آثار بھی پائے تھے یہ عمارت بظاہر ایک گرجا، یا کسی دوسرے غیر مسلم قوم کی عبادت گاہ معلوم ہوتی تھی + مقدسی (ص ۴۶۰) نے بیان کیا ہے کہ نَشک، کُشید، کوک، اور کَنتوا کے چار شہر خَبیص کے علاقہ میں تھے۔ لیکن اُس نے ان شہروں کے حالات نہیں لکھے +

کے فاصلے پر واقع ہے۔ ان ملتے جلتے ناموں سے بڑا خلط ملط اس وجہ سے اور بھی واقع ہوتا ہے کہ (شمالی) مافق کا تلفظ اکثر بافد کیا جاتا ہے، اور اس طرح بافق کا نام بالکل اسی شہر کا سا ہو جاتا ہے جو مَاهیبز کے جنوب میں واقع ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایرانی زبانوں میں ق کا د یا ت میں تبدیل ہو جانا اکثر پایا جاتا ہے۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ بافد نام کا ایک چھوٹا سا شہر صوبۂ کرمان میں شیراز جانے والی سڑک پر گرم سیر میں واقع تھا۔ ابن ابراہیم نے اپنی تاریخ آل سلجوق میں بافت اور مافق دونوں کا ذکر کیا ہے، لیکن نہ اس نے اور نہ یاقوت نے ایسی تفصیل کی ہے، جس کی بنا پر ان دونوں مقامات کا صحیح پتہ لگایا جا سکے۔[1]

---

[1] یاقوت ج ۱۔ ص ۴۷۴ + ابوالفدا ص ۳۳۶ + ابن ابراہیم ص ۳۱، ۳۲، ۴۷، ۹۰، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۴، ۱۷۲، + سٹیک (Stack) کی کتاب پرشیا ج ۲۔ ص ۱۲+

میں سے تھا جو صوبۂ کرمان سے دساور کی جاتی تھیں۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ توتیا پگھلنے کے بعد جب کٹھالیوں سے نکلتا ہے تو اُس کی شکل لمبی لمبی قلموں کی سی ہوتی ہے۔ اس لئے اس کو بالعموم توتیا مرازبی کہتے تھے۔ مقدسی نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ گرم ہونے کی حالت میں ان قلموں کے گچھوں پر پانی ڈال کر ایک ایک قلم کو جدا کرلیا جاتا تھا، پھر صاف کرنے کے لئے اُن کو لمبی لمبی بھٹیوں میں بھونتے تھے۔ یہ بھٹیاں اُس نے خود اُس پہاڑ کے پہلو میں بنی ہوئی دیکھی تھیں جہاں توتیا کچی حالت میں نکالا جاتا تھا۔ لوہے کے صاف کرنے کی بھی یہی ترکیب تھی۔[1]

(۲۱۰) **کوھبنان** سے تقریباً پچاس میل مغرب کی طرف بادیہ ایران کے سرے پر، اور کوھبنان اور یزد کے بیچوں بیچ، آج کل بافق کا گاؤں واقع ہے۔ صوبۂ کرمان میں اسی نام سے ملتے جلتے ناموں کے دو شہر اور بھی ہیں۔ ان میں سے ایک تو بافق ہے جس کا ذکر اوپر ہوا، اور دوسرا بافِد یا بافت ہے، جو شہر کرمان سے اسّی میل جنوب میں، اور مشرق والے بافق سے دو سو میل

---

[1] اصطخری ص ۲۳۳ + ابن حوقل ص ۲۲۴، ۲۹۲ + مقدسی ص ۴۶۲، ۴۷۰، ۴۹۳ + یاقوت ج ۱۔ ص ۷۶۷ + ج ۴۔ ص ۳۱۶ + مستوفی ص ۱۸۳۔ توتیا بنانے کے قاعدہ کے متعلق دیکھو مارکوپولو کا سفرنامہ مصححہ یول (Yule) ج ۱۔ ص ۱۲۷۔ ۱۳۰ + میجر سائکس (پرشیا ص ۲۷۲) نے آج کل بھی کوھبنان میں اسی طریقہ سے جو اوپر بیان ہوا توتیا تیار ہوتے دیکھا ہے۔ مرازبی کا نام اکثر غلطی سے مرازودی لکھ دیا جاتا ہے۔ اسی طرح کوھبنان کو نقلوں کے غلط جگہ نکتہ دینے سے کوبیان اور کوہیان لکھا جاتا ہے۔ بنان فارسی میں جنگلی پستہ کو کہتے ہیں۔ اس لئے کوھبنان کے معنے ایسے پہاڑ کے ہیں جہاں جنگلی پستہ کے درخت اُگتے ہوں۔

ماهک (یعنی مغرب) سے آتی تھی، اور پھر تینوں سڑکیں مل کر شہر سیرجان کو چلی گئیں تھیں۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ بِمند میں ایک جامع مسجد بازار کے بیچ میں واقع تھی، اور شہر میں پانی زیر زمین دوز نہروں [قناتوں] سے پہنچتا تھا۔ سیرجان سے مشرق میں ایک دن کی مسافت سے ہماین جانے والی سڑک پر شامات نام کا ایک شہر تھا، جس میں بہت سے باغات اور تاکستان تھے۔ یہاں سے میوہ بکثرت قرب وجوار کے قریوں میں بکنے جاتا تھا۔ شہر کے بیچ میں جامع مسجد واقع تھی۔ شامات کا دوسرا نام کوہستان بھی تھا۔ شامات سے ایک مرحلہ مشرق میں بھار، سے ایک دن کی مسافت پر خناب تھا۔ ان دونوں شہروں میں کھجور کے درخت بہت تھے۔ خناب سے آگے غُبَیرا تھا، جس کا علاقہ بردسیر کے اعمال میں شمار ہونا بیان ہوچکا ہے۔ سیرجان کے جنوب مشرق میں دو دن کی مسافت سے جیرفت جانے والی سڑک پر ایک شہر تھا جس کا نام (منجملہ دیگر صورتوں کے) واجب اور ناجت لکھا گیا ہے۔ مقدسی نے بیان کیا ہے کہ یہ شہر خوشگوار اور معمور مقام ہے؛ اس میں بہت سے باغ ہیں۔ زمین دوز نہروں [قنی] کے ذریعے شہر کو پانی پہنچتا ہے، اور شہر کی جامع مسجد بازاروں کے بیچ میں واقع ہے[1]۔ (۳۱۲)

بَم کا علاقہ (جسے عرب جغرافیہ نویسوں نے بَمّ لکھا ہے)

---

[1] ابن خرداذبہ ص ۴۹، ۵۴ + اصطخری ص ۱۶۸، ۱۶۹ + مقدسی ص ۴۶۴، ۴۶۵ + ناجَت کے بجائے ابن حوقل نے ناجتہ لکھا ہے۔ اس کے علاوہ اسی نام کی دوسری شکلیں باخته، قاخته، یا قاختہ ابن خرداذبہ نے لکھی ہیں۔ ممکن ہے کہ بافت لکھنے میں کتابت کی غلطی ہوئی ہو۔ بافت کا ذکر گزشتہ باب میں (صفحہ ۴۱) ہو چکا ہے۔ یہ اب تک موجود ہے اور تقریباً اسی جگہ ہے جہاں اس کا موقع بیان ہوا ہے۔

(۴۱۱)

باب بست و دوم

کرمان (ختم)

علاقۂ سیرجان - بم اور نرماسیر کے علاقے۔
ریگان جیرفت اور قمادین (جسے مارکو پولو نے
(Camadi) لکھا ہے)، دلفرید۔ کوہ بارز اور
کوہ قفص۔ رودکان اور منوجان۔ پرانا اور
نیا ھرمز، گومبرون۔ صوبۂ کرمان کی تجارتی شاہراہیں

علاقۂ سیرجان علاقۂ بردسیر کے مغرب میں فارس کی سرحد پر واقع تھا۔ شہر سیرجان، یعنی صوبۂ کرمان کا پرانا دارالحکومت جس کا ذکر گزشتہ باب میں ہو چکا ہے، علاقۂ سیرجان کا صدر شہر تھا۔ مقدسی نے اس علاقہ کے کئی شہروں کا ذکر کیا ہے۔ افسوس ہے کہ نقشے پر اب وہ نظر نہیں آتے۔ گو ان کے موقعے شہر سیرجان کی جار وقوع کے تعلق سے معلوم ہیں۔

سیرجان کے مغرب میں چار فرسخ پر صوبۂ فارس کی سرحد کے قریب بیمند کا قلعہ تھا، چوتھی (دسویں) صدی میں اسے ایک ناقابل التسخیر شہر بتایا گیا ہے، جس کے دروازوں کے پھاٹک لوہے کے تھے۔ بیمند اس لیے بھی ایک بڑا مقام تھا کہ یہاں تین سڑکیں آکر ملتی تھیں۔ ان میں سے ایک سڑک شہر بابک (یعنی شمال) سے، ایک ہرودان (یعنی شمال مغرب) سے، اور ایک

(۳۱۳) ہے، اُس کی جامع مسجد بازار میں ہے، اور باغ آبادی کے چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ نایِن اور بَم کے درمیانی فاصلے کے ایک ثلث پر آوارِک اور مِہرکرد (یا مِہریجرد) کے دو شہر قریب قریب آباد تھے۔ ان میں سے آوارِک اب تک موجود ہے، اور اُس کا تلفظ آج کل اَبارِک کہا جاتا ہے۔ ان دونوں شہروں کے درمیان چوتھی (دسویں) صدی میں ایک قلعہ تھا، جسے بنی بُویہ کے حاکم ابن الیاس نے تعمیر کرایا تھا۔ ان شہروں کو پانی ایک دریا سے ملتا تھا، اور ان کے مکانات زیادہ تر کچے تھے۔ اَبارِک اور بَم کے بیچ میں دَرزِین ہے، جسے مقدسی نے دارزِین لکھا ہے، اس نام کا املا دارجین اور دیزرُن بھی کیا جاتا ہے۔ اس میں ایک عمدہ جامع مسجد تھی، اور شہر ایک خوشگوار مقام تھا۔ چاروں طرف باغ تھے، جن میں قریب کی ایک ندی سے آب پاشی ہوتی تھی۔ [1]

علاقۂ نَرماشیر (جسے فارسی میں نرماشیر کہتے ہیں) بَم کے جنوب مشرق میں صحرا کے کنارے پر تھا۔ اس کا صدر مقام نَرماسِیر بَم اور فَہرَج کے بیچوں بیچ واقع تھا۔ فَہرَج اب تک موجود ہے، اور مقدسی نے یہاں کے بہت سے عالی شان محلوں اور کثیر آبادی کا ذکر کیا ہے۔ خُراسان سے آئے ہوئے سوداگر، جو عُمان سے تجارت کرتے تھے، یہاں سکونت رکھتے تھے؛ کیونکہ نرماسیر سیستان سے کہ جانے والی حاجیوں کی سڑک پر واقع تھا، اور ہندوستان کے مال کی بڑی منڈی تھا۔ اُس زمانہ میں نرماسیر شہر سیرجان سے چھوٹا تھا، مگر خوب متحصن تھا۔ اس کے چار دروازے تھے، یعنی

---

[1] ابن حوقل ص ۲۲۳، ۲۲۴ + مقدسی ص ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۷۰ + مستوفی ص ۱۸۱ + یاقوت ج ۴۔ ص ۷۰۰ + اَبارِک اور دارزِین کا ذکر میجر سائکس نے کیا ہے (ایشیا۔ ص ۲۱۴) +

اسی نام کے شہر کے گرد ماھان کے جنوب مشرق میں بادیہ ایران کے کنارے صوبۂ کرمان کی مشرقی سرحد پر واقع ہے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے لکھا ہے کہ بَم کا شہر جیرفت سے بڑا اور صحت بخش تھا، اُس کے گرد نخلستان تھے، اُس کے قریب ہی بم کا مشہور قلعہ تھا، جس کی نسبت کہا جاتا تھا کہ اُس کو فتح کرنا ممکن نہیں شہر میں تین مسجدیں تھیں، یعنی مسجد الخوارج، مسجد البزازین، اور مسجد القلعہ۔ سوتی کپڑے یہاں بہت بُنے جاتے تھے، اور دساور ہوتے تھے۔ دستمال، عماموں کا کپڑا اور سر پر باندھنے کے رومال بھی، جنھیں طیلسان کہتے تھے، تیار کیے جاتے تھے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ بم کی شہر پناہ میں، جو خوب مستحکم و متحصن تھی، چار دروازے تھے، یعنی باب نرماسیر، باب کوسکان، باب اسپیکان اور باب کورجین۔ شہر کے اندر اور شہر کے باہر کے محلّوں میں بڑے بڑے بازار تھے، اور دریا کے کنارے پر، جو شہر سے ملا ہوا گزرا تھا، پل جُرجان کا بازار تھا۔ بید مجنون کی گلی (زقاق البید) میں ایک مشہور حمام تھا۔ بم سے ایک فرسخ پر ایک پہاڑ تھا، جس کا نام جبل کود تھا۔ یہاں چکیاں تھیں، اور ان چکیوں کے گرد ایک بڑا گاؤں آباد تھا۔ اس میں کپڑا بہت تیار کیا جاتا تھا۔ مستوفی نے آٹھویں (چودھویں) صدی میں بھی بم کے مستحکم قلعہ کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ شہر کی آب و ہوا گرم تھی [1]۔

شہر نرماشیر ماھان کے بالکل جنوب میں، بم سے ستّر میل جنوب مغرب میں واقع ہے۔ مقدسی لکھتا ہے کہ یہ ایک چھوٹا سا شہر

---

[1] بم کے پرانے قلعہ کا حال، جو اب تک باقی ہے، میجر سائکس Sykes نے اپنی کتاب Persia (ص ۲۱۶، ۲۱۸) میں لکھا ہے + زمانۂ وسطے کے شہر کے آثار گزاران کے مقام پر، قلعہ سے تقریباً ایک میل دور، اور دریا کے کنارے واقع ہیں +

کے درمیان کُرُک کا مقام ہے۔ مقدسی نے اس کا ذکر قریب کے شہر باھُز کے ساتھ کیا ہے (اِس شہر کو علاقہ سیرجان کے شہر بمارد (صفحہ حاشیہ ۳۱۱) سے جس کا املا بھی مختلف ہے، خلط ملط نہ کرنا چاہیے)۔ یہی مصنف لکھتا ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی میں یہ دونوں شہر خوب آباد تھے اور ان کے گرد نخلستان تھے۔ بِنسا کا شہر بھی نرماسیر کے علاقہ میں تھا، لیکن اس کا موقع معلوم نہیں۔ بیان کیا گیا ہے کہ اُس کے قریب سطح زمین [سہلہ] پر باغات تھے، اور بازار میں جامع مسجد تھی۔ پانی اس شہر میں ایک دریا سے لیا جاتا تھا۔[1]

صوبۂ کِرمان کا نصف حصہ جو جنوب کی طرف ساحل بحر تک تھا، علاقۂ جِیرُفت میں شامل تھا۔ جیرُفت (یا جَیرُفت) کا شہر زمانۂ وسطیٰ میں بہت بڑا تھا، اور ایک دریا کے کنارے آباد تھا۔ یہی دریا صوبہ کِرمان کے تمام دریاؤں میں ایسا ہے، جس کا نام عرب جغرافیہ نویسوں نے لکھا ہے۔ جیرُفت کے شکستہ آثار (جِیرُفت کا نام اب صرف علاقہ جیرُفت کے نام میں زندہ رہ گیا ہے) اُس مقام پر پائے جاتے ہیں جو آج کل شہر دِقیانوس (یعنی قیصر دکیوس کا شہر) کہلاتا ہے۔ یہ قیصر ایک ظالم اور خودسر بادشاہ ہونے کی حیثیت سے تمام مشرق میں ضرب المثل تھا، کیونکہ جن اصحاب کہف کا ذکر قرآن شریف (سورۂ کہف آیت ۸) میں آیا ہے وہ اسی قیصر کے زمانہ میں غار میں داخل ہوئے تھے (صفحہ حاشیہ ۱۵۵)۔ اس واقعہ کو عام پسند افسانوں

---

[1] ابن خرداذبہ ص ۴۹؛ مقدسی ص ۴۶۳، ۴۶۴؛ مستوفی کی کتاب جو بمبئی کے مطبع میں چھپی ہے اُس کے صفحہ ۱۸۲ پر بجائے ماشیز کے نرماسیر پڑھنا چاہیے، کیونکہ اس کتاب کے تمام بہترین نسخوں میں نرماسیر لکھا گیا ہے۔ اس کی مزید توثیق ترکی زبان کی جغرافیہ جہاں نما صفحہ ۲۵۰ سے ہوتی ہے۔ جگک آباد کے لئے دیکھو میجر سائکس Sykes کی کتاب Persia ص ۴۲۰۔

باب بم، باب سوہقان[1]، باب مُصلّیٰ اور باب کوشک۔ جامع مسجد بازاروں کے بیچ میں تھی، مسجد کے دروازے تک پہنچنے کے لئے دس سیڑھیاں، جو پکی اینٹوں کی بنی ہوئی تھیں، چڑھنی تھیں۔ مسجد کے اندر ایک عمدہ بلند مینار تھا، جو گردونواح کے علاقہ میں مشہور تھا۔ شہر کا قلعہ کوش وَہران کہلاتا تھا (لیکن مقدسی نے اس لفظ کے معنے نہیں بتائے)۔ باب بم کے پاس تین قلعے تھے جو الاخوات (بہنیں) کہلاتے تھے۔ شہر کے گرداگرد نخلستان اور باغ تھے۔ آج کل نرماسیر کا شہر نقشہ پر نہیں دکھایا جاتا، لیکن جُگک آباد (پرندوں والے شہر) کے مقام پر جو شکستہ آثار پائے جاتے ہیں وہ یقیناً زمانۂ وسطےٰ کے اسی بڑے شہر کے کھنڈر ہیں۔ جُگک آباد ایک ست دریا کے دائیں کنارے واقع ہے، جو علاقۂ نرماسیر کی مسطح زمین سے گذرا ہے۔ وہ جگہ جہاں کسی زمانہ میں نرماسیر آباد تھا، جنگل بنی ہوئی ہے، حالانکہ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے نرماسیر کو ایک آباد اور معمور شہر لکھا ہے[2]۔

فَہرج کے جنوب میں بیس میل کے فاصلے پر ریکان ہے (جس کا املا ریقان، یا ریغان بھی کیا جاتا ہے)۔ اس شہر کے استحکامات کو مقدسی نے بیان کیا ہے۔ ریکان کی جامع مسجد شہر کے دروازے کے قریب تھی اور آبادی کے باہر نخلستان[3] تھے۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ یہ مقام بہت گرم تھا، اور وہاں کھجوریں اور غلہ بافراط ہوتا تھا۔ ریغان اور بم (۳۱۴)

---

[1] مقدسی (ص ۴۶۳) نے اس کا نام باب سُوہکون لکھا ہے۔ مترجم)

[2] مقدسی (ص ۴۶۳) نے صرف اتنا لکھا ہے کہ علیہا حصن (یعنی وہاں ایک قلعہ ہے)۔ مترجم)

[3] مقدسی (ص ۴۶۳) نے لکھا ہے کہ کثیرۃ النخیل والبساتین (یعنی بہت سے نخلستان اور باغ تھے)۔ مترجم)

دونوں بہت[1] مشہور تھے۔ شہر کے گرد فصیل اور دمدمے تھے، اور اُس میں چار دروازے تھے، یعنی: باب شاپور، باب بم، باب سیرجان اور باب مُصلّیٰ۔ جامع مسجد پکی اینٹوں کی بنی ہوئی تھی، اور بازاروں سے کچھ دور باب بم کے قریب واقع تھی۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ جیرُفت اُس کے زمانہ میں اصطخر سے بڑا تھا، اور اُس کے مکانات زیادہ تر سنگین بنیادوں پر کچی اینٹوں کے چُنے ہوئے تھے۔

یاقوت نے لکھا ہے کہ جیرُفت کے گرد کا علاقہ جردُوس کہلاتا تھا۔ مستوفی نے اُس جنگل کا ذکر کیا ہے جو ابتدا میں جیرُفت کے گرد تھا، اور جس میں شیر ببر پھرا کرتے تھے؛ لیکن مستوفی کے زمانہ میں اس جنگل کی جگہ بڑے بڑے نخلستان کھڑے تھے۔ ابن ابراہیم نے آل سلجوق کی تاریخ میں، جو چھٹی (بارھویں) صدی میں لکھی گئی تھی، اکثر جگہ قَمادِین کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ "وہ جیرُفت کے دروازے کے پاس ایک جگہ تھی جہاں رُوم (یونان) اور ہند کے پردیسی سوداگروں کے گودام تھے، اور یہاں سمندر اور خشکی کے آنے والے سوداگر اپنا سامان بحفاظت رکھ سکتے تھے۔ ابن ابراہیم اپنی کتاب میں ایک موقع پر یہ لکھتا ہے کہ چین، ماوراء النہر، ختاء، ہندوستان، خراسان، زنجبار اور مصر کے علاوہ یونان، آرمینیہ، میسوپوٹیمیا، اور آذربائجان سے آیا ہوا ہر قسم کا بیش قیمت سامان قَمادِین کے انبار خانوں میں خرید و فروخت کے لئے موجود رہتا تھا۔ ایران کا یہی مقام قَمادِین ہے جس کا ذکر مارکوپولو نے کمادی (Camadi) یا "شہر کمادی" کے نام سے کیا ہے۔ کسی زمانہ میں "یہ ایک بڑا عالی شان مقام تھا" لیکن جب مارکوپولو یہاں

(1) مقدسی (ص ۴۶۶) نے صرف اتنا لکھا ہے کہ یہاں کا تربوز (بطّیخ) میٹھا ہوتا تھا۔ نرگس کے متعلق یہ لکھا ہے کہ اُس کی اور نارنج کی خوشبو سے ہوا معطر رہتی تھی، لیکن اس نے یہ کہیں نہیں لکھا کہ نرگس کے پھولوں سے عطر تیار کیا جاتا تھا۔ مترجم)

میں بہت بڑھا کر بیان کیا جاتا ہے۔ جیرُفت کے کھنڈروں کے قریب ایک دریا بہتا ہے، جو آج کل خلیل رُود (یا خلیل رُود) کہلاتا ہے۔ اس دریا کو اس کی تیز رفتاری کے سبب سے عرب اور ایرانی جغرافیہ نویسوں نے دیوُرُود لکھا ہے۔ یہ دریائے بمپُور کا ایک معاون ہے، اور مشرق میں دریائے ھامُون یا مرداب میں گر جاتا ہے۔

چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے لکھا ہے کہ جیرُفت ایک بڑا شہر تھا، اُس کی وسعت دو میل تھی، اور "وہ خراسان اور سجستان کے مالِ تجارت کی منڈی تھی"۔ یہ شہر ایک سیر حاصل علاقہ میں واقع تھا، اور اس میں گرم و سرد [صرُود و جرُوم] دونوں ملکوں کی فصلیں ہوتی تھیں۔ یہاں کی خاص چیزیں جو باہر جاتی تھیں وہ نیل، الائچی اور دوشاب یا کشمش کا شربت تھا۔ جیرفت کے گرد و نواح کا علاقہ المیزان کہلاتا تھا، (اصطخری نے اس کا نام المیجان لکھا ہے)۔ اس علاقہ میں بہت سے باغ تھے، جن میں کھجوریں، اخروٹ [جوز]، اور نارنگیاں پیدا ہوتی تھیں[1]۔ پانی برف قریب کے پہاڑوں سے لایا جاتا تھا[2]، اور شہر کو پانی دیوُرُود سے پہنچتا تھا۔ یہ دریا چٹانوں پر سے گرتا اور بہتا بڑا شور پیدا کرتا تھا۔ پانی کا بہاؤ اتنا زور تھا کہ پچاس سے لے کر پچاس تک پن چکیاں اس سے چل سکتی تھیں۔ قریب کی وادی دہ فارد سے بھی یہاں کھانے پینے کی چیزیں لائی جاتی تھیں۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ یہاں کے شیریں تربوز اور نرگس کے پھول، جن سے ایک قسم کا عطر تیار کیا جاتا تھا،

(۳۱۵)

---

(۱) ان چیزوں میں نرگس کا اضافہ کر لینا چاہیے۔ مقدسی (ص ۴۶۶) نے لکھا ہے کہ نارنگیوں اور نرگس کی خوشبو سے شہر کی ہوا معطر رہتی تھی۔ اُس کے الفاظ یہ ہیں:۔ وعلا النرجس والنارنج وعبقت منہما الارباح ۔ مترجم)۔

(۲) اصطخری (ص ۱۶۶) نے یہ بھی لکھا ہے کہ:۔ والثلوج تحمل الیہا من میجان و درباسی (یعنی وہاں برف میجان اور دربائی سے لایا جاتا تھا)۔ مترجم) +

اور شروع زمانہ کے دوسرے جغرافیہ نویسوں نے کچھ پتہ دیا ہے، لیکن تفصیل سے بیان نہیں کیا۔ ادریسی نے لکھا ہے کہ اُس کے زمانہ میں (زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ اُس نامعلوم الاسم مصنف کے زمانہ میں، جس سے ادریسی نے یہ عبارت نقل کی ہے) ھُرمُزُ المَلِک ایک خوشنما شہر تھا، گو مختصر تھا۔ اُس کی آبادی میں مختلف اقوام کے لوگ تھے، پانی کی افراط تھی، اور بازار عمدہ تھے، جن میں مال تجارت کثرت سے تھا۔ ادریسی نے بیان کیا ہے کہ یہ مقام بَم سے ایک مرحلہ کے فاصلے پر تھا[1]

جِیرُفت کے کھنڈروں سے شمال میں ایک دن کی مسافت پر دِلْفَرِید واقع ہے، جسے مقدسی نے 'دَرہفانی' اور ابن حوقل نے دَرفَارِد لکھا ہے۔ یہ ایک زرخیز وادی میں واقع تھا، جس میں گرم و سرد [جروم و صرود] دونوں علاقوں کے میوے پیدا ہوتے تھے۔ اور یہ بیان ہو چکا ہے کہ یہیں سے جِیرُفت کو غلہ بہم پہنچتا تھا۔ دِلْفَرِید سے ایک مرحلہ شمال مغرب میں جَبَلُ المَعَادِن (یعنی کانوں والی پہاڑی) تھی، جہاں چاندی، خصوصاً اُس تنگ اور گہرے غار میں جو جَبَلُ الفِضّہ (چاندی والی پہاڑی) تک چلا گیا تھا، پائی جاتی تھی[2]

---

[1] اصطخری ص ۱۶۱، ۱۶۹ + ابن حوقل ص ۲۱۹، ۲۲۵ + مقدسی ص ۴۶۳، ۴۷۰ + ادریسی (جوبرٹ) ج ۱۔ ص ۴۲۳، اور پیرس کے عربی کتب خانہ کا قلمی نسخہ ۲۲۱۲ فولیو ۷۵ (b)، ۲۲۲۲، فولیو ۴۰ (a) + یاقوت ج ۲۔ ص ۴۵۱ + میجر سائکس نے (پرشیا ص ۴۴۴) ھُرمُزُ المَلِک کو (جو اس نام سے اب باقی نہیں ہے) امیئنوس مارکلنوس (Ammianus Marcellinus) کے بیان کئے ہوئے (Carmana Omnium Mater) کے مطابق بتایا ہے +

[2] اصطخری ص ۱۶۵ + اس نے اس کو دَرہبائج لکھا ہے، لیکن یہ غالباً کتابت کی غلطی ہے + ابن حوقل ص ۲۲۱، ۲۲۲ + مقدسی ص ۴۶۷، ۴۷۱ + ابوالفداء ص ۳۳۵ +

آیا ہے" تو وہ کچھ بھی نہ رہا تھا، کیونکہ تاتاری اپنی یورش میں متعدد مرتبہ اُسے لوٹ چکے تھے"۔ مارکوپولو کی اس تحریر سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ ساتویں (تیرھویں) صدی کے بعد جیرُفت اور قمادِین کا نام تاریخ سے کیوں محو ہو گیا۔ نقشوں پر بھی یہ دونوں مقامات ظاہر نہیں کئے جاتے۔ جیرُفت کے گرد رُوذبار کا علاقہ تھا جس کا ذکر عرب جغرافیہ نویسوں نے کیا ہے۔ اس کا نام مارکوپولو نے اپنے سفرنامہ میں رُو وبار لیس (Roebarles) لکھا ہے[1]۔

(۳۱۶) جیرُفت سے ایک مرحلہ شمال مشرق میں جیرُفت اور دارجین کے بیچوں بیچ ھُرمُز الملِک کا بڑا قریہ واقع تھا (یہ نام اس لئے رکھا گیا تھا کہ اس نام سے اُس کا اور بندرگاہ ھُرمُز کا نام غلط ملط نہ ہو جائے)۔ ھُرمُز الملک کو قریۃ الجوز (اخروٹ والا گاؤں) بھی کہتے تھے۔ ادریسی نے لکھا ہے (گو صاف معلوم نہیں ہوتا کہ یہ بیان اُس نے کہاں سے نقل کیا ہے) کہ ھُرمُز الملک بہت قدیم شہر تھا، جسے ساسانی کسریٰ ھُرمُز نے تیسری صدی عیسوی میں بسایا تھا، اور یہ شہر کسی زمانہ میں صوبہ کِرمان کا دارالحکومت تھا۔ جب یہ ویران ہونے لگا تو سرکاری دفاتر سِیرجان کو منتقل کئے گئے۔ سِیرجان ساسانی خاندان کے آخری بادشاہوں کے زمانہ تک اس صوبہ کا مستقر حکومت رہا۔ ھُرمُز الملِک کی جائے وقوع کا تعین

[1] شہر دقیانوس کے کھنڈروں کے متعلق، جو جَلیل رُود کے دائیں کنارے موجودہ شہر جاز کے مغرب میں کچھ فاصلے پر واقع ہیں، دیکھو کیتھ ایبٹ (Keith Abbot) کا مضمون جو ۱۸۵۷ء کے جے، آر، جی، ایس (ص ۴۷) میں شایع ہوا ہے اور سائکس کی کتاب (Persia) ص ۲۶۷ + اصطخری ص ۱۶۶ + ابن حوقل ص ۲۲۲ + مقدسی ص ۴۶۶، ۴۷۰ + یاقوت ج ۲- ص ۷۵ + مستوفی ص ۱۸۲ + ابن ابراہیم ص ۸۴، ۴۹، ۳۴، ۴۰ + شنڈلر (Schindler) کا مضمون جے آر، اے، ایس ۱۸۹۸ء ص ۴۳ + سفرنامہ مارکوپولو (مصححہ یُول (Yule) ج ۱- ص ۹۸ +

پہاڑی ملک کے جنوبی حصہ میں کھجور کے درخت خوب پھلتے پھولتے تھے۔[1]
جیرُفت سے تقریباً پچاس میل جنوب مغرب میں گلاشگرد ہے؛ اس کا نام مقدسی نے ولاشگرد لکھا ہے، اور بیان کیا ہے کہ یہ ایک بڑا استحکم و متحصن شہر تھا؛ ایک قلعہ جس کا نام کوشتہ تھا، اس کی حفاظت کے لئے تھا۔ اس شہر میں باغ تھے، جنھیں زیر زمین نہروں [قنی] سے پانی پہنچتا تھا۔ ولاشگرد کے شمال میں، جیرُفت کی طرف ایک منزل کے فاصلے پر مَغُون کا شہر آباد تھا؛ یہاں بہت سے باغات تھے، جن میں نارنگیوں کے درخت تھے، اور نیل بویا جاتا تھا۔ اس شہر کے شکستہ کھنڈر اس مقام پر ہیں جسے فریاب یا پزیاب کہتے ہیں۔[2]
ولاشگرد کے جنوب میں مَنُوقان کا بڑا شہر واقع تھا، جو آج کل مَنُوجان کہلاتا ہے۔ مقدسی نے اس کی تجارتی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے اسے "بصرۃ کرمان" لکھا ہے۔ شہر کے دو حصے تھے، جو ایک دوسرے کے محاذات میں تھے، اور ان دونوں حصوں کے درمیان کلات نام کی ایک خشک گہری گھاٹی [وادی یابس] حائل تھی۔ شہر کے ایک حصہ کا نام کوزنین، اور دوسرے نام زامان تھا۔ ایک قلعہ جو اب تک باقی ہے، ان دونوں کے بیچ میں تھا، اور اسی قلعہ میں

[1] خواش آج کل سرحد کا، جو نرماسیر کے مشرق میں ایک پہاڑی علاقہ ہے، صدر مقام ہے۔ اس علاقہ کا ذکر میجر سائکس نے اپنی کتاب پرشیا ص ۱۳۱، ۲۵۳ میں کیا ہے۔ اصطخری ص ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۸ + ابن حوقل ص ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۴ + مقدسی ص ۴۷۱ + یاقوت ج ۲۔ ص ۴۸ + یاقوت کے اس صفحہ پر بجائے قاہن کے کے بارنی پڑھنا چاہیے +

[2] میجر سائکس نے (پرشیا ص ۲۶۹) فریاب کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ "کسی زمانہ میں یہ بڑا شہر تھا، لیکن قصّہ مشہور ہے کہ ایک طغیانی کی وجہ سے وہ برباد ہو گیا" +

جیرفت کے مشرق میں وہ پہاڑی علاقہ تھا جسے جبل بارز کہتے تھے۔ اس کی نسبت بیان ہوا ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی میں وہ بڑے بڑے جنگلوں سے بالکل پٹا پڑا تھا۔ یہی وہ علاقہ تھا جہاں مسلمانوں کی پہلی فتوحات کے زمانہ میں بھاگے ہوئے مجوسیوں نے اُن اسلامی افواج سے پناہ لی تھی جو خلفاء بنی امیہ نے ان کے مقابلہ کے لئے بھیجی تھیں۔ اس ملک کو دراصل خاندان صفاریہ کے بادشاہوں نے سب سے پہلے مسلمانوں کے زیرنگین کیا۔ لوہے کی کانیں یہاں بعد کو بہت مشہور ہوگئیں۔ ساحل بحر سے زیادہ قریب، اور جیرفت کے جنوب مشرق میں وہ کوہستانی علاقہ تھا جسے جبل القفص کہتے تھے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں اس کے بعید حصوں میں پہاڑی لوگ آباد تھے، اور بلوص (یا بلوچ) کے قبیلے اس علاقہ کی مشرقی سرحدوں پر، جسے بادیہ ایران کا جنوبی کنارہ سمجھنا چاہئے، آوارہ گرد رہتے تھے۔ قفص کی رہزن اقوام کی کیفیت آگے چل کر بادیہ ایران کے حالات میں بیان کی جائیگی۔ اس دورافتادہ علاقہ کے ایک حصہ کو اخواش، یعنی قبائل الاخواش کا وطن، کہتے تھے۔ یہ قبیلے زیادہ تر شتربان تھے، اور ایک وادی میں رہتے تھے۔ یہاں گرمی کی وجہ سے نیشکر کی کاشت خوب ہوتی تھی جو سجستان اور خراسان کو دساور کیا جاتا تھا۔ یہ وادی اُس پہاڑی ملک کا ایک ٹکڑا تھا جو بادیہ ایران کے جنوبی سرے اور مکران کے درمیان آگیا تھا۔ اس پہاڑی ملک میں سات پہاڑ الگ الگ تھے۔ بیان ہوا ہے کہ ہر ایک پہاڑ کا سردار جدا جدا تھا، جو اُس پر حکمران تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں بنی بویہ کے سلطان عضد الدولہ نے بغرض تسخیر ان پر فوج کشی بھی کی تھی۔ ان پہاڑی لوگوں کے پاس اُس زمانہ میں گھوڑے نہ تھے، عام طور پر وہ کرد سمجھے جاتے تھے، کیونکہ وہ بھیڑ بکریوں کے ریوڑ اور مویشیوں کے گلوں کے مالک تھے، بالوں کے بنے ہوئے خیموں میں رہتے تھے، اور ان کے علاقہ میں شہر نہ تھے۔ اس

(۳۱۷)

پرانا شہر ہُرمُز صوبہ کِرمان کی زمین پر، سمندر کے ساحل سے دو برید یا نصف دن کی مسافت سے ایک خلیج کے کنارے واقع تھا۔ اس خلیج کو اصطخری نے اَلجِیر لکھا ہے، اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ "اس خلیج میں جہاز ایک فرسخ راہ طے کرنے کے بعد کھلے سمندر میں آجاتے تھے"۔ پرانے شہر ہُرمُز کے کھنڈر اب بھی اس مقام پر پائے جاتے ہیں جو مِناب یا عوام الناس میں مِناؤ کہلاتا ہے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں قدیم ہُرمُز کا مقام کرمان اور سِجستان کی تجارت کا بندرگاہ بن چکا تھا۔ بعد کے زمانہ میں جب جزیرہ پر نیا شہر ہُرمُز تعمیر ہوگیا تو جس طرح اس سے پہلے قَیس نے سِیراف کی جگہ لی تھی اس جزیرہ والے ہُرمُز نے قَیس کی جگہ لے لی، اور خلیج پر سب سے بڑا تجارت گاہ بن گیا۔ اصطخری نے (قدیم شہر) ہُرمُز کی مسجد، وہاں کے بڑے بڑے انبارخانوں کا ذکر کیا ہے؛ ان میں سے اکثر انبارخانے قریب کے دیہات میں شہر سے دو فرسخ دور تھے۔ یہاں نخلستان بہت تھے، اور ذُرّہ کی کاشت ہوتی تھی، نیل، زیرہ، اور نیشکر بھی پیدا ہوتا تھا۔ مقدسی نے ہُرمُز کے بازاروں کی تعریف کی ہے؛ شہر میں پانی زیر زمین نہروں [قنیٰ] کے ذریعہ آتا تھا۔ مکانات کچی اینٹوں کے بنے ہوئے تھے۔ پرانے ہُرمُز سے نصف روز کی مسافت پر سمندر کے کنارے الصَحنہ (یعنی میدان) واقع تھا۔ یہ مقام غالباً پرانے ہُرمُز والی خلیج کے دہانے پر تھا۔ (۳۱۹)

پرانے ہُرمُز کے قریب ہی سمندر میں ایک جزیرہ تھا جس کا نام تیسری (نویں) صدی کے وسط میں ابن خرداذبہ نے اُرمُوز لکھا ہے (مستوفی نے اس کا املا اُرمُوص کیا ہے)۔ یہ جزیرہ بلاشبہ وہی ہے جو بعد میں جِرُون کہلایا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے شروع میں (ایک مصنف نے ۷۱۵ھ (۱۳۱۵ء) لکھا ہے) قدیم ہُرمُز کے بادشاہ نے رہزنوں کے متواتر آفت سے تنگ آکر اس شہر کو چھوڑ دیا، اور

(۳۱۸) ایک مسجد تھی، جو جامع سیّان کہلاتی تھی۔ مَنُوقان سے ایک مرحلہ کی مسافت پر، ساحل بحر کے قریب ریگستانی سطح زمین پر دَرِھقان کا شہر تھا۔ لیکن اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر کا کوئی نشان باقی نہیں رہا۔ اس میں ایک مسجد تھی؛ اس کے باغوں میں نیل بہت پیدا ہوتا تھا، اور شہر کو پانی زیر زمین نہروں [قنی] سے ملتا تھا۔

وَلاشگِرد اور مَنُوجان کے درمیان ایک دریا بہتا ہے، جس کے بہت سے معاون بھی ہیں۔ اسے آج کل رُوذخانۂ دُزدِی کہتے ہیں۔ اصطخری نے اسے نھر الزنکان اور یاقوت نے دریائے اغانی لکھا ہے۔ مقدسی نے رُوذقان کے آباد و معمور شہر کا ذکر کیا ہے، جو غالباً باغوں کے بیچ میں اسی دریا کے کنارے آباد تھا۔ ان باغوں میں کھجوروں اور نارنگیوں کے درخت تھے۔ مَنُوجان کے شمال مشرق میں ریگان جانے والی سڑک پر، بندرگاہ ھُرمُز سے تین مرحلوں کے فاصلے پر، باس اور جکین کے دو توأم شہر آباد تھے؛ ہر ایک میں جامع مسجد اور بازار تھے۔ نھریا جوئے سلیمان کا آباد و معمور شہر ریگان سے ایک مرحلہ مغرب میں واقع تھا، مقدسی نے لکھا ہے کہ وہ جیرُفت کے اعمال میں شامل تھا۔ اس شہر کی زرخیز اراضی ایک ندی سے سیراب ہوتی تھیں، جو شہر میں سے گذرتی تھی۔ شہر کے عین وسط میں ایک مسجد اور ایک قلعہ تھا۔ جبل القفص کے کوہستانی علاقہ کے شمالی حصہ میں مقدسی نے وُھستان کے شہر کا ذکر کیا ہے، جسے ممیز کرنے کے لئے کسی شخص ابو غانم کے نام سے وُھستان ابو غانم کہتے تھے۔ یہ بہت گرم مقام تھا، شہر کے گرد نخلستان تھے، اور شہر کے اندر مسجد کے پاس ایک قلعہ تھا۔[1]

[1] اصطخری ص ۱۶۹ + مقدسی ص ۴۶۶، ۴۶۷ + یاقوت ج ۴- ص ۳۳۰۔

کے معنوں میں مستعمل ہے ۔ ترکی زبان کی جغرافیہ جہان نما میں یہ لفظ گُمرُو لکھا گیا ہے ، اور بیان ہوا ہے کہ "یہ ھُرمُز کا بندرگاہ ہے ، جہاں سے (فارس کا) شہر لار، چار یا پانچ روز کی مسافت پر ہے"[1]

(۳۲۰) تجارت کے لحاظ سے صوبۂ کِرمان صوبۂ فارس سے بہت گرا ہوا تھا ۔ عرب جغرافیہ نویسوں نے اس صوبہ کی تجارت کا حال تفصیل سے بیان نہیں کیا ۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ تقریباً تمام صوبۂ کِرمان میں کھجوریں ، اور ذرّت بطور سامان خورش مہیا کیا جاتا تھا ۔ یہاں کی کھجوریں خراسان اور نیل فارس کو دساور کیا جاتا تھا ۔ جو غلّہ علاقۂ ولاشگرد میں پیدا ہوتا تھا اُسے ھُرمُز لے جاتے تھے ، اور وہاں سے جہازوں میں بھر کر دور کے ملکوں میں بھیج دیتے تھے[2]

تیسری اور چوتھی (نویں اور دسویں) صدی کے جغرافیہ نویسوں نے کِرمان کی شاہراہوں کا حال اس تفصیل سے بیان نہیں کیا جس تفصیل سے صوبۂ فارس کی سڑکوں کا حال لکھا ہے ۔ اس کے علاوہ فاصلے بے ٹھکانے طریقہ پر صرف مرحلوں میں ، یعنی ایک دن میں جتنی مسافت طے ہوا کرتی تھی اُس کے حساب سے لکھے ہیں ۔ بہت سی سڑکیں

---

[1] ابن خرداذبہ ص ۶۲ + اصطخری ص ۱۶۳ ، ۱۶۶ ، ۱۶۷ + ابن حوقل ص ۲۲۰ ، ۲۲۲ ، ۲۲۳ + مقدسی ص ۴۶۶ ، ۴۷۳ + مستوفی ص ۱۸۲ ، ۲۲۲ + ابن بطوطہ ج ۲ ، ص ۲۲۰ + ابو الفداء ص ۳۳۹ + علی یزدی ج ۱ ۔ ص ۵۸۹ ، ۸۰۹ ، ۸۱۰ + جہان نما ص ۲۶۰ ، ۲۵۰ + جس بادشاہ نے دار الحکومت کو پرانے ھُرمُز سے نئے ھُرمُز میں منتقل کیا اُس کا نام مختلف طور پر شمس الدین ، قطب الدین ، یا فخر الدین لکھا گیا ہے ۔ جزیرہ ھُرمُز پر سنہ ۱۶۲۲ء میں انگریزوں نے قبضہ کیا ۔ اس جزیرہ کی موجودہ حالت کے لئے دیکھو سٹف (Stiffe) کا مضمون مندرجۂ (Geographical Magzine) سنہ ۱۸۷۴ء ج ۱ ۔ ص ۱۲) ، اور جے ، آر ، جی ، ایس سنہ ۱۸۹۴ء ص ۱۶۰ ۔ اس جگہ کا نام مختلف طور پر ھُرمز یا ھُورمُوز لکھا گیا ہے

[2] مقدسی ص ۴۷۰ +

(۳۲۰)

جرُون (یا زِرُوُن) کے جزیرہ پر، جس کا ذکر ابھی ہوا، اور جو ساحل سے ایک فرسخ کے فاصلے پر تھا، نیا شہر ہُرمُز آباد کیا۔ اسی زمانہ میں ابن بطوطہ اس نئے شہر ہُرمُز کو آیا تھا۔ اس کے ہم عصر مستوفی نے شہر کا حال لکھا ہے، اور خاص طور پر یہاں کے کھجور کے درختوں اور نیشکر کی افراط کا ذکر کیا ہے۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ اُس زمانہ میں پرانے ہُرمُز کو مُوغِستَان اور نئے ہُرمُز کو، جس جزیرہ پر وہ واقع تھا، اُس کے نام پر جرُون کہتے تھے۔ نئے شہر میں جامع مسجد اور عمدہ بازار تھے، جہاں سندھ و ہند سے سامان تجارت فروخت کے لیے لایا جاتا تھا۔

آٹھویں (چودھویں) صدی کے اواخر میں تیمور نے پرانے شہر ہُرمُز کے قریب کے ساحلی شہروں پر قبضہ کر لینے کے لیے ایک مہم روانہ کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس شہر کے نواح میں سات قلعے فتح کرنے کے بعد جلا دیے گئے، اور ان قلعوں کی فوجوں نے جزیرہ جرون میں پناہ لی۔ علی یزدی نے ان سات قلعوں کے یہ نام لکھے ہیں:-
(۱) قلعۂ مِینا، جو پرانے ہُرمُز کے پاس تھا؛ (۲) تنگ زندان؛ (۳) کُشُگ، (۴) حِصَار شامِیل؛ (۵) قلعۂ مَنُوجان (جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے)، (۶) تَزَرک؛ (۷) تازِیَان۔ ۹۲۰ھ (۱۵۱۴ء) میں ہُرمُز کو، جسے یورپ والے اکثر اورمُز (Ormuz) کہتے ہیں، پرتگیزوں نے بسر کردگی البوکرک فتح کر لیا، اور صوبہ کرمان کی زمین پر سمندر کے کنارے جہازوں کے ٹھہرنے کا مقام گومبرون (Gombroon) کے نام سے مشہور ہوا۔ یہی وہ مقام ہے جس کا نام ایک صدی بعد شاہ عباس صفوی نے بندر عباس رکھا۔ آج کل یہی مقام کرمان کا بندرگاہ ہے، اور غالباً اسی جگہ واقع ہے، جہاں سُورُو یا شَہرُو کبھی آباد تھا، جس کا ذکر صوبہ فارس کے باب میں ہو چکا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ گومبرون درحقیقت گُمرُک کی بگڑی ہوئی شکل ہے (جو یونانی لفظ کومیرکی (Koumerki) سے ماخوذ ہے۔ گُمرُک تمام مشرقی ممالک میں "محصول خانہ"

لکھی تھی، اکثر بیان کیا ہے کہ ماشیز اور بغین کے شہر جو تھی (دسویں) صدی میں موجود تھے۔ بردسیر (شہر کرمان) سے نرماشیر کا فاصلہ دو مراحل تھا، اور دونوں کے بیچ میں جنزرود کا مقام تھا۔ سیرجان سے ماہان تین دن کی مسافت پر تھا، اور ماہان سے تین دن کی مسافت پر خبیص واقع تھا، لیکن ان مقامات کی درمیانی منزلوں کا پتہ نہیں لگایا جا سکتا[۱]

سیرجان سے مشرق کی طرف مکران جانے والی قافلوں کی بڑی سڑک چند ایسے شہروں میں سے گزرتی تھی جو اب بالکل ہٹ گئے ہیں۔ ریگان پہنچ کر یہ سڑک دارزین، بم، اور نرماشیر ہوتی ہوئی فہرج پہنچتی تھی، جو بادیہ ایران کے کنارے واقع تھا۔ اس کی منزلوں کے باہمی فاصلے ابن خرداذبہ اور قدامہ دونوں نے منزلوں میں بیان کئے ہیں۔ اس کے علاوہ دوادر مصنفوں نے مرحلوں یعنی ایک ایک دن کے سفر کے بعد جو پڑاؤ آتے تھے ان کا ذکر کیا ہے[۲]

سیرجان سے جنوب مشرق میں جیرفت جانے والی سڑک کی منزلیں باوجودیکہ ابن خرداذبہ نے قلمی نسخوں میں اور اصطخری نے مرحلوں میں بیان کی ہیں، لیکن سوائے درفارد کے کوئی اور مقام اس سڑک پر ایسا نہیں، جس کی صحت کے ساتھ نشان دہی کی جا سکے کیونکہ شائد جنوبی شہر بافت کے سوا ایک مقام بھی ایسا نہیں ہے جو نقشے پر موجود ہو۔ علاوہ بریں قلمی نسخوں میں بہت سے ناموں کے املا میں اس قدر اختلاف ہے کہ اُن کا درست پڑھنا دشوار ہے۔ جیرفت

---

[۱] اصطخری ص ۱۶۹ + مقدسی ص ۴۷۳ + مستوفی ص ۲۰۱ +

[۲] ابن خرداذبہ ص ۴۹ + قدامہ ص ۱۹۶ + اصطخری ص ۱۶۸ + مقدسی ص ۴۷۳ +

ایسی ہیں جن میں ایک منزل تک کا فاصلہ فرسخوں میں مطلق بیان نہیں کیا گیا۔
صوبۂ فارس سے صوبۂ کرمان آنے والی سڑکیں ہیمند کے مقام پر آکر ملتی تھیں، اور اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ یہ مقام سیرجان سے مغرب میں چار فرسخ کے فاصلے پر واقع ہے۔ شمال مشرق سے ایک سڑک (جس کا ذکر اصطخری اور مقدسی دونوں نے کیا ہے) انار اور علاقۂ رُوزان سے ہیمند آتی تھی۔ صاهک کلان سے ہیمند (اور سیرجان) کو دو سڑکیں آتی تھیں، اور ان دونوں کے فاصلے فرسخوں میں بیان کیے گئے ہیں۔ ان میں ایک شہر بابک ہو کر آتی تھی (جس کا ذکر صرف ابن خرداذبہ نے کیا ہے)، اور دوسری سڑک براہ راست صحرا میں سے گزر کر ہیمند پہنچتی تھی۔ ہیمند آنے کے دو راستے تھے۔ ایک راستہ (جس کا ذکر ابن خرداذبہ نے کیا ہے) قریۃ الملح (نمک والے گاؤں) سے ہو کر؛ اور دوسرا رُباط پُشت خم ہو کر تھا (اس راستہ کا ذکر قدامہ اور اصطخری نے کیا ہے)۔ اس کے علاوہ مقدسی نے نیریز، ہیمند اور سیرجان کی سڑک کا حال (مرحلوں میں) لکھا ہے۔ مقدسی اور اصطخری دونوں نے اُس سڑک کا ذکر کیا ہے جو مغرب کی سمت میں رُستاق الرُستاق سے شروع ہو کر سیرجان آئی تھی۔[1]

(۳۲۱) سیرجان سے بَردسیر (شہر کرمان) دو دن کا سفر تھا۔ مستوفی نے دونوں شہروں کا فاصلہ بیس فرسخ بتایا ہے، لیکن ان دونوں کے درمیان کسی منزل یا شہر کا نام نہیں لکھا، حالانکہ جیسا کہ اس کے قبل لکھا جا چکا ہے ماشیز اور بَہ غین یقیناً اس سڑک کے قریب ہوں گے جو سیرجان سے بردسیر کو گئی تھی، اور جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے ابن ابراہیم نے جس نے اپنی کتاب گیارھویں (سترھویں) صدی میں

[1] ابن خرداذبہ ص ۴۸، ۵۳؛ قدامہ ص ۱۹۵؛ اصطخری ص ۱۴۱، ۱۶۸؛ مقدسی ص ۴۵۵، ۴۷۳؛ مستوفی ص ۲-۱

(۳۲۲)

باب بست و سوم

بادیۂ ایران اور مکران

بادیۂ ایران کی وسعت اور خصوصیات۔ اس میں جرمق، نابند اور سنیج کے تین نخلستان۔ بادیہ میں سے گزرنے والی تین سڑکیں۔ صوبۂ مکران۔ فنز بور اور بندرگاہ تیز دوسرے شہر۔ سندھ وھند۔ بندرگاہ۔ دیبل۔ منصورہ اور ملتان۔ دریائے سندھ۔ علاقہ طوران اور قصدار۔ بدھہ کا علاقہ اور قندابیل۔

بادیۂ ایران ملک کی سطح مرتفع پر ترچھا یعنی شمال مغرب سے جنوب مشرق کی طرف پھیلا چلا گیا ہے، اور ملک کے زرخیز صوبوں کو دو مجموعوں میں تقسیم کرتا ہے، کیونکہ البرز کے پہاڑوں کے جنوبی قاعدہ سے، جو اپنے اطراف شمال میں بحیرۂ خزر پر چھائے ہوئے ہیں، یہ بادیہ مکران کے خشک کوہساروں تک، جو خلیج فارس کے کنارے واقع ہیں، مسلسل چلا گیا ہے۔ اس طرح طول میں بادیہ تقریباً آٹھ سو میل ہے، لیکن عرض میں کہیں کمی اور کہیں بیشی زیادہ واقع ہوئی ہے۔ اس وسیع اور خشک قطعہ کی شکل ریت کی گھڑی کی سی ہے؛ یعنی بیچ میں تنگ ہے، جہاں عرض تقریباً سو میل ہے، اور یہ تنگ قطعہ کرمان کو سیستان سے جدا کرتا ہے۔ لیکن شمال اور جنوب

سے سڑک جنوب کی طرف مڑتی تھی، اور وادشکرد اور منوقان میں سے گذر کر ساحل پر (پرانے) ھُرمُز تک آتی تھی۔ اصطخری نے لکھا ہے کہ وادشکرد سے اس سڑک کی ایک شاخ نکل کر صوبہ فارس کی سرحد کو جاتی تھی، اور بہت سے ایسے شہروں اور قریوں میں سے گذرتی تھی، جو اب بے نشان ہو گئے ہیں۔ افسوس ہے کہ اب اتنا بھی نہیں بتایا جا سکتا کہ یہ سڑک سرحد فارس پر کہاں ختم ہوتی تھی [1]

پرانے شہر ھُرمُز سے ریگان اور نرماسیر جانے والی سڑک کا حال مقدسی نے مع اس کے مرحلوں کے بیان کیا ہے۔ یہ سڑک باس اور جکین کے شہروں سے گذرتی تھی۔ داریں سے جنوب کی طرف جیرُفت کی سڑک کو، جو دَرزِ جِین اور ھُرمُز الملک سے نکلی تھی اصطخری نے مرحلوں میں بیان کیا ہے [2]

---

[1] ابن خرداذبہ ص ۴۹ + اصطخری ص ۱۶۹ +
[2] اصطخری ص ۱۶۹ + مقدسی ص ۴۷۳ +

کے حصے دونوں جانب زیادہ عریض ہوتے گئے ہیں، یہاں تک کہ بعض مقامات پر یہ عرض دو سو میل سے زیادہ ہوگیا ہے۔[1]

زمانۂ وسطیٰ کے عرب جغرافیہ نویس اس صحرا کو مَفازہ (یعنی بیابان) لکھتے ہیں، اور اس کی سرحدوں کو انھوں نے احتیاط سے بیان کیا ہے۔ اس بادیہ کے مغرب اور جنوب مغرب میں صوبۂ جبال اور یَزد کا علاقہ (جو ابتدا میں صوبۂ فارس میں شامل تھا)، اور کِرمَان واقع ہے۔ کرمَان کے جنوب میں وہ مَکرَان کے بحری سواحل کے کوہساروں تک پھیلا ہوا ہے۔ بادیہ کے مشرق اور شمال مشرق میں خُراسَان، مع اپنے ماتحت اور ملحقہ صوبوں کے، واقع ہے، یعنی بادیہ کے شمال میں قُومِس، اور قومِس سے ملا ہوا خُراسَان خاص کا ایک گوشہ تھا۔ اس سے متصل قُوهِستَان تھا، اور قُوهِستَان کے جنوب میں سِجِستَان تھا، جو بادیہ کے تنگ حصہ سے ملا ہوا کِرمَان کے سامنے تھا۔ سِجِستَان کی حدود وہی تھیں جو آج کل بلوچِستَان کے صحرا کی ہیں۔ زمانۂ وسطیٰ میں یہ، مَکرَان کا ایک حصّہ سمجھا جاتا تھا۔

ابن حوقل اور مقدسی دونوں نے مَفازَہ کے حالات اپنے ذاتی تجربہ پر لکھے ہیں، کیونکہ ان میں سے ہر ایک نے کئی مرتبہ اس

[1] بادیۂ ایران کا ایک عام خاکہ اس کتاب کے نقشہ ۱ میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کے شمالی حصہ کو نقشہ ۵ میں، اور جنوبی حصہ کو نقشہ ۶، ۸ اور ۵ میں دکھایا گیا ہے۔ آج کل اس بادیہ کو لُوط یا دشتِ لُوط کہتے ہیں۔ جہاں جہاں اس میں کھاری پانی کے مرداب ہیں ان کو بلکہ خصوصیت کے ساتھ صحرا کے خشک شورستانوں کو دَشت کَوِیر کہا جاتا ہے، اور بعض مرتبہ کَوِیر کے لفظ کا اطلاق مجموعی طور پر تمام بادیہ پر بھی ہوتا ہے۔ لُوط (یعنی لُوطؑ نبی)، اور کَوِیر دونوں لفظوں کی وجہ تسمیہ معلوم نہیں۔ دیکھو میجر سائکس کی کتاب (Persia) ص ۳۲۔

بیابان کو طے کیا تھا۔ ابن حوقل نے مختصراً اسے "بے وارثا ملک" لکھا ہے
کسی صوبہ کے ماتحت وہ نہ تھا اور ہر صوبہ کے رہزنوں کو اُس میں پناہ
ملتی تھی، مستقل آبادیاں، سوائے تین جگہوں کے اس میں مطلق نہ تھیں۔
مقدسی نے یہاں کے حالات کسی قدر تفصیل سے لکھے ہیں۔ اس کی تحریر کا
خلاصہ حسب ذیل ہے :۔ مفازہ ایک سمندر کی مانند ہے، کہ جس سمت
میں چاہو اُسے عبور کر سکتے ہو، بشرطیکہ صحیح سمت سے تجاوز نہ کیا جائے،
حوضوں اور گنبدوں کا خیال رہے، جو راہ میں پانی کے ہر ایک حوض پر
بنے ہوئے ہیں۔ چوتھی (دسویں) صدی میں یہ حوض بڑی بڑی راہوں
کے کنارے ایک ایک مرحلہ، یعنی دن دن بھر کے فاصلے پر پائے
جاتے تھے۔ مقدسی نے ایک مرتبہ ستّر دن اس بادیہ کو عبور کرنے
میں گزارے تھے۔ اس نے اپنے ذاتی تجربہ سے یہاں کے پہاڑی
سلسلوں کا، جو جگہ جگہ حائل تھے، اور ان کے بے شمار دروں کے
دشوار چڑھائیوں اور خوفناک اتاروں، اور خطرناک کھاری جھیلوں
اور مرطوب زمینوں (سبخہ)، اور کبھی سخت گرمی اور کبھی سخت سردی
کا حال خوب لکھا ہے۔ اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہاں ریت کم تھا،
اور کھجور کے درخت اور کچھ زرعی زمینیں بہت سی چھوٹی چھوٹی وادیوں
میں چھپی ہوئی موجود تھیں۔

مقدسی کے زمانہ میں تمام مفازہ آوارہ گرد بلوص (یعنی
بلوچی قبائل) سے خوف زدہ رہتا تھا۔ ان کے قلعے صوبہ کرمان کی
سرحد پر قفص کے پہاڑوں میں تھے۔ "یہ لوگ وحشیوں کے سے چہرے
رکھتے تھے، قسی القلب تھے، نہ اخلاق جانتے تھے نہ آداب کوئی ان
بچ کر نکل نہ سکتا تھا، اور جن پر قابو چل گیا انھیں پتھر پتھر مار مار کر
ہلاک کر ڈالتے تھے۔ جس طرح کوئی سانپ کا سر کچلے اسی طرح آدمی کے
سر کو پتھر پر رکھ کر پتھروں ہی سے کوٹ کوٹ کر اُسے چورا کر ڈالتے
تھے"۔ مقدسی نے جب اُن سے پوچھا کہ اس بے رحمی کے ساتھ پتھروں سے

ہے ، اور جرمق سے قُوہستان کے شہر طَبَس کو ایسے راستے سے گیا جس کا حال ہم ابھی بیان کرینگے ۔ سڑک کی جو کیفیت اس سیاح نے لکھی ہے وہ صاف نہیں اور اس سے ہمارے علم میں کچھ اضافہ نہیں ہوتا ۔ اس نے طَبَس کے رئیس امیر گیلکی کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس امیر نے تمام بادیہ میں ایسا انتظام کر رکھا تھا کہ قفص کے رہزن ، جن کا نام اُس نے کُفاج لکھا ہے ، ایسے مجبور اور بے بس ہوگئے تھے کہ مسافروں کو تنگ نہیں کرسکتے تھے ۔ ناصر خسرو نے یہ بھی لکھا ہے کہ جس سڑک پر اُس نے سفر کیا تھا ، اُس پر دو دو فرسخ کے فاصلے سے پانی کے حوض تھے ، اور اُن پر گنبد بنے ہوئے تھے ۔ ان گنبدوں سے مسافر کو وہ راستہ معلوم ہوتا رہتا تھا جو محفوظ تھا ، اور پانی بھی ضرورت پر میسر آتا رہتا تھا ۔ ناصر خسرو لکھتا ہے کہ اگر یہ تالاب اچھی حالت میں رکھے جائیں تو رہزنوں کے خدشہ کو چھوڑ کر مسافر کا اس بادیہ سے گذر نا چنداں دشوار نہ تھا ۔ ناصر خسرو کے بیان کی تصدیق اس سے ہوتی ہے کہ قافلوں کے چلنے کی راہیں اس بیابان میں بکثرت موجود تھیں ، جو کئی سمتوں میں اُس کے ایک سمت سے دوسرے سمت تک طے کرتی تھیں ۔ ان راستوں میں ہر منزل پر تالابوں سے کافی مقدار میں پانی میسر آسکتا تھا ۔ ان تالابوں کا مفصل ذکر ابن حوقل اور مقدسی دونوں نے اپنے سفرناموں میں کیا ہے [1]

اس وسیع بیابان میں بیچ والی راہ پر تین نخلستان ایک دوسرے سے دور دور واقع تھے ، اور ان نخلستانوں کی طرف مختلف راہیں مغرب سے مشرق کی سمت میں گئیں تھیں ۔ زمانہ وسطےٰ میں ان نخلستانوں کے نام جرمق ، نابند (اس کا اب تک یہی نام

---

[1] ابن حوقل ص ۲۸۰ ، ۲۸۸ + مقدسی ص ۴۸۸ ، ۴۸۹ + ناصر خسرو ۹۳ ، ۹۴ + یاقوت ج ۴ ۔ ص ۷۴ ۱ +

کچل کچل کر آدمیوں کی جان کیوں لیتے ہو تو جواب دیا کہ یہ طریقہ ہم نے اس لئے اختیار کیا ہے کہ (گردنیں کاٹ کر) اپنی تلواریں بے ضرورت کند نہ کریں۔ مقدسی کے زمانہ میں بنی بُویہ کے سلطان عضدالدولہ نے ان بلوچی قزاقوں کا کسی قدر انسداد اس طرح کیا تھا کہ ان کے ایک قبیلہ کو گرفتار کر کے بطور یرغمال، فارس لے آیا تھا۔ اس کے بعد اس بادیہ میں سے گذرنے والے قافلے بہت کچھ محفوظ ہو گئے تھے، مگر شرط یہی تھی کہ ایک رہبر اور سلطان کا فرمان حفاظت ان کے ساتھ ہو۔ (۳۲۴) مقدسی نے لکھا ہے بَلُوص کے قبیلے عموماً پیادہ پا پھرتے تھے۔ چند اونٹنیاں [جمّازہ] بھی اُن کے ساتھ ہوتی تھیں۔ یہ لوگ کہنے کو تو مسلمان تھے لیکن مسلمانوں کے حق میں ایسے ظالم و جفا کار تھے کہ نہ تو یونانی عیسائیوں میں یہ بات تھی اور نہ بت پرست تُرکوں میں۔ یہ بَلُوص اپنے قیدیوں کو ننگے پاؤں بھوکا اور پیاسا بیس بیس فرسخ ایک ایک دن میں ہانکتے ہوئے لے جاتے تھے۔ ان کی غذا بالعموم نَبق کی گری یا مِسئان (نیلوفر) کے درخت تھے، اور بلا شکایت بھوک اور پیاس برداشت کرنے میں یہ لوگ مشہور تھے۔

مقدسی کے زمانہ کے تقریباً نصف صدی بعد یعنی ۴۴۴ھ (۱۰۵۲ء) میں ناصر خسرو حج سے واپسی میں مفازہ کے شمالی حصے سے گذرا تھا۔ ناصر خسرو نے اس بادیہ کو کوئی خاص نام نہیں دیا، بلکہ صرف بیابان، "زمین بے آب" لکھا ہے؛ لیکن اُس نے یہاں کی دو بڑی خصوصیتوں اور سخت خطروں کا ذکر کیا ہے:۔ ایک ریگ رواں (یعنی ریت کا اس کثرت سے اُڑنا کہ ایک جگہ سے دوسرے جگہ ٹیلا بن جائے)، اور دوسرے کھاری مرطوب زمینیں، یعنی شورستان ان شورستانوں میں سے بعض ایسے تھے کہ ان میں ایک سرے سے دوسرے تک کا فاصلہ چھ چھ فرسخ ہوتا تھا۔ ناصر خسرو صوبۂ جبال کے شہر نائین سے حَرمَق آیا، جو بادیہ کے بیچ میں ایک نخلستان

اور بہت سے چشمے کھیتوں کو سیراب کرتے تھے۔ نابند سے دو فرسخ کے فاصلے پر ایک چشمہ تھا، جس کے گرد کھجور کے درخت تھے۔ یہاں پانی کا ایک حوض تھا جس پر گنبد تھا۔ یہ جگہ بہت بدنام اور رہزنوں کے چھپنے کا مشہور مقام تھی۔

تیسرا نخلستان اور زیادہ جنوب کی طرف، بادیہ کے تنگ ترین حصہ میں، کِرمان کے شہر نَرماسِیر سے، سِجِستان کے دارالحکومت زَرَنج کو جانے والی سڑک کے کنارے بالکل بیچ کی منزل پر واقع تھا۔ یہاں ایک مختصر سی وادی ہے جس میں چشمے ہیں۔ ایرانی اِسے نُصرت آباد، اور بلوچی اِسے اِسپی یا اِسفی کہتے ہیں۔ اس مقام کا ایک نام اِسَبِیذ بھی پڑھنے میں آیا ہے۔ یہ اِسپی، اِسفی اور اِسبیذ ایک ہی نام ہیں۔ مقدسی نے اِسے سَنِیج یا سَنِیک لکھا ہے،[1] اور سِجِستان میں اُسے شمار کیا ہے؛ ابن حوقل نے اِسے صوبۂ کِرمان سے متعلق بتایا ہے۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ عرب جغرافیہ نویسوں کی تحریر کے مطابق تمام مفازہ میں یہی ایک اکیلا شہر تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ اس کی آبادی بہت تھی، اور یہاں قابل زراعت زمین بھی بہت تھی، جو چھوٹی چھوٹی نہروں [قنی] سے سیراب ہوتی تھی۔ لیکن شہر کے گرد مکانات کے بالکل قریب تک صحرا بے آب آیا ہوا تھا۔

[1] ابن حوقل ص ۲۸۹، ۲۹۳ + مقدسی ص ۴۸۸، ۴۹۴، ۴۹۵ + ناصر خسرو ص ۹۳، ۹۴ + یاقوت ج ۳ - ص ۱۷۰ + بیابانک (یا جَندَک یا خُور) کے نخلستان کا حال ٹورنیر (سفرنامہ ج ۱ - ص ۷۶۹ + لاہے (La Haye) نے سترھویں صدی عیسوی میں بیان کیا ہے؛ اور ۱۸۷۵ء میں کرنل میک گریگر Macgregor یہاں آیا تھا۔ (Khurasan) ج ۱ - ص ۹۱) + نابند اور اِسفی یا نصرت آباد کے دونوں نخلستانوں میں میجر سائکس (Sykes) پرشیا - ص ۳۶، ۴۱۶) نے حال میں سیاحت کی ہے +

چلا آتا ہے) اور سَنیج تھے ۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ اس بادیہ میں سَنیج ہی ایک ایسا مقام تھا جسے شہر کہا جا سکتا تھا۔

صحرا کے شمالی حصہ کے بالکل مرکز میں ، اصفہان سے قُوہستان کے شہر طَبَس کو جانے والی سڑک پر ان دونوں شہروں کے بیچ میں وہ نخلستان ہے جو آج کل جندَق یا بِیا بانک کہلاتا ہے۔ اسی کو زمانہ وسطیٰ میں عرب جَرمَق ، اور اہل ایران گَرمَہ لکھتے تھے۔ اس نخلستان سے مراد تین گاؤں تھے ، یعنی جَرمَق یا گَرمَہ ، اور بِیادَق (یا فارسی میں پِیادَہ) اور ارابَہ ۔ ابن حوقل نے اس مقام کی آبادی کو سِہ دِہ (تین گاؤں) لکھا ہے ۔ ناصر خسرو کا بیان ہے کہ پانچویں (گیارھویں) صدی میں وہاں دس سے بارہ تک قریے تھے ۔ پِیادَہ میں ایک چھوٹا سا قلعہ بھی تھا ، جس میں امیر گِیلکی کی فوج بادیہ کے راستوں کی حفاظت کے لئے رہتی تھی۔ یہاں کھجور کے درخت اور قابل زراعت اراضی تھیں ، جہاں مویشی نشو ونما پاتے تھے ۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ یہاں کی تین بڑی بستیاں ایسی تھیں جہاں سے پانی نظر آتا تھا ۔ چوتھی (دسویں) صدی میں یہاں کی آبادی ایک ہزار تھی ۔ زمانہ مابعد کے مصنف ان بیانات میں اور کچھ اضافہ نہیں کرتے ؛ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آٹھویں (چودھویں) صدی تک ، یعنی مستوفی کے زمانہ تک تمام مصنف ابن حوقل ہی کی عبارت نقل کرتے چلے آئے ہیں ۔

نابَند ، جو دوسرا نخلستان ہے ، اس کا نام ابھی تک یہی چلا آتا ہے ۔ یہ بادیہ کے تنگ حصہ کے شمالی سرے پر صوبۂ کِرمان کے شہر رَاوَر اور قُوہستان کے شہر خُوسْف کے درمیان واقع ہے ۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ نابَند میں ایک رُباط (سپاہی خانہ) تھا ، جس کے گرد بیس مکانات تھے ، پانی کی اتنی افراط تھی کہ ایک چھوٹی سی پن چکی اس سے چل سکتی تھی ۔ یہاں کھجور کے درخت ہوتے تھے ،

فاصلوں کا ذکر ابن خرداذبہ نے فرسخوں میں کیا ہے، باقی تمام صورتوں میں صحرا کے کل راستوں کے فاصلے مرحلوں یعنی دن دن بھر کے سفر کے حساب سے لکھے ہیں۔[1]

یزد سے طبس جانے والا سیدھا راستہ آبجیرہ اور خزانہ ہوتا ہوا بادیہ کے شہر ساغند کو گیا تھا، جو صحرا کے کنارے واقع تھا۔ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ یہ تمام مقامات صوبہ فارس سے تعلق رکھتے تھے (دیکھو صفحہ حاشیہ ۲۸۵)۔ ساغند سے ابن خرداذبہ نے طبس تک کی چھ منزلیں فرسخوں کے حساب سے بیان کی ہیں؛ اسی بیان کو ابن حوقل اور مقدسی نے نقل کیا ہے، لیکن فرق یہ ہے کہ انھوں نے فاصلے مرحلوں، یعنی یومیہ سفر کے حساب سے لکھے ہیں، اور جو راستہ بیان کیا ہے وہ ابن خرداذبہ والے راستے سے تمام تر مطابق نہیں ہوتا۔ ساغند سے دو منزل کے فاصلے پر رباط آب شتران تھا، جہاں ایک زیر زمین نہر [قنی] سے پانی آتا تھا، اور بہتا ہوا ایک تالاب میں جمع ہوتا تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ یہ رباط پختہ اینٹوں کا بنا ہوا ایک عمدہ عمارت تھا، اس کے پھاٹک لوہے کے تھے، اور اس میں فوج معقول تعداد میں سکونت رکھتی تھی۔ بنی بویہ کے مشہور سپہ سالار ناصر الدولہ بن سیمجور نے، جو چوتھی (دسویں) صدی کے وسط میں یہاں کا حاکم تھا، اس رباط کو تعمیر کرایا تھا۔ یہاں سے تین مرحلہ بعد بادیہ ختم ہو جاتا تھا۔ ابن حوقل کے بیان کے مطابق (جس نے اصطخری کو نقل کیا ہے) مفازہ کے خاتمہ سے سڑک شہر طبس کو (نہیں جاتی تھی، بلکہ اسے) ایک طرف چھوڑتی ہوئی ایک ہی دن کے سفر میں ایک

---

[1] اصطخری ص ۲۳۱ + ابن حوقل ص ۲۹۱ + ابن خرداذبہ ص ۵۲ + مقدسی ص ۴۹۱ +

چوتھی (دسویں) صدی کے جغرافیہ نویسوں نے ایسی سڑکوں کو جو مفازہ کو عبور کرتی تھیں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ مغربی جانب سے، اصفہان اور نائین سے شروع ہو کر دو سڑکیں جَرمَق پر آکر ملتی تھیں۔ ان میں سے اصفہان سے آنے والی سڑک پر (جس کا حال مقدسی نے لکھا ہے) جَرمَق تک آٹھ منزلیں تھیں؛ اور دوسری یعنی نائین سے جَرمَق آنے والی سڑک پر صرف پانچ منزلیں تھیں۔ تمام راستے میں چند فرسخوں کے فاصلے سے برابر تالاب اور ان پر گنبد بنے ہوئے تھے۔

جَرمَق سے جو سڑک سیدھی شمال کی طرف قُومِس کے شہر دامغان کو جاتی تھی اس کے حالات کے لئے مقدسی ہماری سند ہے۔ جَرمَق سے دامغان کا فاصلہ نوے فرسخ اس طرح تھا کہ جَرمَق سے وَندَہ پچاس فرسخ، اور وَندَہ سے دامغان چالیس فرسخ تھا۔ اس سڑک پر بھی ہر تین تین چار چار فرسخ پر پانی کے حوضوں پر گنبد بنے ہوئے تھے۔ نُوجاے کے مقام پر سڑک کی دو شاخیں ہو جاتی تھیں: ایک شمال مشرق کی طرف تُرشِیز کو، اور دوسرے جنوب مشرق کی طرف طَبَس کو جاتی تھی، اور یہ دونوں مقامات صوبہ قُوہِستان میں تھے۔ نُوجاۓ سے تُرشِیز کا فاصلہ چار منزل تھا، اور نوجاۓ اور تُرشِیز کے بیچوں بیچ بَنِ اَفرِیدُون تھا (جسے آج کل دہِ نابَند کہتے ہیں۔ اس دہِ نابَند کو نخلستان نابَند سے جس کا ذکر ابھی ہوا ہے، خلط ملط نہ کرنا چاہیۓ)۔ جَرمَق سے اس بَنِ اَفرِیدُون تک میں سے گذرتے ہوئے ایک سیدھے راستہ کا ذکر مقدسی نے کیا ہے۔ اس راستے کی مسافت سات دن کی تھی، اور ہر منزل پر پانی کا ایک حوض موجود تھا۔ نُوجاۓ سے جنوب مشرق میں طَبَس تک تین مرحلوں میں پہنچتے تھے۔ بَنِ اَفرِیدُون ہو کر طَبَس اور تُرشِیز کے

چار چار فرسخ پر پانی کے حوض تھے ۔ ماھان سے جو صوبۂ کرمان کی سرحد پر ایک شہر تھا، خبیص کا شہر تین مرحلہ تھا ۔ یہ شہر تقریباً بادیہ ایران کی حدود کے اندر ہی واقع تھا (دیکھو صفحۂ حاشیہ ۳۰۸) ۔ شہر خبیص سے ایک سڑک بیان ہوئی ہے جو قوھستان کے مقام خوست (موجودہ خوسف) کو دس مرحلوں میں پہنچتی تھی ۔ خوست پہنچنے سے دو مراحل اسی طرف کوکوہ کے گاؤں سے، جہاں بادیہ ختم ہوتا تھا، قوھستان کی سرحد شروع ہو جاتی تھی ۔ اسی سڑک پر الخارجی نامی کسی شخص کا مقبرہ تھا ۔ اس مقبرے کے قریب سفید اور سبز رنگ کے عجیب وغریب سنگریزے ملتے تھے "جو معلوم ہوتا تھا کہ کافور اور شیشے کے ہیں"۔ ایک اور مقام پر، سڑک سے چار فرسخ ہٹ کر، ایک بڑا سیاہ پتھر ملتا تھا، جس کی شکل نہایت عجیب تھی[1]۔

اخیر میں صوبۂ کرمان کے شہر نرماسیر سے زرنج، دارالحکومت سیستان، جانے والی سڑک بادیہ کے تنگ حصہ کو طے کرتی تھی، اور نخلستان سنیج یا اسپی، جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، ہوتی ہوئی گئی تھی ۔ اس راستہ میں پہلی منزل فہرج کا مقام تھا، جو بادیہ کے کنارے تھا ۔ چار منزلیں طے ہونے کے بعد یہ سڑک مسافر کو سنیج پہنچا دیتی تھی ۔ ابن خرداذبہ نے اس راستہ کی ہر ایک منزل کا فاصلہ فرسخوں میں بیان کیا ہے، اور اصطخری نے مرحلوں کے حساب سے لکھا ہے ۔ لیکن اصطخری نے سنیج جانے کا ایک دوسرا راستہ بھی لکھا ہے، جسے وہ "طریق جدید" لکھتا ہے، مگر یہ راستہ زیادہ طولانی تھا ۔ سنیج سے زرنج کے شہر کو سات یا آٹھ دن کے سفر میں پہنچتے تھے ۔

---

[1] اصطخری ص ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۴۴ + ابن حوقل ص ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴ + مقدسی ص ۴۹۱، ۴۹۲ +

منزل پر پہنچتی تھی جو طبس کے جنوب میں تھی، اور یہاں سے ایک ہی دن کے سفر میں دوسرے منزل پر پہنچ کر، جو طبس سے شمال میں تھی سیدھی بن کو چلی جاتی تھی[1]

دوسرا راستہ جو بادیہ میں سے گذرتا تھا بیرہ کے گاؤں سے شروع ہوتا تھا۔ یہ گاؤں علاقۂ شور (یعنی کھاری پانی) میں کرمان کی سرحد پر شہر کوھبنان کے قریب واقع تھا۔ بیرہ سے یہ راستہ سات یا آٹھ منزلوں میں طے ہوکر، جس کی ہر منزل پر پانی موجود تھا، موضع کُرِی تک پہنچتا تھا۔ یہ موضع بادیہ کی قُوھستان والی سرحد پر طبس سے چند میل جنوب مشرق میں واقع تھا۔ اصطخری نے لکھا ہے کہ اس راستہ میں، جو طریق شور کہلاتا تھا، ایک مقام پر، جو راستے سے بسمت شمال دو فرسخ تھا، عجیب وغریب پتھر ملتے تھے جو بلاشبہ متحجرہ نباتات تھے۔ ان میں بعض کی شکلیں میووں کی سی تھیں، جیسے بادام، سیب، اخروٹ اور ناشپاتی۔ چٹانوں پر آدمیوں، درختوں اور دیگر مخلوقات کی صورتیں اتری ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ طریق شور کے ماسوا مقدسی نے لکھا ہے کہ کوھبنان سے کُرِی جانے کی ایک سیدھی سڑک ساٹھ فرسخ لمبی اور بھی تھی۔ اس مرحلوں میں ایک مرحلہ چھوڑ کر دوسرے مرحلہ پر پانی کے حوض موجود تھے۔

اکیسویں باب میں ذکر ہوچکا ہے کہ راور شہر کوھبنان سے، جو صوبہ کرمان کی سرحد پر واقع ہے، چند فرسخ مشرق میں ہے۔ راور سے ایک سڑک نخلستان نابند کو، جس کا ذکر اوپر ہوچکا ہے، پانچ مرحلوں میں، اور نابند سے آگے قُوھستان کے شہر خور کو دو مرحلوں میں پہنچتی تھی۔ اس سڑک پر بھی حسب معمول تین تین یا

---

[1] ابن خرداذبہ ص ۵۱ + اصطخری ص ۲۳۶ + ابن حوقل ص ۲۳۵ + مقدسی ص ۴۹۱، ۴۹۳ +

ابتدائی زمانہ کے جغرافیہ نویسوں نے بہت سے شہروں کے نام اس طرح بیان کئے ہیں کہ گویا وہ مکران میں تھے، لیکن ان کے حالات بہت کم لکھے ہیں۔ صوبہ کا خاص تجارتی مرکز خلیج فارس کے ساحل پر تیز کا بندرگاہ تھا۔ مکران کا دارالحکومت فنزبور یا بنجبور تھا۔ یہ ملک کے اندرونی حصہ میں اس جگہ پر واقع تھا، جسے آج کل پنج گور کہتے ہیں۔ مقدسی کی تحریر کے مطابق چوتھی (دسویں) صدی میں بنجبور میں ایک کچا قلعہ تھا، جس کے گرد خندق تھی۔ شہر کے چاروں طرف نخلستان تھا۔ شہر کے دو دروازے تھے۔ ان میں سے ایک باب تیز تھا، جس کا رخ جنوب مغرب تھا اور اس میں سے وہ سڑک گذرتی تھی جو خلیج فارس کے بندرگاہ تیز کو جاتی تھی۔ دوسرا دروازہ باب طوران تھا۔ اس کا رخ شمال مشرق تھا، اور اس میں سے وہ سڑک نکلی تھی جو علاقہ طوران کو جاتی تھی۔ علاقہ طوران کا صدر مقام قزدار تھا۔ شہر میں پانی ایک ندی سے پہنچتا تھا۔ یہاں ایک جامع مسجد بھی تھی، جو بازار میں واقع تھی، گو مقدسی لکھتا ہے کہ یہاں کے لوگ جو وحشی بلوص (بلوچی) تھے صرف نام کے مسلمان تھے، اور ان کی زبان ایک بے معنی اور کرخت بولی معلوم ہوتی تھی [1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) یاقوت ج ۴۔ ص ۶۱۴+ مکران کے زمانہ وسطے کے مختلف شہروں کے موقع محل پر سرٹی، ایچ، ہولڈچ (Holditch) نے جیاگریفکل جرنل (۱۹۱۶ء ص ۳۸۷) میں بہت خوبی سے بحث کی ہے۔ اس صوبہ کے متعلق جس قدر معلومات ہم کو اس وقت حاصل ہیں ان کی بنا پر جو نتائج ہولڈچ نے نکالے ہیں ہم ان میں بہتری کی شکل پیدا نہیں کر سکتے +

[1] اسے قنزبور یا قنجبور بھی اکثر چھاپ دیا جاتا ہے۔ لیکن یہ کتابت کی غلطی ہے۔ اصلی نام فنزبور ہی ہے۔ پہلے حرف پر بجائے ایک نقطہ کے دو نقطے (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

گاؤ نیشنک کے مقام پر پہنچ کر، جو کنڈر سے زیادہ دور نہ تھا، سیستان کی سرحد میں داخل ہوتے تھے۔ کنڈر اب تک نقشوں پر دکھایا جاتا ہے، گاؤ نیشنک اور کنڈر کے درمیان نرماشیر سے تین یا چار فرسخ جنوب میں ایک رباط تھا، جسے تیسری (نویں) صدی میں عمرو بن لیث الصفار نے تعمیر کرایا تھا۔ اس رباط نسبت اصطخری لکھتا ہے کہ وہ قنطرۂ کرمان کے نام سے مشہور رہا، مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی لکھتا ہے کہ وہاں کوئی پل مطلق نہ تھا۔ یہ مقام اس بات کا پتہ بھی دیتا ہے، اور یہ امر قابل توجہ ہے، کہ زمانہ وسطیٰ میں جھیل نرماشیر کا کنارہ جنوب میں یہاں تک پہنچتا تھا۔ اس کا حال آئندہ باب میں بیان کیا جائیگا۔[1]

صوبۂ مکران

سمندر سے ملے ہوئے صوبۂ مکران کی خشک اور بے آب و گیاہ زمینیں اپنی طبعی شکل و صورت میں درحقیقت صحرائے اعظم ہی کی تطویل ہیں۔ گو زمانۂ وسطیٰ کے شروع میں یہ ملک اب سے زیادہ حاصل خیز اور معمور تھا، لیکن کبھی دولتمندی یا سیاسی اعتبار سے وہ کوئی بڑا صوبہ نہ تھا۔ مکران کی سب سے بڑی پیداوار نے شکر تھی؛ اور ایک خاص قسم کی سفید شکر جسے عرب الفانیذ (فارسی کا لفظ پانید ہے) کہتے تھے، یہاں بنائی جاتی تھی، اور قرب وجوار کے ملکوں کو بکثرت بھیجی جاتی تھی۔[2]

---

[1] ابن خرداذبہ ص ۴۹، ۵۰ + اصطخری ص ۱۲۳، ۲۵۱، ۲۵۲ + ابن حوقل ص ۲۹۶، ۳۰۶، ۳۰۷ + مقدسی ص ۴۹۲ + سر ایف۔ گولڈ سمڈ (Goldsmide) کی کتاب ایسٹرن پرشیا۔ ج ۱۔ ص ۲۵۶ +

[2] ابن حوقل ص ۲۲۶، ۲۳۲، ۲۳۳ + مقدسی ص ۴۷۵، ۴۸۶ + (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

جسے کینج یا کینز لکھا گیا ہے۔ جالک اور دزک کے نام بھی آئے ہیں۔ یہی حال خواش یا خواص کا ہے۔ یہ غالباً موجودہ گواشت ہے، جو خواش کے مغرب میں علاقۂ سرحد میں واقع ہے (اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ دیکھو صفحہ حاشیہ ۴۱۷) ہراسک کا شہر زمانہ وسطیٰ میں اس وجہ سے مشہور تھا کہ علاقۂ خمُوج جس میں یہ شہر واقع تھا، شاداب وسیر حاصل تھا۔ لیکن سیاحت ناموں کے بیانوں سے یہ امر مشتبہ ہو جاتا ہے کہ آیا یہ شہر وہی ہے جسے آج کل راسک کہتے ہیں۔ ارمبیل اور قنبلی دو شہر اور تھے۔ یہ ساحل دریا ساحل سے قریب تیز اور دیبل کے وسط میں واقع تھے۔ دیبل دریائے سندھ کے دہانے پر تھا۔ اصطخری نے ان دونوں شہروں کو بڑا شہر لکھا ہے، جس میں فصل دو دو دن کی مسافت کا تھا۔ ان میں سے ایک سمندر سے صرف نیم فرسخ کے فاصلے پر تھا۔ ان دونوں شہروں کے رہنے والے دولتمند تاجر تھے جو زیادہ تر ہندوستان سے بیوپار کرتے تھے[1]

[1] اصطخری ص ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۷، ۱۷۸ + ابن حوقل ص ۲۲۶، ۲۳۲ + مقدسی ص ۴۷۵، ۴۷۶ + یاقوت ج ۱۔ ص ۷۶۹ + ج ۲۔ ص ۲۳۲ + قلمی نسخوں میں اکثر کتابت کی غلطی سے ارمبیل کو ارمیل لکھا ہے۔ غالباً ارمبیل کے کھنڈر لس بیلا کے مقام پر، اور قنبلی کے کھنڈر خیر وکوٹ کے مقام پر ہیں۔ سرٹامس ہولڈچ (Holdich) جے آرجی ایس ۱۸۹۶ء ص ۴۰۰ + ابتدائی زمانہ کے عرب جغرافیہ نویسوں کو مکران کے متعلق واقعی بہت کم واقفیت تھی، اور زمانہ مابعد کے مصنفوں نے کوئی ایسی بات اضافہ نہیں کی جو بیان کے قابل ہو۔ یاقوت نے وہی باتیں دہرادی ہیں جو چوتھی (دسویں) صدی میں اُس کے پیشرووں نے کہی تھیں۔ قزوینی (ج ۲۔ ص ۱۸۱) نے اس صوبہ کی نسبت جو بات زیادہ بتائی ہے وہ صرف یہ ہے کہ یہاں ایک عجیب پل تھا جس سے دریا کو عبور کرتے تھے، اور یہ پل سالم ایک پتھر کا تھا۔ اس کے علاوہ وہ لکھتا ہے کہ جو کوئی اس پل پر سے گزرتا ہے تو جو کچھ اُس کے معدے میں ہوتا ہے استفراغ ہو جاتا ہے، چاہے ہزاروں آدمی (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

عالی شان بندر تیز کے شکستہ آثار اُس گودی کے سرے پر نظر آتے ہیں جو زمانہ وسطیٰ میں چھوٹے جہازوں کے قیام کے لئے عمدہ جگہ تھی۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ شہر تیز کے گرد نخلستان ، اور شہر کے اندر بڑے بڑے انبار خانے تھے۔ یہاں ایک خوبصورت مسجد بھی تھی۔ (۳۳۰) اس کی آبادی میں تمام قوموں کے لوگ تھے ، جیسا کہ بالعموم ہر بڑے بندرگاہ میں ہوتا ہے۔ چھٹی (بارھویں) صدی میں بندرگاہ ھُرمُز کی بربادی پر اس کی تجارت بھی ایک بڑی حد تک بندرگاہ تیز میں منتقل ہو گئی تھی[1]

مکران کے اور شہروں کے صرف نام ہی نام عرب جغرافیہ نویسوں نے لکھے ہیں۔ حالات کچھ نہیں لکھے۔ بمپور کے مشہور شہر ، اور اُس کے ہمسایہ شہر فہرج کے نام مقدسی کی کتاب میں آئے ہیں بنبو کو اُس نے بنبہل ، بونہل اور فہرج کو فہل فہر لکھا ہے۔ یاقوت نے فہرج کو فہرہ لکھا ہے[2]۔ تیز کے شمال میں قصر قند اب تک ایک بڑی جگہ ہے۔ قصر قند سے مشرق میں کچھ فاصلے پر کج ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) لگا دینے سے یہ غلطی پیدا ہو جاتی ہے + اصطخری ص ۱۷۰ ، ۱۷۱ ، ۱۷۷ + ابن حوقل ص ۲۲۶ ، ۲۲۲ + مقدسی ص ۴۷۸ + پنج گور کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب مسلمانوں نے پہلی مرتبہ اس شہر کو فتح کیا تو پانچ مسلمان شہید ہو کر یہیں دفن کئے گئے تھے۔ یہ مقام قلعہ ناغد سے ایک منزل مغرب میں ہے اور اس کے گرد کا علاقہ بھی پنج گور کہلاتا ہے۔ دیکھو سائکس کی کتاب Persia ص ۲۳۴ +

[1] مقدسی ص ۴۷۸ + یاقوت ج ۱ ص ۹۰۷ + تیز کے موجودہ کھنڈروں کے متعلق دیکھو سائکس کی کتاب (Persia) ص ۱۰۱ ، ۱۱۰ + اور شنڈلر (Schindler) جے آر اے ایس ۱۸۹۸ء ص ۴۵ + دیکھو افضل کرمانی کی تاریخ مصحح ہوتسما (Houtsma) زیڈ ڈی ایم جی ۱۸۸۱ء ص ۳۹۴ ، ۴۰۲ +

[2] مکران کا فہرج بمپور سے مشرق میں چند میل کے فاصلے پر ، اور کرمان کا فہرج نرماسیر سے مشرق میں چند میل کے فاصلے پر واقع تھے + ان دونوں شہروں کو خلط ملط نہ کرنا چاہئے۔ ایک اور فہرج یزد کے قریب تھا

مکران کی شمال مشرقی سرحدوں پر ہندوستان کی سرحد کے قریب عرب جغرافیہ نویسوں نے دو علاقوں کا حال لکھا ہے: یعنی طُوبَران، جس کا دارالحکومت قُصدار تھا؛ اور بُدَھہ، جو طُوران کے شمال میں تھا۔ بُدَھہ کا دارالحکومت قَندَبِیل تھا۔ قُصدار کا ذکر، جس کا املا اَلقُزدار بھی کیا جاتا ہے، سلطان محمودؒ غزنوی کی ابتدائی فتوحات میں آیا ہے۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ یہ شہر ایک دریا (وادی) کے کنارے واقع تھا۔ شہر کے بیچ میں ایک قلعہ تھا، اور شہر کے گرد کی سطح زمینیں بہت زرخیز تھیں۔ ان میں انگور، انار، اور اور میوے جو سرد ملکوں سے مخصوص ہیں پیدا ہوتے تھے۔ مقدسی نے بیان کیا ہے کہ یہ شہر دریا کے دونوں کناروں پر دو حصوں میں آباد تھا، اور دریا خشک تھا۔ ایک حصہ میں سلطان کا محل اور قلعہ تھا، اور دوسرے حصہ میں جو بُودِین کہلاتا تھا تاجر رہتے تھے۔ ان تاجروں کی دکانوں سے، جو بازار میں تھیں خراسان کے لوگ بہت لین دین رکھتے تھے۔ مقدسی نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہاں کے مکانات کچے بنے ہوئے تھے، اور پانی کے لئے پٹی ہوئی نہریں تھیں، لیکن پانی کم اور خراب تھا۔

طُوبَران جو علاقہ قُصدار کا نام تھا، اس میں شمال کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۹۸) بنبھور گاؤں دیبل کے شکستہ آثار ساحل سے دور ملک کے اندر ٹھٹھہ سے بیس میل جنوب مغرب میں اور کراچی سے پینتالیس میل شرق جنوب مشرق میں پائے جاتے ہیں منصورہ کو دریائے سندھ کے ڈلٹا کی ایک پرانی شاخ پر حیدرآباد (سندھ) سے تقریباً چالیس میل شمال مشرق میں واقع ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ سندھ دراصل ھند نام کی قدیم ایرانی شکل ہے۔ لیکن عرب اس نام یعنی سندھ کو مبہم طور پر اس بڑے صوبے کے لئے بولتے تھے جو مکران کے مشرق میں تھا، جس کا ایک حصہ اب بلوچستان کہلاتا ہے، اور دوسرا حصہ موجودہ صوبۂ سندھ میں شامل ہے۔ سندھ کی رُود سے مراد سندھ کا دریا ہے۔

(۳۳۱) اس کتاب میں دعوے نہیں کیا گیا کہ عہد وسطےٰ کا جغرافیۂ ہند لکھا جائیگا، اور حقیقت یہ ہے کہ عرب جغرافیہ نویسوں نے اس ملک کے حالات باقاعدہ طور پر لکھے بھی نہیں ہیں۔ خلیج فارس کے مشرقی سرے سے اس طرف بڑھ کر ملک ہند کے جس بندرگاہ سے وہ سب سے زیادہ واقف تھے وہ دَیْبُل تھا، جو اُس زمانہ میں دریائے سندھ کے بڑے دہانے پر ایک عمدہ بندرگاہ صوبۂ سندھ میں واقع تھا۔ اس صوبہ کا دارالحکومت مَنْصُورَہ تھا، جسے ہندوستان کے لوگ برہمن آباد کہتے تھے۔ یہ ایک بڑا شہر تھا، اور دریائے سندھ کے زیریں کی نہروں یا شاخوں میں سے کسی نہر یا شاخ پر واقع تھا۔ دریائے سندھ کو عرب نہر مِہران کہتے تھے، اور اس کے کناروں کے بہت سے شہروں کے نام بیان ہوئے ہیں۔ ملتان کا بالخصوص ذکر ہوا ہے۔ یہ بڑا شہر تھا، اور آب سندھ کے معاون دریا سِندْرُوذ کے کنارے شمال میں واقع تھا۔ اصطخری نے دریائے سندھ اور دریائے نیل کا مقابلہ ان کی بزرگی اور اہمیت کے لحاظ سے کیا ہے۔ ہند کے اس دریا میں نیل کے دریا کی طرح مگرمچھ پائے جاتے تھے۔ یہی مصنف لکھتا ہے کہ سندھ کے سرچشمے شمال کے بڑے پہاڑوں میں دریائے جیحون کے منبع کے قریب تھے۔ وہ قوم جسے عرب الزُّطّ کہتے تھے، سندھ کی رہنے والی تھی۔ اہل ایران ان لوگوں کو جَتْ کہتے تھے، اور آج کل ان کی نسبت بالعموم یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ جپسی (Gypsy) قوم کے اسلاف تھے[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۹۷) اس پر سے گذریں گر یہی بات ہر شخص کو پیش آتی ہے، اس لئے اس ملک کے کسی باشندے کو جب استفراغ کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ اس پل پر سے گذرتا ہے۔

[1] اصطخری ص ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۹؛ ابن حوقل ص ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۳۰، ۲۳۴، ۲۳۵؛ مقدسی ص ۴۷۶، ۴۷۹، ۴۸۲، ۴۸۳۔ (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

کے صحیح خط کو جو بادیہ میں سے گزرتا تھا شناخت کرنا غیر ممکن ہے۔ اس مصنف نے اس سڑک کا حال بادیہ کے شہر فہرج سے شروع کیا ہے، جو صوبۂ کرمان کے شہر بم اور نرماسیر کے مشرق میں تھا۔ فہرج سے مکران کے دار الحکومت کا فاصلہ چودہ فرسخ لکھا ہے، اور فنزبور سے مشرق کی طرف قصدار کی سڑک پر تین منزلوں کے نام لکھے ہیں۔ اسی سڑک سے تقریباً متوازی ایک دوسرے سڑک کا حال مقدسی سے سمت مخالف میں بیان کیا ہے، یعنی یہ سڑک قصدار سے شروع ہو کر جوے یا نہر سلیمان کو جاتی تھی، جو بم سے مشرق میں بیس فرسخ کے فاصلے پر تھا۔ یہ سڑک فنزبور کے شمال سے جالک اور خواص ہوتی ہوئی نکلی تھی[1]

بندرگاہ تیز سے کیز کا فاصلہ پانچ مراحل، اور کیز سے فنزبور دو مراحل تھا۔ فنزبور کو ایک اور سڑک دوسرے راستہ سے قصر قند سے آتی تھی۔ کیز اور قصر قند دونوں سے ارمابیل کا فاصلہ چھ مراحل اور ارمابیل سے قنبلی دو مراحل، اور قنبلی سے دیبل جو دریائے سندھ کے دہانہ کا بندرگاہ تھا، چار مراحل بتایا گیا ہے[2]

فنزبور سے دیبل کا فاصلہ چودہ مراحل شمار کیا جاتا تھا۔ قصدار سے قندابیل اور کیز کانان (قلات) کے فاصلے اعداد بالکسر میں تخمیناً بیان ہوئے ہیں، اور یہی حال ان فاصلوں کا ہے جو ان مقامات سے والشتان کے شہر سیبی اور شہر مستنج کے ہیں۔ اس مضمون کے بعد سیاحت نامے اس خلاصہ بیان پر ختم ہو جاتے ہیں کہ قصدار اور قندابیل اور علاقہ والشتان

[1] ابن خرداذبہ ص ۵۵؛ مقدسی ص ۴۹۶

[2] اصطخری ص ۱۷۸؛ ابن حوقل ص ۲۳۲؛ مقدسی ص ۴۸۵

وہ اراضی اکثر شامل سمجھی جاتی تھیں جنھیں بُدَھَہ کا علاقہ کہتے تھے۔ اس علاقہ کا بڑا شہر قَندَابیل تھا، جس کی تطبیق موجودہ شہر گندَاوا سے ہوچکی ہے۔ یہ شہر سِیبیؔ کے جنوب اور قلات کے مشرق میں واقع ہے۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ قندابیل ایک بڑا شہر تھا، جو سطح زمین پر تنہا واقع ہوا تھا۔ یہاں کھجور کا درخت پیدا نہ ہوتا تھا۔ اُس کے اعمال میں کِیزکانان یا کیکان کا شہر تھا۔ سیاحت ناموں میں جو موقع اس شہر کا بیان ہوا ہے اس کی بنا پر موجودہ شہر قلات سے اس کو مطابق سمجھا جا سکتا ہے۔ قندابیل اور کیزکانان ان دونوں شہروں کو اکثر اس طرح بیان کرتے ہیں کہ گویا یہ طُوَران کے شہر ہیں۔ طُوران کے اور شہروں کے نام بھی لکھے ہیں، لیکن ان کو شناخت کرنا اب ممکن نہیں، کیونکہ ان کے حالات کافی طور پر بیان نہیں ہوئے، اور املا کے اعتبار سے ان ناموں کے متعلق قلمی نسخوں میں بہت اختلاف[1] ہے۔ علاقجات طُوران اور بُدَھہ کے شمال میں مالِس یا والِشتان کا علاقہ اور اُس کے شہر سِیبی اور مُستَنج تھے۔ لیکن شروع زمانہ کے جغرافیہ نویسوں نے ان سب کو سِجِستان میں شمار کیا ہے، اور اس لئے ان کا ذکر آیندہ باب میں آئیگا۔

صوبۂ مکران میں سے جو سڑکیں گزرتی تھیں وہ دراصل مفازہ کا کے سڑکوں کے سلسلے میں تھیں، اور سب کا مرجع ھندوستان تھا۔ افسوس ہے کہ ان سڑکوں کا حال بالعموم بہت اجمال سے لکھا گیا ہے، اور صرف یہ بتایا گیا ہے کہ ایک شہر سے دوسرے شہر تک کتنے دنوں کے سفر میں پہنچتے تھے۔ فاصلے جو اسطرح بیان ہوں وہ قابل اعتماد نہیں۔ بہرکیف ابن خرداذبہ نے کم ازکم ایک راستہ کے متعلق منزل بمنزل فاصلوں کی تفصیل فرسخوں میں بیان کی ہے مگر اب اس راستہ

[1] ابن خرداذبہ ص ۵۶ + اصطخری ۱۷۱، ۱۷۶، ۱۷۸ + ابن حوقل ص ۲۲۶، ۲۳۲، ۲۳۳ + مقدسی ص ۴۷۶، ۴۷۸ +

باب بست و چہارم

سجستان

سجستان یا نیمروز اور زابلستان۔ صوبہ کا دارالحکومت: زرنج۔ جھیل زرہ۔ دریائے ہلمند اور اُس کی نہریں۔ رام شہرستان کے مقام پر پرانا دارالحکومت۔ نہ۔ فرہ اور دریائے فرہ۔ دریائے خاش اور علاقہ نیشک۔ قرنین اور دوسرے شہر رود بار اور بست۔ زمین داور کے علاقے۔ رخج اور بالس یا والشتان۔ قندھار، غزنہ اور کابل۔ چاندی کی کانیں۔ سجستان میں سے گذرنے والی سڑکیں۔

سیستان فارسی لفظ سگستان سے ماخوذ ہے؛ عرب اسے سجستان کہتے تھے۔ اس ملک کی زمین نشیب میں ہے، اور جھیل زرہ کے گرد اور اس کے مشرق میں واقع ہے۔ دریائے ہلمند اور جس قدر دریا اس جھیل میں گرتے ہیں ان سب کے ڈیلٹا اسی زمین میں پڑتے ہیں۔ ملک قندھار کی سطحات مرتفع، جو دریائے ہلمند کے بالائی حصہ کے متوازی واقع ہیں، زابلستان کہلاتی ہیں۔ فارسی میں سیستان کو نیمروز یا جنوبی

کی سرحد سے یعنی جو شہر سِیبی کے شمال میں فاصلے سے تھی مُلتان اور منصورہ کے شہر جو دریائے سندھ کے کنارے تھے کتنے کتنے دنوں کی مسافت یا مراحل پر واقع تھے[1]

---

[1] اصطخری ص ۱۷۰ + ابن حوقل ص ۲۳۳، ۲۳۴ + مقدسی ص ۴۸۶ +

ملک) بھی کہتے تھے، اور جنوبی ملک کہنے کی وجہ یہ بیان ہوئی ہے کہ سیستان خراسان کے جنوب میں واقع ہے۔ اصطخری نے لکھا ہے کہ صوبۂ سیستان کی زرخیزی مشہور تھی۔ یہاں کھجور اور غلہ بافراط پیدا ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ ہینگ بھی ہوتی تھی، اور لوگ اسے اپنے تمام کھانوں میں ڈالتے تھے[1]۔

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ زمانہ وسطیٰ میں جھیل زرہ آج کل کے مقابلہ میں بہت زیادہ وسیع تھی۔ دریائے ھلمند کے علاوہ، جو خود ایک عظیم الشان دریا ہے، اور بہت سے معاون بھی رکھتا تھا، تین اور بڑے دریا، یعنی دریائے خواش، دریائے فرہ، اور وہ دریا جو اسفزار (یعنی ہرات کے سبزوار) کے قریب سے آتا تھا، اور جو آج کل ھارود کہلاتا ہے، اس جھیل میں گرتے تھے۔ ایرانی روایات میں سیستان اور زابلستان کی شہرت کی وجہ یہ تھی کہ وہ رستم کے باپ زال کا وطن تھے، اور رستم ایرانیوں کا قومی ہیرو تھا، جس کے کارنامے اب تک زبان زد خلایق ہیں۔ خلفاء عباسیہ کے ابتدائی دور میں سیستان اس وجہ سے مشہور ہوا کہ صفّاریہ خاندان کے امیر جنھوں نے تیسری (نویں) صدی کے نصف آخر میں ایران کے جنوبی اور مشرقی حصہ پر حکومت کی یہیں کے رہنے والے تھے، اور ان کی حکومت درحقیقت خود مختارانہ تھی۔ (۳۳۵)

زمانہ وسطیٰ میں اس صوبہ کا دارالحکومت زرنج کا بڑا شہر تھا؛ اسے تیمور نے برباد کیا۔ چنانچہ اس کے شکستہ آثار اب تک ایک بہت بڑے رقبہ پر پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ لیکن زرنج کا نام اب کسی کی زبان پر نہیں بلکہ زمانۂ وسطیٰ کے آخری حصہ میں وہ متروک ہو چکا تھا۔ زمانۂ مابعد کے جغرافیہ نویس اس دارالحکومت کو مدینۂ سجستان

[1] اصطخری ص ۲۴۴ + ابن حوقل ص ۳۰۱+

لکھے تھے، اور فارسی میں اس نام کا مترادف شہرِ سیستان تھا۔ چنانچہ جس وقت
تیمور نے اس شہر کو اخیر مرتبہ بالکل ہی منہدم کیا ہے اُس وقت اس شہر کا نام
شہرِ سیستان ہی تھا۔[1]

ساسانی بادشاہوں کے عہد میں زرنج ایک بہت بڑے شہر کی حیثیت
قائم کرچکا تھا۔ سنہ ۲۰ (سنہ ۶۴۱ء) میں اسلامی فتوحات کی تاریخ میں اس کا نام کئی
بار بیان ہوا ہے۔ یہ مقام نہر سنارود کے قریب واقع تھا، اور سنارود
دریائے ھلمند کی ایک شاخ تھی جو مغرب کی طرف بہتی ہوئی گئی تھی، اور
طغیانی کے زمانہ میں جھیل زرہ تک پہنچ جاتی تھی۔

یعقوبی نے تیسری (نویں) صدی میں بیان کیا ہے کہ زرنج کا دور
چار فرسخ تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے اس شہر کا مفصل
حال لکھا ہے۔ اس کے زمانہ میں یہ خوب متحصن تھا؛ اس میں ایک شہر
اندر تھا، جس کے گرد فصیل تھی اور اس فصیل میں پانچ دروازے تھے

[1] زرنج کے کھنڈر آج کل کے دو قریوں یعنی زاہدان اور شہرِستان کے
گرد اور دریائے ھلمند کی بڑی نہروں میں سے ایک نہر کے پرانے گزرگاہ کے کنارے واقع
ہیں۔ یہ نہر زمانہ وسطیٰ سے خشک پڑی ہے۔ ان کھنڈروں کی موجودہ حالت اور اس کے علاوہ
دوسرے ویران شہروں کے لئے دیکھو: سر ایچ راولنسن (Rawlinson) کا مضمون مطبوعہ جرنل رائل
جیاگریفیکل سوسائٹی (سنہ ۱۸۷۳ء) ص ۲۸۰، ۲۸۳، ۲۸۴؛ سر ایف گولڈسمڈ (Goldsmid) کی کتاب
(Eastern Persia) ج ۱ ص ۳۰۱؛ میجر سائکس (Persia) ص ۳۶۵، ۳۸۲، ۳۹۳، ۳۹۴؛ سب
سے بڑے کھنڈر کا خاکہ اے ایچ سیویج لینڈور (Savage Landor) نے (Accross
the Coveted Lands) ج ۲ ص ۲۲۸ میں درج کیا ہے۔ زاہدان کے قریب اسی فٹ بلند ایک
مینار کے شکستہ آثار اب تک ہیں۔ یہ میل زاہدان کہلاتا ہے۔ اس پر چڑھنے کے لئے چکر دار زینہ ہے اور
خط کوفی میں دو کتبے بھی ہیں جن کے کچھ حصے پڑھے جا سکتے ہیں۔ مشہور ہے کہ اس مینار کو تیمور نے برباد کرادیا تھا۔
دیکھو جی پی ٹیٹ (Tate) کا مضمون جے آر اے ایس سنہ ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۷۱۔ صوبہ سیستان کا موجودہ دار الحکومت
نصرت آباد خاص ان کھنڈروں کے جنوب میں چند میل کے فاصلے پر ہے۔ اس کا نام ناصر آباد و نصرت آباد (بقیہ حاشیہ آئندہ)

نقشہ ۸

ترمذ
دریائے جیحون
اوزج
بلخ
خلم
طخارستان
سمنجان
انبار
جوزجان
بامیان
بامیان
غور
غزنہ
دریائے ہلمند
میمند
قندھار
رخج
۳۷
۳۶
۳۵
۳۴
۳۳
۳۲
۶۶
۶۷
۶۸
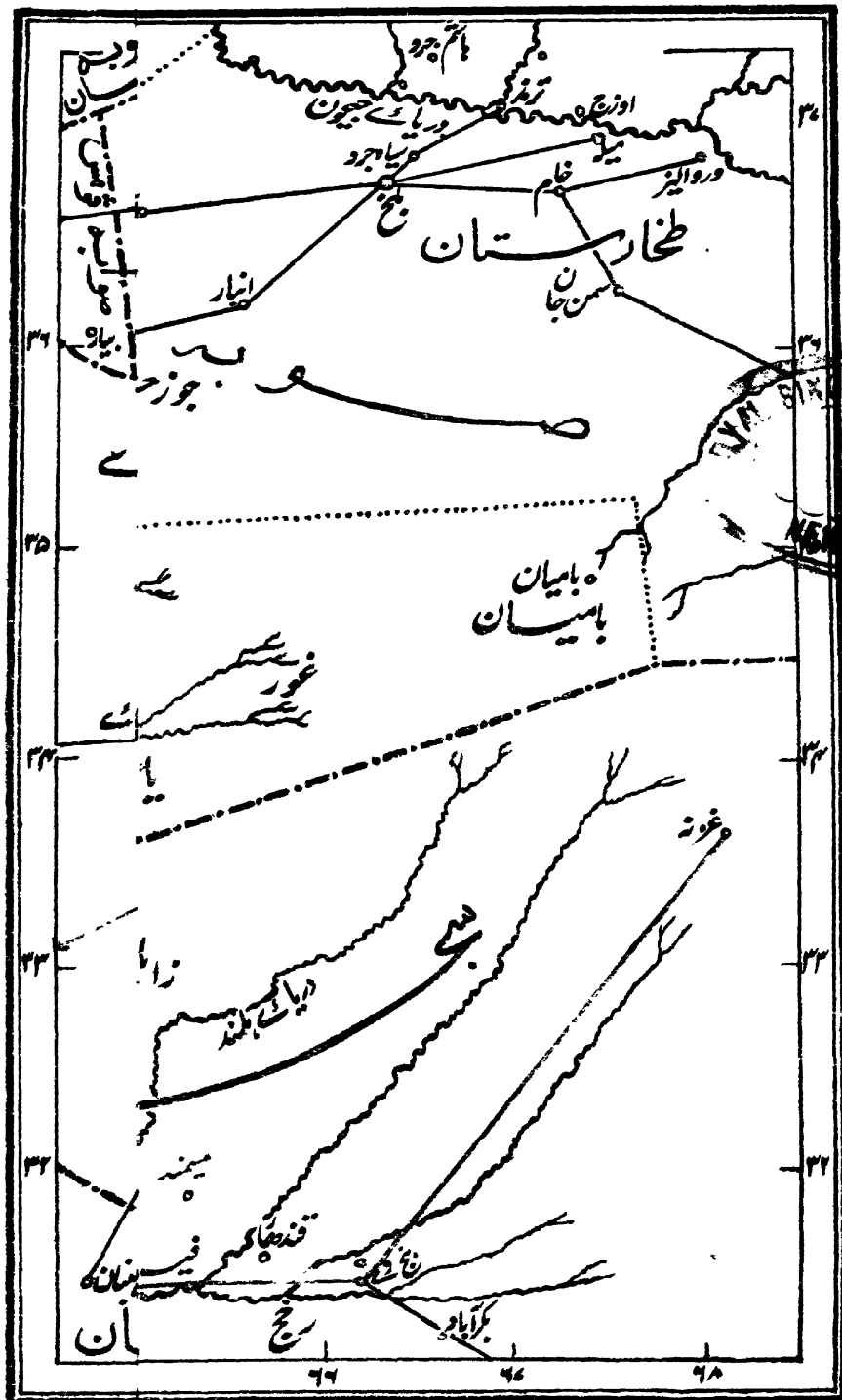
ہوئے تھے، اور اُن کی چپٹی ڈاٹ کی تھیں۔ اس وجہ یہ تھی یہاں چھت لکڑی کی کڑیاں ڈال کر نہیں بنا سکتے تھے، کیونکہ ہر قسم کی لکڑی کا کام آب و ہوا کے مرطوب ہونے کی وجہ سے جلد خراب ہو جاتا تھا اور کیڑے لکڑی میں سوراخ کر دیتے تھے۔ اندر اور باہر والے دونوں شہروں میں بہت سی سرائیں [فناوق] تھیں، اور باہر والے شہر یا ربض میں سرکاری دفاتر تھے۔ اندر والے شہر کے بازار جامع مسجد کے قریب تھے، بیرونی آبادی کے بازار بہت معمور اور آباد تھے خصوصاً سوق عمرو جسے خاندان صفاریہ کے دوسرے امیر عمرو بن لیث نے تعمیر کرایا تھا۔ اس بازار کا کرایہ روزانہ ایک ہزار درہم (یعنی چھ سو روپیہ) وصول ہوتا تھا، اور یہ رقم بیمارستان شفاخانہ، جامع مسجد اور خانہ کعبہ کے لئے وقف تھی۔

باہر والے شہر میں بازار کا طول تقریباً نصف فرسخ تھا، اور ابواب فارس سے لے کر، جو اندر والے شہر کی فصیل میں تھے، باہر والے شہر کی فصیل تک دوکانوں کا سلسلہ برابر چلا گیا تھا۔ زرنج میں پانی بکثرت موجود تھا۔ یہ سناروذ سے چھوٹی چھوٹی ندیوں یا نالیوں کے ذریعہ لایا گیا تھا۔ یہ نہریں تین مقامات سے یعنی باب جدید، باب عتیق اور باب الطعام سے شہر میں داخل ہوتی تھیں۔ ان تینوں کا پانی مل کر اتنی قوت پیدا کر دیتا تھا کہ ایک پن چکی اُس سے چلا کرتی تھی۔ پن چکی سے آگے بڑھ کر، یہ پانی جامع مسجد کے قریب دو بڑے پختہ تالابوں میں جمع ہوتا تھا، اور یہاں سے تمام شہر میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ بیرونی شہر کے مکانات بھی جاری پانی کی نہروں سے بخوبی بہیا تھے۔ یہ چیزیں یہاں کے گرم موسم میں آسائش کے لئے ضروری تھیں۔ ہر ایک مکان میں ایک سرداب (تہ خانہ) گرمی میں دن گزارنے کے لئے ہوتا تھا، کیونکہ زرنج میں گرمی بہت سخت ہوتی تھی۔ شہر کے گرد سبخہ یا شورستان تھا جس میں کھجور کے درخت بہت تھے، اس کے حوالی میں ریگستان تھا۔ یہاں سے ہر وقت تند و تیز ہوائیں چلتی تھیں، جو ریت کو خطرناک طریقہ پر حرکت میں لاتی تھیں۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ گاؤں کے گاؤں ریت میں دب

(۴۳۶) فصیل کے باہر بیرونی آبادی [ربض] تھی اس کے گرد بھی شہر پناہ تھی باہر والی شہر پناہ میں تیرہ دروازے تھے، جن کے سامنے ایک بڑی خندق تھی۔ یہ خندق نہروں اور چشموں کے فاضل پانی سے بھری رہتی تھی۔ اندر والے شہر کے پانچوں دروازوں میں لوہے کے پھاٹک تھے۔ دو دروازے ایسے تھے جو پاس پاس تھے ان کا رُخ فارس یعنی جنوب مشرق کی سمت میں تھا۔ اسی لئے یہ دونوں دروازے باب فارس کہلاتے تھے۔ لیکن الگ الگ اِن کے نام باب حَدِیْد اور باب عَتِیق تھے۔ شمال کی طرف خُرَاسَان کی سمت میں باب کرکویہ تھا۔ یہ نام قریب کے شہر کرکویہ پر رکھا گیا تھا۔ باب نِیْشَک شرقی سڑک پر شہر بُست کی طرف تھا۔ پانچواں دروازہ بابِ طعام کہلاتا تھا اور اِن تمام دروازوں میں سب سے زیادہ آمد و رفت اسی دروازے سے رہتی تھی۔ یہ دروازہ اُس سڑک پر کھلتا تھا جو نَہ بَنج کے باہر والے باغوں اور بازاروں میں سے ہوتی ہوئی جنوب کو جاتی تھی۔

شہر کی مسجد جامع باہر والے شہر میں فارس جانے والی سڑک پر دونوں جنوب مغربی دروازوں کے قریب واقع تھی۔ اسی کے پاس محبس دارالامارۃ کے قریب تھا۔ باب نیشک اور باب کرکویہ کے درمیان ایک اَرْک یا قلعہ تھا جہاں خزانہ رہتا تھا۔ اس قلعہ کو خاندان صَفَّارِیَہ کے دوسرے امیر عمرو بن لیث نے تعمیر کرایا تھا۔ عمرو کے بڑے بھائی یعقوب نے جو اِس خاندان کا بانی تھا اندر والے شہر کے اُس حصہ میں جو دونوں جنوب مغربی والے دروازوں اصحاب الطعام کے درمیان تھا اپنے لئے ایک محل بنوایا تھا اور یہی محل بعد میں دارالامارۃ ہو گیا۔ اسی کے قریب عمرو کا محل بھی تھا۔ یہ دونوں محل شہر کے دوسرے مکانات کی طرح کچی اینٹوں سے بنے

تقیۂ مضمون صفحہ (۵۰۵) مگر اب یہ نام متروک ہو چکا ہے سیویج لینڈور (Savage Landor) نے لکھا ہے کہ آج کل اس شہر کو شہر نصرآباد کہتے ہیں۔

اس وقت اس شہر کا نام "شہرِ سیستان" تھا۔ تیمور کی وارد ہونے پر شہر کی تباہی میں زیادہ دن تک شبہ رکھنے کی ضرورت نہ رہی۔ اس سے قبل نواح کی ایک گڑھی کو جس کا نام قلعہ یا حصارِ زرہ تھا، اور جو زرنج کے شمال میں جھیل کے قریب تھی، تیمور نے مسمار کرایا۔ اس لشکرکشی پر سیستان کے دارالحکومت نے اپنے دروازے بند کئے، اور اطاعت قبول کرنے سے انکار کیا۔ تیمور نے چند روزہ محاصرہ کے بعد شہر کو فتح کر لیا، اور جس قدر باشندے شہر میں تھے انھیں قتل کر دیا۔ اس کے بعد شہر پناہ گرادی اور مکانات ڈھادئے۔ اس وقت سے زرنج ایک بے نام ویرانہ چلا آتا ہے[1]۔

جیسا کہ اوپر بیان ہوا، زمانۂ واسطیٰ میں جھیل زرہ یا زرہ (بحیرۂ زرہ) کا دور مستقلاً اس سے کہیں زیادہ تھا جتنا کہ آج کل بالعموم رہتا ہے[2]، گو اس کا یہ دور دریاؤں کی طغیانی یا خشکی پر ہر زمانہ میں گھٹتا بڑھتا رہتا تھا۔ ابن حوقل نے چوتھی (دسویں) صدی میں لکھا ہے کہ اس کا

---

[1] بلاذری ص ۳۹۲، ۳۹۴ + یعقوبی ص ۲۸۱ + اصطخری ص ۲۳۹ + ابن حوقل ص ۲۹۷ - ۲۹۹، ۳۰۱ + مقدسی ص ۳۰۵ + مستوفی ص ۱۸۳ + علی یزدی ج ۱ - ص ۳۶۲ +

[2] میجر سائکس نے اپنی کتاب Persia (ص ۳۶۴، ۳۷۲) میں چند نقشے دریائے ہلمند کے ڈیلٹے اور جھیل زرہ کی موجودہ حالت ظاہر کرنے کے لئے درج کئے ہیں۔ جنوبی خاتمہ پر اس بڑی جھیل کا طاس ایک بڑے قطعۂ آب سے جا ملتا ہے جس کا طول پچاس میل اور عرض اوسطاً تین سو پچاس گز ہے۔ اس کے کنارے پچاس فٹ اونچے ہیں۔ اس قطعۂ آب کو شلا کہتے ہیں، اور یہ جنوب مشرقی سمت میں گودِ زرہ تک چلا گیا ہے۔ گودِ زرہ، جھیل زرہ کا ایک دوسرا طاس ہے دریائے ہلمند کے زیرین حصہ میں جہاں دریا نے خم کھایا ہے، اس خم کے بالکل جنوب میں واقع ہے۔ اس گوڈ میں طغیانی کے موسم میں جھیل زرہ کا زائد پانی جمع ہوتا ہے۔ گودِ زرہ طول میں مشرق سے مغرب تک سو میل اور عرض میں تیس میل ہے۔ دیکھو سائکس کی کتاب Persia صفحہ ۳۶۵ +

جاتے تھے، اور مزروعہ علاقے تباہ ہوجاتے تھے۔ اس مسلسل تیز ہوا سے یہاں کے لوگ اپنی ہواچکیاں چلاتے تھے۔ یہ ہواچکیاں اس ملک کی خصوصیات سے تھیں بہرکیف اس ریگ رواں سے ہر وقت خطرہ لگا رہتا تھا۔ ابن حوقل نے بہت تفصیل سے لکھا ہے کہ سنہ ۳۶۰ (۹۷۱ء) یا اس کے قریب کے زمانہ میں ایک مرتبہ زرنج کی جامع مسجد کس طرح ریت سے بالکل اٹ گئی تھی۔

چوتھی (دسویں) صدی میں زرنج کی یہی کیفیت تھی جو اوپر بیان ہوئی۔ مقدسی نے اپنی کتاب میں اسی کیفیت کا اعادہ کیا ہے۔ اس نے یہاں کے لوگوں کی دولتمندی اور علم و فضل کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ اور یہاں کے ایک مستحکم و متحصن قلعہ اور جامع مسجد کے دو مشہور میناروں کا حال بھی لکھا ہے۔ ان میں سے ایک مینار کو یعقوب بن لیث الصفّار نے تعمیر کرایا تھا۔ زرنج کا شہر صدیوں تک آباد و بارونق رہا یہاں تک کہ مغلوں کی یورش کے زمانہ میں جب سنہ ۶۱۹ (۱۲۲۲ء) میں چنگیز خاں نے اپنے جرگے سیستان کو تاراج کرنے کے لئے بھیجے تو معلوم ہوتا ہے کہ ملک کا دارالحکومت اس وقت تباہی سے بچ گیا، اور اس زمانہ کے بعد کچھ عرصہ تک وہ ایک مغل حاکم کے تحت میں رہا۔ آٹھویں (چودھویں) کے ابتدائی حصہ میں مستوفی نے زرنج کو (جس کا تلفظ اہل ایران زرنگ کرتے تھے) ایک بارونق شہر لکھا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ قریب کے بادیہ کے "ریگ رواں" سے شہر کو محفوظ رکھنے کے لئے ایک بڑا بند باندھا گیا تھا۔ مشہور تھا کہ اس بند کو شاہ گرشاسف نے تعمیر کرایا تھا، اور بعد میں جب وہ ٹوٹ گیا تو اسفندیار کے بیٹے بادشاہ بھمن نے اس کو درست کرایا۔ مستوفی نے زرنج کے باغوں کی تعریف کی ہے، جن میں نہایت عمدہ میوہ بکثرت ہوتا تھا۔ (نہر) سیاہ رود، جو دریائے ہلمند کی ایک شاخ سے نکالی گئی تھی، ان باغوں کو سیراب کرتی تھی۔ لیکن اسی صدی کے آخر میں یعنی ۷۸۵ھ (۱۳۸۳ء) میں تیمور اپنی فوجیں لئے ہوئے شہر کے سامنے پہونچا۔ یہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں

(۴۳۸)

پھر شمال کی طرف بہتا ہوا یہ دریا زرنج پہنچتا تھا۔ اور زرنج سے پھر مغرب کے رخ بہہ کر جھیل زرہ میں گر جاتا تھا۔

زرنج ایک مرحلہ یا تقریباً تیس میل رہ جاتا تھا کہ دریائے ھَلمُنْد کا پانی کئی بڑے بند باندھ کر آب پاشی کی ضروریات کے لیے روک دیا گیا تھا۔ اور یہیں پر دریا کے بڑے دھارے کا زیادہ تر پانی پانچ بڑی بڑی نہروں میں تقسیم ہوا تھا، جو شہر زرنج اور جھیل زرہ کی طرف بہتی ہوئی گئیں تھیں۔ اِن میں پہلی یا سب سے زیادہ جنوبی سمت والی نہر طعام تھی اور اِس سے وہ زمینیں اور کھیت سیراب ہوتے تھے جو شہر زرنج کے باب الطعام کے باہر واقع تھے۔ باب الطعام کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ اِن ہی زمینوں کا ایک حصہ علاقہ نیشک میں شمار ہوتا تھا۔ نہر طعام کے بعد (نہر) باشتروذ تھی۔ تیسری نہر کا نام سناروذ تھا، جو زرنج سے ایک فرسخ اِدھر ہی دریائے ھلمند کے بڑے دھارے سے نکلی تھی، اور زرنج کا پہنچنے کے لیے تری کا راستہ تھی۔ چنانچہ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ سیلاب کے زمانہ میں ایک مسافر بُست سے زرنج تک پورا راستہ کشتیوں سے طے کر سکتا تھا۔ چوتھی نہر جس سے تیس قریے سیراب ہوتے تھے، نہر شُعبہ اور پانچویں نہر مِیلا کہلاتی تھی۔ اِس مقام سے آگے بڑھ کر دریائے ھَلمُند کے بڑے دھارے میں جتنا پانی رہ جاتا تھا وہ ایک رود میں چلا جاتا تھا، جسے نہر کَرَک کہتے تھے۔ یہاں پھر آب پاشی کی غرض سے بند باندھ کر پانی روکا گیا تھا، اور صرف سیلاب کے زمانہ میں پانی اس بند کے اوپر سے بہہ کر براہِ راست جھیل زرہ پہنچتا تھا[1]۔

---

[1] اصطخری ص ۲۴۲ + ابن حوقل ص ۳۰۰، ۳۰۱ + مقدسی ص ۳۲۹ + یاقوت ج ۱ ص ۵۱۴ + ج ۲ ص ۲۷۲، ۹۹۲، ۹۹۳ + مستوفی ص ۲۱۶، ۲۲۲ + مقدسی نے جھیل زرہ کا نام بحیرۃ الصنات لکھا ہے لیکن غالباً یہ محض کتابت کی غلطی ہے +

طول تین فرسخ (سو میل) تھا۔ یہ طول قوہستان کے شہر کین سے سیستان کی سرحدی چوکی تک پیمائش کرنے سے حاصل ہوا تھا۔ یہ چوکی قنطرۂ کرمان کے قریب زرنج سے نرماسیر جانے والی سڑک پر تیسری منزل تھی۔ جھیل کا عرض اتنا فاصلہ شمار ہوتا تھا جو ایک دن کے سفر یعنی ایک مرحلہ کے [جو تقریباً تیس میل کا ہوتا تھا] برابر ہوتا تھا۔ پانی اس جھیل کا میٹھا تھا۔ تمام جھیل نرسل کے درختوں سے پٹی پڑی تھی، اور مچھلیاں اس میں بکثرت تھیں۔ اس کے کناروں پر سوائے بادیہ کے سمت کے مزارعین کے بستیاں اور آباد قریے بکثرت تھے۔ ان بستیوں کے لوگ مچھلیاں بکثرت پکڑتے تھے اور ان کو سکھا کر سوداگری کرتے تھے۔

جھیل زرہ میں زیادہ تر پانی ہلمند کے عظیم الشان دریا کا آتا تھا۔ اس دریا کو یاقوت نے بالکل صحیح طور سے "ہزار ندیوں والا دریا" لکھا ہے۔ اس نے اس کا نام ہندمند لکھا ہے، جسے ہیدمند بھی غالباً کتابت کی غلطی کی وجہ سے لکھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اس دریا کو ہیرمند بھی کہتے تھے۔ چنانچہ مستوفی نے اس کا ذکر اسی نام سے کیا ہے۔ مستوفی اسے آبِ زرہ یعنی (جھیل) زرہ کا دریا بھی لکھتا ہے۔ لیکن آج کل زیادہ تر ہلمند بولا جاتا ہے۔ اس بڑے دریا کا منبع اس پہاڑی سلسلہ میں ہے جو غزنہ اور بامیان کے درمیان واقع ہے، اور آج کل افغانستان کا ایک حصہ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن زمانہ وسطیٰ میں یہ علاقہ غور یا سلطنت غور کہلاتا تھا۔ جنوب مغربی راستہ اختیار کرکے یہ دریا اس عریض وادی میں سے جو زمین داور کہلاتی تھی، گزرتا ہوا شہر بست پہنچتا تھا۔ یہاں اس کے بائیں کنارے سے دریائے قندھار اس میں ملتا تھا۔ دریائے قندھار اس علاقہ کو سیراب کرتا تھا جو رخج کہلاتا ہے۔ دریائے ہلمند کو اپنے گزر میں سجستان خاص کا جو شہر سب سے پہلے ملتا تھا وہ بست تھا۔ یہاں سے دریا میں نصف دائرہ کی شکل میں ایک بڑا خم شروع ہوتا تھا۔ چنانچہ پہلے جنوب، پھر مغرب

(۳۳۹)

اُس کے مکانات کچے بنے ہوئے تھے، اور پٹی ہوئی نہروں (قناتوں) کے ذریعہ جو پہاڑیوں سے لائی گئی تھیں شہر میں پانی پہنچتا تھا۔ زِہ کا ذکر یاقوت اور مستوفی دونوں نے کیا ہے، لیکن کسی نے بھی سوائے اِس کے کچھ اور تفصیل نہیں دی کہ اِس شہر کو شاہ اَرْدشِیرْ بابگان نے بسایا تھا۔ بہرکیف آج کل اُس کے بڑے قلعہ کی ٹوٹی ہوئی فصیلوں اور دمدموں اور کھنڈروں سے جو دور تک پھیلے نظر آتے ہیں، اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ عہد وسطےٰ میں یہ شہر بہت بڑا ہوگا۔[۱]

اُن بڑے دریاؤں میں سے جو شمال کی طرف سے آکر جھیل زَرَہ میں گرتے ہیں، ایک دریا ہے جسے آج کل بارود کہتے ہیں، اور جو علاقہ اَسْفُزار (ہرات کے سُبزوار) سے نکلا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ عرب جغرافیہ نویسوں نے اِس کا کچھ ذکر نہیں کیا۔ بہرکیف انہوں نے دریائے فَرَہْ کا حال لکھا ہے جو علاقہ غُوز کے پہاڑوں سے نکلا ہے۔ وادی فَرَہ کے پہاڑی علاقہ سے نیچے اترتے ہی صوبہ سِجِسْتان میں داخل ہوکر فَرَہْ کے شہر سے گزرتا تھا۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ یہ شہر سطح زمین پر واقع تھا، اور (۴۱۱)

بقیہ حاشیہ صفحہ (۵۱۲) اس عبارت سے مصنف نے یہ مطلب کیسے نکالا کہ شہر کی فصیلیں اور دمدمے بہت مستحکم تھے۔ مترجم)

[۱] اصطخری ص ۲۴۲ + ابن حوقل ص ۳۰۰ + مقدسی ص ۳۰۶ + یاقوت ج ۴ ۔ ص ۱۷۴ + مستوفی ص ۱۸۳ + رام شہرستان کی جائے وقوع ٹھیک معلوم نہیں۔ سر ایچ رالنسن (Rawlinson) نے (جے، آر، اے، ایس، ۱۸۷۳ء ص ۲۷۴) اسے رَامْرُوْد کے مقام پر جس کے قریب ہی سِشِیلا کا قلعہ اب شروع ہوتا ہے، بنایا ہے جہاں بڑے بڑے کھنڈر موجود ہیں۔ ان کھنڈروں کو جنہیں غالباً آج کل شہرِ رُسْتَم کہتے ہیں، اے، ایچ، سیویج (Savage) نے مع ایک خاکہ کے اپنی کتاب Across the coveted Lands ج ۲ ۔ ص ۲۰۰ میں بیان کیا ہے۔ زِہ کے کھنڈروں کا حال سیمر سائکس نے اپنی کتاب Persia (صفحہ ۳۱۲) میں لکھا ہے۔

(۲۴۰) شروع زمانہ کے عرب جغرافیہ نویسوں کا بیان ہے کہ زَرَنج کا شہر قدیم ایرانی بادشاہوں کے عہد میں ابتداءً سِجِستان کا دارالحکومت نہ تھا، بلکہ اُن کا مستقر حکومت رام شہرستان کا شہر تھا، جسے اَبرشہریار بھی کہتے تھے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ریگ بیابان اس شہر کو پیوند خاک بنا چکی تھی۔ اِس کے کھنڈر مع مکانات کے کچھ سالم حصوں کے البتہ اِس صدی میں موجود تھے اور ریت میں سے نکلے ہوئے نظر آتے تھے۔ اِس قدیم دارالحکومت (اَبرشہریار) کا محل وقوع مبہم طور پر اس طرح بیان ہوا ہے کہ زرنج سے تین مرحلہ کے فاصلے پر اس شہر سے کرمان جانے والے مسافر کے بائیں ہاتھ کو دَراک کے قریب اور رَاسک کے بالمقابل اَبرشہریار واقع تھا۔ دراک اور راسک دونوں مقامات ایسے ہیں جن کا حال معلوم نہیں۔ مصنفوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ قدیم زمانہ میں اس شہر کو دریائے ہلمند سے نکلی ہوئی بڑی نہر کا پانی پہنچایا جاتا تھا، اور اسی سے اُس کے گرد و نواح کی زمینیں سیراب ہوتی تھیں لیکن وہ بند جو دریائے ہلمند پر بندھا ہوا تھا، اور جس کی وجہ سے اس نہر میں پانی آتا تھا، ایک بار کی ٹوٹ گیا، اور دریا کے پانی نے نہر کو چھوڑ کر دوسرا راستہ مستقلاً اختیار کر لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس پرانے شہر کے گرد و نواح کی تمام زمینیں بیابان ہوگئیں، اور تمام باشندوں نے وطن کو خیرباد کہہ کر زرنج کو جا بسایا۔

جھیل زَرَہ سے کسی قدر فاصلے پر مغرب کی طرف قُوہِستان کی سرحد پر اور بادیہ ایران (ہَفَاذَہ) کے کنارے نِہ یا نِیہ کا شہر آباد تھا، جسے شروع زمانہ کے عرب جغرافیہ نویسوں نے سِیسْتان کے شہروں میں شمار کیا ہے۔ مقدسی کا بیان ہے کہ اس شہر کی فصیلیں اور دمدمے بہت مستحکم تھے،

(حاشیہ) مقدسی (ص ۳۰۶) نے نِہ کے متعلق صرف ایک سطر لکھی ہے اور وہ یہ ہے:— ونِہ علیھا حصن وبھا جامع بناؤھم من طین وشربھم اکثرہ من قنی۔ نہ معلوم

جوین اور زرنج کے تقریباً بیچ میں بڑی سڑک ایک نہر کے پل پر سے گزری تھی۔ اُس نہر میں پانی اُس وقت آتا تھا جبکہ دریائے ہلمند طغیانی پر ہوتا تھا۔ پل سے چند فرسخ جنوب کی طرف کرکویہ کا بڑا شہر واقع تھا۔ یہ شہر زرنج سے شمال میں ایک منزل تھا، اور جیساکہ اوپر ذکر ہوچکا ہے، زرنج کے شمالی دروازے کا نام اسی مشہور کے نام پر باب کرکویہ تھا۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ کرکویہ میں خارجی آباد تھے اور یہاں بہت سے زاہد و عابد رہتے تھے۔ لیکن یہ شہر خاص کر ایک آتشکدہ کی وجہ سے مشہور تھا۔ ایران کے مجوسی اُس کا بہت احترام کرتے تھے۔ ساتویں (تیرھویں) صدی کے آخری حصے میں قزوینی نے اس آتشکدہ کا حال مفصل لکھا ہے، اور بیان کیا ہے کہ اس عمارت پر دو گنبد تھے۔ ان کی نسبت مشہور تھا کہ وہ ایران کے قومی ہیرو رستم کے افسانوی زمانہ کے بنے ہوئے تھے۔ ہر ایک گنبد پر ایک ایک سینگ ایسے رخ سے نصب کیا تھا کہ دونوں گنبد کے سینگوں کو دیکھئے تو بیل کے سر کے سینگ معلوم ہوتے تھے۔ یہ رستم کے تبرکات میں شمار ہوتے تھے۔ ان دونوں گنبدوں کے نیچے آتشکدہ تھا، جہاں آتش پاک کو کبھی بجھنے نہیں دیا گیا تھا۔ اس کے لئے ایک موبد مقرر تھا۔ جب وہ چلا جاتا تھا تو دوسرا فوراً اُس کی جگہ حاضر ہوجاتا تھا۔ اس کا کام یہ تھا کہ آگ سے بیس ہاتھ دور کھڑا رہے، اور منہ پر کپڑا باندھا ہوتا کہ اُس کے سانس سے آگ نجس نہ ہوجائے، اور جھاؤ کی لکڑی کے ٹکڑے ایک ایک بالشت کے چاندی کے چمچے سے پکڑ کر آگ میں ڈالتا رہے تاکہ آگ برابر جلتی رہے۔ قزوینی نے لکھا ہے کہ یہ آتشکدہ مجوسیوں کے اُن آتشکدوں میں سے تھا جن کا وہ سب سے زیادہ احترام کرتے تھے۔ کرکویہ سے قریب، زرنج سے تین فرسخ کے فاصلے پر کرونک[1] کا شہر تھا۔ یاقوت

[1] یاقوت (مطبوعہ مصر۔ ج ۷۔ ص ۲۴۷) نے اس کا تلفظ کرنک لکھا ہے۔ مترجم)

بڑا شہر تھا۔ اس کے مکانات کچے تھے، اور ساتھ گاؤں اس کے اعمال میں شامل تھے جن میں مزروعہ زمینیں تھیں۔ میوے بہت پیدا ہوتے تھے، خصوصاً کھجوریں۔ مقدسی نے بیان کیا ہے کہ فَرَہ کے دو حصے تھے ایک میں سُنّی مسلمان رہتے تھے اور دوسرے میں خارجی۔ اس شہر سے جنوب میں ایک مرحلہ کے فاصلے پر دریائے فَرَہ پر ایک پل تھا جسے قنطرۂ فَرَہ (فارسی میں پل فَرَہ) کہتے تھے۔ اسی پل پر سے زَرَنج کو جانے والی سڑک دریا کو اُس کے بائیں کنارے سے دائیں کنارے کی طرف عبور کرتی ہوئی گئی تھی۔ پل کے قریب ہی ایک شہر آباد تھا۔ شہر جُوَین سے شمال میں یہ پل چار دن کی مسافت پر تھا، اور ان دونوں کے وسط میں (ابن رستہ تحریر کے مطابق) ایک شہر تھا جسے کِہَن کہتے تھے۔ اس شہر سے مغرب کی طرف ایک فرسخ کے فاصلہ پر ریت کا ایک ٹیلہ تھا جس میں آواز کی عجیب کیفیتیں محسوس ہوتی تھیں۔ اس ٹیلے کے ریت پر اگر پانی یا کوئی چھوٹی چیز گرائی جاتی تھی تو ایک شور سا جیسے گرج ہوتی ہے سنائی دیتا تھا، اور اُس کے سننے سے خوف معلوم ہوتا تھا۔ البیرونی نے بھی، جس نے اپنی کتاب پانچویں (گیارھویں) صدی میں لکھی ہے، اس عجیب ٹیلے کا ذکر کیا ہے۔ ریگ رواں میں آواز کی یہی کیفیت آج کل ریت کے ان ٹیلوں میں بیان کی جاتی ہے جو سیجستان اور قُوہِستان کے درمیان ایک ریگستان قائم کرتے ہیں۔ زمانہ حال کے شہر لاش جُوَین کا حال، جسے دو ہرا شہر کہنا چاہیے، اور جو آج کل بہت بڑا مقام ہے، مقدسی نے کُوِین (فارسی: گُوِین) کے نام سے لکھا ہے، اور بیان کیا ہے کہ یہ ایک چھوٹا مگر خوب مستحصن شہر تھا۔ اس میں جامع مسجد تھی کیونکہ یہاں کے تمام باشندے خارجی تھے۔ مقدسی کے سوا زمانہ وسطیٰ کے اور مصنف اس مقام کا حال سوائے اس کے کچھ نہیں لکھتے کہ سڑک کے کنارے وہ ایک منزل کی حیثیت رکھتا تھا۔ شہر لاش کا نام کہیں نہیں آیا۔

کے نام پر نَرَیَنج کے مشرقی دروازے کا نام رکھا گیا تھا۔ دریائے خَاش بھی علاقہ غُوز کے پہاڑوں سے نکلتا ہے اخَواش کا شہر اسی کے کنارے نَرِیج سے ایک دن کی مسافت پر واقع ہے۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ خَواش اس علاقہ کا سب سے بڑا شہر تھا، اور یہاں کی کھجوریں مشہور تھیں۔ ساتویں (تیرھویں) میں جب یاقوت نے اپنی کتاب لکھی ہے تو شہر کے نام کا تلفظ خَاش ہونے لگا تھا۔ یہی تلفظ آج کل بھی ہے۔ خَواش سے چھوٹا لیکن اس علاقہ کا سب سے زیادہ مشہور شہر قَرنَین یا اَلقَرنَین تھا، جہاں خاندان صَفّارِیَہ کے دو بادشاہ یعقوب بن لیث اور عمرو بن لیث پیدا ہوئے تھے۔ قَرنَین بادیہ ایران کی سطح زمین پر خَواش کے شمال مغرب میں اس سے ایک مرحلہ کے فاصلے پر، فَرَہ جانے والی سڑک کے کنارے واقع تھا۔ ابن خُردادبہ نے لکھا ہے کہ یہاں کے لوگ اس مقام کے کچھ بچے کھچے نشانات دکھاتے تھے جہاں رستم کا گھوڑا بندھا کرتا تھا۔ مقدسی کا بیان ہے کہ قَرنَین ایک چھوٹا، مگر خوب متحصن شہر تھا، اور ایک ندی شہر میں سے بہتی ہوئی نکلتی تھی۔ شہر میں ایک جامع مسجد تھی، اور شہر کے باہر بستیاں [ربض] تھیں۔ مستوفی نے بھی قَرنَین کا تذکرہ کیا ہے، اور لکھا ہے کہ اس کے گرد و نواح کی زمینوں میں غلہ اور میوہ پیدا ہوتا تھا، اور یہ زمینیں بہت زرخیز تھیں۔

قَرنَین اور فَرَہ کے بالکل بیچ میں جَزَہ کا چھوٹا سا شہر تھا، جو وسعت میں تقریباً قَرنَین کے برابر تھا۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ بہت سے گاؤں اور خرمن گاہ جَزَہ کے اعمال میں شامل تھے۔ وجہ یہ تھی کہ شہر بڑے زرخیز علاقہ میں تھا اور بہتی ہوئی نہروں سے زمین خوب سیراب ہوتی رہتی تھی۔ شہر کے مکانات کچی اینٹوں کے تھے۔ یاقوت لکھتا ہے کہ اس کے زمانہ میں عام طور پر اس شہر کو گَزَہ بولتے تھے۔ علاقہ جو دریائے خَاش کے کناروں سے ملا چلا گیا تھا علاقہ نیشک کہلاتا تھا، اور جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے چوتھی (دسویں) صدی میں خوب آباد تھا۔ حُدودی لکھا

نے لکھا ہے کہ اسے بالعموم کُوَدن کہا جاتا تھا، اور اسی کرُودن کے نام سے یہ شہر اب تک موجود ہے۔ یاقوت کا بیان ہے کہ یہ ایک خوشگوار مقام تھا بہت سی نعمتیں یہاں پائی جاتی تھیں اور زیادہ تر خارجی پارچہ باف یہاں آباد تھے[1]۔

دریائے خاش، یا خواش[2]، دریائے فرہ اور دریائے ہلمند کے بیچ سے گزرتا ہوا جھیل زرہ میں گرتا ہے۔ ابن حوقل نے اس دریا کا نام نہر نیشک لکھا ہے؛ نیشک اس معمور مقام کا نام تھا جو زرنج کے بالکل مشرق میں واقع تھا، اور اوپر بیان ہوچکا ہے کہ اسی علاقہ

---

[1] ابن رستہ ص ۱۷۳۔ آواز پیدا ہونے والے ریت کے ٹیلے کے متعلق دیکھو البیرونی کی کتاب آثار الباقیہ۔ (عربی متن۔ ص ۲۳۴؛ انگریزی ترجمہ۔ مترجمہ زخاؤ۔ ص ۲۳۵)۔ "زمانۂ حال کے ریت کے ٹیلے کے متعلق بھی سے چنگ ایولی کی طرح کی آوازیں نکلتی ہیں"۔ دیکھو سرایف، گولڈسمڈ (Goldsmid) کی کتاب ایسٹرن پرشیا ۱۔ صفحہ ۳۲۷۔ اس مصنف نے اس عجیب ٹیلے کو دیکھا تھا۔ یہ مقبرہ امام زاید کے قریب قلعہ کاہ سے پانچ میل مغرب میں واقع ہے۔ اصطخری ص ۲۴۴۔ ابن حوقل ص ۳۰۴، ۳۰۲۔ مقدسی ص ۳۰۱، ۳۲۹۔ مستوفی ص ۲۱۵۔ قزوینی ج ۲۔ ص ۱۲۳۔ یاقوت ج ۳۔ ص ۲۱۴، ۸۸۸۔ ج ۴۔ ص ۶۳، ۲۴۲، ۲۴۳۔

[2] کو گویہ کی جاۓ وقوع غالبًا ان وسیع کھنڈروں میں تلاش کرنی چاہئے جو پنیشا قُودان کے جنوب میں واقع ہیں۔ یہاں دو صحرائیوں کا ایک پرانا پل ہے جسے لُکھنت پل کہتے ہیں۔ (مقابلہ کرو سرایف، گولڈسمڈ Goldsmid کی کتاب Eastern Persia ص ۳۱۵ ج۱)۔ ییٹ (Yate) کی کتاب Khurasan and Sistan ص ۱۰۸۔ کرکویہ کے آتش کدہ کو مجوسی میلیو کرکو کہتے تھے (یونانیوں اسیبولکا علم الاصنام کے مطابق ایولس (Aeolus) ہوا کا دیوتا تھا۔ چنگ ایولی ایسے چنگ کو کہتے ہیں کہ جب ہوا اس کے تاروں پر لگتی ہے تو تاروں سے خود بخود آواز نکلنے لگتی ہے۔)

[3] اس علاقہ میں کم از کم تین مقامات ایسے تھے جن کا نام خواش یا اس سے ملتا جلتا تھا۔ تفصیل یہ ہے کہ:۔ (۱) موجودہ زمانہ کا ایک دریا اور شہر جسے خاش کہتے ہیں۔ (۲) جبل قفص میں ایک شہر جس کا نام یہی ہے (دیکھو صفحہ حاشیہ ۲۱۰)۔ (۳) صوبہ مکران کا خواش (دیکھو صفحہ حاشیہ ۳۳۰)۔

اور بعد کے زمانہ کے مصنفوں نے تو اس کا مطلق ذکر ہی نہیں کیا۔

بُسْت تقریباً زَرَنج ہی کے عرض بلدمیں واقع ہے، اور زَرَنج سے جو سیدھی سڑک بُسْت کو گئی ہے وہ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا بالکل مشرق کی سمت میں حَرُوْرِی سے گزرتی ہوئی بادیہ کو طے کرتی ہے۔ بہرکیف (بُسْت کے قریب سے) دریائے ھَلْمُنْد نے سمت جنوب میں خم نصف دائرے کی شکل میں اختیار کیا ہے، جس کی وجہ سے دریا کے رہگزر کا طول دوچند ہوگیا ہے، اور نصف خم ختم ہونے پر دریا کے کنارے رُوْدبار کا شہر واقع ہے۔ بلاذری نے مسلمانوں کی پہلی فتوحات کے زمانہ میں غالباً اسی شہر کا ذکر کیا ہے۔ کیونکہ اُس نے اس شہر کا نام لیا ہے جسے الرُّوْذبار سِجِسْتَان کہتے تھے، اور جو قَنْدَھار کی سمت میں واقع تھا۔ اسی الرُّوْذبَار کے قریب کِشّ (یا کِس) واقع تھا غالباً یہ وہی مقام ہے جسے آج کل کاج یا کِھیْج کہتے ہیں اور جہاں کہیں رُوْذبَار کا ذکر عرب جغرافیہ نویسوں نے کیا ہے وہ محض ضمناً ہے۔ غالباً یہ وہی رُوْذبَار ہے جسے اصطخری نے بُسْت کے قریب علاقہ فیروز قند کا شہر لکھا ہے، جہاں مزارع اور کاشت کی زرخیز زمینیں تھیں لیکن جو چیز یہاں سے خاص طور پر درآمد کی جاتی تھی وہ نمک بیان ہوئی ہے۔ اسی نواح کا ایک دوسرا مقام الخَّالِقَان تھا، جس کا املا صالِقَان یا جالِقَان بھی کیا جاتا ہے۔ ابن حوقل نے اسے بُسْت سے ایک مرحلہ لکھا ہے، لیکن یہ نہیں بتایا کہ بُسْت سے اس کی سمت کیا تھی سفرناموں میں بالخَّالِقَان کا نام نہیں پایا جاتا۔ اس شہر میں زیادہ تر پارچہ باف بستے تھے، لیکن شہر کے گرد وسیع اور زرخیز زمینیں تھیں جنھیں متعدد ندیاں سیراب کرتی تھیں۔ چوتھی (دسویں) صدی میں الخَّالقان وسعت میں قرنین کے تقریباً برابر تھا۔

تُبت (یا بَسْت) دریائے ھَلْمُنْد کے کنارے جہاں اس ویلکا اتصال علاقہ قَنْدَھار والے دریا سے ہوا ہے واقع تھا، اور پیشہ

معور ستر یہ "سلطان کی ملک سے تھا"۔ یہ گاؤں اب تک موجود ہے اور خواش کے جنوب میں دریا کے کنارے اُس جگہ واقع ہے جہاں بُست سے آنے والی سڑک پختہ اینٹوں کے بنے ہوئے ایک پل پر سے دریائے خواش کو عبور کرتی ہے۔ سروذن کا گاؤں زرنج جانے والی سڑک پر دوسرا پڑاؤ تھا، اور حروذری اور سروذن کے درمیان زانبوق نہایت مخصن قصبہ تھا، جسے مقدسی نے وسعت میں جوین کے برابر بتایا ہے۔

زرنج سے شمال میں ایک دن کی مسافت پر الطّاق (یعنی محراب) کا بڑا شہر آباد تھا، لیکن سیاحت ناموں میں اس کا صحیح موقع بیان نہیں ہوا۔ یہ شہر بہت آباد تھا، اور مقدسی نے لکھا ہے کہ اس کے قریب کے قریوں میں انگور بہت پیدا ہوتا تھا[1]۔ ابوالفدا نے آٹھویں (چودھویں) صدی میں ان کی عبارت نقل کی ہے کہ یہ مقام، جسے اُس نے حصن الطاق لکھا ہے، ایک بلند پہاڑی کی چوٹی پر واقع تھا، اور یہ پہاڑی دریائے ھلمند کے ایک خم پر تھی، جہاں دریا کا بڑا دھارا اپنی نہریں زرنج کی طرف جاری کرنے کے بعد آخری مرتبہ مغرب کی طرف مڑ کر بہتا ہوا جھیل زرہ میں گرجاتا تھا۔ الطاق اور قلعہ یا حصن زرہ کے متعلق بیان ہوا ہے کہ زرنج پر حملہ آور ہونے سے عین قبل تیمور ان کو فتح کر چکا تھا۔ مسلمانوں کی ابتدائی فتوحات کے زمانہ میں اس علاقہ کے ایک اور قلعہ کا ذکر بھی کیا گیا ہے جس کا نام زالق تھا۔ بیان ہوا ہے کہ یہ قلعہ کرکویہ اور زرنج دونوں سے پانچ فرسخ کے فاصلے پر تھا[2]۔ اس سے زیادہ اس قلعہ کی نسبت اور کچھ معلوم نہیں

(۱) مقدسی (ص ۳۰۶) نے الطاق کے متعلق صرف اتنا لکھا ہے: الطَّاقُ صَغِیرۃٌ کثیرۃ الاعناب واسعۃ الرُّستاق (مترجم)+

(۲) بلاذری ص ۳۹۳ + ابن حوقل ص ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴ + گردیزی ص ۵۰ + مقدسی ص ۳۰۶ + یاقوت ج ۲، ص ۲۰۷ + ج ۴، ص ۲۷۶ + مستوفی ص ۱۸۵ + ابوالفدا ص ۳۴۳ + علی یزدی ج ۱، ص ۳۷۰ +

ہلمند گذرتا ہوا بست پہنچتا ہے اُسے عرب جغرافیہ نویس زمینِ داور لکھتے ہیں، اور آج کل بھی اِس علاقہ کا یہی نام ہے۔ یہ عربی نام ارض الداور یا بلاد الداور کا فارسی مترادف ہے، اور اس کے معنی دروازوں کی زمین کے ہیں، یا دروں کی زمین کے جن سے پہاڑوں میں داخل ہوتے تھے۔ زمانہ وسطیٰ کے دوران میں یہ ایک زرخیز اور بہت آباد علاقہ تھا۔ اور اُس کے چار بڑے شہر تھے یعنی: تَل (۲) دَرْتَل (۳) بَغْنِین (۴) شَرْوَان۔ بہت سے گاؤں اور مزارع بھی اس میں تھے زمینِ داور کا صدر مقام دَرْتَل یا دَرتل یا جیسا کہ اصطخری نے لکھا ہے، تَل تھا، اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی مقام ہے جس کا ذکر مقدسی نے دَاور کے نام سے کیا ہے۔ یہ ایک عمدہ اور بڑا شہر تھا، اور اِس میں ایک قلعہ تھا، جس میں سواروں کی فوج رہتی تھی۔ چوتھی (دسویں) صدی میں فوج کا قیام یہاں اِس وجہ سے رہتا تھا کہ اِس زمانہ میں غور کو جو سڑک گئی تھی اُس کے کنارے یہ ایک سرحدی قلعہ سمجھا جاتا تھا۔ تَل دریائے ہلمند کے کنارے بُست سے تین مرحلہ شمال میں واقع تھا۔ مسلمانوں کی پہلی فتوحات کے حالات میں بیان ہوا ہے کہ اِس شہر کے قریب ایک پہاڑ جبل الزُور واقع تھا جہاں ثمود یا زون کا بہت بڑا بت مسلمانوں کو غنیمت میں ملا تھا۔ یہ بت بالکل سونے کا تھا اور اُس کی آنکھیں یاقوت کی تھیں۔

دریائے ہلمند کے چڑھاؤ کے رُخ ایک مرحلہ کے فاصلے سے دریا کے اسی کنارے پر جس پر دَرْتَل تھا شہر دَرْغَش آباد تھا؛ اور دَرْتَل کے مغرب میں ایک مرحلہ کے فاصلے پر بَغْنِین اُس علاقہ میں تھا، جہاں قبائل خُلَنگ کے ترک آباد تھے۔ اِن ہی میں قبیلہ خلج بھی رہتا تھا، اِن خلجی ترکوں نے بعد کو مغرب کی طرف نقل مکان کیا۔ لیکن ابن حوقل نے چوتھی (دسویں) صدی میں لکھا ہے کہ یہ لوگ اپنی زندگی بہت قناعت سے زمینِ داور کے علاقہ میں بسر کرتے تھے،

وہ ایک بڑا شہر سمجھا گیا ہے۔ اصطخری نے لکھا ہے کہ اس کے دروازے پر کشتیوں کا ایک پل انہی پلوں کی وضع کا "جیسے کہ عراق میں پائے جاتے تھے" موجود تھا۔ زرنج سے جو سڑک آتی تھی وہ اس پل پر گزرتی تھی۔ چوتھی (دسویں) صدی میں بُست وسعت کے لحاظ سے صوبہ سجستان کے شہروں میں دوسرے درجے کا شہر تھا۔ یہاں کے رہنے والے خوشحال تھے' اور بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگ عراق والوں کا سا لباس پہنتے تھے اور ان میں اکثر ہندوستان سے تجارت کرنے والے سوداگر تھے۔ گرد ونواح کی اراضی نہایت زرخیز تھیں' جن میں کھجور اور انگور پیدا ہوتا تھا۔ (۳۴۵)
بُست مشرقی سجستان کے پہاڑی ملک کا جس میں زمین داور اور رُخج کے دو بڑے علاقے شامل تھے صدر شہر سمجھا جاتا تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ شہر اور اس کا علاقہ جس کے گرد وسیع بستیاں تھیں' دریائے خرد رُوخ (موجودہ ارگنداب) اور دریائے ہِیرمند (ھلمند) کے مقام اتصال سے ایک فرسخ شمال میں واقع تھا۔ اس میں ایک عمدہ جامع مسجد تھی اور بازاروں میں مال تجارت افراط سے تھا۔ اس سے نصف فرسخ کے فاصلے' اور غزنہ جانے والی سڑک پر العسکر تھا؛ اس کی تعمیر مثل ایک چھوٹے شہر کے ہوئی تھی' اور سلطان یہاں سکونت رکھتا تھا۔ ساتویں (تیرھویں) صدی میں یاقوت لکھتا ہے کہ بُست بالکل ویران ہو چکا ہے۔ اس نے یہاں کے باغوں کی کثرت کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ ایک گرم مقام تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے اواخر میں تیمور نے جو زرنج سے یہاں آیا تھا اس شہر اور اس کے گرد و نواح کے علاقہ کو تاخت و تاراج کیا' اور راستہ میں دریائے ھلمند کے بڑے بندوں میں سے ایک بند کو' جو بندِ رُستم کہلاتا تھا' مسمار کرا دیا۔ اس بند کی وجہ سے پانی کا وہ خزانہ قائم تھا جس سے تمام مغربی سیستان کی اراضی میں آب پاشی کے لئے پانی لیا جاتا تھا۔

کوہ ھندوکش سے گزرنے کے بعد جب عریض وادی سے دریائے

میں دریائے ترنک اور دریائے ارگنداب کے اتصال کے قریب ہے پنجوائی کا علاقہ زمانہ وسطیٰ میں بے انتہا زرخیز تھا اور یہاں سے اُون بہت افراط سے باہر بھیجی جاتی تھی جس سے سرکاری خزانہ کو بڑی آمدنی تھی۔ شہر بنجوے کے موقع کا تعین کرنا مشکل ہے۔ یہ بڑی سڑک پر بُست سے چار مرحلوں کے فاصلہ پر اُس جگہ واقع تھا جہاں سڑک کی دو شاخیں ہو جاتی ہیں، جن میں سے ایک شاخ شمال کی طرف بارہ مرحلہ طے کرنے کے بعد غزنہ اور دوسری شاخ مشرق کی طرف چھ مرحلوں کے بعد سیبی پہنچتی تھی۔ غالباً بنجوے قندہار سے کچھ دور نہ تھا، لیکن دونوں شہروں کا درمیانی فاصلہ کہیں بیان نہیں ہوا ہے۔ شہر بنجوے سے ایک فرسخ مغرب میں کوہک (تصغیر کوہ) نام ایک قلعہ تھا، اور اس قلعہ کے گرد ایک شہر تھا۔ شہر بنجوے کی فصیلیں اور مورچے بھی مستحکم تھے، اور اس شہر میں ایک خوشنما مسجد بھی تھی۔ پانی شہر کو قریب کے ایک دریا سے ملتا تھا۔

بنجوے سے ایک مرحلہ آگے، سیبی کی سڑک پر بکواز کا شہر تھا (جو اصل میں بکراباد ہے۔ اصطخری اور ابن حوقل نے اسے تکین آباد لکھا، جو غالباً کتابت کی غلطی ہے)۔ یہاں شہر کے بازار میں ایک جامع مسجد تھی، اور شہر ایک ندی پر واقع تھا، جو دریائے قندہار میں جا گرتی تھی۔

ہندوستان کی سرحد کے قریب جن مقامات کو مسلمانوں نے شروع میں فتح کیا اُن کے حالات میں قندہار (یا القندہار) کے شہر کا ذکر اکثر آتا ہے۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ بادیہ ایران کو طے کرنے کے بعد سیستان سے مسلمان یہاں پہنچے تھے اور انھوں نے دریا کی طرف کشتیوں میں بیٹھ کر اس شہر پر حملہ کیا تھا اور البد کے بڑے بت کو، جو غالباً مہاتما گوتم بدھ کا بت تھا، توڑا تھا۔

اور وضع قطع ترکوں کی رکھتے تھے زمین داور کا پانچواں شہر خواش تھا (اس نام کا املا وہی ہے جو دریائے خواش کے کنارے والے شہر کا ہے جس کا ذکر ابھی ہو چکا ہے)۔ اصطخری نے لکھا ہے کہ خواش کے گرد فصیل نہ تھی، لیکن اُس کی حفاظت کے لئے ایک قلعہ تھا افسوس ہے کہ اس شہر کا موقع بیان نہیں کیا گیا، لیکن بعض مصنف اُسے کابل کے اعمال میں شمار کرتے ہیں۔

بُست اور دَرْتَل کے درمیان اور دَرْتَل سے جنوب میں ایک مرحلہ کے فاصلہ پر سَروان یا شَروان کا شہر تھا، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دریائے ہلمند کے کنارے پر نہ تھا۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ شروان وسعت میں قرنین کے برابر تھا، لیکن آبادی اور ثروت کے لحاظ سے اُس سے بڑھا ہوا تھا۔ میوہ خصوصاً کھجور اور انگور بکثرت سروان اور فیروز قند کے علاقوں سے باہر بھیجا جاتا تھا۔ علاقہ فیروز قند علاقہ شروان کے جنوب میں بُست سے ایک مرحلہ مشرق کی طرف تھا[1]۔

علاقہ رُخج، جو قندھار کے گرد و نواح کا ملک تھا، بُست کے مشرق میں ان دریاؤں کے کنارے پھیلا تھا، جو آج کل ترنک اور اَرْغنداب کہلاتے ہیں۔ زمانہ وسطیٰ میں رُخج کا صدر مقام پنجوے تھا؛ جو فارسی الفاظ پنج وائے (یعنی پانچ دریا) کی معرب شکل ہے، اور یہی نام اِس علاقہ کا اب تک ہے جو قندھار کے مغرب

---

[1] بلاذری ص ۳۹۴ + اصطخری ص ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۸ + ابن حوقل ص ۳۰۲، ۳۰۴ + مقدسی ص ۳۰۵ + یاقوت ج ۲۔ ص ۱۵۴ + ج ۴۔ ص ۲۰۰ + زمین داور کے اِن شہروں میں سے اب کوئی بھی باقی نہیں ہے، لیکن قیاس ہوتا ہے کہ دارالحکومت دَرْتَل تقریب قریب اسی جگہ واقع ہوگا جہاں آج کل گِرِشک کا شہر ہے۔

سِینِیز کے شمال میں علاقہ زُرنج کے شہر بَنجُوَیۂ کو جانے والی سڑک پر سِینِیز سے دو مرحلے کے فاصلے پر آباد تھا۔ مَسْتَنگ یا مُسْتَنج کے شہر کا ذکر بھی اصطخری اور مقدسی نے کیا ہے اور انھوں نے اس علاقہ کے بہت سے قریوں کے نام بھی گنوائے ہیں۔ بیان ہوا ہے کہ اس علاقہ میں دو ہزار دو سو گاؤں تھے لیکن اِن میں سے کسی کا تفصیلی حال بیان نہیں ہوا[۱]۔

غَزنَہ یا غزنِین کی شہرت تاریخ میں چوتھی صدی ہجری کے آواخر (یعنی گیارھویں صدی عیسوی کے اوائل) میں سلطان محمود غزنوی کے دارالسلطنت ہونے کی وجہ سے ہوئی۔ یہ سلطان ایک زمانہ میں شرق میں ہندوستان اور غرب میں بغداد دونوں کا مالک تھا۔ افسوس ہے کہ غَزنَہ کے اُس وقت کے حالات ہم تک نہیں پہونچے جب کہ سلطان محمود نے ہندوستان پر حملے کرکے اُس کے مالِ غنیمت سے اس شہر کو دوبارہ تعمیر کرایا اور زیب و زینت بخشی۔ اس زمانہ سے ایک مُدت قبل اصطخری نے لکھا ہے کہ غَزنَہ بامِیان کی مثل تھا جہاں عمدہ ندیاں تھیں اور باغ کم تھے[۲]۔ اُس نے یہ بھی لکھا ہے کہ اِس نواح [نواحِ بلخ] کا کوئی شہر سوداگروں اور مالِ تجارت کے لحاظ سے اتنا دولتمند نہ تھا جتنا کہ غَزنَہ تھا کیونکہ یہ شہر ہندوستان کا بندرگاہ [فرضۃ الہند] تھا۔ مقدسی نے ایک لمبی فہرست ان علاقوں اور شہروں کی نقل کی ہے جو غَزنَہ کے اعمال میں شامل تھے لیکن ان میں سے اکثر نام ایسے ہیں کہ جن کو آج کل کے کسی مقام سے مطابق کرنا ناممکن ہے۔ اِس مصنف نے شہر کا نام بصیغہ تثنیہ غَزنِین لکھا ہے۔

---

[۱] اصطخری ۲۴۹، ۲۴۸، ابن حوقل ص ۳۰۱۔ مقدسی ص ۲۹۷۔

[۲] (اصطخری (ص ۲۸۰) نے لکھا ہے کہ غزنہ میں نہ تو باغ تھے اور نہر۔ اُس کے الفاظ حسب ذیل ہیں "لا بساتین لھا ولا نھر"۔ مترجم)

اس زمانہ کے بعد مقدسی، ابن رستہ اور یعقوبی کی تصانیف میں قندھار کا ذکر اتفاق سے کہیں آجاتا ہے، اور وہ اس کو بالعموم سندھ کی سرحد کا ایک شہر لکھتے ہیں۔ افسوس ہے کہ شروع زمانہ کے کسی سیاحت نامہ میں قندھار کا ذکر نہیں ہوا۔ صوبہ سجستان کے باقاعدہ حالات جو اصطخری اور ابن حوقل نے لکھے ہیں ان میں اس شہر کا نام تک نہیں آتا۔ ممکن ہے کہ زمانہ وسطیٰ کے شروع میں قندھار کی جگہ پنجوے کو حاصل رہی ہو، کیونکہ یاقوت نے قندھار کے شہر کا حال مطلق نہیں لکھا۔ مسلمانوں کی پہلی فتح کے بعد اس شہر کا ذکر اس زمانہ کے تاریخی حالات میں آتا ہے جب کہ پہلی مرتبہ مغلوں نے ساتویں (تیرھویں) صدی کے اوائل میں اور دوسری مرتبہ تیمور نے آٹھویں (چودھویں) صدی کے اواخر میں اس کو تاراج کیا ہے[1]۔

سیبی کے گرد و نواح کے علاقہ کا نام عرب جغرافیہ نویسوں نے بالِس اور بشکل دیگر بالِش یا والِشتان لکھا ہے۔ اصطخری کی تحریر کے مطابق اس علاقہ کا صدر مقام سیبی تھا جس کا املا سیوِی یا سِیوَہ بھی کیا جاتا ہے لیکن علاقہ کا حاکم بالعموم القصر (یعنے قلعہ) میں سکونت رکھتا تھا۔ یہ اَلقصر ایک چھوٹا سا شہر اَسفنجاء یا سَفنجوے کے مقام سے ایک فرسخ کے فاصلے پر واقع تھا۔ آسفنجاء اس علاقہ میں دوسرے درجے کا شہر تھا۔ اس کا صحیح موقع اب تک دریافت نہیں ہوا۔ صرف اس قدر معلوم ہے کہ وہ

---

[1] بلاذری ص ۴۳۴، ۴۴۵ + اصطخری ص ۲۴۴، ۲۵۰ + ابن حوقل ص ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۵ + مقدسی ص ۳۰۵ + یاقوت ج ۴ ص ۱۸۳ + علی یزدی ج ۱ ص ۲۷۶ + ڈاکٹر اسٹک، ڈبلیو بیلیو (Bellew) کی کتاب From the Indus to the Tigris ص ۲۰۱+

قندھار کے بالائی حصوں کے پہاڑی علاقہ کو عرب زابلستان کہتے تھے
اس لفظ کے معنی مبہم ہیں، لیکن زابلستان سے بالخصوص وہ علاقہ مراد
لیا جاتا ہے جو غزنہ کے گرد واقع تھا۔ اس کے مقابل کابلستان
یعنی کابل کا ملک تھا، جو زیادہ شمال میں بامیان کی سرحد پر واقع تھا۔
یہی تقسیم ہے کہ جو تیموری فتوحات کی تاریخوں میں ملتی ہے تیسری
(نویں) صدی میں یعقوبی کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسی
زمانہ سے کابل میں سوداگر بکثرت آنے لگے تھے۔ اور یہاں
سے کابلی اہلیلج یعنی اہلیلج کابلی،[1] لے کر اپنے ملکوں کو جاتے تھے۔
یعقوبی نے لکھا ہے کہ اس زمانہ میں کابلستان کا بڑا شہر جرْوس کہلاتا
تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں اصطخری نے اس کا نام طابان
لکھا ہے، مگر معلوم یہ ہوتا ہے کہ کابل کا نام بھی عام طور پر مستعمل
تھا لیکن زیادہ تر مراد اس سے کابل کا علاقہ ہوتا تھا نہ کہ شہر۔
یہاں ایک مشہور قہندز یا قلعہ تھا، اور شہر جس میں جانے کا

[1] کابلی اہلیلج کا مترادف مصنف نے انگریزی میں لفظ مائروبلن (Myrobalon)
لکھا ہے، اور اس کی شرح حسب ذیل کی ہے:- زمانہ وسطیٰ میں (یورپ میں)
مائروبلن سے مراد چند کسیلے ذائقہ کے خشک پھل اور پھلوں کے مغز ہوتے تھے
یہ سب پھل ہندوستان سے یورپ میں لائے جاتے تھے۔ اس زمانہ کی دواؤں
میں ان کی آمیزش بہت پر تاثیر سمجھی جاتی تھی۔ مائروبلن کا لفظ یونانی الاصل ہے۔ ہندوستان
کے جو پھل اس مرکب میں پڑتے تھے وہ مختلف قسم کے ہوتے تھے۔ بہترین مائروبلن کی
اقسام میں سے وہ قسم تھی جسے کیبولک (یعنی کابلی) کہتے تھے۔ عربوں نے اس
دوا کا نام (جو بجائے پھل کے اب دوا کا حکم رکھتی تھی)، اہلیلج یا ہلیلج رکھا تھا۔
ابن بیطار نے اپنی کتاب قاموس الادویہ (مصححہ ڈاکٹر [illegible]، سونتھیمر ج ۱۔ ص ۱۲۳،
ج ۲۔ ص ۵۷۲) میں اس دوا پر دو مضامین لکھے ہیں اس کے علاوہ دیکھو ڈوزی کی کتاب Supple
ment aux Dictionnaires Arabes مضمون اہلیلج اور Glossary.

لیکن یہ نہیں لکھا کہ اِن "دو غزنیون" سے اُس کی مراد کون سے دو شہر تھے۔ بہرکیف بعد کے زمانہ میں بجائے غَزْنَہ کے زیادہ تر غَزْنِین ہی استعمال ہوا ہے۔ مقدسی نے یہ بھی لکھا ہے کہ غَزْنِین اور کابل کے درمیان کا علاقہ کابِلِستان کہلاتا تھا۔[1]

سلطان محمود جب ہندوستان سے مال غنیمت لے کر واپس آیا تو ۴۲۱ھ (۱۰۳۰ء) میں اسی دولت سے اُس نے غَزْنَہ کو دوبارہ تعمیر کرایا۔ پھر یہ شہر شان و شوکت میں اپنے انتہائی عروج کو پہنچ گیا۔ اُس کی یہ حالت ایک صدی سے زیادہ عرصہ تک قائم رہی۔ ۵۴۴ھ (۱۱۴۹ء) میں سلطان علاء الدین غوری الملقب بہ جہان سوز نے اپنے بھائی کے خون کا بدلہ لینے کے لئے" جسے سلطان بہرام شاہ غزنوی نے قتل کرا دیا تھا۔ غَزْنَہ کو حملہ کر کے فتح کیا اور لوٹ کر جلا ڈالا۔ اِس حادثہ کے بعد غزنہ پھر کبھی نہ پنپا۔ سلطان محمود کا مقبرہ جو مسجد میں تھا، یا تو اُس کو اُس وقت بچا لیا گیا، اور یا بعد کو اُس کی درستی کی گئی۔ بہرکیف آٹھویں (چودھویں) میں ابن بطوطہ نے اِس مقبرہ دیکھا تھا۔ یہ سیاح لکھتا ہے کہ اِس وقت غَزْنَہ کا بہت بڑا حصہ ویران ہے، حالانکہ کسی زمانہ میں وہ ایک عظیم الشان شہر تھا۔ اس کے ہم زمانہ مستوفی کا بیان ہے کہ یہ ایک چھوٹا سا شہر تھا، اور بلندی پر واقع ہونے کی وجہ سے اس کی آب و ہوا سرد تھی۔ لیکن اِس نے کوئی تفصیل ایسی نہیں دی جو قابل ذکر ہو۔[1]

(۴۴۹) جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، دریائے ہَلْمَنْد اور دریائے

[1] اصطخری ص ۲۸۰ + ابن حوقل ص ۳۲۸ + مقدسی ص ۲۹۶، ۲۹۷ + ابن بطوطہ ج ۳ ص ۸۸ + مستوفی ص ۱۸۴ + افسوس ہے کہ عتبی نے محمود غزنوی کی تاریخ میں دار السلطنت کا مفصل حال بالکل نہیں لکھا۔ دیکھو سر ایچ یول (Yule) کا مضمون غَزْنَہ پر مندرجہ Encyclopaedia Britanica (اشاعت نہم) ج ۱۰ ص ۵۰۶۔ اس مضمون میں شہر کا ایک نقشہ بھی ہے۔

وجود میں آیا ہے۔ اس دریا کے شرقی منبع پر چاندی کی مشہور کانیں تھیں، جن کو عرب بَنجَہِیر کہتے تھے۔ (یہ لفظ دراصل پنج ھیر ہے جس کے معنے "پانچ پہاڑیوں" کے ہیں)۔ ان کانوں سے چاندی بڑی مقدار میں نکالی جاتی تھی۔ تیسری (نویں) صدی میں خاندان صفاریہ کے زمانہ میں بنجہیر کو دارالضرب ہونے کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ جو درہم یہاں بنائے جاتے ان پر عباسی خلیفہ کا نام بھی ضرور ہوتا تھا۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ بنجہیر ایک پہاڑی پر واقع تھا، اور اس میں کانوں میں کام کرنے والے دس ہزار آدمی آباد تھے۔ یہ بڑے سرکش لوگ تھے، اور اکثر فساد برپا کرتے رہتے تھے [وعلی اھلہا العیث والفساد] قریب ہی جاربایہ، کا شہر تھا یہ بھی دریائے بنجہیر یا دریائے کابل کے کنارے آباد تھا، اور یہیں سے یہ دریا شہر فروان کے پاس سے گزرتا ہوا ھندوستان کی سطح زمین میں پہنچ جاتا تھا۔ فروان بڑا شہر تھا، اور اس ایک مسجد تھی۔ مقدسی نے علاقہ آسکیمشت کے شہر مشیان کا ذکر کیا ہے، جہاں ایک عجیب چشمہ تھا، اور ایک مسجد تھی جسے عرب سپہ سالار قتیبہ بن مسلم الباہلی نے تعمیر کرایا تھا۔ مسلمانوں کی پہلی فتح کے وقت، جو بنی اُمیہ کے زمانہ میں ہوئی، اسلامی فوجیں اسی سپہ سالار کی سرکردگی میں تھیں۔ یاقوت نے ان چاندی کے کانوں اور یہاں کے فتنہ پرداز کان کنوں کا حال تفصیل سے لکھا ہے۔ اس میں بیان کیا ہے کہ پہاڑ کے پہلو میں جگہ جگہ کھود کر غار پیدا کردیے تھے، اور یہاں بالکل زمین کے اندر اتر کر مشعلوں کی روشنی میں لوگ کام کرتے تھے۔ یہاں کے لوگ ہر وقت ایک جوا سا کھیلتے رہتے تھے۔ ایک دن میں امیر ہوگئے اور دوسرے دن بھیک مانگنے کی نوبت آئی۔ ان کو ذرا تامل نہ ہوتا تھا کہ کان میں کسی نئی جگہ کھودنے میں (۳۰۰۰۰) درہم (یعنی تقریباً ۱۸۰۰۰ روپیہ) بلا خوف وخطر صرف کر ڈالیں۔ ان کانوں کی تباہی کا باعث چنگیز خاں ہوا۔

صرف ایک راستہ تھا، مورچوں اور دموں سے خوب مستحکم تھا۔ یہ مقام ہندوستان کے مال کی بڑی تجارت گاہ تھا، اور یہاں دس لاکھ دینار (یعنی تقریباً پچیس لاکھ روپیہ) سالانہ کا نیل ہندوستان سے لایا جاتا تھا تاکہ دوسرے ملکوں کو دساور کیا جائے۔ اس کے علاوہ ہندوستان اور چین کی اور بہت سی قیمتی چیزیں یہاں ذخیرہ کی جاتی تھیں۔ چوتھی (دسویں) صدی ہی سے یہ کیفیت تھی کہ کابل میں مسلمانوں، یہودیوں اور بت پرستوں کے رہنے کے محلے الگ الگ تھے، اور شہر کے باہر کی بستیاں، بازار، اور سوداگروں کے انبارخانے سب بہت شہرت رکھتے تھے۔ مقدسی نے یہاں کے قلعہ میں ایک عجیب و غریب کنویں کا ذکر کیا ہے۔ اس مصنف کی نظروں میں کابل بالکل ہی الہلیلج کا ملک [بلد هلیلج الرفیع] تھا۔ کابلستان کو وہ سجستان کا ایک دور افتادہ علاقہ تصور کرتا ہے۔ قزوینی ساتویں (تیرھویں) صدی میں لکھتا ہے کہ اس زمانہ میں ایک خاص قسم کی سانڈنیاں جو بختی کہلاتی تھیں، بہت مشہور تھیں، اور تمام وسط ایشیا میں وہ بہترین سمجھی جاتی تھیں۔ ابن بطوطہ، جو آٹھویں (چودھویں) صدی میں کابل آیا تھا، لکھتا ہے کہ کابل کی حیثیت بگڑتے بگڑتے محض ایک گاؤں کی سی رہ گئی ہے۔ اس میں ایک گروہ ایرانیوں کا آباد ہے جنہیں افغان (الافغان) کہتے ہیں۔ (۳۵۰)

دریائے کابل دریائے سندھ کا ایک معاون ہے، اور دو ندیوں کے ملنے سے، جو کابل کے شمال میں کوہ ہندوکش[1] سے نکلتی ہیں،

بقیہ حاشیہ صفحہ (۵۲۷) مصنفہ یول اور برنل مضمون Myrobalan of Anglo-Indian Terms.

[1] ہندوکش کا نام سب سے پہلے ابن بطوطہ نے (ج ۳۔ ص ۸۴) لکھا ہے، ورنہ شروع زمانے کے عرب جغرافیہ نویسوں نے یہ نام استعمال نہیں کیا۔ ابن بطوطہ نے اس کی وجہ تسمیہ یہ بتائی ہے کہ ہندوستان کے بہت سے غلام ایران جاتے ہوئے ان پہاڑوں کو طے کرنے میں مر جاتے تھے۔

دور آگے چل کر فَرَہ کے شہر میں پہنچ جاتی تھی۔ فَرَہ سے تین مراحل پر اسفزار (یا سبزوار ہرات) کا شہر تھا، اور یہ خراسان کا پہلا شہر تھا جو اس راستے پر ملتا تھا۔ افسوس ہے کہ اس زرنج سے ہرات والی سڑک کے فاصلے فرسخوں میں بیان نہیں ہوئے، بلکہ صرف یومیہ مسافت یعنی مراحل کے حساب سے بیان کئے گئے، اور اصطخری اور ابن حوقل کی تحریر ہی صرف ان کی سند ہے[1] اس کے علاوہ بہت سی منزلوں کے نام جس املا میں لکھے گئے ہیں وہ بھی یقینی نہیں۔

زَرَنج سے مشرق کی طرف سڑک شہر حَرُوذِی کو جاتی تھی، جو دریائے خَواش کے کنارے تھا، اور یہاں سے سیدھی بادیہ ایران کو طے کرتی ہوئی پانچ مرحلوں میں شہر بُسْت کو پہنچتی تھی۔ بُسْت سے دو سڑکیں ہوجاتی تھیں۔ ایک دریائے ہَلمند کے بالائی حصہ کے علاقہ، یعنی زمین دَاوَر کو اور دوسرے علاقہ رُخج کے شہر پَنجوَائے کو گئی تھی، جو نواح قَنْدَھار میں تھا۔ پنجوائے سے پھر دو سڑکیں ہوجاتی تھیں۔ ایک شمال مشرق کی طرف غَزْنَہ اور دوسری اَسْفَنجاء کے شہر میں سے گزرتی ہوئی سِیْبِی گئی تھی۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ان سڑکوں پر بھی مقامات کے فاصلے صرف مرحلوں میں بیان ہوئے ہیں، اور منزلوں کے بہت سے نام یقینی طور پر معلوم نہیں کئے جاسکتے ہیں[2]

---

[1] ابن رستہ ص ۱۷۴ + اصطخری ص ۲۴۸ و ۲۴۹ + ابن حوقل ص ۳۰۴، ۳۰۵ + مقدسی ص ۳۰۵ +

[2] اصطخری ص ۲۴۹-۲۵۲ + ابن حوقل ص ۳۰۵-۳۰۷ + مقدسی ص ۳۴۹، ۳۵۰ +

ابن بطوطہ، جس نے یہاں سے قریب ایک چشمے کے نیلے پانی کا ذکر کیا ہے جس وقت آٹھویں (چودھویں) صدی میں یہاں پہنچا ہے تو اس کو ایک کان بھی چلتی ہوئی نظر نہ آئی، بلکہ جہاں پہلے چاندی نکالی جاتی تھی وہاں صرف غار اور گڑھے دکھائی دیئے۔

(۲۵۱) سجستان میں پیداوار کی اقسام بہت کم تھیں۔ مقدسی نے صرف اتنا لکھا ہے کہ یہاں کھجور کے پتوں کے ٹوکرے جنھیں زنبیل کہتے تھے، دساور کے لئے بنائے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ یہاں کھجور کے ریشوں کی رسیاں اور زنسلوں کے بورے تیار کئے جاتے تھے[1]۔

سجستان میں جتنی بڑی سڑکیں تھیں وہ سب زرنج کو آتی تھیں ان میں سے اول بادیہ ایران والی سڑک تھی جو نرماسیر سے شروع ہوکر سنیج ہوتی ہوئی زرنج آئی تھی۔ اس کا ذکر اس سے پہلے کے باب میں ہو چکا ہے۔ زرنج سے شمال کی طرف ایک سڑک ھرات کو گئی تھی۔ یہ زرنج سے کرکویہ پہونچتی تھی اور وہاں سے دریائے ھلمند کی ایک نہر کو، جس میں طغیانی کے زمانہ میں پانی آجاتا تھا، ایک پل کے ذریعہ عبور کرکے جوین پہنچتی تھی، جو دریائے فرہ کے کنارے آباد تھا۔ جوین سے یہی سڑک شہر فرہ کو اس طرح گئی تھی کہ دریائے فرہ کے چڑھاؤ کے رخ اس کے کنارے کنارے پل فرہ تک (جس کا ذکر صفحہ حاشیہ ۱۳۴ پر ہوا ہے)، آکر پل اترنے کے بعد کچھ

---

[1] یعقوبی۔ ص ۲۹۰، ۲۹۱+ اصطخری۔ ص ۲۷۸، ۲۸۰+ ابن حوقل۔ ص ۳۲۷، ۳۲۸+ مقدسی۔ ص ۲۹۷، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۲۴+ یاقوت ج ۱۔ ص ۳۷۴+ ج ۲۔ ص ۴۴۹+ ج ۳۔ ص ۴۵۴+ قزوینی۔ ج ۲۔ ص ۱۶۲+ علی یزدی، ج ۲۔ ص ۵۵۸+ ابن بطوطہ۔ ج ۳۔ ص ۵۸، ۵۹+ مستوفی۔ ص ۱۸۸+

چوتھی (دسویں) صدی میں یہاں کے خانہ بدوش باشندے کرد تھے، جو بھیڑوں اور اونٹوں کے بڑے بڑے گلوں کے مالک تھے۔ اس میں شک نہیں کہ مارکوپولو نے جس کو سلطنت "تونوکین" (Tunocain) لکھا ہے اُس سے مراد یہی صوبہ ہے۔ اس نے غالباً یہ خیال کیا کہ اس صوبہ کے دو بڑے شہروں (یعنی تون اور قاین) کے نام اس پورے صوبہ کا نام ہیں۔[1]

صوبہ قوہستان کا صدر مقام قاین تھا، جس کی نسبت ابن حوقل نے لکھا ہے کہ ایک بڑا مضبوط قلعہ اُس کی حفاظت کرتا تھا اس قلعہ کے گرد خندق تھی، اور قلعہ کے اندر ہی دارالامارۃ اور جامع مسجد تھی۔ شہر میں پانی زیر زمین ندیوں سے آتا تھا۔ لیکن باغ زیادہ ثمر آور اور متعدد نہ تھے، کیونکہ جاڑے میں سردی بہت پڑتی تھی۔ ابن حوقل نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہاں ایک مقام پر جو قاین سے دو دن کی مسافت ہے نیشاپور جانے والی سڑک پر آتا تھا ایک قسم کی مٹی ہوتی تھی جو کھائی جاتی تھی۔ اسے طین نجاحی کہتے تھے۔ اس نے لکھا ہے کہ یہ مٹی قرب وجوار کے علاقوں کو فروخت کرنے کے لئے بھیجی جاتی تھی، اور لوگ اس کو خوب کھاتے تھے۔ ۴۴۴ھ (۱۰۵۲ء) میں ناصر خسرو قاین آیا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ اندرونی شہر کی شکل و صورت ایک بڑے مضبوط قلعے کی سی تھی۔ جامع مسجد کے مقصورہ کا طاق اتنا بلند تھا کہ اُس کا ثانی تمام خراسان میں نہ تھا۔ شہر کے تمام مکانات میں سپاٹ

---

[1] اصطخری ص ۲۷۳ + ابن حوقل ص ۳۲۴، ۳۲۵ + مقدسی ص ۳۰۱ + مارکوپولو (شائع کردہ یول) ج ۱۔ ص ۸۷، ۱۳۱ + عربوں نے اس صوبہ کا اطلاق (ف سے) قوہستان کیا ہے۔ فارسی زبان میں اس کو کوہستان ہی کہتے ہیں۔ لیکن اکثر ان دونوں ناموں سے واؤ حذف کرکے کہستان اور قہستان بھی لکھتے ہیں۔

(۲۵۲)

باب بست و پنجم

قوہستان

مارکو پولو نے اس صوبہ کا نام تونوکین (Tunocain) لکھا ہے۔ قاین اور تون۔ ترشیز اور علاقہ بُشت۔ زردشت کا سرو کا درخت۔ زاوہ۔ بوزجان اور علاقہ زم۔ باخرز کا علاقہ اور مالن خواف زیر کوہ دشت بیاض۔ گناباد اور بجستان۔ کھجوروں والا طبس۔ خوست یا خوسف۔ برجند اور مومن آباد۔ طبس مسینان اور دُرہ۔

عرب کے جغرافیہ نویس سجستان کی طرح صوبۂ قوہستان کو بھی خراسان کے اعمال میں شمار کرتے تھے۔ قوہستان کے معنے ہیں "پہاڑ کی جگہ" اور اسی قابل امتیاز طبعی خصوصیت کی بنا پر صوبہ کا یہ نام ہوا۔ ایک طرف اونچی اونچی پہاڑیاں تھیں اور مقابل میں سجستان کی نیچی زمینیں، جو قوہستان کے مشرق میں دریائے ہلمند کے ڈیلٹا پر واقع تھیں۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ بلندی کی وجہ سے قوہستان کے زیادہ تر حصہ میں موسم سرد رہتا تھا، اور کھجور کا درخت اس صوبہ میں صرف طبس گیلکی میں ہوتا تھا، جو بادیہ ایران کے کنارے واقع تھا

باہر والی بستی کے کوچے اور بازار تھے۔ شہر کے گرد و نواح کی زمینیں بہت زرخیز تھیں۔ زرخیزی کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ بارش کے پانی کو جمع کرنے اور اس کو روکے رکھنے کے لئے یہاں کے لوگوں کو بند باندھنے خوب آتے تھے۔ ان ہی زمینوں میں تربوز بوئے جاتے تھے، جن کی شیرینی مشہور تھی۔ یہاں غلہ اور میوہ بہت پیدا ہوتا تھا، اور ریشم بھی بڑی افراط سے حاصل کرتے تھے، کیونکہ تون کی آب و ہوا معتدل تھی، اور بہتی ہوئی نہریں بھی کثرت سے تھیں[1]۔ ۱۴۲

قوہستان کے شمال مغربی گوشہ میں بُشت یا پُشت یا بُشت العَرَب کا علاقہ ہے، جس کے بڑے شہر تُرشیز اور کُندُر تھے[2]۔ عرب جغرافیہ نویسوں کی کتاب میں تُرشیز کے نام کی پہلی شکل طُرَیثیث یا طُرثیت آئی ہے جس کا املا تُرشیش یا تُرشِیس ہونے لگا۔ بعض اوقات یہ شہر نیشاپور کے

[1] ابن حوقل ص ۳۲۴، ۳۲۵ + مقدسی ص ۳۲۱ + ناصر خسرو ص ۹۵ + مستوفی ص ۱۸۴ + قاین کی مسجد میں ایک کتبہ ہے جس پر ۷۹۶ھ (۱۳۹۴ء) کندہ ہے۔ سر الیف، گولڈ سمڈ (Goldsmid) کی کتاب (Eastern Persia) ج ۱ ص ۳۴۱+۳۴۱

[2] تُرشیز نام کا علاقہ تو اب تک موجود ہے۔ لیکن اس نام کا کوئی شہر موجود نہیں۔ کُندُر کا چھوٹا شہر اب بھی نقشے پر دکھایا جاتا ہے۔ اصطخری کی تحریر کے مطابق تُرشیز کا شہر کُندُر سے مغرب میں ایک مرحلہ کی مسافت تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تُرشیز کا محل وقوع وہاں تھا جہاں اب فیروز آباد کے کھنڈر، موضع عبدل آباد کے قریب ہیں۔ بہرکیف زمانہ وسطیٰ کے شہر تُرشیز کی تطبیق سلطان آباد کے شہر سے ممکن نہیں، جو اس وقت علاقہ تُرشیز کا صدر مقام ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ سلطان آباد شہر کُندُر سے (مغرب میں نہیں) بلکہ مشرق میں ہے۔

چھتوں کی جگہ گنبد تھے۔ مستوفی نے آٹھویں (چودھویں) صدی میں
قاین کی نسبت موقع کے لحاظ سے بالکل مرکز میں ہونے کا ذکر
کیا ہے، اور لکھا ہے کہ یہ مقام قوہستان کے ہر بڑے شہر سے
بیس فرسخ کی مسافت پر تھا۔ مستوفی کی تحریر کے مطابق یہ
ایک عمدہ شہر تھا، اور پٹی ہوئی نہروں کے ذریعہ شہر کے تمام
مکانات میں پانی پہنچتا تھا۔ یہاں کے مکانوں میں گرمیوں کے
دن بسر کرنے کے لئے تہ خانہ بھی تھے۔ یہاں فصلیں بہت جلد
تیار ہوتی تھیں۔ غلے اور میووں، خصوصاً زعفران کی کاشت
قرب و جوار کی زمینوں میں بافراط ہوتی تھی، اور جو مویشی ان
زمینوں پر چرتے تھے وہ بہت جلد فربہ ہوجاتے تھے۔ مستوفی
لکھتا ہے کہ یہاں کے باشندے بہت ہی کالے رنگ کے
ہوتے تھے۔

تون کا شہر قاین سے مغرب میں کسی قدر مائل بہ شمال
پچاس میل سے کچھ زیادہ فاصلے پر واقع تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ
یہ آباد و معمور لیکن قاین سے چھوٹا شہر تھا۔ اس میں قلعہ اور ایک
خوبصورت مسجد تھی۔ یہاں اونی کپڑے بنے جاتے تھے، اور
ناصر خسرو نے اس کے قالینوں کی تعریف کی ہے۔ جس وقت
یہ سیاح یہاں سے گزرا چار سو کارگے پارچہ بافی کے یہاں
چل رہے تھے۔ بہرکیف شہر کا بہت سا حصہ اس کے زمانہ میں
ویران ہوچکا تھا۔ لیکن اس کا بڑا قلعہ باقی تھا۔ شہر کے مشرقی
ربض میں متعدد عمدہ باغ تھے، جن میں پستہ کی کاشت کی جاتی
تھی۔ مستوفی نے لکھتا ہے کہ ابتداً شہر تون کا نقشہ ایک چینی
شہر کے انداز پر ڈالا گیا تھا، لیکن اس عبارت کی اس نے صراحت
نہیں کی۔ یہاں کے قلعہ اور اس کے گرد کی عمیق اور خشک
خندق کا بھی ذکر اس مصنف نے کیا ہے۔ قلعہ کے گرد شہر کی

اِس واقعہ کے بعد تُرشِیز کو پھر بہت جلد عروج حاصل ہوگیا، اور کچھ کم ایک صدی بعد مستوفی لکھتا ہے کہ گو تُرشِیز اب بھی ایک حد تک ویران ہے، لیکن صوبہ قُوہِستان کے بڑے شہروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ مستوفی نے تُرشِیز کے قرب و جوار کے چار مشہور قلعوں کے نام لکھے ہیں، یعنی:— (۱) قلعہ بَردَرُود (۲) قلعہ مَیکال (یا ھیکال) (۳) مجاہدآباد اور (۴) آتش گاہ + بلاشبہ یہ تمام قلعے اسماعیلیوں کے تھے۔ مستوفی نے تُرشِیز کی بہاری فصلوں کی تعریف کی ہے، اور لکھا ہے کہ اِن کا غلہ نیشاپور کے گرد کے شمالی سمت میں جس قدر علاقے تھے وہاں بھیجا جاتا تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے اختتام پر تُرشِیز اپنی بلند شہر پناہ کی وجہ سے ناممکن التسخیر سمجھا جاتا تھا۔ لیکن جب تیمور یہاں پہنچا تو اُس نے سرنگ لگا کر شہر پناہ اُڑا دی، اور شہر کے لینے کے بعد جو کچھ اُس میں بچا وہ کھنڈر تھے۔ یہ واقعہ ۷۸۳ھ (۱۳۸۱ء) کا ہے۔ اُس وقت سے تُرشِیز کا نام نقشہ سے محو ہوگیا[1]

---

[1] ابن حوقل ص ۲۴۵، ۲۹۲ + مقدسی ص ۳۱۷، ۳۱۸ + یاقوت ج ۱ ص ۶۲۸ + ج ۲ ص ۵۳۴ + ج ۴ ص ۳۰۹ + مستوفی ص ۱۸۳ + علی یزدی ج ۱ ص ۳۴۴ + ابن اثیر ج ۱۰ ص ۴۴۵ + شیخ الجبل کی گدی کے مالک (جیسا کہ انگریزی عدالتوں کے سامنے ثابت ہوچکا ہے) آج کل آقا خان ہیں۔ یہ بمبئی کی خوجہ قوم کے سردار ہیں۔ یہ بات کسی قدر عجیب معلوم ہوتی ہے کہ قُوہِستان میں مذہب اسماعیلیہ کے لوگ اب تک ایسے موجود ہیں کہ جو عُشر کی رقم آقا خان کو اسی طرح ادا کرتے ہیں جس طرح ان کے آباء و اجداد قلعہ الموت کے سردار کو ادا کیا کرتے تھے۔ قاین کے جنوب میں موضع سِہ دِہ میں میجر سائکس (Sykes) کو (Persia ص ۴۰۹) اسی موجودہ فرقۂ اسماعیلیہ کے تقریباً ایک ہزار خاندان

خوسہ یا اعمال میں شمار ہوا ہے ابن حوقل لکھتا ہے کہ تُرشِیز بہت معمور مقام تھا۔ اس کی زمینیں زرخیز تھیں، اور علاقہ پُشت میں سات شہر اور ایسے تھے، جن میں جامع مسجدیں تھیں۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ اُس کے زمانہ میں تُرشِیز کی مسجد شان وشوکت میں دمشق کی مسجد کے ہم پلہ تھی۔ یہاں ایک مشہور تالاب تھا، یہاں کے بازاروں کی بہت شہرت تھی۔ تجارت کے اعتبار سے تُرشِیز "خُراسان کا انبار خانہ" سمجھا جاتا تھا۔ یہاں فارس اور اصفہان سے مال تجارت آتا تھا، اور ان ملکوں کو بھی بھیجا جاتا تھا۔ قریب کا شہر کُندُر دولت کے لحاظ سے تُرشِیز کے تقریباً برابر تھا، شہر سے متصل گرد ونواح کے علاقہ میں (۲۲۶) دیہات تھے۔

ابن اثیر نے لکھا ہے کہ ۵۲۰ھ ۱۱۲۶ء میں سلطان سنجر سلجوقی کے وزیر نے تُرشِیز کا محاصرہ کیا، اور شہر کو لوٹ لیا۔ یہ شہر حال ہی میں اسماعیلیوں یا حشیشیین کے قبضے میں آیا تھا۔ سبب یہ تھا کہ اسی زمانہ میں شیخ الجبل نے گرد ونواح کے سب سے مستحکم مقامات فتح کرلئے تھے، اور خود بہت سے قلعے تعمیر کرائے تھے تاکہ قُوھستان کے تمام صوبہ پر اپنا رسوخ جمالیں۔ یاقوت نے اسماعیلیوں کے اس عروج کا زمانہ ۵۳۰ھ (۱۱۳۶ء) بتایا ہے، اور لکھا ہے کہ تُرشِیز کے حاکم نے تُرک قبائل کو بلالیا تاکہ اسماعیلیہ کے مقابلے میں اُس کی مدد کریں۔ لیکن یہ ترکی قبیلے دشمن سے لڑتے نہیں تھے اور خود ملک کو لوٹنے میں مصروف ہوگئے تھے۔ اسی تاخت وتاراج میں شہر تُرشِیز برباد ہوگیا۔ ساتویں (تیرھویں) صدی کے نصف میں ہلاکو خان مغل نے حشیشیین کی قوت توڑ دی۔ بیان ہوا ہے کہ ہلاکو خان کی فوجوں نے صوبہ قُوھستان میں اسماعیلیہ کے ستر قلعے فتح کرلئے تھے۔ (۳۵۵)

تُرشیز کے مشرق میں زَاوَہ کا علاقہ ہے۔ یہ علاقہ یا اس کا ایک حصہ رُخ بھی کہلاتا تھا۔ اور اس کے صدر مقام کا نام بیشک یا شہر زَاوَہ تھا۔ یاقوت نے جب اپنی کتاب لکھی ہے تو رُخ کا تلفظ بالعموم رِیخ کیا جاتا تھا۔ ساتویں (تیرھویں) صدی میں شہر زَاوَہ کو اِس وجہ سے شہرت ہوئی کہ یہاں ایک درویش رہا کرتے تھے جن کا نام حَیدَر تھا۔ یہ نمدہ پہنتے تھے، اور مشہور تھا کہ گرمیوں کے دنوں میں آگ میں چلے جاتے تھے اور جاڑے میں برف پر کھڑے رہتے تھے یہ درویش حلقۂ حَیدَریہ کے بانی ہوئے۔ ۶۱۸ھ (۱۲۲۱ء) میں جب مغلوں نے اِس ملک پر یورش کی ہے تو وہ زندہ تھے۔ اِس کے بعد ان کا لقب شیخ قطب الدین ہوا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں جب ابن بطوطہ زَاوَہ آیا تو اُس نے لکھا ہے کہ شیخ کے مرید ریاضت کے طور پر لوہے کے حلقے اپنے کانوں، ہاتھوں، اور بدن کے اور حصوں میں پہنے رہتے تھے، اور عوام میں یہی چیز ان کے تقدس کا ثبوت تھی۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ زَاوَہ ایک عمدہ شہر تھا، ایک زرخیز علاقہ میں واقع تھا۔ پچاس گاؤں اس سے متعلق تھے۔ اس میں کچی اینٹوں کا ایک مضبوط قلعہ تھا۔ آب پاشی کا سامان بہت تھا۔ غلہ، روئی، انگور اور اور قسم کے میوے یہاں بکثرت پیدا ہوتے تھے۔ ریشم بھی بہت حاصل کیا جاتا تھا۔ مستوفی نے بھی حضرت شیخ قطب الدین کے مزار کا ذکر کیا ہے کہ وہ مرجع خاص و عام تھا۔ آج کل زَاوَہ عام طور پر علاقۂ زَاوَہ کے لئے بولا جاتا ہے۔ شہر کا نام تُربتِ حَیدَری

بقیہ حاشیہ صفحہ (۵۳۸) مارکو پولو کے اربری سول (Arbre sol) کی اصل ہو۔ جسے ہم عیسائی اربرے سک (Arbre sec) کہتے ہیں۔ سفرنامہ مارکو پولو مع یُول ج ۱ ص ۔۔

مستوفی نے لکھا ہے کہ تُرشِیز کے قریب کِشمَر کے گاؤں میں وہ مشہور سرو کا درخت تھا جسے زردشت نے شاہ گُشتاسپ کے تبدیلِ مذہب کی یادگار میں لگایا تھا۔ یہ سرو اتنا بڑھا کہ دنیا کا کوئی سرو اُس کو نہ پہنچا۔ فردوسی نے شاہ نامہ میں لکھا ہے کہ زردشت بہشت سے سرو کی ایک شاخ لایا تھا جس سے یہ سرو پیدا ہوا۔ یہ اس کی تاثیر تھی کہ جب گرد و نواح کے علاقے زلزلوں سے اکثر ویران ہو جایا کرتے تھے کِشمَر میں کسی طرح کا نقصان نہ پہنچتا تھا۔ قزوینی نے لکھا ہے کہ سنہ ۲۳۲ھ (۸۴۶ء) میں خلیفہ متوکل عباسی نے اس عظیم الشان سرو کو کٹوا ڈالا۔ اُس کے ٹکڑے اونٹوں پر بار کرکے تمام فارس میں سے ہوتے ہوئے سامرّا پہنچائے گئے۔ یہ (۲۴۷) کارروائی باوجود مجوسیوں کی سخت زاری و فریاد کے عمل میں لائی گئی، لیکن جب یہ سرو دریائے دِجلہ کے کنارے پہنچا تو خلیفہ متوکل اپنے بیٹے کے اشارہ سے قتل ہو چکا تھا۔[1]

بقیہ حاشیہ صفحہ (۵۲۷) ایسے ملے جو ہر سال ایک کثیر رقم اپنے مذہبی پیشوا آغا خان کو ہندوستان بھیجتے ہیں + مارکوپولو مترجمہ یُول ج ۱ ص ۱۴۵۔

[1] مستوفی ص ۱۸۳ + شاہ نامہ (Turner Magan) ج ۴ ص ۷۶ ، صفحہ کے نیچے سے آٹھویں سطر + قزوینی ج ۲ ص ۲۹۷ ، اس کتاب میں غلطی سے شہر کا نام کِشم چھپ گیا ہے + قزوینی (ساتویں (تیرھویں) صدی) نے عام روایت نقل کی ہے۔ طَبَری یا شروع کے اور مورخوں کی کتابوں میں کِشمَر کے سرو کا ذکر نہیں آتا۔ دَبِستان (مترجمہ شی (Shea) اور ٹرویر (Troyer) ج ۱ ص ۳۰۶ تا ۳۰۹) میں، جو سولھویں صدی کی ایک کتاب ہے اس روایت کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ حساب کرکے معلوم کیا گیا ہے کہ سرو زردشت (۱۴۵۰) برس پرانا تھا۔ ممکن ہے کہ یہی سرو زردشت

باخرز یا گواخرز کا علاقہ جام کے جنوب میں اور دریائے ہرات کے مغرب میں واقع ہے، اور یہیں سے اس دریا کا شمالی راستہ شروع ہوتا ہے۔ سیاحت ناموں میں جو فاصلے بیان ہوئے ہیں ان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر اسی جگہ تھا جہاں آج کل شہرِ نَو واقع ہے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مالِن ایک آباد و معمور مقام بن چکا تھا۔ غلہ اور انگور دونوں یہاں سے وساور کئے جاتے تھے، اور کپڑا بُنا جاتا تھا۔ یاقوت نے لکھا ہے باخرز کا نام دراصل فارسی میں باد هَرزَہ تھا (یعنی ایسی جگہ جہاں ہوا چلتی ہے)۔ اسی مصنف نے لکھا ہے کہ جوذقان ایک موضع باخرز کے ممتاز مواضع میں سے تھا، جن میں موضع مالِن کے گرد و نواح میں (۱۲۸) گاؤں شمار کئے جا سکتے تھے۔ مستوفی، جس نے اس شہر کا نام مالان لکھا ہے، یہاں کی زرخیزی کا حال تفصیل سے لکھتا ہے کہ اس نے یہاں کے "لمبوتری شکل کے خربوزوں کی خاص کر تعریف کی ہے، جو تمام خراسان میں مشہور تھے"[۱]

باخرز کے جنوب مغرب میں خواف (جسے شروع میں خواب کہتے تھے) کا علاقہ اسی نام کے شہر کے گرد واقع ہے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں شہر خواف کی کشمش اور انار مشہور تھے۔ سلومک، جو بعد میں سنگام کہلانے لگا، شروع زمانہ میں اس علاقہ کا سب سے بڑا شہر تھا۔ اس علاقہ کے دو اور بڑے شہر سنجان (یا سنکن) اور خرجرد تھے۔ خرجرد کا حال ابن حوقل نے فرزکرد کے نام سے کیا ہے اور لکھا ہے کہ فرزکرد کا مقام (جسے یاقوت نے فرجرد یا فلجرد لکھا ہے)

---

[۱] مقدسی ص ۳۱۹ + یاقوت ج ۱۔ ص ۴۵۸ + ج ۲ + ص ۱۴۹ + ج ۴ ص ۳۹۸ + مستوفی ص ۱۸۷ +

ہے، اور شیخ کے مزار کی زیارت کے لئے اب بھی زائر بکثرت وہاں آتے ہیں[1]

علاقۂ زَادَہ کے مشرق اور صوبۂ قُوہستان کے شمال مشرقی گوشہ میں، دریائے ہِراۃ کے قریب، زَام یا جام کا علاقہ تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں اس کا صدر مقام بُوزجان کہلاتا تھا۔ یہ ایک خاصا بڑا شہر تھا، اور ایک سو اسی گاؤں اس سے متعلق تھے۔ اہل ایران بُوزجان کا تلفظ بُوزکان کرتے تھے، اور بعد کے زمانہ میں اسے پُوچکان کہنے لگے تھے۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے اس کا ذکر جام کے نام سے کیا ہے، اور لکھا ہے کہ یہ شہر بہت سیر حاصل اور شاداب علاقہ میں تھا۔ شہتوت کے درختوں کی کثرت کی وجہ سے یہاں ریشم بہت حاصل کیا جاتا تھا۔ اس شہر کی زیارت گاہیں مشہور تھیں، کیونکہ یہاں بہت بڑے بڑے مشائخ اور اولیاء دفن تھے۔ ان میں ابن بطوطہ نے خاص طور سے حضرت شہاب الدین احمد الجامی کا نام لیا ہے، جن کی اولاد اس نواح میں بڑی بڑی زمینوں کی مالک تھی۔ یہ بزرگ ایسے شہرہ آفاق تھے کہ آٹھویں (چودھویں) صدی کے اواخر میں تیمور ان کے مزار کی زیارت کو آیا تھا۔ آج کل یہ شہر جو اب تک آباد و معمور ہے، شیخ جام کہلاتا ہے[2] ؛۲۵۷

[1] مقدسی ص ۳۱۹ + یاقوت ج ۲ - ص ۷۷۰، ۹۱۰ + قزوینی ج ۲ - ص ۲۵۶ + ابن بطوطہ ج ۳ - ص ۶۷ + مستوفی ص ۱۸۸ + سرالیف گولڈسمڈ۔ ایسٹرن پرشیا ج ۱ - ص ۳۵۳ +

[2] ابن خرداذبہ ص ۲۴ + ابن رُستہ ص ۱۷۱ + یعقوبی ص ۲۷۸ + ابن حوقل ص ۳۱۲ + مقدسی ص ۳۱۹، ۳۲۱ + یاقوت ج ۱ - ص ۷۵۶ + ج ۲ - ص ۱۱، ۲۱۷، ۲۲۹ + سی۔ اے۔ ییٹ (Yate) کی کتاب Sistan and Khurasan ص ۲۷ +

بیان کیا ہے کہ یہ گبر کی بڑی زیارت گاہ تھا۔ اس شہر کے گرد
(۴۲۱) بڑے بڑے گاؤں آباد تھے۔[1]

کوہستان کے اس وسطی حصہ میں، مستوفی نے، جس کی کتاب آٹھویں (چودھویں) صدی کی لکھی ہوئی ہے، اور بہت سے شہروں کے نام گنوائے ہیں، جو اب تک نقشے پر ملتے ہیں، لیکن ان کے نام ابتدائی زمانہ عرب جغرافیہ نویسوں کی کتابوں میں نہیں پائے جاتے۔ اسی مصنف نے علاقۂ زِیرکُوہ کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ نہایت ہی زرخیز تھا، روئی اور غلہ یہاں پیدا ہوتا تھا اور ان دونوں چیزوں کے ساتھ ریشمی کپڑے بھی یہاں سے بکثرت دساور گئے جاتے تھے۔ زِیرکوہ اب بھی زُوزَن کے جنوبی اور قاینْ کے مشرقی پہاڑی علاقہ کا نام ہے۔ مستوفی یہاں کے تین بڑے شہروں، یعنی شادَخَش، اِسْفَدا اور اِسْتَنِیدْ کے نام نقل کئے ہیں۔ یہ تینوں شہر اب تک موجود ہیں۔ قاینْ کے شمال مغرب میں ایک علاقہ ہے جس کا نام دَشتِ بیاض (یعنی سفید میدان) لکھا جاتا ہے، اور اب اہل ایران اسے دَشتِ پیاز کہتے ہیں۔ اس کا بڑا شہر فارِس ہے، اور مستوفی، جس نے اس کے اخروٹ، اور بادام کی تعریف کی ہے، لکھتا ہے کہ یہ شہر تُون

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۴۳) کی وجہ سے ہے۔ یاقوت کے الفاظ حسب ذیل ہیں
تُوْنُ ۔۔۔۔ کانت تعرف بالبصرۃ الصغریٰ لکثرۃ من اخرجت من الفضلا
والادباء واھل العلم۔ (یاقوت ج ۴۔ ص ۱۴۶)+ مترجم)

[1] اصطخری ص ۲۷۷ + ابن حوقل ص ۳۱۴، ۳۱۹ + ابن رُستہ ص ۱۷۱ + یعقوبی ص ۲۷۸ + مقدسی ص ۲۹۸، ۳۰۸، ۳۱۹، ۳۲۱، + یاقوت ج ۲۔ ص ۴۸۶، ۵۸۴ + ج ۳۔ ص ۹۱۰ + ج ۴ ص ۴۱۳ + مستوفی ص ۱۸۸ + ان مقامات کی موجودہ حالت کے لئے دیکھو سی۔ ای ییٹ (Yate) کی کتاب Sistan and Khurasan ص ۱۲۸، ۱۲۹ +

خَزْ کِرْد سے مشرق میں ایک مرحلہ تھا۔ کُوسُوی یا کُوسُوِیَہ وپیائے ہرات سے زیادہ قریب فَزْ کِرْد کے شمال میں تھا۔ کُوسُوی، فَزْکرد اور خَرجِرْد کے تین شہروں میں کُوسُوی سب سے بڑا تھا اور وسعت میں خُراسان کے شہر بُوشَنج سے، جس کا ذکر آگے آئیگا، ایک ثلث تھا۔ اکثر مصنف اِن تینوں شہروں کو صوبہ خُراسَان سے متعلق سمجھتے تھے۔ کُوسُوی میں پکی اینٹوں کے اچھے اچھے مکانات تھے، اور فَرجِرْد اور خَرجِرْد اگرچہ چھوٹے تھے، لیکن اُن میں عمدہ باغ تھے، اور وہاں آب پاشی بھی بہت تھی۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ اُس کے زمانہ میں سِراوَنْد اور لاذبھی علاقۂ خَواف کے بڑے شہر تھے، لیکن اب اِن کا موقع معلوم نہیں۔ مستوفی نے خَواف کے انگوروں، خربوزوں، اناروں اور انجیروں کی تعریف کی ہے، اور لکھا ہے کہ اِس علاقہ میں ریشم بہت حاصل کیا جاتا تھا۔ اِس کا بیان ہے کہ آٹھویں (چودھویں) صدی میں سلام، سَنجَان اور زَوْزَن (یا زُوزَن) اس علاقہ میں آبادی کے بڑے مرکز تھے۔ جب مقدسی نے اپنی کتاب لکھی ہے تو زَوزَن کے پشمینہ ساز دور دور مشہور ہوچکے تھے۔ اور شاہراہوں کے سلسلہ میں یہ شہر اس لئے بڑا مقام تھا کہ یہاں سے قَایِن، سَلاَمر (سَلُومَک) اور خَرجِرْد کو سڑکیں جاتی تھیں۔ یاقوت نے تجارت کے اعتبار سے زُوزَن کو چھوٹا بَصرہ (بَصْرَة الصُغریٰ) لکھا ہے[1]، اور

[1] یاقوت نے زُوزَن کی تجارت کا ذکر مطلق نہیں، اور اِس شہر کے بَصرَة الصغریٰ کہلانے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اِس شہر میں بہت سے علماء و فضلاء گزرے تھے بصرہ بھی تجارت کے علاوہ علم و فضل کا مرکز ہونے کے سبب مشہور تھا۔ یہاں یاقوت نے جو زَوزَن کو بَصرَة الصُغریٰ لکھا ہے وہ تجارت کی وجہ سے نہیں، جیسا کہ انگریزی مصنف نے غالباً غلطی سے سمجھ لیا، بلکہ علماء کی کثرت

پہلا مصنف ہے جس نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اُس نے لکھا ہے کہ اُس کے زمانہ میں یہ ایک گاؤں تھا، مستوفی کا بیان ہے کہ یہ شہر تُون سے بہت مشابہت رکھتا تھا، لیکن اُس نے بس سے زیادہ اور کچھ نہیں لکھا ہے[1]

صوبۂ قُہستان میں پہلے بھی اور اب بھی طَبَس کے نام کے دو شہر ہیں، اور اسی وجہ سے عرب جغرافیہ نویسوں کی کتابوں میں یہ نام بصیغۂ تثنیہ طَبَسَین آیا ہے۔ علاوہ اس کے طَبَسَین غلطی سے اِن دونوں ہمنام شہروں میں سے کبھی ایک کے لئے اور کبھی دوسرے کے لئے بولا گیا ہے، گویا واحد کی جگہ تثنیہ کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ بہرکیف عرب جغرافیہ نویسوں نے دونوں میں تمیز رکھنے کے لئے ایک کو طَبَس التمر (کھجور والا) اور دوسرے کو طَبَس العُنّاب (بیر والا) لکھا ہے۔

طَبَس التمر بادیہ ایران کے کنارے اُس مقام پر تھا جہاں بادیہ کو عبور کرنے والی بہت ہی سڑکیں آئی تھیں۔ اسی وجہ سے بلاذری نے اس مقام کو "باب الخُراسان" لکھا ہے۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی میں یہ تاین سے کسی قدر چھوٹا شہر تھا، اور خوب مستحکم و متحصن تھا۔ اِس علاقہ کی سب سے

[1] دشت بیاض ایک مرکب ہے جو عربی اور فارسی الفاظ کی ترکیب سے بنایا گیا ہے۔ ایران کے اسماء اماکن میں یہ بات بہت شاذ ہے۔ دشتِ بیاض میں اگر آخری لفظ فی الحقیقت عربی لفظ ہے جس کے معنی سفید کے ہیں، تو ایرانی یہ معنے بھول گئے تھے اور انہوں نے اسے اسم علم سمجھ لیا تھا۔ ابن حوقل ص ۳۲۵ + مقدسی ص ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۲ + مستوفی ص ۱۸۳، ۱۸۴ + یاقوت ج ۱ ص ۴۹۶ + ج ۲ ص ۱۲۰ + ج ۳ ص ۲۰۶ + فاردِش کا شہر آجکل باسم قلعہ کہنہ کے نام سے مشہور ہے + بیلیو (Bellew) کی کتاب (Indus to Tigris) ص ۳۲۹ +

اور جُنا باد کے باشندوں کا یِیلاق (یعنی موسم گرما بسر کرنے کا مقام) تھا۔

(۳۵۹) شہر جُنا باد، جو آج کل بالعموم گُنا باد کہلاتا ہے، تُون کے شمال مشرق میں ایک بڑا شہر ہے۔ ابن حوقل نے اس کا نام یُنابِذ اور مقدسی نے جُناوَد لکھا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے نام کی اور بھی مختلف شکلیں ہیں۔ چوتھی (دسویں) صدی میں یہ ایک بڑا شہر تھا، اس کے مکانات بھی اینٹوں کے بنے ہوئے تھے، اور ستّر گاؤں جو اس کے گرد تھے، ان کی زمینوں میں نالیاں بنا کر پانی خوب پہنچایا جاتا تھا۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ جُنابِذ عام طور پر گُنا باد کہا جاتا تھا۔ مستوفی کا بیان ہے کہ اس شہر کے دو قلعے، ایک شہر کے دائیں جانب، اور دوسرا بائیں جانب پہاڑی پر واقع تھے۔ ان میں ایک کا نام قلعۂ خَراشتر، اور دوسرے کا نام قلعۂ دَرجان تھا۔ ان کے اوپر سے قرب و جوار کے گاؤں اور ان کے پرے کا ریگستان صاف نظر آتا تھا۔ اسی مصنف نے لکھا ہے کہ جُنا باد میں یہ کیفیت نہ تھی کہ اُس کے باغوں کی زمین پر ریت اُڑتی ہوئی پہنچے اور انھیں غارت کر دے، جیسا کہ قُہستان کے دوسرے مقامات کا حال تھا۔ شہر میں آب رسانی پٹی ہوئی نہروں سے ہوتی تھی، جن میں اکثر چار چار فرسخ لمبی تھیں، اور دامن کوہ میں جو چشمے تھے ان سے لائی گئی تھیں۔ جہاں یہ چشمے نکلے تھے وہاں جو کنوئیں کھودے گئے تھے ان کا عمق بعض صورتوں میں، مستوفی کا بیان ہے کہ ستّر ستّر ذرع ہوتا تھا۔ یہاں ریشم بہت تیار کیا جاتا تھا، اور غلّہ یہاں سے دساور ہوتا تھا۔ گُنا باد سے شمال مغرب میں تقریباً تیس میل کے فاصلے پر، اور تُون سے بھی اتنی ہی مسافت پر، بجستان کا چھوٹا سا شہر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یاقوت

لکھا ہے۔ مستوفی نے اِس شہر کا ذکر بادیۂ ایران اور صوبۂ قوہستان کے حالات میں دونوں موقعوں پر کیا ہے۔ کھجوروں کے علاوہ یہاں لیموں اور نارنگترہ خوب پھلتا تھا، خراسان میں کہیں اور یہ بات نہ تھی۔ قریب کے چشمے سے پانی اتنے حجم میں بہتا تھا کہ اُس سے دو پن چکیاں چل سکتی تھیں، اور بہت سے قریوں کی حفاظت کے لئے جو شہر کے گرد واقع تھے یہاں ایک مستحکم قلعہ بھی تھا۔[1]

بادیہ ایران کی سرحد پر کلمبَن سے شمال میں اور ترشیز سے تقریباً نصف مسافت پر بَن کا گاؤں واقع تھا۔ ابن حوقل نے جب اپنی کتاب لکھی ہے تو یہاں (۵۰۰) مردوں کی آبادی تھی غالباً یہ مقام وہی ہے جسے ابن خرداذبہ نے آفریذاذون کا پڑاؤ لکھا ہے۔ ابن حوقل نے اپنے سیاحت نامہ میں اسی بَن نام کے ایک اور پڑاؤ (بَن آخرہے) کا ذکر کیا ہے جو غالباً کوئی دوسرا گاؤں تھا۔ اُس نے جو فاصلے بیان کئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں پڑاؤ ایک ہی نہ تھے، پھر تو اِن سے مراد قریب کے دو ہمنام قریوں سے ہوگی۔ آج کل بَن کی جگہ دو نابند واقع ہے (جسے بادیہ کے اسی نام کے نخلستان سے جس کا ذکر صفحہ حاشیہ ۳۲۵ پر ہو چکا ہے غلط ملط نہ کرنا چاہیے)۔ بن اس لحاظ سے ایک بڑا مقام تھا کہ وہاں جرمق سے آنیوالی بادیۂ ایران کی سڑک صوبۂ قوہستان میں داخل ہوتی تھی۔[2]

---

[1] بلاذری ص ۴۰۳ + ابن حوقل ص ۳۲۴، ۳۲۵ + مقدسی ص ۳۲۱، ۳۲۳ ناصر خسرو ص ۹۴ + یاقوت ج ۳ - ص ۴۱۳، ۴۱۵، ج ۴ ص ۳۲۳ + مستوفی ص ۱۴۳، ۱۸۵، ۱۸۶ + ابن الاثیر ج ۱۰ - ص ۲۲۱ +

[2] ابن خرداذبہ ص ۵۲ + اصطخری ص ۲۳۱، ۲۳۲ + ابن حوقل ص ۲۹۵ +

نمایاں چیز کھجوروں کا ایک بن تھا، جو یہاں کھڑا تھا۔ چونکہ یہ مقام بادیہ ایران کے کنارے تھا اس لئے شہر کی آب و ہوا بہت گرم تھی۔ آب رسانی کا سامان زمین دوز نہروں کی وجہ سے نجوبی تھا۔ مقدسی نے یہاں کی خوبصورت مسجد اور ایک بڑے حوض کا ذکر کیا ہے جس میں پینے کا پانی جمع رہتا تھا۔ گرم حمام بھی یہاں بہت عمدہ تھے۔ مقدسی لکھتا ہے کہ "صوبۂ قوہستان میں صرف یہی ایک جگہ ہے کہ جہاں درخت اور ایک جاری چشمہ ہے۔ یہاں سے ایک دن کی مسافت تک میرا گزر برابر قریوں اور نخلستانوں میں سے ہوتا رہا جن میں نہریں اور چشمے جاری تھے۔"

ناصر خسرو، جو ۴۴۴ھ (۱۰۵۲ء) میں طبس سے گزرا تھا، لکھتا ہے کہ یہ ایک عمدہ اور معمور شہر تھا، اس کی فصیل نہ تھی، لیکن باغوں اور نخلستانوں سے گھرا ہوا تھا۔ اس زمانہ میں یہاں ابوالحسن بن محمد گیلکی (یعنی باشندۂ گیلان) حکمران تھا، اور اس کی حکومت ایسی سخت تھی کہ گرد و نواح کا علاقہ بالکل محفوظ تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعد کے زمانہ میں اس طبس کو دوسرے طبس، یعنی طبس العناب سے ممیز کرنے کے لئے (بجائے طبس التمر کے) طبس گیلکی اس کے مشہور حاکم ابوالحسن بن محمد گیلکی کے نام پر کہنے لگے تھے۔ ناصر خسرو کے بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ امیر گیلکی اپنی زبردست حکومت کی وجہ سے دور دور مشہور تھا۔ پانچویں (گیارھویں) صدی کے نصف آخر میں اسماعیلی "ملاحدہ" نے طبس پر قبضہ کر لیا۔ ۴۹۴ھ (۱۱۰۱ء) میں سلطان سنجر سلجوقی نے جو فوج اسماعیلیوں کے مقابلہ کے لئے بھیجی تھی اس نے طبس کا محاصرہ کیا، اور شہر کے ایک حصہ کو مسمار کر دیا۔ یاقوت اور مستوفی دونوں نے طبس التمر کو طبس گیلکی

قلعہ تھا۔ شہر کے مکانات بھی اینٹوں کے تھے، اور ان کے گرد چھوٹے چھوٹے باغ تھے، گو چشموں میں پانی کی کمی یہاں بھی تھی۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ خوست کا شہر تون سے وسعت میں زیادہ، مگر آبادی میں کم تھا۔ وہاں درخت کم تھے، اور پشت پر قوہستان کے خشک پہاڑ کھڑے تھے۔ یاقوت نے غلطی سے اس نام کا املا جوسست کیا ہے۔ یہ کتابت کی غلطی ہے، یعنی خوسف یا خوسب کی جگہ جوستا لکھ دیا گیا ہے۔ خوسف یا خوسب وہ نام ہے جو مستوفی نے سب سے پہلے لکھا ہے، اور اب تک چلا آتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ یاقوت نے اپنی لاعلمی اور اشتباہ ظاہر کیا ہے اور لکھا ہے کہ بعض اوقات اسے جوزف بھی لکھا دیکھا ہے، لیکن ایک مقام پر جہاں اس نے مقدسی کی عبارت نقل کی ہے وہاں اس شہر کا صحیح نام خوست لکھا ہے۔ جیسا کہ ابھی بیان ہوا اس مقام کے نام کا موجودہ املا خوسف سب سے پہلے مستوفی نے لکھا ہے، اور بیان کیا ہے کہ یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے، جس سے متعلق چند علاقے بھی ہیں۔ ایک ندی اس کی زمینوں کو سیراب کرتی تھی، اور یہاں فصلیں اچھی اگتی تھیں۔

خوسف سے تقریباً بیس میل مشرق میں بیرجند ہے جو بجائے قاین کے آج کل قوہستان کا دارالحکومت ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یاقوت سے پہلے کے عرب جغرافیہ نویسوں نے بیرجند کا نام نہیں لکھا۔ یاقوت نے ساتویں (تیرھویں) صدی میں اسے صوبہ کے بہترین قریوں میں سے ایک قریہ بیان کیا ہے۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے لکھا ہے کہ بیرجند صوبۂ قوہستان کا بڑا مقام تھا، اور اس کے گرد بڑی زرخیز زمینیں اور گاؤں تھے۔ علاوہ انگوروں اور اور قسم کے

طَبَس سے تقریباً تین فرسخ جنوب مشرق میں بادیہ کے کنارے اس جگہ جہاں کوہستان سے طریق شوہر، قوہستان میں داخل ہوتا تھا، کُرِیْ یا کُرَیْن تھا، جسے بلاذری نے طَبَس کے دو قلعوں میں سے ایک قلعہ بیان کیا ہے۔ یہ واقعہ البتہ ایسا ہے جس سے صرف طَبَس تمر کو تثنیہ میں طَبَسَین کہنا ایک معقول بات معلوم ہوتی ہے۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ کُرِیْ ایسا مقام تھا جہاں بہت سی سڑکیں آکر ملتی تھیں، اور جہاں یہ سڑکیں ملتی تھیں وہاں ایک گاؤں تھا، جس میں ایک ہزار آدمیوں کی آبادی اور بہت سی مزروعہ اراضی تھیں۔ مقدسی نے اس کا نام کُرَین لکھا ہے، اور بیان کیا ہے کہ یہ طَبَس سے چھوٹا تھا! اس کے اعمال میں طَبَس سے بارہ فرسخ، اور تون سے بیس فرسخ پر، رَقّہ نام ایک گاؤں تھا۔ ناصر خسرو جب ۴۴۴ھ ۱۰۵۲ء میں رَقّہ آیا ہے تو یہ گاؤں ایک عمدہ شہر ہوچکا تھا۔ اس میں ایک جامع مسجد تھی، اور مسجد کے گرد اگرد بہت سے باغ نہایت شاداب موجود تھے۔ طَبَس سے تین مرحلہ جنوب مشرق میں خُوسِر اور خُوست کے دو شہر تھے خُوسِر میں صوبۂ کرمان کے شہر زاور سے اور خُوست میں اسی صوبہ کے شہر خَبیص سے ایک ایک سڑک بادیہ ایران کو طے کرکے ختم ہوتی تھی (دیکھو صفحہ ۲۷، ۳۲۸)۔ ابن حوقل کے مطابق خُوسِر کا شہر طَبَس سے چھوٹا تھا، مگر ایک جامع مسجد موجود تھی۔ یہاں پانی کی کمی تھی، اور باغات شاذ و نادر کہیں نظر آتے تھے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ یہ مقام متحصن نہ تھا۔

لیکن خُوسِر کے مقابلے میں خُوست ایک بڑا مقام تھا، گو چوتھی (دسویں) صدی میں یہاں جامع مسجد نہ تھی۔ شہر کی فصیلیں اور دمدمے مستحکم تھے، اور حفاظت کے لئے ایک

اِیْداوَہ کا گاؤں تھا، جہاں ایک عمدہ قلعہ بھی تھا، اور چونکہ بہت سی ندیاں اس پہاڑی کے پاس سے گزرتی تھیں اس لئے وہاں باغات بھی تھے۔ مستوفی نے کَلبَس مَسِینَان کے متعلق لکھا ہے کہ بارش نہ ہونے کی صورت میں شہر کی زمینوں کے لئے پانی کا ذخیرہ صرف اتنا تھا کہ ستر دن چل جائے، اور دور کے علاقوں میں وہاں کا ذخیرہ صرف سات دن کے لئے کفایت کرسکتا تھا۔ اسی مصنف نے بیان کیا ہے کہ یہاں ایک گڑھا یا کنواں تھا جس کی تہ کی مٹی ایسی زہریلی تھی کہ اگر کوئی شخص ایک باجرے کے برابر بھی اُسے کھا لیتا تھا تو مرجاتا تھا۔ اسی وجہ اس گڑھے یا کنویں سے پانی لینا قطعی بند کردیا گیا تھا۔ یہاں ایک اور گڑھا یا کنواں تھا، جو جاڑے میں جتنا پانی اُس میں باہر سے آتا تھا اُسے چوس لیتا تھا، اور یہی پانی گرمیوں میں اوپر آجاتا تھا۔ اور اتنا ہوتا تھا کہ گردو نواح کی زمینوں کو اُس سے سیراب کیا جاتا تھا۔ اسی مصنف نے لکھا ہے کہ وہاں ایک تیسرا کنواں بھی تھا۔ اگر کوئی شخص اُس کنویں میں جھانکتا تو تہ پر ایک مچھلی کی صورت نظر آتی تھی۔ آج کل کلبَس مَسِینَان، جس کا اب تک یہی نام چلا آتا ہے، ایک بڑا مقام ہے، اسے سنی خانہ بھی کہتے ہیں، کیونکہ یہاں کی تقریباً کل آبادی سنی افغانوں کی ہے۔ کَلبَسُ المُنَاب سے تقریباً ساٹھ میل جنوب میں دُرُہ کا گاؤں ہے، جہاں قریب کی ایک پہاڑی کی چوٹی پر ایک پرانا قلعہ ہے یہاں تک معلوم ہوتا ہے ابتدائی زمانہ کے جغرافیہ نویسوں نے دُرُہ کا ذکر نہیں کیا۔ سب سے پہلے مستوفی نے اس کا حال لکھا ہے، اور بیان کیا ہے کہ قلعہ دُرُہ بہت مستحکم قلعہ تھا، اور اُس کے احاطہ میں پانی کا چشمہ تھا جس سے پانی اُبلتا رہتا تھا۔ تھرب و جوار میں

پھلوں کے یہاں زعفران بکثرت کاشت کی جاتی تھی۔ مگر غلہ یہاں اچھا پیدا نہ ہوتا تھا۔ یزجند کے مشرق میں ایک دن کی مسافت پر ایک پہاڑی علاقہ ہے جسے اب تک مؤمن آباد کہتے ہیں۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ اس میں ایک مضبوط قلعہ ہے جو پہلے کبھی حشیشین کے قبضہ میں رہا تھا۔ اس علاقہ میں اچھے اچھے گاؤں بہت ہیں، جن میں سے مستوفی نے خاص طور پر شاخِن کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ گاؤں ایک ندی کے کنارے جسے فشارود کہتے تھے واقع تھا، اور قاین سے جنوب مشرق کی سمت میں تقریبًا تین مرحلوں کے فاصلے پر اب تک موجود ہے۔[1]

یزجند سے بالکل مشرق میں تقریبًا پچاس میل پر کلبَس نام کا دوسرا شہر ہے۔ جسے عرب جغرافیہ نویسوں نے کلبَسُ العُنّاب لکھا ہے، اور جسے اہل ایران کلبسِ مسینان کہتے ہیں۔ ابن حوقل نے چوتھی (دسویں) صدی میں بیان کیا ہے کہ یہ شہر یُنابذ سے بڑا تھا۔ (یُنابذ سے مراد گنا باد ہے جو قاین سے شمال مغرب میں تھا)۔ اس کے مکانات کچی اینٹوں کے بنے ہوئے تھے، فصیل اور دمدمے شکستہ حالت میں تھے، اور کوئی قلعہ وہاں نہ تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ یہاں عناب کے درخت بہت تھے۔ ساتویں (تیرھویں) صدی میں قزوینی لکھتا ہے کہ اس کے قریب کی ایک پہاڑی کے اوپر

---

[1] یاقوت ج ۱۔ ص ۲۰۴؛ مستوفی ص ۱۸۴؛ سائکس کی کتاب Persia ص ۳۰۵، ۴۰۲؛ میجر سائکس، جس نے اس کا نام شمکن لکھا ہے، بیان کرتا ہے کہ اس کے گرد ایک بڑا قلعہ ہے۔ یہ غالبًا وہی قلعہ ہے جس کے متعلق بیان ہوا ہے کہ وہ کسی زمانہ میں حشیشین کے قبضہ میں رہا تھا۔

باب بست و ششم

قُومِس، طَبَرِستان اور جُرجان

صوبۂ قُومِس۔ دامغان، بسطام، بیار۔ سِمنان اور خوار۔ صوبۂ قُومِس میں سے گزرنے والی شاہراہ خراسان۔ صوبۂ طَبَرِستان یا مَازِندَران۔ آمُل، سارِیَہ۔ کوہ دَماوَند مع علاقہ جات فَادُوسبان، قارِن اور رُوبَنج۔ فیرُوزکوہ اور دوسرے قلعے۔ ناتِل، سالُوس اور علاقۂ رُویان۔ قلعۂ طاق اور علاقۂ رُستَمدار۔ تَمِیشہ اور طَمِیسَہ۔ کبودِ جامَہ اور نہر خیعِ نیعِرَمُرودان۔ صوبۂ گرگان یا جُرجان۔ دریائے جُرجان اور دریائے اَترَک۔ شہر جُرجان اور اَستَرآباد۔ بندرِ آبِسکُون۔ علاقۂ دِهِستان اور آخُر۔ طَبَرِستان اور جُرجان میں سے گزرنے والی سڑکیں۔

قُومِس کا مختصر صوبہ اَلبُرز کے عظیم الشان پہاڑی سلسلہ کے نیچے نیچے پھیلا ہوا ہے۔ ان پہاڑوں کا ذکر ہم ابھی کرینگے۔ صوبہ کی حد بندی سمت شمال میں اسی سلسلے سے ہوتی ہے اور اسی کی نیچی پہاڑیوں اور بادیہ ایران کے درمیان قُومِس کی زرخیز زمین ایک لمبی پٹی کی شکل میں واقع ہوئی ہے۔ خراسان کی سڑک اس صوبہ میں

عناب کے درخت بہت تھے، اور غلہ افراط سے ہوتا تھا۔ انگور اور اور قسم کے میوے اس افراط سے نہ ہوتے تھے۔

قوہستان میں پیداوار کی اقسام کم تھیں۔ مقدسی نے مختصراً لکھا ہے کہ قوہستان کے قالین اور جانمازیں مشہور تھیں یہاں کے سفید کپڑے بھی مشہور تھے، اور یہ اُن کپڑوں کے مانند ہوتے تھے جو نیشاپور میں تیار کئے جاتے تھے[1]

صوبۂ قوہستان میں سے جو سڑکیں گزری تھیں ان کے متعلق سہولت اسی میں معلوم ہوتی ہے کہ جہاں تک ان کا حال معلوم ہو اُس کو کسی آئندہ باب میں ان سڑکوں کے ساتھ بیان کیا جائے جو خراسان میں گزری تھیں۔ مقدسی اور اُس کے علاوہ اور مصنفوں نے قوہستان کے مختلف شہروں کے مجموعی فاصلے، مرحلوں، یعنی یومیہ سفر کے حساب بیان کئے ہیں۔ منزلوں کا فاصلہ فرسخوں میں نہیں لکھا، اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ بڑی سڑکیں سیدھے راستے اس پہاڑی علاقہ میں سے بہت کم گزری تھیں۔

---

[1] ابن حوقل ص ۳۲۵ + مقدسی ص ۳۲۳، ۳۲۲ + یاقوت ج ۴ - ص ۵۱۴، ۵۱۳ + قزوینی ج ۲ - ص ۲۰۱ + مستوفی ص ۱۴۳ + سائکس کی کتاب Persia ص ۲۹۷، ۲۹۶ +

تھی اس میں سے بہت زور کی ہوا شہر کی طرف برابر آتی رہتی تھی، جس کی وجہ سے دامغان کے درخت ہر وقت جھومتے رہتے تھے۔ شہر میں ایک عمدہ عمارت تھی، جو کسروان ساسانی کے وقت سے چلی آتی تھی۔ دامغان میں جس قدر پانی بہہ کر آتا تھا وہ اس عمارت میں پہنچ کر ایک سو بیس نہروں میں آبپاشی کی غرض سے تقسیم ہو جاتا تھا۔ شہر کے باغوں میں ناشپاتی بہت عمدہ ہوتی تھی۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ دامغان کی شہر پناہ کا دور دس ہزار قدم تھا۔ یاقوت کا بیان ہے کہ دامغان سے ایک دن کی راہ پر (اور مستوفی کی تحریر کے مطابق تین فرسخ کی مسافت پر) کسی پہاڑوں میں گِرد کوہ کا بڑا قلعہ تھا، جو شہر سے نظر آتا تھا، اور کسی زمانہ میں حشیشین کا مشہور قلعہ رہ چکا تھا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ یہ قلعہ دِزِ گنبدان (گنبدوں والا قلعہ) اور اس کا علاقہ، جو بہت زرخیز تھا، منصور آباد کہلاتا تھا۔ مستوفی نے دامغان کے قریب کی پہاڑیوں میں کوہ زر کے مقام پر سونا کی ایک کان کا ذکر کیا ہے، لیکن اس مقام کا ٹھیک موقع بیان نہیں کیا۔[1]

صوبہ قومس کا باعتبار وسعت دوسرے درجہ کا شہر بسطام (یا بَسطَام موجودہ بُسطام) تھا۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ بسطام صوبہ کے سب سے زیادہ زرخیز علاقہ میں واقع تھا۔ اس کے باغوں میں میوہ افراط سے ہوتا تھا، اور مقدسی نے یہاں کی عالی شان جامع مسجد کا ذکر کیا ہے، جو قلعہ کی مانند بازار میں واقع تھی۔ ناصر خسرو ۴۳۸ھ (۱۰۴۶ء) میں بسطام آیا تھا، اس نے بسطام ہی کو صوبۂ قومس کا دارالحکومت سمجھا، کیونکہ اس نے اس شہر کو نام مدینۂ قومس لکھا ہے۔ ناصر خسرو نے یہاں کے مشہور صوفی حضرت شیخ بایزید بسطامی کے مزار کا

---

[1] ابن خرداذبہ ص ۲۲، قدامہ ص ۲۰۱، ابن حوقل ص ۲۷۱، مقدسی ص ۲۵۵، ۲۵۶، یاقوت ج ۲، ص ۵۳۹، قزوینی ج ۲، ص ۲۴۵، مستوفی ص ۱۹۱، ۲۰۲۔

اُس کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک گزری ہے، یعنی صوبۂ جبال کے شہر رے سے چل کر (اس صوبہ میں سے ہوتی ہوئی) خراسان کے شہر نیشاپور کو چلی گئی ہے، اور قومس کے بڑے شہر گویا اس سڑک کی لڑی میں پروئے ہوئے ہیں۔ آج کل قومس کا نام متروک ہے۔ اس صوبہ کا بڑا حصہ موجودہ خراسان کی حدود میں شامل ہے، اور اس کا انتہائی مغربی حصہ سمنان موجودہ جبال کا ایک دور کا علاقہ سمجھا جاتا ہے[1]۔

صوبۂ قومس کا دارالحکومت دامغان تھا، جسے عرب اَلدَّامغان اور اپنے دستور کا مطابق قومس (یعنی مدینۃ قومس) بھی کہتے ہیں؛ (۳۶۷) یعنی دارالحکومت کو اسی بڑے صوبہ کے نام پر پکارتے ہیں۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ دامغان میں پانی قلت تھی، اس لیے وہاں کاشت کم ہوتی تھی۔ یہاں کے باشندے کپڑے نہایت عمدہ قسم کے بنتے تھے، جو بکثرت وسادر کئے جاتے تھے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی کے آخر میں دامغان بہت کچھ شکستہ ہو چکا تھا، لیکن اس کی شہر پناہ وغیرہ مضبوط تھی جس میں تین دروازے تھے: ان میں سے اُس نے دو کے نام لکھے ہیں، یعنی باب الرے اور باب خراسان۔ وہ لکھتا ہے کہ یہاں دو بازار تھے، ایک بازار بالا اور دوسرا بازار زیرین۔ بڑے راستہ پر جو شہر میں سے گزرتا تھا ایک خوبصورت جامع مسجد تھی، مرو کے حوضوں کی طرح یہاں پانی کے حوض بھی تھے۔ زمانہ مابعد میں تمام مصنفوں نے بیان کیا ہے کہ دامغان میں ہوا بہت تیز چلا کرتی تھی۔ یاقوت اور دوسرے مصنفوں نے لکھا ہے کہ شہر کے قریب ایک گھاٹی

---

[1] اس صوبہ کے نقشے کے لیے دیکھو نقشہ سے، مقدسی ص ۳۵۳، یاقوت ج ۴۔ ص ۲۰۳، مستوفی ۱۹۱۔ عرب اس نام کو ق سے قومس اور اہل ایران کومس کہتے ہیں۔ لیکن مستوفی نے اس کا ذکر کردیا، قومش لکھا ہے۔

اور اس میں جامع مسجد نہ تھی، لیکن یہاں ایک قلعہ تھا۔ شہر کے بازار عمدہ تھے، کھیت ہرے بھرے تھے، انگور اور ہر قسم کے میوے یہاں پیدا ہوتے تھے۔ اونٹ اور بھیڑیں بھی یہاں بکثرت تھیں۔ شہر کے اندر جو قلعہ تھا اس میں ایک چھوٹی سی مسجد موجود تھی، اور شہر کے گرد فصیل اور دمدمے تھے۔ فصیل میں تین دروازے تھے، جن کے پھاٹک لوہے کے تھے، اور صرف ایک دروازے سے قلعہ کو راستہ جاتا تھا۔ مستوفی نے یہاں کی معقول آب و ہوا، اور غلہ کی عمدہ فصلوں کا ذکر کیا ہے۔

دامغان اور رے کے درمیان نصف راہ سے کچھ کم پر سمنان یا سمنان کا شہر خراسان والی سڑک پر واقع تھا۔ مقدسی نے یہاں کی عالیشان جامع مسجد کا ذکر کیا ہے، جو بازار میں تھی، اور پانی کے بڑے حوضوں کا، جو شہر میں تھے، حال لکھا ہے۔ مستوفی کا بیان ہے کہ میووں میں یہاں کے پستے مشہور تھے، اور پھل بھی طرح طرح کے یہاں پیدا ہوتے تھے۔ اس نے آھُوان کا بھی ذکر کیا ہے، جو ایک چھوٹا سا شہر سمنان اور دامغان کے بیچ میں واقع تھا۔ یہ مقام اس لیے مشہور تھا کہ یہاں بہت سے بزرگوں کے مزار تھے، اور غلہ اور پھلوں کی فصلیں اس کے قرب و جوار میں بہت اچھی اٹھتی تھیں[1]۔

صوبۂ قومِس کا سب سے زیادہ مغربی شہر خُوار تھا۔ یہ خراسان کی سڑک پر تھا، اور رَے سے مشرق کی طرف اسی سڑک پر پڑا مقام جو پہلے آتا تھا وہ یہی تھا۔ عرب جغرافیہ نویسوں نے خُوار کو خُوارِ رَے لکھا ہے۔ ابن حوقل نے چوتھی (دسویں) صدی میں اس شہر کی نسبت لکھا ہے کہ

[1] مقدسی ص ۳۵۶ + قزوینی ج ۲۔ ص ۲۴۳ + یاقوت ج ۲۔ ص ۴۲۲ + مستوفی ص ۱۸۶ و ۱۹۱ + قزوینی نے اس شہر کا نام خُرقان لکھا ہے؛ اگر اس نام پر اعراب نہ دئے جائیں تو وہ صوبۂ جبال کا شہر خَرَقان بھی پڑھا جاسکتا ہے مگر ان دونوں میں خلط ملط نہ پیدا ہونا چاہیے۔

ذکر کیا ہے۔ اس مزار کی شہرت اُس کے زمانہ میں ہو چکی تھی۔ شیخ کا انتقال سنہ ۲۶۱ھ (۸۷۴ء) میں ہوا اور وہیں دفن ہوئے تھے۔ یہ مزار آج کل بھی مرجع خاص و عام ہے۔ یاقوت نے بِسطام کے سیبوں کی تعریف ذاتی تجربہ سے کی ہے اور کہا ہے کہ قریب ہی ایک پہاڑ کی چوٹی پر ایک بڑا قلعہ تھا، جس کی دیواریں مستحکم تھیں، اور سمجھا جاتا تھا کہ یہ قلعہ خسروانِ ایران کے زمانہ میں شاپور ذوالاکتاف (یعنی شاپور دوم) کے عہد میں تعمیر ہوا تھا۔ یاقوت نے بھی بسطام کے بازاروں اور وہاں کی عام خوش حالی کی تعریف کی ہے۔ ابن بطوطہ کے بیان سے، جو آٹھویں (چودھویں) صدی میں یہاں آیا تھا، یاقوت کے بیان کی توثیق ہوتی ہے۔ اس مصنف نے بھی حضرت بایزید بسطامی کی تربت پر جو عمارت تھی اُس کا ذکر کیا ہے۔[1] (۳۶۹)

بِسطام سے چار فرسخ، استرآباد جانے والی سڑک پر خُرقان کا شہر ساتویں اور آٹھویں (تیرھویں اور چودھویں) صدی میں کسی قدر بڑا مقام تھا۔ مستوفی نے اسے ایک گاؤں لکھا ہے، جس کی آب و ہوا اچھی تھی، اور جس میں پانی کی افراط تھی۔ یہ مقام اس لئے مشہور تھا کہ یہاں حضرت ابوالحسن خرقانی کا مزار تھا۔ بِسطام سے جنوب مشرق کی طرف پچاس میل کے فاصلے اور بادیہ ایران کے کنارے بیار (یعنی کنوئیں) کا چھوٹا سا شہر تھا، جسے آج کل بیار جُمند کہتے ہیں۔ مقدسی نے چوتھی (دسویں) صدی میں لکھا ہے کہ یہ ایک چھوٹا سا شہر تھا

---

[1] ابن حوقل ص ۲۷۱، مقدسی ص ۳۵۶، ناصر خسرو ص ۳، یاقوت ج ۱۰ ص ۶۲۳، ابن بطوطہ ج ۳ ص ۲۰۰۔ بسطام کے جنوب میں دہنِ بیک کے فاصلے پر شاہرود کے شہر کا ذکر کسی عرب یا ایرانی مصنف نے نہیں کیا، حالانکہ یہ مقام آج کل اس علاقہ میں تجارت اور آبادی کا مرکز ہے۔ اسی وجہ سے صنیع الدولہ نے اعتراف کیا ہے کہ اسے معلوم نہ ہو سکا کہ یہ شہر کب آباد ہوا تھا۔ مراۃ البلدان ج ۱ ص ۲۱۰۔

مرحلوں میں خُوار پہنچتی تھی۔ خُوار سے ایک مرحلہ آگے قصر یا قریۃ الملح (نمک والا گاؤں یا قلعہ) تھا، جسے اہل ایران دِہِ نمک کہتے تھے۔ مستوفی نے یہی نام لکھا ہے، اور آج کل بھی اس کا یہی نام ہے۔ تمام سفرناموں کے بیان کے مطابق قریۃ الملح کے آگے دوسرا پڑاؤ رأس الکلب (یعنی کتے کا سر) تھا۔ یہ نام اب نقشے میں نہیں ملتا، مگر اس کا موقع وہاں تھا جہاں اب لاسگرد کا قلعہ مع آبادی کے واقع ہے۔ یہ قلعہ بادیۂ ایران کے کنارے ایک پہاڑی پر اب تک موجود ہے۔ (لاسگرد کا نام زمانۂ وسطیٰ کے کسی مصنف کی کتاب میں نہیں پایا جاتا) یہاں سے ایک لمبے مرحلہ کے فاصلہ پر سمنان ہے۔ سمنان سے آگے مشرق کی طرف دامغان بھی (جس کا نام شروع کے جغرافیہ نویسوں نے قُومِس لکھا ہے) ایک لمبے مرحلہ کا فاصلہ رکھتا تھا۔ دامغان سے ایک مرحلہ آگے الحدادہ (لوہار کی بھٹی) ہے۔ جس کا نام مستوفی نے مہمان دوست بھی لکھا ہے۔ الحدادہ سے ایک دن کی مسافت پر بسطام تھا، یا اگر جنوبی راستہ اختیار کیا جائے تو بریدخانہ (ڈاک گھر) پر منزل کرنی پڑتی تھی جو بسطام سے دو فرسخ ادھر ہی آتا تھا۔ یہ بریدخانہ اس زمانہ میں بدشتہ کے گاؤں پر تھا، اور آج کل بھی وہیں ہے۔ اس مقام سے چل کر کچھ دور آگے خراسان میں داخل ہوتا تھا، اور ڈاک کی سڑک سے آخر کار مسافر نیشاپور پہنچ جاتا تھا۔ اس کے علاوہ مقدسی نے ایک اور سڑک کا ذکر کیا ہے جو بسطام سے بیار تک تین مراحل رکھتی تھی اور بیار سے مغرب کی سمت میں ریگستان میں سے ہوتا ہوا کوئی دامغان کو واپس جانا چاہے تو یہ فاصلہ پچیس فرسخ کا تھا۔[1]

(۵

[1] ابن خرداذبہ ص ۲۲، ۲۳ + قدامہ ص ۲۰۰، ۲۰۱ + ابن رستہ ص ۱۶۹، ۱۷۰ + (اس میں اسی نمک کا ذکر ہے جس میں سے مصنف گزرا تھا) + اصطخری ص ۲۱۵، ۲۱۶ + ابن حوقل ص ۲۷۴، ۲۷۵ + مقدسی ۳۷۱، ۳۷۲ + مستوفی ص ۱۹۶ + موجودہ لاسگرد کی

وہ ایک چھوٹا سا بہت خوش گوار شہر ہے۔ اس کا قطر چوتھائی میل تھا۔ آبادی بہت تھی، چند ندیاں کوہ دماوند سے نکل کر اس کی زمینوں میں سے گزرتی تھیں۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ تمام صوبۂ قومس میں خوار سب سے زیادہ سرد مقام تھا، لیکن اس کی مزروعہ اراضی نہایت حاصل خیز تھیں۔ قزوینی لکھتا ہے کہ یہاں باہر بیچنے کے لئے روئی بہت کاشت کی جاتی تھی۔ مستوفی کا بیان ہے کہ یہاں کا غلہ اور کشملوک یعنی وھان بہت مشہور تھا۔ چونکہ صوبۂ فارس میں بھی خوار نام کا ایک شہر تھا (دیکھو حاشیہ ۹، ۲۸) اس لئے تمیز قائم کرنے کے لئے اس خوار کو خوار ری کہتے تھے۔ چنانچہ تیمور کی فوجی مہموں کی تاریخ میں اس کا یہی نام مذکور ہے۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ خوار کو محلہ باغ بھی کہتے تھے۔

صوبۂ قومس کی پیداوار کے متعلق مقدسی لکھتا ہے کہ یہاں خاص قسم کے بہت قیمتی سوتی رومال [مندیل] تیار ہوتے تھے۔ یہ مشہور رومال چھوٹے بڑے، سادے، دھاری دار، رنگین کنارے والے ہر قسم کے ہوتے تھے، اور ان کی بناوٹ ایسی نازک اور باریک ہوتی تھی کہ ایک ایک مندیل کی قیمت دو ہزار درہم (یعنی بارہ سو روپیہ کے قریب) ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ قومس میں قباؤں کے لئے اونی کپڑے اور طیلسان بھی تیار ہوتے تھے۔ [1]

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ صوبۂ قومس کے پورے طول میں سے خراسان والی بڑی سڑک گزرتی تھی۔ اس کا حال ابن خرداذبہ سے لے کر مستوفی تک سب نے لکھا ہے۔ رے سے چل کر یہ سڑک تین

[1] ابن حوقل ص ۲۷۰+ مقدسی ص ۳۶۷+ قزوینی ج ۲۔ ص ۲۴۳+ مستوفی ص ۱۹۱، ۱۹۶+ علی یزدی ج ۲۔ ص ۲۱۲+ آج کل خوار کی جگہ آرادان کا شہر آباد ہے، لیکن گرد و نواح کا علاقہ پرانے شہر خوار کے نام پر اب بھی خوار ہی کہلاتا ہے۔

کے متوازی صوبۂ قُومِس کے شمال میں اور شمال سے لے کر مشرق تک چلا گیا ہے یہاں کی زبان میں طَبَرْ کے معنے پہاڑ کے تھے۔ اس لئے طَبَرِستان کے معنے پہاڑی ملک کے ہوئے۔

ساتویں (تیرھویں) صدی میں، مغلوں کے حملے کے زمانہ سے کچھ پہلے معلوم ہوتا ہے کہ طَبَرِستان کا نام متروک ہو چکا تھا، اور اُس کی جگہ مازِندَران مستعمل تھا، چنانچہ آج تک یہی نام اس صوبۂ کے لئے مروج ہے۔ کبھی مازندران میں قریب کا صوبہ جُرجان بھی شامل سمجھا گیا ہے۔ یاقوت، جو اُن مصنفوں میں پہلا شخص ہے جنھوں نے مازِندران کا نام استعمال کیا ہے، لکھتا ہے کہ اُسے علم نہیں کہ یہ نام کب سے مروج ہوا، اور گو وہ پرانی کتابوں میں کہیں نہیں آتا، لیکن اُس کے زمانہ میں وہ عام طور پر زبان زد ہو چکا تھا۔ طَبَرِستان اور مازِندران کے نام اگرچہ اس وقت عملاً مترادف سمجھے جاتے تھے، لیکن شروع میں طَبَرِستان سے مراد یہاں کے بلند پہاڑوں سے تھی، اور ضمناً اُس میں وہ تنگ اور نشیبی زمین بھی شامل سمجھی جاتی تھی جو بحیرۂ خزر کے کنارے کنارے سَفِیدرُود کے ڈلٹا سے لے کر اس بحیرۂ کے جنوب مشرقی گوشہ تک پھیلی تھی۔ مازِندران کی نسبت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے پہل وہ صرف اسی تنگ نشیبی زمین کے لئے بولا جاتا تھا، اور بعد میں پہاڑی علاقہ اس کے تحت میں شامل سمجھا گیا۔ آج کل طَبَرِستان کا لفظ متروک ہے۔

خلافت کے ابتدائی عہد میں سیاسی لحاظ سے اس صوبۂ کی اہمیت بہت کم تھی، اور حقیقت میں آل ساسان کی سلطنت کا یہ وہ حصہ تھا،

(بقیۂ حاشیہ صفحہ گزشتہ) چلے گئے ہیں۔ چنانچہ بہت لوگوں کا خیال ہے کہ (قصوں میں) قاف کے پہاڑ جن کی نسبت مشہور ہے کہ وہ زمین کے گرد حلقہ کئے ہیں وہ البرز کے پہاڑ ہی ہیں۔ مغرب میں سلسلۂ گرجستان (Georgia) کے پہاڑوں سے مل گیا ہے۔ کاکیسس پہاڑ کی چوٹی البرز کے لئے دیکھو صفحہ حاشیہ ۱۸۱ +

طَبَرِستان یا مازِندَران

ابتدائی زمانہ کے عرب جغرافیہ نویسوں نے بلند پہاڑوں کے اس ۲ قہ کو طبرستان کہا ہے جس کے بڑے حصہ پر وہ پہاڑی سلسلۂ واقع ہے جسے آج کل سلسلۂ اَلبُرز[1] کہتے ہیں اور بحیرۂ خزر کے جنوبی کنارے

(بقیۂ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) تصویر کے لیے دیکھو ایچ، ڈبلیو، بیلو Bellow کی کتاب From the Indus to the Tigris ص ۴۰۴ بَدَلْشَہ کے متعلق یہ عجیب بات ہے کہ یاقوت نے اپنی کتاب میں ایک جگہ تو اس مقام کا املا صحیح لکھا ہے لیکن نون کی تختی میں اس کا دوبارہ ذکر (غلطی سے) نَدلَشَہ کی ذیل میں کر دیا ہے۔ دیکھو یاقوت ج ۱۔ ص ۵۳۰۔ ج ۴۔ ص ۷۷۲۔

[1] آلبُرز جس کا تلفظ آج کل عام طور سے اَلبُرز کیا جاتا ہے، موجودہ زمانہ میں اس بڑے پہاڑی سلسلہ کا نام ہے جو ایران کی سطح مرتفع کو بحیرۂ خزر کی نشیبی زمینوں سے جدا کرتا ہے۔ بہرکیف یہ نام ابتدائی عرب جغرافیہ نویسوں میں سے کسی نے نہیں لکھا، اور انھوں نے اس پورے سلسلہ کا کوئی ایک نام بیان نہیں کیا ہے۔ وُلرز (Vullers) نے اپنی فارسی و لاطینی لغت (Lexicon Persico Latinum) میں لکھا ہے کہ آلبُرز زبان زند کے دو لفظوں سے مرکب ہے کہ جن کے معنی بلند پہاڑ کے ہیں۔ مستوفی ص (۲۰۲) غالباً پہلا مصنف ہے جس نے یہ نام لکھا ہے، مگر بہت سے معنوں میں اُسے استعمال کیا ہے۔ اپنی کتاب کے جس باب میں ایران کے پہاڑوں کا ذکر کیا ہے وہاں لکھتا ہے کہ آلبُرز ایک بلند سلسلہ ہے جو باب الابواب (یعنی Caucasus) کے پہاڑوں کے ساتھ علی الاتصال چلا گیا ہے۔ حقیقت میں یہ دو بڑے پہاڑ ہیں جو لگاتار چلے گئے ہیں اور جن کا ایک سلسلہ بندھ گیا ہے۔ اس سلسلہ کا طول ایک ہزار فرسخ سے بھی زائد ہے۔ یہ پہاڑ وسط ایشیا میں ترکستان سے شروع ہوتے ہیں، اور عرب میں حجاز تک

کے زمانہ میں قزوین سے بڑا اور خوب معمور شہر تھا۔ مقدسی نے بیان کیا ہے کہ شہر میں ایک شفا خانہ (بیمارستان) اور دو جامع مسجدیں تھیں۔ ان میں سے ایک مسجد عتیق تھی، جو بازار میں تھی اور اسی کے گرد درخت تھے۔ مسجد جدید شہر پناہ کے قریب تھی۔ دونوں مسجدوں میں الگ الگ بڑا رواق تھا۔ شہر کے سوداگر تجارت خوب کرتے تھے۔ گرد و نواح میں چاول کی کاشت بکثرت ہوتی تھی، اور ایک بڑے دریا سے جو شہر میں سے گذرتا تھا، کھیتوں میں آب پاشی کی جاتی تھی۔ یاقوت نے ان باتوں کے علاوہ اور کچھ بیان نہیں کیا۔ مستوفی نے البتہ شہر کی گرم اور مرطوب آب و ہوا کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کھجور، انگور، اخروٹ، رنگترہ، اور ایک قسم کی نارنگی جسے بہتابی کہتے ہیں، اور لیموں بافراط ہوتے تھے، اور جو عطریات یہاں تیار کئے جاتے تھے وہ دور و نزدیک مشہور تھے۔ آمُل کا بندرگاہ عَیْن الہُم کا چھوٹا سا شہر تھا، اور یہ اُس جگہ تھا جہاں آمُل کا دریا بحیرۂ خزر میں گرتا ہے۔ یاقوت نے عَیْن الہُم کو اَہْلَم لکھا ہے، اور بیان کیا ہے کہ یہ بڑا شہر نہ تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے آخر میں تیمور نے آمُل کو تاخت و تاراج کیا، اور مَاھَانَہ سَر کے تین قلعوں کو، جو ساحل بحر کی سمت میں شہر سے چار فرسخ پر واقع تھے مسمار کر دیا۔

صوبۂ طبرستان کا دوسرا اور آمُل سے پیشتر کا دارالحکومت سَارِیَہ تھا، جو آج کل سَارِی کہلاتا ہے، اور آمُل کے مشرق میں واقع ہے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ سَارِیَہ ایک معمور شہر تھا، جہاں کپڑا بہت بنا جاتا تھا۔ اُس کے بازار مشہور تھے۔ یہاں ایک چھوٹا سا قلعہ تھا اور اُس کے گرد خندق تھی۔ شہر میں ایک جامع مسجد تھی، جس میں ایک بہت خوبصورت نارنگی کا درخت تھا، اور ایک بڑا گھنا انجیر کا درخت شہر کے پل پر تھا۔ کشتیوں کے پل یہاں کے مشہور تھے۔ زمانۂ مابعد میں سَارِیَہ کا حال بہت کم بیان ہوا ہے۔ ساتویں (تیرھویں) صدی

جس نے سب سے آخر میں اسلام قبول کیا۔ ایران کے باقی حصوں کی اسلامی فتح کے بعد اس صوبۂ کے فرمان روا، جو یہیں کے رہنے والے تھے، اور اِسْپَہْبُدَان طَبَرِستان کہلاتے تھے، ایک صدی سے کچھ زائد تک اپنے پہاڑی قلعوں میں خود مختارانہ حکومت کرتے رہے۔ دوسری (آٹھویں) صدی کے نصف تک ان کے سکوں پر پہلوی زبان کی عبارت مضروب ہوتی رہی، اور زردشتی مذہب اس عظیم الشان سلسلۂ کوہ کے تمام بنوں اور جنگلوں میں مروج رہا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے لکھا ہے کہ لہسن، چاول، اور سن [کتان] اس ملک کی خاص پیداوار سمجھے جاتے تھے۔ پانی کے پرند اور مچھلیاں بہت ہوتی تھیں؛ اور یہاں باقی ملک ایران کے برعکس بارش بھی بہت ہوتی تھی۔ اس کے بعد کے زمانہ میں قزوینی لکھتا ہے کہ یہاں ریشم کے کیڑے بہت پالے جاتے تھے، اور ریشم بڑی مقدار میں درساور ہوتا تھا۔ اونی کپڑے، قالین، نقابیں، مندیل اور سوتی کپڑے بہت تیار کئے جاتے تھے۔ جنگلوں سے مختلف قسم کی لکڑی خصوصاً شمشاد، اور خلنج کاٹی جاتی تھی۔ خلنج کی لکڑی کے تیر، پیالے اور اور برتن بنائے جاتے تھے۔ طَبَرِستان میں مکانات لکڑی اور نرسل کے ہوتے تھے۔ کیونکہ ابن حوقل لکھتا ہے کہ گرمی جاڑے یہاں بارش ہوا کرتی تھی۔ اور اسی وجہ سے مکانوں کی چھتیں بھی گنبد نما بناتے تھے۔ [1] (۲۷۰)

طبرستان کا دارالحکومت خلفاء عباسیہ کے آخری زمانہ میں آمُل تھا، گو تیسری (نویں) صدی میں خاندان طاہریہ کی طرف سے جو حاکم آتا تھا وہ اکثر سارِیَہ میں رہا کرتا تھا۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ آمُل اس

---

[1] ابن حوقل ص ۲۷۰، ۲۷۱ + مقدسی ص ۳۵۴ + قزوینی ج ۲۔ ص ۲۷۰ + یاقوت ج ۳ ص ۵۰۲۔ لفظ طبر کے لئے دیکھو صفحہ ۲۱۶ +

شہر دَماوَند جو ایک چھوٹا سا شہر تھا، اور جس کا نام مستوفی نے پشیان لکھا ہے، کوہ دَماوَند کی جنوبی شاخ پر واقع تھا، اور علاقۂ دَماوَند وہ عریض اور زرخیز قطعہ تھا۔ جو کوہ دَماوَند کے دامنوں کے گرد پھیلا ہوا تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں اس علاقہ کا نام وِیمہ تھا۔ اس کا ذکر قریب کے شہر شَلَنبَہ کے ساتھ ابن حوقل نے کیا ہے، اور لکھا ہے کہ ان دونوں مقامات کی غلہ خیز زمینیں اور تاکستان، مشہور تھے۔ یاقوت کا گزر دِیمَۃ (یا وَیمَہ) سے ہوا تھا، جو اس وقت ویران ہو چکا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ یہاں سے فِیرُوزکُوہ کا قلعہ نظر آتا تھا۔ اس قلعہ میں بھی یاقوت کا گزر ہوا تھا۔ مستوفی کا بیان ہے کہ اس قلعہ کو اُس دریا کے سرچشمہ سے پانی ملتا تھا جو خوار میں سے گزرتا ہوا صوبۂ قومس کی سطح زمین میں بہتا تھا۔ فِیرُوزکُوہ مازندران کے اُن قلعوں میں سے تھا، جن کی نسبت بیان ہوا ہے کہ تیمور نے انھیں محاصرہ کر کے فتح کیا تھا۔ کوہ دَماوَند کے ڈھال پر ایک دوسرا مشہور قلعہ اُستُونَاوَند یا اُستُن آباد تھا۔ قزوینی نے لکھا ہے کہ تین ہزار برس سے اس قلعہ کو کوئی نہ لے سکا تھا، مگر ۶۱۳ھ (۱۲۱۶ء) میں مغلوں نے ہلہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔ یاقوت کہتا ہے کہ اس قلعہ کو جَرهُدْ بھی کہتے تھے، اور وہ رَے سے دس فرسخ کے فاصلہ پر تھا، اور یہ اس ملک کے پرانے مجوسی رئیس سپاہبد کا قلعہ تھا۔ اس خاندان کے آخری تاجدار کو یحییٰ بن خالد برمکی نے شکست دی تھی، اور بادشاہ کی بیٹیوں کو قید کر کے بغداد لے گیا تھا۔ ان میں سے ایک سے جس کا نام بُحرِیّہ تھا، خلیفہ منصور نے نکاح کیا، اور اُس کے بطن سے ہارون الرشید کا باپ مہدی پیدا ہوا۔ بعد کے زمانہ میں یہ قلعہ، جسے ۳۵۱ھ (۹۶۱ء) میں بنی بُوَیہ کے سلطان فخرالدولہ نے دوبارہ تعمیر کرایا تھا، حشیشین کے قبضہ میں آ گیا۔ [1]

[1] اصطخری ص ۲۰۰+ابن حوقل ص ۲۶۵، ۲۷۰، ۲۷۱+مقدسی ص ۳۹۲+قزوینی ج ۲

میں مغلوں کی یورش سے اسے بہت نقصان پہنچا، اور جب مستوفی نے اپنی کتاب لکھی ہے تو وہ تقریباً ویران ہو چکا تھا گو اس کی اراضی میں اس وقت بھی انگور اور غلہ بافراط پیدا ہوتا تھا، اور ریشم کے کیڑے جو یہاں پرورش کئے جاتے تھے انہی کے ریشم سے کپڑے بنے جاتے تھے۔[1]

(۳۷) دَماوَند کا عظیم الشان پہاڑ کل طبرستان پر چھایا ہوا ہے اور اس کی برف سے ڈھکی ہوئی چوٹی ایران کی سطح زمین سے طہران کے جنوب میں سو سو میل سے بھی زیادہ فاصلے سے نظر آتا ہے، بلکہ مستوفی نے تو یہ لکھا ہے کہ وہ سو فرسخ سے دکھائی دیتی تھی، اور پہاڑ کی چوٹی ہمیشہ برف سے ڈھکی رہتی تھی۔ ایرانی افسانوں میں گوہ دُنباوند جیسا کہ ابتدائی مصنفوں نے اس کا نام لکھا ہے، سیمرغ کا وطن ہونے کی وجہ سے مشہور تھا، جو پرانے افسانوں کا ایک پرندہ ہے، جس نے زال یعنی رستم کے باپ کو پرورش کیا تھا۔ مستوفی نے ایران کے اس قومی ہیرو کے متعلق بہت سے عجیب و غریب قصے نقل کئے ہیں۔ ابن حوقل کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عظیم الشان پہاڑ ساوہ سے نظر آتا ہے اور وہ ایک گنبد کی طرح "بلند پہاڑوں میں اونچا اٹھا ہوا تھا"۔ اس مصنف کا خیال یہ تھا کہ کوئی فرد بشر آج تک اس کی چوٹی پر نہیں چڑھ سکا۔ وہ لکھتا ہے کہ اس کی چوٹی سے ہمیشہ دھواں اٹھتا دکھائی دیتا تھا۔ جادوگر یہاں اکثر آمدرفت رکھتے تھے، اور عجیب و غریب حکایات اس پہاڑ کی نسبت مشہور تھیں، خصوصاً یہ کہ ایران کا پرانا جابر و جفاکار بادشاہ الضحاک (زہاک) اب بھی اس پہاڑ کے غاروں میں زندہ موجود ہے۔

دَماوَند نے اپنا نام ایک شہر اور ایک علاقہ کو بھی دے رکھا تھا

[1] ابن حوقل ص ۲۷۱، ۲۷۲، ۳۷۲ + مقدسی ص ۳۵۴، ۳۵۹ + یاقوت ج ۱۔ ص ۳۵۴، ۴۰۹ + مستوفی ص ۱۰۹ + علی یزدی ج ۱۔ ص ۳۹۱، ۵۷۱ + ابوالفداء ص ۴۲۷۔

شہر اتنا بڑا نہ تھا کہ اُس میں جامع مسجد ہوتی۔

فادُوسبان سے ملحق جبل قارِن کا علاقہ تھا۔ اس علاقہ کا نام ایک مشہور خاندان کے نام پر ہو، جسے قارِن کہتے تھے، اور جس کی نسبت کہا جاتا تھا کہ وہ پہلوی نسل سے تھا۔ بہرکیف امراء قارِن کے نام ساسانیوں کی تاریخ میں آئے ہیں، اور مسلمانوں کے زمانہ میں بھی قارِن کا خاندان اس علاقہ پر حکمراں تھا۔ امراء قارِن کا بڑا قلعہ، جس پر وہ ساسانیوں کے زمانہ سے قابض تھے، فِرّزم کے مقام پر تھا، اور اس علاقہ میں آبادی کا بڑا مرکز شہر سِمْہار (یا سِنْہار) تھا۔ اس علاقہ میں صرف یہیں ایک جامع مسجد تھی۔ افسوس ہے کہ کسی سیاحت نامہ میں فِرّزم کی صحیح جاء وقوع نہیں بتائی گئی۔ یاقوت نے ساتویں (تیرھویں) صدی میں، اور مستوفی نے آٹھویں (چودھویں) صدی میں اس کا ذکر کیا ہے۔ مستوفی نے صرف اتنا لکھا ہے کہ وہ صوبۂ قُومِس کی سرحد پر واقع تھا۔ تیسرا پہاڑی علاقہ جبل الرُّوْینج کا تھا، جو تر سے کے شمال، اور اسی وجہ سے دَیلم کی سرحد سے قریب تر واقع تھا۔ اس علاقے کے کسی شہر یا گاؤں کا ذکر نہیں ہوا لیکن کہا جاتا ہے کہ یہ بہت زرخیز اور شاداب علاقہ تھا، اور اُس کے پہاڑوں کے دامن درختوں اور جھاڑیوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔[1]

---

[1] اصطخری ص ۲۰۵، ۲۰۶۔ ۲ + ابن حوقل ص ۲۶۸، ۲۶۹ + یاقوت ج ۱۔ ص ۲۱۲ + ج ۲۔ ص ۳۲۴، ۹۰۰ + مستوفی ص ۱۹۱ + اصطخری اور ابن حوقل کی کتابوں میں نقطوں کے غلط جگہ لگ جانے سے بجائے فادُوسبان کے قادُوسیان چھپ گیا ہے، اور اسی بنا پر یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ یہاں کے رہنے والے وہی ہیں جن کو اسٹریبو نے کدوسی (Cadusii) لکھا ہے + دیکھو نولڈکے (Noldeke) کی کتاب (Geschichte der Perser und Araber zur Zeit der Sassaniden) ص ۱۵۱، حاشیہ ۲ + اس مصنف نے لکھا ہے ساسانیوں کے عہد میں بادُوسبان اِس سرحدی

زمانہ وسطیٰ کے جغرافیہ نویسوں نے طبرستان کے بہت سے قلعوں اور شہروں کے نام لکھے ہیں، مگر اب وہ نقشے پر نہیں ملتے۔ یہ شہر اور قلعے یا تو ساتویں (تیرھویں) صدی میں مغلوں کی یورش میں برباد ہوئے، یا تیمور نے ان کو فتح کر کے مسمار کرا دیا، کیونکہ تیمور نے آٹھویں (چودھویں) صدی کے اواخر میں مازندران کو ایک سے زیادہ مرتبہ تاخت و تاراج کیا تھا۔ اس کے علاوہ ان برباد شدہ قلعوں اور شہروں کے موقع اور محل نقشے پر محض اٹکل سے مرتسم کرنا بھی ممکن نہیں۔ ان میں سے بہت سے ایسے ہیں جن کا ذکر تک سیاحت ناموں میں نہیں آیا ہے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے تین پہاڑی علاقوں کا ذکر کیا ہے، جن میں سرسبز جنگل بہت تھے، اور زمین زرخیز تھی۔ یہ علاقے شہر ساریہ کے جنوب میں، اس سے ایک دن کی مسافت پر، مغرب کی سمت میں بڑھتے ہوئے صوبہ گیلان کے علاقہ میں دیلم کی سرحد تک چلے گئے تھے۔ ان میں سے پہلا علاقہ جبل فاذوسبان (یا فارسی طرز تحریر میں بادوسبان) تھا۔ یہ حقیقت میں اس خاندان کا نام تھا جس نے تقریباً آٹھ سو برس یعنی فتوحات اسلامی کے زمانہ سے لے کر مغلوں کی یورش تک، اس علاقہ پر نیم خود مختارانہ حیثیت سے حکومت کی تھی۔ یہ تمام پہاڑی علاقہ گاؤں اور قریوں سے پٹا پڑا تھا۔ ان میں سب سے بڑا گاؤں قریۃ منصور تھا؛ ایک دوسرا گاؤں اُرم خاست یا اُرم خاستہ تھا۔ اس میں دو بستیاں ایک اوپر اور ایک نیچے تھیں۔ یہ سب گاؤں شہر ساریہ سے ایک دن کی مسافت پر تھے، لیکن پہاڑ کے دامن پر یہاں کوئی

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) ص ۱۹۵ + یاقوت ج ۱۔ ص ۲۴۳، ۲۴۴ + ج ۳۔ ص ۳۹۰ + ج ۴ ص ۹۴۴ + مستوفی ص ۱۹۱، ۲۰۳، ۲۰۴ + علی یزدی ج ۲۔ ص ۷۰۰ + قلعہ فیروزکوہ اب تک موجود ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ استوناوند کا اصلی موقع اب تک دریافت نہیں ہوا۔

اس کے علاوہ رُویان ایک علاقہ کا نام اُن بڑے علاقوں میں سے تھا جو صوبۂ طَبَرِستان کی مغربی سرحد پر پہاڑوں میں واقع تھے۔ ابوالفداء نے لکھا ہے کہ شہر رُویان شارِستان بھی کہلاتا تھا، اور شہر قزوین سے سولہ فرسخ کے فاصلے پر ایک پہاڑی دَرّہ کی چوٹی پر واقع تھا۔ یاقوت کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح آمُل طَبَرِستان کی نشیبی سطح زمین کا مستقر تھا اسی طرح رُویان اس صوبہ کے پہاڑی علاقہ کا دارالحکومت تھا۔ اُس میں خوبصورت عمارتیں تھیں، اور اس کے باغات پھلوں کی کثرت پیداوار میں مشہور تھے۔

دَیلَم کی سرحد پر طاق کا مضبوط اور مستحکم قلعہ طَبَرِستان کے اسپہبدی حکمران کا، جسے خلیفہ منصور عباسی کے عہد میں حکومت سے محروم کیا گیا، آخری آماج گاہ رہا تھا۔ یہ ضرور ہے کہ یہ قلعہ اُسی علاقہ رُویان میں (جس کا اوپر ذکر ہوا) واقع ہوگا۔ یاقوت اور قزوینی دونوں نے کسی قدر تفصیل سے اس قلعہ کا حال لکھا ہے، اور پرانے مصنفوں کی عبارتیں اس کے متعلق نقل کی ہیں۔ قلعہ طاق کی نسبت بہت ساسانیوں کے زمانہ سے چلا آتا تھا، سمجھا جاتا تھا کہ اُسے کوئی فتح نہیں کر سکتا۔ یہ قلعہ پہاڑوں کے اوپر تھا، اور پہاڑ قلعہ کے گرد تھے ان کو اندر اندر ہی کھود کر ایک سرنگ بنائی گئی تھی، اور اسی سرنگ سے اس قلعہ میں داخل ہونے کا راستہ تھا۔ منہ اس سرنگ کا ایک کھلی ہوئی وادی میں کھلتا تھا، جس کے گرد اونچے اونچے پہاڑ سیدھے کھڑے تھے۔ ان پہاڑوں میں بہت سے غار تھے۔ ان ہی میں ایک غار سے ایک چشمہ نکلا تھا، جس کا پانی بڑے زور سے بہتا تھا، اور تھوڑی دور بہ کر ایک دوسرے غار میں گر کر غائب ہو جاتا تھا۔ یاقوت نے اس مقام کے عجائبات تفصیل سے لکھے ہیں۔

سَفید رُود کے مشرقی معاون (دیکھو صفحہ حاشیہ ۱) یعنی شاہ رُود کے سرچشموں کے قریب رُستَمدار کا علاقہ، جس میں مستوفی لکھتا ہے کہ تین سو

آمل سے ایک دن کی مسافت یا پانچ فرسخ مغرب میں ساحل بحر کے قریب سطح زمین پر ناتل یا ناتلہٗ کا شہر تھا۔ اس سے اتنے ہی فاصلے پر مغرب میں سالوس یا شالوس کا شہر تھا، جس کی نسبت مقدسی نے لکھا ہے کہ اس میں ایک سنگ بستہ قلعہ اور اس سے متصل جامع مسجد تھی۔ اس نام کا املا سالوس بھی کیا گیا ہے۔ اس کے قریب دو اور شہر تھے، یعنی اَلکبیرہ اور کجہ۔ تیمور کی فوجی مہموں کے حالات میں شالوس کو جالوس لکھا گیا ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ علاقہ تیمور کی لڑائیوں سے ہمیشہ کو تباہ ہو گیا تھا۔ اس تباہی میں جنوبی سمت کے پہاڑی علاقے، یعنی رُویان اور رُستمدار بھی شامل تھے۔[1]

شہر کلار، جسے یاقوت متذکرہ صدر شہر کجہ سے مطابق سمجھتا ہے، شالوس سے ایک مرحلہ کے فاصلے پر تھا۔ لیکن کلار بالکل پہاڑوں میں واقع تھا۔ کلار سے دیلم کی سرحد صرف ایک مرحلہ رہ جاتی تھی۔ یہاں ناموں میں کچھ خلط ملط واقع ہو گیا ہے، لیکن کلار، کجہ اور رُویان اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ وہ متصل اور ہمسایہ شہر تھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) علاقے کے حاکم دیوانی اور اِسپہبد حاکم فوج ہوتے تھے۔ دیکھو جسٹی (Justi) کی کتاب Iranisches Namebueh. ص ۱۵۶، مضمون کارین Karen اور صفحہ ۲۴۵، مضمون پٹ کوسپن (Patkospan) اسلامی عہد میں باوَوسبان کے امراء کی فہرست کے لئے دیکھو جی حل گناف (Melgunof) کی کتاب Das Sudliche Ufer des Kaspischen meers. ص ۵۰ + اور قارن کے امراء کے لئے: دیکھو اسی کتاب کا صفحہ ۵۲ +

[1] ابن حوقل ص ۲۷۰ + مقدسی ص ۳۵۹ + ابوالفداء ص ۴۰۵ + یاقوت ج ۳ ص ۱۲۴، ۲۲۷، ۵۰۴ + ج ۴ ص ۲۷۶ + علی یزدی ج ۱ ص ۳۹۱ + شالوس کے متعلق بیان ہوا ہے کہ وہ ساحل سے صرف آٹھ فرسخ تھا، لیکن اگر یہ مقام بحیرۂ خزر کے ساحل پر یا اس کے قریب تھا، تو اس کا ساحل سے اس قدر قریب ہونا یقیناً غلط ہے۔

یا تمیشہ کا شہر تھا۔ یہ شہر اُس سنگ بستہ بلند روش کے کنارے تھا جو یہاں کی مردابی قطعوں پر سے گزرنے کے لئے بنائی گئی تھی۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ یہ سنگین روش یا بندا نوشیروان عادل نے اس غرض سے بنوایا تھا کہ بڑی سڑک جو یہاں آئی تھی وہ اس مرداب کو باسانی اس سنگین روش پر سے گزر کر طے کر لے۔ [1]

بحیرۂ خزر کے جنوب مشرقی گوشہ پر وہ خلیج ہے، جسے آج کل خلیج اَشُر اَدہ کہتے ہیں۔ یہاں سے ریتی کی ایک لمبی پٹی سی مشرق کی طرف پھیلی چلی گئی ہے، یہاں تک کہ وہ جُرجان والے ساحل کے قریب تک پہنچ جاتی ہے۔ اس خلیج کا ذکر مع اُس کے جزیرہ نما کے مستوفی نے قُودان کے نام سے کیا ہے۔ یہاں کی بستی آٹھویں (چودھویں) صدی میں بہت معمور تھی، اور بحیرۂ خزر کے مختلف حصوں سے جس قدر جہاز آتے تھے اُن کا بندرگاہ تھی۔ اس کا فاصلہ اَستر آباد سے صرف تین فرسخ تھا۔ اور شہر جو بندرگاہ کے عقب میں تھا شہر آباد کہلاتا تھا۔ وہاں تجارت کی خوب گرم بازاری تھی۔ اس سے متصل علاقہ کبُود جامہ کہلاتا تھا؛ اس میں ریشم بہت تیار ہوتا تھا، اور غلہ پیدا کرنے کی زمینیں اور تاکستان بہت تھے۔ یہ کسی زمانہ میں مرفہ الحال علاقہ تھا، لیکن آٹھویں (چودھویں) صدی کے آخر میں تیمور کی لڑائیوں کی وجہ سے بالکل تباہ ہو گیا۔ شہر رُوعَد یا رُودغَد غالباً کبُود جامہ کے علاقہ میں تھا۔ مازندران میں داخلہ کے وقت اس شہر سے تیمور کا گزرنا

---

[1] ابن حوقل ص ۲۷۵ + یاقوت ج ۲۔ ص ۳۰۴، ۵۰۴، ۵۷۴ + ج ۴۔ ص ۳۹۸، ۶۴۲، ۶۹۹، ۷۲۳ + بارفروش کا نام بارِہ فروش دِہ کی صورت میں سب سے پہلے ہفت اقلیم مصنفہ احمد رازی میں، جو دسویں (سولھویں) صدی کی تصنیف ہے آیا ہے۔ دیکھو ڈورن (Dorin) کی کتاب Muhammedanische Quellen فارسی کی متن کی جلد ۴۔ صفحہ ۹۹۔

قریے شامل تھے، واقع تھا، اور اس طرح یہ علاقہ شاہ رود کے بہت سے معاون دریاؤں سے سیراب ہوتا تھا؛ قزوین اور آمل کے درمیان علاقۂ رُویان کے مشرق میں پڑتا تھا۔ اور جیساکہ اس کتاب کے پندرھویں باب میں صفحہ حاشیہ ۲۲۱ میں بیان ہو چکا ہے شاہ رُود کے کنارے اسماعیلیوں یا حشیشین کے دو بڑے قلعے واقع تھے، اور غالباً اسی رُستمدار کے علاقہ میں کلام کا قلعہ تھا، جسے یاقوت نے طبرستان کا ایک قدیم قلعہ بتایا ہے۔ یہ بھی اسماعیلیوں کے قبضہ میں رہا تھا۔ اسے سلطان ملک شاہ سلجوقی کے بیٹے سلطان محمدؒ نے آخرکار مسمار کرا دیا۔[1]

آمل سے دو فرسخ مشرق میں، سمندر کے کنارے سڑک پر مِیلَہ کا شہر تھا، اور اس سے تین فرسخ آگے برجی کا شہر سارِیَہ سے ایک مرحلہ پر تھا۔ مَمطِیر یا مامطیر کا شہر آمل اور سارِیَہ دونوں سے ایک ایک مرحلہ، اور ساحل بحر سے چھ فرسخ کے فاصلے پر واقع تھا۔ یہ شہر بعد کے زمانہ والے بارفروش سے مطابق ہوتا ہے۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ مَمطِیر میں ایک جامع مسجد تھی، اور شہر سے متصل اراضی نہایت زرخیز تھیں۔ سارِیَہ سے قریب، غالباً مشرق کی سمت میں، نامِیَہ (یا نامِشَہ) کا شہر، جس کا علاقہ عمدہ تھا، سارِیَہ سے بیس فرسخ، اور طمیسان کا شہر سارِیَہ سے دس فرسخ کے فاصلہ پر آباد تھا۔ اور یہاں ایک ہزار فوج مقیم رہتی تھی لیکن افسوس ہے کہ نامِیَہ اور طمیسان دونوں کا موقع بالکل غیر متعین ہے۔ طبرستان کی مشرقی سرحد پر، سارِیَہ سے تین مرحلوں کے فاصلے سے، استرآباد جانے والی سڑک پر، استرآباد سے صرف ایک مرحلہ ادھر تمیس

---

[1] ابن حوقل ص ۲۰۵+ یاقوت ج ۲۔ ص ۳، ۸۷+ ج ۳۔ ص ۹۳، ۷۹، ۵۰۴+ ج ۴۔ ص ۳۴، ۲۹۷، ۲۹۶+ قزوینی ج ۲۔ ص ۲۳۸+ ابو الفداء ص ۴۳۵+ مستوفی ص ۱۹۰+

کے ماتحت تھا، لیکن ہمیشہ بذات خود ایک صوبہ سمجھا گیا تھا۔ مگر مغلوں کی فتوحات کے بعد سے جو تبدیلیاں ہوئیں ان کے بعد جرجان کا سیاسی الحاق مازندران سے کر دیا گیا۔ بحیرۂ خزر کے جنوبی ساحل سے قریب اور جس قدر علاقے تھے انھیں کی طرح علاقہ جرجان کو بھی ساتویں (تیرھویں) صدی میں پہلے مغلوں نے اور پھر آٹھویں (چودھویں) صدی کے اواخر میں تیمور نے فتح کر کے غارت کیا۔

مقدسی لکھتا ہے کہ جرجان میں چونکہ ندیاں بہت تھیں اس لئے اس کی سطح زمینیں اور پہاڑیاں میووں کے باغوں سے پٹی پڑی تھیں، جن میں انگور، کھجور، اور نارنگی بافراط پیدا ہوتے تھے۔ اس صوبہ کا سب سے بڑا دریا اسی صوبہ کے نام پر دریائے جرجان تھا۔ مقدسی چوتھی (دسویں) صدی میں لکھتا ہے کہ اس کے زمانہ میں اس دریا کو دریائے طیفوری کہتے تھے۔ دریائے اَترَک کا نام مقدسی نے نہیں لکھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے دریائے جرجان کا نام آب جرجان لکھا ہے۔ اور بیان کیا ہے کہ شہر نو کی وادی سے یہ دریا نکلا تھا، اور یہاں سے سلطان درین کی سطح زمین پر سے گزرتا ہوا شہر جرجان پہنچ جاتا تھا، اور اس شہر سے بہتا ہوا خلیج نیم مردان کے جزیرۂ آبسکون کے قریب بحیرۂ خزر میں گر جاتا تھا۔ دریائے جرجان اپنے ریگزار میں ہر جگہ بہت گہرا تھا، اور تقریباً کہیں پایاب نہ تھا، چنانچہ مسافر اس کو اکثر بغیر کشتی کے عبور کرنے میں ڈوب جایا کرتے تھے۔ طغیانی کے زمانہ میں دریا کے فاضل پانی کو نہریں لے لیتی تھیں، اور وہ آب پاشی کے کام میں آتا تھا۔ پھر بھی بہت سا پانی ضائع جاتا تھا۔

دریائے اَترَک دریائے جرجان سے طول میں زیادہ ہے۔ یہ دریا خراسان کی سطح زمینوں میں رنسا اور خبوشان کے درمیان دریائے مشہد کے منبع کے قریب سے نکلتا ہے۔ دریائے مشہد اترک سے بالکل مخالف سمت میں جنوب مشرقی کی طرف بہتا ہے۔ دریائے اترک

بیان ہوا ہے۔ مستوفی لکھتا ہے کہ یہ خاصا بڑا شہر تھا، اس کا دور چار ہزار قدم تھا، اور وہ بہت زرخیز زمینوں میں واقع تھا، جہاں مختلف قسم کے میوؤں کے علاوہ غلے اور روئی کی کاشت بہت ہوتی تھی۔

طَبَرِستان کی پیداوار اور مصنوعات میں جن چیزوں کا ذکر اس کتاب کے صفحہ حاشیہ ۳۶۹ میں ہو چکا ہے۔ اِن کے علاوہ مقدسی نے لکھا ہے کہ یہاں لباس کے لئے کپڑا نہایت باریک اعلیٰ درجہ کا اور طیلسانی نقابیں بہت عمدہ تیار ہوتی تھیں۔ وساور کے لئے بھی وہاں موتی قسم کا کپڑا بہت بنا جاتا تھا۔ قدرتی پیداوار میں خلنج کی لکڑی یہاں کے جنگلوں سے کاٹ کر کندوں کی شکل میں رَےؔ بھیجی جاتی تھی، اور وہاں کے کاریگر اس سے پیالے اور اور قسم کے برتن تیار کرتے تھے۔ خلنج کے درخت کی نسبت بیان ہوا ہے کہ اس کی لکڑی میں طرح طرح کے رنگ ہوتے تھے، اور وہ خوشبودار ہوتی تھی، اور کبھی کبھی تسبیح کے دانے بھی بنائے جاتے تھے۔ اس قسم کی بہترین لکڑی صرف طَبَرِستان کے پہاڑوں میں ہوتی تھی۔ [1]

جُرجان

صوبۂ جُرجان یا گُرگان جیسا کہ ایران کے لوگ اس کا تلفظ کرتے تھے، بحیرۂ خزر کے جنوب مشرقی گوشہ پر واقع تھا۔ یہ زیادہ تر آن مسطح زمینوں اور وادیوں پر مشتمل تھا جنھیں دریائے جُرجان اور دریائے آترک سیراب کرتے تھے۔ ابتدائی زمانہ میں یہ علاقہ کو خراسان

[1] مقدسی ص ۳۶۷، مستوفی ص ۱۹۰، ۱۹۱، جہاں نما ص ۳۳۹، ۳۴۱، علی یزدی ج ۱، ص ۴۴۹ + خلیج استرآباد اور جزیرہ عا(؟) کی شکل چودھویں صدی عیسوی سے جب مستوفی نے اپنی کتاب لکھی تھی اب تک بہت بدل گئی ہے اور شہر اور بندرگاہ کی اصلی جاء وقوع معلوم نہیں۔

سے معلوم ہوتا ہے کہ شہر کے دونوں حصے مل کر وسعت میں ری کے برابر ہوتے تھے۔ شہر کے گرد و نواح کے باغوں میں میوہ بافراط ہوتا تھا اور ریشم بڑی مقدار میں تیار کیا جاتا تھا۔ مقدسی نے جرجان کے خاص حصے کو، جو دریا کے مشرقی کنارے تھا، شہرستان لکھا ہے۔ اس میں عمدہ مسجدیں اور بازار تھے۔ جن میں کے انار، زیتون، تربوز، اترنج، اور قریب کے باغوں کی نارنگیاں، لیموں اور انگور سستے فروخت ہوتے تھے، اور یہ سب میوے نہایت خوش ذائقہ ہوتے تھے۔ شہر میں سے متعدد نہریں گزرتی تھیں، جن سے لوگوں کا گزر یا تو محرابدار پلوں سے یا تختوں پر سے ہوتا تھا، جو کشتیوں پر ڈال دئے گئے تھے۔ ایک بڑا چوک یا میدان حاکم شہر کے محل [دارالامیر] کے سامنے تھا۔ شہر کے اس حصہ میں نو دروازے تھے۔ شہر جرجان میں سب سے بڑی خرابی وہاں کی سخت گرمی تھی، مکھیاں اور کیڑے بکثرت ہوتے تھے۔ خصوصاً یہاں کے کھٹمل اتنے موٹے ہوتے تھے کہ ان کا نام "بھیڑیا" (گرگان) رکھ دیا گیا تھا۔ بکرآباد بھی، جسے مقدسی بکرآباذ لکھتا ہے، ایک آباد و معمور شہر تھا۔ اس کی مسجدیں اپنی الگ تھیں، اور مکانات دریا سے شروع ہو کر اندر کو بہت دور تک اور دریا کے مغربی کنارے کے برابر برابر تھوڑی دور تک چلے گئے تھے۔

جب قزوینی نے ساتویں (تیرھویں) صدی میں اپنی کتاب لکھی ہے تو شہر جرجان شیعوں میں اس وجہ سے مشہور تھا کہ وہاں گورسرخ تھی، جس کی نسبت مشہور تھا کہ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد میں سے کسی کی قبر ہے۔ مستوفی کا بیان ہے کہ اس میں امام سادس حضرت امام جعفر صادق کے بیٹے محمد دفن تھے۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ اس شہر کو ملک شاہ سلجوقی کے پوتے نے دوبارہ تعمیر کرایا تھا، اور اس کی شہر پناہ کا دور سات ہزار قدم تھا۔

بھی بہت گہرا ہے، اور مستوفی کا بیان ہے کہ اُس کا بڑا حصہ ایسا ہے جس میں کہیں سے پایاب نہیں ہے۔ دہستان کی سرحد کے برابر برابر صوبۂ جُرجان کی شمالی حد سے ملا ہوا بہہ کر یہ دریا آخرکار ایک سو بیس فرسخ کی لمبی راہ طے کرکے بحیرۂ خزر میں گر جاتا ہے۔ لفظ آترك کی نسبت بیان ہوا ہے کہ وہ محض تُرك کی جمع ہے، اور اس کو دریائے آترك اس لئے کہا گیا کہ اُس کے کناروں پر کسی زمانہ میں ترك آباد تھے۔ بہرکیف شروع زمانہ کے کسی عرب جغرافیہ نویس کی کتاب سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس دریا کا کوئی خاص نام تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی پہلا شخص ہے جس نے اس کا نام آترک لکھا ہے، اور اسی نام سے یہ اب تک مشہور ہے۔[1]

صوبۂ جُرجان کا دارالحکومت اسی نام پر شہر جُرجان ہے، جسے آج کل منِ گرگان کہتے ہیں۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے لکھا ہے کہ وہ ایک عمدہ شہر تھا، اس کے مکانات پکی اینٹوں کے تھے، اُس کی آب و ہوا آمل سے زیادہ خشک تھی، کیونکہ طبرستان کے مقابلہ میں جُرجان میں بارش کم ہوتی تھی۔ شہر کے دو حصے تھے، ایک دریائے جُرجان کے اس کنارے پر تھا اور دوسرا دوسرے کنارے پر ان دونوں حصوں کو ملانے کے لئے دریا کو یہاں کشتیوں پل سے عبور کرتے تھے۔ جُرجان کا نام خاص طور پر مشرقی حصہ کے لئے، جو شہر کا نصف تھا، بولا جاتا تھا۔ مغربی حصہ بکر آباد تھا، جو شہر کی بیرونی بستی سمجھا جاتا تھا۔ ابن حوقل، جو یہاں ایک مرتبہ آیا تھا، اس کے بیان

---

[1] مقدسی ص ۳۵۴، ۳۶۷ + مستوفی ص ۲۱۲، ۲۱۳ + جہاں نما ص ۳۴۱ + حافظ ابرو ص ۳۲ (الف) + مصنف کا نام اسی طرح یعنی ترک زبر کے ساتھ، نہ کہ رے بعد الف کے ساتھ لکھا اور پڑھا جاتا ہے، گو ترک کی جمع اتراک ہے۔ اس لئے الاترک کی جو وجہ تسمیہ بیان کی گئی ہے وہ غالباً غلط ہے۔

اور اس کے زمانہ میں یہاں کا قلعہ کھنڈر ہو چکا تھا، کیونکہ آل زیار اور بنی بویہ کی لڑائیوں میں بنی بویہ نے اس علاقہ کو خوب لوٹا تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ شہر کے دروازے کے قریب بازار میں وہ جامع مسجد اب تک موجود تھی جو اسلامی فتوحات کے وقت یہاں تعمیر ہوئی تھی۔ یاقوت اور مستوفی دونوں کی تحریر سے مذکورہ بالا بیان کی توثیق ہوتی ہے۔ انھوں نے اَسْتَرآباد کی آب و ہوا اور وہاں چیزوں کی افراط کی تعریف کی ہے، لیکن کوئی نئی بات نہیں لکھی۔ بحیرۂ خزر کے کنارے آبَسکُوْن کو شہر جُرجان اور اَسْتَرآباد دونوں کا بندرگاہ بتایا گیا ہے۔ یہ مقام ان دونوں شہروں سے ایک ایک دن کی مسافت پر تھا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ساتویں (تیرھویں) صدی میں مغلوں کی یورش کے بعد اس بندرگاہ پر سمندر چڑھ آیا تھا۔ اصطخری اور ابن حوقل دونوں نے چوتھی (دسویں) صدی میں لکھا ہے کہ آبَسکُوْن ریشم کی بڑی تجارت گاہ تھا، اس زمانہ میں ترکوں اور غزّ کے حملوں کے جواب کے لئے یہ ایک سرحدی مقام تھا، اور بحیرۂ خزر کے کنارے کشتیوں میں جس قدر مال تجارت گیلان کو جاتا تھا اُس کا یہ بڑا بندرگاہ تھا۔ اس کی حفاظت کے لئے پختہ اینٹوں کا بنایا ہوا ایک قلعہ تھا، اور شہر کی جامع مسجد بازار میں تھی۔ مستوفی نے اُسے "جُرجان کا بڑا بندرگاہ" لکھا ہے، اور یاقوت لکھتا ہے کہ بحیرۂ خزر خود اکثر بحیرۂ آبَسکُوْن کہلاتا تھا۔ تاریخ میں آبَسکُوْن کی شہرت اس وجہ سے ہے کہ خوارزم شاہی خاندان کے آخری بادشاہ محمدؒ نے مغلوں کی فوجوں سے بھاگ کر یہیں پناہ لی تھی، اور یہیں ۶۱۷ھ (۱۲۲۰ء) میں سخت پریشان اور خستہ حال رہ کر وفات پائی تھی۔[1]

---

[1] اصطخری ص ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۴ + ابن حوقل ص ۲۷۲، ۲۷۴ + مقدسی ص ۳۵۸ + یاقوت ج ۱۔ ص ۵۵، ۲۴۲ + مستوفی ص ۱۹۰، ۲۲۵ + ابن سراپیون (فولیو ص ۴۶) سے

آٹھویں (چودھویں) صدی میں جب اُس نے اپنی کتاب لکھی ہے تو شہر ایک بڑی حد تک ویران ہو چکا تھا۔ مغلوں کی یورش کے بعد پھر اس کو پنپنا نصیب نہیں ہوا۔ قزوینی نے بہرکیف یہاں کے عمدہ پھولوں کی تعریف کی ہے، اور ان میوؤں کے علاوہ جس کا ذکر اوپر ہوا، لکھا ہے کہ عناب یہاں بہت پھلتا تھا یہاں تک کہ دو یا تین برس کا لگایا ہوا درخت فصل میں دو بار اچھا پھل دینے لگتا تھا۔ مستوفی کے زمانہ میں یہاں بالکل شیعہ آباد تھے لیکن ان کی تعداد زیادہ نہ تھی۔ ۷۹۵ھ (۱۳۹۳ء) میں تیمور، جو اس وقت تک تمام مازندران اور قرب و جوار کے علاقوں کو تباہ کر چکا تھا، جرجان آکر ٹھیرا، اور یہاں اُس نے دریا کے کنارے اپنے لیئے شاہمن کا عظیم الشان محل تیار کرایا، جس کا ذکر حافظ ابرو نے خاص طور پر کیا ہے۔[1]

صوبۂ جرجان کا دوسرا بڑا شہر جرجان سے درجے میں کم اَستَرآباد مازندران کی سرحد کے قریب واقع تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی میں یہ ایک عمدہ شہر تھا، اور اس کی آب ہوا گرد و نواح کے تمام علاقہ میں بہترین تھی۔ یہاں کی بڑی پیداوار میں کچا ریشم تھا،

[1] ابن حوقل ص ۲۷۲، ۲۷۳ + مقدسی ص ۳۵۷، ۳۵۸ + قزوینی ج۔ ۲ ص ۲۳۵ + مستوفی ص ۱۹۰ + علی یزدی ج ۱۔ ص ۵۰۸ + حافظ ابرو ص ۳۲ (a)

چوتھی (دسویں) صدی کے دوران میں جرجان پر اسی علاقہ کا رہنے والا ایک خاندان آل زیار حکمران تھا۔ اس خاندان کی حکومت طبرستان اور قرب و جوار کے علاقوں پر پھیلی ہوئی تھی۔ اور اس کا سب سے زیادہ مشہور رئیس قابوس تھا، جس نے ۴۰۳ھ (۱۰۱۲ء) میں وفات پائی۔ اس کا مقبرہ جو گنبد قابوس کہلاتا ہے۔ اب تک شہر جرجان کے کھنڈروں کے قریب موجود ہے۔ دیکھو سی، ای، ییٹ (Yate) کی کتاب Khurasan and Sistan ص ۲۴۹۔ ۲۶۱۔

اور ہَمبَرآثان کے قریوں کا ذکر کیا ہے، لیکن حالات کی تفصیل نہیں کی۔ مستوفی لکھتا ہے کہ یہ علاقہ مسلمانوں اور غیر مسلم ترکوں اور کردوں میں حد فاصل تھا۔ اس علاقہ کی آب و ہوا گرم تھی، ایک ندی اس کی مزروعہ اراضی کو سیراب کرتی تھی، اور یہاں میوہ بہت کم پیدا ہوتا تھا۔ [1]

دِھِستَان سے چار منزل، ریگستان کے کنارے، جہاں خوارزم میں سے گزرنے کے لئے سڑک شروع ہوتی تھی، شہر فَرَاوَہ واقع تھا، جس کی نسبت اصطخری نے لکھا ہے کہ وہ دشت غُزّ کا شہر تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں یہاں رضاکاروں [متطوعہ] کی ایک جماعت بڑی تعداد میں مقیم تھی، اور یہاں ایک بڑا رُباط تھا، جس کی غرض یہ تھی کہ جو علاقہ اس کی پشت پر تھا اُس کو مغلوں کی یورش سے محفوظ رکھے۔ یہاں کے باغ اور کھیت وسعت میں کم تھے، اور مشکل سے ایک ہزار خاندان شہر یا بستی میں آباد ہوں گے۔ مقدسی نے فَرَاوَہ کا املا اَفرَاوَہ کیا ہے، اور یاقوت نے لکھا ہے کہ یہ ایک رُباط تھا، جسے خاندان طاہریہ کے بادشاہ عبداللہ نے خلیفہ مامون عباسی کے عہد میں تعمیر کرایا تھا۔ فَراوَہ کے موقع سے ظاہر ہوتا ہے کہ بلا شبہ یہ وہی مقام ہے، جسے آج کل قِزِل اَروَت کہتے ہیں، جو قِزِل رُباط (یعنی سرخ رُباط) کی خرابی ہے۔ صوبۂ جُرجان کے

---

[1] ان مقامات کے شکستہ آثار اب تک بادیۂ خوارزم کی سرحد پر مِسْرِیان کے مقام پر، ان پہاڑوں کے قریب، جو آج کل کُوَرن داغ کہلاتے ہیں، دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن مدت سے یہاں زراعت کو بالکل ترک کر دیا گیا ہے، اور آج کل یہ علاقہ ایک صحرا، بے آب وگیاہ ہے۔ ابن حوقل ص ۲۷۷، ۲۸۹؛ مقدسی ۳۵۸، ۳۵۹؛ یاقوت ج ۱۔ ص ۵۹۵، ۵۰۰؛ ج ۲۔ ص ۴۱۸، ۶۲۳؛ ج ۳۔ ص ۸۰۰؛ ج ۴۔ ص ۹۴۹؛ مستوفی ص ۱۹۰، ۱۹۷۔

آبسکون کے شمال میں چھ دن کی مسافت پر (یعنی پچاس فرسخ کے فاصلے سے) شہر جرجان سے چار منزل دِھستان کی بستی اسی نام کے علاقہ میں واقع تھی۔ یہ بستی چوتھی (دسویں) صدی میں ترکی سرحد پر جرجان کا ایک فوجی مقام تھی۔ ابن حوقل نے لکھا ہے دِھستان بحیرۂ خزر کے ساحل کے قریب تھا۔ یہاں کی بستیاں چھوٹے گاؤں تھے، کچھ باغ تھے، آبادی کم اور منتشر تھی۔ اس کے قریب ہی بحیرۂ خزر کی ایک کم گہرائی کی جھیل تھی، جہاں کشتیاں لنگر ڈالتی تھیں، اور ساحل کے رہنے والے ماہی گیری بہت کرتے تھے۔ علاقۂ دِھستان کی سب سے بڑی بستی آخور کہلاتی تھی۔ مقدسی نے اس کا ذکر شہر کی حیثیت سے کیا ہے، جس کے گرد چوبیس گاؤں تھے، اور یہ گاؤں صوبۂ جرجان میں سب سے زیادہ آباد مقام تھے۔ آخور میں ایک منار یا برج تھا، جسے ریگستان سے دیکھئے تو دور سے نظر آتا تھا۔

آخور کے شمال میں الرُّباط تھا۔ یہ ایک بڑی بستی اس مقام پر تھی جہاں سے خوارزم جانے کے لئے ریگستان والا راستہ شروع ہوتا تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ رُباط کے تین دروازے تھے، اور یہ شہر اس کے زمانہ میں سب ٹوٹ پھوٹ چکا تھا۔ پھر بھی آبادی بہت تھی (۳۸۶)

اس کے بازار عمدہ تھے، چند عمدہ تعمیر کے مکانات اور خوشنما مسجدیں بھی تھیں۔ مسجدوں میں سے مسجد عتیق کے متعلق مقدسی نے لکھا ہے کہ وہ چوبی ستونوں پر قائم کرکے بنائی گئی تھی، اور اس کے زمانہ میں معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کی آدھی عمارت زمین کے اندر ہے۔ اس مسجد میں ایک خوبصورت منار بھی تھا۔ یاقوت نے علاقۂ دِھستان کے ان مقامات کے علاوہ اور مقامات کا، یعنی خرتِیز، فرغول

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) لکھا ہے کہ شہر آبسکون دریائے جرجان پر اس جگہ کے قریب واقع تھا، جہاں یہ دریا بحیرۂ خزر میں گرتا ہے۔

نے سڑک کے وہ مراحل بیان کئے ہیں جو ناتِل اور سالُوس کے شہروں سے گزرتے ہوئے سرحد گیلان (دَیلَم) تک آئے ہیں ۔ اسی طرح آمُل سے سمت مشرق میں اَستَرآباد کی راہ سے شہر جُرجان تک کے مراحل دونوں مصنفوں نے لکھے ہیں۔ شہر جُرجان سے شمال کی طرف دِہِستان جانے والی سڑک کے مراحل مقدسی نے لکھے ہیں، اور مستوفی نے ان مراحل کا ذکر اُس سڑک کے حال میں لکھا ہے جو صوبۂ قُومِس کے شہر بِسْطام سے خوارزم کے دارالحکومت کو جاتی تھی۔ مقدسی نے اس سڑک کا ذکر بھی کیا ہے جو بِسْطام سے درۂ کوہ میں سے نکلتی تھی اور جُہَیْنَہ سے گزرتی ہوئی شہر جُرجان کو پہنچتی تھی۔ ابن حوقل نے جُہَیْنہ کی نسبت لکھا ہے کہ وہ دریا کے کنارے ایک عمدہ گاؤں تھا۔ جُرجان سے مشرق کی طرف خُراسان جانے کے راستہ کا ذکر مقدسی نے کیا ہے، جو جُرجان سے چل کر آجغ سے گزرتا ہوا جسے آج کل آشُلک کہتے ہیں، اَسفرایِن پہنچتا تھا۔ اس علاقہ کا ذکر آئندہ باب میں آئے گا۔[1]

---

[1] اصطخری ص ۲۱۳، ۲۱۶، ابن حوقل ص ۲۷۳، ۲۷۶، مقدسی ص ۳۷۲، ۳۷۳، مستوفی ص ۱۹۷۔

ان مقامات کے علاوہ صرف چند مقام اور ایسے ہیں جن کا ذکر یاقوت نے کیا ہے۔ یہ سب مختلف قریے تھے جو شہر جُرجان یا اَستَراباد سے متعلق تھے؛ لیکن نہ اُن کے حالات کی تفصیل کی ہے اور نہ اُن کے موقع بیان کئے ہیں، اور اکثر نام بھی ایسے ہیں جن کا صحت کے ساتھ پڑھنا یقینی نہیں۔[1]

مقدسی نے صوبۂ جُرجان کی مشہور مصنوعات میں ایک خاص قسم کے نقاب کا ذکر کیا ہے جو کچے ریشم سے بنی جاتی تھی، اور اُس کے زمانہ میں یہ نقابیں جنوبی عرب کے علاقہ یمن میں بکثرت در آمد کی جاتی تھیں۔ اونی قسم کا زربفت (دیباج) بھی یہاں تیار ہوتا تھا۔ صوبۂ جُرجان کے میووں میں انگور انجیر اور زیتون مشہور تھے۔[2]

(۳۸۱) طَبَرِستان اور جُرجان میں سے گزرنے والی بڑی سڑکوں کی تعداد بہت نہیں ہے، کیونکہ طَبَرِستان میں پہاڑ ایسے حائل ہیں کہ سڑکوں کا ان میں سے نکلنا سخت دشوار تھا۔ اصطخری (جس کی عبارت ابن حوقل نے نقل کی ہے) اور مقدسی دونوں نے اُس سڑک کا ذکر کیا ہے جو ری سے چل کر شمال کی سمت میں پہاڑوں کے بڑے سلسلے کو عبور کر کے آسَک اور دُبَلُوہ سے گزرتی ہوئی آمل پہنچتی تھی۔ لیکن بہت سی منزلیں اس سڑک پر ایسی بیان کی ہیں جن کو اب شناخت کرنا مشکل یا ناممکن ہے۔ آمل سے مغرب کی طرف بحیرۂ خزر کے کنارے سفر کرنے میں ابن حوقل اور اصطخری

---

[1] اصطخری ص ۲۰۲، ۲۱۳۔ ابن حوقل ص ۳۲۴۔ مقدسی ص ۳۲۲۔ یاقوت ج ۲ ص ۸۶۶۔ اُن قریوں میں سے سولہ ناموں کے لئے جن کا اوپر ہوا۔ دیکھو یاقوت ج ۱ ص ۱۳۷، ۴۸۹، ۸۲۷، ج ۲ ص ۳۲۲، ۳۲۹، ۹۳۰، ج ۳ ص ۲۷۷، ۲۷۶، ۳۷۶، ۳۹۵، ۳۹۹، ۵۵۵، ۶۹۹، ۷۲۸، ۹۲۶، ۹۲۷۔

[2] مقدسی ص ۳۶۷۔

اتنی وسیع نہیں رہیں اور زمانہ وسطیٰ کے ایران کے صوبہ خراسان کے متعلق یہی سمجھنا آسان ہوگا کہ شمال مشرق میں یہ صوبہ دریائے جیحون تک پھیلا ہوا تھا، مگر ابھی تک ہرات سے آگے پہاڑی علاقے جو اب افغانستان کا شمالی مغربی حصہ ہیں، اس میں شامل تھے۔ ان کے علاوہ دریائے جیحون کے بالائی حصہ کا ملک پامیر کی سمت کا، یہاں تک کہ عربوں کو اس کا علم تھا، خراسان کے اضلاع بعید میں شمار ہوتا تھا۔

عربوں کے خراسان کو یا یہ سمجھئے کہ زمانہ وسطیٰ کو آسانی کی غرض سے چار ربعوں میں تقسیم کیا گیا تھا، اور یہ چاروں ربعے چار بڑے شہروں کے نام پر تھے، جو مختلف زمانوں میں کبھی علیحدہ علیحدہ اور کبھی بشمول دیگر خراسان، کے دارالحکومت رہے تھے۔ یہ چاروں ربع، نیشاپور، مرو، ہرات اور بلخ تھے۔ شروع زمانہ کی اسلامی فتوحات کے بعد خراسان کا دارالحکومت مرو اور بلخ میں رہا لیکن خاندان طاہریہ کے بادشاہوں نے مرکز حکومت کو مغرب کی طرف منتقل کیا، اور اُن کے عہد میں نیسابور کل صوبۂ خراسان کا، اور چاروں ربعوں میں سب سے زیادہ مغربی ربع کا صدر مقام بن گیا[1]۔

نَیسَابُور کا تلفظ آج کل فارسی میں نیشَاپُور ہے، نام کی عربی شکل نَیسَابُور ہے جو قدیم فارسی نام نیوشہپور سے ماخوذ ہے، جس کے معنے ہیں اچھی چیز یا نیک کام یا پسند۔ یہ جگہ یہ نام ساسانی بادشاہ شاپور پر رکھا گیا تھا، جس نے چوتھی (دسویں) صدی میں اس شہر کو دوبارہ تعمیر کرایا، لیکن حقیقت میں اس کی

---

[1] اصطخری ص ۲۵۳، ۲۵۴ + ابن حوقل ص ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰ + مقدسی ۲۹۵ + مستوفی ص ۱۸۵ +

(۳۸۲)

باب بست و ہفتم

خُراسان

خراسان کے چار ربع۔ ربع نیشاپور۔ شہر نیشاپور اور شادیاخ۔ علاقۂ نیشاپور۔ طوس اور مشہد اور اس کا مقام۔ بیہق اور سبزوار۔ جوین، جاجرم اور اسفراین۔ استوا اور کوچان۔ رادکان، نسا اور ابیورد۔ کلات۔ خابران اور سرخس +

قدیم فارسی زبان میں خراسان کے معنی "مشرق زمین" کے ہیں۔ دانۂ وسطے کی ابتدار میں اس نام کا اطلاق اس ملک پر ہوتا تھا جس میں تمام اسلامی صوبے بادیۂ ایران کے مشرق سے شروع ہوکر ہندوستان کے پہاڑوں کی سرحد تک واقع ہوئے تھے۔ ان وسیع معنوں میں خراسان کی حدود کے اندر سمت شمال مشرق میں تمام ملک ماوراء النہر اور سمت جنوب میں سجستان مع قوہستان شامل ہو جاتا تھا۔ اور خراسان کی دُور کی سرحدیں وسط ایشیا کی طرف دشت تیلن اور ہندوستان کی طرف ہندوکش کے سلسلوں تک پہنچی تھیں۔ اس کے بعد خراسان کی حدود

شامل تھی۔ شہر کی بڑی جامع مسجد ربض میں تھی۔ اسے عمرو بن لیث الصفار نے تعمیر کرایا تھا۔ مسجد چوک کے بالکل سامنے تھی اس چوک کو معسکر (یعنی عساکر کے معائنہ کی جگہ) کہتے تھے۔ معسکر سے ملا ہوا حاکم شہر کا محل [دارالامیر] تھا۔ اس محل کے سامنے ایک دوسرا چوک تھا، جسے میدان الحسینیین کہتے تھے۔ اس میدان سے تھوڑی دور پر محبس تھا، اور یہ تینوں عمارتیں، یعنی جامع مسجد، حاکم شہر کا محل اور محبس ایک ربع فرسخ کے اندر اندر ہی واقع تھیں۔

قلعہ کے دو دروازے تھے اور شہر کے چار تھے۔ شہر کے دروازوں کے نام یہ تھے:۔ باب القنکی، اس کے بعد باب سوق المثقل، پھر باب قُہندِز (یعنی قلعہ کا دروازہ) اور سب سے آخر میں باب تکلین تھا۔ ربض شہر اور قلعہ سے باہر، گرا ان دونوں کے گرد واقع تھا۔ اس ربض میں بڑے بازار تھے، اور اس کے بھی بہت سے دروازے تھے۔ ان میں بڑے دروازے حسب ذیل ہیں:۔ باب القباب (یعنی گنبدوں والا دروازہ)۔ اس کا منہ مغرب کی طرف تھا؛ اس کے مقابل باب جنگ، علاقہ بُستفروش کی طرف کھلتا تھا؛ جنوب کی طرف باب اَحوص آباد تھا، ان کے علاوہ چند اور دروازوں کے نام بھی بیان ہوئے ہیں۔ شہر کے سب سے زیادہ مشہور بازار المربعۃ الکبیرۃ اور المربعۃ الصغیرۃ کہلاتے تھے۔ مربعۃ الکبیرۃ جامع مسجد کے پاس تھا، جامع مسجد کا ذکر ابھی گزر چکا ہے۔ مربعۃ الصغیرۃ یہاں سے کسی قدر فاصلے سے تھا۔ یہ مربعہ ربض کے مغربی حصہ میں میدان الحسینیین اور حاکم شہر کے محل [دار الامیر] کے قریب تھا۔ بازاروں کی ایک لمبی سڑک، جس کے دونوں کنارے دکانیں تھیں، ایک مربعہ سے دوسرے مربعہ تک

بنیاد اردشیر بابکان پسر شاہ پور اول نے ڈالی تھی۔ علاقہ نیشاپور میں بڑا حصہ صوبۂ قوہستان کا، جس کا ذکر ہو چکا ہے، شامل تھا۔ تیسری (نویں) صدی کے عرب جغرافیہ نویسوں نے صوبۂ خراسان کے شہروں کی لمبی لمبی فہرستیں نقل کی ہیں، لیکن وہ صرف اس اعتبار سے دلچسپ ہیں کہ ان میں بعض ناموں کی املا ایسی ہے جواب متروک ہو چکی ہے، اور بہت سے نام ایسے ہیں جن کے موقعوں کی شناخت اب ممکن نہیں۔[1]

اسلامی سلطنت کے ابتدائی دور میں نیسابور کا نام فارسی میں آبر شہر (یعنی بادل والا شہر) بھی تھا۔ چنانچہ اس کا یہی نام دارالضرب کی حیثیت سے ان درہموں پر مضروب ہوا جو اموی اور عباسی دونوں خلفا کے عہد میں جاری ہوئے۔ اس کا نام ایرانشہر بھی مقدسی اور دوسرے مصنفوں نے لکھا ہے، لیکن غالباً یہ نام سرکاری تحریروں میں اعزازاً مستعمل تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں نیسابور ایک بہت آباد و معمور شہر کی حیثیت قائم کر چکا تھا، ہر سمت سے وتراً اس کا طول نصف فرسخ سے لے کر ایک فرسخ کے اَمد اندر تھا، اور اس میں خاص شہر، اور شہر کا قلعہ اور باہر کی آبادی (ربض)

[1] اصطخری ص ۲۵۸ + ابن حوقل ص ۳۱۳ + ابن خرداذبہ ص ۲۴ + یعقوبی ص ۲۷۸ + ابن رستہ ص ۱۷۱ + نیشاپور کے نام کا پہلا حصہ یعنی "نی" قدیم فارسی میں نیو یا نیک تھا، آج کل فارسی میں بھی یہ لفظ نیکو کی صورت میں موجود ہے۔ عربی تلفظ میں نے موجودہ فارسی میں نی ہو گیا، اور پ کو ب سے بدل کر نیشاپور، بنا لیا گیا۔ دیکھو نولڈکی کی کتاب Sassaniden ص ۵۹ +

جامع مسجد کی نسبت بیان ہو چکا ہے کہ عمرو بن لیث الصفار کے عہد کی تھی۔ یہ چار درجوں میں تعمیر ہوئی تھی، اس کی چھت پکی اینٹوں کے ستونوں پر قائم تھی، مسجد کے صحن کے گرد تین محرابدار دالان تھے اور عمارت کے حصہ صدر کو سنہری اینٹوں سے مزین کیا گیا تھا۔ مسجد کے گیارہ دروازے تھے، اور ہر دروازے کی عمارت میں پہلو کے دالانوں میں سنگ مرمر کے ستون تھے، اور ان کی دیواروں اور چھتوں پر نقاشی اور گلکاری بکثرت تھی۔ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ دریائے نیسابور بشتنقان کے گاؤں سے آتا تھا۔ اس دریا سے ستر پن چکیاں چلائی جاتی تھیں اور بہت سی زمین دوز نہریں بھی اس سے نکال کر شہر میں لائے تھے، کیونکہ شہر سے دریا ایک فرسخ کے فاصلے پر بہتا تھا۔ شہر کے اندر اور گھروں میں میٹھے پانی کے کنویں بہت تھے[1]۔

یاقوت نے لکھا ہے کہ اس کے زمانہ میں، یعنی ساتویں (تیرھویں) صدی میں شہر کے نام کا تلفظ بالعموم نَشَاوُور کیا جاتا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ باوجود شہر کی شکستہ حالی کے، جو ۵۴۰ھ (۱۱۴۵ء) والے سخت زلزلوں، اور ۵۴۸ھ (۱۱۵۳ء) میں قبائل غز کے ہاتھوں تاخت و تاراج کا نتیجہ تھا، اس نے تمام خراسان میں نیسابور سے بہتر شہر نہیں دیکھا۔ اس کے باغوں کا ریباس (منقیٰ یا کشمش) اور اور میوے بہت مشہور تھے۔ قبائل غز کے خروج پر، جس میں سلطان سنجر سلجوقی کو قید اور شہر کو لوٹا گیا تھا، شہر کے اکثر حصوں کے رہنے والے، قریب کے ربض، یعنی شادیاخ میں جاکر آباد ہو گئے تھے۔ اس ربض شادیاخ کو اب دوبارہ تعمیر کیا گیا

---

[1] اصطخری ص ۲۵۴، ۲۵۵، ابن حوقل ص ۳۰۱، ۳۰۲؛ مقدسی ص ۳۱۴، ۳۱۶، ۳۱۹۔

چلی گئی تھی؛ اور اس سڑک کو ایک دوسری سڑک نے، جس کے دونوں طرف بھی دکانیں تھیں قُمَّ تَبَعَۃ الکبیرہ کے قریب زاویۂ قائمہ پر قطع کیا تھا۔ یہ دوسری سڑک جنوب کی سمت میں قبرستان تک چلی جاتی تھی، جسے مقابر الحسینیین کہتے تھے؛ اور شمال میں یہ سڑک دریا کے پل کے سرے تک پہنچی تھی+

ان بازاروں کی سڑکوں پر سوداگروں کے قیام کے لئے بہت سی کاروان سرائیں تھیں، ہر قسم کا مال اس مال کے خاص بازار میں ملتا تھا، موچی، بزاز، جوتا بنانے والے، اور ہر کام اور پیشہ کے اہل حرفہ یہاں بکثرت موجود تھے۔ شہر کے ہر مکان میں خاص اس مکان کی زمین دوز نہر علٰحدہ تھی۔ اور ان نہروں میں پانی وادی (ندی) سَغَاوَر سے آتا تھا، جو قریب کے گاؤں بُشْتَنْقَان سے نکل کر نیسَابُور میں سے گزرتی تھی۔ یہ نہر، جن کی نگرانی کے لئے ایک خاص افسر شہر میں مقرر تھا، اکثر اتنی نیچی ہوتی تھیں کہ سو سیڑھیاں اتر کر پانی کی سطح تک پہنچا جاتا تھا۔ شہر سے نکل یہ نہریں سطح زمین کے ہموار بہتی تھیں، اور یہاں ان سے باغوں زمینوں کو پانی دیا جاتا تھا+

ابن حوقل نے لکھا ہے کہ شہر نیسابور سے زیادہ صحت بخش اور معمور شہر تمام خراسان میں تھا۔ اس شہر کے سوداگروں کے تمول اور تجارت کا ذخیرہ، جو قافلوں کے ذریعہ سے روزانہ آتا رہتا تھا، مشہور تھا؛ روئی اور کچی ریشم یہاں کی خاص چیزیں تھیں، جو تجارت کی غرض سے باہر بھیجی جاتی تھیں۔ کپڑے یہاں ہر قسم کے بُنے جاتے تھے۔ اس کل بیان کی تصدیق مقدسی سے ہوتی ہے، اور اس نے اپنی طرف سے بھی کچھ تفصیل کی ہے: چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ نیسابور میں بیالیس محلے تھے، اور ان میں سے بعض شیراز کے نصف شہر کے برابر تھے۔ بڑے بازار (یعنی درب) جن کا سلسلہ شہر کے دروازوں تک جاتا تھا تعداد میں تقریباً پچاس تھے۔ شہر کی عظیم الشان

جوب تیار کرتے تھے، اور بازاروں میں باہر کے سوداگروں کی آمد و رفت بہت رہتی تھی۔ ابن بطوطہ کے ہم عصر مستوفی نے نیشاپور کے شہر اور اس کے علاقہ کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں، یہ مصنف لکھتا ہے کہ خسروان ایران کے دور میں، عام روایات کے مطابق، پرانے شہر نیشاپور کا نقشہ بساط شطرنج کی وضع پر ڈالا گیا تھا، یعنی اس کے ہر ضلع پر آٹھ آٹھ چوک تھے۔ اس کے بعد خاندان صفاریہ کے عہد میں وسعت اور دولت کے اعتبار سے نیشاپور کو اتنی ترقی ہوئی کہ وہ خراسان کا سب سے بڑا شہر ہوگیا۔ اس کی یہ حالت ۶۰۵ھ (۱۲۰۸ء) تک قایم رہی۔ اس سال یہ شہر زلزلوں کی وجہ سے تقریباً پورا تباہ ہوگیا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ انھیں زلزلوں کے بعد کا واقعہ ہے کہ شادیاخ پہلی مرتبہ آبادی کا مرکز ہوگیا۔ شادیاخ کی شہر پناہ کا دور چھ ہزار سات سو قدم تھا، بہر حال اب نیشاپور کو از سر نو تعمیر کیا گیا، لیکن ۶۷۹ھ (۱۲۸۰ء) میں پھر یہ شہر زلزلوں سے تباہ ہوا۔ اس تباہی پر نیشاپور کا شہر تیسری مرتبہ ایک اور موقع پر بسایا گیا، اور مستوفی نے جس شہر کا حال لکھا ہے وہ یہی تیسرا شہر ہے۔ اس زمانہ میں اس کی فصیل کا دور (۱۵۰۰۰) قدم تھا۔ شہر پہاڑیوں کے نیچے واقع تھا، اور اس کا سامنا جنوب کی طرف تھا۔ پانی کا ذخیرہ شہر کے لئے باافراط تھا، وجہ یہ تھی کہ نیشاپور کے دریا میں جو شہر کے مشرق سے دو یا اس سے زیادہ فرسنگ کے فاصلہ پر پہاڑوں سے نکلا تھا، پانی کی رو اتنی تیز تھی شہر پہنچنے کے پہلے اس سے چالیس پن چکیاں چلتی رہتی تھیں۔ اس کے علاوہ مستوفی نے یہ بھی لکھا ہے کہ نیشاپور کے اکثر مکانات میں خشک موسم کے لئے پانی ذخیرہ کرنے کے حوض تھے۔

نیشاپور کا موجودہ شہر ایک نصف دائرے کی شکل کی سطح

حاکم شہر المؤید نے، جو سلطان سنجر کے نام سے حکومت کر رہا تھا، اسے وسیع کر کے اس کے گرد فصیل بنوائی۔ ربض شادیاخ یا الشادیاخ ابتدا میں ایک باغ تھا، جس میں طاہریہ خاندان کا بادشاہ عبداللہ تیسری (نویں) صدی کے اوائل میں سکونت رکھتا تھا، یہ زمانہ وہ تھا، جب کہ نیسابور کو اس نے اپنا مستقر حکومت بنا لیا تھا۔ عبداللہ کے محل کے گرد، جہاں پہلے اس کی فوجوں کی چھاونی تھی، نیسابور کا بڑا ربض آباد ہو گیا، اور قبائل غز کے حملے کے بعد اسی ربض نے دارالحکومت کی شان اختیار کر لی۔ یاقوت جو ۶۱۳ھ (۱۲۱۶ء) میں کچھ مدت تک نیشاپور میں رہا تھا، اس نے شادیاخ ہی میں یہ مدت گزاری تھی؛ چنانچہ اس نے بستی کا حال بھی بیان کیا ہے۔ اس کے بعد بہت جلد ۶۱۸ھ (۱۲۲۱ء) میں دارالحکومت کو مغلوں نے چنگیز خاں کی سرکردگی میں فتح کر کے لوٹا، چنانچہ یاقوت نے، جو ان آفات سے بچنے کے لئے موصل چلا گیا تھا، شادیاخ کی تباہی کا حال سن کر اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔ جو حالات اسے معلوم ہوئے تھے ان کی بنا پر لکھتا ہے کہ مغلوں نے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی۔

بہرکیف معلوم ہوتا ہے کہ نیشاپور مغلوں کی اس یورش کے بعد بہت جلد اپنی اصلی حالت پر آ گیا تھا، کیونکہ آٹھویں (چودھویں) صدی میں ابن بطوطہ یہاں آیا ہے تو یہ شہر پھر ایک آباد و معمور مقام کی صورت رکھتا تھا۔ یہاں ایک عالیشان مسجد تھی، جس کے گرد چار مدرسے (کالج) تھے، اور شہر کے گرد کی مسطح زمین زرخیزی کے اعتبار سے "دمشق صغریٰ" معلوم ہوتی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ اس زمین کو چار چشمے، جو قریب کی پہاڑیوں سے نکلے تھے، سیراب کرتے تھے۔ ابن بطوطہ راوی ہے کہ یہاں کے لوگ ریشمی مخمل، جسے کمخا یا نخ کہتے تھے

ایک فرسخ تھا، یہاں عمرو بن لیث الصّفار نے ایک باغ لگایا تھا جو بہت مشہور تھا۔ علاقہ ماترولی کا میوہ ریبّاس (یعنی یا کشمش) خاص طور پر شہرت رکھتا تھا، علاقہ بُشتَفروش، جو آج کل بُشت فروش کہلاتا ہے، مقدسی کی تحریر کے مطابق، شہر نیسابور کے باب جنگ سے مشرق میں ایک دن کی مسافت تک پھیلا ہوا تھا۔ اس کے قریوں کی تعداد یاقوت نے ایک سو چھبیس لکھی ہے، اور لکھا ہے کہ ان دیہات کے باغوں سے زرد آلو بکثرت باہر بھیجا جاتا تھا۔ مقدسی لکھتا ہے کہ علاقہ الشّامات کو اہل ایران طاق آب کہتے تھے، اور یہ علاقہ غیر معمولی طور پر زرخیز تھا۔ علاقہ ریوَند میں اسی نام پر ریوند ایک چھوٹا سا شہر نیشاپور سے ایک مرحلہ مغرب میں تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں اس شہر میں پختہ اینٹوں کی بنی ہوئی ایک جامع مسجد تھی، اور شہر ریوَند دریاے رِیوَند کے کنارے واقع تھا۔ یہاں کے تاکستان مشہور تھے، اور یہاں کی بہی کی مانگ بہت تھی۔

مستوفی نے لکھا ہے کہ علاقہ نیسابور کی بڑی ندیوں میں سے ایک ندی شورہ رود (یعنی کھاری ندی) تھی اس میں ایک ندی دترباد سے آکر ملی تھی۔ شورہ بہت سے علاقوں کو سیراب کرکے آخر کار ریگستان میں غائب ہو جاتی تھی۔ مستوفی نے اس کے علاوہ اور متعدد ندیوں اور دریاؤں کے نام لئے ہیں، لیکن ان کے ناموں کا املا غلط لکھا گیا ہے، اور اب ان کو شناخت کرنا مشکل ہے، بہر کیف بعض دریا ایسے ہیں کہ ان کا پتہ لگانا دشوار نہیں۔ مثلاً دریاے بُشتَقان جس کا ابھی ذکر ہوا ہے، وہ چشمہ سبز کے قریب سے نکلتا تھا؛ اور دریاے بُشتَفروش، یہ دونوں دریا موسم بہار کی طغیانی کے وقت شورہ سے ملتے تھے۔ ایک دریا اعطش آباد (یعنی پیاس کا دریا) تھا۔ اس دریا میں بہار کے موسم میں تو آ

زمین کے مشرقی پہلو میں واقع ہے۔ یہ مسطح زمین پہاڑوں سے گھری ہوئی ہے۔ سامنے جنوب کی طرف ریگستان ہے۔ اس زمین کو بہت سی ندیاں، جو شمال اور مشرق کے جانب کی پہاڑیوں سے نکلتی ہیں، سیراب کرتی ہیں۔ مستوفی نے ان ندیوں میں سے اکثر کے نام لکھے ہیں۔ یہ ندیاں نیشاپور کے اردگرد کی زمینوں کو سیراب کر کے ریگستان میں غائب ہو جاتی ہیں۔ شہر سے پانچ فرسخ شمال میں، جہاں دریائے نیشاپور کے سرچشمے ہیں پہاڑوں میں ایک چھوٹی سی جھیل درۂ کوہ کی چوٹی پر تھی۔ اس جھیل کا نام چشمۂ سبز تھا۔ مستوفی لکھتا ہے کہ اس جھیل سے دو ندیاں، جن میں سے ایک مغرب کی طرف اور دوسری مشرق کی طرف بہتی تھی نکلی تھیں۔ مشرق کی طرف بہنے والی ندی وادیٔ مشہد کو گئی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جھیل اُس پہاڑ میں تھی جسے کوہ گلشان کہتے تھے۔ یہاں ایک عجیب و غریب غار ہواؤں کا تھا، جس میں سے بہت تیز ہوا آتی رہتی تھی۔ اور پانی کا ایک چشمہ برابر بہتا رہتا تھا۔ پانی کی رو اتنی تیز تھی کہ اس سے ایک پن چکی چلا کرتی تھی۔ چشمۂ سبز کی جھیل کا دَور ایک فرسخ بتایا گیا ہے، اور اُس کے حالات بھی عجیب و غریب بیان کیے گئے ہیں۔ مشہور تھا کہ اس جھیل کی تھاہ نہیں ملتی تھی۔ اور اگر اس کے ایک کنارے سے تیر مارا جائے تو دوسرے کنارے تک نہ پہنچتا تھا۔ (۳۸۴)

نیشاپور کی مسطح زمین کے چار علاقے زرخیزی میں شہرت رکھتے تھے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے ان چار ولا علاقوں میں سے جن کے نام لکھے ہیں وہ یہ ہیں:۔ الشامات (یعنی خوبصورت مقامات)؛ ریوند، جو اب بھی نیشاپور کے مغرب میں موجود ہے؛ مازُل اور بُشتَفرُوش ماژ کا علاقہ، اور اس کا موضع خاص بُشتَقان (یا بشتنقان) تھا

ایک فرسخ تھا، یہاں عمرو بن لیث الصّفار نے ایک باغ لگایا تھا جو بہت مشہور تھا۔ علاقہ ماژُولِن کا میوہ سرایُباس (یعنی یا کشمش) خاص طور پر شہرت رکھتا تھا، علاقہ بُشتَنقَرُوش، جو آج کل بُشت فرُوش کہلاتا ہے، مقدسی کی تحریر کے مطابق، شہر نیسَابور کے باب جنگ سے مشرق میں ایک دن کی مسافت تک پھیلا ہوا تھا۔ اس کے قریوں کی تعداد یاقوت نے ایک سو چھبیس لکھی ہے، اور لکھا ہے کہ ان دیہات کے باغوں سے زرد آلو بکثرت باہر بھیجا جاتا تھا۔ مقدسی لکھتا ہے کہ علاقہ الشّامات کو اہل ایران طاق آب کہتے تھے' اور یہ علاقہ غیر معمولی طور پر زرخیز تھا۔ علاقہ، سرایُوَنَد میں اسی نام پر سرایُوَنَد ایک چھوٹا سا شہر نیشاپور سے ایک مرحلہ مغرب میں تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں اس شہر میں پختہ اینٹوں کی بنی ہوئی ایک جامع مسجد تھی، اور شہر سرایُوَنَد دریاے رِیوَند کے کنارے واقع تھا۔ یہاں کے تاکستان مشہور تھے، اور یہاں کی ہی کی مانگ بہت تھی۔

مستوفی نے لکھا ہے کہ علاقہ نیسَابُور کی بڑی ندیوں میں سے ایک ندی مشُوسَرُود (یعنی کھاری ندی) تھی اس میں ایک ندی دترباد سے آکر ملی تھی۔ مشُورُد بہت سے علاقوں کو سیراب کرکے آخرکار ریگستان میں غائب ہوجاتی تھی۔ مستوفی نے اس کے علاوہ اور متعدد ندیوں اور دریاؤں کے نام لیے ہیں، لیکن ان کے ناموں کا املا غلط لکھا گیا ہے، اور اب ان کو شناخت کرنا مشکل ہے+ بہرکیف بعض دریا ایسے ہیں کہ ان کا پتہ لگانا دشوار نہیں۔ مثلاً دریاے بُشتَقان جس کا ابھی ذکر ہوا ہے، وہ چشمہ سبز کے قریب سے نکلتا تھا: اور دریاے بُشتَنقَرُوش، یہ دونوں دریا موسم بہار کی طغیانی کے وقت مشُوسَرہ سے ملتے تھے۔ ایک دریا اعطش آباد (یعنی پیاس کا دریا) تھا۔ اس دریا میں بہار کے موسم میں توانا

زمین کے مشرقی پہلو میں واقع ہے۔ یہ مسطح زمین پہاڑوں سے گھری ہوئی ہے۔ سامنے جنوب کی طرف ریگستان ہے۔ اس زمین کو بہت سی ندیاں، جو شمال اور مشرق کے جانب کی پہاڑیوں سے نکلتی ہیں، سیراب کرتی ہیں۔ مستوفی نے ان ندیوں میں سے اکثر کے نام لکھے ہیں۔ یہ ندیاں نیشاپور کے اردگرد کی زمینوں کو سیراب کر کے ریگستان میں غائب ہو جاتی ہیں۔ شہر سے پانچ فرسخ شمال میں، جہاں دریائے نیشاپور کے سرچشمے ہیں پہاڑوں میں ایک چھوٹی سی جھیل درۂ کوہ کی چوٹی پر تھی۔ اس جھیل کا نام چشمہ سبز تھا۔ مستوفی لکھتا ہے کہ اس جھیل سے دو ندیاں، جن میں سے ایک مغرب کی طرف اور دوسری مشرق کی طرف بہتی ہوئی نکلی تھیں۔ مشرق کی طرف بہنے والی ندی وادی مشہد کو گئی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جھیل اس پہاڑ میں تھی جسے کوہ گلشان کہتے تھے۔ یہاں ایک عجیب و غریب غار ہواؤں کا تھا، جس میں سے بہت تیز ہوا آتی رہتی تھی۔ اور پانی کا ایک چشمہ برابر بہتا رہتا تھا۔ پانی کی رو اتنی تیز تھی کہ اس سے ایک پن چکی چلا کرتی تھی۔ چشمۂ سبز کی جھیل کا دور ایک فرسخ بتایا گیا ہے، اور اس کے حالات بھی عجیب و غریب بیان کیے گئے ہیں۔ مشہور تھا کہ اس جھیل کی تھاہ نہیں ملتی تھی۔ اور اگر اس کے ایک کنارے سے تیر مارا جائے تو دوسرے کنارے تک نہ پہنچتا تھا۔ (۳۸۴)

نیسابور کی مسطح زمین کے چار علاقے زرخیزی میں شہرت رکھتے تھے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے ان چاروں علاقوں میں سے جن کے نام لکھے ہیں وہ یہ ہیں:۔ الشامات (یعنی خوبصورت مقامات)؛ ریوند، جواب بھی نیسابور کے مغرب میں موجود ہے؛ مازُول اور بُشتَنقان (یا بُشتُنقان) شہر کا علاقہ، اور اس کا موقع خاص بُشتقان (یا بُشتنقان) شہر

جاتا ہے، جہاں سیاحت ناموں میں اس کا ہونا بیان کیا گیا ہے[1]۔
نیشاپور سے عین شرق کی طرف مشہد شہادت گاہ یا روضۂ امام واقع ہے، لیکن بیچ میں پہاڑوں کا ایک سلسلہ حائل ہے۔ علاقۂ نیشاپور کی سطح زمین پر جو ندیاں بہتی ہیں ان میں سے اکثر اِنہی پہاڑوں میں سے نکلی ہیں۔ مشہد آج کل ایران کے صوبہ خراسان کا دار الحکومت ہے، اور اس سے چند میل شمال میں طوس کے کھنڈر نظر آتے ہیں، جو مشہد سے پہلے کا شہر کا تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں خراسان کے ربع نیشاپور میں طوس دوسرے درجہ کا شہر تھا، اور وہ انطابران اور نوقان دو شہروں کے ملنے سے ایک شہر بنا تھا۔ طوس سے دو برید (ڈاک کی منزلوں) کے فاصلہ پر قریہ سناباذ میں وہ بڑا باغ تھا۔ جس میں ہارون الرشید عباسی (سال وفات ۱۹۳ھ (۸۰۹ء) اور حضرت امام علی رضا (سال وفات ۲۰۲ھ (۸۱۸ء) کی قبریں تھیں۔ سناباذ کے گاؤں کو برذع (یعنی پالان) یا مثقب[2] (یعنے چھد ہوا) کہتے تھے + اس نام کی وجہ یا تو یہ تھی کہ

---

[1] ابن رستہ ص ۱۷۱ + مقدسی ص ۳۰۰، ۳۱۹ + یاقوت ج ۱۔ ص ۲۸۰ + ج ۳۔ ص ۸۸۷۔ مستوفی ص ۱۹۶، ۱۹۷ +

[2] المثقب مختلف قلعوں کا نام تھا + ان میں سے مَصِّیصَہ Mopsuestia کے قریب کے قلعہ کا ذکر باب ۹ ص حاشیہ ۳ پر کیا جا چکا ہے۔ برذع کے نام کی اصلیت بیان نہیں ہوئی۔ نوقان، جس کا تلفظ نوگان کیا جاتا ہے، اب تک موجودہ مشہد کے شمال مشرقی حصہ اور دروازے کا نام ہے۔ اس دروازے سے بلا شبہ طوس والے نوگان کو راستہ جاتا تھا۔ سناباذ کی نہر وہی آج کل کے مشہد کے شمال مغربی حصہ کو پانی پہنچاتی ہے۔ ابن رستہ ص ۱۷۲ + ابن خرداذبہ ص ۲۴ + یاقوت ج ۴۔ ص ۸۲۴ + سی، اِی، ییٹ (Yate) کتاب Khurasan and Sistan ص ۳۱۲، ۳۱۷۔

پانی ہوتا تھا کہ اس کے پورے گزرگاہ میں، جس کا طول تقریباً بیس فرسخ تھا، بیس پن چکیاں چل سکتی تھیں لیکن باقی موسموں میں پانی کی اس درجہ کمی ہوتی تھی کہ ایک آدمی کی پیاس بھی اس سے نہ بجھ سکے+ اسی وجہ سے وہ عطش آباد کے منحوس نام سے پکارا جاتا تھا[۵]+

نیشاپور سے جنوب مشرق میں خراسان کی بڑی سڑک سے ایک شاخ اس منزل پر نکلی تھی جسے عرب قصر الریح، اور اہل ایران دِزہ باد یا دہ باد کہتے تھے۔ دِزہ باد کی ندی کا ذکر ان ندیوں کے ضمن میں جو شُورہ رُود سے ملتی تھیں اوپر ہو چکا ہے۔ دِزہ باد سے مَرو کو جانے والی سڑک بالکل مشرق کی طرف گئی تھی، اور ہرات کو جانے والی سڑک جنوب مشرق کی طرف مڑ گئی تھی۔ ہرات جانے والی سڑک پر دہ باد سے دو منزل آگے فرہادان کا گاؤں تھا، جسے یاقوت نے فرہاذجِرد بھی لکھا ہے۔ اس علاقے کا نام مقدسی نے اَسفَند لکھا ہے، یہ نیسابور سے متعلق تھا۔ ابن رستہ نے اسے اَشبَند اور یاقوت نے اَشفَند لکھا ہے، اور بیان کیا ہے کہ اس علاقے میں تراسی گاؤں تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ علاقہ کا پرانا نام اب بالکل متروک ہو گیا ہے، لیکن فرجرد (بجائے پرانے فرہاذجِرد کے) اب تک نقشوں پر اُسی جگہ دکھایا

۵۔ ابن رستہ ص ۱۷۱ + مقدسی ص ۳۰۰، ۳۱۶، ۳۱۷ + یاقوت ج ۱۔ ص ۹۳۰۔ ج ۳۔ ص ۲۲۸۔۲۳۱ + ج ۴۔ ص ۳۹۱، ۸۵۵ + ابن بطوطہ ج ۳۔ ص ۸۰، ۸۱ + مستوفی ص ۱۸۵، ۲۰۲، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۹ + جہان نما ص ۳۲۸۔ چشمۂ سبز اور "ہواؤں کے غار" کے لئے دیکھو سی، ای، ییٹ (Yate) کی کتاب Khurasan and Sistan ص ۳۵۱، ۳۵۳ + یہ دونوں مقامات اب تک خراسان میں مشہور ہیں

یاقوت کے بیان سے طوس کے حالات پر جو اوپر لکھے گئے بہت کم اضافہ ہوتا ہے، لیکن اس نے لکھا ہے کہ طابران میں منجلہ اور مشہور قبروں کے ایک قبر حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کی تھی، جنہوں نے چند سال تک نظامیہ بغداد میں صدر معلم رہنے کے بعد ۵۰۵ھ (۱۱۱۱ء) میں وفات پائی تھی۔ ساتویں (تیرھویں) صدی میں جب یاقوت نے اپنی کتاب لکھی ہے تو طوس کا نام بالعموم گرد و نواح کے علاقہ کے لئے مستعمل تھا۔ یاقوت لکھتا ہے کہ اس علاقہ میں ایک ہزار سے زیادہ قریئے تھے۔ بہرکیف ۶۱۷ھ (۱۲۲۰ء) میں اس تمام علاقے کو مع طوس کے دو شہروں یعنے نوقان اور طابران اور سناباد (مشہد) کے مقبروں کے مغلوں کے جرگوں نے خوب لوٹا اور تباہ کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مغلوں کی اس غارت گری کے بعد طوس کو پھر پنپنا نصیب نہ ہوا۔ گو دولت شیعوں کی توجہ اور پرداخت سے قریب کی زیارت گاہوں کی پھر وہی پہلی سی شان و شوکت ہو گئی۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی سب سے پہلا مصنف ہے جس نے موضع سناباذ کا نام مشہد لکھا ہے؛ اس وقت سے اس مقام کا نام یہی چلا آتا ہے +

قزوینی لکھتا ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید اور حضرت امام علی رضا کی قبریں ایک ہی گنبد کے نیچے تھیں، اور شیعہ صرف حضرت امام علی رضا کی قبر کا احترام کرتے تھے۔ لیکن چونکہ خلیفہ مامون کے حکم سے دونوں کی قبریں بالکل ایک ہی سی بنوائی گئیں تھیں، اس لئے شیعوں کو یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ کون سی قبر کس کی ہے۔ جب مستوفی نے اپنی کتاب لکھی تو اُس وقت مشہد ایک بڑے شہر کی صورت اختیار کر چکا تھا، اس کے گرد بڑے بڑے قبرستان تھے، اور ان

قبر پر جو عمارت تھی اس میں دریچے یا روشندان بہت تھے، یا اس کی وجہ کوئی ایسی ہی خیالی بات ہو۔

(۴۴۹) یعقوبی کی تحریر کے مطابق تیسری (نویں) صدی میں شہر طوس کے دو حصوں میں نوقان بڑا حصہ تھا، لیکن چوتھی (دسویں) صدی میں طابَران اس سے بڑھ گیا اور یاقوت کے زمانہ تک جب کہ مغلوں نے طوس کو برباد کیا ہے، طابَران ہی نوقان سے بڑا تھا۔ کسی زمانہ میں نوقان کے مرتبان بَرَم (سبزابری کے پتھر) کے بنے ہوئے بہت مشہور تھے اور بکثرت وساور کئے جاتے تھے۔ قریب کی پہاڑیوں میں، سونے، چاندی اور لوہے کی کانیں تھیں جن سے یہ دھاتیں بڑے فائدے سے نکالی جاتی تھیں۔ قیمتی نگینوں میں فیروزے، خُماهن اور دَهنَج طوس کے قریب پائے جاتے تھے، اور نوقان کے بازاروں میں انہیں فروخت کرنے کے لئے لاتے تھے + لیکن طوس کے اس حصہ یعنے نوقان میں پانی کی کمی تھی + قریب کے حصۂ شہر یعنے طابَران کا قلعہ ایک عظیم الشان عمارت تھی، اور مقدسی نے لکھا ہے کہ یہ قلعہ بہت دور سے نظر آتا تھا۔ طابَران کے بازاروں میں مال تجارت کی بہتات تھی۔ اس کی جامع مسجد خوبصورت اور مزین عمارت تھی۔ قریب ہی موضع سَناباذ میں جو قبریں تھیں انکے گرد چوتھی (دسویں) صدی میں ایک مضبوط فصیل کھینچ دی گئی تھی۔ مشہد امام پر ابن حوقل لکھتا ہے کہ زائرین کا ہمیشہ ہجوم رہتا تھا۔ حضرت امام علی رضا کے مزار کے قریب امیر فائق عمید الدولہ نے ایک مسجد تعمیر کرائی تھی۔ مقدسی لکھتا ہے کہ "اس سے زیادہ خوبصورت مسجد تمام خراسان میں نہ تھی"۔ خلیفہ ہارون الرشید کی قبر مزار امام کے پہلو میں تھی، اور اس بڑے باغ کے گرد جہاں یہ قبریں تھیں، بازار اور بہت سے مکانات تعمیر ہوگئے تھے

مشہد سے گزرا تھا۔ یہ بات قابل لحاظ ہے کہ اُس زمانہ میں عیسائیوں کو زیارت گاہ کے اندر جانے کی اجازت تھی، کیونکہ اس وقت شیعہ اتنے متعصب نہ تھے جتنے کہ اب ہوگئے ہیں[له]+

نیشاپور سے عین مغرب میں چار دن کی مسافت سے علاقہ بَیہق میں مِسبِن وار اور خُسْرُوجِرد کے دو بڑے شہر ایک دوسرے سے ایک فرسخ کے فاصلے پر واقع تھے۔ مسبزوار، جو اس علاقے کا صدر مقام تھا، زمانہ وسطیٰ میں اکثر بَیہق ہی کہلاتا تھا۔ علاقۂ بیہق مشرق میں ریوند تک پھیلا ہوا تھا، اور ہر سمت میں و ترًا اس کا طول پچیس فرسخ تھا۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ اس علاقہ میں تین سو اکیس گاؤں تھے اور بیہق در اصل فارسی بیہہ یا بہاین ہے، جس کے معنے بہت سنی کے ہیں۔ اسی مصنف نے بیان کیا ہے

له آج کل ایرانی حضرت امام کے نام میں ض کا تلفظ ز کا سا کرتے ہیں۔
یعقوبی ص ۲۷۷ + اصطخری ص ۲۵۷، ۲۵۸ + ابن حوقل ص ۳۱۳+
مقدسی ص ۳۱۹، ۳۳۳، ۳۵۲ + یاقوت ج ۳۔ ص ۱۵۴، ۵۰۶، ۵۶۱ + ج ۴ ص ۸۲۲ + قزوینی ج ۲ ص ۲۶۲ + مستوفی ص ۱۸۹ +
ابن بطوطہ ج ۳ ص ۷۷، ۷۹ + Narrative of the Embassy of Ruv Gonzalez de Ciavilo ص ۱۱۰ + (Hakluyt Society) — اسپین کے سفیر مسجد دیکھنے گئے، اور اس کے بعد جب وہ دوسرے ملکوں میں پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے ان سفیروں کی زبانی سنا کہ وہ مشہد مقدس کو دیکھ کر آئے ہیں تو ان لوگوں نے ان سفیروں کے لباس کو یہ کہہ کر چومنا شروع کیا کہ یہ امام مقدس کے مزار کی زیارت کر چکے ہیں۔

میں اکثر مشہور لوگوں کی قبریں تھیں، اور یہیں پر شاعر فردوسی کی قبر بتائی جاتی تھی۔ شہر کے گرد ہموار اور سیر حاصل زمین تھی، جو مرغزار رادکان کہلاتی تھی۔ یہ طول میں بارہ فرسخ اور عرض میں پانچ فرسخ تھی۔ اس زمین میں انگور اور انجیر کی کاشت خاص طور پر ہوتی تھی۔ مستوفی لکھتا ہے کہ علاقۂ طوس کے رہنے والے نہایت اچھے لوگ تھے، اور اجنبیوں کے ساتھ سلوک سے پیش آتے تھے"۔

ابن بطوطہ، جو مشہد امام رضا میں چند سال بعد آیا ہے، یہاں کا حال بہت تفصیل سے لکھتا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ مشہد ایک بڑا شہر تھا، اس کے بازاروں میں ہر قسم کا سامان بافراط تھا، اور اس کے گرد پہاڑ تھے۔ خلیفہ اور امام دونوں کی قبروں پر ایک عظیم الشان گنبد تھا، اور اس سے متصل ایک مسجد مع ایک مدرسہ (کالج) کے تھی۔ یہ تمام عمارتیں بہت عمدگی سے بنائی گئی تھیں، اور ان کی دیواروں پر کاشانی کام تھا۔ حضرت امام علی رضا کی قبر پر ایک چوبی چبوترہ یا کٹگھرا بنا ہوا تھا، اور اس پر چاندی کے پترے جڑے ہوئے تھے، اور چھت سے اُس کے اوپر چاندی کی قندیلیں لٹکتی تھیں۔ جس دروازے سے داخل ہو کر مزار کے قریب پہنچ سکتے تھے اس کی دہلیز پر چاندی منڈھی ہوئی تھی، اور زری کا ایک ریشمی پردہ اس پر پڑا رہتا تھا۔ گنبد کے نیچے فرش پر نہایت عمدہ قالین بچھے رہتے تھے۔ خلیفہ ہارون الرشید کی قبر پر بھی ایک چوبی چبوترہ سا تھا اس پر شمعدان لگے ہوئے تھے جن میں مومی شمعیں روشن کی جاتی تھیں۔ لیکن شیعہ اس قبر کا احترام نہ کرتے تھے، کیونکہ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ "ہر شیعہ گنبد میں داخل ہوتے ہی خلیفہ کی قبر کو ٹھکراتا تھا اور حضرت امام علی رضا کی تربت پر فاتحہ پڑھتا تھا"۔ مشہد امام کی شان و شوکت کا تذکرہ اسپین کے سفیر کلیویجو (Clavijo.) نے بھی کیا ہے، (۳۹۱) جو ۱۴۰۴ء (۸۰۶ھ) میں تیمور کے دربار میں حاضر ہونے کے لئے

میں خوبصورت مسجدیں تھیں، اور شہر کے باہر سوداگروں کے لئے ایک بڑی سرائے (خان) تھی، کیونکہ اس کے بازاروں میں تاجروں کی آمد و رفت بہت تھی۔ اس کے قریوں کے باغات تمام وادی میں مسلسل چلے گئے تھے۔ ان باغوں میں آب پاشی زمین دوز نہروں سے ہوتی تھی، جو جنوب کی پہاڑیوں کے چشموں سے لائی گئی تھیں۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے لکھا ہے کہ علاقہ جُوَین کا دار الحکومت تبدیل ہوکر فَرِیُومَد ہو گیا تھا، جو آزاد وار سے چند میل جنوب میں واقع تھا۔ آزاد وار سے ایک منزل مشرق میں قافلے کی سڑک پر خُدَاشَہ واقع تھا۔ یہ بھی ایک بڑا مقام تھا، جہاں آٹھویں (چودھویں) صدی کے اواخر میں تیمور کا بیٹا مِیراں شاہ قتل ہوا تھا۔ یہ واقعہ علی یزدی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے [۱]

شہر جَاجَرم کو اَسفَرَایِن بھی کہتے تھے، جو در اصل جَاجَرم کے علاقہ کا نام تھا۔ مقدسی نے جَاجَرم کی نسبت لکھا ہے کہ اس میں ایک خوبصورت جامع مسجد تھی، شہر خوب محصّن تھا اور ستر گاؤں اس کے اعمال میں شامل تھے۔ یاقوت نے تین شہروں کا حال لکھا ہے، یعنی سَمَلقَن یا سُمَنقَن (جس کا جاجرم کے مشرق میں ہونا بیان ہوا ہے)، دوسرا التَّرَاوِنِیر (یا تَرَاوَنِیر) اور تیسرا ابان، اور لکھا ہے یہ تینوں شہر علاقہ اسفراین یا جاجرم

۱۔ مقدسی ص ۳۱۸ + یاقوت ج ۱ ص ۲۳۰ + ج ۲ ص ۱۶۵ + مستوفی ص ۱۸۶، ۱۹۶ + علی یزدی ج ۱ ص ۵۰۰ + خُدَاشَہ آزاد وار کے مشرق میں چار فرسخ، اور خُداشہ آزاد وار کے جنوب میں تقریباً اتنے ہی فاصلے پر واقع ہے + چونکہ عربی میں خداشہ اور خراشہ تقریباً ایک ہی طرح لکھے جاتے ہیں اس لئے ان میں بہت کچھ اغتشاش و اختلاط واقع ہوا ہے۔

کہ سابزوار نام زیادہ درست تھا، لیکن لوگوں نے اسے مخفف کر کے سبزوار کر دیا ایک زمانہ میں اس علاقہ کا صدر مقام خسروجرد تھا، لیکن اب یہ حیثیت سبزوار کو حاصل تھی۔ استوفی نے لکھا ہے کہ شہر کے بازاروں پر کھرامی کی چھتیں تھیں، اور یہ چھتیں نہایت مضبوط محرابیں بناکر اُس پر ڈالی گئیں تھیں۔ شہر کے گرد کے علاقہ میں انگور اور دوسرے میوے بہت پیدا ہوتے تھے اور آٹھویں (دسویں) صدی میں یہاں زیادہ تر آبادی شیعوں کی تھی[1]+

صوبۂ قومس کے شہر بسطام سے نیشاپور آنے کے لئے دو سڑکیں تھیں۔ زیادہ سیدھا اور ڈاک کا راستہ بادیہ کی سرحد سے ملا ہوا گیا ہے، اور سبزوار میں سے ہوکر گزرتا ہے۔ قافلوں کی سڑک جو زیادہ طولانی ہے، شمال کی طرف ہے، اور جُوَین کی ارض مرتفع و مسطح میں ہے، جسے پہاڑیوں کا ایک سلسلہ بادیۂ ایران سے جُدا کرتا ہے، خم کھاکر گزرتی ہے۔ جُوَین کا یہ علاقہ جس کے متعلق مستوفی نے لکھا ہے اسے گُوَیان کہتے تھے غلوں اور پھلوں کی پیداوار میں بڑا حاصل خیز تھا۔ اُس کا صدر مقام آزاذوار یا آزادوار تھا۔ جُوَین کے شمالی حصہ میں اسفراین تھا اور اس کی مغربی انتہا پر صوبۂ قومس کی سرحد سے ملا ہوا جاجرم کے گرد، علاقۂ أرغیان واقع تھا۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ تقریباً دو سو گاؤں آزاذوار کے اعمال میں شامل تھے۔ آزاذوار کی نسبت وہ لکھتا ہے کہ وہ ایک معمور شہر تھا، اہا (۳۹۲)

---

[1] مقدسی ص ۳۱۷، ۳۱۸ + یاقوت ج ۱- ص ۴۰۴ + ج ۲- ص ۴۴۱ + مستوفی ص ۱۸۶ + شہر بیہق کے شکستہ آثار کے حالات کے لئے دیکھو سی۔ ای۔ ییٹ (Yate) کی کتاب Khurasan and Sistan

کا شہر رِیْھَجان کہلاتا تھا۔ چنانچہ جب ساتویں (تیرھویں) صدی میں اس نے اپنی کتاب لکھی ہے تو رِیْھَجان نام ایک گاوں ویران و برباد شہر رِیْھَجان کے قریب موجود تھا، اور (۲۰) قریئے اس سے متعلق تھے۔ یاقوت لکھتا ہے کہ اَسفَرَاین کا نام پہلے اَسبَرَاین لکھا جاتا تھا، جس کے معنے سپر بردار کے ہیں، کیونکہ فارسی میں سپر کی ڈھال کو کہتے ہیں۔ ستوفی نے لکھا ہے کہ اسفراین کی جامع مسجد میں پیتل کا اتنا بڑا کٹورہ تھا کہ اتنا بڑا کٹورا کہیں نہیں دیکھا گیا۔ اس کے اوپر کے کنارے کا قطر بارہ ذرع تھا۔ شہر کے شمال میں قلعہ ظِہْرٰی تھا، اور شہر میں پانی ایک ندی سے آتا تھا، جو قلعہ والی پہاڑی کے نیچے نیچے بہتی ہوئی گزری تھی۔ تمام گرد و نواح کی مسطح زمین میں اخروٹ کے درخت بکثرت تھے۔ شہر کی آب و ہوا مرطوب تھی۔ لیکن انگور اور غلہ بکثرت پیدا ہوتا تھا[1]۔

جس مرطوب اور آب گرفتہ زمین سے دریائے اَتْرَک نکل کر مغرب کی طرف اور مشہد کا دریا نکل کر مشرق کی طرف بہتا ہے، وہیں کُوچَان کا شہر واقع ہے، جسے زمانہ وسطے میں خَبُوشَان یا خُوجَان کہتے تھے۔ یہ صدر شہر تھا۔ اس کے علاقہ کا نام عربوں نے اُستُوَا لکھا ہے، اور علاقہ کی زرخیزی کی تعریف کی ہے۔ اُستُوَا کے معنے ارض بلند کے بتلائے گئے ہیں۔ اس سے آگے شمال میں نِسَا کا علاقہ تھا۔ یاقوت نے بیان

[1] مقدسی ص ۳۱۸ + یاقوت ج ۱۔ ص ۲۴۶ + ستوفی ص ۱۰۹ + زمانۂ وسطےٰ کا شہر اسفراین (جس علاقہ میں یہ شہر تھا اس کا اب تک یہی نام ہے) غالباً ان کھنڈروں سے مطابق کیا جا سکتا ہے جو شہرِ بلقیس کہلاتے ہیں۔ دیکھو ییٹ (Yate) کی کتاب Khurasan and Sistan ص ۳۷۸، ۳۷۹ +

واقع تھے۔ لیکن ان کی صحیح جاء وقوع اس مصنف نے بیان نہیں کی۔ مَسَبنج یا اِسَفنج کا ذکر بھی اُس نے کیا ہے، جواب تک جَاجَرم کے جنوب مغرب میں بِسطام جانے والی سڑک پر واقع ہے۔ مستوفی نے اس مقام کا نام رُباط مَسَوَنج لکھا ہے؛ اور بیان کیا ہے کہ جَاجَرم اخاصا بڑا شہر تھا کوئی فوج اس پر حملہ آور نہیں ہوسکتی تھی، کیونکہ شہر کے گرد ایک دن کی مسافت تک زمین پر ایسی گھاس اُگتی تھی جو تمام مویشیوں کے حق میں سم قاتل تھی + جَاجَرم کے قلعہ کے نیچے چَناہ کے درخت ایسے تھے کہ ان کی چھال بدھ کو صبح کے وقت چبائی جائے تو اس سے داڑھ کا درد دور ہوجاتا تھا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ یہ چھال بکثرت باہر بھیجی جاتی تھی۔ شہر کے گرد و نواح کا علاقہ بہت سیر حاصل تھا، اور اس میں میوہ اور غلہ خوب پیدا ہوتا تھا۔ دریائے جَاجَرم، جو جنوب کی طرف بہ کر ریگستان میں غائب ہوجاتا تھا، اس کا نام مستوفی نے جَغَان لکھا ہے یہ دریا تین چشموں سے پیدا ہوا تھا جن میں سے ہر ایک کے پانی کا حجم اتنا تھا کہ اس سے ایک پن چکی چل سکے۔ یہ تینوں چشمے مل کر طول میں بارہ فرسخ تک بہتے چلے گئے تھے، اور ان کا پانی آب پاشی کے لئے بہت استعمال ہوتا تھا [۱]+

(۳۹۴)

مقدسی نے لکھا ہے کہ آسفَرَاین (یا اسفرَاین) کی ہموار اراضی میں عمدہ انگور، اور چاول بکثرت ہوتا تھا۔ اس علاقہ کا صدر مقام، جو علاقہ کا ہم نام تھا، بہت معمور شہر تھا، اور اس کے بازار عمدہ تھے۔ یاقوت نے بیان کیا ہے کہ پرانے زمانہ میں اسفرَاین

[۱] مقدسی ص ۳۱۸ + یاقوت ج ۱ - ص ۲۰۹، ۲۴۹، ۲۸۵ + ج ۲ - ص ۴، ۲۲ + ج ۳ - ص ۳۵، ۱۳۵ + مستوفی ص ۱۸۱، ۱۹۶، ۲۲۰ +

خوبصورت مسجد اور عمدہ بازاروں کی تعریف کی ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ شہر کے تقریباً ہر گھر کے ساتھ خانہ باغ تھا، اور مرفہ الحال قریئے شہر کے چاروں طرف وادی میں واقع تھے۔ مگر یاقوت نے لکھا ہے کہ نسا صحت کے لئے بہت بڑا مقام تھا، خصوصاً نارو (رشتہ) جسے اُس نے عرق المدینی لکھا ہے، یہاں بہت ہو جاتا تھا، اور موسم گرما میں بمشکل کوئی یہاں کا رہنا والا اس مرض سے بچ سکتا تھا۔ اس کی تکلیف ناقابل برداشت ہوتی تھی۔ قزوینی نے لکھا ہے کہ نسا کو شہر فیروز بھی اس وجہ سے کہتے تھے اُس کا بانی ایران کا قدیم بادشاہ فیروز بیان کیا جاتا تھا[1]۔

نسا کے مشرق میں پہاڑی سلسلوں سے ہٹا ہوا دشت مرو کے کنارے، آبیورد واقع ہے جس کا نام بعض اوقات باورد لکھا جاتا ہے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ اس کے بازار جن میں جامع مسجد واقع تھی، نسا کے بازاروں سے بھی اچھے تھے، اور سوداگروں کی آمد و رفت بھی ان میں زیادہ تھی۔ مستوفی نے یہاں کے پھلوں کی تعریف کی ہے، اور لکھا ہے کہ یہاں سے چھ فرسخ کے فاصلہ پر کوفن کا بڑا رباط جو ایک گاؤں میں ہے، آبیورد سے متعلق تھا۔ اس رباط کو خاندان طاہریہ کے بادشاہ عبداللہ نے تیسری (نویں) صدی میں تعمیر کرایا تھا۔ اُس کے چار دروازے تھے، اور اس کے احاطہ کے وسط میں ایک مسجد تھی۔ جس علاقہ میں آبیورد واقع تھا اسے خابران یا خاوران کہتے تھے، اور اس علاقہ کا صدر شہر مھنہ

---

[1] اصطخری ص ۲۷۳ + ابن حوقل ص ۳۲۴ + مقدسی ص ۳۲۰ + یاقوت ج ۴ ص ۷۷۰ + قزوینی ج ۲ ص ۳۱۱ + نسا کا شہر غالباً موجودہ محمد آباد سے مطابق ہوتا ہے، جو آج کل درگز کے علاقہ کا صدر مقام ہے +

کیا ہے کہ اُس کے زمانے میں اُستُوا کے صدر شہر کا نام خُوشان کیا جاتا تھا، اور ترانوے قریئے اس سے متعلق تھے مصنف جہان نما نے اس کا نام کُوچان لکھا ہے، اور مستوفی کہتا ہے کہ گو محکمہ مال کے کاغذات میں علاقہ کا نام اب تک اُستُوا ہی درج کیا جاتا تھا، لیکن عام بول چال میں یہ نام متروک ہو چکا تھا گرد و نواح کے علاقہ کی زرخیزی کی مستوفی نے تعریف کی ہے، اور لکھا ہے ہلاکو خان نے ساتویں (تیرھویں) صدی میں خَبُوشان کو دوبارہ تعمیر کرایا تھا، اور اس کے پوتے ارغون نے، جو ایران کا ایل خانی بادشاہ تھا، بعد میں شہر میں اضافہ کیا تھا۔ خَبُوشان اور طُوس کے تقریباً بیچ میں رادکان واقع ہے، جس کا ذکر ابن حوقل نے کیا ہے، اور یاقوت نے اُسے ایک چھوٹا سا شہر لکھا جو ملک شاہ سلجوقی کے مشہور وزیر نظام الملک کا مولد ہونے کی وجہ سے مشہور تھا[۱]۔ (۳۹۴)

نَسا یا نِسا کا مشہور علاقہ عریض وادی ہے جسے آج کل دَرّہ گز کہتے ہیں + ابن حوقل نے لکھا ہے کہ شہر نَسا ایک بڑا شہر تھا، اور وسعت میں سَرَخس کے برابر تھا۔ قریب کی پہاڑیوں سے یہاں پانی بکثرت پہنچتا تھا۔ مقدسی نے یہاں

[۱]۔ ابن حوقل ص ۳۱۲ + مقدسی ص ۳۱۰، ۳۱۹ + یاقوت ج ۱- ص ۲۴۳- ج ۲ ص ۴۰۰، ۸۰۴، ۸۴۰، ۷۰۲ + مستوفی ص ۱۸۶ + جہان نما ص ۳۲۳ + بُجنَرد کا موجود شہر، جو اَسفَرایِن کے شمال اور کُوچان سے تقریباً ساٹھ میل شمال مغرب میں واقع ہے، اس کو آباد ہوئے اب دو سو برس ہوئے ہیں۔ اس کے قریب ہی ایک پرانا شہر تھا، جسے بِزِنجان کہتے تھے۔ اس کا برباد قصر، جسے قلعہ کہیں اب تک موجود ہے۔ دیکھو سی، ای، ییٹ (Yate) کی کتاب Khurasan and Sistan ص ۱۹۵، ۱۹۶- سائکس کی کتاب Persia ص ۳۲+

خوبصورت مسجد اور عمدہ بازاروں کی تعریف کی ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ شہر کے تقریباً ہر گھر کے ساتھ خانہ باغ تھا، اور مرفہ الحال قریے شہر کے چاروں طرف وادی میں واقع تھے۔ مگر یاقوت نے لکھا ہے کہ نسا صحت کے لئے بہت برا مقام تھا، خصوصاً نارو (رشتہ)، جسے اس نے عرق المدینی لکھا ہے، یہاں بہت ہو جاتا تھا، اور موسم گرما میں بمشکل کوئی یہاں کا رہنا والا اس مرض سے بچ سکتا تھا۔ اس کی تکلیف نا قابل برداشت ہوتی تھی۔ قزوینی نے لکھا ہے کہ نسا کو شہر فیروز بھی اس وجہ سے کہتے تھے اُس کا بانی ایران کا قدیم بادشاہ فیروز بیان کیا جاتا تھا[1]

نسا کے مشرق میں پہاڑی سلسلوں سے ہٹا ہوا کشت مرو کے کنارے، اَبیورد واقع ہے جس کا نام بعض اوقات باورد لکھا جاتا ہے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ اس کے بازار جن میں جامع مسجد واقع تھی، نسا کے بازاروں سے بھی اچھے تھے، اور سوداگروں کی آمد ورفت بھی ان میں زیادہ تھی۔ مستوفی نے یہاں کے پھلوں کی تعریف کی ہے، اور لکھا ہے کہ یہاں سے چھ فرسخ کے فاصلہ پر کوفن کا بڑا رباط جو ایک گاؤں میں ہے، اَبیورد سے متعلق تھا۔ اس رباط کو خاندان طاہریہ کے بادشاہ عبداللہ نے تیسری (نویں) صدی میں تعمیر کرایا تھا۔ اُس کے چار دروازے تھے، اور اس کے احاطہ کے وسط میں ایک مسجد تھی۔ جس علاقہ میں اَبیورد واقع تھا اُسے خابران یا خاوران کہتے تھے، اور اس علاقہ کا صدر شہر مهنه

---

[1] اصطخری ص ۲۷۳ + ابن حوقل ص ۳۲۴ + مقدسی ص ۳۲۰ + یاقوت ج ۴ ص ۷۷۶ + قزوینی ج ۲ ص ۳۱۱ + نسا کا شہر غالباً موجودہ محمد آباد سے مطابق ہوتا ہے، جو آج کل درگز کے علاقہ کا صدر مقام ہے +

کیا ہے کہ اُس کے زمانے میں اُستُوا کے صدر شہر کا نام کُوشان کیا جاتا تھا، اور ترانوے قریئے اس سے متعلق تھے۔ مصنف جہان نما نے اس کا نام کُوچان لکھا ہے، اور مستوفی کہتا ہے کہ گو محکمہ مال کے کاغذات میں علاقہ کا نام اب تک اُستُوا ہی درج کیا جاتا تھا، لیکن عام بول چال میں یہ نام متروک ہو چکا تھا۔ گرد و نواح کے علاقہ کی زرخیزی کی مستوفی نے تعریف کی ہے، اور لکھا ہے ہَلاکُوخان نے ساتویں (تیرھویں) صدی میں خَبُوشان کو دوبارہ تعمیر کرایا تھا، اور اس کے پوتے اَرغون نے، جو ایران کا ایل خانی بادشاہ تھا، بعد میں شہر میں اضافہ کیا تھا۔ خَبُوشان اور طُوس کے تقریباً بیچ میں رَادکان واقع ہے، جس کا ذکر (۳۹۴) ابن حوقل نے کیا ہے، اور یاقوت نے اُسے ایک چھوٹا سا شہر لکھا ہے جو ملک شاہ سلجوقی کے مشہور وزیر نظام الملک کا مولد ہونے کی وجہ سے مشہور تھا۔[۱]

نَسا یا نِسا کا مشہور علاقہ عریض وادی ہے جسے آج کل دَرّہ گز کہتے ہیں + ابن حوقل نے لکھا ہے کہ شہر نِسا ایک ایک بڑا شہر تھا، اور وسعت میں سَرَخس کے برابر تھا۔ قریب کی پہاڑیوں سے یہاں پانی بکثرت پہنچتا تھا۔ مقدسی نے یہاں

---

[۱]۔ ابن حوقل ص ۳۱۳ + مقدسی ص ۳۱۸، ۳۱۹ + یاقوت ج ۱۔ ص ۲۴۴۔ ج ۲۔ ص ۷۴۰، ۸۰۴، ۸۰۷، ۷۲۰ + مستوفی ص ۱۸۶ + جہان نما ص ۳۲۳ + بُجنَرد کا موجودہ شہر، جو اَسفَرایِن کے شمال اور کُوچان سے تقریباً ساٹھ میل شمال مغرب میں واقع ہے، اس کو آباد ہوئے اب دو سو برس ہوئے ہیں۔ اس کے قریب ہی ایک پرانا شہر تھا، جسے بِزَنجان کہتے تھے۔ اس کا برباد قصر، جسے قلعہ کہتے ہیں اب تک موجود ہے۔ دیکھو سی، ای، ییٹ (Yate) کی کتاب Khurasan and Sistan ص ۱۹۵، ۱۹۶۔ سائکس کی کتاب Persia ص ۲۲ +

حال اختصار سے لکھا ہے، اور بیان کیا ہے کہ اس کے بڑے شہر جُرُمد اور جَرمَنان کہلاتے تھے۔ کِلاَت میں پانی بہت تھا؛ زمینیں زراعت کے لئے اچھی تھیں، پیداوار بہت ہوتی تھی، اور گرد و نواح کے علاقہ کے بہت سے گاؤں اس سے متعلق تھے۔ تاریخ میں کِلاَت کو سب سے پہلے شہرت اُس وقت حاصل ہوئی جب آٹھویں (چودھویں) صدی کے آخر میں تیمور نے اس کا محاصرہ کیا، اور اس کو فتح کرنے کے بعد نہایت احتیاط سے اس کی فصیلوں اور دمدموں کی مرمت کرائی، اور انھیں مستحکم کیا[1]۔

سَرَخس کا شہر طُوس سے مَرو کلان جانے والی سیدھی سڑک پر دریاے مشہد کے دائیں یا شرقی کنارے پر واقع ہے۔ دریاے مشہد آج کل تجند کہلاتا ہے۔ اس دریا کی نسبت یہ معلوم نہیں ہوتا کہ زمانۂ وسطیٰ کے کسی جغرافیہ نویس نے اس کا ذکر کیا ہو۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ یہ دریا کُوچان کے قریب پانی اور دلدل کی زمین سے نکلا ہے، اور پہلے جنوب مشرق کی طرف بہتا ہوا مشہد کے پاس سے گزرا ہے۔ جب یہ دریا مشہد

[1] عتبی، کتاب یمینی، عربی متن (قاہرہ ۱۲۸۶ھ) ج ۱۔ ص ۲۱۵؛ فارسی متن (طہران ۱۲۷۲ھ) ص ۱۵۱؛ مستوفی ص ۱۸۷؛ علی یزدی ج ۱۔ ص ۳۳۴، ۳۴۲؛ جہاں نما ص ۳۲۳؛ فارسی میں کِلات یا کَلات ارمنی لفظ قَلق کا مترادف ہے اور اس کے معنے شہر کے ہیں۔ عربی میں اس لفظ کا املا قَلعة یا قَلعة ہو جاتا ہے۔ ۱۸۷۵ء میں کرنل میک گریگر (Mac Grogor) نے کلات نادری کو دیکھا تھا اور اس نے اس کے حالات بہت احتیاط سے لکھے ہیں دیکھو اس کی کتاب Journey through Khurasan ج ۲ ص ۶۵۔

یا مَیمَنَہ تھا۔ علاوہ ازیں یاقوت نے لکھا ہے کہ آسنجِہ، باذن، خَو، وَالجبل اور شوکان اس علاقے کے بڑے مقامات تھے۔ لیکن جب اُس نے اپنی کتاب لکھی ہے تو مَیمَنَہ برباد ہوچکا تھا۔ اس کے بعد آٹھویں (چودھویں) میں مستوفی نے علاقہ خاوَرَان کے عمدہ باغوں کا ذکر کیا ہے؛ اس نے خاورَان کا نام خاوردان بھی لکھا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ شاعر انوری علاقہ خاوران کے صدر شہر میں رہا کرتا تھا۔ یہ شاعر چھٹی (بارہویں) صدی میں گزرا تھا، اور سلطان سنجر سلجوقی کا قصیدہ گو تھا[1]۔

یہاں پہاڑوں میں، آبیورد اور مِہنَہ کے تقریبًا وسط میں وہ زبردست قدرتی قلعہ ہے، جو اٹھارویں صدی عیسوی کے مشہور بادشاہِ ایران نادر شاہ کے نام پر آج کل کِلاتِ نادر کہلاتا ہے۔ نادر شاہ یہاں اپنا خزانہ رکھا کرتا تھا۔ اس قلعہ کا ذکر کسی سیاحت نامہ یا تیسری اور چوتھی (نویں اور دسویں) صدی کے کسی عرب جغرافیہ نویس کی کتاب میں نہیں ملتا، اور نہ یاقوت نے اس کا نام لیا ہے؛ بلکہ معلوم یہ ہوتا ہے کہ سب سے پہلے عُتبی نے اپنی کتاب یمینی میں اس کا ذکر کیا ہے، اور اس نے بھی بر سبیل تذکرہ اس طرح لکھ دیا ہے کہ کوئی امیر نیشاپور سے کِلاتِ علی گیا تھا، جسے عربی طرز تحریر میں "قلعہ لکھا جاتا تھا"۔ مستوفی نے اس کا

---

[1] مقدسی ص ۳۲۱، ۳۳۳ + یاقوت ج ۱ ص ۱۱۱، ۳۳۲، ۴۶۲ + ج ۲ ص ۴۸۳، ۴۹۵، ۸۲۸ + ج ۳ ص ۳۳۶ + ج ۴۔ ص ۳۲۱، ۴۲۳ + مستوفی ص ۱۸۹ + علی یزدی ج ۱۔ ص ۳۸۲ + جہان نما ص ۳۱۰ + خاوران قدیم فارسی خاوَرَان کی نئی شکل ہے۔ اس کے معنے "مغربی ملک" کے ہیں، اور وہ خراسان یعنے "مشرقی ملک" کی ضد ہے۔ اس طرح یہ علاقہ جو پہاڑوں کے نیچے نیچے دشت میں واقع ہے اسی نام سے اب تک پکارا جاتا ہے، جس کا اطلاق دراصل تمام مغربی ایران پر جس میں خراسان (مشرقی ملک) شامل نہ تھا ہوا کرتا تھا +

آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے لکھا ہے یا سَرَخَس کی فصیل کا دور پانچ ہزار قدم تھا، اور شہر کی حفاظت کے لئے ایک مضبوط قلعہ موجود تھا۔ اس نے لکھا ہے کہ طوس اور ہرات سے آنے والا ایک دریا سے (دریائے تجند کا نام نہیں لکھتا) شہر کو پینے کا پانی ملتا تھا۔ یہ دریا اچھا تھا، اور اس کا پانی ہاضم تھا۔ اسی دریا سے سَرَخَس کے گرد جس قدر مزروعہ اراضی تھیں، جن میں خربوزہ اور انگور بہت ہوتا تھا، سیراب کی جاتی تھیں[1]

---

[1] - ابن رستہ ص ۱۷۳ + اصطخری ص ۲۷۲ + ابن حوقل ص ۳۲۳، ۳۲۴ مقدسی ص ۳۱۲، ۳۱۳ + قزوینی ج ۲- ص ۲۶۱ + مستوفی ص ۱۸۹ + موجودہ شہر سَرَخْس دریائے تجند کے مغربی کنارے پر واقع ہے۔

سے تقریباً سو میل آگے بڑھ جاتا ہے تو جنوب کی طرف سے دریائے جہانات بطور ایک بڑے معاون کے اُس میں ملتا ہے، یہاں سے یہ دریا شمال کا رُخ کرکے سَرَخس کی طرف بہتا ہے، اور پھر شمال میں کچھ دور جاکر شہر اَبیوَرد کے نواح میں الاَجَمہ کے مقام پر، جہاں گز (جھاؤ) کے بہت سے درخت تھے، اس کا پانی پھیل کر ریگستان میں غائب ہو جاتا ہے۔ اصطخری اور ابن حوقل دونوں نے اس دریائے تجند کو دریائے ہرات کا محض ایک معاون لکھا ہے۔ ابن رستہ نے بھی اسے یہی سمجھا ہے، وہ لکھتا ہے کہ سَرَخس پہنچنے سے دو فرسخ قبل دریائے ہراۃ سے ریعنے دریائے تجند) کے زیرین حصے سے ایک نہر نکلتی ہے، جو سیدھی سَرَخس کو آتی ہے۔ اس دریا سے اور نہریں بھی علاقہ سَرَخس کو سیراب کرنے کے لئے نکالی گئیں تھیں۔ ان میں خاص کر ایک نہر تھی جسے خشک رود کہتے تھے۔ اس نہر پر پتھر کا ایک بڑا مضبوط پل بنا دیا گیا تھا، لیکن حالت یہ تھی سال کے بڑے حصہ میں خود اس دریا میں جو سَرَخس سے گزرتا تھا پانی نہ ہوتا تھا+

چوتھی (دسویں) صدی میں سَرَخس ایک بڑا شہر تھا، وسعت میں مَرو سے نصف تھا، اور آب وہوا صحت بخش تھی۔ بھیڑیں اور اونٹ اُس کے مرغزاروں میں بکثرت تھے۔ لیکن مزروعہ اراضی وہاں کم تھیں، کیونکہ آب پاشی کے لئے پانی ہمیشہ دستیاب نہ ہو سکتا تھا۔ مقدسی نے یہاں کی جامع مسجد اور بازاروں کی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ شہر کے باہر کی تمام بستی میں باغ بہت تھے۔ قزوینی نے بھی لکھا ہے کہ شہر بہت معمور تھا، اور وہاں عماموں اور نقابوں کے لئے کپڑے بنے جاتے تھے، اور ان پر سنہرے کلابتون کا کام بہت خوبصورت ہوتا تھا۔ یہ کپڑے دساور کئے جاتے تھے۔

کی بڑی سڑک کے اس حصہ پر واقع تھے جو مرو سے سمت شمال مشرق کو آمل میں گئی تھی۔ آمل کا شہر دریائے جیحون کے کنارے تھا، اور یہاں سے دریا کو عبور کر کے لوگ بخارا کو جاتے تھے۔

مُرغاب یا مرغاب کی نسبت ابن حوقل لکھتا ہے کہ دراصل یہ لفظ مروآب تھا؛ لیکن اصطخری کا بیان ہے مُرغاب اس مقام کا نام ہے جہاں سے یہ دریا نکلتا ہے؛ مقدسی نے دریائے مرغاب کا نام نھر المروین (یعنی دو مرو کا دریا) لکھا، اور بیان کیا ہے وہ شمالی یعنی مروخورد کے پاس سے گزر کر جنوبی یا مرو کلان کی طرف بہتا ہوا گیا ہے۔ مرو کلان سے جنوب میں ایک مقام تھا کہ جہاں دریا کے گزرگاہ میں دونوں کناروں پر پشتے جن کا رد کار لکڑی کا تھا مثل دیوار کے قائم کر دیئے گیے تھے، (تاکہ کنارے پانی روسے کٹنے نہ پائیں)۔ ان پشتوں کی وجہ سے دریا اپنا رہ گزر تبدیل نہ کر سکتا تھا چوتھی (دسویں) صدی میں ان پشتوں کی حفاظت کے لئے ایک خاص افسر (میرآب) مقرر تھا، جس کے ماتحت دس ہزار مزدور اور سواروں کا ایک رسالہ تھا۔ اس افسر کا فرض تھا کہ پشتوں کی نگاہداشت اور پانی کی تقسیم کا انتظام رکھے۔ ان پشتوں پر ایک جگہ ایک آلہ لگا ہوا تھا جس سے طغیانی میں پانی کی بلندی کا حال معلوم ہوتا تھا۔ جس سال دریا زیادہ چڑھتا تھا اس آلہ میں پانی سب سے نیچی سطح سے ساٹھ جو (دانۂ شعیر) اونچا نظر آتا تھا۔ اور لوگ یہ دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے۔ لیکن خشک سالی میں پانی اس آلہ میں صرف چھ جو اونچا ہوتا تھا +

مرو کلان سے جنوب میں ایک فرسخ پر دریا کے پانی کو روک کر اس کا پانی ایک بڑے گول تالاب میں ڈال دیا تھا اور اس تالاب سے چار نہریں نکال کر شہر کے مختلف محلوں اور حوالی شہر کی بستی میں لے گئے تھے۔ اس تالاب میں خاص خاص جگہ پر بچے سے دروازے

(۲۹۷)

باب بست وہشتم

خراسان (جاری)

ربع مرو۔ دریائے مرغاب۔ مرو کلان، اور اس کے قریے
دریائے جیحون کے کنارے کے شہر آمل اور فربر۔ مروالرّوذ
یا چھوٹا مرو اور قصبہ اَخنَف۔

خراسان کا دوسرا ربع یعنی ربع مرو دریائے مرغاب یا دریائے مرو کے کنارے کنارے چلا گیا ہے۔ یہ دریا ہرات کے شمال مشرق میں غور کے پہاڑوں سے بہتا ہوا ہرات کے شمال مشرق میں پہنچتا ہے۔ اور مرو خورد سے گزر کر شمال کی سمت میں مرو کلان کی طرف مڑ جاتا ہے، جہاں اس کا پانی کئی نہروں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد دریائے مرغاب دشت غز کے ریگستان میں غائب ہو جاتا ہے۔ جو تجند یا دریائے ہرات والی پانی اور دلدل کی زمین سے ایک ہی عرض بلد میں تقریباً ستر میل کے فاصلے سے مشرق میں واقع ہے + دریائے مرغاب کے کنارے جو مختلف شہر آباد تھے ان کے علاوہ وہ شہر بھی ربع مرو میں شامل تھے جو خراسان کی

زمانہ وسطےٰ میں مرو کلان کو مرو الشاہ جان، یعنی مرو خورد سے ممیز کرنے کے لئے مرو الشاہجان کہتے تھے شاہجان غالباً فارسی لفظ شاہگان کی معرب شکل ہے؛ شاہگان کے معنے بادشاہ کا یا شاہی ہیں۔لیکن یاقوت اور دوسرے مصنفوں نے اس کے معنے "شاہ جان" لکھے ہیں۔ مرو کا حال جس طرح اصطخری، ابن حوقل اور مقدسی نے لکھا ہے وہ یہ کہ اولاً بیچ میں شہر کا قلعہ (قہندز) تھا۔ اس کو بلندی دے کر بنایا گیا تھا، اور وسعت میں وہ ایک شہر سے کم نہ تھا۔ پھر اس قلعہ کے گرد شہر تھا، جس کی فصیل تھی، اور اس میں چار دروازے تھے + اس شہر سے باہر بڑی بڑی بستیاں تھیں، جو بڑی نہروں کے کنارے کنارے دور تک پھیلی چلی گئیں تھیں۔ اندرونی شہر کے چار دروازے یہ تھے (۱) باب المدینہ (جنوب مغرب رویہ) اس دروازے سے وہ سڑک شہر میں داخل ہوتی تھی جو سرخس سے آئی تھی۔ (۲) باب سنجان (جنوب مشرق رویہ) یہ دروازہ بنی ماہان کی بستی اور نہر اسعدی کی طرف کھلتا تھا (۳) باب در مشکان (شمال مشرق رویہ) یہ دروازہ اس سڑک پر واقع تھا جو دریائے جیحون کو جاتی تھی؛ (۴) باب بالین شمال مغرب رویہ تھا + چوتھی (دسویں) صدی میں مرو میں تین جامع مسجدیں تھیں۔ ایک قلعہ والی مسجد، جو مسجد بنی ماہان کہلاتی تھی؛ دوسری مسجد عتیق جو شہر کے باب المدینہ پر تھی اور تیسری ماجان کی بستی والی جامع جدید جو باب المدینہ کے باہر تھی اور یہیں مرو کے بڑے بازار تھے +

نہر رزیق شہر میں سے گزرتی ہوئی باب المدینہ اور مسجد عتیق تک آتی تھی۔ یہاں اس کا پانی شہر کے اسی حصہ کے باشندوں کے لئے بڑے بڑے تالابوں میں جمع کر لیا جاتا تھا نہر رزیق سے مغرب کی طرف نہر ماجان بہتی تھی اور ماجان

تھے۔ ان دروازوں کو حسب ضرورت کبھی کھول کر اور کبھی بند کر کے تالاب میں پانی کی بلندی کو گھٹاتے بڑھاتے رہتے تھے۔ جب دریا خوب چڑھا ہوتا تھا تو بابجا تالاب کے بند کاٹ کر قاعدہ کے مطابق پانی تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ اس موقع پر یہاں لوگوں کا ایک میلہ لگ جاتا تھا۔ ان چار نہروں کے نام حسب ذیل تھے۔ (۱) نہر ہُرمُز فَرّہ جو مغرب کی طرف بہتی تھی۔ اس کے بعد (۲) نہر ماجان تھی جو مشرق کی طرف گئی تھی؛ اس کے بعد (۳) نہر زَرق یا الزَّریق؛ اور اخیر میں (۴) نہر اَسْعَدِی تھی۔ ان چاروں نہروں میں سے معلوم ہوتا ہے کہ ماجان وہ نہر تھی جس میں دریائے مُرغاب کا بڑا دھارا بہتا تھا۔ یہ دریا شہر کی بیرونی بستیوں میں سے گزرنے کے بعد جہاں اس پر کھیتوں کے متعدد پل تھے، پھر ریگستان میں آکر بہنے لگتا تھا، حتیٰ کہ جو کچھ پانی اس میں باقی رہتا تھا وہ آگے چل کر ریت میں جذب ہو جاتا تھا۔ یاقوت نے ساتویں (تیرہویں) صدی میں لکھا ہے کہ اس کے زمانہ میں دریائے مُرغاب کو دریائے زَرَیق کہتے تھے (یہ غالباً وہی نہر ہے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے)اس نے لکھا ہے کہ اکثر اوقات غلطی سے اس نام کا املا زَرَیق کیا جاتا تھا۔ مصنف جہان نما نے نام کی ایک اور مختلف شکل زَرَنایق بیان کی ہے۔ مستوفی نے ان ناموں کا ذکر کیا ہے لیکن لکھا ہے کہ عام طور پر دریا کا نام مُرغاب ہی استعمال ہوتا تھا، اور آج کل بھی وہ اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔[1]

---

[1] اصطخری ص ۲۶۰، ۲۶۱؛ ابن حوقل ص ۳۱۵؛ مقدسی ص ۳۳۰، ۳۳۱؛ یاقوت ج ۲ ص ۸۰۰؛ مستوفی ص ۲۱۴؛ جہان نما ص ۳۲۸؛ حافظ ابرو (۳۲ الف) نے اس جگہ کا نام جہاں دریائے مُرغاب ریگستان میں غائب ہو جاتا ہے حایاب لکھا ہے۔ مرو کے گرد و نواح کے شہروں کے لئے دیکھو نقشہ عثـ (صفحہ حاشیہ ۴۴۷)۔ غالباً سائنہ والا شعیر سے ایک ذرع مراد تھی۔

ایک فرسخ کے فاصلہ پر مرو سے اسی سمت واقع تھے، اور یہ بھی وسعت میں اتنے تھے کہ ہر ایک میں ایک ایک جامع مسجد اپنی علیحدہ تھی +

مرو سے مغرب کی طرف ایک مرحلہ کے فاصلے سے سنج کا شہر تھا، جسے مقدسی نے سنک کہا ہے۔ اس میں خوب صورت جامع مسجد تھی اور یہ شہر نہر کے کنارے بہت سے باغوں میں واقع تھا۔ سنج سے اسی طرف مرو کے جنوب مغرب میں سرخس جانے والی سڑک پر الدندانقان کا مشہور شہر تھا۔ یہ ایک چھوٹا مگر خوب مستحکم مقام تھا۔ اس کی فصیل میں صرف ایک دروازہ تھا، اور فصیل کے باہر گرم حمام تھے۔ ساتویں۔ (تیرھویں) صدی میں یاقوت نے اس شہر کے کھنڈر دیکھے تھے۔ ۵۵۳ھ (۱۱۵۸ء) میں غز نے اس شہر کو مسمار کر دیا تھا، اور یہی مقام وہ تھا جہاں جنوب مغرب کی سمت شاداب علاقۂ مرو کی زراعت شروع ہو جاتی تھی۔ اسی طرح کشمیہن کے مقام پر، جو مرو سے ایک مرحلہ آگے بخارا جانے والی سڑک پر تھا، مرو کی شمال مغربی زراعت خاتمہ کو پہنچی تھی۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ کشمیہن یا کشماهن کی ایک قسم کی کشمش مشہور تھی، جو مایب کشماهنی کہلاتی تھی۔ اس شہر میں ایک خوبصورت جامع مسجد اور عمدہ بازار تھے۔ ایک بڑی نہر اس شہر کو سیراب کرتی تھی۔ شہر میں بہت سی کاروان سرائیں اور حمام تھے، اور گرد و نواح کے باغوں میں میوہ بہت ہوتا تھا +

مرو کے باب در مشکان سے باہر نکلتے ہی خلیفہ مامون عباسی کا عالی شان محل تھا۔ جس زمانہ میں مامون کا دربار مرو میں تھا تو وہ اس محل میں رہا کرتا تھا۔ یہ واقعہ اس سے پیشتر کا ہے جب کہ اپنے بھائی امین کے ہاتھ سے خلافت نکالنے کے لئے

کی بڑی بستی، جو شہر کے باہر تھی، اسی نہر سے سیراب ہوتی تھی۔ یہ بستی میدان یا چوک کے گرد واقع تھی۔ اسی میدان میں مسجد جدید، دار الامارۃ، اور حبس واقع تھے۔ یہ تینوں عمارتیں عباسیوں کے بڑے معاون و وفاکیش ابو مسلم خراسانی نے تعمیر کرائی تھیں۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ عباسیوں کو خلافت ملنے کا بڑا باعث یہی ابو مسلم تھا۔ اصطخری کا بیان ہے کہ اسی حصہ میں پختہ اینٹ کی ایک عمارت دکھائی جاتی تھی جس میں پچپن ذرع قطر کا ایک گنبد تھا اور مشہور یہ تھا کہ عباسیوں کے کپڑے سیاہ رنگ کے، جو بعد کو اس حکمران خاندان کا مخصوص رنگ قرار پایا، سب سے پہلے اسی عمارت میں رنگے گئے تھے۔

نہر ماجان کے مغرب میں، جیسا کہ اوپر ذکر ہوچکا ہے، نہر ھُرْمُزْفَرَّہ تھی۔ یہ نہر ھراۃ کی بستیوں کی سرحد پر بہتی تھی اور اس کے کنارے وہ مکانات اور محلے تھے، جنھیں خاندان طاھریہ کے بادشاہ حسین نے تعمیر کرایا تھا۔ اس بادشاہ نے بہت سے بازار بھی اسی طرف منتقل کر دیئے تھے۔ یاقوت نے اس زمانہ کے بعد جہاں اپنی کتاب میں ماجان والی بڑی مغربی بستی کا حال لکھا ہے وہاں اس بستی کے دو بڑے بازاروں کا ذکر بھی کیا ہے ان میں سے ایک کا نام مَرَاجان۔ (بجائے ماجان کی جگہ) اور دوسرے کا نام تخاران بہ لکھا ہے۔ نہر ھُرْمُزْفَرَّہ آخر کار ایک شہر تک پہنچتی تھی، جس کا نام ھُرْمُزْفَرَّہ تھا۔ یہ شہر دریائے مُرغاب کی پانی اور دلدل والی زمین کے قریب واقع تھا۔ اس کی جامع مسجد اپنی الگ تھی۔ شہر ھُرْمُزْفَرَّہ سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر باشان واقع تھا۔ یہ بھی ایک شہر تھا جس میں جامع مسجد تھی۔ خرک (یا خَرَّہ) اور الشّمو سَنْقان کے دو قریئے ایک دوسرے سے (۴۰۰)

گئی تھی، اور ایک چکی والے نے جواہرات کے لالچ میں اُسے قتل کر دیا تھا۔
ابن حوقل نے لکھا ہے کہ شاسراق کے محدود شہر ہی میں دریائے
مرغاب کے پانی کو نہروں میں کاٹنے کا سلسلہ قائم ہوا تھا، اور رجبیے
بناکر مرو کے گرد باغوں میں پانی پہنچایا جاتا تھا۔ یہاں کے باغ شیریں
خربوزوں کے لئے ہمیشہ سے مشہور چلے آتے تھے۔ ایسی ہی مشہور
یہاں کی ہینگ (یعنی اشترغاز) کی تھی جو یہاں کاشت کی جاتی تھی
اور خراسان کے مقامات کو بھیجی جاتی تھی۔ ریشم کے کیڑے بھی یہاں
بہت پرورش کئے جاتے تھے،[1] اور مرو میں جو ریشمی کپڑے تیار
ہوتے تھے وہ بہت مشہور تھے+[5]

[1] - یعقوبی ص ۲۸۰ + اصطخری ص ۲۵۸ - ۲۶۳ + ابن حوقل ص ۳۱۴ - ۳۱۶ +
مقدسی ص ۲۹۸، ۱۳۹۸، ۲۹۹، ۳۱۰ - ۳۱۲، ۳۳۱ + یاقوت ج ۱ ص ۳۳ ، ۵۰۲ ،
ج ۲ ص ۶۱۰ ، ج ۴ ص ۵۰۷ + شہر شاسراق اور اس کی چکی مرو سے سات فرسخ
کے فاصلہ پر واقع تھی، اور وہ تالاب جس سے مرغاب کا پانی چار نہروں میں تقسیم کیا جاتا تھا
اور ان نہروں میں ایک نہر شاسرایق بھی تھی، مرو سے صرف ایک فرسخ تھا۔ اس سے
یہی اندازہ ہوتا ہے کہ نہر شاسرایق اور شاسراق کی بن چکی پاس پاس نہ تھیں۔ لیکن
نقطوں کے بے جگہ لگ جانے کی وجہ سے شاسراق یا سیاسراق اور شاسرایق یا سیاسرایق
میں بہت خلط ملط واقع ہو گیا ہے۔ بن چکی کے نام کا تلفظ شہرشاق یا شہرتاق بھی کیا جاتا ہے
اور نہر شاسرایق کا نام شاسرابق بھی لیا جاتا ہے۔ بعض روایات کے مطابق
اسی نہر کے کنارے یزدجرد قتل ہوا تھا۔ دیکھو یاقوت ج ۲ ص ۲۷۰، ۹۲۵
ج ۴ ص ۵۰۸ + مقدسی (ص ۳۳) نے لکھا ہے کہ مرو سے تقریباً دو فرسخ
کے فاصلہ پر، لیکن کس سمت میں یہ اس نے بیان نہیں کیا، ایک مختصر سا رباط تھا جس
میں ایک قبر تھی اور عام روایت یہ تھی کہ اس میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک
دفن ہے لیکن اور بہت سے مقامات بھی ہیں جہاں آپ کے سر مبارک کا مدفون ہونا بیان کیا
گیا ہے۔ بہر کیف یہ بات یقینی ہے کہ حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد آپ کا سر دمشق نہیں بھیجا گیا تھا۔

بغداد کو روانگی عمل میں آئی + باب ذرہ مشکان سے ایک سڑک کشمیہن کی طرف جاتی تھی۔ شہر مرو کا جنوب مشرقی دروازہ، یعنی باب سنجان نہر آسعدی پر کھلتا تھا۔ جس کے کنارے بنی ماہان (یا میر ماہان) کا محلہ تھا، جس میں مرو کے مرزبان یعنے ایرانی محافظ سرحد کا محل واقع تھا۔ اس دروازے سے ایک سڑک دریائے مرغاب کے کنارے کنارے اندر نین ہوتی ہوئی مرو الروذ کو گئی تھی۔ اس سمت میں مرو سے چھ فرسخ کے فاصلہ پر شہر جیرنج (یا مقدسی کے مطابق کیرنگ واقع تھا) اور اور اس کے ایک فرسخ آگے شہر زرق تھا۔ یہیں وہ پن چکی تھی جہاں ساسانیوں کے آخری بادشاہ یزدجرد ثالث نے بھاگ کر پناہ

(حاشیہ یہاں مصنف کتاب اگر صرف اتنا ہی لکھتا کہ مامون اپنے بھائی امین سے مسند خلافت حاصل کرنے سے قبل اور اس کے چند سال بعد تک مرو کے اسی عالیشان میں رہا کرتا تھا، تو کوئی اعتراض پیدا نہ ہوتا۔ لیکن اس کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مامون اس مقصد کے لئے بغداد بھی روانہ ہوا تھا۔ یہ بات تاریخ سے ثابت نہیں ہوتی۔ مامون الرشید اپنے باپ ہارون الرشید کی وفات سے کچھ پیشتر باپ کے حکم سے خراسان کا حاکم مقرر ہوکر مرو پہنچ چکا تھا۔ ۱۹۳ھ (۸۰۹ء) میں باپ کا انتقال ہوا تو دونوں بیٹوں میں خلافت پر نزاع شروع ہوا۔ مامون مرو میں ہی رہا، اور اس کا سپہ سالار طاہر بن حسین اور ہرثمہ بن امین نے اپنے آقا کے دعویٰ پر امین کی فوجوں سے مختلف مقامات پر جنگ و پیکار کرتے رہے۔ حتیٰ کہ محرم ۱۹۸ھ (۸۱۳ء) میں امین قتل ہوا، اور تیسرے دن طاہر نے بغداد میں مامون کے نام کا خطبہ پڑھوا دیا۔ اس واقعہ کے بعد بھی چار برس تک مامون مرو ہی میں رہا۔ ۲۰۲ھ (۸۱۷ء) میں البتہ مرو سے اٹھا، اور ملک کا دورہ کرتا ہوا ۲۰۴ھ (۸۱۹ء) میں بغداد پہنچا۔ اس سے ظاہر ہے کہ بھائی سے خلافت لینے کے لئے مامون مرو سے بغداد نہیں گیا۔ مترجم)

میں تمام عمر یہیں رہتا ، یہیں مرتا، اور یہاں سے باہر نہ نکلتا۔ منجملہ اور کتب خانوں کے اس نے جامع مرو کے کتب خانوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ ان میں ایک عزیزیہ تھا، جس میں کم و بیش بارہ ہزار جلدیں تھیں، اور دوسرا کمالیہ۔ ان کے علاوہ شرف الملک کے مدرسہ میں شرف الملک کا کتب خانہ، اور شہر میں سلاجقہ کے مشہور وزیر اعظم نظام الملک طوسی کا کتب خانہ بھی تھا۔ خاندان سامانیہ کے قائم کئے ہوئے کتب خانوں کا اور مدرسہ عمیدیہ اور مدرسہ خاتونیہ اور مجدالملک کے کتب خانوں کا شمار پرانے کتب خانوں میں تھا۔ سب میں مخصوص کتب خانہ ضمیریہ تھا، جو ایک خانقاہ میں تھا۔ اس میں کتابیں صرف دو سو تھیں، مگر یاقوت لکھتا ہے کہ ہر جلد دو سو دینار سے بڑھ کر قیمت میں تھی۔ یہاں جتنی کتابیں تھیں وہ سب نادر اور بے بہا تھیں +

۶۱۷ھ (۱۲۲۰ء) میں جب مغل جرگوں کی آمد کا غل ہوا تو یاقوت نے میسوپوٹیمیا کے شہر موصل میں پناہ لی۔ مغلوں نے مرو پہنچ کر وہاں کے تمام کتب خانوں کی شان و شوکت کو نذر آتش کر دیا، یعنی اس عظیم الشان شہر کو لوٹنے اور مسمار کرنے کے سلسلہ میں یہ کتب خانے بھی جلا کر خاک کر دیئے گئے۔ یہ وہ ہلاکت اور غارت گری تھی جس میں بیان ہوا ہے کہ نوے لاکھ لاشیں آدمیوں کی شہر کے کھنڈروں میں بے گور و کفن پڑی تھیں۔ ابن الاثیر لکھتا ہے کہ مغلوں نے سلطان سنجر کے مقبرے اور قریب کی اکثر مسجدوں اور عمارتوں کو آگ لگا دی۔ حافظ ابرو کا بیان ہے کہ مغلوں نے دریائے مرغاب کے تمام بندوں کو توڑ دیا۔ یہ وہ بند اور پشتے تھے جن کی تعداد میں شروع کے سلاطین سلجوقی کے زمانہ میں بہت اضافہ ہوا تھا

چوتھی (دسویں) صدی کے آخر میں، جب مقدسی نے مرو کو
دیکھا ہے تو شہر کے باہر کی آبادی کا ایک ثلث برباد ہوچکا تھا،
اور یہی کیفیت قلعہ کی تھی۔ لیکن پانچویں (گیارھویں) صدی میں
سلجوقیوں کی حکومت میں شہر کو وسعت اور اہمیت کے لحاظ سے
پھر ترقی ہوئی۔ سلاجقۂ اعظم کا آخری تاجدار سلطان سنجر ۵۵۲ھ
(۱۱۵۷ء) میں یہیں دفن ہوا تھا، چنانچہ اس کے مقبرے کے شکستہ
آثار اب تک یہاں دکھائی دیتے ہیں + یاقوت جو ۶۱۶ھ
(۱۲۱۹ء) میں مرو آیا تھا، لکھتا ہے کہ سلطان سنجر کی قبر ایک بڑے
گنبد میں تھی۔ اس گنبد میں نیلے رنگ کی کاشانی اینٹیں لگی ہوئی
تھیں، وہ اس قدر اونچا تھا کہ ایک دن کی مسافت سے نظر آتا تھا۔
اسی کے متصل جامع مسجد تھی۔ اور گنبد کے نیچے دیواروں کی کھڑکیاں
جامع مسجد کی طرف کھلتی تھیں۔ یاقوت سے لوگوں نے بیان کیا کہ سلطان
سنجر کی وفات پر ایک مدت گزرنے کے بعد اس کے چند ملازموں نے
یہ مقبرہ اپنے آقا کی یادگار میں تعمیر کرایا تھا۔ مرو سے دو فرسخ
کے فاصلہ پر اَنْدَرابَہ کا گاؤں اسی سلطان کی ملک تھا۔ اس
گاؤں میں سلطان کے محل کے کھنڈر ساتویں (تیرھویں) صدی
تک نظر آتے تھے۔ محل کی دیواریں باقی تھیں اور سب ڈھیر ہوچکا
تھا۔ اسی طرح یاقوت لکھتا ہے کہ قریب کا گاؤں بھی کھنڈر
ہوچکا تھا +

یاقوت کا بیان ہے کہ اُس کے زمانہ میں مرو میں دو
بڑی جامع مسجدیں ایک ہی احاطہ میں واقع تھیں۔ ان میں سے ایک
جامع مسجد حنفیوں کی تھی اور دوسری شافعیوں کی۔ یہ مصنف تین
سال تک اپنی کتاب معجم البلدان کے لئے مواد جمع کرنے کی خاطر
مرو میں رہا تھا۔ کیونکہ مرو کے کتب خانے مغلوں کے حملے سے
پہلے بہت مشہور تھے۔ چنانچہ لکھتا ہے کہ اگر مغلوں کا حملہ نہ ہوتا تو (۱۲۲۱ء)

مستوفی لکھتا ہے کہ مرو اُس کے زمانہ میں بھی قریب قریب بالکل ویران پڑا تھا۔ گو قیاس یہ ہوتا ہے کہ آٹھویں (چودھویں) صدی کے آخر میں اس کی پرانی شان شوکت تھوڑی بہت پھر عود کر آئی ہوگی، کیونکہ تیمور جب کبھی لڑائیوں سے فرصت پاتا یہاں آکر قیام کرتا تھا۔ جہاں وہ بالعموم قیام کرتا تھا اُس کا نام علی یزدی نے ماخان لکھا ہے۔ لیکن یہ غالباً کتابت کی غلطی ہے، دراصل نام ماجان ہے جس متعلق اوپر بیان ہوچکا ہے کہ وہ شہر مرو کا مغربی ربض تھا۔ مگر یاقوت نے ایک مقام پر ماخان کا ذکر کیا ہے اور اس کو مرو کے قریب ایک گاؤں بتایا ہے + تیمور کے پوتے شاہ رخ کے عہد میں شہر مرو کی رونق ایک حد تک پھر بحال ہوگئی۔ اس نے ۸۱۲ھ (۱۴۰۹ء) میں شہر کے بڑے حصے کو دوبارہ تعمیر کرایا۔ چنانچہ ۸۲۱ھ (۱۴۱۸ء) میں جب حافظ ابرو نے اپنی کتاب لکھی ہے تو یہ شہر پھر شاندار اور معمور ہوگیا تھا۔[1]

مرو سے تقریباً ایک سو بیس میل کے فاصلے پر دریائے جیحون کے کنارے، اُس جگہ جہاں سے خراسان کی بڑی سڑک دریا کو عبور کرکے بخارا اور ماوراء النہر جاتی تھی، آمل کا شہر واقع تھا۔ اس سے مشرق میں تقریباً سو میل دریا کے چڑھاؤ کے رخ اسی کنارے پر زم کا شہر تھا۔ یہاں بھی دریا اترنے کا گھاٹ تھا۔ آمل کو زمانہ وسطیٰ کے آخری حصہ میں آموئیہ کہتے تھے اور اس کے بعد اسے چہارجوئے کہنے لگے (اور آج کل بھی اسے

[1] ابن اثیر۔ ج ۱۲ ص ۲۵۶ + یاقوت ج ۱ ص ۳۰۲ + ج ۴ ص ۳۷۸، ۵۰۹، ۵۱۰ + ابن بطوطہ ج ۳ ص ۶۲ + مستوفی ص ۱۸۹ + علی یزدی ج ۱۔ ص ۱۴۴، ۱۵۰، ۵۶۹ + حافظ ابرو ص ۲۲ (ب) +

اور جن کی نگہداشت رکھی جاتی تھی، تاکہ مَرْو کے علاقہ میں آبپاشی بخوبی ہو سکے۔ مگر اب وہی علاقہ بجائے ایک سرسبز نخلستان کے پانی اور دلدل کی جھیل بن گیا تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی تک یعنی جب ابن بطوطہ مَرْو سے گزرا ہے، یہ شہر اس سرے سے اُس سرے تک کھنڈر ہی کھنڈر نظر آتا تھا۔

ابن بطوطہ کے ہمعصر مستوفی نے جو حالات مَرْو کے لکھے ہیں ان کی شان و شوکت دوسری (آٹھویں) صدی سے متعلق ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ جب کہ ابو مسلم خراسانی کی زیرِ حکومت یہ شہر اپنے انتہائی عروج پہنچا ہوا تھا اور (اسی صدی کے اواخر اور اس سے آگے کی صدی کے شروع میں) خلیفہ مامون بغداد روانہ ہونے سے قبل یہیں سکونت رکھتا تھا۔ اس کے بعد خاندان صفاریہ نے خراسان دار الحکومت نیشاپور کو منتقل کر دیا۔ لیکن سلجوقیوں نے مَرْو کی شان و شوکت کو پھر زندہ کیا؛ اور سلطان ملک شاہ نے شہر کی فصیل، جس کا دور بارہ ہزار تین سو قدم تھا، تعمیر کرائی۔ شاداب قطعہ مَرْو میں اناج کی فصلیں ایسی بارآور ہوتی تھیں کہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ مستوفی لکھتا ہے کہ جتنا بیج ڈالا جاتا تھا، پہلے سال اس سے سو گنا پیدا ہوتا تھا، اور جو بیج کھیتوں میں پڑا رہ جاتا تھا وہیں دوسرے سال جم کر تیس گنا غلہ دیتا تھا۔ تیسرے سال جتنا بیج بویا جاتا تھا اس سے دس گنی پیداوار ہوتی تھی۔ لیکن شہر کا موسم مرطوب ہونے کی وجہ سے تندرستی کے لئے مضر تھا، اور رشتے یا ناروے کی بیماری سخت آزاردہ تھی۔ ابن بطوطہ کے زمانہ میں یہاں کے ریگ رواں نے بھی بہت سے زرخیز علاقہ کو تباہ کر ڈالا تھا، لیکن پھر بھی تربوز یہاں نہایت عمدہ ہوتا تھا، جس کو توڑنے کے بعد خشک کر کے دساور کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ یہاں انگور اور ناشپاتی بھی ہوتی ہے۔

(۴۰۳)

بھی کہتے تھے۔ گیارھویں (سترھویں) صدی میں ابوالغازی نے
جہاں چنگیز خاں کی فوجی مہموں کی تاریخ بیان کی ہے وہاں اس
کا نام آمُویہ ہی لکھا ہے۔ لیکن جہاں اس مصنف نے
خود اپنے زمانہ کے واقعات بیان کئے ہیں وہاں دریائے
جیحون کے اس گھاٹ کا ذکر کرنے میں اس کا نام چہار جُوے لکھا ہے
جس سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ آمُل اور چہار جُوے
ایک ہی مقام ہے۔ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ زَمّ کا شہر دریائے
جیحون کے کنارے خراسان کی حدود میں واقع تھا۔ آج کل اس شہر
کا نام کرکی ہے اور ٹھیک وسط میں اس کے سامنے دریا پار
شہر اَخْسِیسَک بخارا کی سمت میں واقع تھا۔ ابن حوقل لکھتا
ہے کہ وسعت میں زَمّ آمُل کے برابر تھا، لیکن خراسان
کی سمت سے اُس تک پہنچنے کا صرف ایک راستہ تھا، یعنی وہ
سڑک جو آمُل سے دریائے جیحون کے چڑھاؤ کے رُخ چل کر
چار منزلوں میں زَمّ پہنچتی تھی + زَمّ سے مَرْو تک براہ
راست جانے میں ایسا ریگستان حائل تھا جس میں پانی نہ ملتا
تھا۔ زَمّ سے مشرق کی طرف بَلخ اور ترمِذ کے شہر
تھے۔ بلخ جیحون کے اسی طرف تھا، اور ترمِذ دریا پار
تھا۔ زَمّ کا ذکر مقدسی نے مختصراً کیا ہے، اور لکھا ہے
کہ اس کی جامع مسجد بازار میں واقع تھی، جس سے معلوم ہوتا ہے
کہ چوتھی (دسویں) صدی میں وہ کسی قدر بڑا شہر ہو چکا تھا[1]
اب ہم پھر دریائے هُرغاب کو واپس آتے ہیں اور

[1] اصطخری ص ۲۸۱، ۳۱۴ + ابن حوقل ص ۳۲۹، ۳۶۲ + مقدسی ص
۲۹۱، ۲۹۲ + یاقوت ج ۱۔ ص ۶۹ + ج ۲۔ ص ۹۴۶ + علی یزدی ص ۱۸۴، ۱
۳۲۴، ۵۶۸ + ابوالغازی ص ۱۲۴، ۳۲۹ +

چھاہ جوے ہی کہتے ہیں)۔ ابن حوقل کہتا ہے کہ یہ ایک چھوٹا سا
سرسبز اور خوشگوار شہر تھا، اور اس وجہ سے بھی اسے اہمیت
حاصل تھی کہ دریائے جیحون سے جو ملک دور دور واقع تھے وہاں
کے قافلوں کی آمد و رفت کا سلسلہ اُس میں ہمیشہ جاری رہتا تھا۔
آمُل سے جنوب مغرب میں مرو جانے والی سڑک کی ہر منزل
پر کنویں موجود تھے، لیکن اس کے سوا علاقۂ آمُل کے ہر طرف
ریگستان تھا، اور یہاں یہ ریگستان دریا کے کنارے تک پہنچا ہوا
تھا۔ مقدسی نے آمُل کے عمدہ بازاروں کی تعریف کی ہے۔ شہر
دریا سے ایک فرسخ کے فاصلے پر خوب سرسبز شاداب زمین
میں واقع تھا، جہاں تاکستان بکثرت تھے۔ شہر میں جامع مسجد
بھی تھی، جو ایک چھوٹی سی پہاڑی کی چوٹی پر واقع تھی۔ آمُل (۴۴)
کے سامنے (دریا پار) دریا کے دائیں کنارے پر بخارا کے علاقہ
میں فِربر کا شہر تھا۔

یاقوت نے بیان کیا ہے کہ اس جیحون والے شہر آمُل کو
(جو خراسان کی حدود میں تھا) ایک دوسرے شہر آمُل سے
جو طبرستان کا دارالحکومت تھا (دیکھو صفحہ حاشیہ ۲۷۰)
ممیز کرنے کے لیے کتابوں میں آمُل زَمّ لکھا جاتا تھا۔
(زَمّ دریائے جیحون پر آمل سے مشرق میں ایک دوسرا
مقام تھا جہاں سے اس دریا کو عبور کیا جاتا تھا) آمُل زمّ
کے علاوہ اِسے آمُل جیحون یا آمُل الشطّ (یعنی دریا والا
آمُل) یا آمُل المفازہ (یعنی ریگستان والا آمُل)
بھی کہتے تھے۔ بہرکیف یاقوت کے زمانہ میں آمُل کا شہر
آمُو یا آمُویَہ کہلانے لگا تھا، اور اسی نام سے اُس کا
ذکر مغلوں کے حملے اور تیمور کی فوجی مہموں کی تاریخ میں
آتا ہے۔ اس کے علاوہ اِسے قلعۂ آمُویَہ یا قصر آمُویَہ

ملک شاہ سلجوقی نے تعمیر کرائی تھی۔ اس کے گرد و نواح کا علاقہ بہت زرخیز تھا، خربوزہ یہاں بہت ہوتا تھا اور ضروریات کی چیزیں سستی ملتی تھیں+لہ

مَرْوَ الرُّود سے ایک دن کی راہ پر دریا کے اسی کنارے جس پر مَرْوَالرُّود تھا، دریا کے بہاؤ کے رُخ مَرْو کی سمت میں ایک قلعہ تھا، جسے قصرِ اَحنَف کہتے تھے۔ اس کا نام ایک عرب سپہ سالار احنف پر رکھا گیا تھا۔ اسی سپہ سالار نے ۳۱ھ (۶۵۲ء) میں حضرت عثمان رضی اللہ کے عہد میں اس ملک کو فتح کیا تھا+ ابن حوقل لکھتا ہے کہ قصرِ احنف ایک بڑا مقام تھا، اس کے گرد بہت سے تاکستان اور عمدہ باغ تھے، اور یہاں کی زمین اور موسم دونوں بہت اچھے تھے۔ مقدسی نے یہاں کی جامع مسجد کا ذکر کیا ہے، جو بازار میں واقع تھی۔ آج کل قصرِ احنف کے موقع پر مَرْوچک نام ایک گاؤں ہے، جسے اہل ایران مَرْو کوچک کہتے ہیں۔ زمانۂ وسطیٰ میں مَرْوَالرُّود سے چار فرسنگ شمال میں دِزَہ کا شہر دریائے مُرغاب کے دونوں کناروں پر واقع تھا، اور شہر کے ان دونوں حصوں کو ملانے کے لئے ایک سنگ بستہ پل تھا۔ اس شہر میں بھی ایک خوبصورت جامع تھی، اور یاقوت لکھتا ہے کہ شروع میں اس شہر کو سِنْوان کہتے تھے۔

پنج دِیہ کے گاؤں مَرْوچک کے شمال میں دریائے مُرغاب کے کنارے واقع تھے، اور ۴۳۷ھ (۱۰۴۵ء) ناصر خسرو مکہ معظمہ جاتے ہوئے اس مقام پر سے گزرا تھا۔ ۶۱۶ھ (۱۲۱۹ء) میں

لہ۔ قدامہ ص ۲۱۰+ اصطخری ص ۲۶۹ + ابن حوقل ص ۳۲۰ + مقدسی ص ۳۱۴+ یاقوت ج ۴ ص ۵۰۹+ مستوفی ص ۱۹۰+ بالا مُرغاب کے کھنڈروں کے حالات کے لئے دیکھو سی۔ ای۔ ییٹ (Yate) کی کتاب Northern Afghanistan ۔ ص ۲۰۸+

دیکھئے اسی دریا کے کنارے مرو کلاں سے ایک سو بارہ
میل دریا کے چڑھاؤ کے رُخ پر مرو خورد یا مرو بالا کا شہر آباد
ہے اور دریا پر اس شہر کا موقع وہاں ہے جہاں یہ دریا غور کے
پہاڑوں سے نکل کر صحرا میں سے ہوتا ہوا خم کھا کر شمال کا
راستہ مرو کلاں کی طرف اختیار کرتا ہے۔ مرو خورد یا مرو بالا جیسا کہ
مقدسی کے علاوہ اور مصنفوں نے اس کا نام لکھا ہے اس مقام
پر ہے جسے اہل ایران مرغاب کہتے ہیں۔ یہ شہر اب بالکل
(۴۰۵) ویران ہے اور تیمور کے حملے کے بعد سے اسی حال میں ہے۔ چوتھی
(دسویں) صدی میں اس کا نام مرو الروذ تھا اور وہ ایک
نہایت ہی معمور علاقہ کا سب سے بڑا شہر تھا۔ اس شہر میں اور
اس کے علاوہ اس علاقہ کے بڑے چار شہروں میں جامع مسجدیں
تھیں۔ مرو الروذ دریائے مرغاب کے کنارے سے ایک
تیر کے پلے (رمیۃ سہم) پر باغوں اور تاکستانوں کے
بیچ میں واقع تھا۔ اس کا فاصلہ مغربی سمت کے پہاڑوں سے
تین فرسخ اور مشرقی سمت کے پہاڑوں سے دو فرسخ تھا۔ بازار
میں جامع مسجد تھی۔ مقدسی لکھتا ہے کہ یہ عمارت چوبی ستونوں
پر قائم تھی؛ قدامہ نے اس پر اضافہ کیا ہے کہ بالا مرو سے
(جیسا کہ اس نے اس کا نام لکھا ہے) ایک منزل کے فاصلہ پر
قصر عمرو نام ایک قلعہ پہاڑیوں میں اس طرح واقع تھا
کہ اس سے ایک چھوٹی سی گھاٹی کا دہن بالکل بند ہو جاتا تھا۔
یاقوت لکھتا ہے کہ اس کے زمانہ میں عوام مرو الروذ یا مروذ
کہتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مغلوں کے ہاتھوں جو شدید تباہی
مرو کلاں کو اٹھانی پڑی تھی وہی مرو الروذ کا حشر ہوا۔ بہرکیف
آٹھویں (چودھویں) صدی مستوفی نے اسے بارونق شہر لکھا ہے
جس کی فصیل کا دور پانچ ہزار قدم تھا، اور یہ فصیل سلطان

باب بست و نہم

خراسان (جاری)

ربع ہرات۔ دریائے ہرات یا ہری رود۔ شہر ہرات
مالن اور ہری رود کے بالائی حصے کے شہر۔ پوشنج۔
علاقۂ اسفزار۔ علاقۂ باد غیس اور اس کے شہر
کنج رستاق۔ علاقۂ غرجستان اور علاقۂ غور۔
بارمیان۔

خراسان کا ربع ہرات تمام تر اُس ملک میں ہے جسے آج کل افغانستان کہتے ہیں، اور اس کا زیادہ تر حصہ دریائے ہرات یا ہری رود سے سیراب ہوتا ہے۔ یہ دریا غور کے پہاڑوں سے نکل کر شروع میں کچھ دور مغرب کی طرف بہتا ہے۔ ہرات کی گھاٹی میں اس سے بہت سی نہریں نکالی گئی تھیں، تاکہ یہاں کی زمینوں میں آبپاشی ہو سکے۔ ان نہروں میں سے بعض شہر ہرات کے شمال میں تھیں اور بعض جنوب میں۔ مقدسی نے ان میں سے سات نہروں کے نام لئے ہیں، جن سے دارالحکومت ربع ہرات یعنی شہر ہرات کے گرد و نواح کے زرخیز علاقے سیراب

(۴۰۶) یاقوت بھی وہاں آیا تھا، وہ لکھتا ہے کہ پنج دِیۂ ایک عمدہ شہر ہے اس مقام کا ذکر آٹھویں (چودھویں) صدی کے آخر میں تیمور کی فوجی مہموں کی ضمن میں آیا ہے۔ علی یزدی لکھتا ہے کہ اس وقت اس کا نام پَنْدِی تھا (لیکن معلوم ہوتا ہے کہ نام میں اختلاف ہے بعض قلمی نسخوں میں اسے پَنْدِا ی بھی لکھا گیا ہے) زمانۂ وسطیٰ کے اوائل میں مَرْوِ خورد سے لے کر مَرْو کلاں تک دریائے مُرغاب کے کناروں سے ملا ہوا علاقہ تمام مزروعہ تھا، اور اس میں شہر اور گاؤں بہت آباد تھے۔ اَلقَرِینَیْن، جس کا ذکر پہلے آچکا ہے، مَرْو کلاں سے چار فرسخ جنوب میں، اور مَرْوالرُّود سے دو فرسخ شمال میں واقع تھا۔ اَلقَرِینَیْن اور مَرْوالرُّود کے وسط میں لَوکَرا یا لَوکَرا کا شہر تھا، جسے مقدسی نے ایک معمور شہر لکھا ہے، جو وسعت میں قصر اَحْنَف کے برابر تھا۔ مَرْوالرُّود کے جنوب میں، دریائے مُرغاب کے چشموں کے رخ کنارے کنارے غرجستان کے پہاڑوں تک بہت سے آباد اور خوش حال علاقے ہیں جن کا ذکر غورسا کے بیان میں، جُورج ہرات کا علاقہ ہے، آئندہ باب میں آئے گا۔[1]

---

[1] یعقوبی ص ۲۹۱ + اصطخری ص ۲۷۰ + ابن حوقل ص ۳۲۱ + مقدسی ص ۲۹۹، ۳۱۴ + ناصر خسرو ص ۲ + یاقوت ج ۱۔ ص ۷۴۳ + ج ۴۔ ص ۱۰۸ + علی یزدی ج ۱۔ ص ۳۵۳ + مَرْوچاق کے کھنڈروں کے حالات کے لئے دیکھو سی، ای، ییٹ۔ کی کتاب Afghanistan ص ۱۱۰، ۱۲۰، ۱۹۴ +

ابن حوقل اور مقدسی کے بیان کے مطابق ہرات (ہرات جو زیادہ درست ہے) ایک بڑا شہر تھا؛ اس میں ایک قلعہ تھا، اور شہر کے گرد ایک فصیل تھی، جس میں چار دروازے تھے۔ ان دروازوں کے نام حسب ذیل تھے:۔ (۱) باب سرائے یعنی محل کا دروازہ) یہ شمال میں بلخ کی جانے والی سڑک پر تھا۔ (۲) مغرب میں نیسابور کی طرف باب زیاد (۳) مغرب میں سجستان جانے والی سڑک پر باب فیروزآباد تھا، جسے مقدسی باب فیروف لکھتا ہے (۴) مشرق کی جانب باب خشک غور کے پہاڑوں کی طرف واقع تھا۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ سوائے باب سرائے کے جس کا پھاٹک لوہے کا تھا، تمام دروازوں کے پھاٹک لکڑی کے تھے۔ ہرات کے قلعہ میں بھی (جو قہندز کہلاتا تھا) انہی شہر کے دروازوں کے نام پر چار دروازے تھے۔ شہر وسط میں نصف فرسخ مربع تھا۔ دارالامارۃ جس مقام پر تھا اُسے خراسان آباد کہتے تھے۔ یہ مقام شہر سے باہر فوشنج جانے والی سڑک پر تھا، جو مغرب کی سمت میں گئی تھی۔ شہر کے چار دروازوں پر شہر کے اندر کے رُخ بازار تھے اور باہر وسیع بستیاں تھیں۔ ہرات کی عالی الشان جامع مسجد بڑے بازار میں تھی اور تمام خراسان اور سجستان میں کوئی مسجد خوبصورتی میں اس کے برابر نہ تھی۔ مسجد کی پشت پر مغرب کی طرف محبس تھا۔

شہر ہرات کے شمال میں دو فرسخ کے فاصلے پر پہاڑ تھے۔ بیچ کی زمین بلا کاشت تھی، کیونکہ اس میں آبپاشی نہ ہوتی تھی۔ ان پہاڑوں سے چکنے کیے ہوئے پتھر اور فرش میں لگانے کی سلیں نکالی جاتی تھیں۔ ان میں سے ایک پہاڑ کی چوٹی پر سرشک نام ایک آتشکدہ تھا، جہاں جو تھی (؟ ...

ہوتے تھے +

شروع میں دریائے ہرات مشرق سے مغرب کی طرف بہتا ہوا شہر مالن کے قریب سے گزرتا ہے۔ مالن شہر ہرات کے جنوبی دروازے سے دریا پار چند میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہاں دریا پر ایک پل تھا، جس کی نسبت مقدسی نے لکھا ہے کہ خوبصورتی میں خراسان کا کوئی پل اس کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ اس پل کو کسی مجوسی نے، جس کا نام کتبہ پر موجود تھا، تعمیر کرایا تھا۔ مقدسی لکھتا ہے کہ "بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ مجوسی بعد کو مسلمان ہوگیا تھا، اور بعض کا قول ہے کہ وہ دریا میں ڈوب مرا تھا، کیونکہ سلطان وقت نے اپنا نام اس پل پر کندہ کرانا چاہا تھا" مستوفی نے ان بڑی نہروں میں سے، جو شہر ہرات کے قریب ہری رود سے نکالی گئی تھیں، نو نہروں کے نام لکھے ہیں۔ شہر ہرات سے آگے بڑھ کر ہری رود فوشنج کے شہر سے گزرتا تھا جو اس دریا کے جنوبی کنارے کے قریب واقع تھا، اور پھر شمال کی طرف خم کھا کر سرخس کو بہتا چلا گیا تھا۔ لیکن اس شہر کو پہنچنے سے پہلے دریائے مشہد اس میں آملتا تھا، جیسا کہ گزشتہ باب میں بیان ہو چکا ہے۔ سرخس سے آگے شمال کی جانب اس کا پانی ریگستان میں جذب ہوجاتا تھا۔ حافظ ابرو کی تحریر کے مطابق دریائے ہرات کا نام خجچران تھا۔ اس نام میں کن حروف کے ساتھ کون سے نقطے ہیں اور صحیح تلفظ کیا ہے، دونوں باتیں صحت کے ساتھ معلوم نہیں ہوئیں۔ حافظ ابرو نے یہ بھی لکھا ہے کہ دریائے ہرات جس چشمے سے نکلا تھا وہ دریائے ہلمند کے منبع سے دور نہ تھا[له] +

(۴۰۸)

لہ۔ اصطخری ص ۲۶۶ + ابن حوقل ص ۳۱۸ + مقدسی ص ۳۲۹ + متوفی ص ۲۱۶ حافظ ابرو ص ۳۲ (الف)

گاؤں تھے جنہیں حسی سُاود کی ایک نہر (نہر یعصا) خاص طور پر سیراب کرتی تھی۔ یہاں کے انگور جو فخری کہلاتے تھے، اور انجیر دونوں بہت اچھے ہوتے تھے۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں ہرات کے رہنے والے سُنی تھے۔ مستوفی کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ چھٹی (بارھویں) صدی میں غوری خاندان کی حکومت کے زمانہ میں ہرات اپنے انتہائی عروج کو پہنچا۔ اس وقت اس کے بازاروں میں بارہ ہزار دکانیں، چھ ہزار حمام، اور چھ سو انسٹھ مدرسے تھے اور اس کی آبادی کا اندازہ چار لاکھ چوالیس ہزار کیا جاتا تھا

جب مستوفی نے اپنی کتاب لکھی ہے تو ہرات کے شمال میں ایک مستحکم قلعہ تھا، جسے قلعۂ شمیران کہتے تھے۔ یہ شہر سے دو فرسخ کے فاصلے پر ایک پہاڑی کی چوٹی پر اُس جگہ بنایا گیا تھا جہاں پہلے آتشکدہ بیہ سُلش تھا۔ اس کا ذکر ابن حوقل نے کیا ہے یہ قلعہ اَملُکچہ کے نام سے بھی مشہور تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے اواخر میں تیمور نے ہرات پر قبضہ کر کے شہر کی فصیل کو مسمار کر دیا، اور شہر کے اکثر اہل حرفہ کو شہر سبز بھیج دیا، جو ماوراء النہر میں اُس نے حال ہی بنایا تھا، تاکہ اس نئے شہر کی آبادی بڑھ جائے۔ ترکی جغرافیہ جہاں نما کے مصنف نے لکھا ہے کہ اس وقت یعنی سنہ (سنہ) میں شہر ہرات کے پانچ دروازے تھے۔ جس دروازے کو دروازۂ ملک کہتے تھے وہ شمال میں تھا، باب العراق مغرب میں، باب فیروز آباد جنوب میں، باب خشک مشرق میں، اور باب کپچاق، جو حال میں تیار ہوا تھا، شمال مشرق میں۔ ہرات کے گرد کے دس بُلوکات یا علاقوں کے نام بھی بیان ہوئے ہیں لیکن کوئی بیان ایسا نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ علاقے ایک دوسرے سے کس

صدی میں مجوسی بہت آیا کرتے تھے۔ عیسائیوں کا ایک گرجا بھی یہاں تھا، جو اس آتشکدہ اور شہر کے درمیان نصف راہ پر واقع تھا۔ ہرات کے جنوب سے لے کر مالین والے پل تک جو ہری رود پر تھا، تمام زمین ایک باغ معلوم ہوتی تھی کیوں کہ ہر جگہ کھیتیاں تھیں، اور بہت سی نہروں کے سے یہاں آب پاشی ہوتی رہتی تھی۔ یہ اصل قطعہ کئی نہروں میں تقسیم تھا اور بڑے بڑے آباد گاؤں، ایک کے بعد ایک، دن بھر کی راہ سے بھی زیادہ دور تک سجستان کی سڑک کے کنارے کنارے چلے گئے تھے۔

(۴۰۹) مغلوں کی یورش تک شہر ہرات کی رونق اور ترقی میں کوئی فرق نہ آیا۔ جس وقت ۶۱۴ھ (۱۲۱۷ء) میں یاقوت آیا ہے، اور یہ واقعہ مغلوں کی غارت گری سے چار برس قبل کا ہے، تو اس مصنف نے یہ خیال کیا کہ اب تک جس قدر شہر اس کی نظر سے گزرے تھے، ان میں ہرات سب سے زیادہ مرفہ الحال اور بڑا شہر تھا، اور ایک نہایت ہی حاصل خیز ملک میں واقع تھا۔ اس کا ہم عصر، قزوینی، جس سے یاقوت کے بیان کی توثیق ہوتی ہے، لکھتا ہے کہ یہاں بہت سی چکیاں نظر آئیں جو بجائے پانی کے ہوا سے چلتی تھیں۔ اور بات اسے بہت ہی عجیب معلوم ہوئی۔ لیکن بہرکیف تاتاریوں کی یورش کے بعد ضرور ہے کہ ہرات نے پھر جلدی ترقی کرلی ہوگی، کیونکہ اس کے بعد کی صدی، یعنی آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے ابن بطوطہ کے اس بیان کی تصدیق کی ہے کہ تمام خراسان میں نیشاپور کے بعد ہرات سب سے زیادہ آباد و معمور شہر تھا۔ اس زمانہ میں شہر کی فصیل کا دور نو ہزار قدم تھا، اور شہر کے گرد اس سے متصل اٹھارہ

شہر میں رہا تھا، اس نام مالین لکھا ہے لیکن اتنا اور لکھا ہے کہ اس کے زمانہ لوگ اسکے مالان کہتے تھے۔ پچیس گاؤں اس کے علاقہ سے متعلق تھے؛ ان میں سے اس نے حسب ذیل چار قریوں کے نام خصوصیت سے لکھے ہیں:- کُمَ ھاب، باشِبنان، کُہ شلان، اور عَنبَسقان۔

ہرات سے ایک مرحلہ شمال مشرق میں کَرُوخ یا کاروخ کا شہر تھا، جس کی نسبت ابن حوقل لکھتا ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی میں مُتابع ہرات میں اس کے دار الحکومت کے بعد یہی سب سے بڑا شہر تھا۔ یہاں سے زرد آلو اور کشمش بہت افراط سے قرب وجوار کے علاقوں اور شہروں کو بھیجا جاتا تھا۔ جامع مسجد شہر کے اس حصہ میں تھی جسے سَبِیلان کہتے تھے، اور شہر کے مکانات کچی اینٹوں کے بنے ہوئے تھے۔ کَرُوخ پہاڑ کی ایک گھاٹی میں واقع تھا۔ اُس گھاٹی کا طول بیس فرسخ تھا، اور ایک سرے سے دوسرے سرے تک وہ بالکل مزروعہ تھی۔ بہت سے گاؤں اور زراعت کی وسیع زمینیں اس کی مختلف ندیوں کے کنارے واقع تھیں۔ اس گھاٹی کا جو سب سے بڑا دریا تھا وہ بہتا ہوا ہری رُود میں آکر مل جاتا تھا، اور غالبًا یہ دریا وہی تھا جس کا نام یاقوت نے نہر کَرَاغ لکھا ہے۔

ہرات سے مشرق کی طرف ہری رُود کی عریض وادی میں متعدد شہروں کا ذکر، جو یکے بعد دیگرے واقع تھے، چوتھی (دسویں) صدی کے جغرافیہ نویسوں نے کیا ہے؛ اور وہ شہر یہ ہیں بَشان، یہ ہرات سے ایک دن کی مسافت پر تھا، اس کے بعد خیساد، استربیان، مَرَبَلَ اور اَوفَہ کے شہر تھے ان میں ایک سے دوسرا مشرق کی سمت

سمت اور فاصلے سے واقع تھے[1]۔

(۴۱۰) ہرات کے جنوب میں دو فرسخ یا آدھے دن کی راہ پر، اور غالباً اس عظیم الشان پل سے آگے بڑھ کر جو ہری رود پر بنا ہوا تھا، مالن یا مالن کا شہر تھا۔ اس پل کا نام بھی اسی شہر کے نام پر تھا، اور جو علاقہ شہر کے گرد ایک دن کی مسافت تک واقع تھا اُسے بھی علاقہ مالن ہی کہتے تھے۔ مگر شہر کو الشفلقات اور مالن ہرات اس وجہ سے کہنے لگے تھے کہ صوبۂ قوہستان کے علاقہ باخرز میں جو شہر اسی مالن نام تھا اُس سے تمیز قائم کی جا سکے (دیکھو باب ۲۵۔ صفحہ حاشیہ ۵۰۷)۔ مالن ہرات ایک مختصر سا شہر تھا، اس کے گرد ثمر آور باغ تھے، اور اُس کے تاکستانوں کے انگور مشہور تھے۔ یاقوت نے، جو اس

---

[1] اصطخری ص ۲۶۴-۲۶۶ + ابن حوقل ص ۳۱۶، ۳۱۸ + مقدسی ص ۳۰۶، ۳۰۷ + یاقوت ج ۴۔ ص ۹۵۵ + قزوینی ج ۲۔ ص ۳۲۲ + ابن بطوطہ ج ۳۔ ص ۶۳ + مستوفی ص ۱۸۸ + جہاں نما ص ۳۱۰-۳۱۲ + علی یزدی ج ۱۔ ص ۲۲۲، ۲۲۳ + حاجی خلیفہ نے اپنی کتاب جہان نما میں ہرات کے جو حالات لکھے ہیں وہ ایک حد تک اُس رسالہ پر مبنی ہیں جو ۸۹۷ھ (۱۴۹۲ء) میں معین الدین اسفزاری نے ہرات کے حالات میں لکھا تھا۔ اس رسالہ کو میر خواند نے اپنی کتاب روضۃ الصفا کے خاتمہ پر نقل کیا ہے (حصہ ۰۔ ص ۳۵-۵۱) + باربیرڈی مینارڈ (Meynard) نے اس کا ترجمہ جرنل ایشیاٹک ۱۸۶۰ء ج ۲۔ ص ۲۱۴ + ۱۸۶۱ء ج ۱ ص ۲۳۸، ۳، ۴ + ۱۸۶۲ء ج ۲ ص ۲۶۹ میں کیا ہے۔ ہرات کی موجودہ حالت کے لئے دیکھو سی، ای ییٹ (Yate) کی کتاب Afghanistan ص ۲۵-۲۰۔

مشرق، اور باب قوہستان جنوب مغرب کی طرف تھا۔ یاقوت نے ادھر سے گزرتے ہوئے اس شہر کو دیکھا تھا کہ اپنی وادی کے گھنے درختوں میں نظر سے پوشیدہ آباد ہے۔ اس نے شہر کا نام بوشنج یا فوشنج لکھا ہے، اور بیان کیا ہے کہ اہل ایران اسے پوشنگ کہتے تھے + مستوفی نے آٹھویں (چودھویں) صدی میں لکھا ہے کہ یہاں کا تربوز اور انگور مشہور تھا، اور انگور یہاں ایک سو پچاس قسم کا ہوتا تھا۔ شہر کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہاں ہوا چکیاں (آسیاباد) بہت تھیں۔ عام لوگوں میں مشہور تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ والا فرعون مصران کا موحد تھا، جو لڑتے لڑتے مشرق کی طرف اتنی دور نکل آیا تھا کہ اس شہر تک پہنچ گیا۔ علی یزدی نے خاص طور پہ لکھا ہے فوشنج کی دیواریں بلند اور خندق بہت گہری تھی۔ باوجود اس کے ۷۸۳ھ (۱۳۸۱ء) میں تیمور نے اسے حملہ کرکے فتح کر لیا، اور خوب لوٹا۔ اس کے بعد معلوم نہیں کیا کہ کیا سبب ہوا کہ اس شہر کا نام پھر تاریخ میں نہیں آیا۔ البتہ ایک مدت کے بعد غوریان کا شہر جو اب تک ایک معمور تمام ہے فوشنج کے ویرانے پر جو تیمور کی غارتگری کا نتیجہ تھا، آباد نظر آتا ہے۔ یہاں یہ لکھ دینا بھی ضروری ہے کہ تین شہر فرجرد، خرجرد، کوسوی جن کا ذکر قوہستان کے حالات میں ہو چکا ہے (دیکھو صفحہ حاشیہ ۳۵۸) اکثر اوقات بوشنج سے متعلق سمجھے گئے ہیں +[1]

---

[1] اصطخری ص ۲۶۷، ۲۶۸ + ابن حوقل ص ۳۱۹ + مقدسی ص ۲۹۰ + یاقوت ج ۱۔ ص ۷۵۸ + ج ۳ ص ۹۲۲ + مستوفی ص ۱۸۷ + علی یزدی ج ۱ ص ۳۱۲ + صنیع الدولہ (مرآۃ البلدان) ج ۱۔ ص ۲۹۰) نے لکھا ہے کہ

میں ایک دوسرے سے ایک دن کی راہ پر تھا؛ اور اخیر میں آدفلہ سے دو دن کی مسافت پر خشت تھا، جسے علاقۂ غور میں شمار کیا جاتا تھا۔ ان شہروں میں آدفلہ وسعت کے لحاظ سے تقریباً کُروخ کے برابر تھا، اور اہمیت میں اُس سے دوسرے (۲۱۱) درجے پر تھا۔ باقی چاروں شہروں کا حال بھی ان ہی الفاظ میں بیان ہوا ہے کہ وہ خوب شاداب اور معمور تھے۔ یہ سب وسعت میں مالن سے چھوٹے تھے۔ ان میں ہر ایک شہر میں باغ اور اچھی پیداوار کے کھیت تھے۔ اَسْتَخْری بیان میں البتہ انگور پیدا نہ ہوتا تھا، کیونکہ پہاڑی ملک قریب تھا۔ لیکن قُمْ بَلْ کا چاول خاص طور پر مشہور تھا، اور بکثرت دساور ہوتا تھا[لـہ]

ھَرات سے مغرب میں ایک دن کی مسافت پر بُوشَنج یا فُوشَنج کا بڑا شہر ھَری رُود کے بائیں کنارے کچھ دور جنوب کی سمت میں واقع تھا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ شہر وہاں تھا جہاں اب شہر غورِیان واقع ہے۔ ابن حوقل نے چوتھی (دسویں) صدی میں لکھا ہے کہ بُوشَنج وسعت میں ھرات سے آدھا تھا، اور ھرات کی طرح سطح زمین پر پہاڑوں سے دو فرسخ کے فاصلے پر تھا۔ شہر اچھا بنا ہوا تھا، اور درختوں سے گھرا ہوا تھا درختوں میں عَرْعَر (چیڑ) کا درخت خصوصاً یہاں خوب ہوتا تھا، اور اس کی لکڑی کثرت سے باہر بھیجی جاتی تھی۔ شہر خوب متحصن تھا، اور اُس کے گرد ایک فصیل اور خندق تھی۔ فصیل میں تین دروازے تھے: بابِ علی نیسابور کی طرف، بابِ ھرات

لـہ اصطخری ص ۲۶۷، ۲۰۵ + ابن حوقل ص ۳۱۰، ۳۲۴ + مقدسی ص ۵۰، ۲۹۸، ۳۰۷، ۳۴۹ + یاقوت ج ۱۔ ص ۲۷۰ + ج ۱۔ ص ۹۵۰ + ج ۳۔ ص ۶۰۵ + ج ۴۔ ص ۲۴۷، ۳۹۷، ۴۹۹ +

لکھا گیا ہے، اور یہ خلاف قیاس نہیں کہ اسی نام کی ایک دوسری شکل کُواشان ہو، اور اس لئے یہ شہر دراصل وہی ہے جسے اَسفُزار (سَبزوار) کہتے ہیں۔ شہر آدرَسکَر جسے اَہودَسکَر بھی لکھا جاتا ہے اب تک اسفزار کے مشرق میں موجود ہے اور اُسے آدرَشکَن لکھا جاتا ہے۔ یاقوت نے شہر اَسفُزار کو بجستان سے متعلق بتایا ہے، اور مستوفی لکھتا ہے کہ وسعت میں وہ ایک اوسط درجے کا شہر تھا۔ اس سے بہت گاؤں اور باغ متعلق تھے، باغوں میں انگور اور انار بہت عمدہ ہوتے تھے۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں یہاں کے اکثر باشندے شافعی المذہب سُنی تھے۔ افسوس ہے کہ ان باقی شہروں کے باہمی فاصلے اور سمتیں سیاحت ناموں میں بیان نہیں ہوئیں[1]۔

ہرات سے جو بڑی سڑک مروالرُّود کو گئی ہے وہ علاقۂ بادغیس (یا باذغیس) میں سے گزری ہے۔ اس علاقہ میں وہ تمام پیچ کا ملک شامل تھا، جس کے مغرب میں دریائے ہرات (فوشنج کے شمال والا حصہ)، اور مشرق میں وہ زمین تھی جس میں دریائے مُرغاب کے سرچشمے غرجستان کے پہاڑوں سے نکل کر بہے ہیں! اور خود بادغیس کے علاقے کو دریائے مرغاب کے بائیں کنارے والے دریا سیراب کرتے تھے۔ بادغیس کا مغربی حصہ جو ہرات کے شمال میں تقریبًا تیرہ فرسخ کے فاصلے سے شروع ہوتا ہے، کُنج رُستاق کہلاتا تھا، اور اس میں تین بڑے شہر، یعنی کیف

---

[1] اصطخری ص ۲۶۹، ۲۶۴، ۲۷۰ + ابن حوقل ص ۳۰۵، ۳۱۸، ۳۱۹ + مقدسی ص ۲۹۰، ۳۰۸، ۳۵۰ + یاقوت ج ۱۔ ص ۲۴۸ + مستوفی ص ۱۸۰ +

(۴۱۲) علاقۂ آسفزار ہرات کے جنوب میں زرنج جانے والی سڑک پر واقع ہے، اور چوتھی (دسویں) صدی میں اس علاقہ کے دارالحکومت آسفزار کے علاوہ اس میں چار بڑے شہر واقع تھے، یعنی:- اذرسکر، کواشان، خوشک اور کواشان۔ شہر آسفزار، جو اب اس علاقہ کا صدر مقام ہے، آج کل سبزوار کہلاتا ہے (بلکہ اُسے سبزوار ہرات کہتے ہیں تاکہ اُس سبزوار سے تمیز ہو سکے جو نیشاپور کے مغرب میں تھا۔ (دیکھو صفحہ حاشیہ ۳۹۱)- بہرکیف شروع زمانہ میں کواشان اس علاقہ کا سب سے بڑا شہر تھا، اور یہ علاقہ وسعت کے اعتبار سے شمال سے جنوب کی طرف طول میں تین دن کی اور عرض میں ایک دن کی مسافت تھا۔ اصطخری لکھتا ہے کہ یہاں ایک مشہور گھاٹی تھی جسے کماشکان کہتے تھے۔ اس گھاٹی میں بہت سے معمور قریئے تھے + اور دریا جو اس گھاٹی میں سے بہتا تھا اس کے سرچشمے آسفزار (سبزوار) کے قریب تھے۔ اس دریا کو آج کل ہارود مینستان کہتے ہیں، اور زرہ جھیل کے سرے پر جھیل میں گر جاتا ہے۔ جھیل کا یہ سرا جوین کے مغرب میں ہے۔ آسفزار کے ان تمام شہروں کی نسبت بیان ہوا ہے کہ وہ سیر حاصل زمینوں اور باغوں سے گھرے ہوئے ہیں۔ سیاحت ناموں میں آسفزار کا دوسرا نام خاستان (یا جاشان، کیوں کہ نام کے پڑھنے میں اختلاف ہے)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) نیشاپور سے ہرات کو سفر کرتے ہوئے وہ بوشنج کے کھنڈروں کے پاس سے گزرا تھا، اور ان کا معائنہ کیا تھا، لیکن یہ کھنڈر خورمان کے پاس نہ تھے۔

اور اُس کے قریب کے شہروں کی سابقہ مرفہ الحالی اور دولت مندی کی، جس کا ذکر اوپر آیا ہے، تصدیق کی ہے۔ لیکن لکھا ہے کہ اُس کے زمانہ میں گو یہ زمانہ مغلوں کی یورش سے پہلے کا تھا، یہ علاقہ بہت برباد ہو چکا تھا۔ جَبلَنکہ کا نام اس نے جَبُوِن یا بُوِن لکھا ہے، اور وہ خود یہاں رہا تھا۔ اس کے علاوہ ایک دوسرے شہر میں بھی رہا تھا جسے باسیلین یا بامَنج کہتے تھے، اور جَبلنکہ سے وہ تھوڑی دور پر تھا۔ اُس نے لکھا ہے کہ گرد و نواح کی جو زمین اُس کی نظر سے گزری وہ نہایت زرخیز تھی، اور پستے کے درخت یہاں بہت ہوئے تھے اور خوب پھلتے تھے[۱]۔

علاقۂ بادغیس کے جنوبی حصہ کی رونق و ثروت کے حالات بھی ایسے ہی ضمنی طور پر بیان ہوئے ہیں جیسے کُنج رُستاق کے لکھے گئے ہیں۔ لیکن علاقہ کے اِس حصہ

---

[۱] ابن رُستہ ص ۱۷۳ + اصطخری ص ۲۶۹ + ابن حوقل ص ۳۲۰ + مقدسی ص ۲۹۸، ۳۰۸ + یاقوت ج ۱۔ ص ۴۶۱، ۴۸۱، ۴۸۰، ۴۹۴ ج ۲۔ ص ۴۲، + ج ۴ ص ۳۳۳ + علاقہ بادغیس کی موجودہ حالت اور اس کے شکستہ آثار کے لئے دیکھو سی، ای، ییٹ (Yate) کی کتاب (Afghanistan) ص ۲۷، ۲۸ + گُلُوران، مَسکودان + اور قَرَاباغ کے مقامات پر شکستہ قلعے اور دوسرے آثار ہیں (ص ۱۰۱) + اس کے علاوہ قلعہ مَورہ (ص ۹۶، ۱۰۳) اور قَرَاتَپّہ کے مقامات پر بھی کھنڈر ہیں، جن میں سے بعض یقیناً اُن شہروں کے کھنڈر ہیں جن کا ذکر عرب جغرافیہ نویسوں نے کیا ہے +

بَغَن اور بغشُور واقع تھے۔ ان تینوں شہروں کے موقع کا تعیین سیاحت ناموں کے ذریعے سے تخمیناً کیا جا سکتا ہے۔ علاقۂ بادغیس کے باقی حصے کے تو شہروں کے نام مقدسی نے لکھے ہیں، لیکن افسوس ہے کہ ان میں سے کسی کا موقع معین نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ سیاحت ناموں میں ان شہروں کا ذکر نہیں ہے۔ ساتویں (تیرھویں) صدی میں مغلوں کی تاخت و تاراج کے بعد سے آج تک یہ علاقہ ایک غیرآباد ویرانہ چلا آتا ہے، اور متعدد شکستہ آثار جو اس تمام علاقہ میں جگہ جگہ پھیلے ہوئے ہیں وہ اس شاداب علاقہ کی گذشتہ رونق و تمول کی شہادت دے رہے ہیں۔ لیکن یہاں کے مقامات کے نام، جو آج کل مروج ہیں، وہ وہ نہیں جو زمانۂ وسطیٰ کے مصنفوں نے اُن کے لکھے ہیں +

شہر بَغشُور کُنج رُستان کے بڑے شہروں میں تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر کا جو ٹوٹا پھوٹا حصہ باقی ہے اُسے آج کل قلعہ مورس کہتے ہیں + چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے لکھا ہے کہ بغشور خُراسان کے سب سے زیادہ خوبصورت اور مرفہ الحال شہروں میں شمار ہوتا تھا، اور وسعت میں بُوشَنج کے برابر تھا۔ حاکم علاقہ بَبَنَہ یا بَغَن کے شہر میں رہتا تھا، جو بُوشَنج سے بھی بڑا تھا۔ کَیَف کی نسبت بیان ہوا ہے کہ وہ بَغشُور سے وسعت میں آدھا تھا۔ ان تمام شہروں کے مکانات کچی اینٹوں کے مگر اچھے بنے ہوئے تھے، اور شہر کے گرد سرسبز باغ اور کھیتیاں تھیں، کیونکہ اس علاقہ میں ندیوں اور کنوؤں سے آب پاشی خوب ہوتی تھی۔ یاقوت، جو ۶۱۶ھ (۱۲۱۹ء) میں اس ملک میں آیا تھا، اُس نے بَغشُور

اس میں بہت عمدہ باغ تھے۔ باقی جن چار شہروں کا ذکر مقدسی نے کیا ہے، اُن کے حالات سوائے اس کے کچھ نہیں معلوم ہو سکے کہ وہ سب اُس سڑک پر تھے جو ہرات سے شمال کی طرف سرخس کو جاتی تھی۔

یاقوت جس نے دہستان کا ذکر باذغیس کے دار الحکومت کی حیثیت سے کیا ہے لکھتا ہے کہ باذغیس کے معنے "بادخیز" کے ہیں، یعنی ایسا مقام جو ہوائیں چلاتا رہتا ہو۔ اور یہ نام اس علاقہ کو یہاں کے طوفان خیز موسم کی وجہ سے دیا گیا تھا۔ مستوفی نے علاقۂ باذغیس کا جو کچھ حال لکھا ہے اس کا سمجھنا مشکل ہے، کیوں کہ قلمی نسخوں میں ناموں کی صورت بہت بگاڑ دی گئی ہے۔ مستوفی کے بیان کے مطابق دہستان علاقۂ باذغیس کا دار الحکومت تھا، چاندی کی کان کا نام فارسی میں کوہ نقرہ لکھا ہے۔ تیسرا بڑا مقام کوہ غنا باد (بجائے کوغاناباد کے) بیان کیا ہے، جہاں حاکم رہا کرتا تھا۔ چوتھا شہر غالباً وہ تھا جسے بزرگشتین کہتے تھے: لیکن یہ نام غیر متیقن ہے۔ مستوفی نے ایک شہر کادیزا (یا کماہ نیزہ) کا بھی ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ یہ حکیم برقعی کا وطن تھا۔ یہ وہی شخص ہے جسے مقنع یا نخشب کا چاند بنانے والا یا دوسرے الفاظ میں یورپ کے لوگ) خراسان کا مرد بانقاب کہتے ہیں، اور جس کی بغاوت کے فرو کرنے میں دوسری (آٹھویں) صدی میں خلیفہ مہدی کو بہت پریشانی اُٹھانی پڑی تھی۔

باذغیس کے اور شہروں کے نام بھی بیان ہوئے ہیں۔ (لیکن بہت بگڑی ہوئی شکل میں) اور یہ سب مقدسی اور شروع زمانہ کے عرب جغرافیہ نویسوں کی کتابوں سے محض نقل کر دیے گئے ہیں۔ ان کے مفصل حالات بالکل نہیں لکھے

(۲۱۴) کے شہروں کا وجود نقشے پر بالکل محو ہو چکا ہے۔ زمانہ وسطیٰ میں شہروں کے جو نام تھے اُن کے موقعوں کا اب معین کرنا، یا ٹوٹے پھوٹے شہروں کے جو نام آج کل لیئے جاتے ہیں ان سے پرانے شہروں کی تطبیق کرنا مشکل کام ہے۔ تمام بیانات کے مطابق باد غیس کے جنوبی حصہ کا صدر مقام دِھستان تھا اور ممکن ہے کہ یہ وہی مقام ہو جو آج کل ھرات کے شمال مشرق میں ہے، جہاں خواجہ دستان کا مزار ہے۔ مقدسی نے دِھستان کے علاوہ سات اور بڑے شہروں کے نام لکھے ہیں، یعنی کوغاناباذ، کوفا، بُشت، جاذاوا، کابرون، کلوون اور جبل الفضّة (چاندی والی پہاڑی) ان سب کے موقعوں کا اندازہ سا جاسکتا ہے۔ دِھستان، جو وسعت کے اعتبار سے باد غیس کے شہروں میں دوسرا درجہ رکھتا تھا، چوتھی (دسویں) صدی میں بوشنج سے آدھا تھا اور ایک پہاڑی پر واقع تھا۔ اس کے مکانات کچی اینٹوں کے بنے ہوئے تھے، اور گرمیوں کے دن گزارنے کے لیئے ان کے نیچے تہ خانے تھے۔ اس میں باغ تھوڑے تھے لیکن قابل زراعت زمین بہت تھی۔ صوبہ کا حاکم کوغاناباذ میں رہتا تھا، جو دِھستان سے چھوٹا شہر تھا۔ جیسا کہ اُس کے نام سے ظاہر ہے۔ جبل الفضّة کے شہر کے قریب پہاڑیوں میں چاندی کی ایک کان تھی۔ یہ شہر ھراتا سے سرخس کو جو سیدھی سڑک گئی تھی اس پر واقع تھا، اور معلوم ہوتا ہے کہ کوغاناباذ کے شمال میں تھا۔ جلانے کی لکڑی شہر کے علاقے میں بہت ہوتی تھی۔ شہر کوفا جبل الفضّة سے بڑا تھا، سطح زمین پر واقع تھا، اور

بادغیس کے مشرق میں دریائے مرغاب کے سرچشموں کے قریب، وہ پہاڑی علاقہ ہے جس کو شروع زمانہ کے عرب جغرافیہ نویسوں نے غرج الشار لکھا ہے ان پہاڑوں کے حکمراں کا لقب شار تھا اور غرج کی نسبت مقدسی نے لکھا ہے کہ وہاں کی بولی میں پہاڑ کو کہتے ہیں۔ اس طرح غرج الشار کے معنے شارکے پہاڑ ہوئے زمانۂ وسطیٰ کے آخری دور میں یہ علاقہ عام طور پر غرجستان کہلانے لگا، اور اسی نام اس کا ذکر مغلوں کی فتوحات کی تاریخ میں آتا ہے۔ اس کے علاوہ یاقوت نے لکھا ہے کہ غرجستان کا املا اکثر غرشستان یا غرستان کیا جاتا تھا، اور اسی وجہ سے وہ اکثر غورستان سے، جو غرجستان کے مشرق میں واقع ہے، خلط ملط کردیا جاتا تھا۔ غورستان کا ذکر خاص طور پر ابھی کیا جائے گا۔ شار یعنی غرجستان کے رئیس کو ابتدائی زمانہ کے عرب مَلِکُ الغَرجَہ کہتے تھے۔ چوتھی (دسویں) میں غرجستان ایک خوشحال علاقہ تھا، اور اس کے مختلف شہروں میں دس جامع مسجدیں تھیں+

علاقۂ غرجستان کے دو بڑے شہر اَبشِین اور شُرمِین تھے، جن کا صحیح موقع معلوم نہیں ہوا۔ ابشین (یا اَفشِین یا بَشِین) دریائے مرغاب کے بالائی رہگزر

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) فرسخ اور بیگند سے مرغزا ددرّاہ پانچ فرسخ، مرغزار درّاہ سے یعنی شور (بغشور) آٹھ فرسخ، یعنی شور سے اسرود یا اُس رود پانچ فرسخ اور اسرود سے مروالرود چار فرسخ تھا+ ان شکستہ کاروان سراؤں کے کھنڈر جو اس راستہ کا اب بھی پتہ دیتی معلوم ہوتی ہیں، دیکھو سی، ای ییٹ (Yate) کی کتاب Afghanistan ص ۱۹۴، ۱۹۵، ۲۲۲+

گئے۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی کے بیان کے مطابق بادغیس کی شہرت، خاص کر میووں میں پستے کے جنگلوں کی وجہ سے تھی، اور جس موسم میں ان جنگلوں میں پستے پکنے جاتے تھے تو لوگ بہت کثرت سے یہاں جمع ہو جاتے تھے ہر شخص جتنا بوجھ اٹھا سکتا تھا وہ اس میوہ کو جمع کرلیا کرتا تھا، اور قریب کے علاقوں میں یہ میوہ فروخت کیا جاتا تھا۔ پستوں کی یہاں اتنی کثرت تھی کہ مستوفی لکھتا ہے کہ "بہت سے لوگ فصل کے وقت اتنے پستے جمع کرلیتے تھے کہ ان کو فروخت کرکے تمام سال گزران کرسکیں، اور یہ حقیقت میں حیرت انگیز بات تھی"۔[1] آٹھویں (چودھویں) صدی کے آخر میں علاقۂ بادغیس آخر کار اُس وقت بالکل تباہ ہوگیا۔ جب تیمور کی فوجیں تاخت و تاراج کرتی ہوئی ہرات سے مَرْوالرُّود کو جاتی ہوئی اس علاقہ میں سے گزریں۔+

---

[1] اصطخری ص ۲۶۸، ۲۶۹ + ابن حوقل ص ۳۱۹، ۳۲۰ + مقدسی ص ۲۹۸، ۳۰۸ + یاقوت ج ۱۔ص ۴۶۱ + ج ۲ ص ۶۳۳ + مستوفی ص ۱۸۶، ۱۸۸ جہان نما ص ۳۱۴، ۳۱۵ + علی یزدی ج ۱۔ ص ۳۰۸ + سی، ای، ییٹ (Yate) Afghanistan ص ۲ + شروع زمانہ کے عرب جغرافیہ نویسوں نے ہرات سے مروالرود جانے کا جو راستہ اپنے سیاحت ناموں میں کیا ہے وہ کنج رستاق میں ایک شہر سے دوسرے شہر کو ہوتا ہوا گزرا تھا، اور اُس راستہ کی سب سے زیادہ جنوبی منزل (یعنی بَبْنَہ) ہرات سے دو دن کی مسافت پر تھی۔ مستوفی (ص ۱۹۰) نے اس سے مختلف ایک اور راستہ کا ذکر کیا ہے جو سات منزلوں میں ختم ہوا تھا۔ یعنی ہرات سے پانچ فرسخ صنکاباد، اور وہاں سے پانچ فرسخ بادغیس (جس سے بلاشبہ دِہستان کا دارالحکومت مراد لینی چاہیئے)۔ بادغیس سے جَبَوان (یا کَبْنَہ) پانچ

ہرات تک پھیلا ہوا تھا۔ زمانۂ وسطیٰ کے جغرافیہ نویسوں نے لکھا ہے کہ اس علاقہ میں بہت سے دریاؤں کے منبع تھے۔ چنانچہ ہری رُود ہلمند، خواش، اور فرّہ کا (جو جھیل زرہ ساکا میں گرتے تھے) اِسی کے پہاڑوں سے نکلتے تھے، اور اس کی سرحد سے جو غرجستان کی طرف تھی دریائے مُرغاب نکلا تھا۔ افسوس ہے کہ اس عظیم الشان پہاڑی علاقے کے جغرافی حالات کا صفحہ بالکل کورا ہے۔ اس ملک کی تاریخ میں جن شہروں اور قلعوں کا ذکر آیا ہے ان میں کسی کا موقع بھی معلوم نہیں ہوا۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی میں غور غیر مسلموں کا ملک تھا، گو وہاں بہت سے مسلمان بھی رہتے تھے۔ اس کی گھاٹیاں معمور اور زرخیز تھیں۔ یہاں کی کانیں سونا اور چاندی دونوں کی مشہور تھیں۔ یہ ان پہاڑوں میں تھیں جو بامیان اور پنج ھیر کی طرف تھے (دیکھو صفحہ حاشیہ ۶۵۰)۔ ان میں سب سے بڑی آمدنی والی کان کا نام خوخیلی تھا۔ خاندان غزنویہ کے زوال پر غور کے رئیس، جو پہلے اس خاندان کی ماتحتی میں سپہ سالاری کیا کرتے تھے خود مختار ہو گئے۔ اور آخر کار انھوں نے فیروزکوہ کو، جو پہاڑوں میں ایک زبردست قلعہ تھا۔ اپنا دارالحکومت بنالیا۔ قلعہ فیروزکوہ کا موقع معلوم نہیں ہوا۔

غوری بادشاہوں نے چھٹی (بارھویں) صدی کے نصف سے ۶۱۲ھ (۱۲۱۵ء) تک خود مختارانہ حکومت کی۔ اس سال خوارزم شاہ نے ان کو شکست دی، اور اس واقعہ کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کے بالائی علاقوں کو لکھ دیا ہے، سخت غلطی ہے، کیونکہ افغانستان میں جیوحیا کا کوئی علاقہ نہیں ہے۔

کے مشرقی کنارے سے صرف ایک تیر کے ٹپے (رمیۃ سہم) پر تھا اور مرو الرُّود سے اُس کا فاصلہ چار مراحل تھا۔ اس کے گرد عمدہ باغ تھے، اور یہاں سے چاول بافراط بلخ کو دساور ہوتا تھا۔ اس میں ایک مستحکم قلعہ اور ایک جامع مسجد تھی شُرمِین (یا شُرمِین) پہاڑوں میں آبشِین سے چار مراحل جنوب کی طرف واقع تھا۔ اتنا ہی فاصلہ اُس کا کُرُوخ سے تھا۔ شُرمِین سے خشک انگور (منقے) تمام قرب و جوار کے شہروں میں دساور ہوتا تھا۔ اِس ملک کا حکمران، یعنی شار، جس کا ذکر اوپر آیا ہے، ان دونوں شہروں میں سے کسی میں نہ رہتا تھا۔ اس کا قیام گاہ پہاڑوں میں ایک بڑا گاؤں تھا، جسے یالی کان (یا بلکیان) کہتے تھے۔ یاقوت نے غَرجِستان کے دو اور شہروں کے نام بھی لکھے ہیں جنہیں سنجہ اور بیوار کہتے تھے، لیکن ان کے موقع کے متعلق کہ وہ کس جگہ تھے کچھ نہیں بیان کیا۔ صرف اتنا لکھا ہے کہ "اس ملک کے ایک باشندے نے مجھے بتایا" کہ یہ دونوں شہر پہاڑوں میں ہیں[۹]۔

علاقۂ غَرجِستان کے مشرق اور جنوب کا بڑا پہاڑی ملک غُور یا غُورِستان کہلاتا تھا، اور یہ ہرات سے بامِیان اور کابل اور غَزنَہ کی سرحد اور جنوب میں دریائے

---

[۹] اصطخری ص ۲۷۱، ۲۷۲ + ابن حوقل ص ۳۲۳ + مقدسی ص ۳۰۹، ۳۴۸ + یاقوت ج ۱، ص ۸۰۳ + ج ۳ ص ۷۲، ۱۴۳، ۱۸۶، ۸۵۷، ۸۶۷، ۸۳۲ + خراسان کے غرجِستان کو اُس گُرجِستان سے کوئی تعلق نہیں ہے جو کوہ کاکیس کے جنوب میں واقع ہے (دیکھو صفحہ حاشیہ ۱۸۱)، اور جسے آج کل یورپ کے لوگ بالعموم جیورجیا کہتے ہیں۔ غَرجِستان کو جیورجیا کہنا، جیسا کہ بعض مصنفوں نے مغلوں کی فتوحات کے ذکر میں دریائے مُرغاب

تھے ؛ اور ایک دوسرے سے دس فرسخ کے فاصلے پر واقع تھے ؛
لیکن دونوں میں سے کسی کا صحیح موقع دریافت نہیں ہوا۔ دونوں
کی نسبت بیان ہوا ہے کہ انھیں چنگیز خاں نے قطعی مسمار کردیا تھا
قزوینی نے ساتویں (تیرھویں) صدی میں لکھا ہے کہ خُوست بھی
علاقۂ غُور کا ایک بڑا شہر تھا۔ یہ خُوست غالباً خَشْت ہے جس
کے متعلق اوپر بیان ہوا ہے کہ (صفحہ حاشیہ ۱۰۴) کہ وہ ہُمای رُود
کے سرچشموں کے قریب واقع تھا۔ تیمور کے زمانہ میں معلوم
ہوتا ہے علاقۂ غُور کے صرف ایک مقام کا ذکر ہوا ہے ، اور
یہ قلعہ خَسْتار تھا ، لیکن اس کا موقع بھی تحقیق نہیں[1]۔

شہر بامِیان اسی بامِیان نام کے ایک بڑے علاقہ کا ، جو
ملک غُور کا مشرقی حصہ تھا ، دارالحکومت تھا۔ اس کے نہایت
قدیم آثار سے پتہ چلتا ہے کہ یہ شہر اسلام سے قبل بودھ مت والوں
کا بڑا مرکز تھا۔ اصطخری نے چوتھی (دسویں) صدی میں لکھا ہے
کہ بامِیان وسعت میں بَلخ سے آدھا تھا۔ شہر پہاڑی پر
واقع تھا متحصن نہ تھا ، لیکن اس کا علاقہ چونکہ ایک بڑے دریا سے
سیراب ہوتا تھا اس لئے بہت زرخیز تھا۔ مقدسی نے بامِیان کا
نام اَلْلحُوم لکھا ہے ، لیکن یہ یقینی نہیں کہ اس شکل میں اس
کو پڑھنا درست ہے یا نہیں۔ بامِیان کی تعریف میں یہ مصنف
لکھتا ہے کہ "خراسان کی تجارت کا یہ بندرگاہ اور سندھ کا خزا

---

[1] اصطخری ص ۲۷۲ + ابن حوقل ص ۳۰۴ ، ۳۲۳ + یاقوت ج ۲ ص ۸۲۲۔
ج ۴ ص ۹۲۰ + قزوینی ج ۲ ص ۲۴۴ + مستوفی ص ۱۸۴ ، ۱۸۸ + علی یزدی
ج ۱ ص ۱۵۰ + غُور کے متعلق دیکھو سر ایچ ، یول (Yule) کا مضمون
انسائیکلو پیڈیا برطانیکا میں (طبع نہم) ج ۹ ص
۵۲۹ +

چند سال بعد مغلوں کی یورش کے وقت یہ خاندان بالکل فنا ہو گیا۔ بہر کیف اس زمانہ سے قبل ۵۸۸ھ (۱۱۹۲ء) میں غوری بادشاہوں نے شمالی ہند کے ایک بڑے حصے کو فتح کر لیا تھا، اور دہلی سے ہرات تک تمام ملک ان کے قبضے میں تھا۔ جب مغلوں نے اس خاندان کو تباہ کر دیا تو غلام بادشاہوں نے (جو خاندان غوری کے ملوک سپہ سالار تھے) یکے بعد دیگرے ایک طویل سلسلے میں ۶۹۳ھ (۱۲۹۴ء) تک اپنی حکومت دہلی میں جاری رکھی[1]+

غُور یا غُورِستان دولت و حشمت میں اوج کمال کو اس وقت پہنچا جب کہ ۵۴۳ھ اور ۶۱۲ھ (۱۱۴۸ء سے ۱۲۱۵ء) کے درمیان خاندان سام کے غُوری بادشاہوں نے اس پر حکومت کی۔ یاقوت نے غُوریوں کے عظیم الشان دارالحکومت یعنی فیروزکُوہ (یا بِیروزکوہ) کا ذکر کیا ہے، لیکن تفصیل سے حالات نہیں لکھے۔ مستوفی نے مختصراً اس قلعہ کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ غُورستان کا ایک اور بڑا شہر تھا وہ خنگران تھا، لیکن یہ نام کیونکر پڑھنا چاہیے اس کے متعلق کوئی امر قطعی نہیں۔ ۶۱۹ھ (۱۲۲۲ء) میں چنگیز خاں نے اس تمام ملک کو تہ و بالا کر ڈالا۔ فیروزکُوہ کو فتح کیا، اور اُسے کھنڈر بنا کر آگے بڑھا۔ فیروزکوہ کے علاوہ دو اور قلعوں کا ذکر کیا گیا ہے، جن کی فتح میں مغلوں کی فوجوں کو دقت اٹھانی پڑی تھی۔ ان دونوں کے نام تُخلیُون اور فیوَاد

[1] جن ملوک بادشاہوں کا ذکر مصنف نے کیا ہے وہ دہلی میں خاندان غوری کے جانشین ہیں ان کے سلسلہ کو ہندوستان کی تاریخ میں خاندان غلامان کہا جاتا ہے۔ اس خاندان کا خاتمہ ۶۸۹ھ (۱۲۹۰ء) میں ہو گیا۔ ان کے بعد خاندان خلجی وغیرہ کو بھی غوریوں کے ملوکوں میں شامل کرنا نادرست معلوم ہوتا ہے۔ مترجم)

اس کا باعث چنگیز خاں کا قہر و عتاب تھا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کا پوتا موتوکین، جو چغتائی کا بیٹا تھا، اور دادا کو بہت عزیز تھا، بامیان کے محاصرے میں مارا گیا۔ چنگیز خان نے اپنی فوجوں کو حکم دیا کہ بامیان کی شہر پناہ اور اس کے تمام مکانوں کو گرا کر زمین کے برابر کر دیا جائے اور ممانعت کر دی کہ کوئی شخص نہ یہاں کبھی مکان بنائے اور نہ یہاں کبھی آباد ہوئے۔ بامیان کا نام بدل کر مَو بَلِق رکھا گیا، جس کے معنے ترکی زبان میں ملعون شہر کے ہیں۔ اس وقت سے بامیان ایک بے چراغ ویرانہ پڑا ہے[1]۔

[1] اصطخری ص ۲۷۷، ۲۸۰ + ابن حوقل ص ۳۲۷، ۳۲۸ + مقدسی ص ۲۹۶، ۳۰۳، ۳۰۴ + یاقوت ج ۱، ص ۴۸۱ + قزوینی ج ۲ ص ۱۰۳ + مستوفی ص ۱۸۸ + ابو الفداء ص ۱۱۳، ۴۹۹ + بامیان کے مقام پر بودھ مت کی سنگ تراشی کی تصویروں کے لئے دیکھو ٹالبٹ (Talbot) اور میٹ لینڈ Maitland کا مضمون جے، آر، اے، ایس، ۱۸۸۶ء ص ۳۲۳۔

ہے [فروض خراسان و خزائن البسلد] + یہاں کا موسم بہت سرد تھا، اور برف بہت گرتی تھی۔ مگر یہ بات اس شہر میں ایسی تھی کہ کھٹمل اور بچھو بالکل نہ تھے + شہر میں ایک جامع مسجد بھی تھی۔ شہر کے باہر وسیع بستیوں میں بازار مال و دولت سے بھرے ہوتے تھے، اور شہر میں داخل ہونے کے چار دروازے تھے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں بامیان کے علاقہ میں بہت سے بڑے شہر تھے، جن کے موقع اب بے نشان ہو چکے ہیں + تین بڑے شہروں کے نام بسغورفند، سکیوند، اور لخراب تھے +

یاقوت نے ساتویں (تیرھویں) صدی کے شروع میں گوتم بودھ کے بڑے بڑے سنگین بتوں کا ذکر، جو اس وقت تک بامیان میں موجود تھے، کسی قدر تفصیل سے کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ زمین سے بہت بلندی پر دامن کوہ میں ایک بہت بڑا کمرہ سا تھا جو ستونوں پر قائم تھا، اور اس کی دیواروں پر ہر قسم کے پرندوں کی جو اللہ نے پیدا کئے ہیں تصویریں تھیں۔ ان تصویروں کو دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ اس کمرے کے باہر نیچے سے اوپر تک دامن کوہ کی چٹان کو تراش کر دو بڑے قوی ہیکل بت بنائے تھے۔ یہ سُرخ بُد اور خنگ بُد (لال بدھ اور بھورا بدھ) کہلاتے ہیں اور تمام دنیا میں کوئی بت ان کے برابر نہیں ہے + قزوینی نے بامیان کے "خانۂ زرین" کا ذکر کیا ہے، اور گوتم بودھ کے دو بتوں کا حال بھی لکھا ہے اس کے علاوہ اس نے یہ بیان کیا ہے کہ پارے (زیبق) کی ایک کان اور گندھک کا ایک چشمہ اسی کے قریب وجوار میں واقع تھا + شہر بامیان اور اس کے علاقہ کی تباہی، بلکہ مشرق میں کابل کے پنج ہیر تک، جن کا اوپر ذکر ہوا جس قدر یہ علاقہ تباہ کیا گیا تھا

تھے، اور شہر پناہ بھی ایسی ہی اینٹوں کی تھی، جس کے باہر ایک گہری خندق تھی۔ بازار اور بڑی جامع مسجد شہر کے وسط میں تھی۔ جس ندی سے بلخ کو پانی پہنچتا تھا اُسے دہ آس کہتے تھے۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ اس (فارسی) لفظ کے معنی دس چکیاں ہیں۔ یہ چکیاں شہر کے باب نوبہار کے پاس، جہاں سے دریا گذرتا تھا، پانی کے زور سے چلتی تھیں۔ دریا یہاں سے آگے بڑھ کر سیاہ جرد کی زمینوں اور کھیتوں کو سیراب کرتا تھا۔ سیاہ جرد ترمذ جانے والی سڑک پر واقع تھا۔ بلخ کے گرد باغات تھے، جن میں نارنگیاں، نیلوفر، اور نے شکر پیدا ہوتا تھا۔ یہ چیزیں، اور یہاں کے تاکستانوں کے انگور فروخت ہونے کے باہر بھیجے جاتے تھے۔ یہاں کے بازاروں میں سوداگروں کی آمد و رفت بکثرت رہتی تھی۔

شہر کے سات دروازے تھے، یعنی: باب نوبہار، باب رحبہ (چوک والا دروازہ)، باب الحدید (آہنی دروازہ)، باب ہندوان (ہندوؤں کا دروازہ)، باب الیہود، باب شصت بند، اور باب یحیٰی۔ مقدسی نے بلخ کی شان و شوکت، خوشحالی اور دولت مندی، اور وہاں کی متعدد نہروں اور کم خرچ میں گزارہ ہونے کا، کیونکہ کھانے پینے کی چیزیں یہاں بافراط ملتی تھیں، تذکرہ کیا ہے۔ شہر کی بے شمار چوڑی چوڑی سڑکوں، عالی شان مسجد، اور شہر پناہ اور وہاں کے بہت سے خوش تعمیر قصر و عمارات کی بھی تعریف کی ہے۔ بلخ کی یہ آسودہ حالی اور رونق چھٹی (بارھویں) صدی کے وسط تک قائم رہی۔ اس کے بعد ۵۵۰ھ (۱۱۵۵ء) میں ترکی قبائل غز کی یورش نے اسے پہلی مرتبہ تباہ کیا۔ جب یہ غارت گر چلے گئے تو شہر کے لوگ جو نکل گئے تھے واپس آئے، اور دوسری جگہ، مگر برباد شہر سے بالکل متصل انھوں نے ایک نیا شہر بسا لیا۔ زیادہ مدت نہیں گزرنے پائی تھی کہ بلخ نے ایک حد تک اپنی پرانی شان پھر حاصل کر لی۔ شہر کی اس بارونق حالت کا ذکر ساتویں (تیرھویں) صدی کے اوائل میں یاقوت نے کیا ہے۔ یہ زمانہ مغلوں کی یورش سے، جس میں یہ شہر دوبارہ غارت ہوا کچھ ہی پہلے کا ہے۔

مسعودی کا بیان ہے کہ بلخ کی بڑی آبادی [ربض] میں، جسے نوبہار کہتے ہیں، ساسانیوں کے عہد میں گبر کا ایک آتشکدہ تھا، جو ان کے بزرگ ترین

(۴۲)

خراسان کا رُبع بلخ اور نَوبہار - علاقۂ جوزجان - طالقان اور جُرزوان - میمَنہ یا یَہُودیَہ - فاریاب - شَبُرقان، اَنبار اور اَندَخُود - علاقۂ طخارستان، خُلم، سِمنجان اور اَندرابہ - وَروالِیز اور طایقان خراسان کی پیداوار - خراسان اور قُوہستان میں سے گزرنے والی بڑی سڑکیں۔

خُراسان کے چوتھے ربع کا نام "اُمّ البلاد" بلخ کے نام پر رُبع بلخ تھا۔ اور دار الحکومت بلخ کے ضلع کو چھوڑ کر یہ ربع مغرب میں جُوزجان اور مشرق میں طُخارستان کے دو بڑے علاقوں میں منقسم تھا۔

تیسری (نویں) صدی میں یعقوبی نے لکھا ہے کہ بلخ تمام صوبۂ خُراسان کا سب سے بڑا شہر تھا۔ پرانے زمانہ سے اس کی تین فصیلیں چلی آتی تھیں، ایک کے اندر ایک واقع ہوئی تھیں، اور ان میں تیرہ دروازے تھے۔ مقدسی لکھتا ہے کہ قدیم زمانہ میں اس شہر کو جس نام سے پکارتے تھے وہ فارسی کا ایک جملہ تھا، جو بلخ البَہِیَّہ کا مترادف تھا۔ شہر کے باہر نوبہار کی مشہور و معروف آبادی تھی، اور مکانات تین مربع میل رقبہ میں پھیلے ہوئے تھے۔ یعقوبی لکھتا ہے کہ شہر میں چالیس جامع مسجدیں تھیں۔ اصطخری کا بیان ہے کہ شہر ایک ہموار زمین پر واقع تھا، اس کا فاصلہ قریب سے قریب کے پہاڑوں سے جو جَبَل کو کہلاتے تھے اچار فرسخ تھا۔ شہر کے مکانات کچی اینٹوں کے

کو دائرے اسلام میں شامل کر رہے تھے [1]

مغلوں نے ۶۱۷ھ (۱۲۲۰ء) میں بلخ لوٹا اور غارت کیا۔ ابن بطوطہ کی تحریر کے مطابق چنگیز خاں نے پوشیدہ خزانہ کی تلاش میں یہاں کی بڑی جامع مسجد کا ایک تہائی حصہ کھدوا ڈالا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے اوائل میں ابن بطوطہ اس علاقہ میں پہنچا ہے تو اُس وقت بلخ بالکل ویران اور غیر آباد پڑا تھا، لیکن شہر پناہ سے باہر بہت سے مقبرے اور مزار تھے، جہاں عقیدت مند لوگ زیارت کے لئے اب تک حاضر ہوا کرتے تھے۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے اواخر میں تیمور کی فوجی مہموں کے حالات میں بلخ کا ذکر اکثر آتا ہے، اور اس زمانہ میں اس شہر نے اپنی پرانی شان کسی قدر پھر ضرور حاصل کر لی ہوگی۔ تیمور نے شہر کے باہر والے قلعہ کی جو قلعہ ہندوان کہلاتا تھا، مرمت کرائی اور پھر یہ تیمور کے مقرر کردہ حاکم کا قیام گاہ ہوگیا۔ اس کے بعد تیمور نے پرانے شہر کے ایک بڑے حصہ کو بھی از سر نو تعمیر کرایا۔

آج کل بلخ موجودہ افغانستان کا ایک بڑا شہر ہے، اور خصوصاً اُس کی

---

[1] یعقوبی ص ۲۸۷، ۲۸۸ ۔ اصطخری ص ۲۷۵، ۲۷۸، ۲۸۰ ۔ ابن حوقل ص ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۹ ۔ مقدسی ص ۳۰۱، ۳۰۲ ۔ مسعودی (مروج) ج ۴ ۔ ص ۴۸ ۔ یاقوت ج ۱۔ ص ۷۱۳ ۔ ج ۴ ۔ ص ۸۱۷، ۸۱۸ ۔ قزوینی ج ۲ ۔ ص ۲۲۱ ۔ نوبہار کے متعلق جو عجیب و غریب عبارت آئی ہے اُس کل کا ترجمہ باربیر ڈی مینارڈ (Meynard) کی کتاب Dictiounaire Geographique de la perse میں صفحہ ۵۶۹ پر پر ملے گا۔ سر ہنری رالنسن (Rawlinson) نے یہاں کے بتوں کو، جن میں چھوٹے بڑے ہر قسم کے تھے، اور یہاں کے جھنڈوں اور پھریروں کو دیکھ کر، جو چڑھائے جاتے تھے، یہ خیال کیا تھا کہ نوبہار در اصل بودھ مت والوں کا زیارت گاہ تھا۔ چنانچہ نوبہار کے نام کی اصلیت اس نے نو وہارہ لکھی ہے۔ وِہارہ بودھ مت والوں کی خانقاہ کو کہتے ہیں۔ دیکھو جے، آر، اے، ایس ۱۸۷۲ء ص ۵۱۰ ۔

آتشکدوں میں شمار ہوتا تھا۔ یاقوت نے اس سرایض نوبہار کے حالات عمر بن الازرق کرمانی کی کتاب سے بہ تفصیل نقل کئے ہیں، اور ایسا ہی تذکرہ اس آبادی کا قزوینی کی کتاب میں بھی ملتا ہے۔ بلخ کے اس آتشکدہ کا موبدِ موبدان برمک تھا، یہی برمک مورث اعلیٰ برامکہ کا تھا، اور اسی کے خاندان کے لوگ ساسانیوں کے عہد میں بلخ میں نسلاً بعد نسل اس آتشکدہ کے موبدِ موبدان ہوتے رہے۔ نوبہار کے جو حالات مصنفوں نے بیان کئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ اس آتشکدہ کی تعمیر میں مکۂ معظمہ کے بیت الحرام کی نقل اُتاری گئی تھی، اور اس کو بیت الحرام کا ہم سر بنانا چاہا تھا۔ اُس کی دیواریں قیمتی جواہرات سے مرصع تھیں، ہر جگہ دیبا اور کمخواب کے پردے پڑے رہتے تھے۔ دیواروں پر مقررہ زمانہ میں عطریات ملے جاتے تھے، خصوصاً موسم بہار میں، کیونکہ نو بہار کے معنی ہی "نئی بہار" یا "آغاز بہار" کے ہیں اور یہی موسم تھا جب کہ دور دور کے لوگ یہاں زیارت کو آتے تھے۔ آتشکدہ کی خاص عمارت پر ایک بہت بڑا اور بلند قبہ یا گنبد تھا جسے الاُستُن کہتے تھے، اور جو سو ذرع سے بھی زیادہ بلند تھا۔ یہ عمارات بیچ میں تھی اور اس کے گرد تین سو ساٹھ حجرے تھے، جن میں وہ خدام اور موبد جو وہاں خدمتگذار تھے، سکونت رکھتے تھے۔ ہر سن کے ہر دن کے لئے ایک موبد خدمت پر حاضر رہتا تھا۔ قبہ کی چوٹی پر ایک علم تھا، جس میں حریر کا ایک پھریرا لگا تھا۔ بعض وقت اس پھریرا کا ہوا کے زور سے اُڑ کر اتنی دور گرنا بیان ہوا ہے کہ جس کا تعین کرنا مشکل ہے۔ یہ بڑی عمارت مورتوں اور بتوں سے بھری ہوئی تھی۔ ان میں (۲۲۲) ایک بڑا بت وہ تھا، جس کے سامنے کابل، ہندوستان اور چین کے زائرین خاص کر سجدہ کرتے تھے، اور پھر برمک کے ہاتھ کا بوسہ دیتے تھے جو یہاں کا موبدِ موبدان تھا۔ آتشکدہ نوبہار کے گرد کی زمین جن کا رقبہ سات فرسخ مربع تھا، اس زیارت گاہ کی ملک تھیں، اور اُن سے آمدنی کثیر ہوتی تھی۔ اس عظیم الشان پرستش گاہ یعنی نوبہار کی عمارت کو قیس بن احنف نے منہدم کرادیا یہ زمانہ وہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں قیس خراسان کو فتح کر کے اہل خراسان کو

کے لئے بھیجا جاتا تھا۔[1]

مروالروذ سے تین منزل کے فاصلے پر بلخ کی طرف، طالقان کا شہر تھا، جس کا نام اب نقشے پر نہیں ملتا۔ لیکن چاچکتو کے قریب کے کھنڈر اور اینٹوں کے انبار غالباً اس کے موقع کا نشان بتاتے ہیں۔ تیسری (نویں) ہی صدی میں طالقان کا شہر بڑی اہمیت حاصل کر چکا تھا۔ یعقوبی لکھتا ہے کہ طالقان کے نمدے، جو یہاں تیار ہوتے تھے، مشہور تھے۔ شہر پہاڑوں میں واقع تھا، اور اُس میں ایک عالی شان جامع مسجد تھی۔ چوتھی (دسویں) صدی میں اصطخری نے لکھا ہے، الطالقان وسعت کے اعتبار سے مروالروذ کے برابر تھا، اور اُس کی آب و ہوا بہ نسبت مروالروذ کے زیادہ صحت بخش تھی۔ مکانات کچی اینٹوں کے تھے، اور قریب ہی جُنبذ وَیلہ کا گاؤں تھا، جہاں یاقوت کی تحریر کے مطابق دوسری (آٹھویں) صدی میں ابومسلم خراسانی ہواخواہان عباسیہ کا سردار بن کر بنی امیہ کی فوجوں سے ایک سخت جنگ لڑا تھا اور ان پر فتح حاصل کی تھی۔ یاقوت کے زمانہ سے کسی قدر بعد ۶۱۷ھ (۱۲۲۰ء) میں چنگیز خاں نے سات مہینہ کے محاصرہ کے بعد طالقان کو ہلہ کر کے فتح کیا، اور وہاں کے باشندوں کو قتل، اور طالقان کے قلعہ کو ڈھا کر زمین کے برابر کر دیا۔

پہاڑوں میں جُرزوان کا شہر تھا۔ اس کے موقع کی نسبت بیان ہوا ہے کہ مکۂ معظمہ کی مثل یہ بھی پہاڑیوں کے نیچے گھاٹیوں میں آباد تھا۔ اور یہاں علاقہ جوزجان کا حاکم گرمی کے موسم میں رہا کرتا تھا۔ عرب اس شہر کا نام الجُرزُوان لیتے تھے، مگر اہل ایران اسے کُرزُوان یا گُرزَوان کہتے تھے، اور کبھی کبھی یہ نام جُرزبان یا گرزبان بھی لکھا جاتا تھا۔ یہ شہر طالقان اور مَروالروذ کے درمیان اُس علاقہ میں واقع تھا جو غُورا کی سرحد کی طرف تھا، اور یاقوت نے لکھا ہے کہ وہ خوب

[1] اصطخری ص ۲۷۰۔ ابن حوقل ص ۳۲۲۔ مقدسی ص ۲۹۸۔ یاقوت ج ۲۔ ص ۱۴۹۔

بڑی تجارت گاہ، یعنی مزار شریف بہت مشہور رہے۔ عام روایت یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، جو شاہ مرداں کہلاتے ہیں، یہاں دفن ہیں۔ خواند میر کی تحریر کے مطابق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی یہ فرضی قبر ۸۸۵ھ (۱۴۸۱ء) میں اس وقت دریافت ہوئی جب تیمور کی اولاد میں سے ایک شخص مرزا بیقرا بلخ کا حاکم تھا۔ اس سال سلطان سنجر سلجوقی کے عہد کی لکھی ہوئی تاریخ کی ایک کتاب مرزا بیقرا کو دکھائی گئی۔ جس میں مذکور تھا کہ حضرت (۴۲۳) علی کرم اللہ وجہہ بلخ سے تین فرسخ کے فاصلہ پر خواجہ خیران کے گاؤں میں مدفون ہیں۔ یہ دیکھ حاکم صوبہ فوراً وہاں گیا، اور تلاش کے بعد قبر کا ایک تعویذ ملا، جس پر عربی میں لکھا تھا کہ، "یہ اسد اللہ، ولی اللہ، اخو رسول اللہ کی قبر ہے"۔ چنانچہ اس قبر پر ایک بڑی عمارت بنادی گئی، اور اس وقت سے یہ مقام وسط ایشیا کے لوگوں میں خاص طور پر مقدس سمجھا جاتا ہے، اور آج کل بھی ایک مشہور زیارت گاہ ہے[1]۔

جوزجان (یا الجوزجان یا جوزجانان) ربع بلخ کا مغربی علاقہ تھا، جس میں سے مرو الرود سے بلخ جانے والی سڑک گذرتی تھی۔ زمانہ وسطیٰ میں یہ نہایت ہی معمور علاقہ تھا جس میں بہت سے شہر تھے۔ ان میں سے اب صرف تین شہر ایسے رہ گئے ہیں جو اپنے پرانے زمانہ کے ناموں سے مشہور ہیں۔ لیکن باقی ماندہ شہروں میں بھی، جن کا ذکر عرب جغرافیہ نویسوں نے کیا ہے، اکثر ایسے ہیں جن کا موقع سیاحت ناموں کی مدد سے معین کیا جا سکتا ہے۔ گو شہروں کے نام بدل گئے ہیں، لیکن ان کے کھنڈر اب تک ان کے موقعوں کا نشان بتاتے ہیں۔ جوزجان کا تمام علاقہ نہایت زرخیز تھا۔ یہاں سے تجارت کا مال بافراط باہر بھیجا جاتا تھا۔ خصوصاً کھالیں، جن کو صاف کرکے چمڑا تیار کرتے تھے۔ پھر یہ چمڑا خراسان کے تمام علاقوں میں بکتا

[1] ابن بطوطہ ج ۳۔ ص ۵۹، ۶۰ ۔ علی یزدی۔ ص ۱۷۶ ۔ خواند میر ج ۳۔ حصہ ۳۔ ص ۲۴۴ سی، ای، یٹ Afghanistan ص ۲۵۷، ۲۸۰۔

چنانچہ اس وقت بھی یہ شہر مَیْمَنَہ کے نام سے موجود ہے۔ مَیْمَنَہ کا ذکر معلوم ہوتا ہے کہ مستوفی نے بھی کیا ہے، اور لکھا ہے کہ آٹھویں (چودھویں) صدی میں گرم علاقہ کا یہ ایک شہر اوسط درجے کا تھا۔ غلہ، پھل اور کھجوریں یہاں پیدا ہوتی تھیں، اور پانی ایک قریب کے دریا سے بہم ہوتا تھا۔ بہرکیف جُوزجان کے شہر مَیْمَنَہ اور نیز اِفْغَانِسْتَان کے شہر مَیْمَنَد یا مَیْوَنْد میں جو گرِشک اور قَنْدَھار کے وسط میں نصف راہ پر واقع تھا، کچھ خلط ملط واقع ہوا ہے۔ یہی خلط ملط ایک مرتبہ پھر یاقوت کی کتاب میں نظر آتا ہے۔ یہ مصنف مَیْمَنَد یا مَیْمَنَد غَزْنَہ کے حال میں لکھتا ہے کہ "وہ بامِیان اور غُور کے بیچ میں واقع ہے"۔ اس بیان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی مراد مَیْمَنَہ یا یَهُودِیَہ سے ہے۔ یَهُودِیَہ یا مَیْمَنَہ سے ایک منزل پر کَنْدَرَم کا شہر تھا۔ جسے کَنْدَرَم بھی لکھا جاتا ہے۔ یعقوبی لکھتا ہے کہ یہاں جُوزجان کا حاکم رہتا تھا۔ اصطخری کا بیان ہے کہ یہ پہاڑوں کا شہر تھا، تاکستان اور اخروٹ کے درخت اس میں بہت تھے، اور جاری چشمے اس کی زمین کو خوب سیراب کرتے رہتے تھے[1]۔

علاقۂ جُوزجان کے بڑے شہروں میں شہر فاریاب زمانۂ وسطیٰ میں بہت بڑے درجے کا شہر تھا۔ مگر اب اس کا نام نقشوں سے بالکل محو ہوچکا ہے۔ البتہ سیاحت ناموں میں جو موقع بیان ہوا ہے اس کے مطابق فاریاب کے کھنڈروں کو اس مقام سے مطابق سمجھا جاسکتا ہے جسے آج کل خیرآباد کہتے ہیں، جہاں ایک پرانا قلعہ ہے اور اس کے گرد اینٹوں کے ٹیلے ہیں۔ ابن حوقل نے اس کا نام الفاریاب لکھا ہے، اور بیان کیا ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی میں یہ طالقان سے

---

[1] یعقوبی ص ۲۸۷۔ اصطخری ص ۲۷۰، ۲۷۱۔ ابن حوقل ص ۳۲۱، ۳۲۲۔ یاقوت ج ۲ ص ۱۱۸۔ ج ۴ ص ۷۱۹، ۱۰۲۵۔ مستوفی ص ۱۸۵۔ سی ای ییٹ (Yate) Afghanistan ص ۳۳۹۔

معمور و آباد شہر تھا، اور اُس میں دولتمند بہت رہتے تھے۔ اب اس نام کا کوئی شہر نقشے پر موجود نہیں ہے۔ لیکن قلعۂ والی کے مقام پر جو کھنڈر ہیں وہ غالباً اسی شہر کا نشان بتاتے ہیں[1]۔

شہر مَیْمَنَہ، جو طالِقان سے دو منزل آگے بلخ جانے والی سڑک پر تھا، اب بھی ایک بارونق شہر ہے۔ زمانہ وسطےٰ کی ابتداء میں یہ شہر اَلیَہُودان یا اَلیَہُوْدِیَہ کہلاتا تھا، اور اکثر علاقۂ جوزجان کا صدر مقام سمجھا جاتا تھا۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ اس کی جامع مسجد میں دو مینار تھے، یاقوت نے اس کا نام جَہُوْدانِ الکُبرےٰ بھی لکھا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اس میں پہلے یہودی آباد کئے گئے تھے جنھیں نبوکدنذر نے بیت المقدس سے یہاں منتقل کیا تھا۔ بعد کو شہر کا یہ نام تبدیل کر کے مَیْمَنَہ (یعنی مُبارک شہر) کر دیا گیا۔ کیونکہ مسلمانوں کے نزدیک یہودیہ کا نام ایک ملامت کا جملہ تھا،

---

[1] یعقوبی ص ۲۸۷ + اصطخری ص ۲۷۰ + ابن حوقل ص ۳۲۱، ۳۲۲ + یاقوت ج ۲ - ص ۵۹، ۱۲۹ - ج ۳ - ص ۴۹۱ - ج ۴ - ص ۸۵۰ + ابو الفاری ص ۱۱۴ - سی ای ییٹ Afgha istan ص ۱۵۷، ۱۹۴، ۱۹۵، ۲۱۱ -

چَاچَکتُو (طالِقان)، کے کھنڈر بالا مرغاب (مَرْوالرُّود) بخط مستقیم پنتالیس میل ہیں یا یوں سمجھنا چاہئے کہ بالا مرغاب سے طالقان کے پہاڑی ملک میں تین دن کا سفر تھا چَاچَکتُو کا نام (جسے چِیچَکتُو بھی لکھا جاتا ہے) علی یزدی نے اپنی کتاب میں (ج ۱ - ص ۸۰۶ - ج ۲ ص ۵۹۳) تیمور کی فوجی مہموں کے حالات میں لکھا ہے۔ لیکن طالِقان کا ذکر نہیں کیا قلعۂ والی کے کھنڈر، (جو غالباً جُرزُوان کے کھنڈر ہیں) بالا مرغاب سے ستائیس میل پر واقع ہیں جرزوان کے کھنڈروں کا ایک دوسرا موقع وہ بڑے کھنڈر بھی ہو سکتے ہیں جو تخت خاتون کے قریب نظر آتے ہیں۔ ان دونوں میں سے کوئی مقام پرانا جُرزُوان کا شہر ہو سکتا ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ خوارزم شاہیوں کے زمانہ میں جُرزُوان دار الضرب تھا۔

یہ شہر علاقۂ جوزجان کا حاکم نشین شہر رہا تھا، اس کے بعد یہودیہ یا میمنہ، دارالحکومت ہوگیا، جو اس وقت وسعت میں شبرقان کے برابر تھا۔ اس کے باغ اور کھیت غیر معمولی طور پر زرخیز تھے، اور یہاں سے میوہ بکثرت باہر بھیجا جاتا تھا۔ یاقوت نے اس کا نام شُبُرقان، یا شُفرقان لکھا ہے اور بیان کیا ہے ۶۱۷ھ (۱۲۲۰ء) میں مغلوں کی یورش کے وقت یہ ایک بڑا معمور شہر تھا، اور اس کے بازاروں میں مال تجارت بہت تھا۔ اس کے ایک صدی بعد یعنی آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے بھی اس کا ذکر ایسے ہی الفاظ میں کیا ہے، اور شبورقان اور فاریاب دونوں کا حال ملا کر لکھا ہے، اور بیان کیا ہے کہ یہاں غلہ بکثرت ہوتا تھا اور ارزاں ملتا تھا۔

شُبُورقان کے جنوب میں ایک دن کی راہ پر، اور اتنے ہی فاصلہ پر یہودیہ سے مشرق میں اَنبار کا شہر تھا، جس کا املا اَنبیر بھی کیا جاتا تھا۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ یہ مَرُوالرُّود سے بڑا تھا یہاں علاقہ کا حاکم سردی کا موسم بسر کیا کرتا تھا۔ اب کوئی شہر اس نام کا موجود نہیں ہے، لیکن موقع کے اعتبار سے انبار غالباً اسی مقام پر تھا جہاں اب سرپل ہے۔ سرپل دریائے شبورقان کے بالائی حصے کے کنارے واقع ہے، اور اب بھی وہ ایک بڑا مقام ہے۔ انبار کے گرد تاکستان تھے، اور شہر کے مکانات کچے تھے۔ یہ اکثر علاقہ جوزجان کا بڑا شہر سمجھا جاتا تھا، اور غالباً یہی وہ مقام ہے جہاں شبرغان جاتے ہوئے ناصرخسرو آیا تھا، اور جسے اس نے جوزجان کا شہر (یا دارالحکومت) بیان کیا ہے۔ اس نے یہاں کی عالی شان جامع مسجد کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ یہاں کے باشندے شراب خواری کی عادت رکھتے تھے۔ شُبُورقان کے شمال مغرب میں ہموار زمین پر آندخُوئی کا شہر ہے، جس کا نام شروع زمانہ کے جغرافیہ نویسوں نے مختلف طور پر اَندخُد، اَدخُود اور اَلخُد لکھا ہے۔ ابن حوقل

چھوٹا شہر تھا، لیکن اُس کی زمین زیادہ زرخیز اور اُس کے باغ زیادہ اچھے تھے۔ یہ ایک صحت بخش مقام تھا، اور یہاں مال تجارت کا ذخیرہ اچھا تھا۔ اس میں ایک جامع مسجد تھی، مگر اس میں مینار نہ تھے۔ یاقوت نے اس کا نام فیریاب لکھا ہے، اور طالِقان اور شَبُرقان کی نسبت سے اُس کی جائے وقوع بیان کی ہے۔ لیکن اور کچھ تفصیل نہیں کی۔ یاقوت کے زمانہ کے تھوڑے عرصہ بعد یعنی ۶۱۷ھ (۱۲۲۰ء) میں فاریاب کو مغلوں نے بالکل تباہ کر دیا۔ مستوفی نے فاریاب کا ذکر محض ضمناً کیا ہے۔[1]

ابن حوقل کی تحریر کے مطابق الیہودیہ اور فاریاب کے درمیان مَرُسان کا شہر واقع تھا، جو وسعت کے لحاظ سے چوتھی (دسویں) صدی میں تقریباً الیہودیہ کے برابر تھا۔ مرسان اور نریان کا گاؤں غالباً ایک ہی مقام ہیں، کیونکہ یاقوت نے نَریان کا موقع وہی بیان کیا ہے جو مَرسان کا ہے۔ اسی پہاڑی علاقہ میں سَان کا چھوٹا سا شہر بھی تھا۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ اس شہر میں میووں کے باغ بہت تھے، ان میں انگور اور اخروٹ بافراط ہوتے تھے، کیونکہ یہاں کے چشمے اپنا پانی جاری رکھنے میں کبھی رخصت نہ کرتے تھے۔

(۴۲۶) شَبُرقان، جسے اَشبُورقان یا اُشبُرقان یا شُبُورقان یا سَبُوغان بھی لکھا جاتا ہے، اب تک موجود ہے۔ تیسری (نویں) صدی میں

[1] اصطخری ص ۲۷۰ + ابن حوقل ص ۳۲۱، ۳۲۲ + ناصر خسرو ص ۳ + یاقوت ج ۳ ص ۴۳۰، ۸۸۸ - ج ۴ ص ۵۷۷ + مستوفی ۱۸۵ + سی۔ ای، ییٹ (Yate) کی کتاب Afghanistan ص ۲۳۳ + ناصر خسرو نے جُوزجان کے فاریاب کا نام وہاں لکھا ہے، وہ شَبُرقان سے طالقان جاتے ہوئے اس شہر سے گزرا تھا۔ مصنف جہاں نما (ص ۳۲۴) نے اسے بارآب بھی لکھا ہے، لیکن اسے فاراب سے مخلوط نہ کرنا چاہئے۔ اس فاراب کو بھی بارآب کہتے ہیں، اور یہ جیسا کہ چوبیسویں باب میں بیان ہوگا دریائے سیحون کا شہر اُترار ہے۔

واقع تھے ۔ آج کل ان دونوں شہروں کی جگہ غالباً ھَیبَک کا شہر ہے، جو خُلم کے جنوب میں دریائے خُلم کے بالائی رہگزر پر واقع ہے۔ مقدسی نے سِمِنجان کو خُلم سے بڑا شہر لکھا ہے ۔ اس میں ایک جامع مسجد تھی اور میوے یہاں بہت پیدا ہوتے تھے ۔ یاقوت لکھتا ہے کہ سِمِنجان وادیوں کی ایک بھول بھلیاں میں واقع تھا ، جہاں اس وقت یا کبھی پہلے قبیلۂ تمیم کے عرب آباد تھے ۔ مستوفی نے سِمِنجان کو ایک بڑا شہر بتایا ہے ، جو آٹھویں (چودھویں) صدی میں برباد ہو چکا تھا، لیکن یہاں اب بھی غلے روئی اور انگور کی کاشت بہت ہوتی تھی ۔ علی یزدی نے جہاں خُلم سے ہندوستان کی سرحد کی طرف تیمور کے کوچ کرنے کا حال لکھا ہے وہاں سِمِنجان کا ذکر سِمِنگان کے نام سے کیا ہے ۔ سِمِنجان سے آگے جنوب مشرق کی سمت میں بَغلان کے دو علاقے تھے ، یعنی بَغلان بالا اور بَغلان زیرین ۔ بَغلان زیرین میں مقدسی کی تحریر کے مطابق چوتھی (دسویں) صدی میں پورے علاقہ بَغلان کا دارالحکومت واقع تھا ، اس میں ایک جامع مسجد تھی ۔ معلوم ہوتا ہے کہ بَغلان جس کا نام علاقہ کی حیثیت سے علی یزدی نے بَقلان لکھا ہے ، اَندَرابہ یا اَندَراب جانے والی سڑک کے متوازی واقع تھا ۔ اَندَراب کے متعلق ابن حوقل نے لکھا ہے کہ اس میں عمدہ بازار تھے اور شہر گھاٹیوں میں واقع تھا ، جو سرسبز جنگلوں سے ڈھکی ہوئی تھیں ۔ یہ گھاٹیاں ، جو کوہی سلسلہ پنج ھیر کے شمالی رویہ ڈھالوں پر واقع تھیں ، ان کے گوشوں اور شگافوں میں چاندی کی کانیں تھیں ۔ یہ ابن حوقل کا بیان ہے ۔ اسی مصنف نے دو دریاؤں کا ذکر کیا ہے ، یعنی نہر اندراب اور نہر کاسان ، جو اس علاقہ میں بہتے تھے ۔ یاقوت نے اس شہر کا نام اَندَرابہ یا اَندَراب لکھا ہے ۔ لیکن حالات بیان نہیں کئے [1]

[1] اصطخری ص ۲۷۹ ۔ ابن حوقل ص ۳۲۴ ۔ مقدسی ص ۲۹۶ ۔ یاقوت ج ۱ ۔

کا بیان ہے کہ یہ ایک چھوٹا سا شہر بادیہ میں واقع تھا، اور سات قریئے اس کے گرد تھے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں یہاں زیادہ تر کُرد آباد تھے جن کے پاس بھیڑیں اور اونٹ بہت تھے۔ یاقوت نے اس شہر کا نام لکھا ہے لیکن حالات نہیں لکھے۔ اَنْدخُوی کا نام تیمور کی فوجی مہموں کے بیان میں بھی آیا ہے[1]۔

طُخارِستان کا بڑا علاقہ بلخ کے مغرب میں دریائے جیحون کے جنوبی کنارے سے ملا ہوا بَدَخشان کی سرحد تک چلا گیا تھا۔ جنوب میں اس علاقہ کی سرحد اُن پہاڑی سلسلوں سے قائم ہوتی تھی جو بامیان (۴۲۷) اور پنج ھیر کے شمال میں تھے۔ طُخارِستان کا علاقہ دو حصوں میں منقسم تھا۔ ایک حصہ طُخارِستان بالا کا تھا جو بلخ کے مشرق میں دریائے جیحون کے کنارے کنارے چلا گیا تھا، دوسرا حصہ طُخارِستان زیریں تھا جو طُخارِستان بالا سے آگے جنوب مشرق میں بَدَخشان کی سرحد تک چلا گیا تھا۔ زمانۂ وسطیٰ کے جغرافیہ نویسوں نے طُخارِستان کے بہت سے شہروں کا ذکر کیا ہے، لیکن اُس کے حالات بہت کم لکھے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بجز ایسے شہروں کے جن کا ذکر سیاحت ناموں میں ہوا ہے، یا جو اب تک موجود ہیں، باقی جس قدر رہیں ان میں اکثر ایسے ہیں جن کو شناخت کرنا اب غیر ممکن ہے۔

بلخ سے مشرق میں دو دن کی مسافت پر خُلم شہر ہے۔ مقدسی لکھتا ہے کہ یہ ایک چھوٹا سا شہر تھا، جس کے گرد بہت سے قریئے اور علاقے تھے۔ آب و ہوا اس کی اچھی تھی۔ خُلم سے دو دن کی راہ پر سِمِنجان اور رُوب کے دو شہر ایک دوسرے کے قریب

[1] یعقوبی ص ۲۸۷ + اصطخری ص ۲۷۰، ۲۷۱ - ابن حوقل ص ۳۲۱، ۳۲۲ - ناصر خسرو ص ۱۰ - یاقوت ج ۱ ص ۳۶۷، ۳۷۲ - ج ۳ ص ۵۱۴، ۲۵۶، ۵۰۳، ۸۴۸ - مستوفی ص ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰ + علی یزدی ج ۱ ص ۸۰۰ - ج ۲ ص ۵۹۳ - سی ای ییٹ کی کتاب Afghanistan ص ۳۴۷ -

خلط ملط نہ کرنا چاہئے (چوتھی (دسویں) صدی میں یہ علاقہ طخارستان کے نہایت معمور شہروں میں تھا۔ مقدسی نے اس کا نام) الطالقان لکھا ہے، گو الطائقان زیادہ صحیح ہے۔ وہ لکھتا ہے اس میں ایک بڑا بازار تھا، شہر پہاڑیوں سے ایک تیر کے پلّے سے ہموار زمین پر واقع تھا، اور چوتھی (دسویں) صدی میں بلخ سے باعتبار وسعت ایک ثلث تھا۔ اس کی زمینیں جیغون کے معاون دریا ختل آب سے (جسے بعض اوقات خیلاب بھی لکھا جاتا ہے) سیراب ہوتی تھیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ دریائے ترآب (یا تراب، کیونکہ ان دونوں ناموں کا املا مشکوک ہے) ختل آب کی ایک شاخ تھا، اور قندز کے شمال میں ختل آب سے جا ملتا تھا۔ قرب وجوار کی اراضی بہت زرخیز تھیں اور یہ ایک خوشگوار ملک تھا۔ مستوفی لکھتا ہے کہ غلہ اور بکثرت میوہ یہاں کاشت کیا جاتا تھا، اور آٹھویں (چودھویں) صدی میں یہاں کی آبادی زیادہ تر پارچہ بافوں کی تھی۔ اس زمانہ میں یہاں ایک مستحکم قلعہ تھا، اور شہر کے گرد عمدہ مزروعہ علاقے تھے جن میں انگور، انجیر، شفتالو، اور پستہ بافراط پیدا ہوتے تھے۔ علی یزدی نے جہاں تیمور کی فوجی مہموں کے حال لکھا ہے وہاں طائقان کا ذکر بارہا کیا ہے پرانے زمانہ کے جغرافیہ نویسوں کی تحریر کے مطابق طالقان سے سات دن کی راہ پر مشرق کی طرف بدخشان واقع تھا، جس کا ذکر آئندہ باب میں کیا جائیگا[1]۔

[1] ابن رستہ ص ۹۳ + اصطخری ص ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۸، ۲۷۹ + ابن حوقل ص ۳۲۶ + مقدسی ص ۲۹۶، ۳۰۳ + ابوالفداء ص ۴۷۲ + یاقوت ج ۳۔ ص ۵۰۱ + ج ۵۔ ص ۴۲ + مستوفی ص ۱۸۸، ۱۸۹ + علی یزدی ج ۱۔ ص ۱۸۲، ۱۷۹ + طائقان کا املا (ال کے ساتھ یا اس کے بغیر) طایقان یا طایکان اور علاقۂ جوزجان کے شہر کے نام کی طرح طالقان کیا جاتا ہے +

(۴۲۸) دریائے خُلم دریائے جیحون میں نہیں گرتا بلکہ پانی اور دلدل کی زمین میں غائب ہو جاتا ہے جو پرانے شہر خُلم کے کھنڈروں سے چند میل شمال میں واقع ہے۔ خُلم سے دریائے جیحون کے قریب ترین ختم پر چوتھی (دسویں) صدی میں ایک نہایت مستحکم و محصن رُباط تھا، جسے رُباط مِیلہ کہتے تھے۔ یہاں بلخ سے آنے والی سڑک تین مراحل میں پہنچتی تھی، اور یہیں سے دریائے جیحون کو عبور کر کے ماوراء النہر اور خُتّل کے ملکوں میں داخل ہوتی تھی۔ خُلم سے دو دن کی راہ پر مشرق میں وَرْوَالِیز یا وَرْوَالیج کا شہر تھا۔ ابن حوقل اور دیگر مصنفوں نے لکھا ہے کہ وَرْوَالِیز چوتھی (دسویں) صدی میں ایک بڑا شہر تھا۔ اس نام کا اب کوئی شہر موجود نہیں۔ لیکن سیاحت ناموں میں اس کا جو موقع بیان ہوا ہے اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ضرور قُندُز کے موقع سے بہت قریب واقع ہوگا۔ یاقوت جس نے کتابت کی غلطی سے یہ نام وَرْوَالِین لکھ دیا ہے، شہر کے حالات کی تفصیل نہیں کرتا۔ یاقوت یا شروع زمانہ کے کسی جغرافیہ نویس نے قُندُز کا نام نہیں لیا۔ یہ نام بلاشبہ کُهَندِز کی مخفف شکل ہے، جو فارسی میں ایک عام لفظ قلعہ کے لئے تھا۔ اور غالباً اسی بنا پر اُس کا اطلاق شہر وَرْوَالِیز کے پُرانے قلعہ پر ہوتا تھا[۱]۔

وَرْوَالِیز سے دو دن کی مسافت پر علاقۂ طُخارستان کا شہر طَائِقان یا طالِقانِ طُخارستان آباد تھا، جو اب تک موجود ہے۔ واسے علاقۂ جُوزجان کے شہر طالقان سے جس کا ذکر صفحہ حاشیہ ۴۴۳ پر ہوا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۵۹) ، ص ۲۷۳ + ج ۲ - ص ۲۷۸ + ج ۳ - ص ۲۴ ، ۸۱۵ + مستوفی ۱۸۸ + علی یزدی ج ۲ - ص ۱۹ + سی ، ای ، ییٹ (Yate) Afghanistan ص ۳۱۷ + ان تمام مقامات کے موقعوں کے لئے دیکھو نقشہ ۱ صفحہ حاشیہ ۱ +

[۱] اصطخری ص ۲۷۶ + ابن حوقل ص ۳۲۶، ۳۴۲ + مقدسی ص ۲۹۶ + یاقوت ج ۲ میں ص ۹۱۸ + ج ۴ - ص ۹۲۶ +

نہایت عمدہ پٹیاں اور عبائیں یہاں تیار ہوتی تھیں ھرات میں ہر قسم کا دیباج اور زربفت بُنا جاتا تھا، اور کشمش اور پستے کے مربے اور مختلف قسم کے شربت تیار ہوتے تھے۔ فولاد بھی ھرات میں بڑی عمدگی سے تیار کیا جاتا تھا۔ غرج الشار کے پہاڑی مُلک سے نمدے، قالین، گدے اور چار جامے آتے تھے۔ یہاں سونا بھی نکلتا تھا، اور گھوڑے اور خچر بڑی تعداد میں دساور کئے جاتے تھے۔

مَرْو ہر قسم کی ریشمی پارچہ بافی کے لئے بڑا مقام تھا۔ یہاں سے ریشم اور سوت کا ملواں اور خالص سوتی کپڑا جس سے نقاب، اور ہر قسم کے کپڑے بنائے جاتے تھے، تیار ہوتا تھا۔ اس شہر کے گرد و نواح میں تلوں کا تیل نکالا جاتا تھا۔ اور خوشبودار جڑی بوٹیاں اور ترنجبین پیدا ہوتا تھا۔ مَرْو میں پیتل کے برتن بنتے تھے، اور یہاں کے نان پز طرح طرح کے نان تیار کرتے تھے۔ بلخ کے قرب و جوار میں تل، چاول، بادام، اخروٹ اور کشمش پیدا ہوتی تھی۔ اس شہر کے صابون بنانے والے مشہور تھے۔ یہاں مٹھائی بنانے والے انگور اور انجیر سے طرح طرح کے شیریں قوام تیار کرتے تھے، جن کو شہد کہا جاتا تھا۔ تخم انار کے مغز کا رب یا مربہ جسے لب الرمان لکھا ہے، خوب بناتے تھے یہاں سے شربت اور گھی بافراط دساور ہوتا تھا، اور قریب ہی سیسہ، توتیا اور سنکھیا کی کانیں تھیں۔ بلخ کا لوبان، زرد چوبہ، تیل اور مربے مشہور تھے۔ یہاں سے کھالیں اور عبائیں بھی دساور کی جاتی تھیں، اور دریائے جیحون کے پار ترمذ کے شہر سے صابون اور ہینگ باہر بھیجی جاتی تھی۔ وردالیج سے بدخشان میں جو میوے آتے تھے، ان کی ایک بڑی فہرست مقدسی نے لکھی ہے، ان میوں میں اخروٹ بادام پستے اور بہی بیان ہوئی ہے چاول، تل، پنیر اور گھی کی تجارت بہت تھی۔ سینگ اور پوستین خصوصاً لومڑی کی پوستین کا بیوپار بہت تھا۔[1]

---

[1] اصطخری ص ۲۸۱ + ابن حوقل ص ۳۳۰ + مقدسی ص ۳۲۳ - ۳۲۶

ابن حوقل لکھتا ہے کہ سب سے زیادہ مشہور چیزیں جو
خراسان سے بغرض تجارت باہر بھی جاتی تھیں، نیشاپور اور مرو کے
ریشمی اور سوتی کپڑے تھے۔ یہاں بھیڑیں اور اونٹ دونوں
سستے داموں خریدے جا سکتے تھے۔ ترکی غلام اور خورد و نوش
کی تمام چیزیں بافراط دستیاب ہوتی تھیں۔ یہ مصنف لکھتا ہے کہ
غلاموں میں ایک لڑکے یا لڑکی قیمت پانچ پانچ ہزار دینار تک
پہنچتی تھی۔ مقدسی نے اس مضمون کو اور بھی تفصیل سے لکھا ہے۔
خراسان میں نیساپور صنعت و حرفت کا سب سے بڑا مرکز تھا قسم
قسم کے سفید کپڑے یہاں تیار ہوتے تھے عماموں کے لئے کپڑا،
کھڑائی، آڑی اور ترچھی بناوٹ کا بہت بنتا تھا۔ نقابیں استر کے
باریک سوتی اور کچی ریشم کے کپڑے، خالص ریشم، یا ریشم اور سوت
کے ملے ہوئے دیباج اور کمخواب سوتی پارچے، مختلف اقسام کے
بزکوھی کے اون کے بنے ہوئے کپڑے نیساپور کی مشہور چیزیں تھیں یہاں
جبّے، باریک تاگا، عتبی ارشیمی وصوب چھاؤں) بھی تیار ہوتی تھی
لوہے کے برتن گھڑے ہوئے، سوئیاں، اور چاقو بھی بنائے جاتے
تھے۔ نیساپور کے باغوں کے انگور، کشمش، ریوند چینی مشہور تھی،
اور علاقہ ریوند سے فیروساج نیسابوری (فیروزہ) بہت نکلتا تھا۔
یہ فیروزہ بہت مشہور تھا۔

نسا اور ابیورد بھی ریشم اور سوتی کپڑوں کی وجہ سے، جو
یہاں کی دیہات کی عورتیں بنتی تھیں مشہور تھے۔ یہاں لومڑی
کی پوستین سے لباس تیار کئے جاتے تھے۔ نسا میں شکاری
پرندوں میں خاص قسم کے شکرے ہوتے تھے۔ یہاں کی زمین
میں تل بھی بہت پیدا ہوتا تھا۔ طوس سے کھانا پکانے کی دیگیں
اور دیگچے، جو اس شہر کی مخصوص چیزیں تھیں، آتے تھے، اور
یہاں سے غلے اور خوراک کی چیزیں بافراط دساور کی جاتی تھیں۔

کو گیا تھا۔ مگر طرشیز کو جو سڑک نیسابور سے آتی تھی اس کا حال مقدسی اور ابن خردابہ دونوں نے لکھا ہے نیسابور سے جو سڑک شمال میں شہر نسا کو جاتی تھی اس پر جتنی سڑکیں تھیں ان کا ذکر مقدسی نے کیا ہے[1]

نیسابور سے ایک منزل آگے قصر الریح یا دِزباد (ہواحل) کے مقام سے خراسان کی سڑک دو شاخیں ہوجاتی تھیں۔ ایک داہنے ہاتھ والی شاخ تھی جو جنوب مشرق کی طرف ہرات کو چلی گئی تھی اس شاخ کا حال ہم آگے کے فقرے میں لکھینگے۔ دوسری شاخ قصر الریح سے بائیں ہاتھ کو شمال مشرق کی سمت میں مشہد اور طوس کو گئی تھی، اور طوس سے مازدران ہوتی ہوئی اس گھاٹی پر پہنچتی تھی جہاں سے دریائے تجند اترتے ہی سرخس کا شہر آجاتا تھا۔ سرخس سے یہ سڑک بادیہ ایران کو طے کرتی ہوئی مرو کلان میں آتی تھی۔ اور یہاں سے آگے پھر بادیہ میں سے گزرتی ہوئی دریائے جیحون کے کنارے سے آمل (چہارجوے) کے شہر میں پہنچ جاتی تھی، اور یہاں سے صوبہ خراسان سے باہر ہو کر بخارا پہنچ کر ختم ہوجاتی تھی۔ خراسان کی سڑک کا یہ ٹکڑا، یعنی نیسابور سے آمل تک کا، جہاں سے جیحون اترتے تھے، تقریباً تمام سیاحتناموں میں مذکور ہے۔ اختلافات اگر ہیں تو بہت خفیف ہیں اس سڑک کی منزلیں اپنے پرانے ناموں کے ساتھ اب تک موجود ہیں[2]

[1] ابن خرجابہ ص ۲۳، ۵۲ + قدامہ ص ۲۰۱ + ابن رستہ ص ۱۷۰ (اسی سڑک کے مفصل حالات کے) + اصطخری ص ۲۱۲، ۲۸۴ + ابن حوقل ص ۲۷۵، ۳۲۳ + مقدسی ص ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۷۱، ۳۷۲، ۴۹۱ + مستوفی ص ۱۹۶ +

[2] ابن خردابہ ص ۲۴، ۲۵ + قدامہ ص ۲۰۱، ۲۰۲ + ابن رستہ ص ۱۷۱ + یعقوبی ص ۲۷۹ + مقدسی ص ۳۴۸، ۳۵۱ + مستوفی ص ۱۹۶ (سرخس تک کے لئے) +

بڑی بڑی سڑکیں جو خراسان اور قوھستان میں سے گزرتی تھیں اِن کی کیفیت یہ تھی :۔ خراسان کی بڑی سڑک صوبہ قومس کے شہر بسطام سے آگے بڑھ کر صوبہ خراسان میں داخل ہوتی تھی۔ (دیکھو صفحہ حاشیہ ۳۶۵) بسطام سے نیسابور کو جانے کے لئے دو راستے تھے : (۱) ایک شمالی راستہ تھا، یعنی کاروان کی سڑک سے جو بسطام سے جاجرم اور جاجرم سے آزادوار آتی تھی، اور جوین کی مسطح زمین سے گزرتی ہوئی بالآخر نیسابور پہنچ جاتی تھی۔ یہی وہ سڑک ہے جس کا ذکر مستوفی نے خاص طور پر کیا ہے۔ مگر اصطخری اور ابن حوقل نے صرف اس کے اجزا بیان کئے ہیں۔ (۲) دوسرا جنوبی راستہ قریب کا نیسابور والی ڈاک کی سڑک سے تھا۔ یہ سڑک موضع بدش سے شروع ہوتی تھی۔ اس موضع کا حال کہ بسطام سے اس کا فاصلہ دو فرسخ تھا اوپر آچکا ہے (دیکھو صفحہ حاشیہ ۳۶۸) یہ ڈاک کی سڑک پہاڑوں کے دامن دامن بادیہ ایران کو اپنے دائیں ہاتھ کو لئے ہوئے گئی ہے، اور اسدآباد سے ہوتی ہوئی بھمن آباد یا مزینان پہنچتی تھی۔ مزینان سے ایک سڑک شمال میں آزادوار کو نکل گئی تھی[1] مگر ڈاک والی سڑک بدستور جاری رہ کر سبزوار ہوتی ہوئی آخرکار نیسابور پہنچتی تھی۔ یہی وہ سڑک ہے جس کا حال ابن خرداذبہ نے لکھا ہے، اور شروع زمانہ کے تمام سیاحت ناموں میں بھی اس کا ذکر آیا ہے۔ شہر اسدآباد سے جنوب مشرق کی طرف جانے کے لئے صرف مقدسی کا بیان ہے کہ اس شہر سے ایک راستہ تیس فرسخ طول کا بادیہ ایران کے اوھر کے گوشہ سے گزرتا ہوا صوبہ قوھستان کے شہر طرشیز

---

(۱) یہ سڑک نقشہ عشم میں نہیں دکھائی گئی۔ مترجم)

(دیکھو صفحہ حاشیہ ۲۳۱) اِس سڑک کا حال ابن رُستہ اور چوتھی (دسویں) کے تین جغرافیہ نویسوں نے لکھا ہے۔ ایک سڑک ھرات سے مشرق کی طرف دریائے ھری رود کی گھاٹی میں دریا کے چڑھاؤ کے رُخ غُور کی سرحد تک گئی تھی۔ اور ان ہی چوتھی (دسویں) صدی کے تینوں مصنفوں نے اِس سڑک کے شہروں کے نام بھی لکھے ہیں، جو ایک دوسرے سے ایک ایک دِن کی راہ پر واقع تھے۔ ھرات سے کُرُوخ کے رستے غَرجِستان کے شہر شُرمِین اور اَبشِین تک پہنچنے میں جو مقامات آتے تھے اِن کے باہمی فاصلے یومیہ فاصلہ کے حساب سے چوتھی (دسویں) صدی کے جغرافیہ نویسوں نے بیان کئے ہیں۔ اَبشِین سے دریائے مُرغاب کے بہاؤ کے رُخ سڑک مروالرود کو پہنچتی تھی۔ جو سڑکیں علاقہ باذغِیس کو طے کرکے (اُس کے دارالحکومت بَغشُور سے ہوتی ہوئی) مَرْوالرود یا قصرِ اَحنَف (مَرُوچَک) تک آتی تھیں وہ سب اصطخری، ابن حوقل، اور مقدسی نے، اور آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے بیان کی ہیں[1]۔

دو سڑکیں ایک سرخس اور دوسرے مرو کلاں سے چل کر مَروالرود پر ملتی تھیں۔ ان میں سرخس والی سڑک (ھری رود اور مُرغاب) دو بڑے دریاؤں کے مابین بادیہ کو طے کرتی ہوئی مَروالرود کو آتی تھی، اور دوسری مَرو کلاں والی سڑک دریائے مُرغاب کے کنارے کنارے زرخیز زمینوں اور شہروں میں سے گزرتی ہوئی مروالرود پہنچتی تھی۔ سرخس والی سڑک کے کنارے، جو بادیہ میں سے گزرتی تھی۔ بہت سے رُباط (سرہنگ خانے) تھے

---

[1] ابن رُستہ ص ۱۶۳، ۱۷۳ + اصطخری ص ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۸۵ + ابن حوقل ص ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶ + مقدسی ص ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰ + مستوفی ص ۱۹۸ +

اُوپر آچکا ہے کہ نَیْنَا بُوذ سے ایک منزل آگے (یعنی قصر الریح پر) خُراسان والی سڑک کی ایک شاخ دائیں ہاتھ کو ھراۃ گئی تھی۔ سرخس اور مرو کلاں پر بھی سڑک کی ایک ایک شاخ دائیں ہاتھ کو پھوٹ کر دونوں مروالرود کو گئیں تھیں، اور ایک سڑک ھراۃ سے بھی شمال کی سمت چل کر مروالرود آئی تھی۔ ایک سڑک مروالرود سے مشرق کی سمت میں بَلخ کو گئی تھی۔ اور بَلخ سے آگے بڑھ کر دریائے جیحون کو اُتر کر ترمِذ کے شہر میں پہنچ جاتی تھی۔ اب ہم پہلے اُس شاخ کا ذکر کرتے ہیں۔ جو ھراۃ کو گئی تھی۔ یہ سڑک قصر الریح سے شروع ہو کر چار مرحلوں میں بُوزجان پہنچتی تھی، اور اتنے ہی مرحلوں میں بُوزجان سے بُوشَنج آجاتی تھی۔ بُوشَنج سے ھراۃ ایک دن کا راستہ تھا۔ اِس سڑک کا حال ابن رُستہ اور چوتھی (دسویں) صدی کے جغرافیہ نویسوں، اور مستوفی نے بھی لکھا ہے۔ بُوزجان سے ایک سڑک جنوب مغرب کی طرف، اور بُوشَنج سے ایک سڑک مغرب کی طرف چل کر دونوں قاینْ آتی تھیں (جو قُوھِستان کا شہر ہے)۔ قُوھِستان کے مختلف شہروں کے باہمی فاصلے اصطخری اور اصطخری کے علاوہ اور جغرافیہ نویسوں نے بھی بیان کر دئے ہیں۔ قاینْ ہی میں وہ سڑکیں آکر ملتی تھیں جو بادیہ ایران کے سرحدی شہروں یعنی طَبَس اور خُور سے چلی تھیں[1]۔

ھراۃ سے جنوب کی طرف سڑک علاقۂ اَسْفزار میں سے ہوتی ہوئی سِجِستان کے شہر زَرَنج میں آتی تھی۔ سِجِستان میں اس کا داخلہ شہر اَسفزار اور فَرَہ کے درمیان ایک مقام سے ہوا تھا۔

---

[1] ابن رُستہ ص ١٧٢ (اِس نے سڑک کا حال لکھا ہے، مگر فاصلے نہیں دئے)۔ اصطخری ص ٢٨٣، ٢٨٤، ٢٨٦؛ ابن حوقل ص ٣٣٢، ٣٣٣، ٣٣٥۔ مقدسی ص ٣٥١، ٣٥٢۔ مستوفی ص ١٩٧۔

ترمذ کا شہر دریا پار سامنے پڑتا تھا[1]

بلخ سے مشرق کی طرف سڑک خلم اور طالقان ہوتی ہوئی بدخشان کی سرحد کو گئی تھی، اور خلم سے ایک شاخ جنوب مشرق کی طرف اندرابہ اور پنجہیر کی کانوں کو گئی تھی، جو کابل کے شمال میں تھیں۔ اصطخری اور مقدسی نے اُن راستوں کا کچھ خاکا بھی دیا ہے جو بلخ سے شروع ہو کر پہاڑوں میں سے نکلتے ہوئے بامیان پہنچتے تھے، اور بامیان سے جنوب کی طرف بڑھ کر غزنہ ہوتے ہوئے قندھار آتے تھے۔ غزنہ سے ایک راستہ مشرق کی سمت میں ہندوستان کی سرحد تک گیا تھا۔ لیکن اِن راستوں کے کنارے جو منزلیں آتی تھیں۔ اِن کا علم صحت کے ساتھ نہیں کیونکہ جو مقامات بیان کئے گئے ہیں اِن کا ذکر کہیں اور نہیں ملتا[2]

---

[1] ابن خردادبہ ص ۳۲ + قدامہ ص ۲۱۰ + اصطخری ص ۲۸۶ + ابن حوقل ص ۳۳۳ + مقدسی ص ۳۴۶، ۳۴۳ + مستوفی ص ۱۹۷ + جہاں نما ص ۳۲۹ +

[2] اصطخری ص ۲۸۶ + ابن حوقل ص ۳۳۴، ۳۳۵ + مقدسی ص ۳۴۱، ۳۴۹، ۳۴۸۶ +

جن کا ذکر مقدسی نے کیا ہے۔ مستوفی نے اس بیان کو صرف نقل
کر دیا ہے۔ اور یہی ترکی جغرافیہ جہاں نما کے مصنف نے کیا ہے۔
مَرْو کلاں سے جو سڑک دریائے مُرغاب کو چڑھاؤ کے رُخ
مرو الرُّود تک آئی تھی اس کا ذکر ابن خرداذبہ اور قدامہ نے کیا
ہے، مقدسی نے بھی اس کا حال لکھا ہے، مگر راستہ دوسرا
بتایا ہے[1]۔

مَرو الرُّود سے جُوزجان کے علاقہ میں سے گزرتی ہوئی جو
سڑک بلخ گئی تھی اس کا حال ابن خرداذبہ اور شروع زمانہ کے
سیاحت ناموں میں اس طرح بیان ہوا ہے کہ یہ سڑک مروالرود
سے چل کر طالقان آئی تھی، اور طالقان سے یا تو فاریاب اور
شُبُرقان کے شہروں سے گزرتی ہوئی یا طالقان سے جہودیہ (مَیمَنَہ)
اور انبار کے شہروں سے ہوتی ہوئی بلخ آئی تھی۔ یہاں منزلوں
کے باہمی فاصلے اصطخری، مقدسی نے یومیہ سفر یعنی مرحلوں کی
تعداد میں بیان کئے ہیں۔ مستوفی نے مروالرود سے بلخ کا راستہ
کسی قدر مختلف طریقے سے بیان کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ یہ سڑک
طالقان اور فاریاب کے شہروں کو اپنے مغرب کی طرف چھوڑتی
ہوئی شبورقان اور شُبُرقان سے پل جموخیان پر سے گزرتی
ہوئی بلخ پہنچتی تھی۔ طالقان اور فاریاب دونوں داہنے ہاتھ ایک
چھ فرسخ کے فاصلے، اور دوسرا دو فرسخ کے فاصلے سے چھوٹ
جاتا تھا۔ سڑک کا یہی ڈول جہاں نما میں نقل ہوا ہے۔ بلخ سے
سڑک سیاہ جرد کے شہر سے گزرتی ہوئی دریائے جیحون کے
کنارے دو مرحلوں میں اس مقام پر آتی تھی جہاں سے

[1] ابن خرداذبہ ص ۳۲، ۱۷، ۱۴ + قدامہ ص ۲۰۹ + مقدسی ص ۳۴۷، ۳۴۹، ۳۴۲ + مستوفی ص ۱۹۶ + جہاں نما ص ۳۲۹

(۴۴۳)

دریائے جیحون The Oxus

صوبۂ ماوراء النہر۔ دریائے جیحون و سیحون کے نام۔ دریائے جیحون کے بالائی ساون۔ بدخشان و وخان۔ ختل اور وخش۔ قبادیان اور صغانیان اور ان کے شہر۔ پتھر کا پل۔ ترمذ۔ باب الحدید۔ کالف، اخسیکث اور فربر بحیرۂ ارل یا جھیل خوارزم۔ موسم سرما میں دریائے جیحون کا منجمد ہونا۔

دریائے آکسس (Oxus عربی: جیحون) فارسی بولنے والی قوموں اور ترکوں کے درمیان، یعنی ایران و توران کے درمیان، ایک حدِ فاصل مانا جاتا تھا۔ اس دریا کے پار شمال میں جس قدر ممالک تھے اُن کو عرب ماوراء النہر کہتے تھے، یعنی "دریا کے اُس پار" (دریا سے مراد یہی جیحون ہے، گو نام حذف کر دیا ہے)۔ اس نام کے علاوہ عرب اس ملک کو ھیطل بھی کہتے تھے۔ ھیطل ایک قوم تھی جو پانچویں صدی عیسوی میں سلطنت آل ساسان کی شدت سے دشمن رہی۔ یہ قوم ھیطل وہی ہے جسے بازنطینی مصنف اُفتالوی (Ephthelites) لکھتے ہیں، اور جنکو انگریزی میں بالعموم وہائٹ ہن (White Hun) یعنی سفید ہن کہتے ہیں بہرکیف عہد وسطیٰ کے عربوں نے اس ھیطل کے لفظ کو وسیع معنوں میں

استعمال کیا ہے۔ کبھی اس سے مراد اہل توران لی ہے۔ اور کبھی ان ملکوں سے جو آکسس (جیحون) کے پار واقع ہیں۔ مقدسی نے انہیں معنوں میں اس لفظ کو برتا ہے۔

آکسس (جیحون) پار کے یہ ملک سہولت کی غرض سے پانچ صوبوں میں تقسیم کئے جا سکتے ہیں۔ اُن میں سب سے اہم باشان صوبہ (۱) سُغد کا تھا، جس کا برابر (یونانی) نام "سگ دیانا" (Sogdiana) ہے۔ سُغد کے دو دارالحکومت تھے، ایک بخارا اور دوسرا سمرقند۔ سُغد سے مغرب میں (۲) خوارزم تھا، جسے موجودہ زمانہ میں بالعموم خیوہ کہتے ہیں۔ خوارزم میں جیحون کا ڈیلٹا شامل تھا۔ سُغد سے جنوب مشرق میں (۳) صغانیان کا صوبہ تھا۔ اس صوبہ میں ختّل اور دریائے آکسس (جیحون) کے ابتدائی رہگزر سے ملے ہوئے بہت سے اضلاع شامل تھے۔ اس صوبہ صغانیان میں بدخشان کا علاقہ بھی شمار کیا جاتا تھا، درانحالیکہ وہ (دریائے آکسس کے پار نہ تھا بلکہ) دریا سے اسی طرف دریا کے جنوبی کنارے سے لا ہوا اُس گول خم کے اندر واقع تھا جو اس دریا نے طخارستان کے سامنے اختیار کیا تھا۔ ان تین صوبوں کے علاوہ دریائے جکسارٹیس (سیحون) کے بھی دو صوبے ماوراء النہر میں شامل سمجھے جاتے تھے۔ اُن میں ایک فرغانہ تھا۔ جو دریائے جکسارٹیس (سیحون) کے ابتدائی رہ گزر سے لا ہوا واقع تھا۔ اور دوسرا صوبۂ شاش تھا (جو اب تاشکند کہلاتا ہے)۔ صوبۂ شاش میں ماوراء النہر کے شمالی مغربی اضلاع بھی شامل تھے۔ جو دریائے جیکسارٹیس (سیحون) سے ملحق دریا کے بہاؤ کے رُخ وہاں تک گئے تھے جہاں یہ دریا بحیرۂ ارل کے مرادابوں میں بہتا ہوا پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے۔

آکسس اور جیکسارٹیس (جو دونوں یونانیوں کے رکھے ہوئے نام ہیں) ان میں سے عہد وسطےٰ کے عرب آکسس کو جیحون اور جیکسارٹیس کو سیحون کہتے تھے۔ یہ دونوں دریا بھی دجلہ اور

عہد وسطیٰ کے آخر میں مغلوں کی یورش کے زمانہ کے قریب جیحون وسیحون کے نام اکثر متروک ہو چکے تھے۔ اُس زمانہ میں دریائے جیحون کو اموییہ یا آمو دریا، اور سیحون کو جیسا کہ ہم آئندہ باب میں تحریر کرینگے سیر دریا کہنے لگے تھے۔ آموییہ یا آموُ کا نام کیونکہ پیدا ہوا اس کا حال بھی صاف طور پر نہیں کھلتا۔ حافظ ابرو کا بیان ہے کہ آموییہ یا آموُ در اصل ایک شہر یا علاقہ کا نام تھا، جو جیحون کے خراسان والے کنارے پر واقع تھا۔ اور جس کا نام پہلے آمل لکھا جاتا تھا۔ ممکن ہے کہ واقعہ اس کے برعکس ہو یعنی نام کی صحیح وجہ یہ ہو کہ آمل کے شہر کو آموییہ یا آموُ اس بنا پر کہنے لگے ہوں کہ یہ نام در اصل مقامی فارسی میں اس بڑے دریا کا تھا اور جب یہ نام زیادہ مروج ہوا تو پھر اُس نے زیادہ باوقعت عربی نام جیحون کو قطعی طور پر بے دخل کر دیا۔ اس کے علاوہ یہ بھی خیال میں رہنا چاہیئے کہ عرب دریاؤں کے نام ایسے بڑے شہروں کے ناموں پر رکھتے تھے۔ جو ان دریاؤں کے کنارے پر آباد ہوتے تھے۔ اسی بنا پر دریائے جیحون یا آموُ دریا کو اکثر دریائے بلخ بھی کہتے تھے حالانکہ یہ شہر دریا کے جنوبی کنارے سے چند میل کے فاصلے پر تھا؛ آوکس The Oxus نام جو یونانیوں نے اِس دریا کا رکھا تھا، وَخش آب

بقیہ حاشیہ صفحہ (۶۵) نام کو جیحون سے ہموزن کرنے کے لئے سیحون بنا لیا گیا تھا۔ مستعار الفاظ میں چست ہموزنی قائم کرنے کی مثالیں عربی میں اور بہت سی ہیں مثلاً Cain (انگریزی کین، عبرانی تلفظ قائن) اور Abel انگریزی ایبل، عبرانی ابل، کو قابیل اور ہابیل بنا لیا۔ یا Saul (انگریزی: سول۔ عبرانی: ساؤل) اور Goliath (انگریزی: گولی اتھ۔ عبرانی جالی ییت) کو طالوت و جالوت کر لیا، یا Gog (انگریزی: گوگ + عبرانی جوج) اور Magog (انگریزی: مے گوگ + عبرانی ماجوج) کو یاجوج ماجوج بنا لیا۔ دیکھو سر ایچ یول (Yule) کا بیان مندرجہ کتاب The Oxus مصنفہ کپتان جے، وُڈ (Wood) ۱۸۷۲ء صفحہ XXII +

فرات کی مانند، جیسے کہ روائت چلی آتی تھی، بہشت (عدان) کے دریا سمجھے جاتے تھے۔ جیحون وسیحون کے ناموں کی اصلیت صاف طور پر ظاہر نہیں ہوتی۔ لیکن قیاس یہ ہوتا ہے کہ یہ دونوں نام عربوں نے یہودیوں سے سن کر اختیار کئے تھے۔ اور یہ بگڑی ہوئی شکلیں[۱] ان دریاؤں میں سے دو دریاؤں کی ہیں جن کا ذکر عہد نامۂ عتیق کی کتاب پیدائش باب دوم آئت ۱۱ و ۱۲ میں آیا ہے۔ یعنی دریائے گی ہون Gihon اور دریائے پی سون Pison[۲]

[۱] ہم کو مصنف کا یہ خیال کہ دونوں نام عبرانی ناموں کی بگڑی ہوئی شکلیں ہیں درست معلوم نہیں ہوتا۔ جیحون عربی میں وہی شکل رکھتا ہے۔ جو عبرانی میں رکھتا ہے۔ سیحون البتہ عبرانی نام پی سون کی بدلی ہوئی شکل ہے۔ اس میں ایک حرف کو نکال اس کی جگہ دوسرا حرف رکھ دیا ہے، اور ایک حرف کی جگہ بدل دی ہے۔ لیکن اس کو جیحون سے ہم وزن بنانا عربوں کا کام نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ جیحون و فیسون میں ہموزنی گو بہت چست نہ ہو پہلے سے چلی آتی ہے۔ مصنف نے آگے کے نوٹ میں عربوں کے جانب سے مستعار الفاظ میں ہموزنی قائم کرنے کی جو مثالیں دی ہیں وہ بجائے خود ایک دلچسپ بحث ہوں لیکن جیحون وسیحون کی مثال ان کی ذیل میں ہمارے نزدیک نہیں آتی۔ ناموں کے تلفظ کے لئے دیکھو عہدنامہ عتیق جس کا ترجمہ عبرانی سے اردو میں ہوا ہے (مطبوعہ لدھیانہ ۱۸۹۸ء صفحہ ۲) مترجم۔

[۲] اصطخری ص ۲۰۲، ۲۰۴، ۲۹۵؛ ابن حوقل ص ۳۳۵، ۳۴۶، ۳۴۸؛ مقدسی ص ۱۴۱، ۲۲۸، اوپر آچکا ہے (صفحہ حاشیہ ۱۲۱) کہ جیحون وسیحون ناموں کو عربوں نے خفیف تبدیلی کرکے جیحان و سیحان بناکر دریائے پیراموس (Pyramus) اور دریائے سارس (The Sarus) کے لئے استعمال کیا تھا۔ یہ دونوں دریا علاقۂ کلیکیا (Cilicia) کی سرحد کے تھے، اور ان کے پار یونانیوں کے علاقے تھے۔ جیحون وسیحون کی لفظی حقیقت کے بارے میں صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یہ نام چونکہ غیر زبان سے مستعار لئے گئے تھے اور ان کے معنے معلوم نہ تھے اس لئے بلا تکلف ان میں سے ایک

(جسے فرغار، فرغان، یا فرغی بھی لکھا جاتا ہے)۔ یہ سرزمین ختل سے بہتا ہوا دریائے جیحون میں ملا ہے، اور یقیناً وہی دریا ہے، جسے جس کا وخج کہتے ہیں۔ اس کے بعد جیحون کے جنوبی راستہ میں ایک دریا آج کل نام آخشوا (یا آخش) تھا، اس میں آکر ملا تھا۔ یہ دریا حجم میں تقریباً جیحون کے برابر تھا۔ اسی دریا پر ہلبک آباد تھا، جو سرزمین ختل کا صدر شہر تھا۔ اس دریا کے سرچشموں میں ایک دریا تھا جسے نہر بلبان یا بربان کہتے تھے۔ آج کل ان دونوں دریاؤں کا ملا ہوا دھارا ترکی میں آق صو (یعنی سفید دریا) کہلاتا ہے۔ بس یہی چار دریا ہیں جو شروع میں جیحون کے معاون ہوتے ہیں، اور جن کا نام اصطخری نے لیا ہے، اور لکھا ہے کہ ان چاروں دریاؤں کا جن جن مقام پر جیحون سے اتصال ہوا تھا وہ سب آرہن سے پہلے آجاتے تھے۔ آرہن وہ مقام تھا جہاں سے جیحون کے بڑے دھارے کو عبور کیا جاتا تھا۔

معبر آرہن سے پہلے دریا کے چڑھاؤ کے رخ، مگر بائیں کنارے سے، دریائے بدخشان، جسے آج کل کوکچہ کہتے ہیں، جیحون میں ملتا تھا۔ اس زمانہ میں اسے نہر خرغام کہتے تھے۔ آرہن سے آگے دریا کے بہاؤ کی طرف ایک مقام پر دائیں ہاتھ والا بڑا معاون یعنی وخشاب دریائے جیحون میں شامل ہوتا تھا۔ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ اس دریائے وخشاب کے نام پر یونانیوں نے اوکسس کا نام وضع کیا تھا۔ دریائے وخش آب مشرق کی سرزمین ختل اور وخش کو مغرب کے علاقہ جات قبادیان اور صغانیان سے جدا کرتا ہے۔ وخش آب کو آج کل سرخاب (یعنی لال دریا) کہتے ہیں۔ دریائے جیحون جس مقام پر علاقۂ بدخشان کے تین طرف چکر کاٹ کر آخر کار مغرب کی طرف بہنے لگتا ہے تو وہاں اس کے بائیں یا جنوبی کنارے طخارستان کے دو دریا، یعنی طالقان اور قندز اس میں آکر ملتے تھے،

(کے پہلے جزو وَخش) میں اب تک جھلک رہا ہے۔ یہ دریا جیحون کے ابتدائی معاونوں میں سے ایک معاون ہے۔ لیکن یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ عربوں نے کبھی وَخش کا نام دریائے جیحون کے بڑے دھارے کے لئے بولا ہو۔ (۴۳۵)

دریائے جیحون کے سرچشمے جیسا کہ ابن رُستہ اور شروع زمانہ کے اور مصنفوں نے بالکل صحیح لکھا ہے، تبت خورد (التُبَّت) کی ایک جھیل اور کوہستان پامِر (فامر) کے اوپر سے شروع ہوتے تھے۔ اصطخری نے، جس کی عبارت کو بعد کے اکثر مصنفوں نے نقل کیا ہے، دریا جیحون کی ابتدائی گزرگاہ کے متعدد معاونوں میں سے چار معاون دریاؤں کے نام لکھے ہیں۔ ان میں سے اب ہر ایک دریا کو شناخت کرنا آسان نہیں۔ لیکن ذیل کے دریاؤں کا بالکل صاف پتہ چلتا ہے۔ بالائی دریائے اوکسس (جیحون) کے شروع کا بڑا دھارا نہر جریاب تھا، جسے آج کل پنج دریا کہتے ہیں۔ یہ مشرق کی طرف سے اس ملک سے گزرتا ہوا جسے وَخّان کہتے ہیں بَدَخشان پہنچتا تھا، اور اسی جریاب کو دریائے وَخّاب بھی کہتے تھے۔ دریائے جیحون کا بڑا دھارا سمت مشرق کے بلند کناروں سے نیچے اُتر کر علاقہ بَدَخشان کے گرد ایک بڑا چکر کاٹتا ہے۔ اس طرح کہ پہلے شمال کی طرف اور پھر مغرب کی سمت میں بہہ کر جنوب کا راستہ اختیار کرتا ہے، اور نواح خُلم کے نزدیک پہنچنے سے پہلے اس کے بہاؤ کی یہی سمت رہتی ہے، اور پورے دور میں، جسے دائرے کا تین چوتھائی سمجھنا چاہیے اس میں بہت سے بڑے بڑے معاون دریا اس کے دائیں کنارے سے شامل ہوتے ہیں ان معاونوں میں پہلا دریا اَندِیجَاراغ ہے، اور جہاں یہ دریا جیحون سے ملتا ہے اس کے قریب اسی دریا کے نام کا ایک شہر اَندیجاراغ آباد ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دریا وہی ہے جسے آج کل برتنگ کہتے ہیں۔ اس کے بعد دوسرا معاون دریا فارغر ہے

کا نشان کسی سیاحت نامہ میں جو ہم تک پہنچا ہے بیان نہیں ہوا۔ لیکن یہ دیکھ کر کہ ملک کا اکثر حصہ انسان کے گزرنے کے لئے دشوار ہے قیاس غالب یہ ہے کہ شہر بدخشان اس وادی میں آباد ہو کہ جہاں اس ملک کا موجودہ دارالحکومت فیض آباد واقع ہے۔

بدخشان قیمتی پتھروں کی وجہ سے بہت پرانے وقتوں سے مشہور چلا آتا ہے۔ یہاں کا لال اور لاجورد، جو لازورد[1] کی کانوں سے نکلتا تھا، خاص طور پر شہرت رکھتا تھا۔ مقدسی نے چوتھی (دسویں) صدی میں لکھا ہے کہ جہاں جواہرات کی کان تھی وہاں ایک قلعہ تھا، جسے ہارون رشید کی ملکہ زبیدہ نے تعمیر کرایا تھا۔ اس کا نام بھی اسی کے نام پر تھا۔ لعل و یاقوت ولاجورد کے علاوہ بدخشان کا بلور اور حجرالبازہر بھی مشہور تھا۔ یہاں ایک قسم کا ریشے دار لچک رکھنے والا پتھر ہوتا تھا جسے عرب حجرالفتیلہ کہتے تھے۔ اور اس کو فتیلے یا چراغ کی بتی کے کام میں لاتے تھے۔ کیونکہ اس کو آگ جلا نہیں سکتی تھی۔ مقدسی لکھتا ہے کہ حجرالفتیلہ کے ریشے الگ کر کے انہی سے دسترخوان بنتے تھے، جب یہ دسترخوان چکنائی سے میلے ہوجاتے تھے تو ان کو اجلا کرنے کے لئے صرف اتنا کرنا ہوتا تھا کہ کچھ دیر کے لئے انھیں تنور میں ڈال دیں، اس کے بعد وہ بالکل صاف اور ستھرے ہو جاتے تھے۔ اسی طرح فتیلے اور چراغوں کی بتیاں، جو اس پتھر کے ریشوں کی بنائی جاتی تھیں، جب وہ تیل کے میل سے اٹ جاتی تھیں تو جہاں ایک گھنٹے کے لئے ان کو آگ میں ڈال دیا اور پھر نکل کر بالکل نئی ہو جاتی تھیں آگ ان کو جلا کر راکھ نہ کر سکتی تھی۔

---

[1] لازورد یا لاژورد کان اور پتھر کا نام ہے۔ اور اسی سے انگریزی لفظ ایژیور (Azure) نکلا ہے۔

اورجیسا کہ گذشتہ باب میں بیان ہوچکا ہے (صفحہ حاشیہ ۲۲۸) ابن رُستہ نے اِن دو دریاؤں کے نام نہر خُتلاب اور نہر وَخشاب لکھے ہیں۔ قُبا زِریَان اور صَغانیان کے دو دریا شمالی یا دائیں کنارے پر دریائے جیحون میں ملتے تھے۔ اِن دونوں کے منبع بُتّم کے پہاڑوں میں تھے یہ پہاڑ شمال کی طرف دریائے جیحون کے طاس کو سُغد کے دریائے زر اَفشان سے جُدا کرتے ہیں۔ دریائے صَغانیان، جو تِرمِذ کے پاس ہوکر بہتا ہے، اس کا نام ابن رُستہ نے نہر زامِل لکھا ہے۔ یہ دریا جیحون کے آخری معاون تھے، کیونکہ بلخ کے مغرب میں کوئی دریا جیحون میں آکر شامل نہیں ہوتا، اور یہ دریا مغرب اور شمال مغرب کا راستہ پکڑے صحرا سے ہوتا ہوا سیدھا اپنے ڈیلٹا کی طرف جاتا ہے، جو بحیرہ ارل کے جنوب میں ہے[1]۔

بَدَخشان کا مُلک طخارستان کے مشرق میں تھا، اورجیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، دریائے جیحون کے ابتدائی حصہ کے بڑے رُخ نے اُسے تین طرف گھیر رکھا تھا۔ اصطخری نے لکھا ہے کہ بَدَخشان کا علاقہ نہایت معمور اور زرخیز تھا، اور اس میں تازگی اور شادابی بخشنے والے چشمے اور بے شمار تاکستان موجود تھے۔ اِس علاقہ کا دارالحکومت بھی بَدَخشان کہلاتا تھا۔ لیکن جیسا کہ ابھی ذکر ہوا، بَدَخشان کے دریا (موجودہ کُکچہ) کو عرب نہر خِرغام کہتے تھے۔ شہر بَدَخشان کی جا وقوع

[1] ابن رُستہ ص ۹۲، ۹۳ + ابن خُرداد بہ ص ۳۳ + ابوالفدا ص ۳۲۲ + اصطخری ص ۲۷۷، ۲۹۶ + ابن حوقل ص ۳۴۸ + مقدسی ص ۳۰۳۔ ابن سرابیون ص ۱۲۵ (e)، ۱۴۴ (b) + یاقوت ج ۲۔ ص ۱۷۱ + ج ۳۔ ص ۴۶۹ + قزوینی (ج ۱۔ ص ۱۷۷) نے بجائے جریاب کے جرباب، اور (ج ۲۔ ص ۳۵۳) بجائے جریاب کے جَرزیان لکھا ہے۔ دونوں کتابت کی غلطیاں ہیں +

دَنتَّان کی چاندی کی کانیں مشہور تھیں، اور اس کی ندیوں کی ریت میں سے سونا نکلتا تھا۔ بردہ فروشوں کے قافلے، غلاموں کو ساتھ لیے، وسط ایشیا کے چلے ہوئے اسی ملک سے گزر کر خراسان پہنچتے تھے، تاکہ غلاموں کو مغرب کے بازاروں میں فروخت کریں[1]۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، جیحون کا سب سے بڑا معاون دریا وَخشاب تھا، جو شمال سے آکر جیحون کے داہنی کنارے سے اس میں ملتا تھا، اور جو بڑا پہاڑی علاقہ دریائے وَخشاب اور جیحون کے درمیان واقع تھا، خُتّل کہلاتا تھا۔ اس نام کا اطلاق مبہم طور سے ان ملکوں پر بھی ہوتا تھا جو غیر مسلموں کے تھے اور خراسان کے مشرق اور شمال میں واقع تھے[2]۔ خُتّل میں وَخش کا علاقہ بھی شامل تھا۔ یہ علاقہ خُتّل کے شمالی حصوں میں واقع تھا، جہاں سے (دریائے) وَخشاب نکلا تھا۔ اصطخری لکھتا ہے کہ یہ بہت زرخیز علاقہ تھا، اور یہاں کے عمدہ گھوڑے اور بار برداری کے جانور مشہور تھے۔ اس کی متعدد نہروں کے کنارے بہت سے بڑے بڑے

---

[1] اصطخری ص ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۹۷؛ ابن حوقل ص ۳۲۷، ۳۴۹؛ مقدسی ص ۳۰۳؛ قزوینی ج ۲۔ ص ۳۰۳، ۳۲۵، ۳۲۸؛ ابوالفداء ص ۲۷۴؛ علی یزدی ج ۱ ص ۱۷۹۔

[2] اس علاقہ کے نام میں بہت کچھ اختلاف ہے، کہیں اسے خُتّل اور کہیں خُتّلان اور خُتَلان لکھا گیا ہے۔ بہرکیف قزوینی (ج ۲۔ ص ۳۵۲) نے لکھا ہے کہ خُتّلان ترکوں کے ایک شہر کا نام تھا، جو دور پہاڑوں کے بیچ میں ایک تنگ گھاٹی میں واقع تھا، لیکن اس کے سوا اور کچھ اتا پتا نہیں لکھا۔ علی یزدی نے (ج ۱۔ ص ۲۶۳ وغیرہ) تیمور کی لڑائیوں کے تذکرے میں اس کا نام اکثر خُتّلان لکھا ہے (خُتّل دریا جیحون کی شکل میں ہوں)۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دراصل یہ لفظ ھیثل ہے، اور عربوں میں یہ نام اُس قوم کا تھا جو یا سانیوں اور بازنطینیوں کے زمانے میں افتالی (Ephthilites) (یا سفید ہن) کہلاتی تھی۔

اس کے علاوہ مقدسی لکھتا ہے کہ یہاں ایک قسم کا روشن پتھر ہوتا تھا، کہ اگر اُسے تاریک کمرے میں رکھ دیا جاتا تھا تو اس کے قریب کی تمام چیزیں روشن ہوجاتی تھیں۔ یہ غالباً کسی قسم کا فاسفورس کا پتھر ہوگا۔

جو حالات اوپر بیان ہوے ہیں اُن میں بہت سی باتوں کا اعادہ قزوینی نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ اور بَدَخشان کے جواہر اور قیمتی پتھروں کا ذکر کیا ہے۔ وہاں ایک قسم کے سرخ پتھر کا حال لکھا ہے کہ وہ یاقوت کے مثل ہوتا تھا۔ قزوینی لکھتا ہے کہ اُس کے زمانہ میں عوام سمجھتے تھے کہ حجر الفتیلہ پرندوں کے پر ہیں جو متحجر ہوگئے ہیں۔ بلخش یا یاقوت کی بڑی کانیں شہر یمکان کے قریب تھیں۔ اسی شہر کے قریب و جوار میں چاندی کی کانیں بھی تھیں۔ ابو لفداء نے جرم کا بحیثیت ایک شہر کے ذکر کیا ہے، اور علی یزدی نے جرم کی نسبت لکھا ہے کہ وہ بَدَخشان کے دریا کا نام تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے اواخر میں جب تیمور نے بدخشان پر حملہ کیا ہے تو اس علاقہ کا دارالحکومت کِشم تھا، اور یہیں شاہ بَدَخشان رہا کرتا تھا۔ اس علاقہ کا ایک اور بڑا شہر کَلاوُقان تھا۔ لیکن ان مقامات کے حالات بیان نہیں ہوے، اور ان کے موقعے غیر متیقن ہیں۔

بَدَخشان کے مشرق میں، جیحون بالا کے کنارے وَخّان واقع تھا، جہاں سے مشک آتا تھا۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ وہ تبت (خورد) جانے والی سڑک پر تھا۔ یہ غیر مسلموں کے علاقہ تھے، اور اُن سے متصل وہ علاقے واقع تھے جنھیں الشکینہ اور کَرّان (یا کَرّام) کہتے تھے۔ ان سے آگے کشمیر کیطرف بُلُور کا ملک تھا، جہاں "بارش اور برف کی وجہ سے تین تین مہینے سورج نظر نہ آتا تھا۔" چوتھی (دسویں) صدی میں

وَخشاب پر قنطرۃ الحجارہ (پتھر کا پل) اب تک موجود ہے۔ ابن رستہ، اصطخری، اور بعد کے زمانہ کے تمام مصنفوں نے لکھا ہے کہ یہ پل وخشاب پر اسی جگہ تھا جہاں سے تملیات سے علاقۂ قبادِیان میں واشجرد جانے والی سڑک اس دریا پر سے گزرتی تھی۔ اس پل کے شمال میں وہ ملک تھا جس کا نام ابن رستہ نے بِلاد الکمیذ لکھا ہے۔ اس سے آگے وخشاب کے سرچشموں کے قریب رَشت کا علاقہ تھا۔ اصطخری کی تحریر کے مطابق یہ سنگین پل دریائے وَخش پر ایسے مقام پر تھا جہاں دریا کا وہ گزرو بہت تنگ اور عمیق تھا۔ چونکہ دریا میں پانی زیادہ تھا اس لئے بیان ہوا ہے کہ اس کے تنگ راستوں میں پانی کا حجم اتنا بڑا ہوا تھا کہ کسی اور دریا میں کہیں یہ بات دیکھنے میں نہ آتی تھی۔ قزوینی اور دیگر مصنفوں نے بھی یہی لکھا ہے۔ علی یزدی نے بھی اس پل کا ذکر کیا ہے اور اس کا فارسی اور ترکی نام یعنی پل سنگین اور تاش گوبرک لکھا ہے۔ زمانہ حال کے سیاحوں نے بھی اس مقام کی کیفیت لکھی ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ (گزشتہ) ۳۲۷، ۳۴۸، ۳۴۹ + مقدسی ص ۲۹۰، ۲۹۱ + یاقوت ج ۲۔ ص ۴۰۲ + علی یزدی ج ۱۔ ص ۸۳ +

سلہ ابن رستہ ص ۹۲ + اصطخری ص ۲۷۹ + ابن حوقل ص ۳۴۸ + قزوینی ج ۲۔ ص ۳۵۲ علی یزدی ج ۱۔ ص ۲۸۳، ۴۵۲ + سرایچ، یول (Yule) کی عبارت وڈ (Wood) نے اپنی کتاب The Oxus ص LXXXIII میں نقل کی ہے میف (Meyef) کا مضمون Geographical Society ۱۸۸۰ء ص ۳۲۰ + آج کل کہا جاتا ہے کہ پل سنگین صرف دس قدم لمبا ہے۔ دریا کے ادھر اور ادھر دو پہاڑ جھکے کھڑے ہیں۔ انہیں پہاڑوں کے دونوں سروں پہاں

شہر تھے، جن کی غلے کی زمینوں اور ثمرستانوں میں اچھی فصلیں اُٹھتی تھیں۔

چوتھی (دسویں) صدی میں خُتّل کا دارالحکومت ھُلبُک تھا، جہاں سلطان رہا کرتا تھا، (یہ مقام غالباً موجودہ خُلاب کے موضع کے قریب تھا) + لیکن مُنْک اور ھَلاوَرْد کے دو شہر ھُلبُک سے بڑے تھے۔ دوسرے بڑے شہر اَنْدِیجاراغ (اَنْدِاجاراغ) اور فَرْغان (یا فَرْغر) تھے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے ہی نام کے دریا کے کنارے آباد تھا۔ ان کے علاوہ تَملِیات اور لاوَکَنْد کے شہر تھے۔ ان میں لاوَکَنْد وَخْشاب کے کنارے سنگین پل سے آگے (موجودہ کُرْگان تپّہ کے قریب) آباد تھا۔ مقدسی نے خُتّل کے دارالحکومت ھُلبُک کے متعلق لکھا ہے کہ اس شہر کے وسط میں ایک جامع مسجد تھی، اور شہر دریائے اَخْشُو کے کنارے واقع تھا، اور اسی دریا سے شہر کو پانی دستیاب ہوتا تھا۔ شہر اَندِیجاراغ جیحون کے کنارے کے قریب اُس جگہ تھا جہاں اسی نام کا ایک معاون دریا جیحون میں ملتا تھا۔ غالباً یہ شہر اسی موقع پر تھا جہاں آج کل قلعہ وَمَرْ ہے۔ صوبۂ خُتّل کا سب سے بڑا شہر مُنْک شہر ھُلبُک کے شمال اور تَملِیات کے مشرق میں واقع تھا اور مقدسی کی تحریر کے مطابق وَخْشاب کے کنارے ھَلاوَرْد کا شہر دارالحکومت یعنی ھُلبُک سے زیادہ خوشنما تھا۔ تَملِیات کا شہر مُنْک اور وَخْشاب کے سنگین پُل کے درمیان واقع تھا، اور غالباً یہ وہی مقام تھا جسے آج کل بَلْجُوان کہتے ہیں بَلْجُوان کا ذکر علی یزدی نے بھی تیمور کی فوجی مہموں کے تذکرے میں کیا ہے۔[1]

---

[1] اصطخری ص ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۹۶، ۲۹۷ + ابن حوقل ص ۳۲۶،

شُومان کے گرد کے علاقہ میں وساور کی غرض سے زعفران کی کاشت بہت ہوتی تھی۔ مقدسی نے شُومان کی نسبت لکھا ہے کہ وہ بہت ہی معمور و آباد مقام تھا، اور شہر اچھا بنا ہوا تھا۔ یاقوت لکھتا ہے کہ یہاں کے باشندے ہمیشہ اپنے سلطان سے باغی رہتے تھے، اور اُس کے زمانہ میں شُومان ترکوں کے مقابلہ کے لئے ایک سرحدی قلعہ تھا۔ علی یزدی نے تیمور کی فوجی مہموں کے تذکرے میں اس قلعہ کو حِصَار شادمان یا محض حِصَار یا حِصَارک لکھا ہے آج کل بھی یہ حِصَار ہی کہلاتا ہے[1]

صَغَانِیان غالباً وہی شہر ہے جسے آج کل سیر آسیا کہتے ہیں، جو دریائے صَغانِیان کے بالائی حصہ پر واقع ہے۔ دریائے صَغَانِیان کو نہر زامِل بھی کہتے ہیں۔ اصطخری لکھتا ہے کہ صَغَانِیان چوتھی (دسویں) صدی میں تِرمِذ سے بڑا شہر تھا، گو تِرمِذ آبادی اور آسودگی کے لحاظ سے بڑھا ہوا تھا صَغَانِیان کی حفاظت کے لئے ایک بڑا قُہَنْدِز یا قلعہ تھا، اور شہر دریا کے دونوں کناروں پر آباد تھا۔ مقدسی نے اس شہر کو فلسطین کے شہر رَمْلَہ سے مشابہ بتایا ہے، اور لکھا ہے کہ یہاں کے بازار میں ایک بڑی جامع مسجد تھی۔ قرب وجوار میں جنگلی پرندے بکثرت تھے، اور چھ ہزار گاؤں اس علاقہ میں واقع تھے۔ روئی یہاں کی نہایت عمدہ ہوتی تھی، اور سستی ملتی تھی۔ باسَنْدا کا چھوٹا سا شہر، جس میں ایک بڑا چوک اور

---

[1] اصطخری ص ۲۹۸ + ابن حوقل ص ۳۵۰ + مقدسی ص ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۹۰ + یاقوت ج ۲ ص ۸۸ + ج ۳ ص ۳۳۷ + ج ۴ ص ۱۹۲ + علی یزدی ج ۱ ص ۴۱۹، ۵۰۴، ۵۰۲، ۴۶۴ +

دریائے وَخش کے مغرب اور دریائے جیحون کے جنوب میں وہ علاقہ ہے جسے عرب صَغانیان کہتے تھے، اور جسے فارسی میں چغانیان لکھا جاتا ہے۔ اِس علاقہ کے مشرقی حصّہ کو بالخصوص قُبادِیان کہتے تھے۔ یہ نام اسی نام کے ایک شہر قُبادِیان سے چلا تھا۔ شہر قُبادیان اُس دریا کے کنارے آباد ہے جو دریائے وَخشاب کے مغرب میں پہلا دریا جیحون میں گرا ہے۔ قُبادیان یا قَوَاذِیان کی نسبت ابن حوقل لکھتا ہے کہ وہ تِرمِذ سے چھوٹا شہر تھا، اور فَرْز کے نام سے بھی مشہور تھا۔ یہاں کا افناس (چھال جس سے سُرخ رنگ بناتے ہیں) مشہور تھا، اور ہندوستان کو بھی جاتا تھا۔ دریائے قُبادِیان جس پر یہ شہر واقع تھا، بڑا لمبا دریا تھا، اور مقدسی کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس علاقہ میں بہت سے بڑے بڑے شہر تھے۔ اِن میں سے ایک اَدْنَہج یا اُدزج جیحون کے شمالی کنارے پر تِرمِذ سے دریا کے چڑھاؤ کے رُخ کچھ فاصلے سے اور دریا کے بائیں کنارے والے شہر رُباط میلہ سے شمال میں غالباً اُسی جگہ واقع تھا جہاں آج کل اَیْوَج واقع ہے۔ یاقوت لکھتا ہے کہ اِس علاقہ کا میوہ مشہور تھا۔

دریائے قُبادِیان کے بالائی حصہ پر، پُلِ سَنگین کے مغرب میں وَاشجرد تھا، جس کے متعلق اصطخری لکھتا ہے کہ وسعت کے اعتبار سے وہ تقریباً تِرمِذ کے برابر تھا۔ وَاشجرد سے تھوڑی دور جنوب میں اوشومان یا اَلشُومان کا بڑا قلعہ تھا۔

(۴۴۰)

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) پُل کو قائم کیا گیا ہے۔ دریا جو نیچے بہتا ہے، اس کا نام سرخاب ہے، جس کے راستے کو اونچے اور سیدھے پہاڑوں نے ایسا تنگ کر دیا ہے کہ مشکل سے دس قدم چوڑا راستہ پانی کے بہنے کے لئے ملتا ہے اور پانی اس تنگ راستہ میں بڑے زور و شور سے بہتا ہے۔

کھنڈروں سے دو میل شمال میں وسعت میں پرانے شہر کے برابر بسایا گیا، اور بہت جلد اس کے گرد باغ لگ گئے جن میں انگور اور بھی عمدہ پیدا ہوتی تھی۔

دریائے جیحون کے داہنے کنارے پر ترمذ سے کچھ آگے دریا کے بہاؤ کی طرف نویذہ کا شہر تھا، اور یہیں سے جو مسافر بلخ سے سیدھے سمرقند کو جاتے تھے دریا (زامل) عبور کرتے تھے۔ نویذہ میں ایک جامع مسجد بالکل آبادی کے بیچ میں تھی، اور یہ شہر جیحون کے کنارے علاقۂ صغانیان کا آخری شہر سمجھا جاتا تھا۔ ترمذ سے ایک مرحلہ شمال مغرب میں اس سڑک پر جو صوبۂ سغد کے شہر کش اور نخشب کو جاتی تھی ھاشمجرد کا شہر تھا اور چوتھی (دسویں) صدی میں یہ ایک بڑا مقام تھا۔ ھاشمجرد سے دو مرحلے شمال میں سڑک اس مشہور درے میں سے گزرتی تھی جسے آہنی دروازہ (باب الحدید) کہتے تھے۔

اس مشہور پہاڑی درہ کا حال چین کے ایک سیاح نے لکھا ہے، جس کا نام هیون تسانگ تھا۔ جو بدھ مت کا بڑا متبع تھا اور ۶۲۹ء میں اس نے ہندوستان کا سفر کیا تھا[1]۔ عرب جغرافیہ نویسوں کا بیان ہے کہ یہاں ایک بڑا شہر آباد تھا،

[1] هیون تسانگ کے بیان کے لئے دیکھو سر ایچ، یول (Yule) کی عبارت جو وڈ (Wood) نے اپنی کتاب (The Oxus) ص LXIX پر نقل کی ہے۔ یہ چینی سیاح لکھتا ہے کہ اس کے زمانہ میں "اس درے کو کواڑوں سے جن میں لوہے کے قبضے لگے ہوئے تھے بند کیا جاتا تھا، اور کواڑوں میں بہت سی لوہے کی گھنٹیاں لگی ہوئی تھیں"۔ باب الحدید کے جو حالات بعد کے زمانہ میں لکھے گئے ہیں ان میں کواڑوں کا ذکر نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اصطخری کے زمانہ سے پہلے یہ کواڑ اتار لئے گئے تھے۔

بہت سے باغ تھے، شہر صَغانیان سے دو مرحلوں کے فاصلے پر دریا کے چڑھاؤ کے رُخ کچھ دُور پہاڑوں میں واقع تھا۔ اِس سے نیچے اُتر کر صَغانیان اور تِرمِذ کے بیچوں بیچ دَارِ زَنجی کا شہر تھا۔ جہاں ابن حوقل لکھتا ہے کہ ایک بڑا رُباط تھا۔ یہاں عمدہ اونی کپڑے تیار ہوتے تھے۔ اور بازار میں ایک بڑی جامع مسجد تھی۔ پھر اس کے جنوب میں دریائے زامِل سے قریب صَرمَنجی یا صَرمَنجان کا شہر تھا۔ اس میں بھی ایک بڑا رُباط تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں یہ مقام اِس وجہ سے مشہور تھا کہ یہاں کا حاکم ابوالحسن بن حسن یاہ کی طرف سے ایک دینار روز کی روٹی محتاجوں کو تقسیم ہوا کرتی تھی۔

بہرکیف علاقۂ صَغانیان کا سب سے بڑا شہر تِرمِذ (التِرمِذ) اُس مقام سے شمال میں جہاں بَلخ کی سڑک سیحون کو عبور کرتی تھی اور دریائے زامل کا اتصال جیحون سے ہوتا تھا، واقع تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں اس کی حفاظت (۴۴۱) کے لئے ایک بڑا قلعہ تھا، جہاں حاکم صوبہ رہا کرتا تھا۔ شہر کے گرد بڑی آبادی تھی۔ شہر کے اور پھر اس باہر والی آبادی کے گرد ایک فصیل تھی۔ کچی اینٹوں کی ایک جامع مسجد شہر کے بازار میں تھی، لیکن بازار کی اور عمارتیں پختہ اینٹوں کی تھیں شہر کی بڑی سڑکوں پر انھیں اینٹوں کا کھرنجا لگا ہوا تھا۔ تِرمِذ کا شہر ایسے مالِ تجارت کا بڑا انبار خانہ تھا جو شمال کی طرف سے خُراسان کو لایا جاتا تھا۔ شہر کے تین دروازے تھے، اور مقدسی لکھتا ہے کہ شہر خوب متحصن تھا۔ ۶۱۷ھ (۱۲۲۰ء) مغلوں کے جرگوں نے جنوب کی طرف خُراسان جاتے ہوئے شہر کو لوٹا۔ اِس کے بعد ابن بطوطہ جو آٹھویں (چودھویں) صدی میں یہاں آیا تھا، لکھتا ہے کہ ایک نیا شہر پرانے شہر کے

جیحون علاقہ صغانیان سے گزر کر ریگستان پر بہتا ہے۔
یہاں کوئی بڑا معاون دریا اس میں شامل نہیں ہوتا حتے کہ
وہ اپنے ڈلٹا میں پہنچ جاتا ہے، جو بحیرۂ ارل کے جنوبی ساحل
پر ہے۔ یہاں صوبۂ خوارزم واقع تھا جس کا ذکر آئندہ باب
میں کیا جائیگا۔ اس ریگستانی قطع میں دریا کے دائیں اور بائیں
کنارے پر اکثر دو دو شہر آمنے سامنے ایسے مقامات پر واقع
ہوئے تھے، جہاں خراسان سے بلاد ترک کو جانے والی سڑکیں
جیحون کو عبور کرتی تھیں۔ یہاں خراسان کی طرف جو شہر تھے
ان میں سے اکثر کا حال گزشتہ باب میں بیان ہو چکا ہے۔
دریا کے دائیں کنارے پر کالِیف یا کیلیف کا شہر تھا (جو اب تک
موجود ہے)۔ زمانہ وسطےٰ میں اس شہر کی باہر کی آبادی خراسان
والے کنارے پر تھی، اور یہ آبادی اُس رُباط کے گرد واقع ہوئی
تھی جو جسے رُباط ذی الکفل کہتے تھے۔ اس حالت میں اس
زمانہ میں شہر کالیف جیحون کے دونوں کناروں پر آباد سمجھا
جاتا ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر مقدسی نے اسے بغداد اور
واسِط سے مشابہ لکھا ہے۔ دریا کے شمالی کنارے کی طرف
وہ سرہنگ خانہ تھا، جس کا نام سکندر اعظم کے نام پر
رُباط ذو القرنین تھا یاقوت لکھتا ہے کہ کالیف میں ایک عمدہ
قلعہ تھا، اور شہر کا فاصلہ بلخ سے اٹھارہ فرسخ شمار ہوتا
تھا۔ وہ اُس سڑک پر واقع تھا جو بلخ سے صوبہ سُغد کے
شہر نخشب کو گئی ہے۔ مستوفی نے کالیف کے قریب
ایک پہاڑی کا ذکر کیا ہے، جس کا دور آٹھ فرسخ تھا۔ یہ
ساری پہاڑی سیاہ مٹی کی تھی، اور اس کی چوٹی پر چشمے
اور عمدہ مرغزار تھے۔ وہ لکھتا ہے کہ آٹھویں (چودھویں) صدی
میں کالیف ایک بڑا اور مستحکم و متحصن مقام تھا۔

جس کا نام یعقوبی نے مدینۃ باب الحدید لکھا ہے۔ اِس کا فارسی ترجمہ دَرِ آہنین بھی اُس نے لکھا ہے۔ اصطخری، ابن حوقل اور مقدسی تینوں نے باب الحدید کا نام لکھا ہے، لیکن کسی قسم کی تفصیل نہیں کی۔ فارسی میں دربند آہنین کے نام سے یہ مقام تیمور کے زمانہ میں مشہور ہوا اور علی یزدی نے اِس کا نام قہلغہ تو لکھا ہے لیکن اِس کا حال کچھ بیان نہیں کیا۔ اِس مشہور درے میں سے ہسپانیہ کا سفیر کلیویجو (Clavijo) تیمور کے دربار میں ماہ اگست ۱۴۰۴ء میں حاضر ہوا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ "یہ دروازہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسان نے پہاڑ کو کاٹ ایسے بنایا ہے کہ درے کے دونوں پہلوؤں پر اونچے اونچے پہاڑ سیدھے کھڑے ہیں؛ درے میں سے جو راستہ نکلا ہے وہ ہموار ہے (لیکن دو طرف پہاڑوں کی وجہ سے) درہ بہت عمیق معلوم ہوتا ہے۔ درے کے وسط میں ایک گاؤں آتا ہے، اور اُس کی پشت پر ایک پہاڑ بہت ہی بلند ہے۔ اس درے کو آہنی دروازہ کہتے ہیں، اور اس تمام سلسلہ کوہ میں اِس کے سوا اور کوئی درہ نہیں، اِس لئے ہندوستان کی سمت سے سمرقند کے علاقہ کی حفاظت کے لیئے یہی ایک درہ ہے۔ اِس درہ سے تیمور کو بہت آمدنی ہوتی تھی، کیونکہ تمام سوداگر جو ہندوستان سے آتے ہیں اِن کو اِسی درہ سے گزرنا پڑتا ہے"[1]

(۴۴۲)

[1] یعقوبی ص ۲۹۰ + اصطخری ص ۲۹۸، ۳۳۷ + ابن حوقل ص ۳۴۹، ۳۵۰، ۴۰۰، ۴۰۱ + مقدسی ص ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۹۱، ۲۹۲، ۳۴۲ + ابن بطوطہ ج ۳، ص ۵۶ + علی یزدی ج ۱، ص ۴۹، ۵۹ + ج ۲، ص ۳۹۵ + کلیویجو کی Embassy ص ۱۲۲ + Geographical Magzine ص ۲۳۶ + دیکھو رسالہ مذکورہ بالا ۱۸۷۶ء ص ۲۲۸، جس میں میف (Mayef) ۱۸۷۵ء نے آہنی دروازہ کا حال لکھا ہے +

پہنچ جاتا تھا۔ یہاں ڈلٹا کی مزروعہ اراضی شروع ہو جاتی تھیں طاہریہ سے یہ بڑا دریا بحیرۂ ارل کی طرف چلتا تھا، اور تقریباً تین سو میل تک متعدد نہریں آب پاشی کے لئے اِس سے نکلتی تھیں، جن سے وہ ملک جسے زمانۂ وسطے میں خوارزم کہتے تھے سیراب ہوتا تھا۔ عربوں کی ابتدائی فتوحات کے زمانہ سے جیحون ڈلٹا کی اِن زمینوں میں اپنا رہگزر اکثر تبدیل کرتا رہا۔ ساتویں (تیرھویں) صدی میں مغلوں کے حملے کے وقت دریا کے آخری حصہ میں بڑے بڑے بندوں کے ٹوٹ جانے سے ایک بڑی تبدیلی واقع ہوئی۔ جس کا ذکر آیندہ کیا جائیگا شروع زمانہ کے عرب جغرافیہ نویسوں نے جو حالات لکھے ہیں بہرکیف اِن کو پیش نظر رکھ کر اس وقت بھی ممکن ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی کے صوبۂ خوارزم کا ایک نقشہ تیار کرلیا جائے۔ اِن حالات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اِس زمانہ میں جیحون کے بہنے کا راستہ بحیرۂ ارل کے جنوبی ساحل کے سردابوں تک صرف ایک تھا۔ اور اُس میں کشتیاں چل سکتی تھیں۔ بحیرۂ ارل کو بحیرہ خوارزم کہتے تھے۔

بحیرۂ ارل کی گہرائی بہت کم تھی، اور نرسل کے درخت اِس میں بکثرت تھے، اِن ہی وجوہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کشتی رانی کے قابل نہ سمجھا جاتا تھا۔ اِس بحیرہ کے شمال مشرقی ساحل پر سیحون اُس میں آکر گرتا تھا۔ لیکن جیحون سے سیحون تک کوئی تری کا راستہ آمد و رفت کے لئے نہ تھا۔ بحیرہ ارل کی مشرقی ساحل کی زمین جو جیحون و سیحون کے دہانوں کے درمیان واقع تھی، وہ چوتھی (دسویں) صدی میں اور اِس کے بعد ترکمانان غُز کا صحرا کہلاتی تھی۔ یہ نام ایسا تھا کہ جو اکثر مشرقی ایران کے دشت ہرہ کے لئے بولا جاتا تھا۔

کالیف سے دریا کے بہاؤ کے رُخ (مغرب کی طرف) (۴۴۳) شہر تَرمِذ کے بالمقابل، جس کا اوپر ذکر ہوچکا ہے (صفحہ حاشیہ ۴۴) آخسِیکث کا شہر واقع تھا، جہاں سے ایک بڑی سڑک نخشب کو جاتی تھی۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ آخسِیسک ایک چھوٹا سا شہر تھا، اور یہاں کے لوگ نماز جمعہ کے لئے دریا اتر کر ترمذ جایا کرتے تھے، کیونکہ خود اُن کے شہر میں جامع مسجد نہ تھی۔ شہر کے گرد کی زمینیں، جو چاروں طرف سے ریگستان سے گھری ہوئی تھیں، نہایت ہی زرخیز تھیں، اور بھیڑوں اور اونٹوں کے لئے چراگاہ عمدہ تھے۔ دریا کے بہاؤ رُخ اور زیادہ آگے بڑھ کر جیحون کے دائیں کنارے کے قریب فِرَبر کا شہر آمُلْ یا آموُیہ کے بالمقابل بخارا جانے والی سڑک پر واقع تھا۔ اس کے گرد بھی زرخیز علاقہ اور معمور گاؤں تھے۔ مقدسی لکھتا ہے کہ فِرَبر دریائے جیحون کے دائیں کنارے سے ایک فرسخ تھا، اور اس کی حفاظت کے لئے ایک قلعہ اور بہت سے رُباط تھے۔ جامع مسجد اُس دروازے کے قریب تھی جو بخارا کی سمت میں کھلتا تھا، اور اسی دروازے کے باہر ایک مصلےٰ (نماز پڑھنے کی جگہ) اور کاروان سرائے تھی، جہاں سوداگر اُترا کرتے تھے۔ یہاں مسافروں کی مہمان نوازی کی جاتی تھی، اور کھانا تقسیم کیا جاتا تھا یہاں کے انگور مشہور تھے، فِرَبر کو قریۃ علی یا رُباط طاہر بن علی بھی کہتے تھے[1]

فِرَبر اور آموُیہ کے بیچ میں گزرنے کے بعد جیحون ایک سو چالیس میل تک ریگستان میں بہتا ہوا آخر کار طاہریہ

[1] اصطخری ص ۲۹۸ + ابن حوقل ص ۳۴۹ و ۳۵۰، ۳۶۳ + قُدامہ ص ۲۰۳ + مقدسی ص ۲۹۱ + یاقوت ج ۳ ص ۸۶۲ + ج ۴ ص ۲۲۹ + مستوفی ص ۱۸۹ +

کا گزرگاہ ہمیشہ اپنی جگہ بدلتا رہتا تھا اس لئے یہ دریا اِن شہروں کے حق میں ہمیشہ خطرہ کا باعث سمجھا جاتا تھا۔ جیحون کا تمام آخری رہ گزر ایسا تھا جس میں کشتیاں چل سکتی تھیں۔ چنانچہ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ گرمی کے مہینوں میں دریا کے بہاؤ کے رخ پر تِرمِذ سے اختتام دریا تک تمام فاصلہ آٹھ دن میں طے کیا جاسکتا تھا۔ دریا کے اِس حصہ سے گیہوں اور جو کی بھری ہوئی کشتیاں آتی تھیں تاکہ اِن کا مال خوارزم کے بازاروں میں فروخت کیا جائے۔ جاڑے میں برف کی وجہ سے دریائی سفر یا تو خطرناک ہوجاتا تھا یا بالکل ہی امکان سے خارج تھا۔ یاقوت نے اپنا حال لکھا ہے کہ جب ماہ شوال ۶۱۲ھ (دسمبر ۱۲۱۵ء) میں وہ مَرْو سے جُرجَانِیَہ جانے لگا تو تھوڑا سا سفر جیحون میں کشتی پر سوار ہوکر کرنا پڑا۔ اِس سفر میں اُس کا اور اُس کے ساتھیوں کا سردی کی زیادتی اور دریا کے اچانک جم جانے سے یہ حال ہوا کہ مرنے کے قریب نوبت پہنچ گئی۔ بمشکل کشتی سے اُتر کر کنارے پر چڑھ سکے۔ کنارے پر ہر طرف برف جما ہوا تھا۔ یاقوت جس گھوڑے پر سوار تھا وہ مرگیا، اور خود بھی بمشکل جان بچاکر اِس مصیبت سے نکلا۔[1]

---

[1] اصطخری ص ۳۰۳، ۳۰۴ + ابن حوقل ص ۳۵۳، ۳۵۴ + قزوینی ج ۲ ص ۳۵۳ + ابن بطوطہ ج ۳۔ ص ۵ + یاقوت ج ۱۔ ص ۱۹۱ +

ابتدائی عرب جغرافیہ نویسوں کے نزدیک جیحون و سیحون میں جو بات سب سے عجیب و غریب تھی۔ وہ یہ تھی کہ یہ دونوں دریا جاڑے میں جم جاتے تھے، اور قافلے کے قافلے، جن میں بھاری سے بھاری لدے ہوئے مویشی بھی ہوتے تھے، دریا کی منجمد سطح پر سے گزر جاتے تھے۔ یہ جغرافیہ نویس لکھتے ہیں کہ موسم سرما میں دو سے پانچ مہینے تک اِن دونوں دریاؤں کی سطح منجمد رہتی تھی، اور سطح پر برف کی تہ پانچ ہاتھ بلکہ اس سے بھی زیادہ جم کی ہو جاتی تھی۔ قزوینی نے بیان کیا ہے کہ جاڑے کے موسم میں خوارزم کے لوگ دریا کی سطح پر کنویں بناتے تھے۔ کدالوں سے برف کو اتنا کھودتے چلے جاتے تھے کہ پانی کی سطح تک پہنچ جائیں۔ پھر ان کنوؤں پر وہ اپنے مویشی کو پانی پلاتے تھے، اور یہیں سے بڑے بڑے گھڑوں میں پانی بھر کر لوگ گھروں کو لے جاتے تھے۔ اصطخری نے جبل جَغراغز نام ایک پہاڑ کا ذکر کیا ہے، جو بحیرۂ ارل کے ساحل پر تھا، اور جس کے نیچے پانی سال بھر جما رہتا تھا۔

بحیرۂ ارل کے سواحل خصوصًا اِن کا جنوبی حصہ جو مُراوب خَلیجان کے قریب تھا جہاں جیحون ارل میں گرتا تھا، ماہی گیروں کے مشہور مقامات تھے۔ لیکن مراوب کے کنارے گاؤں تو کیا کوئی مکان تک نہ تھا۔ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ ڈلٹا میں جہاں تک جیحون بہتا ہوا گیا تھا اُس کے دائیں بائیں کناروں سے ہر قسم کی چھوٹی بڑی نہریں نکلی تھیں۔ اِن میں سے بہت سی ایسی تھیں جن میں کشتیاں چل سکتی تھیں۔ اور ان نہروں کے پانی سے اور سب کام نکلنے کے بعد ڈلٹا کی زمینیں سیراب ہوتی تھیں خوارزم کے اکثر بڑے شہر اِن ہی نہروں میں سے کسی نہ کسی نہر کے کنارے تعمیر کئے گئے تھے، اور چونکہ جیحون

باب سی و دوم

خوارزم

صوبہ خوارزم۔ اس کے دارالحکومت؛ کاث اور جرجانیہ۔ پرانا اور نیا شہر ارگنج۔ خیوہ اور هزار اسپ۔ خوارزم کی نہریں: جیحون کے دائیں اور بائیں کنارے کے شہر۔ بحیرہ خزر کی طرف جیحون کا زیرین رہ گزر۔ خوارزم کی تجارت اور پیداوار۔

زمانۂ وسطے کے اوائل میں صوبہ خوارزم کے دو دارالحکومت تھے۔ ان میں ایک جرجانیہ یا ارگنج جیحون کے مغربی یا ایرانی جانب، اور دوسرا کاث دریا کے مشرقی یا ترکی جانب واقع تھا۔ چوتھی (دسویں) میں کاث ہی صوبہ کا خاص دارالحکومت مانا جاتا تھا۔

شہر کاث اب تک موجود ہے۔ لیکن زمانۂ وسطے کا بڑا شہر کاث غالباً موجودہ شہر کاث سے چند میل جنوب مشرق میں تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی کے اوائل میں کاث کا ایک حصہ جیحون کی طغیانی کی وجہ سے برباد ہوگیا تھا۔ جیحون کا پاٹ یہاں دو فرسخ کا تھا۔ شہر دریا کے دائیں کنارے سے کچھ دور ہٹا ہوا نہر جردور کے کنارے جو شہر میں سے گذرتی تھی، آباد تھا، اور شہر کے بازار نہر جردور کے کنارے تقریباً ایک میل تک چلے گئے تھے۔ اس پرانے زمانہ میں کاث میں

ایک قلعہ (کُہندِز) بھی تھا، جسے دریا کے سیلابوں نے بالکل برباد کردیا تھا۔ یہیں جامع مسجد، محبس اور اس دیس کے رئیس کا، جسے خوارزم شاہ کہتے تھے، محل بھی تھا۔ بہرکیف جب ابن حوقل نے اپنی کتاب لکھی ہے تو شہر کا یہ تمام حصہ سیلابوں کی وجہ سے اس قابل نہ رہا تھا کہ لوگ وہاں آباد رہ سکتے۔ اس لئے یہاں سے مشرق کی طرف دریائے جیحوں سے اتنی دور کہ اُس کی دست برد سے حفاظت میں رہے ایک نیا شہر حال میں تعمیر کیا گیا تھا۔

مقدسی لکھتا ہے کہ اس نئے شہر کو اہل ایران شہرستان (یعنی دارالحکومت) کہتے تھے۔ اس مصنف کا بیان ہے کہ شہر وسعت میں تقریباً خراسان کے شہر نیشاپور کے برابر تھا۔ اس کے بازار میں جامع مسجد تھی، جس میں سنگ سیاہ کے ستونوں پر، جن میں ہر ایک قد آدم اونچا تھا، چوبی ستون قائم کرکے ان پر چھت ڈالی گئی تھی۔ کاث کے نئے شہر میں صوبہ کے حاکم کا محل نیا تعمیر ہوا تھا، اور قلعہ کو اسی تباہ حالت میں چھوڑ دیا گیا تھا۔ بہت سی چھوٹی چھوٹی نہریں شہر کے بازاروں میں سے گزرتی تھیں۔ مقدسی لکھتا ہے کہ یہ نہریں بے انتہا غلیظ رہتی تھیں، اور صوبۂ آذربائجان کے شہر اردبیل سے بھی غلاظت میں بڑھی ہوئی تھیں۔ یہاں سڑکوں کو لوگ جاء ضرور سمجھتے تھے۔ مسجد میں جب نماز پڑھنے آتے تھے تو بعض وقت اُن کے پیروں میں موریوں کی کیچڑ لگی ہوتی تھی۔ بہرکیف یہاں کے بازاروں میں خوب چہل پہل اور ہر قسم کے مال تجارت کی افراط تھی۔ شہر کے معمار عمارتیں بنانے میں بڑے ہوشیار اور ہنرمند تھے۔ باہر سے شہر شاندار نظر آتا تھا۔ بہرکیف معلوم ہوتا ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی کے خاتمہ کے بعد شہر کاث بہت جلد دارالحکومت رہنے کی حیثیت سے محروم ہونے لگا۔ اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ جیحون کے غارت گر سیلاب اِس کو بار بار

اس مقام کے مقابل واقع تھا جہاں بعد کو شہر جُرجانیہ آباد ہوا۔ لیکن زیادہ زمانہ نہ گذرا تھا کہ جیحون کے سیلاب نے منصورہ کو تباہ کردیا۔ اور جرجانیہ اب منصورہ کا قائم مقام ہو گیا۔

چوتھی (دسویں) صدی میں جب کاث صوبہ کا دارالحکومت تھا تو جرجانیہ دوسرے درجے کا شہر تھا، لیکن اس زمانہ میں بھی وہ تجارت کا بڑا مرکز تھا، اور علاقہ غز اور خراسان کے قافلوں کے ملنے کا مقام تھا، جو یہاں آکر مال تجارت کا تبادلہ کرتے تھے۔ جرجانیہ ایک بڑی نہر سے، جس میں کشتیاں چل سکتی تھیں، مغرب کی طرف ایک تیر کے پلّے پر واقع تھا۔ یہ نہر دریائے جیحون سے نکلتی تھی، اور تقریباً دریا کے متوازی بہتی تھی۔ اس غرض سے کہ شہر کے مکانات کو سیلاب سے نقصان نہ پہنچے یہاں ایک بڑا بند باندھ دیا گیا تھا اور اس کے پہلو لکڑی کے تختے نصب کرکے خوب مستحکم کردئے گئے تھے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے لکھا ہے کہ شہر کے چار دروازے تھے، اور شہر روز بروز پھیلتا جاتا تھا۔ شہر کے باب الحجاج (حاجیوں والے دروازے) کے قریب ایک عالی شان محل تھا جسے خلیفہ مامون الرشید عباسی نے بنوایا تھا۔ اس محل کے سامنے خلیفہ کے فرزند علیؑ کا بنایا ہوا ایک دوسرا محل تھا، اور ان دونوں کے بیچ میں ایک رملہ (کچے فرش کا چوک) شہر بخارا کے مشہور چوک "ریگستان" کی مانند تھا، جہاں بھیڑیں بکا کرتی تھیں۔ کاث کے زوال پر جرجانیہ بہت جلد صوبہ کا اول درجہ کا شہر ہو کر آخرکار

لہ شہر فیل کے موقع کا تعین یقین کے ساتھ نہیں ہو سکا۔ اس کا نام دارالضرب ہونے کی حیثیت سے اموی خلفاء کے سکوں پر ملتا ہے۔ چنانچہ اس کی مثال میں ایک سکہ ہے جس پر سنہ (۹۳۔۷۱۲ء) ثبت ہے (مسلمانوں نے سنہ ۹۳ھ میں خوارزم پر پہلی مرتبہ فوج کشی کی تھی جیسا کہ مصنف نے خود لکھا ہے۔ پھر معلوم نہیں کہ ۹۰ھ میں فیل پر سکہ کس طرح مضروب ہوا۔ مترجم)

نقصان پہنچاتے تھے، اور ہمیشہ شہر کے کسی نہ کسی حصہ کو دفعتاً تباہ کرتے رہتے تھے۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ کاث کی حیثیت صوبہ میں محض ایک دوسرے درجے کے شہر کی رہ گئی۔

ساتویں (تیرھویں) صدی کے حالات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مغلوں کی یورش سے کاث کو زیادہ نقصان نہیں پہنچا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں ابن بطوطہ، جس نے اس کا نام اَلکاث لکھا ہے، اُرگنج سے بخارا جاتے ہوئے اس شہر سے گذرا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ یہ ایک چھوٹا سا بارونق مقام تھا۔ یہاں ایک تالاب تھا۔ جب ابن بطوطہ یہاں آیا ہے تو سردی سے اُس کا پانی جم گیا تھا چنانچہ اُس نے لکھا ہے کہ شہر کے لڑکے اِس تالاب کی سطح پر کھیلتے پھرتے تھے۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے اواخر میں تیمور نے تقریباً تمام شہر کو بالکل غارت کردیا، لیکن بعد میں اِس کی شہرپناہ ازسرنو بنوادی۔ علی یزدی نے کاث کا اکثر ذکر کیا ہے کہ وہ اُس کے زمانہ میں بڑا مقام تھا[1]۔

خوارزم کا دوسرا دارالحکومت، جو شہر کاث کے زوال پر صوبہ کا بڑا شہر بنا، گرگنج تھا، جسے عرب اَلجُرجانِیَہ کہتے تھے، اور جو بعد کو اُرگنج کے نام سے مشہور ہوا۔ اسلامی فتوحات کی تاریخوں میں ذکر ہوا ہے کہ ۹۳ھ (۷۱۲ء) میں جب عربوں نے قتیبہ بن مسلم الباہلی کی سرکردگی میں خوارزم پر فوج کشی کی ہے تو اس کے دارالحکومت کا نام، جسے انہوں نے فتح کیا تھا، اس وقت اَلفِیل (یعنی ہاتھی) تھا۔ فاتحوں نے اسے فوراً تبدیل کر کے منصورہ نام رکھا۔ منصورہ کی نسبت بیان ہوا ہے کہ وہ جیحون کے اُس پار (۴۴۸)

---

[1] اصطخری ص ۳۰۰، ۳۰۱ + ابن حوقل ص ۳۵۱، ۳۵۳ + مقدسی ص ۲۸۶، ۲۸۸ + ابن بطوطہ ج ۳ ص ۲۰ + علی یزدی ج ۱ ص ۲۳۷، ۲۶۳، ۲۶۹ +

اس کا ذکر کیا ہے۔ قزوینی، جس نے اپنی کتاب ساتویں (تیرہویں) صدی کے آخر میں لکھی تھی، بیان کرتا ہے کہ اُسکے زمانہ میں گرگنج کے لوہار اور بڑھئی اپنے پیشے میں بڑے نامور تھے۔ یہاں کے نقاش اور منبت کار بھی بڑی شہرت رکھتے تھے۔ یہ لوگ عاج اور آبنوس کے پیالے اور ظروف منبت کام کے اسی وضع کے بناتے تھے، جس وضع کے اصفہان کے قریب طرف کے لوگ تیار کرتے تھے +

یہاں کی عورتوں کی زر دوزی کا کام بھی دور دور شہرت رکھتا تھا، اور یہاں کے درزی بھی بہت مشہور تھے۔ قزوینی نے لکھا ہے کہ خوارزم کے تربوز بے مثل ہوتے تھے۔ اس کی تصدیق ابن بطوطہ کے بیان سے بھی ہوتی ہے +

مستوفی لکھتا ہے کہ شہر کا نام جو عام طور پر لیا جاتا تھا وہ اُرگنج تھا، لیکن اُسے خوارزم بھی کہتے تھے۔ اس کا بیان ہے کہ شہر پرانے اُرگنج سے دس فرسخ کے فاصلے پر تھا (غالباً فرسخ غلطی سے میل کی جگہ لکھ دیا ہے) + مستوفی کا ہم عصر ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ خوارزم (اس نے شہر کا یہی نام لکھا ہے) ایک خوش گوار و خوش تعمیر شہر تھا۔ اس کے بازار چوڑے تھے، اور آبادی بہت تھی۔ بازار کی عمارت، جو شکل میں کارواں سرائے معلوم ہوتی تھی، بڑی عالی شان تھی، اور اسی کے قریب جامع مسجد اور جامع مسجد کا مدرسہ تھا۔ یہاں ایک عام شفاخانہ بھی تھا، اور جب ابن بطوطہ یہاں آیا ہے تو ایک شامی طبیب صہیون وہاں کا معالج تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے اختتام کے قریب اس شہر خوارزم کو تیمور نے تین مہینے کے محاصرے کے بعد تقریباً بالکل برباد کر دیا۔ یہ شہر کی دوسری تباہی تھی۔ بہرکیف اُس نے شہر کو دوبارہ تعمیر کرا دیا، اور یہ کام ۷۹۰ھ (۱۳۸۸ء) میں تکمیل کو پہنچا۔ گیارہویں (سترھویں) صدی کے اوائل میں خوارزم کا

تمام خوارزم کا دارالحکومت ہو گیا۔ بعد کے زمانہ میں بالعموم اس کا نام خوارزم لکھا گیا ہے، مگر یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اس نام سے ماقبل مدینہ کا لفظ حذف کر دیا گیا ہے +

۶۱۶ھ (۱۲۱۹ء) میں یعنی اس زمانہ سے کچھ پہلے جب کہ چنگیز خاں کی ماتحتی میں مغلوں نے جرجانیہ کو غارت کیا ہے یاقوت اسی شہر میں (جس کا نام اس نے گرگنج بھی لکھا ہے) مقیم تھا۔ اس کا بیان ہے میں نے اپنی تمام عمر میں اس سے بڑا، اور اس سے زیادہ دولت مند اور خوشنما شہر نہیں دیکھا۔ ۶۱۷ھ (۱۲۲۰ء) یہ کل آسودگی تباہی سے بدل گئی۔ مغلوں نے نہر کے بند کاٹ دئے اور جیحون کا پانی ایک نئے رستے سے بہنا شروع ہوا۔ اس نئے رستے کا ذکر ہم آگے لکھینگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام شہر پہ پانی پھر گیا۔ یاقوت لکھتا ہے کہ جب مغلوں کی فوجیں شہر کو چھوڑ کر چلی گئیں ہیں تو وہاں سوائے لاشوں اور مکانوں کی ٹوٹی ہوئی دیواروں کے اور کوئی اس عظیم الشان شہر کا نشان دینے والا نہ تھا۔ بہرکیف چند سال میں صوبہ خوارزم کا دارالحکومت اپنے کھنڈروں سے پھر زندہ ہو کر قریب ہی کے ایک مقام پر ازسرنو تعمیر کیا گیا۔ یہ واقعہ ابن اثیر کی تحریر کے مطابق ۶۲۸ھ (۱۲۳۱ء) کا ہے، جب کہ خوارزم نو کی بنیاد خوارزم کلان کے قریب ڈالی گئی۔ مغلوں کے حملے سے قبل، یاقوت اور دیگر مصنفین کا بیان ہے کہ یہاں ایک شہر تھا جو گرگنج خورد کے نام سے مشہور تھا، اور ایران کے لوگ (۴۴۹) اُسے گرگنجک کہتے تھے۔ یہ گرگنجک دارالحکومت (یعنی گرگنج کلاں) سے تین فرسخ کے فاصلے پر تھا۔ پس قیاس غالب یہ ہے کہ اسی گرگنجک کا موقع خوارزم نو کی تعمیر کے لئے منتخب کیا گیا۔

بہت جلد خوارزم نو اس صوبہ کا دارالحکومت بن گیا، اور آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی اور ابن بطوطہ دونوں نے

چنانچہ پہلے اس شہر کا نام خیوک لکھا جاتا تھا۔ اور یہی نام یاقوت کے زمانہ تک عام طور پر مروج رہا۔ مقدسی لکھتا ہے کہ شہر خیوہ ریگستان کے کنارے واقع تھا۔ لیکن شہر کو ایک بڑی نہر سے پانی پہنچتا تھا، جو دریائے جیحون کے بائیں کنارے سے یہاں لائی گئی تھی۔ شہر میں ایک عمدہ چوک تھا، اور ایک جامع مسجد بھی تھی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی میں وہ ضرور ایک بڑا شہر ہو گیا ہو گا۔ یاقوت لکھتا ہے کہ شہر کا تلفظ خیوق بھی کیا جاتا تھا۔ اس نے یہاں کے قلعہ کا ذکر کیا ہے۔ ساتویں (تیرھویں) صدی میں یہاں کے تمام رہنے والے شافعی مذہب کے سُنی تھے، اور صوبۂ خوارزم کے باقی تمام باشندے حنفی المذہب تھے۔

اسی زمانہ میں خیوہ کا شہر حضرت شیخ نجم الدین الکبرےٰ کے مولد ہونے کی وجہ سے مشہور ہو چکا تھا۔ انہوں نے ارگنج پر مغلوں کے حملے کے وقت دشمن کے مقابلہ میں بڑا حصہ لیا تھا۔ آخر وہ مغلوں کے ہاتھوں شہید ہوئے اور ارگنج کے قریب ان کا مزار مرجع خاص و عام ہو گیا۔ یہ حال ابن بطوطہ نے آٹھویں (چودھویں) صدی میں ان کی شہادت کے ایک صدی بعد لکھا ہے۔ علی یزدی نے خیوہ کا ذکر کیا ہے، اور یہاں کا ایک قصہ تیمور کی جوانی کا بھی لکھا ہے۔ تیمور کے زمانہ میں اس شہر کو خیوق لکھا جاتا تھا۔ اسی بادشاہ نے اس کی شہر پناہ دوبارہ تعمیر کرائی تھی۔ گیارھویں (سترھویں) صدی میں ابوالغازی نے خیوہ کا ذکر کیا ہے۔ اس شہزادہ کی حکومت جب ارگنج میں نہ ہوتی تو وہ کبھی خیوہ میں اور کبھی کات (کاث) میں رہا کرتا تھا۔ ابوالغازی کے زمانہ سے لے کر موجودہ زمانہ تک یہ شہر برابر ترقی کرتا رہا، اور آج کل وہ صوبۂ خیوہ کا دارالحکومت ہے۔[1]

[1] مقدسی ص ۲۸۹ + یاقوت ج ۲۔ ص ۵۱۲ + قزوینی ج ۲۔ ص ۳۵۵ + ابن بطوطہ ج ۳ ص ۶ + علی یزدی ج ۱۔ ص ۶۲، ۲۲۹ + ابوالغازی ص ۱۱۲، ۲۹۴ +

شہزادہ ابوالغازی اسی شہر میں دربار کرتا تھا۔ اس شہزادے نے دریائے جیحون کے آخری حصہ کا جو کچھ حال لکھا ہے اس کو ہم آگے چل کر نقل کرینگے۔

اس شہزادے نے شہر کا نام بالعموم اُرگنج لکھا ہے، اور بیان کیا ہے کہ وہ ایک عمدہ شہر تھا، اور اس میں بہت سے عمدہ باغ تھے۔ لیکن اس زمانہ کے بعد خیوہ رفتہ رفتہ اُرگنج کا قائم مقام ہو گیا، اور صوبہ کا دارالحکومت بن گیا۔ شہر اُرگنج جو مغلوں کے حملے کے بعد تعمیر ہوا تھا، اس کے کھنڈر آج کل کھنہ اُرگنج کہلاتے ہیں[1]۔

(۴۵) تیمور کے عہد کے بعد سرداران اُزبک کے زمانہ میں خیوہ نے رفتہ رفتہ اُرگنج کی شہرت کو ماند کردیا، اور وہ نہ صرف صوبہ کا دارالحکومت بنا، بلکہ آخرکار تمام صوبہ کا نام بھی اسی کے نام پر مشہور ہو گیا۔ چوتھی (دسویں) صدی کے عرب جغرافیہ نویسوں نے اس کا ذکر کئی موقعوں پر ایک چھوٹے سے شہر کی حیثیت سے کیا ہے

---

[1] انتھونی جینکنسن (Anthony Jenkinson) ابوالغازی کے زمانہ سے نصف صدی قبل ۹۶۶ھ (۱۵۵۸ء) میں اُرگنس (Urgence) آیا تھا (اس نے شہر کا یہی نام لکھا ہے)۔ وہ لکھتا ہے کہ یہ ایک عمدہ شہر تھا، اور اس کی شہر پناہ کا دور "تخمیناً چار میل تھا" + ہکلیوٹ (Hakluyt) (Principal Navigations) دگلاسگو ۱۹۱۳ء) ج ۲ ص ۴۶۳ + بلاذری ص ۲۹۹، ۳۰۰ + ابن حوقل ص ۳۵۰، ۳۵۱ + مقدسی ص ۲۸۸ + یاقوت ج ۲ ص ۵۴ + ج۔ص ۹۳۳ + ج ۴۔ص ۲۶۱ + ابوالفداء ص ۴۷۹ + ابن الاثیر ج ۱۲ص ۲۵۷، ۳۲۳ + قزوینی ج ۲ ص ۳۴۹ + مستوفی ص ۱۹۷، ۲۳۴ + ابن بطوطہ ج ۳۔ ص ۳ - ۶ + علی یزدی ج ۱۔ص ۲۹۸، ۴۴۸ + جہاں نما ص ۳۴۵ + ابوالغازی ص ۱۱۱ + Geographical Magzine (۱۸۷۴ء) ص ۷۸ +

(سرہنگ خانہ) تھا +

طاہریہ اور ہزار اسپ کے درمیان جیحون کے بائیں کنارے کی طرف تین شہر تھے، جو زمانہ وسطیٰ میں خاصے بڑے مقام سمجھے جاتے تھے۔ طاہریہ کے شمال میں دریا کے بہاؤ کے رخ ایک مرحلہ کے فاصلے سے بڑی سڑک پر جگربند واقع تھا۔ اس کے گرد باغ تھے، اور اس کی نہروں کے کنارے سردرختی تھی۔ مقدسی لکھتا ہے کہ اس کے بازار کے وسط میں ایک جامع مسجد تھی۔ جگربند سے ایک مرحلہ آگے شمال میں دریائے جیحون کی تنگ رہ گزر کے قریب شہر درغان تھا، جس کی نسبت مقدسی لکھتا ہے کہ یہ شہر وسعت میں تقریباً جرجانیہ کے برابر تھا۔ اس کی جامع مسجد میں جا بجا قیمتی سنگ مرمر لگا کر عمارت کو زینت بخشی تھی۔ شہر عرض میں ہر سمت سے دو فرسخ تھا، اور اس کے گرد پانچ سو تاکستان تھے۔ درغان صوبۂ خوارزم کا سب سے پہلا شہر تھا جو مرو سے آنے والی سڑک پر آتا تھا۔ یاقوت جو سنہ ۶۱۶ھ (سنہ ۱۲۱۹ء) میں یہاں آیا تھا، لکھتا ہے کہ شہر ایسی مرتفع زمین پر واقع ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی پہاڑی کے دامن پر تعمیر ہوا ہے، اور اس کے باغات اور مزروعہ زمینیں شہر کی آبادی اور کنار جیحون کے درمیان، جو شہر سے دو میل تھا، پھیلی چلی گئیں تھیں۔ شہر کے عقب میں صحراء کے ریگزار بہت دور نہ تھے۔ درغان اور ہزار اسپ کے درمیان سدور دریا کے کنارے واقع تھا۔ یہ ایک مستحکم و متحصن شہر تھا۔ اس میں ایک جامع مسجد تھی، اور شہر کے باہر کی بستیاں اس کے گرد واقع ہوئی تھیں[۱] +

---

[۱] اصطخری ص ۳۰۲ + ابن حوقل ص ۳۵۲ + مقدسی ص ۲۸۸، ۲۸۹ + یاقوت جلد۴ ص ۵۶۷ + ج ۴ - ص ۱۰۹ + مستوفی ص ۱۹۰، ۲۱۳ +

ھزاراسپ خیوہ ہی کے عرض البلد میں ہے، لیکن جیحون کے بائیں کنارے سے بہ نسبت خیوہ کے وہ زیادہ نزدیک ہے۔ یہ ایک بڑا مقام ہے جس کا نام اسلامی فتوحات سے اب تک نہیں بدلا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی لکھتا ہے کہ ھزاراسپ وسعت میں خیوہ کے برابر تھا۔ شہر کے دروازے چوبی تھے۔ اور شہر کے گرد خندق تھی۔ یاقوت، جو ۶۱۶ھ (۱۲۱۹ء) میں یہاں آیا تھا، لکھتا ہے کہ اس کی فصیل اور دمدمے مستحکم تھے، اور شہر بہت متمول تھا۔ اس میں عمدہ بازار تھے۔ ھزاراسپ اپنی ہی نہروں کے پانی سے قریب قریب ہر طرف سے گھرا ہوا تھا۔ شہر تک پہنچنے کے لئے صرف ایک راستہ تھا۔ یہ راستہ اس ہموار میدان میں سے جو جیحون کے کنارے سے پھیلا چلا آیا تھا، ایک بلند سنگین روش پر سے برابر گذرتا ہوا اُرگنج کی سمت سے شہر تک آیا تھا۔ (۴۵۱)

طاھریہ، جہاں سے دلتا کی زراعت شروع ہوتی تھی، اور ھزاراسپ کے درمیان نصف راہ پر جیحون کو بہت ہی تنگ راستہ سے گذرنا پڑتا تھا۔ اس مقام کو آج کل دِیوہ بیُون، یعنی اونٹ کی گردن کہتے ہیں۔ یہاں بڑے بڑے اونچے اور سیدھے پہاڑوں نے دریا کے رہگذر کو اتنا تنگ کر دیا ہے کہ دریا کا عرض اس کے معمولی پاٹ سے ایک تہائی رہ گیا ہے۔ اصطخری نے اس تنگ نالے کا نام اَبُوقَشَه یا بُوقَشَه لکھا ہے، اور بیان کیا ہے کہ جیحون کے ملاح اس مقام سے بہت ڈرتے تھے، کیونکہ اس تنگ نالے سے نکلتے ہی ایک بڑا بھنور پڑتا تھا، اور دریا ایک آبشار کی شکل اختیار کرکے آگے بڑھتا تھا۔ مستوفی، جس نے اس مقام کا نام "تنگ دھان شیر" لکھا ہے، کہتا ہے کہ دریا کے کناروں پر آمنے سامنے جو پہاڑ تھے ان میں بمشکل سو گز کا فصل ہوگا۔ یہاں دریا کے بائیں کنارے پر ایک رباط

جیحون کے مغربی یا بائیں کنارے سے متعدد نہریں نکالی گئیں تھیں۔ ان میں سے پہلی نہر وہ تھی جو ھزاراسپ کے پاس سے اُس کے علاقوں کو سیراب کرنے کے لئے گذرتی تھی۔ اس نہر میں بھی، اگرچہ وہ نہر گاؤخوارہ سے آدھی تھی، کشتیاں چل سکتی تھیں۔ اس کے بہنے کا رُخ جیحون کے برعکس تھا، اور خم کھا کر اُس نے ایسی سمت اختیار کی تھی کہ اگر اسی سمت میں جاری رہتی تو آمُل کے شہر کو پہنچ جاتی۔ ھزاراسپ سے دو فرسخ شمال میں نہر کَردُرَان خواش دریائے جیحون سے نکل کر شہر کَردُرَان خواش سے گزرتی تھی۔ یہ شہر ھزاراسپ اور خیوہ کے درمیان نصف راہ پر واقع تھا۔ یہ نہر اُس نہر سے بڑی تھی، جس سے ھزاراسپ کو پانی دستیاب ہوتا تھا۔ شہر کَردُرَان خاش کے گرد (جیساکہ مقدسی نے اس کا نام لکھا ہے) ایک خندق تھی، اور شہر کے دروازے میں لکڑی کے پھاٹک تھے۔ اس سے آگے اور شمال میں نہر خِیوَہ تھی جو اس اخیر نہر سے بھی بڑی تھی۔ نہر خیوہ ہی کے رستے دریائے جیحون سے کشتیاں خیوہ کو جاتی تھیں۔ چوتھی نہر، جو نہر خیوہ سے ایک میل شمال کی طرف بہتی تھی، نہر مَدرا کہلاتی تھی۔ اس کی نسبت بیان ہوا ہے کہ وہ جیحون کے مشرقی کنارے والی نہر گاؤخوارہ سے دوگنی تھی۔ نہر مدرا سے شہر مَدرا اور اُس کے قریب کے علاقہ کو پانی پہنچتا تھا۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ صوبہ خوارزم کا مشرقی دارالحکومت کاث دریائے جیحون سے ہٹا ہوا ایک نہر پر واقع تھا، جسے جَردُور کہتے تھے، اور جس کو دریا کے بڑے دھارے سے نکال کر شہر کے جنوب میں کچھ دور تک لے گئے تھے۔ کاث سے دو فرسنخ شمال میں، لیکن جیحون کے بائیں یا مغربی کنارے سے

صوبۂ خوارزم کی بڑی نہروں میں سے پہلی نہر جیحون کے مشرقی کنارے پر اُس مقام سے نکالی گئی تھی جو دریا پار دَرغان کے سامنے پڑتا تھا۔ اِس مقام کو گاؤخوارہ یا گاؤخوارہ کہتے تھے۔ اِس نہر میں، جو چار گز گہری اور دس گز چوڑی تھی، کشتی چل سکتی تھی، اِس شہر سے جہاں تک وہ اپنی سطح کے لحاظ سے پانی پہنچا سکتی تھی نہر کاث تک کی زمینیں سیراب ہوتی تھیں۔ اِس کے نقطۂ ابتداء سے پانچ فرسخ آگے اِس سے ایک چھوٹی سی نہر نکلتی تھی، جو کریہ کہلاتی تھی۔ اِس نہر سے بہت سے علاقے سیراب ہوتے تھے۔ مقدسی نے لکھا ہے جیحون کے اس مشرقی کنارے کی طرف چار خاصے بڑے شہر باہم ایک ایک دن کے سفر سے کاث کے جنوبی زرخیز اضلاع میں واقع تھے۔ کاث سے سب سے زیادہ دُور نُوکفاغ کا شہر تھا۔ یہ نہروں کے بیچ میں ایک خوشنما مقام تھا، اور ریگستان کی سرحد بھی اس سے نزدیک تھی۔ کاث سے نزدیک ترین اَرذخیوَہ کا شہر تھا۔ غالباً یہ وہی مقام تھا جس کا نام یاقوت نے حِصنِ خیوَہ لکھا ہے، اور بیان کیا ہے کہ وہ دریا کے مغربی کنارے والے خیوَہ سے پندرہ فرسخ کے فاصلے پر تھا۔ اَرذخیوَہ ایک قلعہ تھا، جو ایک پہاڑی کے پیچھے ریگستان کے کنارے واقع تھا، اور اس میں داخل ہونے کا صرف ایک دروازہ تھا۔ وائخان بھی ایک قلعہ تھا۔ اس کے گرد خندق تھی، اور دروازوں کے قریب منجنیق نصب تھے۔ یہ اَرذخیوَہ سے ایک منزل شمال میں واقع تھا۔ اس کے بعد غَردَمان آتا تھا، جو کاث سے ایک مرحلہ کے فاصلے پر تھا۔ یہ ایک متحصن و مستحکم مقام تھا۔ جس میں دو دروازے تھے، اور اس کے گرد پانی کی ایک بڑی خندق تھی۔ اس خندق کا عرض دو تیروں کے پلّے کے برابر تھا۔

اس کا بیان ہے کہ بلحاظ وسعت و آبادی اَزْخَشْمِیثَان بالائی میسوپوٹیمیا کے شہر نَصِیبِیْن سے بڑا تھا۔ مگر معلوم ایسا ہوتا ہے کہ مغلوں کی یورش میں یہ شہر برباد ہوگیا۔ اس کے شمال میں دُوْنَر وَنْدَل تھا۔ مقدسی کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایک اوسط درجے کا شہر تھا، خوب مستحکم تھا، اور اس کے گرد ایک خندق تھی۔ اس میں پانی کے چشمے نہایت عمدہ تھے۔ جامع مسجد بازار میں تھی۔ اَنْدَرَاسْتَان کے گاؤں سے، جو نہر وَدَاک اور نہر بُوْرْہ کے مقام اتصال پر واقع تھا، جب گذر لیتے تھے تو نُوْزْوَار کا شہر آتا تھا۔ یہ جُرْجَانِیَہ سے جنوب میں ایک مرحلہ تھا۔ مقدسی لکھتا ہے کہ نُوْزْوَار ایک چھوٹا سا خوب مستحسن شہر تھا۔ اس کے دو آہنی دروازے تھے، اور اس کے گرد ایک خندق تھی۔ اس خندق پر پل تھے، جو کشتیوں پر ڈال دئے گئے تھے، اور رات کے وقت اٹھا لئے جاتے تھے۔ شہر کے بازار میں جامع مسجد تھی، اور مغربی دروازے کے باہر ایک عمدہ حمام تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی شہر ہے جسے یاقوت نے نُوْزْکَاث لکھا ہے، جس کے معنی اس نے "نیا کاث یا "نئی دیوار" بیان کئے ہیں۔ یاقوت جب اس شہر سے روانہ ہوا ہے تو اس کے تھوڑی ہی مدت بعد مغلوں کی فوجوں نے اسے بالکل غارت کردیا۔

زَمَخْشَر کا شہر نُوْزْوَار اور جُرْجَانِیَہ کے درمیان واقع تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں اس شہر کے دروازوں کے سامنے بھی ایسے پل تھے جو اٹھائے جاسکتے تھے۔ یہاں ایک جامع مسجد اور ایک مستحکم محبس تھا۔ شہر محصن تھا، اور آہنی دروازے اور خندق رکھتا تھا۔ یاقوت نے ساتویں (تیرھویں) صدی میں اس مقام کو محض ایک گاؤں بتایا ہے۔ یہ شہر مشہور مفسر حضرت

وَذَاک (یا وَدَاک یا وَدَان) کی بڑی نہر نکلتی تھی۔ اس نہر میں صوبہ خوارزم کے مغربی دارالحکومت جُرجانیہ کے قریب تک کشتیاں چل سکتی تھیں۔ نہر وَدَاک کا نقطۂ آغاز نہر ہَدَرا کے مقام ابتدا سے شمال میں تقریباً ایک میل کا فاصلہ رکھتا تھا۔ نہر وَدَاک کے آغاز سے کسی قدر اور شمال میں ایک دوسری نہر جیحون سے نکلتی تھی، جسے نہر بُوّہ (یا بُوہ یا بُوبیہ) کہتے تھے یہ نہر آگے بڑھ کر شمال مغرب میں نہر وَدَاک سے مل جاتی تھی۔ یہ مقام اتصال اَندَرَستان کے گاؤں سے ایک تیر کے ٹپے پر تھا، اور جرجانیہ سے اس گاؤں کا فاصلہ سمت جنوب میں تقریباً ایک دن کی راہ کا تھا۔ نہر وَدَاک نہر بُوّہ سے بڑی تھی، اور دونوں ایسی تھیں کہ جرجانیہ تک ان میں کشتیاں چل سکتی تھیں۔ جرجانیہ میں البتہ ایک بند کی وجہ سے شمال کی سمت میں کشتیون کا راستہ مسدود ہو جاتا تھا جیسا کہ اوپر بیان ہوا یہاں دریا کے دونوں کناروں پر بڑے بڑے پشتے باندھ دئے گئے تھے، تاکہ شہر جرجانیہ دریا کے سیلاب سے محفوظ رہے۔[۱]

خِیوَہ سے شمال میں جو بڑی سڑک جرجانیہ کو گئی تھی اس کے وسطے میں متعدد بڑے بڑے شہروں سے اس کا گذر ہوا تھا۔ مگر اب ان شہرون کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ خیوہ سے ایک دن کی راہ پر اَرْدَخُسمِیثَان یا رَاخُشمِیثَان کا شہر تھا۔ یاقوت سنہ ۶۱۶ھ (سنہ ۱۲۱۹ء) میں یہاں رہا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ یہ ایک بڑا شہر تھا، اس کے بازار عمدہ تھے اور ان میں مال تجارت کی افراط تھی۔

---

[۱] اصطخری ص ۳۰۱، ۳۰۲-۳۰۳ + ابن حوقل ص ۳۵۲، ۳۵۴ + مقدسی ص ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۲، ۲۹۳ + یاقوت ج ۲ ص ۵۱۲ + ج ۴ - ص ۲۳ +

دریائے جیحون کے دائیں کنارے سے شہر کاث سے
چار فرسخ شمال میں چار نہریں نکلتی تھیں۔ ان میں سے پہلی نہر میں
تھوڑی دور آگے بڑھ کر تین اور چھوٹی نہریں مل گئی تھیں۔ یہ چاروں
نہریں جب مل کر ایک نہر ہو جاتی تھی تو اس نہر کا نام کُرْدَر ہو جاتا
تھا۔ بیان ہوا ہے کہ ہزار کُردَر جو نہر وَذاک اور بُوَہ کے برابر
تھی، قدیم زمانہ میں کوئی نہر نہ تھی، بلکہ دریائے جیحون کی ایک
شاخ تھی، اور شمال مشرق کی سمت میں بہہ کر بحیرۂ ارل میں
گرتی تھی۔ دریائے جیحون کے بڑے دھارے، اور نہر کُردَر
کے درمیان جو دوآبہ بنتا تھا اس کو مَزداخگان (یا ہَزداخقان)
کا علاقہ کہتے تھے۔ اس علاقہ کو بہت سی چھوٹی چھوٹی نہریں جو
دریائے جیحون کے دائیں کنارے سے نکلتی تھیں، سیراب کرتی
تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس علاقہ میں بارہ ہزار گاؤں تھے، اور
اس کا صدر مقام کُردَر تھا۔ مقدسی لکھتا ہے کہ یہ ایک بڑا
اور خوب محصن مقام تھا، اس کے گرد بہت سے گاؤں تھے
اور مویشیوں کے لئے بڑے بڑے مرغزار تھے۔ کُردَر سے
دو دن کی مسافت پر، صوبہ خوارزم کی شمالی سرحد پر قریۂ براتکین
(یا فراتکین) ایک بڑا موضع تھا۔ اس موضع کے قریب
پتھر کی کان تھی۔ اس کان سے جو پتھر نکالا جاتا تھا وہی تمام
صوبہ خوارزم میں عمارت کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ چوتھی (دسویں)
صدی میں براتکین میں عمدہ بازار، اور اچھی بنی ہوئی جامع مسجد
تھی۔ اس مقام سے مغرب کی طرف، دریائے جیحون کے دائیں کنارے سے چار
فرسخ، جیت کے بالمقابل شہر مذمینیہ واقع تھا۔ اس شہر سے بحیرۂ ارل کے
ساحل تک مزروعہ اراضی بالکل نہ تھیں، اور صرف مرداب اور نرسل کے درختوں سے
پٹے ہوئے پانی کے قطعات دریائے جیحون کے دہانے پر واقع تھے[1]

[1] اصطخری ص ۲۹۹، ۳۰۲؛ + ابن حوقل ص ۳۵۰، ۳۵۳؛ + مقدسی ص ۲۸۸؛ + یاقوت ج ۴ ص ۲۵۷ +

جار اللہ زمخشری رحمتہ اللہ علیہ کے مولد ہونے کی وجہ سے مشہور ہوا۔ یہ بزرگ ۴۶۷ھ (۱۰۷۵ء) میں پیدا ہوئے، اور ۵۳۸ھ (۱۱۴۴ء) میں انہوں نے انتقال کیا۔ ابن بطوطہ جس نے آٹھویں (چودھویں) صدی میں ان کے مزار کی زیارت کی تھی، لکھتا ہے کہ زمخشر کا شہر اُرگنج نو سے چار میل تھا۔ اُرگنج سے شمال میں حضرت شیخ نجم الدین الکبرے کا مزار تھا، جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر جرجانیہ سے پانچ فرسخ ریگستان کی سرحد پر بلند پہاڑوں کے نیچے دریائے جیحون کے مغرب میں جیلث یا گیت کا شہر تھا، جس کا ذکر شروع زمانہ کے جغرافیہ نویسوں نے اکثر کیا ہے۔ یہ ایک بڑا شہر تھا، اور اس کے گرد اس کے متعلق بکثرت زمینیں تھیں۔ شہر دریائے جیحون کے بائیں کنارے سے کسی قدر دور مذامینیہ کے بالمقابل آباد تھا۔ مذامینیہ جیحون کے دائیں کنارے سے چار فرسخ کے فاصلے پر آباد تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ جیلث کا محل وقوع وہی ہے جہاں بعد کے زمانہ میں وَزیر (یا شہر وزیر) آباد ہوا۔ غالباً مغلوں کی یورش کے پر آشوب زمانہ اور تیمور کی لڑائیوں کے بعد شہر وزیر نے جیلث کی جگہ لے لی۔ وزیر کا ذکر ابوالغازی نے اکثر کیا ہے، اور جہاں نما میں بھی اکثر اس کا نام آیا ہے۔ علاوہ ازیں معلوم ہوتا ہے کہ وزیر وہی مقام ہے جہاں انتھونی جنکنسن آیا تھا، اور اس نے اس شہر کا نام کسی قدر بدل کر سیلی زُور یا شے سور (Sillizure or Shaysure) لکھ کر کیا ہے۔ یہ واقعہ دسویں (سولھویں) صدی کا ہے، جب کہ جنکنسن خوارزم میں سیاحت کر رہا تھا[۱]۔

---

[۱] اصطخری ص ۳۰۱ + ابن حوقل ص ۳۵۲ + مقدسی ص ۲۸۹ + یاقوت ج ۱ - ص ۱۹۱ + ج ۲ - ص ۹۰۷ + ج ۴ - ص ۸۲۲ + ابن بطوطہ ج ۳ - ص ۶ + ابوالغازی ص ۱۹۵ + ہکلوٹ Principal Navigations ج ۲ - ص ۴۶۱ +

بیان ہوا تھا۔ گو یہ صحیح ہے کہ آج کل بلکہ دسویں (سولھویں) صدی سے لے کر اب تک دریا نے یہ رہ گزر متروک کر رکھا ہے، اور اس کا اکثر حصہ خشک پڑا ہے۔

جیسا کہ اوپر بیان ہوا ابن الاثیر کی تاریخ میں بیان ہوا ہے کہ ۶۱۷ھ (۱۲۲۰ء) میں مغلوں کی فوجوں نے اُرگنج کا محاصرہ پانچ مہینے تک جاری رکھا اور آخر کار شہر پر قبضہ کرنے کے لئے دریائے جیحون کے دونوں کناروں سے پشتے کاٹ دیے۔ اور اب دریا اور اس کی نہروں کے پانی نے، جو اس سے پہلے مختلف رستوں سے شہر کے مشرق کی طرف بہتا ہوا نکل جاتا تھا، اُرگنج کو بالکل تباہ کردیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ (شہر ہی نہیں بلکہ) کل علاقہ غرقاب ہوگیا۔ تھوڑی مدت بعد جس قدر زائد پانی تھا اس نے جنوب مغرب کی سمت میں اپنا راستہ نکالا اور جیحون کے رہ گزر میں (جو خشک پڑا تھا) پھر پانی آگیا، اور دریا نشیب کا راستہ نکال کر بحیرۂ خزر کی طرف بہتا ہوا مَنقِشلاغ پہنچا۔ یاقوت جس کے زمانہ میں یہ واقعات پیش آئے مَنقِشلاغ کی نسبت لکھتا ہے کہ بحیرۂ طَبَرِستان (یعنی بحیرۂ خزر) کے ساحل پر ایک مستحکم و متحصن قلعہ تھا، اور دریائے جیحون اسی بحیرہ میں گرتا تھا۔ یاقوت کے اس بیان کی تصدیق آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی کے بیانات سے بھی ہوتی ہے جو اتفاقاً اس کی کتاب میں آگئے ہیں۔ دریائے جیحون کے گذرگاہ کے ذکر میں مستوفی لکھتا ہے کہ گو دریا کا تھوڑا سا پانی دائیں کنارے کی نہروں سے اب بھی بحیرۂ ارل میں چلا جاتا ہے لیکن دریا کا بڑا دھارا اُرگنج قدیم کے پاس سے گذر کر اس مقام کی طرف چل پڑتا تھا جسے عقبۂ حلم کہتے تھے۔ یہاں دریا کا پاٹ اونچے مقام سے نیچے گرتا ہے اور اس کا شور دو دو فرسنگ

چوتھی صدی قبل مسیح میں جب اسکندر اعظم نے مغربی ایشیا میں فتوحات حاصل کیں تو دریائے اوکسس (جیحون) کی نسبت بیان ہوا ہے کہ وہ بحیرہ کاسپین (خزر) میں گرتا ہے۔ بحیرۂ ارل سے معلوم ہوتا ہے کہ یونانی جغرافیہ نویس بالکل واقف ہی نہ تھے۔ یہ امر کہ جیحون نے اپنا راستہ بحیرۂ کاسپین (خزر) سے بحیرۂ ارل کو کب تبدیل کیا مطلق معلوم نہیں۔ لیکن بحیرۂ خزر کی طرف جیحون کا پرانا رہ گزر اب تک موجود ہے، گو سیحون کے مثل جیحون بھی آج کل بحیرۂ ارل میں گرتا ہے۔ بلکہ یہ پرانا رہ گز ہمارے نقشوں میں بھی دکھایا جاتا ہے، اور حال میں اس کے متعلق بہت کچھ تحقیقات بھی ہوئی ہے۔ عرب کے جغرافیہ نویس جو زمانۂ وسطیٰ کے ابتدائی دور یعنی چوتھی (دسویں) صدی کے لوگ ہیں جیحون کا رہ گزر وہی بتاتے ہیں جو زمانۂ حال میں اس دریا کا ہے۔ لیکن مقدسی نے اس پرانے رہ گزر کا حال بھی لکھا ہے جس سے دریا بحیرۂ خزر میں گرتا تھا۔ مقدسی کا بیان ہے کہ زمانۂ سابق میں جیحون کا بڑا پاٹ ایک مقام سے گذرتا تھا جو خراسان کے شہر نِسَا کے مقابل واقع تھا، اور جس کا نام بُلْغَان (یا اَبُوالْغَان) تھا۔ مقدسی کے زمانے کے تقریباً ڈھائی سو برس بعد یہ امر یقینی معلوم ہوتا ہے کہ جیحون نے پھر اپنا سابقہ رہ گز بحیرۂ خزر والا اختیار کر لیا۔ یہ واقعہ ہم کو اسی زمانہ کی ایرانی مصنفوں کی تحریر سے، دریافت ہوتا ہے۔ پس سمجھنا چاہئے کہ اس امر کی ناقابل تردید شہادت موجود ہے کہ ساتویں (تیرھویں) صدی کے ابتدائی حصہ سے لے کر دسویں (سولھویں) صدی کے تقریباً نصف اختتام تک جیحون کا بڑا پاٹ (سوائے اس تھوڑے سے پانی کے جو نہروں کے ذریعہ بہہ کر اس وقت بحیرۂ ارل میں گر جاتا تھا) بحیرۂ خزر کا وہی راستہ اختیار کرتا تھا، جو اسکندر اعظم کے زمانہ میں

(۲۵۶)

کردیا ہے، اور کُنیا اُوِرْد سے ہوکر، جسے اَقْرَنْجَہ بھی کہتے تھے، وہ بحیرۂ خزر میں گرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ بحیرۂ ارل اُس کے زمانہ میں کچھ نہ رہا تھا۔ مزید براں روگانز الیز دی کلیو بجو (Ruy Gonzalez de Clavijo) نے، جو ہسپانوی سفیر ہونے کی حیثیت سے ۸۰۸ھ (۱۴۰۵ء) میں، یعنی چند سال پیشتر اس سے کہ حافظ ابرو یہ حالات قلمبند کرے اس علاقہ میں آیا تھا، حافظ ابرو کے بیان کی تصدیق اپنی اس عبارت سے کی ہے کہ "دریائے جیحون بحیرۂ باکو میں گرتا ہے"۔ بحیرۂ باکو سے مراد بحیرۂ خزر ہی ہو سکتی ہے۔ مگر یہ ماننا پڑے گا کلیو بجو نے یہاں سنی سنائی بات لکھی ہے۔

اس کی وجہ کہ دریائے جیحون نے کیوں اپنا پہلا راستہ چھوڑ کر بحیرۂ ارل میں گرنا شروع کیا بالکل معلوم نہیں۔ لیکن یہ تبدیلی یقیناً دسویں (سولھویں) صدی کے اختتام سے پہلے واقع ہوئی ہوگی، کیونکہ ابوالغازی جو اُرگنج کا رہنے والا تھا اس کا ذکر ایسے الفاظ میں کرتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۹۸۴ھ (۱۵۷۶ء) میں، ابوالغازی کی پیدائش سے تیس برس قبل، دریائے جیحون بحیرۂ ارل کا راستہ قطعی اختیار کر چکا تھا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ دریائے جیحون نے اس زمانہ یعنی ۹۸۴ھ (۱۵۷۶ء) ہی میں اپنا نیا راستہ نکالا تھا، اور خست منارہ تپی سے کچھ آگے نکل کر خم کھا کر وہ سیدھا بحیرۂ ارل کی طرف جاتا تھا۔ رہ گزر کی تبدیلی کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ شہر اُرگنج اور بحیرۂ خزر کے درمیان کی تمام زمینیں پانی کی کمی کی وجہ سے بالکل خشک بیابان ہو گئیں۔ ابوالغازی اپنی کتاب کے ایک اور موقع پر جہاں گذشتہ زمانہ کے واقعات لکھتا ہے وہاں ۹۲۸ھ سے ۹۳۷ھ (۱۵۲۲-۱۵۳۱ء) تک کے حالات میں لکھتا ہے

سنائی دیتا ہے۔ عَقبۂ حَلَم سے آگے ایک مقام پر، جسے خَلخال کہتے تھے، اور جو عقبۂ حلم سے تین دن کی راہ پر تھا، دریائے جیحون بحیرۂ خزر میں گرجاتا تھا۔ خلخال ماہی گیری کا مقام تھا۔
عقبۂ حلم (یعنی حلم کی پہاڑی) کے موقع کو مستوفی نے اپنے سیاحت نامہ میں بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ ترک اس مقام کو کَیز لادوہ (یا کُرلادی) کہتے تھے۔ حلم کا شہر اُدگنج قدیم اور ادگنج نو کے درمیان واقع تھا، اور اُدگنج نو، ادگنج قدیم کے بعد آباد ہوا تھا۔ ادگنج قدیم کو مغلوں نے ساتویں (تیرھویں) صدی میں برباد کیا تھا۔ بحیرۂ خزر کے بیان میں مستوفی جزیرۂ آبسکون (صفحہ حاشیہ ۲۷۹) کے بندرگاہ کے حال میں لکھتا ہے کہ اس کے زمانہ میں یہ جزیرہ سمندر میں غرق ہو گیا تھا" کیونکہ دریائے جیحون نے جو پہلے یاجوج ماجوج کے ملک کے سامنے مشرقی بحیرہ (یعنی بحیرۂ ارل) میں گرتا تھا، مغلوں کی یورش کے زمانہ سے اپنا راستہ بدل دیا ہے اور اب وہ بحیرۂ خزر میں گرتا ہے، اور چونکہ اس بحیرہ کے پانی کے لئے باہر نکلنے کو کوئی راستہ نہ تھا اس لئے دریائے جیحون کے شامل ہونے سے پانی کی سطح بلند ہوئی اور خشک زمین کا یہ ٹکڑا (یعنی جزیرہ آبسکون) سمندر میں ڈوب گیا۔"

(۴۵۷)

مذکورہ بالا تمام بیان کی تصدیق حافظ ابرو کی تحریر سے ہوتی ہے، جس نے ۸۲۰ھ (۱۴۱۷ء) میں دریائے جیحون کا حال لکھا ہے۔ یہ مصنف تیمور کے فرزند اور جانشین شاہ رُخ کی سرکار میں ملازم تھا، اور یقیناً ذاتی علم کی بناپر وہ اس نواح کی جغرافیہ سے بخوبی واقف ہوگا۔ اپنی کتاب کے دو مختلف مقامات پر وہ لکھتا ہے کہ سال متذکرہ صدر میں دریائے جیحون نے جو پہلے بحیرۂ خوارزم (یعنی ارل) میں گرتا تھا اپنا راستہ تبدیل

صوبہ کی زمین نہایت زرخیز تھی، اور اس میں روئی کی فصلیں اچھی اگتی تھیں۔ بھیڑوں کے گلوں سے اون بہت حاصل ہوتا تھا۔ بحیرۂ ارَل کے پاس کی مردابی زمینوں میں مویشیوں کے بڑے بڑے گلے پلتے تھے، اور مختلف قسم کا پنیر اور دہی باہر بھیجا جاتا تھا۔ جُرجانیتہ کے بازار طرح طرح کی قیمتی پوستینوں اور سمور کی وجہ سے مشہور تھے۔ یہ چیزیں دریائے والگا کے ملک بُلغار سے لائی جاتی تھیں، اور ان کی ایک بڑی فہرست مقدسی اور مقدسی کے علاوہ دوسرے مصنفوں نے نقل کی ہے۔ اس میں حسب ذیل چیزیں بیان ہوئی ہیں:- دَلَق، سیاہ دَلَق، سمور، ثعلب

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۱۲) غور کیا تھا، اور جو عرب اور ایرانی مصنفوں کی اصلی کتابوں سے واقف تھا وہ ہمیشہ یہی رائے ظاہر کرتا رہا کہ چند صدیوں تک دریائے جیحون بلاشبہ بحیرۂ خزر میں گرتا رہا ہے۔ یہ بھی بیان کردینا ضروری ہے کہ مسلمان جغرافیہ نویسوں نے بحیرۂ خزر اور بحیرۂ ارل کے بہت سے مختلف نام لکھے ہیں۔ اس اختلاف کی وجہ سے اس مضمون میں اور بھی خلط مبحث پیدا ہو جاتا ہے۔ بحیرۂ کاسپین کو یہ لوگ بالعموم بحیرۂ خزر کہتے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ اس بحیرہ کے دوسرے ساحلوں پر قوم خزر کے قبیلے آباد تھے۔ لیکن علاوہ اس نام کے چند مختلف اور مشہور صوبوں اور علاقوں کے نام پر جو اس بحیرہ کے ساحلوں پر تھے، ان مسلمان جغرافیہ نویسوں نے اس بحیرہ کا نام بحیرۂ طبرستان، بحیرۂ مازندران، بحیرہ آبسکون، یا بحیرۂ جرجان بھی لکھا ہے، اور بعض وقت غلطی سے بحیرۂ قلزم بھی لکھ دیا ہے، حالانکہ اس سے صحیح مراد وہی سمندر ہے جسے (انگریزی میں) ریڈ سی (Red Sea) کہتے ہیں بحیرۂ ارَل کا نام بالعموم

اُرگنج سے بحیرۂ خزر کے کنارے کے شہر ابوالخان تک دریائے جیحون جس راستہ سے گذرتا تھا اس کے کنارے مزروعہ زمینوں اور تاکستانوں کا ایک سلسلہ برابر چلا گیا تھا، اور یہی راستہ دریا کے رہ گزر کا آخری حصہ تھا۔ بہرکیف ابوالغازی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے دریا کے راستہ کی تبدیلی کو اصل واقعہ سے بہت بعد کا بتایا ہے، کیونکہ ۹۶۶ھ (۱۵۵۸ء) میں جب انتھونی جنکنس Anthony Jenkinson دورہ کرتا ہوا خِیْوَہ پہنچا ہے تو اُس وقت لکھتا ہے کہ دریائے جیحون مثل سابق اب بحیرۂ خزر میں نہیں گرتا" کیونکہ اُس نے اِس عظیم الشان دریا کو دیکھا تو اُس کو بحیرۂ ارل میں گرتے دیکھا[1]۔ (۴۵۸)

خوارزم کی بڑی پیداوار، سامان خورد و نوش، غلہ اور میوہ تھا۔

[1] مقدسی ص ۲۸۵ + یاقوت ج ۴۔ ص ۶۷۰ + مستوفی ص ۱۹۷، ۲۱۳، ۲۲۵ + جہاں نما ص ۳۰۶ + حافظ ابرو ص ۲۷ (b)، ۳۲ (b) + ابوالغازی ص ۲۰۷، ۲۹۱ + کلیوبجو کی Embassy ص ۱۱۸ + ہیکلوٹ Principal Navigations ج ۲۔ ص ۴۶۱، ۴۶۲ (Voyage of Anthony Genkinson) + پروفیسر دی گویہ نے اپنی کتاب (Das alte Bett des Oxus) (لیڈن ۱۸۷۵ء) میں ایرانی مصنفوں کے بیانات کو غیر معتبر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، اور اُس کا خیال ہے کہ زمانۂ وسطےٰ کے تمام دور میں دریائے جیحون آج کل کی طرح بحیرۂ ارل ہی میں گرتا تھا۔ لیکن اِس امر کے متعلق جو شہادتیں دستیاب ہوتی ہیں کہ دریائے جیحون کے پانی کا کم از کم ایک حصہ تقریباً تین صدی تک ضرور بحیرۂ خزر کی طرف کا پرانا راستہ اختیار کرتا تھا، ان شہادتوں توڑنا ناممکن ہے۔ اِس کے علاوہ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ سر ایچ۔ اسی، رالنسن (Rawlinson) جس نے اِس مسئلہ پر ایک عملی جغرافیہ داں ہونے کی حیثیت سے (بقیہ حاشیہ بر صفحہ آیندہ)

باب سی و سوم

سُغد

بخارا اور اُس کی فصیل کے اندر کے پانچ شہر۔ بیکند۔ سمرقند،
کوہستان بُتم۔ اور دریائے زرافشان یا سُغد۔ کرمینیہ۔ دبوسیہ
اور ربنجن۔ کِش اور نَسف اور قریب کے دوسرے شہر۔ سُغد کی
پیداوار۔ دریائے جیحون کے پار سمرقند تک کے راستے۔

صوبہ سغد یا قدیم ملک سگ دیانا کی نسبت سمجھنا چاہیے کہ اُس میں وہ تمام زرخیز زمینیں شامل تھیں جو دریائی جیحون و سیحون کے درمیان واقع تھیں، اور جن کو دو بڑے دریا اور ان کے معاون سیراب کرتے تھے۔ ان میں ایک دریائے زرافشان تھا جسے دریائے سغد بھی کہتے تھے، اور جس پر سمرقند اور بخارا کے شہر آباد تھے۔ دوسرا دریا وہ تھا جو کش اور نسف کے شہروں سے گزرتا ہوا گیا تھا۔ یہ دونوں دریا جنوب مغرب کے ریگستان میں، جو خوارزم کی طرف تھا، پانی اور دلدل کی زمینوں یا کم آب جھیلوں میں ختم ہو جاتے تھے۔ بہرکیف سُغد کا اطلاق عام طور سے اُس علاقہ پر ہوتا تھا جو سمرقند کے گرد واقع تھا۔ بخارا، کِش اور نَسف کے علاقے جدا جدا حیثیت رکھتے تھے۔

دنیا کی چار بہشتوں میں ایک صوبہ سغد بھی شمار کیا جاتا تھا۔ اس کی شان و شوکت تیسری (نویں) صدی میں ملوک سامانیہ کے دور حکومت میں اوج کمال

دو قسم کی عود بلاؤ کی کھالیں، اور ان کے علاوہ قاقم یعنی گلہری کی کھال، اور دو قسم کے خز، یعنی نیولوں کی کھالیں۔ قاقم اور خز کی صدریاں اور نیمے بنائے جاتے تھے۔ ان کے علاوہ خرگوش اور بکرے کی رنگی ہوئی کھالیں اور جنگلی گدھوں کی کھالیں بھی جرجانیہ کے بازاروں میں دستیاب ہوتی تھیں۔

صوبہ کی قدرتی پیداوار اور مصنوعات میں موم، توز کے درخت کی چھال، جو ڈھالوں پر لگائی جاتی تھی، مچھلی کا سریش، مچھلی کی ہڈیاں، عنبر، چوب خلنج، شہد، اخروٹ، تلواریں، جوشن یا چار آئینہ اور کمانیں تھیں۔ (۴۵۹) خوارزم کے باز اور شکرے مشہور تھے۔ انگور، منقی، اور تل کی کاشت یہاں بہت ہوتی تھی۔ یہاں کے کارگاہوں میں قالین، پوستینیں، سوت اور ریشم کی ملی ہوئی زربفت بنی جاتی تھی۔ سوتی اور ریشمی دونوں قسم کے کپڑوں کے پٹکے اور نقاب، اور مختلف قسم کے رنگین کپڑے دساور کئے جاتے تھے۔ صوبہ کے شہروں میں لوہار قفل بھی عمدہ تیار کرتے تھے۔ یہاں کے لوگ درخت کے تنے کو کھوکھلا کر کے اس کی کشتی بناتے تھے، اور یہ کشتیاں یہاں کی متعدد نہروں میں چلانے کے لئے تیار کی جاتی تھیں۔ بہرکیف چوتھی (دسویں) صدی میں خوارزم میں سب سے بڑی تجارت غلاموں کی تھی۔ ترکی لڑکوں اور لڑکیوں کو صحراء کے خانہ بدوش قبیلوں سے چوری کر کے یا خرید کر لے آتے تھے اور ان کو تعلیم دے کر اور مسلمان بنا کر مختلف اسلامی ملکوں میں فروخت ہونے کے لئے بھیج دیتے تھے۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ یہی غلام بسا اوقات حکومت کے بڑے بڑے منصبوں پر فائز ہو جاتے تھے[۱]۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۱۳) بحیرۂ خوارزم تھا۔ اور دار الحکومت خوارزم یعنی جرجانیۃ کے نام پر بحیرۂ ارل کو بحیرہ جرجانیۃ بھی کہتے تھے۔ یہ اخیر نام ایسا تھا جسے غلطی سے بحیرۂ جرجان پڑھ لینا آسان تھا۔ اس وجہ سے کاسپین (بحر جرجان) اور ارل (بحیرہ جرجانیہ) میں خلط ملط واقع ہو گیا۔ ایران کے جغرافیہ نویس ارل کو بحیرۂ مشرق بھی لکھتے ہیں۔ مگر ان تمام باتوں سے ان حالات کی تردید نہیں ہو سکتی جو مستوفی، حافظ ابرو اور ابو الغازی لکھتے ہیں۔

[۱] اصطخری ص ۳۰۴، ۳۰۵ + ابن حوقل ص ۳۵۷ + مقدسی ص ۳۲۵ +

کی شہر پناہ میں سات آہنی دروازے حسب ذیل تھے۔ ۱۔ (۱) باب المدینہ (۲) باب نور (یا نوبن)' (۳) باب حُضّرَہ (۴) باب الحدید (۵) باب القُهَندِز (۶) باب ممم یا باب بنی اسد اور سب سے آخریں (۷) باب بنی سعد۔ ہن کا علم نہیں کہ یہ دروازے کہاں کہاں اور کس کس سمت میں تھے۔ لیکن باب القُهَندِز یقیناً شمال مغرب میں ریگستان کی طرف کھلتا ہوگا۔ یہ مقام شہر بخارا کا بڑا رمنہ یا چوک ہے' جو اس وقت سے آج تک مشہور چلا آتا ہے۔

قلعہ کے صرف دو دروازے تھے' ایک کو باب الریجستان یا باب السہل (یعنی ریتیلے میدان والا دروازہ) اور دوسرے کو باب الجامع کہتے تھے۔ باب الجامع مسجد کی طرف کھلتا تھا۔ یہ جامع مسجد بھی چوک یعنی ریگستان میں شہر کے باب القُهَندِز کے قریب واقع تھی۔ شہر کے باہر والی بستیوں میں سے دس سڑکیں گزرتی تھیں۔ ان میں ہر ایک سڑک اپنے ہی نام کے دروازے پر ختم ہوتی تھی۔ ان تمام سڑکوں کے نام مقدسی اور اصطخری دونوں نے بہت احتیاط سے لکھے ہیں۔ بیچ بیچ میں بھی ان سڑکوں پر بہت سے دروازے تھے' جن کے بند کر دینے سے ان بیرونی بستیوں کے مختلف محلے ایک دوسرے سے علیحدہ اور سربستہ ہو جاتے تھے۔ ان دروازے میں اکثر آہنی تھے۔ جامع مسجد قلعہ کے پاس تھی۔ اس کے علاوہ اور چھوٹی چھوٹی مسجدیں بکثرت تھیں۔ بازار' اور چوک بے شمار تھے۔ چوتھی (دسویں) صدی کے ختم ہونے کے قریب قلعہ سے باہر نکلتے ہی دارالامارۃ اس چوک میں نظر آتا تھا' جسے ریگستان کہتے تھے۔ ابن حوقل نے یہاں کی بڑی بڑی نہروں کا حال مفصل لکھا ہے۔ یہ نہریں دریائے سُغد کے بائیں جانب سے نکل کر بخارا اور شہر کے گرد سطح زمین میں باغوں کو پانی پہنچانے کے بعد بالآخر جنوب مغرب کی طرف بَیکَند کے قریب' جو آمل کی سڑک پر تھا ریگستان میں غائب ہو جاتی تھیں ان میں سے ایک نہر بھی دریائے جیحون تک نہ پہنچی تھی۔ دریائے سُغد کا آخری حصہ یہاں سیام خاس یا خواش کہلاتا تھا۔[1]

قدیم شہر بخارا یعنی اسلام سے قبل کا جو شہر تھا' اس کے کھنڈر اسلامی شہر کے

[1] اصطخری ص ۳۰۵-۳۰۹ ابن حوقل ص ۳۵۵-۳۵۸ مقدسی ص ۲۸۰' ۲۸۱ یاقوت ج ۱ ص ۵۱۷۔

کو پہنچی تھی۔ اس کے بعد کی صدی میں بھی اُس کی شان ایک ایسے زرخیز اور دولتمند علاقے کی رہی جس کا مقابلہ کسی اور علاقہ سے نہیں کیا جا سکتا، اور اس کے دو بڑے شہروں یعنی بخارا اور سمرقند کی نسبت کہہ سکتے ہیں کہ ان میں سمرقند سیاسی اعتبار سے اور بخارا مذہبی اعتبار سے دارالحکومت صوبہ تھا۔ دونوں درجے میں برابر اور سُغد کے دارالحکومت تھے۔[1]

(۴۶۱) بخارا کو نُوجکث بھی کہتے تھے۔[2] چوتھی (دسویں) صدی میں اس کے گرد شہر پناہ تھی۔ شہر وسعت میں عرض میں ایک فرسخ ہر سمت سے تھا، اور دریائے سُغد کی بڑی شاخ سے کچھ دور جنوب میں ایک ہموار میدان میں واقع تھا۔ بخارا کے قریب جوار میں کہیں پہاڑیاں نہ تھیں اور اُس کے گرد بہت سے شہر، محلات، اور باغات ایک وسیع رقبے میں واقع تھے۔ اس رقبہ کا طول وعرض دونوں بارہ بارہ فرسخ تھے، اور کل رقبہ کے گرد ایک دیوار کھینچی تھی، جس کا دور سو میل سے زائد تھا۔ اسی وسیع احاطہ میں دریائے سُغد اور اُس کی نہریں گزرتی تھیں۔

خاص شہر بخارا سے باہر مگر اُس کی فصیل سے متصل سمت شمال مغرب میں بخارا کا قلعہ تھا جو بجائے خود ایک چھوٹے سے شہر کی مانند تھا۔ اس قلعہ میں حاکم صوبہ رہتا تھا، اور اسی میں محبس اور خزانہ تھا۔ شہر سے فاصلے پر اور شہر کے گرد بڑی بڑی بستیاں تھیں، جو دریائے سُغد کی بڑی شاخ تک چلی گئی تھیں اور دریا کے جنوبی کنارے پر دور تک آباد تھیں۔ باہر کی ان بستیوں میں بڑی بستیاں شہر کے مشرق میں واقع تھیں۔ ان کے نام ذرَاب نوبھار۔ ذرَاب سمرقند اور درب رامیثنہ تھے۔ ان کے علاوہ اور بہت سی بستیاں تھیں، جن کے نام نقل کرنے باعث طوالت ہوں گے۔ ان کے موقع بتانے کہ دراصل کہاں واقع تھیں اب ممکن نہیں بخارا

---

[1] اصطخری ص ۳۱۶ + ابن حوقل ص ۳۶۵ + مقدسی ص ۲۶۱، ۲۶۶ ۔ ۲۶۸ + یاقوت ج ۳ ص ۲۹۴

[2] نُومجکث یا نُوجکث اصلی نام ہے۔ لیکن نقطوں کے غلط جگہ لگ جانے کی وجہ سے اسے اکثر اوقات بُومجکث پڑھ لیا جاتا ہے۔ مقدسی ص ۲۶۷۔ حاشیہ (ح)۔ اس نام کا اصلی تلفظ چینی سیاحوں کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے جنھوں نے بخارا کا املا ...ھی لکھا ہے۔

زیر و زبر کر گئی تھی۔ بینکنڈ اب تک موجود ہے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں اس شہر کی فصیل میں صرف ایک دروازہ تھا، اور شہر خوب متحصن و مستحکم تھا۔ آبادی کے اندر ایک جامع مسجد تھی، جسے قیمتی سنگ مرمر سے مزین کیا گیا تھا، اور قبلہ رُو محراب میں سونے کا کام تھا۔ بینکنڈ کے باہر کی بستیوں میں ایک بازار لگتا تھا، لیکن شہر کے گرد قریے نہ تھے، بلکہ صرف بہت سے رُباط تھے، جن کی تعداد مجموعی طور پر ایک ہزار بتائی جاتی ہے۔ شہر سے آگے وہ ریگستان ہے جو دریائے جیحون کے کنارے کنارے چلا گیا ہے۔

زمانۂ وسطیٰ کے تمام ابتدائی دور میں بخارا نے اپنی شان و شوکت اور برتری قائم رکھی، لیکن ۶۱۶ھ (۱۲۱۹ء) میں مغلوں کی یورش کا سامنا پیش آیا۔ مغلوں نے شہر کو لوٹا اُسے بالکل غارت کر دیا۔ اس تباہی کے بعد ایک صدی، بلکہ اس سے بھی زیادہ عرصہ تک شہر پنپ نہ سکا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے اوائل میں ابن بطوطہ یہاں آیا تھا، اور شہر کے باہر فتح آباد کی بستی میں ٹھہرا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ اس وقت تک شہر کی مسجدیں، مدرسے، اور بازار اکثر اُسی شکستہ حالت میں پڑے تھے جس میں چنگیز خان نے انہیں چھوڑا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ آٹھویں (چودھویں) کے آخر میں جب تیمور کی حکومت کا زمانہ آیا، جس نے سمرقند کو اپنا دارالسلطنت قرار دیا تھا، تو بخارا نے اپنی پرانی شان و شوکت کسی قدر پھر حاصل کر لی[1]۔

سمرقند دریائے سُغد کے چڑھاؤ کے رخ بخارا سے شرق میں تقریباً ایک سو پچاس کا فاصلہ رکھتا تھا، اور اسی دریا کے بائیں کنارے سے تھوڑی دور ایک بلند قلعہ بھی اُسی بلندی پر بنا ہوا تھا جس پر شہر تھا۔ قلعے کے نیچے کنارِ دریا کے قریب بڑی بڑی بستیاں تھیں۔ سمرقند کے چاروں طرف ثمرستان، محل، اور محلوں کے باغ تھے۔ جن کو بے شمار نہریں سیراب کرتی تھیں۔ سرو کے درخت یہاں نہایت شاندار

[1] اصطخری ص ۳۱۲۔ ۳۱۵ + ابن حوقل ص ۳۶۲۔ ۳۶۴ + مقدسی ص ۲۰۱، ۲۰۲
یاقوت ج ۱۔ ص ۲۷، ۴۴، ۸۰ + ج ۲ ص ۵۹۲ + ابن بطوطہ ج ۳ ص ۲۷ + E. Schuyler
کی کتاب Turkistan ج ۲ ص ۸۹۔

شمال مغرب میں دریا کے کنارے کے قریب واقع ہیں۔ یہ کمندر دیّا میثن کہلائے جاتے تھے، اور مقدسی چوتھی (دسویں) صدی میں لکھتا ہے کہ یہاں اب تک پرانے شہر کے عظیم الشان آثار جہاں تک باقی ہیں نظر آتے ہیں۔ بخارا کی ہموار زمین کے گرد جو بڑی فصیل (سو میل سے زیادہ کے دور کی) تھی اس کے اندر بارونق شہر آباد تھے۔ ان میں شہر خُجادَہ یا خُجادہ بخارا سے بیکند جانے والی سڑک سے مغرب کی طرف ایک فرسخ، اور دارالحکومت بخارا سے تین فرسخ کے فاصلے پر واقع تھا۔ مقدسی لکھتا ہے کہ خُجادَہ ایک بڑا اور خوش گوار شہر تھا، اور اُس میں ایک جامع مسجد اور قلعہ تھا۔ اس سے آگے بڑھ کر مَغکان کا شہر بخارا سے پانچ فرسخ اور بڑی سڑک سے تین فرسخ بڑی فصیل کے مغربی دَور سے نزدیک واقع تھا۔ مَغکان میں ایک جامع مسجد تھی، شہر متحصن تھا، اور اُس کے باہر بھی بستیاں تھیں۔ ان کے علاوہ شہر کے گرد بہت سے گاؤں تھے۔ یہاں کی زمینوں میں آب پاشی بکثرت ہوتی تھی۔

تمجکث یا تُمُشکَث (جسے اکثر کتابت کی غلطی سے بُمجکث یا بُومجکث بھی لکھا گیا ہے) ایک چھوٹا سا شہر بخارا سے شمال مغرب میں چار فرسخ کے فاصلے پر بڑی سڑک سے نصف فرسخ ہٹا ہوا اُس سڑک کے بائیں ہاتھ کو جو طَواویس گئی تھی، واقع تھا۔ الطَّوَاویس (جیسا کہ یہ نام اکثر لکھا جاتا ہے) طاؤس کی جمع ہے۔ اس میں ایک بڑا بارونق بازار تھا، اور خراسان کے ہر حصہ کے سوداگروں کی یہاں آمدورفت رہتی تھی۔ یہاں کے سوتی کپڑے عراق کو رسادر کیے جاتے تھے۔ شہر خوب متحصن تھا۔ اُس میں ایک قلعہ تھا اور شہر کی جامع مسجد بازار میں واقع تھی۔ بڑی (سو میل والی) فصیل کے اندر پانچواں شہر زَنْدَہ تھا، جو اب تک موجود ہے۔ اس کی نسبت بیان ہوا ہے کہ وہ بخارا سے شمال میں چار فرسخ کے فاصلے پر واقع تھا۔ یہ شہر خوب متحصن تھا، اور اُس میں ایک جامع مسجد تھی۔ ایک بڑی بستی شہر پناہ کے باہر تھی۔ یاقوت لکھتا ہے کہ یہاں کے سوتی کپڑے جو شہر کے نام پر زندجی کہلاتے تھے، دور و نزدیک مشہور تھے۔ (۴۶۳)

بڑی (سو میل والی) فصیل سے باہر دو فرسخ باہر کی طرف بخارا سے پانچ فرسخ پر بیکند کا شہر اُس سڑک پر تھا جو بخارا سے دریائے جیحون کی طرف جنوب میں

دو دروازے باب سُوخسین اور باب اَفشِینَہ تھے۔ ان دونوں کے بعد باب کوھک آتا تھا۔ یہ اُس بلندی کی طرف کھلتا تھا جہاں شہر اور قلعہ تھا۔ اس کے بعد دو دروازے یعنی بابِ رِیوْدَد (?) اور بابِ فَرْخشِید (?) تھے۔ سب سے اخیر میں بابِ غَرَّنخشِید تھا۔ باہر کی بستیوں کی تمام بازار والی سڑکوں کا منتہا شہر میں رأس الطاق تھا، اور تمام سڑکوں پر پتھر کے چوکوں کا فرش تھا۔ ان بستیوں کے بازار تجارت کا بڑا مرکز بنے ہوئے تھے۔ سوداگر اور سوداگری کا مال ان میں بھرا رہتا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ سمرقند کے شہر میں تمام ماوراء النہر کا تجارتی مال آکر ذخیرہ ہوا کرتا تھا۔ من جملہ دیگر سامان تجارت کے شہر سمرقند کا کاغذ تمام ایشیا میں مشہور تھا۔ کاغذ سازی چینیوں سے سیکھ کر لوگوں نے یہاں شروع کی تھی۔ شہر کی آب و ہوا مرطوب تھی۔ شہر اور اُس کے باہر کی بستیوں میں ہر گھر کے ساتھ خانہ باغ ہوتا تھا۔ چنانچہ اس قلعہ کی بلندی سے شہر کو کھڑے ہو کر دیکھئے تو وہ درختوں کا ایک سمندر معلوم ہوتا تھا۔ شہر کے جنوب میں کوھک کی پہاڑی تھی۔ جو دراصل ان پہاڑوں کی ایک شاخ تھی جو شہر سے آگے ایک دن کی راہ میں واقع تھے۔

سمرقند بلکہ تمام ماوراء النہر کی چند روزہ تباہی کا باعث مغل تھے، جنھوں نے سنہ ۶۱۶ (۱۲۱۹ء) میں اس شہر کو تقریباً غارت کر دیا۔ چنانچہ اس کے بعد کی صدی، یعنی آٹھویں (چودھویں) صدی میں جب ابن بطوطہ یہاں آیا ہے تو اُس نے لکھا کہ شہر کی اب فصیل باقی ہے اور نہ فصیل کے دروازے۔ صرف چند آباد گھر ہیں جو کھنڈروں کی بھول بھلیاں میں کہیں کہیں نظر آتے ہیں۔ اس سیاح نے یہاں کے دریا کا نام نَہرُ القَصَّارِین (کندہ بنانے والوں کی نہر) لکھا ہے (غالباً اس کی مراد دریائے سُغد کی ایک نہر سے ہے)۔ وہ لکھتا ہے کہ اس دریا پہ بہت سے رہٹ (النواعیر) تھے۔ بہرکیف سمرقند کی شان و شوکت اس زمانہ کے تھوڑی مدت بعد پھر بحال ہو گئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ آٹھویں (چودھویں) صدی کے اواخر میں تیمور نے سمرقند کو اپنا دار السلطنت قرار دیا۔ اور شہر کو دوبارہ تعمیر کرا کے اُس میں بڑی بڑی مسجدیں اور کاروان سرائیں تیار کرائیں۔

ہوتے تھے قلعے کے اندر حاکم شہر کا محل اور محلس تھا، لیکن جب ابن حوقل نے اپنی کتاب لکھی ہے اس قلعے کے اکثر حصے کھنڈر ہو چکے تھے۔ یاقوت لکھتا ہے اس میں لوہے کے دوہرے دروازے تھے۔ خاص شہر سمرقند کے چار دروازے تھے۔ ان میں پہلا دروازہ باب الصین (یعنی چین والا دروازہ) مشرق کی طرف تھا۔ یہ دروازہ بلندی پر تھا، اور نیچے سے سیڑھیاں چڑھ کر اس پر پہنچتے تھے۔ اس دروازے سے دریا خوب نظر آتا ہے۔ دوسرا دروازہ باب بخارا شمال کی طرف تھا، تیسرا دروازہ باب النوبہار تھا، یہ بھی بلندی پر تھا۔ چوتھا دروازہ باب الکبیر جنوب کی طرف تھا۔ اسے باب کش بھی کہتے تھے۔ (۴۶۴)

یاقوت کی تحریر کے مطابق شہر سمرقند کا رقبہ دو ہزار پانچ سو جریب (یعنی تقریباً سات سو پچاس ایکڑ) تھا، اور شہر کے رقبہ میں بہت سے بازار اور حمام تھے۔ ان میں اور اہل شہر کے سکونتی مکانوں میں سیسے کے نلوں سے پانی آتا تھا۔ ان نلوں کا تعلق ایک بڑے سیسے کے نل سے تھا جو باب کش سے شہر کے اندر آیا تھا۔ پانی اس بڑے نل میں شہر کے باہر کی نہروں سے آتا تھا، اور ان نہروں سے ایک بڑے نل کو ایک بڑا بند باندھ کر اس کے اوپر لے گئے تھے۔ بازاروں میں جہاں نل نکالے گئے تھے ان کی نسبت بیان ہوا ہے کہ پتھر کے پائے بنا کر ان کے اوپر ان نلوں کو قائم کیا تھا۔ سمرقند کے بڑے بازار کا نام راس الطاق تھا، اور یہ ایک عمدہ چوک تھا۔ جامع مسجد اور بعد کے زمانہ کا دارالامارۃ دونوں بالکل قلعہ کے نیچے واقع تھے۔ شہر کے مکانات لکڑی اور کچی اینٹ دونوں کے تھے، اور شہر میں آبادی بڑی کثرت سے تھی۔

شہر سمرقند کی باہر کی بستیاں دریا کے کنارے نشیب میں واقع تھیں۔ ان بستیوں کے گرد خشکی کی طرف ایک فصیل نصف دائرہ کی شکل میں کھینچ دی گئی تھی، جو طول میں دو فرسخ تھی۔ شمال میں دریا دائرے کے قطر کی طرح واقع ہوا تھا۔ غرض اس طرح باہر کی بستیوں کا حلقہ حفاظت مکمل کر دیا گیا تھا۔ اس فصیل میں آٹھ دروازے تھے، شہر کے مختلف راستے سب ان ہی دروازوں کی طرف آتے تھے۔ دروازوں کے نام یہ تھے باب سنداد تھا اس کے بعد باب اشبسنک، پھر

یہ صوبہ کا سب سے زیادہ صحت بخش حصہ تھا۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ یہاں وَزکَرد کے مقام پر عیسائیوں کا ایک گرجا تھا (غالباً یہ مسیحی فرقہ نسطوری کے لوگ تھے)۔ یہاں عیسائی بہت آتے تھے، اور گرجا کی آمدنی بھی بہت تھی۔ یہاں کی پہاڑی گھاٹیاں بہت زرخیز تھیں، اور ہر ایک گھاٹی کی زمین بھی ندی کے پانی سے خوب سیراب ہوتی تھی۔ ندی کے کنارے خرمن گاہ ہوتے تھے۔ جتنی فصلیں بوئی جاتی تھیں بہت اچھی اگتی تھیں۔ قریب کا علاقہ اَلدَّرْغَمْ زیادہ تر مرغزاروں پر مشتمل تھا، لیکن یہاں انگور افراط سے ہوتا ہے۔ اَلدَّرْغَمْ کی سرحد پر علاقہ اَوْفو یا اَلبِغَر تھا جس میں بہت سے معمور گاؤں تھے۔ ہر گاؤں کے ساتھ دو دو فرسخ چوڑے چراگاہ تھے جس میں مویشیوں کے بڑے بڑے گلے پرورش پاتے تھے۔ علاقہ اَوْفر سَمَرْقند اور دریائے سُغْد کے جنوب میں سب سے آخری علاقہ تھا۔

دریائے سُغْد کے شمالی کنارے پر صوبۂ اُشْرُوسنہ کی سمت میں علاقہ بُوزْماجَن یا بُوزْماجز تھا۔ اس علاقہ کا بڑا شہر بارکث یا اَبارکَث سَمَرْقند سے شمالی مشرق میں چار فرسخ یا ایک دن کی مسافت پر واقع تھا۔ اس سے اور چار فرسخ شمال میں خُشُوفَگَن کا بڑا گاؤں تھا جسے بعد کے زمانہ میں رأس القنطرہ کہنے لگے تھے۔ اس سے آگے چل کر علاقہ بُوزْمَجَذ یا فُورْنَمَذ صوبۂ اُشْروسنہ کی سرحد کے قریب واقع تھا، اس سے آگے اور زیادہ شمال کی طرف علاقہ یارکَث تھا۔ علاقہ بُورْنَمَذ اور یارکث کے مرغزار مشہور تھے۔

سَمَرْقند سے سات فرسخ عین شمال کی طرف اِشْتِیخَان کا شہر دریائے سُغْد کی نہروں کے کنارے واقع تھا۔ اس میں ایک مستحکم قلعہ اور شہر کے باہر بستیاں تھیں؛ یہاں کی زمینیں غلہ کی پیداوار میں مشہور تھیں۔ اِصْطَخری نے اسی زرخیزی کے باعث اس شہر کو "ھراتِ سُغْد" لکھا ہے[1]۔

---

[1] اصطخری کی کتاب میں ان الفاظ کا پتہ نہیں چلتا۔ نہ معلوم مصنف نے یہ الفاظ کس کتاب

ان عمارتوں کو ۸۰۸ھ (۱۴۰۵ء) میں ہسپانوی سفیر کلیویجو نے دیکھا تھا۔ ان میں سے چند عمارتیں اب تک باقی ہیں۔ بالخصوص سمرقند کی جامع مسجد۔ علی یزدی لکھتا ہے تیمور نے ہندوستان کی فتوحات سے واپس آکر یہ مسجد تعمیر کرائی تھی، اور جو خزانے وہ ان لڑائیوں سے لایا تھا انہی سے اس مسجد نے شان وشوکت حاصل کی تھی۔ ہسپانوی سفیر کلیویجو نے اس زمانہ کے سمرقند کی نسبت لکھا ہے کہ شہر کے گرد کوئی فصیل نہ تھی۔ وہ لکھتا ہے کہ سمرقند اس کی وطنی شہر اشبیلیہ سے کچھ ہی بڑا تھا۔[1]

سمرقند کے گرد کے تمام علاقے، خصوصاً مشرق اور جنوب کے علاقے، بلکہ دریائے سُغد کے شمالی علاقے بھی نہایت حاصل خیز تھے۔ سمرقند سے نو فرسخ مشرق میں، سمرقند کی طرح دریا کے جنوبی کنارے پر بَنجِیکَث کا شہر (جو آج کل پنجکنت کے نام سے موجود ہے) بڑے بڑے باغوں سے گھرا ہوا کھڑا تھا، جن میں بادام اخروٹ خصوصاً نہایت عمدہ پیدا ہوتے تھے، اور شہر کی نہروں کے کنارے غلے کی زمینیں بڑے پیداوار کی تھیں۔ بَنجِیکَث اور سمرقند کے درمیان وَرَغْسَر کا بڑا گاؤں اور اُس کا علاقہ تھا۔ یہیں اُن نہروں میں سے اکثر نہریں جو سمرقند کے گرد و نواح کی زمینوں کو سیراب کرتی تھیں، دریائے سُغد سے نکلی تھیں۔ دارالحکومت سمرقند کے جنوب میں علاقہ مائمُرغ تھا، جس کا موضع رِیوُدَد سمرقند سے ایک فرسخ واقع تھا۔ اس علاقہ سے بالکل متصل علاقہ سَنجَرفَغَن تھا۔ زرخیزی کے اعتبار سے سمرقند کے گرد و نواح کی زمینوں میں کوئی علاقہ مائمُرغ کی زمینوں کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ یہاں کے شاندار درخت مشہور تھے، اور علاقہ کے تمام طول وعرض میں بے شمار قریے تھے۔ مائمُرغ کے جنوب میں وہ پہاڑی علاقہ تھا جسے جبال الشاوُدار کہتے تھے۔

---

[1] اصطخری ص ۳۱۶ - ۳۱۸ + ابن حوقل ص ۳۶۵ - ۳۶۸ + مقدسی ص ۲۷۸، ۲۷۹ + قزوینی ج ۲، ص ۳۵۹ + یاقوت ج ۳۔ ص ۱۳۴ + ابن بطوطہ ج ۳۔ ص ۵۲ + علی یزدی ج ۲۔ ص ۱۹۵ + کلیویجو Embassy ص ۱۷۹ +

زمین سے رال فیروزے زغال (لکڑی کا کوئلہ) اور خصوصاً نوشادر دستیاب ہوتا تھا۔ نوشادر یہاں سے بڑی مقدار میں دساور ہوتا تھا۔ اس کے جمع کرنے کی صورت یہ تھی کہ پہاڑ کے غاروں سے بھاپ نکل کر اس کے کچھ اجزاء جم جایا کرتے تھے۔ یہ منجمد مادہ نوشادر ہوتا تھا۔ اس قسم کے غاروں پر ایک مکان سا بنا دیا جاتا تھا۔ اس میں کھڑکیاں اور دروازے مع کواڑوں کے ہوتے تھے کہ ضرورت کے وقت بند کر دیے جائیں۔ اصطخری نے یہاں زمین کے نیچے آگ رہنا کا ذکر کیا ہے، کیونکہ نوشادر کی بھاپ جو دن کو دھواں معلوم ہوتی تھی رات کے وقت ایک شعلۂ جوالہ نظر آتی تھی۔ اصطخری نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس مکان میں بھاپ کے اجزاء کیوں کر منجمد ہو جاتے تھے، اور اوقات معین پر کیوں کر لوگ اس مکان میں داخل ہو کر نوشادر نکال لیتے تھے۔ یہ لوگ نمدے کا لباس پہن کر اور اس کو تر کر کے جلدی سے اس مکان میں داخل ہوتے تھے اور فوراً ہی وہاں سے نکل آتے تھے، کیونکہ اس مکان میں اس قدر سخت گرمی ہوتی تھی کہ اگر وہ ذرا بھی ٹھہریں تو بالکل جھلس جائیں[1]

دریائے سغد کا منبع ایک مقام پر تھا، جسے جن یا جے کہتے تھے۔ یہاں ایک جھیل تھی جس کے گرد گاؤں تھے، اور اس علاقہ کا نام ورغر یا بَرغَر تھا۔ جھیل سے نکل کر یہ دریا پہاڑ کی گھاٹیوں میں سے گزرتا ہوا، آخرکار بنجیکث پہنچتا تھا۔ یہاں سے آگے بڑھ کر وہ وَرَغسَر کے گاؤں تک آتا تھا، جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ وَرَغسَر کے معنے مقامی بولی میں "سرِ پشتہ" کے ہیں، کیونکہ یہاں دریا کے پانی کو تقسیم کر دیا گیا تھا، اور نہریں نکالی گئی تھیں، جن سے شہر سمرقند کے گرد کی زمینیں اور دریا کے شمالی کنارے کے علاقے سیراب ہوتے تھے۔ جو نہریں سمرقند جاتی تھیں ان میں سے دو اتنی بڑی تھیں کہ ان میں کشتیاں چل سکیں۔ ابن حوقل

---

[1] اصطخری ص ۳۲۷، ۳۱۲؛ ابن حوقل ص ۳۶۲، ۳۸۲۔

اس سے بہات فرسخ شمال کی طرف شہر کُشانیہ یا کشانی تھا، جس کی نسبت بیان ہوا ہے کہ وہ صوبہ سُغد کا سب سے زیادہ آباد معمور شہر تھا۔ یہاں کے تمام باشندے دولتمند تھے، اور جو دولتمند نہ تھے وہ آسودہ حال ضرور تھے۔ کشانیہ کے بعد دریائے سُغد کے شمالی کنارے، اور یاقوت کے مطابق سمرقند سے صرف دو فرسخ کے فاصلے پر علاقہ کبوذنجکث واقع تھا۔ جس کا شہر کبوذنجکث تھا۔ اس علاقہ سے متصل پہاڑی سرزمین میں وَذار کا علاقہ تھا، اور اس کے صدر شہر کا نام بھی وَذار تھا۔ یہاں جو کپڑے بُنے جاتے تھے وہ بہت مشہور تھے۔ سب سے آخر میں ابن ترکسفی مرزبان کا علاقہ تھا۔ یہ علاقہ وَذار سے آگے تھا۔ ابن ترکسفی سُغد کا ایک دہقان (یعنی شرفاء سُغد سے) تھا۔[1]

دریائے سُغد جسے آج کل زرافشان کہتے ہیں اس کے سرچشمے پہاڑوں کے اس سلسلہ میں تھے جسے جبل البتّم کہتے ہیں۔ بُتّم کا یہ سلسلہ ایک طرف صوبۂ سُغد کے دریاؤں اور دوسرے طرف صوبۂ صغانیان کے دریاؤں اور (دریائے) وَخشاب کے درمیان اس طرح واقع ہوا تھا کہ اس کے دامنوں کی ندیاں نالے بہہ کر ان ہی دریاؤں میں آتے تھے۔ اس کتاب کے بیسویں باب میں بیان ہو چکا ہے کہ دریائے وَخشاب اور صوبہ صغانیان کے دریا سب جیحون کے دائیں کنارے والے معاون تھے۔ جبل بُتّم کے دامن باوجودیکہ بہت بلند تھے اور تیز ڈھال رکھتے تھے، مگر ان پہ گاؤں اور قریئے بکثرت آباد تھے۔ ان پہاڑوں پہ سونے اور چاندی کی کانیں تھیں، اور ان میں ایسے مقامات بھی تھے جہاں سے لوہا، سیسہ، پارہ، تانبا، نفت اور قیر نکالا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ اس علاقہ کی

(۴۶۷)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) سے نقل کئے ہیں (مترجم)۔

[1] اصطخری ص ۳۲۱ - ۳۲۴ + ابن حوقل ص ۴۰۱ - ۴۷۵ + مقدسی + ص ۲۷۹ + یاقوت ج۱ ص ۷۷۰ + ج ۲ - ص ۷۴۷، ۹۰۸ + ج ۳ ص ۳۲۴، ۲۷۶، ۴۴۹ +

زمینیں تھیں، جنھیں دریائے سُغد کی نہریں سیراب کرتی تھیں۔ یاقوت نے یہاں کے عالی شان درختوں کا ذکر کیا ہے۔ کَرمِینِیَہ سے ایک مرحلہ مشرق کی سمت میں اَلدَّبُوسِیہ کا شہر تھا۔ یہ بھی ایک نہر کے کنارے آباد تھا جو دریائے سُغد کے جنوبی کنارے سے نکالی گئی تھی۔ لیکن اس کے گرد نہ کوئی بڑا گاؤں تھا اور نہ کوئی علاقہ اس سے متعلق تھا۔

خُدِیمنکَن کا چھوٹا سا شہر کَرمِینِیَہ سے ایک فرسخ دور بڑی سڑک سے شمال میں ایک تیر کے پٹے پر واقع تھا۔ دریائے سُغد کے شمالی کنارے پر خُدِیمنکَن سے ایک فرسخ دریا کے بہاؤ کے رُخ مَذَیامِجکَث کا بڑا گاؤں تھا، اور اس سے ایک فرسخ دریا کے بہاؤ کی طرف اس کے شمالی کنارے پر کَرمِینِیَہ کے سامنے خَوغانکَث تھا۔ کَرمِینِیَہ سے یہ مقام صرف ایک فرسخ تھا۔ خُدِیمنکَن، مَذَیامِجکَث، فرغانکَث کے تینوں گاؤں چوتھی (دسویں) صدی میں اتنے بڑے تھے کہ ہر ایک میں اپنی اپنی جامع مسجد علیحدہ تھی۔ یاقوت نے لکھا ہے خُدِیمنکَن اس وجہ سے مشہور تھا کہ وہاں بہت سے محدث پیدا ہوتے تھے۔ اَربِنجَن یا رَبِنجَن کا شہر دَبُوسِیہ کے مشرق میں ایک مرحلے کے فاصلے پر تھا، اور وسعت میں دَبُوسِیہ سے بڑا تھا۔ اس سے مشرق کی طرف رَبِنجَن اور سَمَرقند کی درمیانی منزل پر اور دارالحکومت سَمَرقند سے سات فرسخ دور زَرمان کا شہر تھا۔ بخارا کے قریب و جوار کے بہت سے چھوٹے چھوٹے شہروں کے نام اور حالات مقدسی نے لکھے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ ان کے باہمی فاصلے بیان نہیں کیے جن سے ان کے محل وقوع شناخت ہو سکتے۔[1]

سَمَرقند سے نواح جنوب میں ایک دریا ہے جو دریائے سُغد کے متوازی بہتا ہے، اور دریائے سُغد کی طرح آخرکار ریت اور دلدل کی زمین

---

[1] اصطخری ص ۳۱۴، ۳۱۶، ۳۲۲۔ ابن حوقل ص ۳۶۲، ۳۶۵، ۳۷۰۔ مقدسی ص ۲۸۲۔ یاقوت ج ۲ ص ۴۰۶، ۵۱۴، ۹۲۵۔ ج ۴ ص ۲۶۸۔

نے اُن مختلف نہروں کے ناموں کی ایک فہرست درج کی ہے، اور اُن میں ہر ایک نہر جن علاقوں کو سیراب کرتی تھی ان علاقوں کے نام مع اُن کے قریوں کے لکھے ہیں۔

سَمَرقند کے مقام پر دریا کو عبور کرنے کے لیے ایک پختہ پل تھا، جسے قَنطرۃ جَرْد کہتے تھے۔ سیلاب کے موقع پر یہ پل بعض اوقات بالکل ڈوب جاتا تھا۔ سمرقند سے آگے بڑھ کر دریائے سُغد سے بہت سی نہریں ان مختلف علاقوں کی طرف جاتی تھیں جو دَبُوسِیَہ اور کرمینیہ کے گرد واقع تھے۔ ان کا ذکر آگے آئیگا۔ اس کے بعد دریائے سُغد بخارا کے قریب پہنچتا تھا۔ یہاں دریا کے بڑے دھارے کا نام عام طور سے دریائے بخارا ہو جاتا تھا۔ بخارا کی بڑی (سو میل سے زائد دور رکھنے والی) فصیل سے باہر ہی شہر پناہ بخارا کے اندر کی زمینوں اور شہر کے باہر کے علاقوں کی آب پاشی کے لیے نہریں نکالنی شروع کر دی گئی تھیں۔ ان تمام نہروں اور ان کے مختلف قریوں کے نام ابن حوقل نے بھی لکھے ہیں۔ بعض نہریں اپنی شاخوں کا ایک جال سا پھیلا کر پھر دریائے سُغد میں جس سے وہ نکلتی تھیں، جا ملتی تھیں۔ بعض نہریں ایسی تھیں جو جنوب مغرب کی طرف آب پاشی کے رجبھوں میں آنے کے بعد ختم ہو جاتی تھیں۔ شہر بخارا کی طرف جانے والی بڑی نہروں کی نسبت بیان ہوا ہے کہ وہ اتنی بڑی تھیں کہ ان میں کشتیاں چلتی تھیں[1]

(۴۶۸)

بخارا اور سمرقند کے درمیان، دریائے سُغد کے جنوبی جانب چوتھی (دسویں) صدی میں تین بڑے شہر تھے، یعنی کَرمینِیَہ (جو اب تک موجود ہے) دَبُوسِیَہ اور رَبِنجان۔ کَرمینِیَہ طَواوِیس سے ایک مرحلہ شرق کی طرف (سو میل سے زائد دور رکھنے والی بڑی) فصیل کے باہر واقع تھا۔ یہ شہر طَواوِیس سے بڑا تھا، خوب معمور تھا، اور اس کے گرد بہت سے گاؤں اور زرخیز

---

[1] اصطخری ص ۳۱۰-۳۱۲-۳۱۹، ۳۲۱+ ابن حوقل ص ۳۵۹-۳۶۱، ۳۶۸-۳۷۱+

کو ایک دریا کاٹتا تھا، جسے جائے ہُود کہتے تھے۔ جنوب کی طرف کِش سے ایک فرسخ آگے، بلخ جانے والی سڑک پر خشک رُود (خشک دریا) تھا، اور اس سے آگے آٹھ فرسخ کے فاصلے پر خزار رُود تھا۔ یہ سب دریا شہر کِش کے گرد و نواح کے علاقوں کو سیراب کر کے متحد ہو جاتے تھے، اور یہ متحدہ دریا نَسَف کے شہر کے پاس سے گزرتا تھا۔ کِش کے علاقہ کی نسبت بیان ہوا کہ وہ ہر سمت میں چار دن کی مسافت تھا، اور اپنی غیر معمولی زرخیزی کی وجہ سے شہرت رکھتا تھا۔ قریب کے پہاڑوں میں نمک اور ترنجبین پایا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ جڑی بوٹیاں (مفرد دوائیں) بھی ملتی تھیں، جو خراسان کو دساور کی جاتی تھیں۔ بعد کے زمانہ میں کِش تیمور کے مولد ہونے کے سبب مشہور ہوا۔ تیمور نے آٹھویں (چودھویں) صدی کے آخر میں اس شہر کو دوبارہ تعمیر کرایا، اور یہاں کا آق سرائے (سفید محل) اس کی سکونت کا پسندیدہ مقام ہو گیا تھا۔ یہ اسی زمانہ کا واقعہ ہے کہ کِش کا نام تبدیل کر کے شہر سبز رکھا گیا، چنانچہ آج کل بھی اس کا یہی نام ہے۔[1]

کِش سے آگے دریا کے بہاؤ کے رُخ سو میل سے زیادہ کے فاصلے پر مغرب کی طرف وہ شہر واقع ہے جسے آج کل قَرشی کہتے ہیں، مگر زمانۂ وسطیٰ کے عرب اسے نَسَف اور اہل ایران نَخشَب کہتے تھے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں نَسَف میں ایک مستحکم قلعہ تھا، اور شہر کے باہر وسیع بستیاں تھیں، ان بستیوں کے گرد ایک فصیل تھی جس میں چار دروازے یعنی بابُ النَّجاریَّہ، باب سَمَرقند، باب کِش اور باب غُوبَذِین تھے۔ نَسَف اس دریا کے کنارے واقع تھا۔ جس کی نسبت بیان ہو چکا ہے کہ وہ علاقۂ کِش سے آنے والے متعدد دریاؤں کے ملنے سے بنا تھا۔ اس دریا کے کنارے راس اَلقنطرہ کے مقام پر حاکم شہر کا محل تھا۔ مجلس حاکم کے محل سے

---

[1] اصطخری ص ۳۲۴، ابن حوقل ص ۳۷۵، ۳۷۶، مقدسی ص ۲۸۲، علی یزدی ج ۱ ص ۳۰۰، ۱۰۴ +

میں غائب ہو جاتا ہے۔ گر دریائے سُغد سے اس کا طول کم ہے۔ اس دریا کو آج کل کشکدہ کہتے ہیں۔ اس دریا کے کنارے آج کل شہر سبز اور قرشی آباد ہیں۔ شہر سبز کو زمانۂ وسطیٰ کے اوائل میں کِش یا (کِش) کہتے تھے۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ اس شہر کا ایک قلعہ تھا، شہر خود بھی محصن تھا، اور شہر کے دروازوں کے باہر ایک بڑی بستی بھی۔ پھر اس سے آگے بڑھ کر ایک مقام شہری حیثیت کا تھا جسے آج کل غالباً کتاب کہتے ہیں، اور اُس وقت مصلّٰے کہتے تھے۔ یہاں پر کاروان سرائیں اور حاکم کا محل تھا۔ کِش کے باہر کی بستی میں بڑے بڑے بازار تھے، گر جامع مسجد اور محبس شہر کے اندر تھا۔ خاص شہر ایک مربع میل میں تھا، اور اس کے مکانات لکڑی اور کچی اینٹوں کے تھے۔ قریب کی زمینیں نہایت زرخیز تھیں، اور گرم ملکوں کے تمام میوے یہاں ہوتے تھے، اور بجا طور پر ان کو وسا در کئے جاتے تھے۔ شہر کِش کی فصیل میں چار دروازے تھے جن کے نام باب الحدید، باب عُبَیدُ اللہ، باب القصّابین اور دروازہ شہر اندرون[1] تھے۔ شہر کے باہر کی بستی یا ربض کی فصیل کے دروازے تھے جن کے نام باب بَرکنان اور باب مدینۃ الخارجہ تھے۔ باب بَرکنان کا نام قریب کے گاؤں بَرکنان کے نام پر تھا۔

جس دریا کو آج کل کشکدہ کہتے ہیں اس دریا کا بڑا دھارا چوتھی (دسویں) صدی میں نہر القصّارین کہلاتا تھا۔ یہ دریا جبل سیام سے نکلتا تھا، اور کِش کے جنوب کی طرف سے گزرتا تھا۔ کِش کے شمال میں نہر اسرود تھی، اور اس سے ایک فرسخ پرے سمرقند جانے والی سڑک

[1] ابن حوقل (ص ۳۷۴) کی کتاب کے حاشیہ میں اس دروازہ کا یہی نام (فارسی میں) لکھا ہے جو اوپر نقل کیا گیا، گر کتاب کے متن میں باب مدینۃ الخارجہ (یعنی دروازۂ شہر بیرون) ہے۔ اسی طرح بیرونی بستی کے ایک دروازے کا نام انگریزی مصنف نے باب مدینۃ الخارجہ اور ابن حوقل نے باب مدینۃ الداخلۃ لکھا ہے۔ مترجم) +

چوتھی (دسویں) صدی اور اُس کے بعد کے زمانہ میں نَسَف کے قریب دو شہر تھے، دونوں میں ایک ایک جامع مسجد اپنی علٰحدہ تھی۔ ایک شہر کا نام، جو چھوٹا تھا بَزْدَہ یا بَزْدَوَہ تھا۔ یہ ایک مستحکم قلعہ تھا، اور نَسَف سے چھ فرسخ مغرب میں بخارا جانے والی سڑک پر واقع تھا۔ دوسرا شہر جو بڑا تھا کَسْبَہ تھا۔ یہ نَسَف سے چار فرسخ کی مسافت پر بخارا ہی کی سمت ہی میں واقع تھا۔ یاقوت لکھتا ہے کہ یہاں عمدہ بازار تھے۔ نَسَف اور کِش کے درمیان کِش کے مغرب میں ایک مرحلہ کے فاصلہ پر نَوقَد قُرَیش کا شہر یا بڑا گاؤں آباد تھا۔ نَسَف سے ایک مرحلہ جنوب مشرق میں باب الحدید (دیکھو صفحہ حاشیہ ۷۴۱) جانے والی سڑک پر سُوبَخ کا بڑا گاؤں تھا۔ اس سے ایک فرسخ آگے اِسکَیفَغَن تھا، اور یہ دونوں مقامات دریائے خُزار سے، جس کا ذکر گزر چکا ہے، سیراب ہوتے تھے۔[1]

صوبہ سُغد کی پیداواریں اور مصنوعات بہت تھیں۔ بخارا کے تربوز تمام دنیا میں مشہور تھے، اور اس شہر کے پارچہ بافی کے کارخانوں میں قالین، جانمازیں، اور لباس کے لئے عمدہ کپڑے بُنے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ موٹی قسم کے قالین، جن کا فرش مہمان خانوں کے بڑے بڑے کمروں میں کیا جاتا تھا، تیار ہوتے تھے۔ محبسوں میں زین بنائے جاتے تھے، اور دباغی یعنی چمڑا تیار کرنے کا کام خوب ہوتا تھا۔ مختلف اقسام کے تیل اور چربی دساور کی جاتی تھی۔ سمرقند سب سے زیادہ کاغذ بنانے کے کام میں مشہور تھا، اور یہاں کے کارگاہوں میں سرخ اور روپہلی کپڑا، زربفت اور ریشم کے کپڑے تیار ہوتے تھے۔ یہاں کے ٹھٹھیرے پیتل کے بڑے بڑے دیگچے تیار کرتے تھے۔ شہر کے اور کاری گر بھی طرح طرح کی چیزیں تیار کرتے تھے گھوڑوں کی رکابیں

---

[1] ابن حوقل ص ۳۷۶ - ۳۷۸ + مقدسی ص ۲۸۲ + یاقوت ج ۱ - ص ۶۰۴ + ج ۲ - ص ۱۹۷ + ج ۴ ص ۲۶۲، ۸۲۵ +

متصل واقع تھا، اور جامع مسجد باب غُورِیْنِین کے پاس تھی۔ شہر کے بڑے بازار مجلس اور جامع مسجد کے درمیان واقع تھے۔ باب النجاریہ میں داخل ہوتے ہی ملتے آتا تھا۔ مقدسی نے نخشب کے عمدہ انگوروں کی تعریف کی ہے، اور یہاں کے بازاروں کی خوبی بیان کی ہے۔ شہر کے گرد اچھی اچھی کھیتیاں اور پھلوں کے باغ تھے۔ لیکن نسف کے گرد کش کی طرح بڑے بڑے علاقے نہ تھے۔

تاریخ میں کسف یا نخشب کی شہرت کا باعث یہ ہوا کہ دوسری (آٹھویں) صدی کے نصف آخر میں اسی شہر سے المقنع یعنی وہ مشہور شخص جسے انگریزی میں "خراسان کا نقاب پوش پیغمبر" کہتے ہیں، ظاہر ہوا تھا، اور یہیں اس نے اپنے معجزے دکھائے تھے۔ ہر رات کو نخشب کے کنوئیں سے چاند یا کم از کم چاند کا ایک مشبہ، نکل کر دیکھنے والوں کو حیرت زدہ کرتا تھا۔ اہل ایران مقنع کو بالعموم ماہ سازندہ کہتے تھے۔ تاریخ میں مذکور ہے کہ اس کے پیروؤں کی بغاوت نے برسوں تک خلیفہ مہدی عباسی کے سپہ سالاروں کو پریشان رکھا تھا۔ ساتویں (تیرھویں) صدی میں مغلوں کی یورش کے بعد شہر نخشب کا یہ حال ہوا کہ پرانے شہر کے موقع سے کم و بیش دو فرسخ کے فاصلے پر کبک خان نامی ایک شخص نے اپنے لئے ایک محل بنوایا۔ چونکہ مغلوں کی زبان میں محل کو قرشی کہتے تھے اس لئے اس محل کے گرد جو آبادی قائم ہوئی اسے قرشی کہنے لگے، اور اس آبادی نے پرانے شہر نسف یا نخشب کی جگہ لے لی۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے اوائل میں (۴۷۱) ابن بطوطہ قرشی میں کچھ زمانہ تک رہا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ یہ باغوں سے گھرا ہوا ایک چھوٹا سا شہر تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے اواخر میں تیمور اکثر قرشی میں موسم سرما بسر کیا کرتا تھا، اور بعد میں اس نے اس کے قریب ایک حصار یا قلعہ بنوایا تھا۔[1]

[1] اصطخری ص ۳۲۵ + ابن حوقل ص ۳۷۷، ۳۷۸ + مقدسی ص ۲۸۲ + قزوینی ج ۲ ص ۳۱۲ + ابن بطوطہ ج ۳ ص ۲۸ + علی یزدی ج ۱۔ ص ۱۱۱ +

سے شمال مغرب میں ایک دوسری سڑک باب الحدید تک گئی تھی، اور اس سے ایک مرحلہ آگے کندک کے مقام پر اس کی دو شاخیں ہو جاتی تھیں۔ دائیں ہاتھ والی شاخ بالکل شمال کی طرف کش ہوتی ہوئی سمرقند گئی تھی، اور بائیں ہاتھ والی سڑک شمال مغرب کی طرف نخشب جاتی تھی۔ یہاں سے سڑک کی ایک شاخ مشرق کی طرف کش چلی جاتی تھی، اور بڑی سڑک بادیہ میں سے گزر کر بخارا پہنچتی تھی۔ ان راستوں کا حال چھوٹی چھوٹی منزلوں میں، اصطخری نے اور کسی قدر مقدسی نے بیان کیا ہے۔[1]

خراسان کی سمت سے یعنی آمل سے صوبہ خوارزم میں دریائے جیحون کے ڈلٹا تک پہنچنے کے لئے ایک سڑک جیحون کے بائیں کنارے کنارے طاهریہ گئی تھی، جہاں سے ڈلٹا کے مزروعہ قطعات شروع ہوتے تھے۔ اس سے آگے یہ سڑک ہزار اسپ پہنچتی تھی ہزار اسپ سے ایک راستہ بائیں ہاتھ کو خیوہ ہوتا ہوا جرجانیہ (اُرگنج) آگیا تھا، اور دوسرا راستہ کاث اور اُن شہروں کی طرف مڑ جاتا تھا جو دریائے (جیحون) کے دائیں کنارے واقع تھے۔ ان سڑکوں کا حال مقدسی اور اصطخری نے لکھا ہے۔ انہی دونوں مصنفوں نے اُس راستہ کا حال بھی لکھا ہے جو جنوب مشرق کی سمت میں کاث سے سیدھا بخارا تک بادیہ کو طے کرتا ہوا گیا تھا۔ اس کے علاوہ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے جنوب سے دو راستوں کا ذکر کیا ہے، جس کا منتہا اُرگنج تھا۔ ان میں سے ایک راستہ فراوہ (موجودہ قزل آروات دیکھو صفحہ حاشیہ ۲۰) سے بادیہ میں سے ہوتا ہوا شمال کی سمت میں اُرگنج جاتا تھا، اور دوسرا مرو سے ریگستان کو قطع، اور بہت سے مقامات پر ریگ رواں میں سے گزرتا ہوا آخر کار طاہریہ پہنچ جاتا تھا جو دریائے جیحون کے کنارے واقع تھا۔ اس آخری سڑک کا حال مصنف جہان نما نے

[1] اصطخری ص ۳۳۶، ۳۴۱؛ ابن حوقل ص ۳۹۹-۴۰۲؛ مقدسی ص ۳۴۲-۳۴۴۔

سینہ بند اور تنگ اور طرح طرح مرتبان اور پیالے خوب بنائے جاتے تھے۔
قرب و جوار کے علاقوں سے فندق اور اخروٹ بکثرت دساور ہوتا تھا۔
بخارا اور سمرقند کے درمیان کرمینیہ کے شہر میں مندیل بنتے تھے، اور
شہر دبوسیہ سے مختلف قسم کا کپڑا اور زربفت تیار ہو کر آتا تھا۔ ربنجن سے
سرخ نمدے، قالین کی جانمازیں اور ٹین کے پیالے دساور ہوتے تھے،
(۴۷۲) ان کے علاوہ اس شہر سے کھالیں، سن کی رسیاں، اور گندھک بھی باہر
بھیجی جاتی تھی۔ جاڑے کا چاول بھی اس علاقہ میں بویا جاتا تھا۔[1]
جیسا کہ تیسویں باب (صفحہ حاشیہ ۴۳۱) میں بیان ہوا خراسان کی
بڑی سڑک آمویہ سے آگے فربر پہنچنے کے لئے دریائے جیحون کو عبور
کرتی تھی۔ فربر سے آگے بیکند سے گزر کر بخارا کی (سو میل سے زائد
دور والی) بڑی فصیل میں سے ہوتی ہوئی بخارا پہنچتی تھی۔ دارالحکومت بخارا
سے خراسان کی سڑک دریائے سغد کے چڑھاؤ کے رخ اس کے کنارے
کنارے چلی گئی تھی اور سغد کے بڑے شہروں میں سے گزرتی ہوئی
سمرقند آتی تھی۔ سڑک کے اس حصہ کا حال چند معمولی جزدی
اختلافات کے ساتھ ابتدائی زمانہ کے تمام مصنفوں نے بیان کیا ہے۔
ابن حوقل اور مقدسی نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ ادھر سمرقند کے علاقون
میں جو شہر دور کے تھے ان کے باہمی فاصلے بھی نقل کر دئے ہیں۔[2]
وہ بڑی سڑک جو خراسان سے بلخ آئی تھی (دیکھو صفحہ حاشیہ ۴۳۲)
وہ بلخ سے آگے بڑھ کر جیحون کو اترتے ہی ترمذ پہنچتی تھی ترمذ سے بہت سی
سڑکیں شمال کی طرف نکلی تھیں جو صغانیان اور قبادیان، ہوتی ہوئی واشجرد
سے گل سنگ ہو کر کش اور نخشب کے علاقون میں پہنچی تھیں۔ ترمذ

[1] ابن حوقل ص ۳۶۴ + مقدسی ص ۳۲۴، ۳۲۵ +
[2] ابن خرداذبہ ص ۲۵، ۲۶ + قدامہ ص ۲۰۳ + اصطخری ص ۳۳۴، ۳۴۲ + ابن حوقل ص ۳۹۸، ۴۰۲ + مقدسی ص ۳۴۲، ۳۴۳ +

باب سی و چہارم

دریائے سیحون کے صوبے

صوبۂ اُشرُوسَنہ۔ دارالحکومت بُون جکث۔ زامین اور دوسرے شہر۔ صوبۂ فرغانہ۔ دریائے جیکسارٹیز یا سیحون۔ اَخسِیکث اور اَندِیجان۔ اُوش، اُوزکند اور دوسرے شہر۔ صوبۂ شاش شہر شاش یا بِنکث بناکس یا شہر رُخیّہ۔ اور دوسرے شہر۔ علاقۂ اِیلاق، شہر تونکث، اور خشت کی چاندی کی کانیں۔ علاقۂ اِسبیجاب۔ شہر اِسبیجاب یا سیرام چکند اور فاراب یا اُترار۔ یِنّی اور صبران۔ جند اور ینغیکند۔ طراز اور میرکی۔ ترکوں کے بعید علاقوں کے شہر۔ دریائے سیحون کے ملکوں کی پیداواریں۔ سمرقند کے شمال کے راستے۔

صوبہ اُشروسنہ، جسے اُسترُوشَنَہ، سُرُوشَنہ اور سُترُوشَنہ بھی لکھا جاتا ہے، سمرقند سے مشرق میں دریائے سُغد کے دائیں کنارے والے علاقوں اور دریائے سیحون کے بائیں کنارے والے علاقوں کے درمیان واقع تھا، یہ صوبہ نہ دریائے سُغد کا صوبہ کہلایا جا سکتا تھا اور نہ

بھی بیان کیا ہے جیزار سپ سے یہ سڑک تقریباً وہی راستہ صوبہ خوارزم کے دارالحکومت جُرجانِیَہ کی طرف اختیار کرتی ہے، جس کا ذکر عرب جغرافیہ نویسوں نے کیا ہے۔ [1]

---

[1] اصطخری ص ۳۳۸، ۳۴۱، ۳۴۲ + ابن حوقل ص ۴۰۰، ۴۰۲ + مقدسی ص ۳۴۳ ۳۴۴ + مستوفی ص ۱۹۷، ۱۹۸ + جہاں نما ص ۳۵۷ +

تقریباً نصف فرسخ چل کر بون جکث میں سے گزرتی تھیں۔ ان نہروں کے کنارے بہ درس پن چکیاں تھیں۔ شہر کی شہرت اس کے سرسبز اور خوشنما باغوں سے تھی۔

زامین کا شہر، جو اب تک موجود ہے، بون جکث سے مشرق کی سمت میں تھا۔ زامین میں خراسان کی بڑی سڑک کی جو خفا را اور سمرقند سے ہوتی ہوئی یہاں آئی تھی، دو شاخیں ہو جاتی تھیں ایک شاخ شمال میں شاش (تاشکند) کو جاتی تھی اور دوسری شاخ شمال مشرق کی سمت میں فرغانہ کو بلکہ اس سے بھی آگے چلی گئی تھی۔ چوتھی (دسویں) صدی زامین وسعت میں تقریباً دار الحکومت بون جکث کے برابر تھا۔ یہ بہت قدیم شہر تھا، اور پرانے زمانہ میں اسے سوسندہ کہتے تھے۔ شہر میں ایک عمدہ جامع مسجد اور اچھے بازار تھے، اس کے گرد باغ تھے، لیکن شہر کے گرد فصیل نہ تھی۔ ایک ندی شہر میں سے گزرتی تھی، جس کو عبور کرنے کے لئے کشتیوں کے بہت سے پل تھے۔ ساباط کا شہر بھی اب تک موجود ہے۔ یہ زامین اور بون جکث کے درمیان فرغانہ جانے والی سڑک پر واقع تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ ساباط بہت مشہور شہر تھا، اور بہت سے باغات اور ثمرستان اس کی ندیوں کے کنارے واقع تھے[1]

صوبۂ اشروسنہ کے شہروں کے نام بھی فہرستوں میں ملتے ہیں۔ لیکن ان کے حالات بیان نہیں ہوئے ہیں، اور ان میں سے اکثر کا موقع بھی دریافت نہیں ہوا ہے۔ جو شہر اب تک باقی ہیں، یا جن کی جائے وقوع سیاحت ناموں سے معین کی جاسکتی ہے حسب ذیل ہیں:- دیزک جسے جیزک بھی کہتے تھے۔ یہ زامین کے شمال مغرب میں ہے دیزک کے جنوب میں سمرقند سے آنے والی سڑک پر خرقانہ کا بڑا شہر تھا۔ خاوس یا خاوص اس سڑک پر ہے جو زامین سے شمال کی طرف شاش

[1] اصطخری ص ۳۲۶، ۳۲۷؛ ابن حوقل ص ۳۷۹، ۳۸۰؛ مقدسی ص ۲۷۷۔

دریائے سیحون کا؛ بلکہ وہ ایک ملک ہموار زمینوں اور پہاڑیوں کا تھا، اور اُس میں سے کوئی بڑا دریا بھی نہ گزرا تھا۔ عرب جغرافیہ نویسوں کی تحریر کے مطابق اس صوبہ کی مشرقی حد پامیر (پامر) پر ختم ہوتی تھی۔

صوبہ کا صدر مقام شہر اُشروسنہ (مدینة اُشروسنہ) تھا جسے بُون جکث، بنجکث یا بُنو جکث بھی کہتے تھے۔ اس شہر کا موقع وہی تھا جہاں آج کل اُرَتپہ کا شہر ہے[1] چوتھی (دسویں) صدی میں بُون جکث کی آبادی دس ہزار تھی۔ اس کے مکانات کچی اینٹوں اور لکڑی کے تھے، اُس کا ایک اندرونی حصہ تھا، اس کے گرد فصیل تھی، اور اس کے باہر جو آبادی تھی اس کے گرد ایک دوسری فصیل تھی۔ اندر والے حصہ کی فصیل میں دو دروازے تھے یعنی باب الاعلےٰ اور باب المدینہ اور اسی حصہ میں (۴۷۵) قلعہ اور محبس، جامع مسجد اور شہر کے بازار واقع تھے۔ ایک بڑی نہر اس اندر والے شہر میں سے گزرتی تھی، اور اس نہر کے کنارے بہت سی پن چکیاں تھیں۔ شہر کی باہر والی بستی کے گرد جو فصیل تھی اُس کے اندر بہت سے باغ تھے اور اس فصیل کا دور تین فرسخ تھا۔ اس میں چار دروازے تھے، یعنی باب المیدان، باب مرسمندہ، باب نوجکث اور باب کہلاباذ۔ شہر کی زمینوں کو چھ چھوٹی ندیاں، جن کے نام ابن حوقل نے لکھے ہیں، خوب سیراب کرتی تھیں۔ یہ قریب کی پہاڑیوں سے نکلتی تھیں، اور

---

[1] صوبۂ اُشروسنہ کے دارالحکومت بون جکث کو بنجیکث (یا بنجکنت) سے جو سمرقند کے مشرق میں تھا، خلط ملط نہ کرنا چاہیئے۔ صوبۂ اشروسنہ کے دارالحکومت کے موقع کا تعین سیاحت ناموں سے کیا جا سکتا ہے۔ (دیکھو ابن خرداذبہ ص ۲۹ + قدامہ ص ۲۰۷ + اور اصطخری ص ۳۴۳)۔ اور اُن کے علاوہ موجودہ روایات بھی ہم کو اس معاملہ میں مدد دیتی ہیں دیکھو شویلر (Schuyler) کی کتاب (Turkistan) ج ۱ ص ۳۱۲)؛ + اصطخری ص ۳۲۵ + ابن حوقل ص ۳۷۹ + مقدسی ص ۲۶۵ + یاقوت ج ۱، ص ۲۲۵، ۲۴۷، ۲۸۰، ۴۴۴ +

دریا کو گل ذریان کہتے تھے۔ مگر ترک اس وقت سے لے کر آج تک اُسے بالعموم سیر دریا یا سیر صوبی کہتے چلے آتے ہیں، اور ابوالغازی نے بھی اس کا یہی نام لکھا ہے۔

ابن حوقل کے بیان کے مطابق دریائے سیحون ترکوں کے ملک سے نکلتا تھا، اور بہت سی دریاؤں کے ملنے سے بنتا تھا۔ یہ دریا وسیع وادی فرغانہ کی مشرقی سرحد میں اوزکند کے قریب سے داخل ہوتا تھا، اور صوبۂ فرغانہ اس دریا کے ابتدائی حصہ کے شمال اور جنوب میں دو سو یا اس سے زیادہ میل تک پھیلا چلا گیا تھا۔ سیحون کے راستہ میں جو مشرق سے سیدھا مغرب کی طرف بہتا ہوا گیا تھا بہت سے معاون دریا صوبۂ فرغانہ میں سے گزر کر اُس میں شامل ہوئے تھے۔ ان معاون دریاؤں کے نام نہر خرشان دریائے اُرست دریائے قبا اور نہر جدغل وغیرہ تھے۔ ان میں جدغل غالباً وہ دریا تھا جسے آج کل نرین کہتے ہیں۔ دریائے سیحون فرغانہ کے دارالحکومت اخسیکث کی دیواروں کے نیچے سے گزر کر خجندہ پہنچتا تھا، اور یہاں وہ بالآخر صوبۂ فرغانہ سے باہر نکل آتا تھا۔ اس کے بعد سیحون شمال کی طرف بہنے لگتا تھا، اور دو دریا یعنی نہر ایلاق اور نہر ترک دائیں طرف سے اُس میں ملتے تھے، اور دریائے سیحون علاقہ ہائے ایلاق اور شاش کے مغرب میں بہتا ہوا آگے بڑھتا تھا اور ان دونوں کو پیچھے چھوڑ کر آخرکار اضلاع اسبیجاب میں آجاتا تھا۔ اس کے بعد دشت غز اور قبائل ترک کے صحراء سے بہتا ہوا بہت سی شاخوں میں تقسیم ہو کر بحیرہ ارال کے شمال مشرقی حصہ میں گرجاتا تھا۔ عرب جغرافیہ نویسوں کا بیان ہے کہ دریائے جیحون کی طرح دریائے سیحون میں بھی کشتیاں چل سکتی تھیں۔ جاڑے میں سیحون دریائے جیحون

لے اسی وجہ سے غالباً عرب نرین کو (Naryn) کہ سیر دریا کے فروع کے معاونوں میں سب سے بڑا تھا دریائے سیحون کا اصل دھارا سمجھتے تھے۔

جاتی ہے۔ کرکث صوبۂ فرغانہ کی سرحد پر ساباط اور بُنجِندہ کے وسط میں واقع ہے۔ میناک اور مَرسُمَندہ کے دو چھوٹے چھوٹے شہروں کا موقع صحیح معلوم نہیں، کیونکہ ان میں سے کسی کا ذکر سیاحت ناموں میں نہیں آیا ہے۔ لیکن شہر بُون جِکث کے باب مَرسُمَندہ سے اگر اندازہ لگایا جائے تو شہر مَرسُمَندہ ضرور دارالحکومت (بُون جِکث) کے قریب ہوگا۔ (۴۷۶)

مَرسُمَندہ پہاڑیوں میں واقع تھا، اس کی آب وہوا سرد تھی، اور اس میں بہت سی ندیاں تھیں، لیکن بلندی کی وجہ سے یہاں باغ اور ثمرستان کم تھے۔ مقدسی نے یہاں کے عمدہ بازاروں کا ذکر کیا ہے۔ شہر کی جامع مسجد انہی بازاروں میں واقع تھی، کیونکہ مَرسُمَندہ بڑا معمور مقام تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مِینَک کا شہر مَرسُمَندہ کے قریب تھا۔ یہ شہر اس وجہ سے مشہور تھا، یہاں عرب سپہ سالار قتیبہ بن سلم نے، جو ماوراء النہر کی پہلی اسلامی فتح کے وقت اسلامی فوج کا سپہ سالار تھا، ایک بڑی لڑائی لڑی تھی۔ اس کے علاوہ اسی شہر مِینَک میں خلیفہ معتصم کے بڑے معتمد اور سپہ سالار اَفشین کا قصر تھا۔ مَرسُمَندہ اور مِینک دونوں کے قریب لوہے کی کانیں تھیں، یہاں کا فولاد نہایت عمدہ ہوتا تھا، اور جو اوزار اس کے تیار کیے جاتے تھے وہ خراسان بھیجے جاتے تھے۔ بلکہ خاص بغداد میں بھی لوگ بہت شوق سے انھیں خریدتے تھے [۱]

جکسارٹیس (Jaxartes) کے بڑے دریا کو جیسا کہ اوپر بیان ہوا (دیکھو صفحہ حاشیہ ۲۲۴) عرب سَیحُون یا سِیحُون کہتے تھے۔ لیکن عام طور پر یہ نہر الشاش (یعنی شاش یا بڑا تاشکند کا دریا) کہلاتا تھا، کیونکہ اس کے کنارے کے قریب شاش ہی سب سے بڑا شہر تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی کی تحریر کے مطابق، اس ملک میں جو مغل آباد تھے وہ اس

---

[۱] اصطخری ص ۳۲۶، ۳۳۳۔ ابن حوقل ص ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳ + مقدسی ص ۲۷۰ + یاقوت + ج ۲ ص ۲۹۵، ۴۲۵، ۱۰۔

کے دروازوں سے دو فرسخ دور تک چلے گئے تھے، اور سیحون کے پار یعنی اس کے جنوبی کنارے کی طرف بڑے سر سبز مرغزار تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ساتویں (تیرھویں) صدی کے اوائل میں محمد خوارزم شاہ کی لڑائی میں اخسیکث بھی فرغانہ کے اور شہروں کے ساتھ تباہ ہوا، اور اس تباہی میں جو کچھ کسر رہ گئی تھی وہ مغلوں کی یورش نے پوری کر دی اس کے بعد آندیجان صوبۂ فرغانہ کا دارالحکومت ہو گیا۔ تیمور کے زمانہ میں علی یزدی نے اخسیکث کا نام اخسیکنت یا اخسیکت لکھا ہے اور ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ بابر کے عہد میں اسی نام کو مختصر کر کے اخسی کر لیا گیا تھا۔[1]

مستوفی کی تحریر کے مطابق کیدو خاں نے، جو چنگیز خان کے بیٹے اوگتائی کا پوتا تھا، آندیگان (موجودہ نام آندیجان) کو ساتویں (تیرھویں) صدی کے نصف آخر میں فرغانہ کا دارالحکومت قرار دیا۔ آندیگان یا اندکان کا نام شہروں کی اس فہرست میں ملتا ہے جو ابن حوقل نے چوتھی (دسویں) صدی میں نقل کی ہے۔ یاقوت نے بھی اس شہر کا ذکر کیا ہے۔ لیکن کسی نے اس کے حالات نہیں لکھے، حالانکہ علی یزدی نے تیمور کی

---

[1] ابن خرداذبہ ص ۳۰، اصطخری ص ۳۳۳، ابن حوقل ص ۳۹۲، ۳۹۴، مقدسی ص ۲۷۱، قزوینی ج ۲۔ ص ۳۶۱، علی یزدی ج ۱۔ ص ۱۴۴، ج ۲۔ ص ۶۳۳، روسی نقشے پر جے۔ شیولر (Schuyler) نے اپنی کتاب Turkistan ج ۱۔ ص ۳۳۶ پر نقل کیا ہے، اخسی کو موجودہ مقام نمنگن سے جنوب مغرب میں تھوڑے فاصلہ پر دکھایا گیا ہے۔ نام کے آخر میں جو کث یا کات آیا ہے وہ درحقیقت قند یا کنت کا مترادف ہے، اور یہ دونوں لفظ وسط ایشیا کے شہروں کے اکثر ناموں میں آتے ہیں۔ ترکی زبان میں قند یا کنت کے معنی "شہر" یا "موضع" کے ہوتے ہیں۔ یاقوت نے بھی اپنی کتاب ج ۱ ص ۴۰۴ میں یہی معنے بالکل صحیح طور پر لکھے ہیں۔ دیکھو نون کات (نئی دیوار) جو خوارزم میں تھی، اور جس کا ذکر صفحہ حاشیہ ۷۵۴ پر آیا ہے۔

سے زیادہ مدت تک منجمد رہتا تھا قافلے اسی سطح پر چل کر دریا اترتے تھے، اور سیحون کا طول جیحون سے دو ثلث سمجھا جاتا تھا۔[1]

صوبہ فرغانہ زمانہ حال سے چند سال قبل تک بالعموم خانات خوقند کہلاتا تھا لیکن روسی حکومت میں شامل ہونے پر سرکاری طور پر اس کا پرانا نام یعنی فرغانہ پھر رائج ہو گیا۔ زمانہ وسطیٰ کے اوائل میں اس صوبہ کا دار الحکومت شہر اَخسِیکَث تھا، جسے ابن خرداذبہ اور دیگر مصنفوں نے مدینۂ فرغانہ لکھا ہے۔ یہ شہر جیحون کے شمالی کنارے پر واقع تھا۔ اس کے کھنڈر اب تک موجود ہیں۔ دسویں (سولھویں) صدی میں جب بابر فرغانہ کا بادشاہ تھا تو یہی شہر اَخسِیکَث اَخسِی کے مختصر نام سے صوبۂ فرغانہ میں دوسرے درجہ کا شہر سمجھا جاتا تھا۔ ملک کا دار الحکومت اس وقت اَندِجان تھا۔

ابن حوقل لکھتا ہے کہ اَخسِیکَث ایک بڑا شہر تھا؛ اس میں ایک قلعہ تھا، جس میں جامع مسجد، حاکم کا محل اور محبس واقع تھا؛ اور اندر والے شہر کے باہر ایک وسیع ربض تھا۔ یہ اندرونی شہر باعتبار وسعت عرض و طول میں ایک ایک میل تھا۔ اس میں سے بہت سی ندیاں گزری تھیں، اور یہ سب کی سب ایک بڑے تالاب میں گرتی تھیں۔ شہر کے اندر، اور شہر سے باہر کی بستی (ربض) میں بازار تھے، اور باہر کی بستی کے گرد ایک فصیل تھی۔ اندر والے شہر کی فصیل میں پانچ دروازے تھے؛ یعنی ۱۔ باب کاسان ۲۔ باب الجامع، باب رھانہ اس کے بعد ایک دروازہ تھا، جس کا نام مشکوک ہے لیکن اسے باب بُخشکر پڑھا جا سکتا ہے، سب سے آخر میں باب المرد قشہ تھا۔ شہر کے گرد باغ ہی باغ تھے، اور باہر والی فصیل

[1] ابن حوقل ص ۳۹۲، ۳۹۳۔ مقدسی ص ۲۲ + یاقوت ج ۳ ص ۲۱۰۔ مستوفی ص ۲۱۵ + حافظ ابرو ص ۲۳۲ (ر ۵) + جہان نما ص ۳۴۶ + ابو الغازی ص ۳۱، ۱۸۱، ۲۹۰۔

شہر کی فصیل خوب مضبوط تھی۔ اُس کے باہر ایک بستی تھی، جس کے بازاروں میں ترک سوداگروں کی آمد و رفت اکثر رہا کرتی تھی۔ بیرونی بستی کے گرد ایک فصیل تھی، جس میں چار دروازے تھے ان میں ایک دروازے کے سامنے سے دریا گزرتا تھا۔ بستی کے بازار میں جامع مسجد تھی۔

صوبۂ فرغانہ کا وہ حصہ، جو دریائے سیحُون کے جنوب میں تھا، علاقۂ نسیا یا نَسَائیہ کہلاتا تھا۔ اس کا کچھ حصہ بلند تھا اور کچھ نیچا، اور اسی لحاظ سے ایک حصہ کو نسائیہ بلند، اور دوسرے کو نسائیہ پست کہتے تھے نَسَائیہ بلند پہاڑیوں میں واقع تھا۔ اور نسائیہ پست کا شہر مَرْغِیْنَان (موجودہ مَرْغِیلان) تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں یہ ایک ایک چھوٹا سا شہر تھا، مگر اس کے بازار میں جامع مسجد موجود تھی۔ اس کے مغرب میں رِشْتَان کا شہر تھا۔ شروع زمانہ میں یہ بڑا شہر تھا۔ اور اُس میں ایک خوبصورت جامع مسجد تھی۔ خُوقَنْد، جو حال ہی میں فَرْغانہ کا دارالحکومت قرار پایا ہے اور جس کے نام سے خانات خُوقَنْد موسوم ہے۔ اُس کا ذکر نَسَائیہ بلند کے شہروں میں محض ضمناً آگیا ہے اور اُس کا نام خُواکَنْد یا خُواقَنْد لکھا گیا ہے۔

سَمَرْقند سے صوبۂ فرغانہ کو جاتے ہوئے جو پہلا شہر اس صوبہ کے مغربی حصہ میں آتا تھا وہ خُجَنْدَہ تھا۔ یہ دریائے سَیحُون کے بائیں ہاتھ والے کنارے پر واقع تھا، اور اس سے مُتَّصِل، ایک فرسخ جنوب کی طرف کَنْد کی باہر والی بستی تھی۔ خُجَنْدَہ کا بڑا لمبا شہر دریا کے کنارے دور تک واقع تھا، عرض اُس کا زیادہ نہ تھا۔ اس میں ایک مستحکم قلعہ تھا، جس میں محبس تھا۔ جامع مسجد شہر کے اندر تھی۔ حاکم کا محل باہر والی بستی کے میدان یا چوک میں تھا۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ خُجَنْدَہ ایک نہایت خوشگوار شہر تھا، اور یہاں کے باشندوں کے پاس دریائے سیحون پر چلانے کے لئے کشتیاں تھیں۔ شہر کے باہر جو بستی تھی وہ خاص طور پر کند بادام کہلاتی تھی، اور قزوینی اس نام کی وجہ تسمیہ یہ لکھتا ہے کہ یہاں ایک خاص

نویسی ہموں کے ذکر میں اس شہر کا نام اکثر لیا ہے۔ سیاحت ناموں سے قیاس ہوتا ہے کہ قُبا کا شہر، جو چوتھی (دسویں) صدی میں ایک بڑا مقام تھا، ضرور اَنْدِیگان کے قریب واقع ہوگا۔ اصطخری لکھتا ہے کہ قُبا وسعت میں تقریباً اَخْسِیکَث کے برابر تھا، اور اُس کے باغات اخسیکث کے باغوں سے بھی زیادہ وسیع تھے۔ اس شہر کے میدان یا بیچ کے چوک میں جامع مسجد کے قریب ایک مضبوط قصر تھا۔ شہر کے باہر ربض بھی تھا جہاں حاکم کا محل اور محبس تھا۔ اس ربض کے گرد ایک مستحکم فصیل تھی، اور فصیل کے اندر بہت سے بازار تھے جن میں سامان تجارت کی افراط تھی۔ ؎

اَخْسِیکَث اور قُبا کے درمیان نصف راہ پر اُشْتِیقان کا شہر واقع تھا، جس کے بازاروں میں ایک جامع مسجد تھی۔ قُبا کے مشرق میں اُوْش تھا، جس کی حیثیت چوتھی (دسویں) صدی ہی میں ایک بڑے شہر کی قائم ہو چکی تھی۔ اُوْش کے قلعہ میں حسب معمول حاکم کا محل اور محبس واقع تھا۔ اندر والے شہر کے گرد فصیل تھی، اور باہر شہر کے گرد جو بستی تھی اُس کے گرد بھی فصیل تھی۔ اس باہر والی بستی کے مکانات ایک پہاڑی کے اوپر دور تک چلے گئے تھے۔ باہر والی فصیل میں تین دروازے تھے، یعنی باب الجبل، باب الماء اور باب المَغْکَدَہ۔ شہر کی جامع مسجد رَحَبہ یا چوک میں واقع تھی، اور اُس کے گرد بازار تھے۔ قریب ہی ایک پہاڑی کی چوٹی پر ایک سرہنگ خانہ (رِباط) تھا، جس میں سپاہی (یعنی رضاکار) مقیم تھے۔ یہ لوگ ترکی قبائل کی یورش سے شہر کی حفاظت کرتے تھے۔ اُوْش سے آگے اُوزکَنْد صوبۂ فرغانہ کا سب سے زیادہ مشرقی شہر واقع تھا۔ اسے وسعت میں اُوْش سے دو ثلث بتایا گیا ہے۔ اُوزکَنْد بھی ایک زرخیز علاقہ میں واقع تھا۔ اس میں ایک قلعہ تھا، اور اندر والے

(۴۷۹)

؎ اصطخری ص ۳۳۳، ابن حوقل ص ۳۹۴، ۳۹۵، مقدسی ص ۲۷۲، مستوفی ص ۲۲۸، یاقوت ج ۱۔ ص ۲۷۵، ج ۴۔ ص ۲۴، علی یزدی ج ۲۔ ص ۶۲۳۔

حالات مختصراً لکھے ہیں، لیکن افسوس ہے کہ ان کے موقعوں کا کہ دراصل وہ کہاں آباد تھے کچھ پتہ نہیں چلتا۔[1]

فرغانہ کی مغربی جانب علاقۂ شاش تھا، جس کی نسبت اوپر ذکر ہوچکا ہے کہ وہ سیحون کے دائیں کنارے یا اس دریا کے شمال مشرق میں واقع تھا۔ جن کھنڈروں کو آج کل تاشکند کہنہ کہتے ہیں وہیں ایک شہر آباد تھا جسے عرب شاش اور اہل ایران چاچ کہتے تھے۔ شاش زمانۂ وسطیٰ میں عربوں کے سیحون کے پار والے بڑے شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ اس شہر کو بِنکث[2] بھی کہتے تھے یا ورا النہر کے اور بہت سے شہروں کے بھی دو دو نام تھے، ایک ایرانی اور دوسرا تورانی۔ چوتھی (دسویں) صدی میں شاش ایک ایسا شہر تھا جس کے بہت سی فصیلیں تھیں۔ سب سے پہلے اندر والا شہر مع ایک قلعہ یا قصر کے تھا۔ یہ قلعہ گو شہر سے الگ تھا لیکن اس سے متصل واقع تھا۔ ان دونوں یعنی شہر اور قلعہ کے گرد ایک فصیل تھی۔ اندر والے شہر کے باہر شہر سے متعلق ایک اندر والی بستی تھی، اور اس بستی کے گرد ایک فصیل اپنی الگ تھی۔ اس کے باہر ایک باہر والی بستی تھی، جس میں بہت سے باغ اور ثمرستان تھے۔ اس کے گرد بھی فصیل تھی۔ اس طرح تین فصیلیں شمار میں ہوتی تھیں۔ ان کے علاوہ ایک بڑی فصیل تھی، جو بخارا کی عظیم الشان فصیل کی طرح تمام علاقہ پر اس کی حفاظت کے لئے محیط تھی۔ یہ پورے علاقے والی فصیل شاش کے گرد شمال کی طرف ایک نصف دائرہ بناتی ہوئی گئی تھی۔ اس نصف دائرے کا ایک سرا مشرق میں دریائے ترک کے کنارے اور دوسرا سرا مغرب میں دریائے سیحون کے کنارے پڑتا تھا۔

---

[1] اصطخری ص ۳۳۳، ۳۴۴؛ ابن حوقل ص ۳۹۶؛ مقدسی ۲۷۲،۱؛ یاقوت ج ۴۔ ص ۲۲۷۔

[2] یہ نام اکثر نقلوں کے غلط لکھ جانے کی وجہ سے بِیکث لکھا جاتا تھا۔ مثلاً دیکھو یاقوت ج ۱۔ ص ۷۴۶۔

قسم کا بادام ہوتا تھا، جو اس لئے مشہور تھا کہ اس کا چھلکا بہت آسانی سے محض چٹکی میں ملنے سے اتر جاتا تھا۔ [1]

(۴۸۰) صوبۂ فرغانہ کے شمالی حصے کے شہروں کا حال یعنی اُس سرزمین کے شہروں کی کیفیت جو دریائے سیحون کے دائیں کنارے پر آباد تھے ابتدائی زمانہ کی بہت کم معلوم ہے۔ مقدسی شہر وانکث کے متعلق لکھتا ہے کہ اس میں ایک جامع مسجد اور عمدہ بازار تھے۔ سیاحت ناموں سے پتہ چلتا ہے کہ اخسیکث کے مغرب میں سات فرسخ اور سیحون کے کنارے سے ایک فرسخ کے فاصلے پر انکث آباد تھا اور ایلاق کے سرحد سے وہ زیادہ دُور نہ تھا۔ وانکث کے شمال میں پہاڑیوں میں خیرلم یا خیلام واقع تھا۔ یہ علاقۂ میان رُوذان (یعنی دریاؤں کے درمیانی علاقہ) کا ایک شہر تھا۔ اُس میں ایک خوبصورت جامع مسجد اور عمدہ بازار تھے۔ خیرلم کے شمال میں شکت یا شلکت کا شہر واقع تھا۔ مقدسی لکھتا ہے کہ یہاں اخروٹ اس کثرت سے پیدا ہوتا تھا، کہ ایک چاندی کے درہم کے ایک ہزار اخروٹ ملتے تھے۔ یہاں بھی بازار میں ایک جامع مسجد تھی۔ قاسان کا شہر اب تک موجود ہے، اور ابتدائی جغرافیہ نویسوں نے لکھا ہے کہ یہ شہر قاسان نام کے علاقہ میں واقع تھا۔ یاقوت نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ قاسان میں ایک مستحکم قلعہ تھا، اور اس کے دروازے کے پاس سے ایک ندی گزرتی تھی، جو اخسیکث کے مقام پر سیحون میں گر جاتی تھی۔ قاسان سے شمال میں علاقۂ جدغل تھا، جس کا بڑا شہر اردلانکث تھا۔ اردلانکث کے مشرق (و شمال) میں علاقۂ کروان تھا، اور اس کا بڑا شہر نجم کہلاتا تھا۔ مقدسی نے اور متعدد شہروں کے

---

[1] اصطخری ص ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۴۶ + ابن حوقل ص ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۴، ۳۹۵ + مقدسی ص ۲۶۲، ۲۷۲، ۲۷۵، ۳۴۴ + یاقوت ج ۱۔ ص ۴۰۷ + ابو الفداء ص ۴۹۸ + قزوینی ج ۲۔ ص ۳۶۲ +

فتوحات کے دوران میں شاش کا ایک حصہ غارت ہو گیا تھا۔ مغلوں کی یورش نے جو ان واقعات کے بعد بہت جلد ظہور میں آئی، یہاں کے باشندوں کی مصیبتوں میں اور اضافہ کیا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام آفتوں کے بعد شہر بہت جلد پنپ گیا، اور آٹھویں (چودھویں) صدی میں جب تیمور نے یہاں قیام کیا ہے تو وہ پھر ایک بڑے شہر کی حیثیت حاصل کر چکا تھا۔ علی یزدی نے تیمور کی فوجی مہموں کے حالات لکھنے میں اس شہر کا بارہا تذکرہ کیا ہے اس نے اس شہر کا نام شاش، چاچ یا تاشکنت لکھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کی ترکی آبادی نے شاش کو بگاڑ کر تاش کر لیا تھا۔ تاشکنت کے معنے "پتھر والے شہر" کے ہیں۔ اسی نام سے یہ شہر آج کل روسی ترکستان کا دارالحکومت ہے۔ لہ

نھر ترک، جسے آج کل دریائے چرچک کہتے ہیں، شاش کے جنوب مشرق میں بہتا تھا؛ ابن حوقل کی تحریر کے مطابق یہ دریا جدغل کے پہاڑوں سے دریائے نسرن کے شمال میں اس علاقہ سے نکلتا تھا جسے اتراک خرخیل کا علاقہ بسکام کہتے تھے۔ دریائے ترک کے جنوب میں نھر ایلاق جسے آج کل دریائے انگرن کہتے ہیں، دریائے ترک کے کم و بیش متوازی چلتا تھا۔ ٹھیک اس مقام کے قریب جہاں دریائے ترک سیحون سے ملتا تھا۔ بناکث کا شہر واقع تھا، جو علاقۂ شاش کے شہروں میں وسعت کے اعتبار سے دوسرے درجہ کا شہر سمجھا جاتا تھا۔ بناکث جس کا دوسرا نام بناکیت تھا یا جسے اہل ایران فناکنت بھی کہتے تھے، چوتھی (دسویں) صدی میں متحصن نہ تھا، لیکن اس کے بازار میں ایک جامع مسجد تھی۔ شہر دریائے سیحون کے کنارے اس جگہ واقع تھا جہاں خراسان کی سڑک سمرقند سے آتی تھی، شاش جاتے ہوئے اس دریا پر سے گزرتی تھی۔ ساتویں (تیرھویں) صدی تک بناکث کی حیثیت

لہ بلاذری ص ۴۲۲؛ ابن حوقل ص ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۸۰؛ مقدسی ص ۲۷۷؛ قزوینی ص ج ۲، ص ۳۶۲؛ علی یزدی ج ۱، ص ۴۹۴، ۲۰۱، ۱۲۲۔

اب ہم سب سے پہلے اندر والے شہر اور قلعہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اس قلعہ میں، جس میں حاکم کا محل اور محبس تھا، دو دروازے تھے۔ ایک دروازہ شہر کی طرف کھلتا تھا، اور دوسرا باہر والی بستی کی طرف۔ جامع مسجد قلعہ کی دیوار پر تعمیر کی گئی تھی۔ اندر والے شہر میں جو ہر سمت سے عرضاً ایک فرسخ تھا، چند بازار تھے، اور اس میں تین دروازے تھے۔ پہلے ابو العباس کا دوہرا دروازہ [باب بنی العباس] پھر باب کش جو غالباً جنوب کی سمت میں تھا جہاں سے سمرقند سے آنے والی سڑک شہر میں داخل ہوتی تھی۔ آخر میں باب الجنید تھا۔ اندر والی بستی کی فصیل میں دس دروازے تھے۔ (مقدسی نے صرف آٹھ کے نام لکھے ہیں)۔ باہر والی بستی کی فصیل میں سات دروازے تھے، جن سب کے نام ابن حوقل نے احتیاط سے لکھے ہیں۔ اندر والی بستی میں شاش کے بڑے بڑے بازار واقع تھے۔ تمام شہر میں نہروں کا پانی نالیوں کے ذریعہ سے بافراط پہنچتا تھا، اس کے بعد اس پانی سے وہ باغ اور ثمرستان سیراب ہوتے تھے، جو فصیلوں کے اندر واقع تھے۔

پورے علاقہ کے گرد والی فصیل جہاں شہر کے بہت قریب آگئی تھی وہاں اس کا فاصلہ باہر والی بستی کی فصیل کے دروازے سے ایک فرسخ تھا۔ یہ فصیل مشرق میں دریائے ترک کی ایک پہاڑی سے، جسے جبل سابلغ کہتے تھے شروع ہوتی تھی، اور وہ وسیع و ہموار علاقہ جو اس فصیل کے اندر تھا، العَلاص کہلاتا تھا۔ یہ بڑی فصیل عبداللہ بن حُمَید نے شاش کو شمال میں ترکوں کی یورشوں سے محفوظ رکھنے کے لیے تعمیر کرائی تھی۔ فصیل سے آگے ایک فرسخ کے فاصلے پر ایک گہری خندق کھودی گئی تھی، جو دریائے ترک کی پہاڑی سے لے کر مغرب میں سیحون کے کنارے تک گئی تھی۔ شاش سے شمال میں اسبیجاب جانے والی سڑک اس بڑی فصیل کے باب الحدید (آہنی دروازے) میں سے گزرتی تھی۔

ساتویں (تیرھویں) صدی کے ابتدائی سنین میں محمد خوارزم شاہ کی

علاقہ ایلاق دریائے ایلاق کے جنوب میں دریائے سیحون کے اس بڑے خم کے شمال میں واقع تھا۔ جو اس دریا نے خجند کے قریب سے اختیار کیا تھا۔ علاقہ ایلاق کا صدر شہر تونکث تھا۔ اس علاقہ میں، جو علاقہ شاش کے سلسلہ میں تھا، تقریباً بیس بڑے بڑے شہر واقع تھے، جن کے نام ابن حوقل اور مصنفوں نے بیان کئے ہیں۔ لیکن ان کے موقع مطلق دریافت نہیں ہو سکتے ہیں، حتے کہ علاقہ کے صدر مقام تونکث کا موقع معلوم کرنا بھی ناممکن ہے۔ ابن حوقل کی تحریر کے مطابق تونکث دریائے ایلاق کے کنارے، بظاہر شاش سے آٹھ فرسخ کے فاصلے پر واقع تھا۔ کہا جاتا ہے کہ تونکث شہر شاش کے وسعت میں نصف تھا[1] اور اس سے مراد ایک مستحکم قلعہ ایک اندر والا شہر اور اس کے باہر کی ایک بستی تھی، جس کے گرد فصیل تھی۔ قلعہ کے اندر حاکم کا محل تھا، اور محبس اور جامع مسجد دونوں قلعہ کے دروازے پر واقع تھے۔ شہر میں، اور شہر کے باہر کی بستی میں بڑے بڑے بازار تھے اور تمام گرد و نواح کا علاقہ جاری پانی سے بخوبی بہیا تھا۔ شاش اور ایلاق کے درمیان جس قدر ملک تھا اس میں شہر بکثرت تھے۔ ان شہروں کے نام ابن حوقل نے نقل کئے ہیں، لیکن جیسا کہ اوپر بیان ہوا، افسوس ہے کہ ان شہروں کے موقع اب شناخت نہیں ہو سکتے۔ جن شہروں کا ذکر ہوا ہے ان میں سب سے بڑا اور سب سے زیادہ معمور شہر خاشت تھا (جسے خاش، خاس یا خاص بھی لکھا جاتا ہے) یہ شہر علاقہ ایلاق میں جہاں پہاڑیوں کی چاندی کی کانیں تھیں، ان کے قریب صوبہ فرغانہ کی سرحد

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مقدسی ص ۲۶۴، ۲۷۶، ۲۷۷ + علی یزدی ج ۱۔ ص ۱۰۱ ، ج ۲ ص ۶۳۶ +

[1] تونکث بعض مرتبہ کتابت کی غلطی سے تُوکث لکھ دیا جاتا ہے۔ اصطخری ص ۳۳۱ نوٹ c + شاش اور تونکث کے درمیانی فاصلے کے متعلق دیکھو: اصطخری ص ۳۳۲ + ابن حوقل ص ۴۰۴ +

ایک بڑے شہر کی رہی لیکن اسی صدی میں چنگیز خان کے ہاتھوں بالآخر وہ برباد ہو گیا۔ ایک صدی سے زیادہ عرصہ کے بعد ۸۱۸ھ (۱۴۱۵ء) فناکنت کو تیمور کے پوتے شاہ رخ کے حکم سے دوبارہ تعمیر کیا گیا، اور اب اس کا نام شاہ رخیّہ ہوا۔ چنانچہ علی یزدی نے اسی نام سے بارہا اس کا ذکر کیا ہے۔

بناکت سے شمال کی طرف شاش جانے والی سڑک جینانجکث کے شہر میں سے گزرتی تھی۔ یہ شہر دریائے ترک کے جنوبی یا بائیں کنارے اس مقام پر واقع تھا جو دریائے ترک اور سیحون کے سنگم سے دو فرسخ شمال میں تھا۔ یہ شہر گو متحصن نہ تھا، لیکن چوتھی (دسویں) صدی میں وسعت کے اعتبار سے بڑا شہر تھا، اور اس کے مکانات بھی اینٹوں اور لکڑی کے بنے ہوئے تھے۔ سیحون اتر کر مغرب سمت میں جینانجکث سے ایک مرحلہ جیزت جانے والی سڑک پر وینکرد کا چھوٹا سا شہر تھا۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ یہ (نسطوری فرقہ کے) عیسائیوں کا ایک گاؤں تھا۔ دریائے ترک کے پار کسی قدر مغرب کی طرف اس زاویہ میں جو دریائے ترک اور دریائے سیحون کے ملنے سے بنتا تھا۔ شہر اُشتورکث یا اُشتر کث (اونٹ والا شہر) واقع تھا۔ یہ شہر خوب متحصن تھا۔ گو مغلوں نے اسے ضرور تباہ کیا ہوگا، کیونکہ آٹھویں (چودھویں) صدی کے اواخر میں دیکھا جاتا ہے کہ اس کی جگہ چیناس کا شہر آباد ہے (جو اب تک موجود ہے)، اور جس کا نام علی یزدی نے اکثر کیا ہے۔ ابن حوقل اور مقدسی نے علاقہ شاش کے بیس سے زیادہ اور شہروں کے نام لکھے ہیں۔ لیکن تفصیل نہیں لکھی، اور اسی وجہ سے ان تمام شہروں کے موقع اب متعین نہیں کئے جا سکتے ہیں، گو یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی میں یہ تمام ملک، اور جنوب میں علاقہ ایلاق اور شمال میں اسبیجاب نہایت کثرت سے آباد تھا، اور اس میں بہت سے مواضعات ایسے تھے، جو وسعت میں شہروں کے برابر تھے۔[1]

(۶۹۳)

---

[1] اصطخری ص ۳۲۸، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷ + ابن حوقل ص ۳۰۲، ۳۰۵، ۳۰۸، ۴۰۵ +

ایک رُباط (سرمنگ خانہ) تھا۔ شہر میں اور شہر کے باہر والی بستی دونوں میں بازار تھے اور شہر میں حاکم کا محل، حبس اور جامع مسجد واقع تھی۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ سُوق الکرابیس (یعنی روئی کے سوداگروں کا بازار) خاص طور پر مشہور تھا، اور اس کی دکانوں کا کرایہ، جو خیرات کے کاموں کے لئے وقف تھا، ماہانہ سات ہزار درہم (یعنی تقریباً ساڑھے چار ہزار روپیہ) وصول ہوتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مغلوں کی یورش کے بعد شہر اِسپیجاب کا نام تبدیل کر کے سَیرام رکھ دیا گیا۔ چنانچہ علی یزدی نے تیمور کی فوجی مہموں کا حال لکھنے میں سَیرام کے نام سے اس شہر کا ذکر اکثر کیا ہے۔

چِمکنت کا ذکر بھی جسے چِمِیکنت لکھا جاتا ہے علی یزدی نے اکثر کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر وہی ہے کہ جس کا نام مقدسی نے جموکث لکھا ہے، اور بیان کیا ہے کہ یہ ایک بڑا اور خوب متحصن شہر تھا، جس میں ایک جامع مسجد تھی، اور شہر کے باہر بستیاں تھیں جن میں عمدہ بازار تھے[1]۔

دریائے سیحون کے مشرقی کنارے، اُس مقام سے کچھ آگے جہاں دریائے چمکنت سیحون میں گرتا ہے، اور اس گھاٹ پر جہاں سے سیحون اترتے ہیں ایک شہر واقع ہے، جسے پہلے زمانہ میں باراب یا فاراب کہتے تھے، اور بعد کو اُترار کہنے لگے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے تیمور چین پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہونے والا تھا۔ گو عمر ختم ہو چکی تھی، (۸۰۷ھ ۱۴۰۵ء) میں اُس نے یہیں انتقال کیا۔ فاراب یا باراب علاقہ اور شہر دونوں کا نام تھا اور شہر فاراب بعض اوقات علاقہ اِسپیجاب دارالحکومت سمجھا جاتا تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں اس شہر کے باہر جو بستی تھی وہ کدَر کے نام سے مشہور تھی۔ مقدسی لکھتا ہے کہ باراب ایک بڑا شہر تھا، اور اُس کی آبادی ستر ہزار تھی۔ یہ متحصن تھا، اس میں ایک قلعہ یا قصر ایک

---

[1] اصطخری ص ۳۳۳۔ ابن حوقل ص ۳۸۹+ مقدسی ص ۲۶۳، ۲۷۲، ۲۷۵+ علی یزدی ج ۱۔ ص ۱۲۶+ ج۔ ص ۶۲۳، ۶۳۲+

پر واقع تھا۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی میں یہ شہر دار الضرب تھا اور یہاں سونے چاندی کے سکے مضروب ہوتے تھے۔ اس شہر کے گرد بہت سے گاؤں تھے۔[1]

شاش کے شمال میں سیحون کے کنارے سے مشرق کی طرف پھیلا ہوا اِسبیجاب یا اَسبیجاب کا وسیع علاقہ یا صوبہ تھا۔ اس علاقہ کے صدر مقام کا نام بھی اِسبیجاب ہی تھا۔ چوتھی صدی میں مقدسی نے اس علاقہ کے تقریباً پچاس ایسے شہروں کا ذکر کیا ہے، جو مشہور تھے۔ ان میں سے اب صرف چند شہروں کو شناخت کیا جاسکتا ہے۔

(۴۸۴)

موقع کے لحاظ سے شہر اِسبیجاب کی تطبیق شہر سَیرَام سے ہوتی ہے، جو دریائے آرِیس یا بَدَم کے کنارے والے شہر چِمکَنت کے مشرق میں واقع ہے دریائے اَرِیس۔ دریائے سیحون کے دائیں کنارے کا ایک معاون دریا ہے[2] ابن حوقل کی تحریر کے مطابق شہر اِسبیجاب وسعت میں شاش سے ایک ثلث تھا۔ اس میں ایک قصر یا قلعہ تھا۔ ایک اندر والا شہر تھا جس کے گرد فصیل تھی، اس کے باہر ایک بستی تھی، اس کے گرد بھی فصیل تھی۔ بیان ہوا ہے کہ اِسبیجاب کے شہر کا پورا دور تقریباً ایک فرسخ تھا۔ شہر ہموار زمین پر واقع تھا۔ نزدیک سے نزدیک پہاڑیاں اس سے تین فرسخ کے فصل پر تھیں۔ شہر کے گرد سر سبز و شاداب باغ تھے۔ شہر کے چار دروازے تھے، اور ہر دروازے کے سامنے

---

[1] اصطخری ص ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۴۵ + ابن حوقل ص ۳۸۹، ۳۰۸، ۳۸۹، ۴۰۴ + مقدسی ص ۲۶۵، ۲۷۷، ۲۷۸

[2] مقدسی ص ۲۶۲، ۲۷۴ + شیولر (Schuyler) نے اپنی کتاب Turkistan (ج ۱ ص ۷۵) میں شہر اسبیجاب کو چمکنت سے مطابق بتایا ہے، لیکن یہ یقیناً غلط ہے۔ کیونکہ تاریخ رشیدی مترجمہ این۔ ایلیاس (Elias) اور ای۔ ڈی۔ روس (Ross) ص ۱۷۱ میں سیرام کی نسبت لکھا ہے کہ سیرام وہی ہے، جسے پرانی کتابوں میں اسبیجاب لکھتے تھے + اس فارسی عبارت کے لئے دیکھو فولیو ۱۰۵ (b) برٹش میوزیم کا قلمی نسخہ ADD ۲۴۰۹۰ -

اور خوب مستحسن تھا۔ اس کے بازار میں ایک جامع مسجد تھی، اور اس کے گرد زرخیز علاقے تھے۔ شاد غز کا نام بعد کے زمانہ کے جغرافیہ نویسوں کی تصانیف میں نہیں ملتا۔ موقع کے لحاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی مقام ہے جسے یَسِّی کہتے ہیں۔ یَسّی کا ذکر علی یزدی نے اکثر کیا ہے، اور یہ شہر آج کل بھی حضرت ترکستان کے نام سے موجود ہے۔ یہ بزرگ قبیلہ کُز غز کے پیر تھے اور یہاں دفن ہیں۔ علی یزدی لکھتا ہے کہ ان ولی اللہ کا نام شیخ احمد یسوی تھا، اور وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فرزند حضرت محمد ابن الحنیفہ رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے۔ حضرت شیخ احمد نے چھٹی (بارھویں) صدی کے اوائل میں وفات پائی، اور تیمور نے آٹھویں (چودھویں) صدی کے آخر میں ان کی قبر سے متصل ایک مسجد تعمیر کرائی، جس کے پر شکوہ کھنڈر اب تک موجود ہیں، اور یہ مزار بھی اب تک گرد و نواح کے ملک والوں کی زیارت گاہ ہے۔

یَسِّی یا شاد غز سے شمال میں ایک دن کی راہ پر سوران یا صَبْران تھا، جو اب تک موجود ہے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں یہ قبائل غُزّ کے مقابلہ کے لئے ایک سرحدی قلعہ سمجھا جاتا تھا۔ یہاں زمانہ امن میں قرب و جوار کے تمام ترکی قبائل مسلمان سوداگروں سے مال تجارت کا تبادلہ کرنے آیا کرتے تھے۔ مقدسی لکھتا ہے کہ سوران ایک بڑا شہر تھا، اور اس کی حفاظت کے لئے سات قلعے اور فصیلیں یکے بعد دیگرے بنی ہوئی تھیں۔ جامع مسجد اندر والے شہر کے حصہ میں تھی، اور شہر کے باہر وسیع ربض تھے۔ علی یزدی نے تیمور کی فوجی مہموں کا حال لکھنے میں صبران کا بارہا ذکر کیا ہے، اور یاقوت نے اس کے بلند قصر یا قلعہ کا حال لکھا ہے جس کی زد میں تمام سرحدی زمینیں تھیں۔ [1]

---

[1] ابن حوقل ص ۳۹۰، ۳۹۱ + مقدسی ص ۲۶۲، ۲۷۳، ۲۷۴ + یاقوت ج ۳ ص ۳۶۶ + علی یزدی ج ۱۔ ص ۴۶۶، ۵۵۰ + ج ۲۔ ص ۶۳۶۹، ۶۴۲ + شوئلر (Schuyler) کی کتاب Turkistan) ج ۱۔ ص ۷۰ + یہ نام جس کا املا دراصل

جامع مسجد، اور بڑے بڑے بازار تھے۔ کَدَر میں ایک جامع مسجد الگ تھی اور یہ ایک نیا بسا ہوا شہر تھا۔ قزوینی کا بیان ہے کہ باداب کا شہر ایک نمک زار میں واقع تھا۔ تاریخ میں یہ شہر ابو نصر فارابی کا مولد ہونے کی وجہ سے مشہور رہا۔ ابو نصر فارابی نے ۳۳۹ھ (۹۵۰ء) میں وفات پائی، یہ بو علی سینا سے قبل مسلمانوں میں سب سے بڑا فلسفی گزرا ہے۔
بہرکیف ابن حوقل لکھتا ہے کہ الفارابی کا اصلی مولد وَسِیج تھا، جو فاداب سے دو فرسخ کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا محصن شہر تھا۔ اس کے بازاروں میں ایک عمدہ جامع مسجد واقع تھی۔ بعد کے زمانہ میں فاداب کا نام اُترار (جسے اُطرار بھی کہتے ہیں) ہوگیا، جسے ساتویں (تیرھویں) صدی کے اوائل میں مغلوں نے لوٹا تھا۔ لیکن اس کے تھوڑی مدت بعد اسے دوبارہ تعمیر کر دیا گیا، کیونکہ، جیسا اوپر آ چکا ہے، اسی شہر کی سرائے یا محل میں تیمور نے وفات پائی تھی[1]۔
سَیْرام اور اُترار کے تقریباً وسط میں اُرسُبانیکث یا سُبانیکث کا شہر تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ یہ ایک خوبصورت شہر تھا، اس کی اندرونی آبادی میں ایک جامع مسجد تھی، اور فصیل شہر کے باہر ایک بڑی بستی واقع تھی۔ شہر سُبانیکث کے گرد کا علاقہ کنجیدَہ کہلاتا تھا۔ اُترار سے شمال میں ایک دن کی راہ پر جو دریائے سیحون کے کنارے کئی تھی بشاوغر کا شہر تھا۔ اس کی نسبت بھی مقدسی نے لکھا ہے کہ یہ ایک بڑا شہر تھا۔

---

[1] ابن حوقل ص ۳۹۰، ۳۹۱ + مقدسی ص ۲۶۲، ۲۷۳ + قزوینی ص ۲، ص ۴۰۵ + ابوالفدا ص ۴۹۳ + ابن بطوطہ ج ۳۔ ص ۲۳ + علی یزدی ج ۱۔ ص ۱۶۶، ۲۰۵ + ج ۲ ص ۲۴۶ + ابن خلکان مضمون ۷۱۶ ص ۴ + دریائے سیحون کے کنارے والے باداب یا فاداب (اترار) اور علاقۂ جوزجان کے شہر فاریاب (دیکھو صفحۂ حاشیہ ۴۲۵) میں اکثر خلط ملط واقع ہوتا ہے، کیونکہ فاریاب کو بھی باراب کہتے تھے۔

خندق کے پار بہت سے باغ تھے اور شہر خوب معمور تھا۔ دریائے طراز شہر کے چار دروازوں میں سے ایک دروازے کے پاس سے گزرتا تھا۔ اور جامع مسجد شہر کے بازار میں تھی۔ قزوینی کی تحریر کے مطابق طراز کے مرد اور عورتیں خوبصورتی میں ضرب المثل تھیں۔ شہر کی آب و ہوا اچھی تھی، اور اس کی زمینیں نہایت زرخیز تھیں۔ ترکوں کے ملک ہی میں اور طراز سے عین مشرق کی طرف تقریباً ایک سو میل کے فاصلے پر میرکی یا میرکی (موجودہ حولہ) کا شہر واقع تھا؛ مقدسی لکھتا ہے کہ یہ ایک اوسط درجہ کا گر خوب مستحصن شہر تھا؛ اس میں ایک قلعہ اور جامع مسجد تھی۔ جامع مسجد پہلے (نسطوری) عیسائیوں کا گرجا تھی۔ چوتھی (دسویں) صدی میں یہاں ایک بڑا رباط تھا، جسے بنی بویہ کے ایک امیر عمید الدولہ فائق نے بنوایا تھا۔ اسی مصنف کا بیان ہے کہ میرکی سے ایک مرحلہ مغرب کی سمت میں طراز کی طرف کولان کا موضع تھا۔ یہ ایک بڑا اور خوب مستحصن گاؤں تھا؛ اس میں ایک جامع مسجد تھی، اور یہ ایک بڑا مقام سمجھا جاتا تھا۔[1]

خاتمہ میں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ ابو الفداء نے ترکوں کے بہت سے بڑے شہروں کا ذکر کیا ہے، جن کے اصلی موقعوں کا تعین کرنا اب ممکن نہیں۔ ان شہروں میں بلاساغون چوتھی اور پانچویں (دسویں گیارھویں) صدی میں خانان ترکستان کا دارالحکومت تھا، اور اس کا ذکر ابن الاثیر نے اپنی تاریخ میں کیا ہے۔ اس کا صحیح موقع معلوم نہیں ہوا۔ ابو الفداء مبہم طور پر لکھتا ہے کہ وہ کاشغر کے قریب، لیکن سیحون کے پار واقع تھا۔ شہر المالیغ جغتائی پسر چنگیز خاں کے عہد میں مغلوں کا دارالحکومت رہا تھا۔ اس شہر کے کھنڈر گلجہ کہنہ کے موقع کے پاس دریائے ایلہ

---

[1] ابن حوقل ص ۳۹۰، ۳۹۱؛ مقدسی ص ۲۶۳، ۲۷۴، ۲۷۵؛ قزوینی ص ج ۲۔ ص ۳۶۵؛ ابو الفداء، ص ۴۹۷؛ شوئلر (Schuyler) کی کتاب Turkistan ج ۲۔ ص ۱۲۔

دریائے سیحون کے اور شہروں میں جن کا ذکر علی یزدی نے کیا ہے، لیکن جن کے نام عرب جغرافیہ نویسوں کی کتابوں میں نہیں ملتے ایک سغناق ہے۔ علی یزدی لکھتا ہے کہ یہ شہر قپچاق کا دار الحکومت تھا، اور اترار سے چوبیس فرسخ شمال کی طرف واقع تھا۔ اس سے شمال میں جند کا شہر ہے، جس کا ذکر ابتدائی جغرافیہ نویسوں، اور یاقوت نے کیا ہے، اور بیان کیا ہے کہ یہ جیحون کے پار ترکستان میں مسلمانوں کے بڑے شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ ساتویں (تیرھویں) صدی کی ابتدا میں جند کو مغلوں نے لوٹا اور برباد کیا۔ بحیرہ اسہل کو اکثر بحیرۂ جند لکھا گیا ہے، اور یہاں سیحون کے دہانے سے دو مرحلوں کے فاصلے پر قبائل غز کا دار الحکومت تھا، جسے عرب القریۃ الجدیدۃ یا القریۃ الحدیثہ یعنی نیا گاؤں) کہتے تھے۔ بعد کے زمانہ میں اس کا نام ینغی کنت یا ینگی شہر ہوا، جس کے معنی ترکی زبان میں "نئے شہر" کے ہیں۔[1]

سیرام (یا اسبیجاب) سے شمال مشرق میں تقریباً اسی میل کے فاصلے پر موجودہ زمانہ کے شہر اولیا اتا کے قریب طراز کے کھنڈر ہیں۔ طراز یا الطراز چوتھی (دسویں) صدی کی ابتدا میں ایک بڑا شہر تھا۔ اور ابن حوقل لکھتا ہے کہ وہ ان مسلمان سوداگروں کے لئے ایک بڑا تجارت گاہ تھا جو خرلخیہ قبائل کے ترکوں سے بیوپار کرتے تھے۔ (۴۸۷) مقدسی کا بیان ہے کہ شہر خوب مستحکم تھا، اس کے گرد ایک گہری خندق تھی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) سوران یا صبران ہے، اکثر غلطی سے علی یزدی کی کتاب ظفرنامہ میں سیران چھپ گیا ہے۔

[1] ابن حوقل ص ۳۹۳ + ابوالفداء ص ۴۰۹ + یاقوت ج ۲۔ ص ۱۲۷ + علی یزدی ج ۱۔ ص ۷۰۵، ۷۶۹ + جند کے کھنڈروں کے حالات کے لئے دیکھو شولر Schuyler کی کتاب Turkistan ج ۱۔ ص ۶۴ +

دریائے سَیحُون کے صوبوں میں جو بڑی سڑکیں گزرتی تھیں وہ دراصل خُراسان کی بڑی سڑک کا سلسلہ تھیں۔ یہ سڑک سمرقند سے شمال کی طرف پہنچتی تھیں، اور دریائے سُغد اترنے کے بعد علاقہ اُشروسَنہ میں زَامِین کے شہر میں پہنچتی تھی۔ زَامِین کے مقام پر خُراسان کی سڑک کی دو شاخیں ہو جاتی تھیں۔ بائیں ہاتھ والی شاخ شاش اور دریائے سَیحُون کے زیریں حصہ کو، اور دائیں ہاتھ والی شاخ شاش بالا اور فرغانہ کو جاتی تھی۔ زَامِین سے سیدھی شاش کو جانے والی سڑک بَناکت کے مقام پر سَیحُون کو عبور کرتی تھی۔ سمرقند سے ایک دوسری بڑی سڑک دِیزَک ہوتی ہوئی، بادیہ کو قطع کرکے وینکرد آئی تھی، جس سے آگے دریائے سیحون اتر کر شتُورکث پہنچتی تھی۔

یہاں بَناکت سے شاش کو جو سڑک آتی تھی۔ اس سے مل جاتی تھی۔ شاش سے ایک سڑک علاقۂ اِیلاق کے دارالحکومت تُونکَث آئی تھی، اور شاش سے ایک دوسری سڑک شمال میں اِسْبِیجاب گئی تھی۔ اِسْبِیجاب کے مقام پر سڑک کی دو شاخیں ہو جاتی تھیں۔ ایک شاخ مغرب میں فاراب (اُترار) کو دریائے سیحون کے معبر تک گئی تھی، اور وہاں سے شمال کی طرف دریا کے دائیں کنارے کنارے صبران چلی گئی تھی۔ دوسری شاخ اِسبیجاب سے دائیں طرف مشرق میں طراز گئی تھی، اور یہاں سے لمبی سڑک آگے بڑھ کر بَرکی یا ھیرکی پہنچتی تھی۔ بَرکی چوتھی (دسویں) صدی میں ترکوں کے ملک میں مسلمانوں کا آخری شہر تھا۔ بَرکی سے ابن خرداذبہ اور قدامہ نے بادیہ کی وہ منزلیں بیان کی ہیں جو نُوشجان بالا تک واقع تھیں۔ نُوشجان چین کی سرحد پر واقع تھا، اور غالباً یہ وہی مقام جس کی تطبیق خُتَن سے ہوتی ہے۔[1]

[1] ابن خرداذبہ ص ۲۶۔ ۲۹ + قدامہ ص ۲۰۲۔ ۲۰۶، اصطخری ص ۳۳۵۔ ۳۳۷،

کے کنارے دریافت ہوئے ہیں۔ علی یزدی نے المالیغ کا موقع بتایا ہے، اور دریائے اِرتِیش اور دریائے ئیلی س کا ذکر بھی کیا ہے۔ لیکن ان تمام شہروں کے حالات بیان نہیں کئے گئے ہیں کاشغر، ختن، کند اور چین کی سرحد کے قریب جو اور شہر تھے ان ہی کی طرح ان شہروں کے حالات ہمارے مصنفوں نے محض ضمناً بیان کئے ہیں، اور افسوس ہے کہ یہ بیانات جغرافی اعتبار سے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔[1]

دریائے سَیحوُن کے ممالک میں مصنوعات کی قسمیں زیادہ نہ تھیں، اور جو سوداگر وہاں جاتے تھے غلاموں کی تجارت ان کا سب سے بڑا (۴۸۸) کام تھا۔ مقدسی لکھتا ہے کہ اُشْرُوسَنَہ کے شہر دِیزَک (جیزک) میں عمدہ نمدے اور جبّے تیار ہوتے تھے۔ صوبۂ فرغانہ کی قدرتی پیداوار میں کا وہاں کی کانوں کا سونا اور چاندی اور فیروزہ تھا۔ پارہ، لوہا اور تانبا بھی یہاں کی کانوں سے نکلتا تھا۔ اس کے علاوہ نوشادر، نفت اور قیر بھی ہوتا تھا۔ چکیوں کے لئے فرغانہ کا پتھر بھی مشہور تھا، اور پتھر کا کوئلہ بھی جلانے کے کام میں یہاں عام طور پر لایا جاتا تھا۔ یہاں کے باغوں سے انگور، سیب اور اخروٹ وسا در ہوتے تھے، اور گلاب اور بنفشہ سے خوشبوئیں تیار کی جاتی تھیں۔ شاش میں عمدہ سفید کپڑے، تلواریں، اور اور ہتھیار تیار ہوتے تھے، اور لوہے اور تانبے کی اور چیزیں مثلاً جیسے سوئیاں، قینچیاں اور برتن بھی بنتے تھے، شاش میں حمار وحشی کی کھالوں کی رکیبیں بنائی جاتی تھیں، اور کمانیں، ترکش، رنگین چمڑے اور قالین کی جانمازیں، اور ایک قسم کی اونچے گریبان والے جبے بھی تیار کئے جاتے تھے۔ اس کے گردو نواح کے زمینوں میں چاول، سن اور روئی پیدا ہوتی تھی۔ کھرازے جو ترکوں کے ملک میں تھا، بکروں کی کھالیں آتی تھیں، اور ترکستان کے گھوڑے اور خچر بالخصوص ہمیشہ سے مشہور تھے۔[2]

---

[1] ابوالفدا ص ۵۰۵۔ علی یزدی ج ۱۔ ص ۳۰۵، ۴۹۴۔ ج ۲۔ ص ۲۱۰، ۲۱۹۔

[2] ابن حوقل ص ۳۹۰، ۳۹۸۔ مقدسی ص ۳۲۵۔ قزوینی ج ۲۔ ص ۴۰۵۔

یا بوسخان بالا بیان کیا ہے، جو بالعموم خُتن سے مطابق سمجھا جاتا ہے۔[1]

تمّت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) Yule کے حواشی Cathav and the Wav Thether صفحہ (۱۰۹-۲-۲) ecix-cxcix

[1] ابن خرداذبہ ص ۲۹، ۳۰ + قدامہ ص ۲۰۷ - ۲۰۹ + اصطخری ص ۳۳۵، ۳۴۳ - ۳۴۷ + ابن حوقل ص ۳۹۰، ۳۹۹، ۴۰۳ - ۴۰۶ + مقدسی ص ۳۴۱، ۳۴۲ +

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ خراسان کی سڑک کا سلسلہ زامین سے دو شاخوں میں تقسیم ہو جاتا تھا۔ ان میں سے ایک شاخ فرغانہ کو جاتی تھی۔ یہ شاخ زامین سے ساباط ہوتی ہوئی خجندہ کو گئی تھی، جو دریائے سیحون پر واقع تھا (بیچ میں ساباط سے سڑک علاقۂ اشروسنہ کے دارالحکومت بونجکث کو مڑ گئی تھی) خجندہ سے سڑک سیحون کے جنوبی کنارے کنارے دریا کے چڑھاؤ کے اُس معبر پر پہنچتی تھی جہاں سیحون اتر کر اخسیکث (قدیم دارالحکومت فرغانہ) میں پہنچتے تھے۔ اخسیکث سے جو اور شہر سیحون بالا کے شمال میں واقع تھے ان میں سے ہر ایک کا فاصلہ اخسیکث سے اصطخری اور ابن حوقل نے بیان کیا ہے۔ فرغانہ کے دارالحکومت سے مشرق کی طرف بڑی سڑک کے سلسلہ کا ذکر جو اُوش ہوتا ہوا اوزکند گیا تھا، ابن خرداذبہ اور قدامہ نے کیا ہے۔ اس کے علاوہ مقدسی نے اوزکند سے ترکوں کے ملک میں اور چین کی سرحد تک پہنچنے والی سڑک کا ذکر بھی کیا ہے۔ مقدسی کے اس بیان کو سمجھنا دشوار ہے، لیکن اس نے بھی ابن خرداذبہ اور قدامہ کی طرح سڑک کا آخری پڑاؤ برسخان (۴۸۹)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ۳۴۳-۳۴۶ + ابن حوقل ص ۳۹۰، ۳۹۹، ۴۰۳-۴۰۵ + مقدسی ص ۳۴۱-۳۴۳ + افسوس ہے کہ مستوفی نے دریائے جیحون کے پار کی سڑکوں کا حال بیان نہیں کیا۔ خجند سے چین جانے والے راستہ کے لئے دیکھو پروفیسر ایم، جے ڈی خویہ De Goeje کا مضمون رپورٹ ... Mededeeling der Koninklijk Academie Amsterdam برائے ۱۸۸۸ء ص ۱۲۳)

(۴۸۹) شاہ رخ کے سفیر عبدالرزاق نے چین جانے اور واپس آنے کے لیے ۸۲۲ھ اور ۸۲۵ھ (۱۴۱۹ء اور ۱۴۲۲ء) میں جو راستہ اختیار کیا تھا، اس کے لئے دیکھو فارسی متن اور ترجمہ مترجم ایبی کواٹرے میر Notices et Extraits (Quatremere) ج ۱۴، حصہ ۱ ص ۳۸۷، اور سر ایچ یول

ہدایت:۔ اس اشاریہ میں جن صفحات کا حوالہ دیا گیا ہے وہ کتاب کے حاشیہ کے صفحات ہیں نہ کہ پیشانی کے۔ اس کا ضرور خیال رکھا جائے۔

الف

ت

ث

ٹ

ج

خ

د

ز

س

ش

ص

ض

ط

ظ

ع

ق

ک

گ

ل

م

و

ہ

ی

غلط نامہ جغرافیہ خلافت مشرقی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۱۴	سورستینیا	سورسِتینیا	۳۸	۱۹	سنہ ۱۱۵۳	سنہ ۱۸۵۳
۶	۱۵	(بیاض)	Araxes.	۳۸	۲۲	کیونکہ	چونکہ
۱۱	۱۵	ء	ہ	۳۹	۲۰	لمور	طور
۹	۱	ندور	مُسَدوَّر	۴۰	۸	ایک ایک	ایک
۱۱	۲	نام مشہور	نام سے مشہور	۵۲	۲۰	شہر کی	شہر کے
۱۴	۱۵	رُسے	رَسے	۵۵	۹	اختیار ہے	اختیار کرتا ہے
۱۵	۶	+	اور	۵۶	۷	دھائے	دھارے
۱۶	۲۵	ہی	ہی کی	۵۷	۱۸	یصرہ	بَصرہ
۱۹	۲۳	ڈے ہی	ڈہی	۵۸	۲۴	دخرة	رخوة
۲۰	۲۰	جوبرٹ کے	جوبرٹ نے	۶۰	۱۲	آبادہ	آباد اور
۲۲	۲۳	اللہ کا	انڈ کا	۶۳	۱۹	سطح	مسطح
۲۴	۱۹	بولاق	بُولاق	۶۴	۵	بُویہ	بنی بُویہ
۲۷	۱۱	بہم	بہم.	۶۶	۲۱	رکھ کر	لکھ کر
۲۸	۱۴	ہارہے ہوں	رہے ہوں	۶۷	۱	سنہ ۶۳۰ھ	سنہ ۶۳۳ھ
۲۹	۳	تُردہسیر	بَردَسیر	۶۹	۵	شہروں	نہروں
۳۴	۱۸	قُودنہ	قرنہ	۶۹	۹	سامر	سامرّا
۳۶	۱۶	گردونواح	گردونواح	۶۹	۱۷	۵۵۵	۲۵۵
۳۸	۶	بنایا	بتایا	۷۰	۱	سامرا-تکریت	سامرّا تکریت

تمت

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۲۷	۱۲	تین النھرین	بین النھرین	۱۶۰	۱۹	آمِل	آمُل
۱۲۷	۱۳	یک	+	۱۶۲	۲	طرَبزندہ	طرابزندہ
۱۲۸	۱۲	موسوں	موسوں	۱۶۲	۵	مجایدین	مجاہدین
۱۲۹	۸	جائے لگا	جانے لگا	۱۷۹	۲	نَفِیتہ	رِفیتہ
۱۲۹	۱۲	ابن جوقل	ابن حوقل	۱۷۹	۵	سنہ ۴۴۴	سنہ ۴۰۱
۱۲۹	۱۳	اور لکھ	اور لکھا	۱۷۹	۱۷	قلج رسلال	قلج ارسلال
۱۲۹	۱۴	بازارات ہی	بازارات بھی	۱۸۰	۳	پانی	بانی
۱۲۹	۲۰	رقہ	رَقّہ	۱۸۰	۱۶	سنیس	سیس
۱۳۰	۷	جَعْیَرْ	جَعْبَرْ	۱۸۱	۱۸	اُلویرُلو	اُکوبرُلو
۱۳۰	۱۱	Bilceha	Bilecha	۱۸۴	۱۱	سِبُوب	سِنُوب
۱۳۳	۱۵	تھا	تھا	۱۸۶	۲۲	آرابستان	العُبستان
۱۳۳	۱۲	قرتیسیا	قرقیسیا	۱۸۷	۲۲	۲۹۲۷	۲۹۲
۱۳۴	۱۰	سفید	سعید	۱۸۸	۲۳	۲۲۴	۴۲۴
۱۳۴	۲۰	روزکے	روزکے لئے	۱۸۸	۲۴	۶۲۴	۶۲۳
۱۳۷	۱۸	تھی تھا	بھی تھا	۱۸۹	۴	بر	پہ
۱۳۷	۲۰	ابن جوقل	ابن حوقل	۱۸۹	۹	لاَریکَہ	لارِنکَہ
۱۳۷	۲۳	۲۳۱	۲۳۳	۱۹۱	۵	لاخرق سوختہ	لاذق سوختہ
۱۳۸	۱۰	حکیوں	چکیوں	۱۹۱	۲۴	۲۳۴	۳۲۴
۱۳۸	۱۶	باب الجبل	باب الجبل	۱۹۲	۱۹	ل	پل
۱۳۹	۱۳	ان کا مقابلہ کا	ان کا مقابلہ	۱۹۷	۱۳	الگمنانوس	الکمنانوس
۱۴۱	۸	بڑے حد	بڑی حد	۱۹۹	۹	Ephosus	Ephesus
۱۴۱	۲۴	۳۲۱	۲۳۱	۱۹۹	۲۱	صحابی صحابی	صحابی
۱۴۵	۲۵	اچھپے ہوتے	چھپتے ہوئے	۲۰۰	۸	ازھیفر	ازمیر

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷۲	۲۳	نے	کے
۷۲	۲۴	قصر النجواق	قصر الجوسق
۷۲	۲۵	سنہ ۲۷۷	سنہ ۲۷۹
۷۵	۲۳	صبر	جسر
۷۶	۱	المستنفر	المستنصر
۷۷	۱۲	باجنر	باجِسرا
۷۸	۵	جُنیّل	جُنَیل
۷۸	۲۵	۱۶ اُ ۳۸	۱۶، ۳۸
۸۰	۱۴	یعقُوبّا	یعقوبا
۸۰	۱۹	نھووان	نھروان
۸۳	۱۳	شئیث	شِلیث
۸۷	۲۰	۳۶	۳۶۷
۸۸	۳۰	سینر	سینزر
۸۸	۲۱	فلوجیا	فلونج
۸۸	۲۲	- - - - -	کشتیوں کو چھوڑ کر خشکی
۸۹	۲۳	ابراھیر	ابراھیم
۹۱	۸	قصر ابن ھُبیر	قصر ابن ھُبَیرہ
۹۳	۴	کہلاتی تھی	کہلاتی ہے
۹۴	۷	کے	نے
۹۴	۱۹	مذاق	بذاق
۹۴	۲۰	مذان	بذاق
۹۵	۲۱	ستوہی	ستوفی
۹۶	۷	بیصرہ	بصرہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۹۸	۲۱	ابوالصیجا	ابوالھیجا
۹۹	۱۸	واخل	سے واخل
۱۰۳	۲۳	سیندوز	سیندور
۱۰۶	۱۷	اس	ابن
۱۰۶	۱۸	عبدالسدالقری	عبداللہ القسری
۱۰۸	۶	حربیّہ	حوبیّہ
۱۰۹	۲	اریل	اربل
۱۱۰	۱۳	تھی	بھی
۱۱۰	۱۴	فاقان	فافان
۱۱۳	۹	کی	کے
۱۱۳	۱۱	یاقوت نی	یاقوت نے
۱۱۹	۱۱۷	مستونی	ستوفی نے
۱۱۹	۲۴	۱۰۷	۱۵۷
۱۲۰	۷	منید	سفید
۱۲۰	۱۱	جبل یالوسا	جبل بالوسا
۱۲۱	۹	اُس کی تھا	اس کی تھاہ
۱۲۲	۱۰	ابن بطوطہ	ابن بطوطہ نے جو
۱۲۳	۱۲	نفیبیں	نصیبین
۱۲۳	۱۸	ابھی ہم ذکر	ابھی ذکر
۱۲۴	۱۹	الفطر	العطر
۱۲۵	۱۲	بڑی سلطان	بڑے سلطان
۱۲۵	۱۳	کی حمام	کے حمام
۱۲۶	۲۴	یاقوب	یاقوت

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۱۰	۷	ارمنیّیہ	ارمینیہ	۳۳۰	۲۲	خلج	خلیج
۳۱۰	۲۱	دوبند	دربند	۳۳۱	۱۵	حُتبا	مُجتبا
۳۱۳	۳	جندیٔ شاپور	جندے شاپور	۳۳۲	۱	مہدی	مہدی نے
۳۱۴	۱	حوز	خُوز	۳۳۲	۲۴	۴۹	۴۱۹
۳۱۴	۸	کیا	کہا	۳۳۲	۲۴	۲	۳
۳۱۴	۱۷	پیچ درخم	پیچ وخم	۳۳۴	۲۱	۴۷	۴۰۷
۳۱۴	۲۰	تستمر	تُستَر	۳۳۶	۲۴ حاشیہ	۲۲۴	۲۴۶
۳۱۵	۵	بیان کیا گیا،	بیان کیا گیا، دریائے دجیل میں مل جاتا تھا۔	۳۳۷	۱	گاذُون	کازرُون
				۳۳۷	۲	پا	یا
۳۱۷	۸	تھا	تھے	۳۵۱	۱۱	کنارے سے خبر	خبر کنارے سے
۳۱۷	۲۱	تستر	تُستَو	۳۵۵	۳	نسخ	مانند
۳۱۹	۱۱	آپ گرگر	آب گرگر	۳۵۷	۵	جس سے اور	اور جس سے
۳۲۰	۱۲	مسرحان	مَسرُقان	۳۵۷	۱۲	بِسیف	سیف
۳۲۱	۹	رجہ	وجہ	۳۵۷	۱۹	کنارے	کنارے سے
۳۲۲	۲۴	۹۳	۹۲	۳۵۷	۲۳	۱۷۱	۱۷۲
۳۲۴	۱۰	ابن رُشتہ	ابن رستہ	۳۵۹	۲۰	معمے	سعمہ
۳۲۴	۱۱	چونکہ	کیونکہ	۳۶۰	۲۳	ج ۳ -	ج ۲ -
۳۲۴	۱۷	شہشر	شہر	۳۶۰	۲۴	۲۲۲	۳۲۲
۳۲۵	۲۰	الا	۱۱۱	۳۶۲	۲۱	ص ۴۰۲	ص ۴۲۲
۳۲۷	۲	کیارے	کنارے	۳۶۶	۲۱	۰۶	۸۶
۳۲۸	۹	سوِسجرہ	سُوسَن جرد	۳۶۶	۲۲	یاقو	یاقوت
۳۲۹	۱	پرجو	جو	۳۶۸	۵	جرشیک	جرشیق
۳۳۰	۱۸	عوزستان	خوزستان	۳۷۲	۲	اتالک	اتابک

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۰۴	۱۴	تلمبندی	قلعبندی	۲۷۴	حاشیہ پر	۲۸۸	۲۰۸
۲۰۷	۱۱	جنوب کی	جنوب کی طرف	۲۷۴	۲۲	عرگس	گرگس
۲۰۹	۱۸	تسزیز	تبریز	۲۷۵	۶	کھریا	کھریا
۲۱۰	۱۴	تم قائم رہے	قائم رہی	۲۷۸	۱۱	ستوفی	ستوفی نے
۲۱۱	۱۴	تبریر	تبریز	۲۷۸	۲۰	صفحہ	صفحہ حاشیہ
۲۱۳	۱۲	کیا جاتا ہے	کہا جاتا ہے	۲۷۹	۲	لکھا	لکھتا
۲۱۸	۲۴	و۷۳	۵۷۳	۲۹۰	۱۳	ساؤج ئلاغ	ساؤج بُلاغ
۲۲۰	۲۳	۱۳۷۷	+۳۷۷	۲۹۰	۲۵	b. ۷۹	b. ۱۷۹
۲۲۲	۱۶	میں	صدی میں	۲۹۱	۱۹	ہھین	مھین
۲۲۲	۱۷	سترھویں	تیرھویں	۲۹۲	۲۰	ہنیں	کہیں
۲۲۲	۳	چشم	چشمہ	۲۹۳	۱۸	۲۷۵	۲۷۵، ۲۹۰+
۲۲۴	۴	شَمکُود	شَمکُور	۲۹۳	۲۰	۱۵۷	۲۵۷
۲۲۶	۱۳	بیلمان	بیلمان سے	۲۹۵	۲۰	اس کہ	اس کو
۲۲۹	۵	بازوں	بازاروں	۲۹۶	۵	اویر	اَوَبر
۲۳۰	۱۲	تقظیم	تنظیم	۲۹۶	۲۴	۱-۱۷	۱۰۱۷
۲۳۹	۹	ابتدائی ابتدائی	ابتدائی	۲۹۷	۱۰	۲۰۰۰۰	۳۰۰۰۰
۲۴۰	۹	زمیتوں	زمینیں	۲۹۸	۲۲	۶۴۸	۱۴۸
۲۴۶	۷	پیچھے	نیچے	۲۹۹	۴	جہ	وجہ
۲۵۵	۱۹	لکھتا	لکھا	۲۹۹	۱۳	پاپیارہ	پاپیادہ
۲۵۶	۱۵	فارسہ	فارسیہ	۳۰۵	۱۳	لکابیں	رکابیں
۲۶۱	۱۰	رقبہ	رقبہ میں	۳۰۶	۱۰	کرمان شاہ	کرمان شاہ
۲۶۷	۱۸	بنوکلہ	بنوکد نفر	۳۰۷	۱۷	بِستِ خُصَیتی	بِستِ خُمَیرہ
۲۶۹	۱۰	گوشک جوبرہ	گوشک جُوبَرَہ	۳۰۸	۱۲	طہرن	طہران

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵۰۸	۴	سنہ ۲۶۰	سنہ ۳۶۰ھ
۵۰۹	۷	میں لے	میں ملے
۵۱۲	۱۶	راستہ معہ	راستہ
۵۱۴	۱۰	ابن رستہ تحریر	ابن رستہ کی تحریر
۵۱۵	۱۷	اس کام	اس کا کام
۵۱۶	۲۱	ہوا اس	ہوا اس
۵۲۵	۱۷	دولتھندا	دولتمند
۵۲۵	۲۴	ساتینؒ	بساتینؒ
۵۲۹	۱۳	اس ایک	اس کی ایک
۵۳۸	۱۱	سامَرّا	سامَرّا
۵۳۹	۲۲	عام طور	عام طور پر
۵۴۶	۱۸	گیلگی	گیلکی
۵۵۳	۴	نادُوسبان	فادُوسبان
۵۵۳	۵	سالُرس	سالُوس
۵۵۳	۱۴	قُرمس	قُومس
۵۵۴	۹	دستور کا	دستور کے
۵۵۴	۹	مدینا	مدینہ
۵۵۵	۶	ناشپائی	ناشپاتی
۵۵۵	۱۳	سونا	سونے
۵۵۷	۲۳	پڑھ	پڑھا
۵۵۸	۱۸	طلبسان	طیلسان
۵۶۳	۷	گنہ	گمزا
۵۶۴	۹	انسانوں	افسانوں
۵۶۷	۳	ہو	ہوا
۵۷۳	۲۳	سطح	مسطح
۵۷۴	۱۷	کشتیوں پل	کشتیو نکے پل
۵۸۰	۸	علاقہ میں	علاقۂ مین
۵۸۳	۳ و ۵	جیجون	جیحون
۵۸۶	۱۲	یہ نہر	یہ نہریں
۵۹۱	۱۸	خائب	غائب
۵۹۵	۵	لبغداد	بغداد کے
۵۹۷	۷	مسبز واز	سبزوار
۵۹۸	۱۹	ارغبان	ارغیان
۶۰۱	۳	(۵۹)	(۵۱)
۶۰۱	۶	سبرکی	سبیر
۶۰۳	۲	قرینے	قرئیے
۶۰۴	۳ حاشیہ پر	+	(۳۹۵)
۶۰۷	۴	آنے والا	آنے والے
۶۰۹	۱۱	پانی رو	پانی کی رو
۶۱۰	۱۳	نَزارِیق	نَرنَریق
۶۱۰	۱۶	نَزُریق	نَرسَریق
۶۱۱	۱۷	کمرو	مَرَو
۶۱۲	۱۹	بزَادرجان	بَرادرجان
۶۱۴	۱۱	میں	این
۶۱۴	۱۱	سد	سند
۶۱۴	۱۲	مالیشان	عالیشان محل

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
٣٧٧	١٨	نام پر	نام
٣٨٦	١٢	اُس تے	اُس نے
٣٨٨	٢٠	١٧٨	٧٨
٣٨٨	٢٠	١٧٩	٧٩
٣٨٨	٢٠	٣	٣٨
٣٨٨	٢٣	درگبندان	دوگبندان
٣٨٨	٢٤	دہی	وہ
٣٨٩	٢٣	١٧٩	٧٩
٣٩٠	١٦	ذہن	ذہن میں
٣٩١	٧	ور	اور
٣٩٣	٢٤	٤٢٥ + فارس	٤٢٥ + فارس نامہ
٣٩٤	٤	فُرواب	فَرواب
٣٩٤	١٩	١٨١	٨١
٣٩٤	٢٠	١٨٥	٨٥
٣٩٥	٢٤	اس	میں اس
٣٩٨	١٠	صاھک	صاھک کلاں
٣٩٨	١٦	تھی	تھیں
٣٩٩	٢١	١٨٣	٨٣
٤٠٠	٢٣	٦	٦٦
٤٠٣	١١	اس کا	اس کے
٤٠٤	٤	تھی	تھی جو
٤٠٤	١٧	( )	(٥)
٤٠٤	١٨ اور ٢١	ایرج	ابرج
٤٠٨	١٣	تھی	تھیں
٤١٠	١	مستوفی	مستوفی نے
٤١٠	٢١	٢٦٦	٣٦٦
٤١٢	٥	ساعنلد	ساعنلہ
٤١٦	١	قزوینی	قزوینی نے
٤٢١	١٢	قمال	شمال میں
٤٢٩	٢٠	کے	کر کے
٤٣٠	١٤	کیڑول	کپڑول
٤٣٢	٨	سبب	سب
٤٤٣	٧	صو	صوبہ
٤٤٧	٨	سنہ ٤٩٥	سنہ ٥٩٥
٤٥٨	١	حرب	عرب
٤٥٩	٢٠	سمور	معمور
٤٧٤	١٤	الاخواش	خواش
٤٧٨	١٦	تاریاں	تازیان
٤٨٥	٢١	ان	ان سے
٤٨٦	١٣	نق	نبق
٤٩٤	١٩	الفامیلن	الفاینلہ(
٥٠٣	٧	غرنلہ	غزنہ
٥٠٣	١٠	مسجستان	سجستان
٥٠٦	٣	چشول	چشموں
٥٠٧	١	چھتیل	چھتیں
٥٠٧	٩	(شفاخانا)	(شفاخانہ)

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۶۶۲	۴	خرُد	خورد
۶۶۲	۱۷	فیرردہ	فیروزہ
۶۶۵	۶	سڑک دو	سڑک کی دو
۶۶۵	۱۴	بخلا	بخارا
۶۶۷	۱۷	ھری دُو	ھری رُود
۶۷۱	۲۲	مراوابوں	مرداوں
۶۷۴	۲۵	فارِغر	فادِغو
۶۷۵	۳	جس کا	آج کل
۶۷۷	۱۲	مجرالبازہر	مجرالبازہر
۶۸۰	۱۸	ھلیک	ھُلیک
۶۸۰	۲۳	ازدی	یزدی
۶۸۱	۹	رہ گزرو	رہ گزر
۶۸۱	۱۲	بڑا	بڑھا
۶۸۳	۱۰	صغاھیاں	صغانیاں
۶۸۴	۹	کا	کے
۶۸۶	۹	کاٹ	کاٹ کر
۶۸۷	۱۴	واسطہ	واسط
۶۸۷	۱۶	ذوالقرنین	ذوالقرنین
۶۸۸	۳	اخیسکت	اخسیک
۶۸۹	۱	مزرومہ	مزروعہ
۷۰۴	۲۴	۲۳۰-	۲۳۰
۷۰۶	۲۲	ج ۱	ج ۲
۷۰۶	۲۲	ج ۲	ج ۳
۷۰۶	۲۴	ہلکیوٹ	ہیکلیوٹ
۷۰۷	۲۲	مذ میہینہ	مذ مینیہ
۷۰۸	۸	رہ گز	رہ گزر
۷۰۸	۱۸	رہ گز	رہ گزر
۷۱۱	۳	کلیوبجو	کلیوتجو
۷۱۱	۱۱	کے	نے
۷۱۲	۲۲	توڑنا	کوتوڑنا
۷۱۴	۱۰	زرنقبت	زربفت
۷۱۵	۶	دریائی	دریائے
۷۱۵	۱۲	یخارا	بخارا
۷۱۶	۲۱	۲۶۶	۲۶۲
۷۱۷	۷	باب المھل	باب سھل
۷۱۷	۲۴	ص ۷۱۰+	ص ۷۱۵+
۷۲۰	۱	مجلس	محبس
۷۲۰	۲۵	تھے۔	تھے۔ پہلے
۷۲۱	۳	باب دیودد	باب ریودد
۷۲۱	۱۸	یہ	نہ
۷۲۳	۱۲	شمالی	شمال
۷۲۳	۱۴	شالی	شمال
۷۲۴	۱۱	زہرافشاں	زرافشاں
۷۲۸	۳	(کِش)	(کِشو)
۷۲۹	۲۴	۳۰۰	۳۷۷
۷۲۹	۲۴	۲۸۲	۲۸۲

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۶۱۵	۲	مدود	حدود
۶۱۵	۵	شہور	شہرت
۶۱۵	۱۲	پنچکی رو	پن چکی مرو
۶۱۸	۲۴	توزنے	توڑنے
۶۱۹	۲۱	پچھارجولے	پچھار جوئے
۶۲۲	۳	شہر موقع	شہر کا موقع
۶۲۲	۹	مرو لرُّوذ	مروالرُّوذ
۶۲۲	۱۷	یالا مرو	بالا مرو
۶۲۲	۲۰	یا	کو
۶۲۳	۶	قصراحلف	قصراحنف
۶۲۳	۱۷	ل	پل
۶۲۳	۱۷	جامع	جامع مسجد
۶۲۷	۵	کی	کو
۶۲۸	۱۹	بات	یہ بات
۶۳۰	۹	نام	نام کا
۶۳۰	۱۹	روضتہ الصفہ	روضتہ الصفا
۶۳۱	۱	اس نام	اس کا نام
۶۳۱	۲	زمانہ	زمانہ میں
۶۳۱	۱۸	مرھی رود	مرہی رُود
۶۳۱	۱۹	نصرمراغ	نہوکراغ
۶۳۱	۲۴	موبذ	مَرجَذ
۶۳۴	۳	اسفزاد	اسفُزار
۶۳۷	۴	جون	بون

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۶۳۷	۱۰	ہوئے	ہوتے
۶۳۷	۲۴	یقیناً	یقیناً
۶۳۸	۸	دستان	دھستان
۶۳۸	۱۲	کا اندازہ ساجاسکتا ہے۔	کا محض اندازہ سا کیا جاسکتا ہے۔
۶۴۲	۲۳	جیودجیا	جیودجیا
۶۴۳	۵	ھرجستان	غرجستان
۶۴۴	۲۰	گلیوں	گلیوں
۶۴۴	۲۲	کہاہا	کہا
۶۴۷	۱۲	بورہٹ	بودھمت
۶۴۸	۳	وررِوالین	وَردوالیز
۶۴۸	۱۳	مسجدیں	مسجدیں
۶۴۸	۱۵	اچار	چار
۶۴۹	۸	کے	کو
۶۵۰	۱	عمربن الازرق	عمربن الازرق
۶۵۰	۱۷	پھریرا	پھریرے
۶۵۰	۲۲	قیس بن احنف	قیس بن احنف
۶۵۱	۱۶	نوبھار	نوبہار
۶۵۲	۲۳	خوندمیر	خواندمیر
۶۵۳	۹و۲۲	مروالرود	مروالرُّوذ
۶۵۷	۲۴	نے	کے
۶۵۸	۱	ثنا	سا
۶۶۱	۱۶	کے	کا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷۲۹	۲۴	۳۰۰ ۳۰۱۰	۳۰۰، ۳۰۱
۷۳۰	۱۱	امیرال	ایران
۷۳۰	۱۶	کمیک	کیک
۷۳۱	۹	سونلغ	سُونج
۷۳۱	۲۰	رویہلی	روپہلی
۷۳۲	۱۰	طرح طرح	طرح طرح کے
۷۳۲	۳	بُنے	بنتے
۷۳۲	۵	مین	ٹین
۷۳۲	۹	ے	سے
۷۳۲	۲۰	قباذمان	قباذیان
۷۳۲	۲۱	عل سنگ	پل سنگ
۷۳۲	۲۱	وخش	وخس
۷۳۳	۱۳و۱۶	کات	کاث
۷۳۶	۵	نجکت	بنجکث
۷۳۶	۱۵	نوُجکت	نوجکث
۷۳۶	۱۹	اشروستہ	اشروسنہ
۷۳۶	۲۴	۲۳۵	+
۷۳۷	۸	صدی	صدی ہیں
۷۳۸	۱۱	یہاں	کہاں
۷۳۸	۱۱	قتیبہ بن سلم	قتیبہ بن مسلم
۷۴۱	۳	خوازم	خوارزم
۷۴۱	۶	فرعانہ	فرغانہ
۷۴۱	۱۷	قزوی	قزوینی
۷۴۱	۱۲	شِلکت	سِلکت
۷۴۶	۹	حرف	صرف
۷۴۶	۱۸	سابلع	سابلغ
۷۴۸	۱۸	کیا	لیا
۷۴۹	۱	الاق	ایلاق
۷۴۹	۹	کے	سے
۷۴۹	۱۳	علاف	علاقہ
۷۵۱	۱۹	استیجاب	اسبیجاب
۷۵۲	۱۹	قزوی	قزوینی
۷۵۳	۵	کرغز	کِرغِز
۷۵۴	۴	انراد	اُتراد
۷۵۴	۶	بار	پار
۷۵۴	۹	سرطوں	مرحلوں
۷۵۵	۴	کی خوبصورتی	خوبصورتی
۷۵۷	۴	رخراسان	پر خراسان
۷۵۷	۱۲	نون کث	تون کث
۷۵۷	۲۱	تھی	تھیں
۷۵۸	۵	مرگئی	مرگئی
۷۵۸	۱۵	سمجھا	سمجھنا

تمت